فتاویٰ علماءِ ہند

جلد-۱۴

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باہتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔ الہند

فتاویٰ علماءِ ہند

جلد- ۱۴

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مفتی محمدؐ اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ
ممبائی۔ الھند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۱۴)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	جون ۲۰۱۸ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	**منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند**

یہ کتاب "منظمة السلام العالمية" کی طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب الصلاۃ

بسم الله الرحمن الرحيم

قال اللّٰه عزوجل:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾
(سورة الجمعة:۹)

مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا، فَلْيَتَحَرَّ فَلْيَنْظُرْ أَفْضَلَ ظَنِّهِ، فَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ ظَنِّهِ أَنَّهَا ثَلَاثًا قَامَ فَأَضَافَ إِلَيْهَا الرَّابِعَةَ، ثُمَّ تَشَهَّدَ، فَسَلَّمَ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، وَإِنْ كَانَ أَفْضَلُ ظَنِّهِ أَنَّهُ صَلَّى أَرْبَعًا تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ.
(كتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشيبانى،رقم الحديث:)

عن ابن عمر رضى اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقرأ السجدة ونحن عنده فيسجد ونسجد معه فنزدحم حتىٰ ما يجد أحدنا لجبهته موضعًا يسجد عليه.
(صحيح البخارى، باب ازدحام الناس إذا قرأ الإمام السجدة: ۱/۱٤٦،قديمى،انيس)

عن ابن عمر قال صليت مع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى الحضر والسفر فصليت معه فى الحضر الظهر أربعاً و بعدها ركعتين وصليت معه السفر الظهر ركعتين وبعدها ركعتين والعصر ركعتين ولم يصل بعدها شيئاً والمغرب فى الحضر والسفر سواء ثلٰث ركعات لا ينقص فى حضر ولا سفر وهى وتر النهار وبعدها ركعتين.
(سنن الترمذى،باب ماجاء فى التطوع فى السفر: ۱/۱۲۳،قديمى،انيس)

عن جابر بن عبد اللّٰه قال: "عاد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مريضاً وأنا معه فرآه يصلى ويسجد علىٰ وسادة فنهانا وقال: "ان استطعت أن تسجد على الأرض فاسجد والا فأوم ايماء واجعل السجود اخفض من الركوع.
(رواه البزاز،إعلاء السنن:۷/ ۱۷۸)

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: »خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ، وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ.
(الصحيح لمسلم،فصل فى فضيلة يوم الجمعة علىٰ باقى الأيام: ۱/۲۸۲،قديمى،أنيس)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵-۳۶)

سجدۂ سہو سے متعلق متفرق مسائل (۴۳-۱۰۸)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

سجدۂ تلاوت کے احکام (۱۰۹-۱۶۸)

معذور اور مریض کی نماز کے مسائل (۳۹۷-۴۴۶)

صفحات	عناوین	نمبر شمار

جمعہ کی فضیلت (۴۴۷_۴۵۶)

نماز جمعہ کی فرضیت (۴۵۷-۴۶۴)

شرائط جمعہ اور اس کے مسائل (۴۶۵-)

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمة الشكر

الحمد لله الذى جعل الصلاة عماد الدين، وجعلها رسول الله صلى الله عليه وسلم علامة فارقة تميز المسلمين من الكافرين، أحمده سبحانه أن جعلنا من أهل الصلاة، وأشكره على ما حبانا وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله إلى جميع الثقلين، اللّٰهم صل وسلم على عبدك ورسولك محمد، وعلى آله وأصحابه ومن على سنته إلى يوم الدين، أما بعد:

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل سے منظمۃ السلام العالمیہ کے زیر اہتمام ''فتاوی علماء ہند'' کی چودہویں جلد کی اشاعت کی توفیق مرحمت فرمائی۔

یہ کتاب الصلوٰۃ کی گیارہویں جلد ہے،اس جلد میں سجدۂ سہو سے متعلق متفرق مسائل، سجدۂ تلاوت کے احکام، مسافر کی نماز کے مسائل، جمعہ کی فضیلت، نماز جمعہ کی فرضیت، وشرائط جمعہ اوراس کے مسائل تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں۔

اسلام میں یوم جمعہ کی بہت عظمت وفضیلت بیان کی گئی ہے اوراسے ہفتے کے دنوں کا سردار کہا گیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمتیں، رحمتیں اور برکتیں بندوں پر نازل ہوتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اوراسی دن وہاں سے نکالے گئے اوراسی دن قیامت واقع ہوگی۔ (صحیح بخاری)

ارکان منظمۃ السلام العالمیہ اللہ جل شانہ کے کرم کے شکرگزار ہیں، ہماری بے بضاعتی وکم مائیگی اظہر من الشّمس ہے، علما وصلحا سے اس کی تکمیل کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ اللہ اس کام کے اندر آنے والے تمام رکاوٹوں کو دور فرمائے اوراللہ پاک اس کو شرف قبولیت بخشے اورعوام وخواص کے لیے نافع بنائے۔ آمین

بندہ شمیم احمد
ناشر فتاویٰ علمائے ہند
خادم منظمۃ السلام العالمیۃ، ممبئی (انڈیا)

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تأثرات

گرامی قدر منزلت حضرت مولانا محمد اسامہ صاحب ندوی دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے۔

''فتاویٰ علماء ہند'' کی جلد-۷، اور ۸، موصول ہوکر باعث سرفرازی ہوئی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

یہ علمی ذخیرہ جس میں برصغیر کے تقریباً دوسو علماء کرام ومفتیان کرام کے فتاویٰ کے خزانہ سے خلاصہ اور منتخبات کو جمع کر کے مرتب کیا جارہا ہے اور ساٹھ جلدوں میں یہ کام تکمیل تک پہنچنے کا اندازہ بیان کیا گیا ہے۔ نہایت عظیم کارنامہ ہے۔ اللہ پاک بعافیت تکمیل تک پہنچانا نصیب فرمائے۔ یہ اہل فقہ وافتاء کے لیے یقیناً باعث سہولت ہوگا۔ یوں تو ہر علمی کام باعث رحمت اور لائق مبارکباد ہوا کرتا ہے؛ لیکن یہ کاوش خصوصی طور پر قابل صد مبارکباد ہے۔ اللہ کرے کہ حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی کی سرپرستی اور نگرانی میں ہونے والا یہ کام سبھی عملہ جس میں خصوصی طور پر امارت شرعیہ اور اس کے دارالافتاء ودارالقضاء کے مفتیان کرام اور علماء عظام شامل ہیں، جیسا کہ حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی کی مشمولہ تمہید سے ظاہر ہے۔ نیز مرتبین، معاونین، محشین، محققین ودیگر امور میں معاون حضرات کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے اور امت مسلمہ کے لیے نافع ہو۔ آمین یارب العالمین

فقط والسلام

محمد رحمت اللہ کشمیری

دارالعلوم رحیمیہ، بانڈی پورہ، کشمیر

۱۴۴۰/۸/۱۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین،أما بعد:

''فتاویٰ علماء ہند'' کی متعدد جلدیں یکے بعد دیگرے موصول ہوئیں اوران سے استفادے کا موقعہ ملا اوران کو دیکھ کر یہ احساس پیدا ہوا کہ نہایت مہتم بالشان کام ہے،جس کی انجام دہی کے لیے حضرات علماء کرام کی ایک معتبر جماعت حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم (ناظم امارت شرعیہ بہار واڑیسہ) کی سرپرستی اور مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب زیدمجدہم کی نگرانی میں پوری مستعدی کے ساتھ متحرک ومشغول ہے۔

یہ کتاب کیا ہے؟ یہ دراصل حضرات علماء ہند کے''فتاویٰ کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا''ہے،جس میں غیر منقسم ہندوستان میں دوسوسالوں سے اکابر مفتیان کرام کے لکھے ہوئے فتاویٰ کے الگ الگ مجموعوں (جن میں سے بعض تو دس دس؛ بلکہ بیس بیس یا اس سے زائد جلدوں میں موجود ہیں) میں سے ایک جامع وحسین انتخاب کر کے تمام ابواب فقہیہ پر مسائل وفتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے اوران تمام اکابر کے فتاویٰ سے استفادہ کو آسان کردیا گیا ہے۔ پھر بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ اس کتاب میں اگر ایک جانب اکابر امت کے فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے اوراس کے لیے بے پناہ محنتوں اور مشقتوں سے کام لیا گیا ہے تو دوسری جانب اس کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ حاشیہ پر ان مسائل کی تخریج وتحقیق کی جائے اوران کو فقہی عبارت سے مدلل کیا جائے اوراس کے لیے بڑی ریزیوں وجفاکشوں کو کام میں لایا گیا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ یہ کام تقریباً ساٹھ مجلدات میں جاکر تکمیل کے مراحل پورے کرے گا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوکر مزید مسرت ہوئی کہ ان اردو فتاویٰ کی جمع وترتیب کے ساتھ ساتھ انہیں عربی وانگریزی زبانوں میں بھی منتقل کیا جارہا ہے۔اس میں شک نہیں کہ یہ نہایت خوش آئند اور ضروری اقدام ہے؛ کیوں کہ جہاں تک عربی میں ان کو پیش کرنے کی بات ہے تو یہ اس لیے کہ ہمارے اکابر کی بیشتر علمی وفقہی خدمات سے عرب دنیا کما حقہ واقف نہیں ہے؛ بلکہ بسا اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمارے اکابر سے کوئی واقفیت سرے سے نہیں رکھتے اور نہ ان کی علمی وفقہی، تفسیری وحدیثی خدمات کو جانتے ہیں، لہٰذا اس پہلو سے بھی اس مجموعے کا عربی زبان میں منتقل ہونا نہایت مناسب ہے؛ تاکہ عرب دنیا بھی ہمارے اکابر کے تبحر علمی ووسعت فکری اور تفقہ وبصیرت سے واقف بھی ہو اوران کے علوم وفیوض سے استفادہ بھی کر سکے اور جہاں تک انگریزی میں اس کو پیش کرنے کی بات ہے تو یہ بھی ایک اہم اقدام اور نہایت ضروری کام ہے؛ کیوں کہ انگریزی طبقے کے سامنے شاید ہی کوئی ایسا فقہ وفتاویٰ کا مجموعہ ہوگا جو مستند علما کا لکھا ہوا ہو اوراس پر وہ بلا کسی کھٹک کے عمل کر کے روز محشر سرخ خروئی حاصل کر سکیں؛ اس لیے یہ لوگ مجبوراً بعض غیر مستند کتابوں سے شرعی احکام لینے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ ان تمام فتاویٰ کو انگریزی زبان میں بھی پیش کیا جائے اوراس طبقے کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا جائے۔

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی (حفظہ اللہ تعالیٰ) کی زیر سرپرستی اس کام کا ہونا کام کے استناد واعتبار کے لیے قابل اطمینان ہونے کے کوئی شہادت ہے اور امید ہے کہ یہ جلد ہی اپنے تکمیلی مراحل کو پورا کرتا ہوا منزل مقصود کو بخیر وخوبی پہنچے گا۔

بلاشبہ یہ عظیم الشان فقہی وعلمی خدمت قابل صد تحسین ولائق صد مبارکباد ہے،جس پر میں حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی زیدمجدہ اوران کے تمام رفقائے کار کو دل کی گہرائیون سے مبارکباد پیش کریا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے اوراس کو جلد سے جلد بحسن وخوبی تکمیل تک پہنچائے۔ آمین یارب العالمین

محمد شعیب اللہ خان
جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

۱۹/رجب المرجب ۱۴۴۰ھ، مطابق: ۲۶/مارچ ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی جناب بھائی شمیم احمد صاحب زادفضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیزی مفتی محمد اسامہ سلمہ کے ذریعہ اس اطلاع سے خوشی ہوئی کہ ''فتاویٰ علمائے ہند'' کی آٹھ جلدیں شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں اور آپ حضرات نے اس علمی کاوش کو دینی اداروں اور دارالافتاء میں ہدیۃً ارسال کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ پاک اس کو خوب قبول کرے اور اس کے نفع کو عام وتام فرمائے۔ (آمین)

نیز اس بات سے مزید خوشی ہوئی کہ ہمارے دارالافتاء کے لیے آپ نے ایک سیٹ عطا کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔

فجزاکم اللّٰہ أحسن الجزاء

اللہ کرے کہ اس کی مزید جلدیں بھی عافیت وآسانی اور مکمل حسن وخوبی کے ساتھ شائع ہوکر امت کے لیے استفادہ کا ذریعہ بنتی رہیں اور آپ ہمیں اسی طرح بار بار شکریہ کا موقع مرحمت فرماتے رہیں۔ والسلام

(مفتی) شکیل احمد، پنویل، نئی ممبئی

بزم حنیف

دارالافتاء والارشاد، بشریٰ پارک، پنویل

پیش لفظ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی جعل یوم الجمعة سید الأنام، واختص به هذه الأمة من بین الأنام، أحمده علی نعمه العظام، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰہ الملک العلام، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله صلی اللّٰہ علیه وعلی آله وأصحابه، ما تعاقبت اللیالی والأیام، وسلم تسلیماً کثیراً.

فتاوی علمائے ہند کی چودہویں جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اس جلد میں سجدۂ سہو وسجدۂ تلاوت مسافر کی نماز اور خاص طور پر جمعہ کی نماز کے مسائل مذکور ہیں۔ جمعہ کا دن ان تمام دنوں میں جن میں سورج طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ یہ مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔ اس لیے تم اس کی عظمت سمجھو۔ جس کو اللہ نے باعظمت قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں درج ذیل امور مشروع ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت ہے: جمعہ کے دن جو غسل کرے، سویرے مسجد جائے، اور خطیب کے قریب بیٹھے اور توجہ سے خطبہ سنے، تو مسجد آنے والے کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے قیام وصیام جیسا ثواب ہے۔ (مسند احمد)

الحمدللہ حتی الوسع اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ دلائل وشواہد کے ذریعہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہوجائے۔ سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی فتاویٰ کے سوال وجواب کو بعینہ ذکر کیا گیا ہے ساتھ ہی تمام فتاویٰ میں اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کو اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ اور بھی زیادہ مدلل ہوگئے ہیں۔

الحمدللہ اس طرح ہمارے اکابرین کا یہ علمی وفقہی سرمایہ منظمہ السلام العالمیہ کے زیر اہتمام بندہ کی نگرانی میں اور حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب کے زیر سرپرستی علمائے ہند کی ایک بڑی جماعت ملک وبیرون ملک کے مختلف مقامات پر اپنی خدمات انجام دے رہی ہے کہیں جمع وترتیب کا سلسلہ ہے تو کہیں تحقیق ونظر ثانی پر کام ہورہا ہے اور بعض مقامات پر عربی وانگریزی ترجمہ کا اہتمام کیا جارہا ہے اس کے بعد ملک کے مشاہیر مفتیان کرام کی نگاہوں سے اس مجموعہ کو گزار کر اس کی توثیق کرائی جاتی ہے تاکہ یہ مجموعہ موثق ہوکر مؤید من اللہ ہوجاے، پھر طباعت کے بعد پورے عالم کے تمام اہم دینی اداروں میں ہدیہ لوجہ اللہ ارسال کرنے کی ترتیب بنائی جاتی ہے، ماشاءاللہ ہمارے مفتیان کرام بڑی ہمت وجانفشانی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔

میں شکر گزار ہوں علماء ومفتیان کرام کا جنھوں نے میری گزارش پر اپنے تاثرات تحریر فرمائے ہمت افزائی فرمائی اور دعائیں دی، اپنی بساط کے مطابق اس مجموعہ کی تکمیل میں پوری تحقیق کے ساتھ کام لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ محض خداوند قدوس کے فضل وکرم اور اس کے احسان ان کے صدقے میں ممکن ہو پایا ہے۔ اللہ تعالی کا احسان ہے کہ فتاوی علمائے ہند کا یہ سلسلہ اہل علم میں خوب مقبول ہورہا ہے لیکن بہرصورت یہ ایک بشری کاوش ہے جس میں خطاوثواب کا امکان ہے چنانچہ اہل علم سے گزارش ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ ممکن ہوسکے۔

بندہ محمد اسامہ شمیم الندوی

رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی، ممبئ (الھند)

۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ، مطابق: ۲۸؍جنوری ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیة

الحمد للّٰه رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الصادق الأمين، أَمَّا بَعْد:

نمازوں میں پیدا ہونے والے نقصان اوراس کی کمی وکوتاہی پوری کرنے کے لیے اللہ تعالی نے سجدۂ سہو مشروع کیا ہے۔قرآن کریم میں چند مقامات ایسے ہیں، جن کی تلاوت کرنے، یا کسی تلاوت کرنے والے سے سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے، اسے سجدۂ تلاوت کہتے ہیں، جس کو نیت کر کے دو تکبیروں (یعنی سجدہ میں جانے اور اُٹھنے کی تکبیروں) کے درمیان ادا کیا جاتا ہے۔سجدہ تلاوت کے مشروع ہونے میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے، البتہ اِس کے وجوب میں اختلاف ہے: امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سنت ہے۔

48 میل (نئے پیمانے سے 77.5 کلومیٹر) کی دوری کا ارادہ کرنے، یا اس سے زیادہ کا ارادہ کر کے نکلنے سے آدمی شرعی طور پر مسافر ہو جاتا ہے۔سفر خواہ پندرہ دن کا ہو، یا اس سے کم، یا اس سے زیادہ دنوں کا مسافر جب تک کسی ایک شہر، یا قصبہ وغیرہ میں مستقل پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کرے گا، مسافر ہی رہے گا۔ہاں اگر کسی بستی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو وہاں مقیم ہو جائے گا۔اس دوران فرض نماز کو قصر کرنا واجب ہے اور واجب نماز کی ادائیگی کامل طور پر سفر میں ضروری ہے، سنت مجبوری میں نہ پڑھ سکے تو حرج نہیں ہے، واجب ہر حال میں ادا کرنا ضروری ہے۔

نمازِ جمعہ مکہ معظّمہ میں فرض ہو چکی تھی؛ لیکن اس کی سب سے پہلے ادائیگی مدینہ منورہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے فرمائی، اس پہلے جمعہ میں 40 حضرات شریک تھے، پھر جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے پہلا جمعہ ''قبا'' سے روانہ ہو کر محلّہ بنو سالم بن عوف میں ادا فرمایا، جہاں بعد میں ایک مسجد بنادی گئی، جو ''مسجدِ جمعہ'' کے نام سے موسوم ہوئی۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے ''فتاویٰ علماء ہند'' کی نماز کے مسائل سے متعلق ''جلد-۱۴'' کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، اس جلد میں سجدۂ سہو کے متفرق مسائل، سجدۂ تلاوت، ایام سفر کی نماز اور نمازِ جمعہ سے متعلق مسائل کو شامل کیا ہے، سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ (۱۴ رویں) میں فتاویٰ کے سوال وجواب کو من وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتویٰ کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کر دیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔

امید ہے کہ علماء، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کا اہتمام کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہو گئے ہیں۔

میں اس موقعہ سے محبّ گرامی قدر انجینئر شمیم احمد زید مجدھم اور ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان ومعاونین کا شکر گزار ہوں، جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے۔اللہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔(آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)

ناظم امارت شرعیہ پٹنہ وچیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، بہار

۲۸ ربیع الثانیہ ۱۴۳۹ھ

سجدۂ سہو سے متعلق متفرق مسائل

بھول سے التحیات کی جگہ الحمد پڑھی، پھر یاد آنے پر التحیات بھی پڑھی، نماز ہوئی، یا نہیں:

سوال: صبح کے دو فرضوں میں امام نے بجائے التحیات کے سہواً الحمد شریف یا اور کوئی آیت قرآنی پڑھی، پھر اس کو یاد آ گیا، اس نے التحیات پڑھ کر سجدہ کیا۔ اس صورت میں کیا سجدۂ سہو واجب تھا اور نماز ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

چوں کہ تاخیر واجب ہوئی، لہذا سجدۂ سہو واجب ہوا، سجدۂ سہو سے نماز ہوگئی۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴۱۱/۴)

سنت میں التحیات کی جگہ فاتحہ پڑھ دی تو سجدۂ سہو لازم ہوگا، یا نہیں:

سوال: سنت مؤکدہ میں بجائے التحیات کے فاتحہ پڑھ دی، یاد آنے پر التحیات پڑھی تو سجدۂ سہو ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

نہیں۔ (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴۰۲/۴)

قعدہ اولیٰ میں التحیات کی جگہ الحمد شریف پڑھنا:

سوال: کوئی شخص قعدہ اولیٰ میں بجائے التحیات کے **قل هو الله**، یا **الحمد لله** پڑھنے لگے، بعد یاد آنے کے التحیات پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو، یا بغیر التحیات پڑھے کھڑا ہو جائے اور سجدہ سہو کرے۔ نیز قعدہ اخیرہ میں اگر الحمد پڑھنے لگے تو بعد یاد آنے کے التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کرے، یا اسی وقت سجدہ کر کے پھر التحیات پڑھے۔ نیز

---

(۱) وإذا قرأ الفاتحة مكان التشهد فعليه السهو وكذلك إذا قرأ الفاتحة ثم التشهد كان عليه السهو كذا روى عن أبي حنيفة إلخ ولو بدأ بالتشهد ثم بالقراء ة فلا سهو عليه، إلخ. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲۷/۱، مكتبه زكريا ديوبند، انيس)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں سجدۂ سہو ہے۔ واللہ اعلم (ظفیر)

اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ تشہد کی جگہ پڑھی، یا پہلے سورۂ فاتحہ پڑھی، پھر تشہد تو دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو آئے گا اور اگر پہلے تشہد پڑھا، پھر فاتحہ تو سجدۂ سہو نہیں لازم ہوگا۔ ظفیر

کوئی امام جہری نماز میں نصف الحمد سراً پڑھ گیا، بعد یاد آنے کے شروع سے الحمد پڑھے، یا جہاں سے باقی ہے، وہاں سے شروع کردے آواز سے؟

الجواب

ان اکثر صورتوں میں تاخیر واجب، یا ترک واجب ہے۔ اگر یہ افعال قصداً نہیں کئے اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز درست ہوگی، ورنہ واجب الاعادہ ہوگئی، کمافی سائر کتب الفقہ اور نصف الحمد سراً پڑھنے کے بعد جب یاد آوے تو شروع سے جہراً پڑھنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ تعالی اعلم

۱۹ صفر ۱۳۵۰ھ۔ (امداد المفتین: ۳۱۶/۲)

التحیات کے بجائے الحمدللہ پڑھنے پر سجدۂ سہو:

سوال: التحیات کے بجائے الحمد پڑھ لی تو کیا سجدۂ سہو ہے؟

(المستفتی: ۶۵۸، مجیدی دواخانہ بمبئی۔ ۲۷/رجب ۱۳۵۴ھ، ۲۶/اکتوبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

التحیات کی جگہ الحمد پڑھ لینے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴۱۷/۳)

قعدہ میں تشہد سے پہلے سورۂ فاتحہ:

سوال: قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بجائے بھول کر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرلے اور پھر یاد آنے پر پوری ''التحیات'' پڑھ لے تو کیا سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے؟ (محمد بن علی مسدوسی، مغلپورہ)

الجواب

اگر تشہد کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے اور بعد میں تشہد پڑھے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا؛ کیوں کہ اس نے واجب کے ادا کرنے میں تاخیر کی اور اگر تشہد پڑھنے کے بعد بھول کر سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔

''وإذا فرغ من التشهد وقرأ الفاتحة سهواً فلا سهو عليه ... إذا قرأ الفاتحة ثم التشهد كان عليه السهو''. (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۴۳۷/۲-۴۳۸)

---

(۱) وإذا قرأ الفاتحة مكان التشهد فعليه السهو وكذلك إذا قرأ الفاتحة ثم التشهد كان عليه السهو. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثانى عشر فى سجود السهو: ۱۲۷/۱، ط: ماجدية)

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثانى عشر فى سجود السهو: ۱۲۷/۱، انيس

قعدۂ اولیٰ، یا ثانیہ میں قبل تشہد، یا اس کے بعد فاتحہ وغیرہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم آئے گا، یا نہیں:

سوال: اگر قعدہ اولی، یا ثانیہ میں تشہد سے پہلے، یا بعد میں فاتحہ قرآن کی ایک آیت، یا دو آیت پڑھ جائے تو سجدۂ سہو لازم ہے، یا نہیں؟

الجواب

قعدۂ اولیٰ میں بہرحال لازم ہے اور ثانیہ میں تشہد سے پہلے پڑھے تو واجب ہے، ورنہ نہیں۔

قال الطحطاوی فی حاشیة مراقی الفلاح: ولوقرا آیة فی الرکوع أوالسجود أو القومة فعلیه السهو وفی البحر عن البدائع: لاسجود علیه قال صاحب البحر: ولکن ما فی الظهیریة أن علیه السهو إلی) ولوقرأ فی القعود إن قرأ قبل التشهد فی القعدتین فعلیه السهو لترک واجب الابتداء بالتشهد أول الجلوس وإن قرأ بعد التشهد فإن کان فی الأول فعلیه السهو لتأخیر الواجب وهو وصل القیام بالفراغ من التشهد وإن کان فی الأخیرفلاسهوعلیه لعدم ترک واجب؛ لأنه موسع له فی الدعاء والثناء بعده فیه والقراء ة تشتمل علیهما، آه. (ص: ٢٦٧) (١) واللہ اعلم

۱۲/شوال ۱۳۵۸ھ (امداد الاحکام: ۳۰۱/۲)

سجدۂ سہو کے بعد تشہد کی جگہ الحمد پڑھ دے تو کیا حکم ہے:

سوال: نماز میں زید نے بوجہ ترک واجب سجدۂ سہو کیا، بعدہ بجائے تشہد الحمد پڑھ گیا، یاد آنے پر مکرر سجدۂ سہو کرے، یا فوراً تشہد شروع کردے؟

الجواب

پھر تشہد پڑھے، دوبارہ سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۴/۴)

تشہد میں سہواً بسم اللہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا:

سوال: مغرب کی دوسری رکعت میں التحیات سے پہلے بسم اللہ شریف سہواً پڑھ جانے سے سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

تشہد ابن مسعودؓ واجب نہیں؛ بلکہ اولی ہے۔ پس اگر تشہد دوسرے طرق مرویہ کے موافق پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے

---

(١) حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، باب سجود السهو، ص: ٤٦١، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس

(٢) السهو فی سجود السهو لا یوجب السهو، لأنه لایتناهی، کذا فی التهذیب. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ١٣٠/١، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

اور بعض طرق میں بسم اللہ کی زیادت بھی ہے، لہذا سجدہ سہو تو نہ ہوگا؛ مگر ایسا کرنا اچھا نہیں۔ اب اگر محض بسم اللہ زیادہ کیا تو یہ جائز ہے، لکونه واردًا اور اگر بسم اللّٰه الرحمن الرحيم زیادہ کیا تو اس میں کراہت تنزیہی ہوگی، لکونه واردًا اور سجدۂ سہو نہ ہوگا، لکونه زيادة فی التشهد لاعلی التشهد واللّٰه أعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۵/ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۹۳)

التحیات میں بھول جائے:

سوال: میں التحیات پڑھتے پڑھتے بھول جاتا ہوں، دوبارہ دہراتا ہوں، کیا اس بنا پر سجدۂ سہو لازم ہوگا؟

هو المصوب

مذکورہ صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔ (۱)

تحریر: محمد طارق ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳/۱۳۹)

تشہد کے بعد سہو کی صورت میں مکرر تشہد کا حکم:

سوال: قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد کے امام نے سلام پھیر دیا، درود نہیں پڑھا، مقتدی نے اللہ اکبر کہا، اب امام پھر تشہد پڑھ کر سجدہ سہو ادا کرے، یا کہ سجدہ سہو نہ کرے؟

الجواب

خروج بفعل مصلی جو کہ فرض ہے، اس میں تاخیر ہوئی؛ اس لیے سجدۂ سہو واجب ہے اور اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کا طریقہ مشروع ہے؛ یعنی تشہد کے بعد؛ کیوں کہ جو تشہد پڑھا جا چکا ہے، وہ قبل سہو ہوا تھا، لہذا وہ کافی نہ ہوگا۔ (۲) فقط

یکم ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۹۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۴۰-۵۴۱)

---

(۱) السابع: التشهد فإنه يجب سجود السهو بتركه ولو قليلاً في ظاهر الرواية؛ لأنه ذكر واحد منظوم فترك بعضه كترك كله ولا فرق بين القعدة الأولىٰ أوالثانية. (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱٦۸، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) اس جواب میں تسامح ہوا ہے اور غالباً منشا تسامح یہ ہے کہ بادی النظر سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کے نزدیک یہ امر متعین ہے کہ امام نے سلام جو پھیرا ہے، وہ ناکافی ہے اور اسے دوسرا سلام خروج صلوٰۃ کے لیے پھیرنا ہوگا اور تردد اس کو صرف اس امر میں ہے کہ آیا اس صورت میں سجدہ سہو کرنا چاہیے، یا نہیں؟ اگر کرنا چاہیے تو تشہد پڑھ کر، یا بلا تشہد؟ اس تعیین سے حضرت مولانا کو دھوکا ہو گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ خروج بفعل مصلی جو کہ فرض ہے، اس میں تاخیر ہوئی، الخ؛ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے؛ بلکہ صحیح جواب یہ ہے کہ امام کی نماز تمام ہوگئی اور سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

تنبیہ: اس جواب پر کسی شخص نے دوسرے عنوان سے شبہ کیا ہے، جس کا جواب حضرت مولانا نے بلا مراجعت الی اصل الکتاب دیا ہے، وہ سوال وجواب ملحقات (اب یہ سوال وجواب اسی صفحہ کے سوال: ۴۵۷ میں درج کر دیا گیا) ==

سوال: بہشتی زیور، ص: ۷۰: اگر چوتھی رکعت پر بیٹھی اور التحیات پڑھ کر کھڑی ہوگئی تو سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آوے بیٹھ جاوے اور التحیات نہ پڑھے؛ بلکہ بیٹھ کر تُرت سلام پھیر کر سجدہ کرے۔ عبارت درمختار بھی اس کی مؤید ہے:

”**وإن قعد في الرابعة مثلا قدر التشهد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائماً صح**“. (۱)

فتاوی امدادیہ، حصہ اول، ص: ۹۴ میں مذکور ہے: سجدۂ سہو واجب ہے اور اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کا طریقہ مشروع ہے؛ یعنی تشہد کے بعد؛ کیوں کہ جو تشہد پڑھا جا چکا ہے، وہ قبل سہو ہوا تھا، لہٰذا وہ کافی نہ ہوگا۔

گزارش یہ ہے کہ عبارت مذکورہ میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب

یہ قواعد سے لکھ دیا ہوگا، جواب اول صحیح ہے۔

۲۱/رجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۳۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۵۴۰/۱)

سجدۂ سہو میں تشہد کی دلیل:

سوال: ایک صاحب اکثر سہو کا سجدہ بلا تشہد کرتے ہیں اور تشہد کا ثبوت حدیث صحیح نص صریح سے مانگتے ہیں؟

الجواب

في الحديث المتفق عليه عن ابن مسعود رضي الله عنه، قال عليه السلام: ”إذا شک أحدكم في صلوته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم ليسلم ثم يسجد سجدتين“. (متفق عليه) (۲)

وأيضًا في المتفق عليه مرفوعًا: حتىٰ إذا قضى الصلاة وانتظر الناس تسليمه كبر وهو جالس فسجد سجدتين.

وفي حديث الترمذي: عن عمران بن حصين أن النبي صلى الله عليه وسلم صلىٰ بهم فسها فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم. (۳)

حدیث اول میں **فليتم عليه** سے تشہد قبل سجدۂ سہو ثابت ہے؛ کیوں کہ بدون تشہد کے صلوٰۃ ناقص ہے، اسی طرح

== تتمہ اولیٰ فتاویٰ امدادیہ، ص: ۳۴۱ میں درج ہیں، سو بجائے اس جواب کے جو وہاں درج ہے، یہ جواب سمجھنا چاہیے کہ مسئلہ بہشتی زیور صحیح ہے اور جواب فتاویٰ غلط ہے اور منشا غلطی عنوان سوال سائل ہے اور صحیح جواب سوال فتاویٰ کا یہ ہے کہ نماز تمام ہوگئی، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم العالی نے ترجیح الراجح حصہ سوم، ص: ۲۰۰، مطبوعہ مطبع کانپور میں اس مسئلہ کے متعلق اپنا تردد ظاہر فرمایا ہے، جیسا کہ سوال: ۴۵۰ کے آخر میں آرہا ہے اور تحقیق کا مشورہ دیا ہے، جو احقر نے عرض کی ہے۔ واللہ اعلم (تصحیح الاغلاط، ص: ۱۷)

(۱) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱۰۲/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب السهو، الفصل الأول، ص: ۹۲، فيصل پبليكيشنز ديوبند، انيس

(۳) جامع الترمذي، باب ماجاء في التشهد في سجد تي السهو: ۹۰/۱، فيصل پبليكيشنز ديوبند، انيس

حدیث ثانی سے؛ کیوں کہ بدون تشہد کے انتظار سلام کا نہیں ہوسکتا اور حدیث ثالث سے تشہد بعد سجدہ سہو ثابت ہے۔ پس مجموعہ سے مجموعہ ثابت ہوگیا۔(۱) فقط واللہ اعلم

یکم ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد:۱/۸۹) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۳۹)

واجب وسنت نماز میں قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود پڑھنے سے سجدۂ سہو:

سوال: سنت اور واجب نمازوں میں قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف وغیرہ پڑھ جاوے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا نہیں اور ایسے ہی سنت اور واجب میں قعدۂ اولیٰ بھول کر کھڑا ہوجاوے تو تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے یاد آنے پر بیٹھ جاوے، یا نہیں؟

الجواب

نمازِ واجب مثلاً وتر میں وہی حکم ہے، جو نماز فرض میں ہے۔ پس اس میں اگر قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف وغیرہ پڑھ جاوے گا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا اور سنن مؤکدہ میں دو قول ہیں؛ لیکن احوط وجوب سجدہ ہے۔(۲)

اور (سنن وواجب کے) قعدۂ اولیٰ کے ترک میں وہی احکام ہیں، جو فرض کے قعدۂ اولیٰ کے ترک میں کہ اگر اقرب الی القعود ہو بیٹھ جائے اور اگر اقرب الی القیام ہو تو نہ بیٹھے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیوے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۳۹۳-۳۹۴)

---

(۱) پھر رحمت مہداۃ میں ابوداؤد ونسائی کی روایت سے ایک حدیث سے گزری، جس میں مجموعہ تشہدین مصرح ہے:

عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إذا کنت فی صلاة فشککت فی ثلٰث أو أربع وأکبر ظنک علٰی أربع تشهدت ثم سجدت سجدتین وأنت جالس قبل أن تسلم ثم تشهدت أیضًا ثم تسلم. (ص:۵۳) (منه) (سنن أبی داؤد، باب من قال یتم علٰی أکبر ظنه، ص:۱۴۷، أشرفیة دیوبند، انیس)

(۲) ولایزید فی الفرض علی التشهد فی القعدة الأولٰی إجماعاً فإن زاد عامدًا کره فیجب الإعادة أو ساهیاً وجب علیه سجود السهو إذا قال "اللّٰهم صلّ علٰی محمد" فقط علی المذهب المفتٰی به لا لخصوص الصلاة بل لتأخیر القیام (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۷۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(قوله لایزید فی الفرض) أی وما ألحق به کالوتر والسنن الرواتب وإن نظر صاحب البحر فیها. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ۲/۲۲۰، دار الکتب العلمیة بیروت، ظفیر)

(۳) (سها عن القعود الأول من الفرض) ولو عملیًا أما النفل فیعود ما لم یقید بالسجدة (ثم تذکر عاد إلیه) وتشهد ولا سهو علیه فی الأصح (ما لم یستقم قائمًا) فی ظاهر المذهب وهو الأصح (وإلا) أی إن استقام قائماً (لا) یعود لاشتغاله بفرض القیام وسجد للسهو لترک الواجب. (الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۷۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(قوله: ولو عملیًا) کالوتر فلا یعود فیه إذا استتم قائماً. (قوله أما النفل فیعود الخ) جزم به فی المعراج والسراج وعلله ابن وهبان بأن کل شفع منه صلاة علٰی حدة ولا سیما علٰی قول محمد بأن القعدة الأولٰی منه فرض ==

قعدۂ اولیٰ میں درود پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر چار رکعت کے درمیان قعدہ میں سوائے التحیات کے اگر چند لفظ بھی درود شریف کے پڑھے جاویں تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ————————

سہو کا سجدہ واجب ہوگا، اگر اس قدر پڑھ لیا ''**اللّٰهم صل علٰی محمد**''.(۱) فقط

(**امداد: ۱/۳۵**) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۲۸-۵۲۹)

قعدۂ اولیٰ میں درود پڑھنے سے سجدۂ سہو:

سوال: تین، یا چار رکعت والی نماز کے درمیانی قعدہ میں التحیات کے بعد اگر درود شریف اللّٰهم صل علی محمد پڑھ لی جائے تو سجدہ سہو واجب ہے، یا نہیں؟ اور ایسا امام جو درود پڑھنے کے بعد سجدۂ سوہ نہ کرتا ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۷۹۵، غیاث الدین دہلی، ۲۷/ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ)

الجواب ————————

فرض نماز کے درمیانی قعدہ میں تشہد پر اکتفا کرنا واجب ہے، درود شریف اگر ''**اللّٰهم صلی علی محمد**'' تک پڑھ لیا جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا، (۲) سجدۂ سہو نہ کیا جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۱۸)

== فکانت کالأخیرة و فیها یقعد وإن قام. وحکٰی فی المحیط فیه خلافاً، وکذا فی شرح التمرتاشی قیل یعود، وقیل لا، وفی الخلاصة: و الأربع قبل الظهر کالتطوع وکذا الوتر عن محمد وتمامه فی النهر، لکن فی التتارخانیة عن العتابیة قیل فی التطوع یعود ما لم یقید بالسجدة والصحیح أنه لا یعود، آه. وأقره فی الإمداد، لکن خالفه فی متنه تأمل. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۳، ظفیر)

(۱) وجب علیه السهو إذا قال: اللّٰهم صل علٰی محمد فقط. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۷۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۲) (وتأخیر قیام إلی الثالثة بزیادة علی التشهد بقدر رکن) وقیل بحرف وفی الزیلعی، الأصح وجوبه باللّٰهم صل علٰی محمد. (التنویر وشرحه، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۱، ط: سعید)

(۳) والإعادة فی العمد والسهو إذا لم سیجد لتکون مؤداة علی وجه لا نقص فیه فإذا لم یعدها کانت مؤداة أداء مکروها کراهة تحریم وهذا هو الحکم فی کل واجب ترکه عامدا أو سهوا. (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱/۳۱۲، دار الکتاب الإسلامی بیروت، انیس)

قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھ دے، یا سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو ہے، یا نہیں:

سوال: چار رکعت کی نماز میں دوسری رکعت کے تشہد میں بعد چند الفاظ درود کے اور زائد پڑھ دیئے تو اس پر سجدۂ سہو ہوگا، یا نہیں؟ اور اگر دونوں طرف سلام پھیر دے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

سجدۂ سہو واجب ہے، اگر دونوں طرف سلام پھیر دے، تب بھی سجدۂ سہو کرے۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۱۲)

قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھنا:

سوال: قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ البحر الرائق میں ہے:

"ذکر فی البدائع أنه یجب علیه السجود عنده وعندهما لایجب؛ لأنه لو وجب لوجب لجبر النقصان ولایعقل نقصان فی الصلاۃ علیٰ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ووجه قول الإمام أنه لایجب علیه با لصلاۃ علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بل بتأخیر الفرض وهو القیام إلا أن التأخیر حصل بالصلاۃ". (۲)

"وفی القهستانی عن الروضة: وبه (أی بقول الصاحبین) أفتیٰ بعض أهل زماننا، واستقبح محمد السهو لأجل الصلاۃ علیه صلی اللّٰه علیه وسلم، کما فی المحیط، ونعم ماقال روّح اللّٰه روحه؛ لکن فی المضمرات: أن الفتویٰ علیٰ قوله (أی الإمام) انتهیٰ. (۳) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۱۵)

اگر قعدۂ اولی میں درود پڑھنے لگے:

سوال: ایک شخص نے دوسری رکعت میں التحیات پڑھ کر کھڑا ہونے کے بجائے درود شریف بھی پڑھنا شروع کر دیا، بعد میں یاد آیا، تو درود شریف کو درمیان میں چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تو کیا سجدۂ سہو لازم ہوگا؟ اور درود شریف کے کتنے الفاظ سے سجدۂ سہو کی ضرورت ہوگی؟ (محمد یوسف، قاضی پورہ، عبدالستار، مغل پورہ)

---

(۱) عن ثابون رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لکل سهو سجدتان بعد ما یسلم. (إعلاء السنن، باب وجو سجود السهو وکونه بین السلامین: ۷/۱۵۲، إدارۃ القرآن والعلوم الإسلامیة باکستان، انیس)

(وتأخیر قیام إلی الثالثة بزیادۃ علی التشهد بقدر رکن) وقیل بحرف وفی الزیلعی: الأصح وجوبه باللّٰهم صل علیٰ محمد. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السهو: ۲/۸۳، ظفیر)

(۲) البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود السهو: ۲/۱۷۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

(۳) جامع الرموز، فصل فی سجود السهو، ص: ۱۰۳، ط: نولکشور لکناؤ، انیس

الجواب

اگر درود شریف ”اللّٰھُمَّ صل علی محمد“ تک پڑھ چکا تھا کہ یاد آیا اور اٹھ گیا تو ”قیام“ جو رکن نماز ہے، تاخیر کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگیا، سجدۂ سہو کرلے، نماز ہو جائے گی، سجدۂ سہو بھی نہ کی تو نماز کا لوٹانا واجب ہوگا، اگر اس سے کم ہی حصہ پڑھا تھا کہ اٹھ کھڑا ہوا تو سجدۂ سہو واجب نہیں، یوں ہی نماز مکمل کرلے۔

وفي الزيلعي: الأصح وجوبه باللّٰهم صل علىٰ محمد. (۱)

وقال بعضهم: لايجب عليه حتىٰ يقول وعلى آل محمد والأول أصح. (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۳۸)

درود کا کچھ حصہ چھوٹ گیا اور دعا کے بعد اس نے اسے دوبارہ پڑھا تو اس پر سجدہ نہیں:

سوال: اگر ’اللّٰهم بارك‘ سے ’حميد مجيد‘ تک قعدۂ آخری میں سہواً نہ پڑھا جاوے اور دعاء ماثورہ پڑھتے وقت اس کو یاد آوے، پس وہ باقی ماندہ دعا چھوڑ کر درود شریف کی طرف انتقال کرے، یا نہیں؟ اور اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

انتقال کرنا مناسب ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم: ۴/۳۹۱-۳۹۲)

امام نے بھول کر پہلے قعدہ میں دونوں طرف سلام پھیر دیا تو باقی نماز پڑھ سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: امام نے پہلے قعدہ میں بھول کر دونوں طرف سلام پھیر دیا تو اب باقی نماز پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟ اور دونوں سلام پھیرنے سے نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

سہواً دونوں طرف سلام پھیر دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (۴) باقی رکعات پڑھ کر آخر میں سجدۂ سہو کرلیوے، نماز صحیح ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۱۱-۴۱۲)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثانى عشر فى سجود السهو: ۱/۱۲۷، انيس

(۳) وسننها رفع اليدين للتحريمة، الخ، و الصلاة على النبى (صلى الله عليه وسلم) فى القعدة الأخيرة. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب سنن الصلاة: ۱/۴۷۴-۴۷۷، ظفير)

(۴) (إلا السلام ساهياً) للتحليل أى للخروج من الصلاة قبل إتمامها علىٰ ظن إكمالها فلا يفسد. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۱۵، دار الفكر بيروت، ظفير)

اگر درمیان قعدہ میں سلام پھیر دیا، پھر یاد آیا تو:

سوال: اگر نمازی نے وسط کے قعدہ میں ہی ایک طرف، یا دونوں طرف سلام پھیر دیا اور بعد میں یاد آیا کہ ابھی نماز تمام نہیں ہوئی اور اسی نیت سے کھڑے ہو کر نماز پوری کر کے سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

وسطِ قعدہ میں درود اور دعا پڑھ کر سلام [پھیر] دیا تو بسبب تاخیر کے سہو آوے گا اور جو کچھ نہیں پڑھا اور بعد سلام کے کھڑا ہو گیا تو قلیل وقفہ کے سبب سجدہ سہو نہ آوے گا۔

(بدست خاص، سوال: ۱۵۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۷۸-۱۷۹)

دوسری رکعت میں بیٹھتے ہی سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہو گئی:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۶/دسمبر ۱۹۲۸ء)

سوال: ایک شخص نے دو رکعت والی نماز پڑھی، قعدۂ اخیر میں بیٹھتے ہی سلام موڑ دیا، التحیات اور درود شریف وغیرہ کچھ نہیں پڑھا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز نہیں ہوئی، لوٹانا ضروری ہے۔(۱) (کفایت المفتی: ۴۱۹/۳)

مغرب میں دو رکعت پر سلام پھیر دے:

سوال: مغرب کی نماز میں امام صاحب سے سہو ہو گیا، انہوں نے دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا، حالاں کہ مقتدیوں نے اللہ اکبر کہہ کر متنبہ بھی کیا تھا، امام صاحب نے قبلہ سے منہ پھیرا بھی نہیں تھا اور نہ بات کی تھی، پھر بھی شروع سے دوبارہ نماز پڑھائی تو کیا اگر بھول کر دو رکعت پر سلام پھیر دے، پھر یاد آئے تو کھڑا ہو کر تیسری رکعت مکمل نہیں کر سکتا؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر تین رکعت کے بجائے دو رکعت پر سلام پھیر دے اور بعد میں تیسری رکعت بھول جانا یاد آ جائے، ابھی تک سینہ قبلہ سے ہٹا نہ ہو اور کوئی گفتگو، یا نماز کے منافی عمل نہ کیا ہو تو اس کے لیے ایک رکعت پوری کر لینے کی گنجائش ہے، البتہ

---

(۱) (ولها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد له،إلخ.(التنوير وشرحه، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٤٥٦/١،ط:سعيد)

اخیر میں سجدۂ سہو کرنا پڑے گا؛ تاہم اگر امام صاحب نے نماز دہرالیا تو اس میں بھی حرج نہیں؛ بلکہ زیادہ احتیاط ہے۔

(ویسجد للسهو ولو مع سلامه)... (ما لم يتحول عن القبلة أويتكلم). (۱)

اگر خود یاد نہ آیا؛ بلکہ کسی اور نے یاد دلایا تو اگر اس نے ایک لمحہ تفکر کیا اور خود اسے یاد آ گیا، پھر اس نے کھڑے ہو کر نماز پوری کرلی تو یہ درست ہے؛ لیکن اگر اسے خود یاد نہیں آیا اور نماز سے باہر کسی شخص کی یاددہانی پر کھڑا ہوا تو نماز درست نہیں ہوگی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۳۹/۲)

امام بھول جائے اور سلام کے بعد توقف کر کے پورا کرے تو سجدۂ سہو ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۴/نومبر ۱۹۲۷ء)

سوال: امام نے مغرب کی نماز میں دو رکعت ختم کر کے سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا، اس پر آخر صف کے مقتدیوں نے کہا کہ نماز دو رکعت ہوئی ہے اور اس گفتگو میں خاصہ شور وشغب ہو گیا، اس کے بعد امام نے پھر ایک رکعت نماز پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا، یہ نماز ہوئی، یا نہیں؟ امام کہتا ہے کہ جب تک امام کا سینہ قبلہ سے نہ پھرے، اس وقت تک وہ نماز سجدۂ سہو ادا کرنے سے ہو جاوے گی، جن مقتدیوں نے گفتگو کی نماز کا کیا حکم ہے؟ (امام حنفی ہے مقتدیوں میں حنفی شافعی اور غیر مقلد تھے۔)

الجواب

ہاں اگر امام نے خود کلام نہ کیا اور نہ قبلہ سے منحرف ہوا تو ایک رکعت پڑھ لینے اور سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہوگئی اور جن مقتدیوں نے کلام نہیں کیا (اور امام کے ساتھ تیسری رکعت پڑھ لی) ان کی نماز بھی ہوگئی اور جن لوگوں نے کلام کیا، ان کی نمازیں باطل ہوگئیں۔ (۲) ان کو اپنی نمازیں از سر نو پڑھنی چاہئیں؟

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۴۱۹/۳)

سوال بالا کا دوسرا جواب:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۶/دسمبر ۱۹۲۸ء)

الجواب

امام کی اور ان مقتدیوں کی جنھوں نے بات نہیں کی اور قبلہ رخ رہے، نماز ہوگئی اور جن مقتدیوں نے بات کی؛ یعنی

(۱) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱۰۳/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) ويسجد للسهو ولو مع سلامه ناويا للقطع ما لم يتحول عن القبلة أو يتكلم لبطلان التحريمة. (التنوير وشرحه، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۹۱/۲، ط: سعيد)

یہ جملہ کہا کہ ''دو رکعت نماز ہوتی ہے'' اگر وہ حنفی ہیں تو مذہب حنفی کے بموجب ان کو اپنی نماز دہرالینی چاہیے۔(۱) رہے شافعی اور غیر مقلد تو اگر وہ اس کو مفسد نماز نہ سمجھیں تو حنفیوں کو ان سے تعرض نہ کرنا چاہیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۴۱۹/۳-۴۲۰)

بھول کر سلام پھیرنے کے بعد تکمیل صلوٰۃ:

سوال: اگر صلوٰۃ رباعیہ میں بھول کر دو پر سلام پھیر دے اور قبلہ کی طرف سے منہ پھیر کر چل دے اور پھر یاد آجائے تو اس پر بنا کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ طحطاوی میں لکھتے ہیں کہ ''جب تک مسجد سے خارج نہ ہو جائز ہے''۔(۲) فقط

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اور کتب میں بھی یہی لکھا ہے۔ملاحظہ ہو: البحر وطحطاوی علی ھامش الدر المختار ومنیہ وغنیۃ وغیرہ۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۲/۲۰ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۲/۲۰ھ۔ الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۱۳۶۱/۲/۲۰ھ (فتاویٰ محمودیہ:۴۵۲/۷)

خارج نماز کے قول پر امام کے عمل کا حکم اور حدیث ذوالیدین کی تحقیق:

سوال: صلوٰۃ مغرب میں امام نے سہواً دو رکعت پر سلام پھیرا اور سلام ہی پھیرنے میں اس کو شبہ ہوا کہ شاید دو

---

(۱) يفسدها التكلم،وهو النطق بحرفين أو حرف مفهم.(الدرالمختار،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ٦١٣/١،سعيد)

(۲) ''إذا سلم ساهيًا على الركعتين مثلاً،وهو في مكانه ولم يصرف وجهه عن القبلة،ولم يأت بمناف عاد إلى الصلاة من غير تحريمة،وبنى على مامضى،وأتم ماعليه،ولو اقتدىٰ به إنسان في هذه الحالة صح وأما إذا انصرف وجهه عن القبلة، فإن كان في المسجد ولم يأت بمناف،فكذالك؛لأن المسجد كله في حكم مكان واحد؛لأنه مكان الصلاة وإن كان قد خرج من المسجد،ثم تذكر،لايعود،وفسدت صلاته''.(حاشية الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو،ص:٤٧٣، قديمی)

(۳) (قوله :(إن توهم مصلى الظهر أنه أتمها فسلم،ثم علم أنه صلىٰ ركعتين،أتمها وسجد للسهو)...وحكمه أنه إن كان في المسجد ولم يتكلم وجب أن يأتي به وإن انصرف عن القبلة؛ لأن سلامه لم يخرجه عن الصلاة.(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب سجود السهو:١٩٦/٢،رشيدية)

''(ولو مع سلامه)ناوياً(للقطع مالم يتحول عن القبلة أو يتكم) ... مادام في المسجد''.(حاشية الطحطاوی على الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب سجود السهو:٩١/٢،دارالفكر بيروت،انيس)

قال الحلبی:(و إن سلم علىٰ رأس الركعتين في الظهرعلىٰ ظن أنه أتمها،ثم تذكر)أنه إنما صلىٰ ركعتين فقط (يتمها ويسجد للسهو)؛لأنه سلم علىٰ ظن إتمام الاربع،فيكون سلامه سهواً.(غنية المستملی لإبراهيم الحلبی الكبير،فصل في سجود السهو،ص:٤٦٢،سهيل اكادمی لاهور)

رکعتیں پڑھیں؛ مگرعدم تیقن اوراس شبہ کی مرجوحیت کے باعث توجہ نہ کی،سلام پھیرنے کے بعدمقتدی نے کہا: دورکعت ہوئیں۔مقتدی کےاس قول سےاس کا شبہ راجح ہوااورامام فوراً کھڑا ہوگیا،سب مقتدی بھی کھڑے ہوگئے اور تیسری رکعت پرسلام پھیرکرسجدۂ سہوکرلیا۔نماز ہوئی، یانہیں؟اگرہوئی تواس مقتدی متکلم کی بھی ہوئی، یانہیں؟اسی میں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تکلم عندالاحناف مطلق مفسد صلوٰۃ ہے،خواہ لاصلاح الصلوٰۃ ہو، یانہیں۔ذوالیدین کی حدیث کس حدیث سے منسوخ ہے؟

الجواب

اس قسم کی جزئیات (۱) میں فروع مختلف لکھی ہیں، **كما يظهر من مطالعة الدرالمختار وردالمحتار، ص:٥٩٦، ٦٥٠، ٦٧٣**؛ لیکن اس باب میں طحطاوی نے خوب فیصلہ کیا ہے،جس سے سب فروع بھی متفق ہوجاتی ہیں۔شامی نے صفحہ:۵۹۶ میں اس طرح نقل کیا ہے:

وقال "ط": لوقيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمرالشارع فلا تفسد وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمرالشارع فتفسد لكان حسنا، آه. (۲)

پس جب (۳) امام کا شبہ راجح ہوگیا تو امرشارع کے سبب سے وہ کھڑا ہوا ہے؛اس لیےاس کی اورمقتدیوں کی سب کی نماز ہوگئی، بجزکلام کرنے والےمقتدی کے کہ اس کی نماز بوجہ کلام کے فاسد ہوگئی،جیسا حنفیہ کا مذہب مشہوراورمتون میں مذکور ہےاورحدیث کے متعلق بحث اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مسلم میں یہ تین حدیثیں نہی عن الکلام میں وارد ہیں، ایک معاویہ بن حکم اسلمی کی،جس میں یہ ارشادہوا ہے:

"إن هٰذه الصلاة لا تصلح فيها شيء من كلام الناس".

قلت: عموم شئ لكونه نكرة ووقوعه تحت النفي يشمل كل كلام بأي وجه كان عامدًا أوناسيًا أو لإصلاح الصلاة.

دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نجاشی رضی اللہ عنہ کے پاس سے آنے کے وقت:

فقلنا: يا رسول اللّٰه! كنا نسلم عليك في الصلاة، قال: إن في الصلاة شغلاً. (۴)

تیسری زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی:

---

(۱) یعنی تلقین من الخارج میں۔سعید

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام الصف الأول: ۵۷۱/۱، دارالفکر، بیروت، انیس

(۳) اس مسئلہ میں مجھے شرح صدرنہیں ہوا،غورکرلیا جائے۔(تصحیح الاغلاط،ص:۱۵)

(۴) الصحيح لمسلم، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ماكان من إباحته: ۲۰۲/۱، فاروقية بكڈپو، انیس

"كنا نتكلم في الصلاة (إلى قوله)فأمرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام".(۱)

قلت: إطلاق الكلام في الحديث الأخير وكذا كونه منافيا لشغل الصلاة، كما في الحديث قبله يعم كل كلام.

اور یہ تینوں حدیثیں بوجہ اشتمال علی النہی کے حدیث ذوالیدین سے ظاہراً معارض ہیں۔

اب مسلک مشہور علمائے حنفیہ کا یہ ہے کہ قصہ ذی الیدین کو نہی عن الکلام سے مقدم کہتے ہیں؛ اس لیے قصہ ذی الیدین کو منسوخ اور نہی عن الکلام کو ناسخ قرار دیتے ہیں، اس پر شبہ مشہور ہے کہ رجوع عن الحبشہ ابتدا میں ہوا ہے اور قصہ ذی الیدین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور ان کا اسلام بعد خیبر کے ہوا ہے، پس حدیث نہی کی مقدم ہے اور حدیث کلام کی مؤخر ہے، پس نسخ صحیح نہیں اور حنفیہ نے جواب دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قصہ میں موجود ہونا مسلم نہیں اور سند منع یہ ہے کہ ذوالیدین بدر میں شہید ہوئے ہیں اور بدر خیبر سے بہت پہلے ہے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس قصہ میں کس طرح موجود ہو سکتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کسی اور سے روایت کرتے ہیں، پس ممکن ہے کہ یہ قصہ حدیث نہی عن الکلام سے مقدم ہو اور منسوخ ہو۔ باقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ "**بينا أنا أصلي**" یا "**صلى بنا**" یا "**صلى لنا**" محمول ہے معنیٰ "**صلى بالمسلمين**" اور روایت بالمعنی پر، پھر اس پر یہ شبہ ہوا ہے کہ مقتول بالبدر ذوالشمالین ہیں، نہ کہ ذوالیدین، پھر اس کا جواب دیا ہے کہ دونوں نام ایک ہی کے ہیں، پھر اس شبہ ہوا کہ امکان تقدم سے وقوع تقدم لازم نہیں آتا، جواب یہ ہے کہ مبیح اور محرم میں جب تعارض ہوتا ہے بدلیل مذکور فی الاصول، مبیح کو مقدم رکھ کر منسوخ کیا جاتا ہے۔ یہ مختصر کلام ہے، جو جانبین سے پیش کیا جاتا ہے اور اس احقر کا مسلک ان سب دعووں سے قطع نظر کر کے یہ ہے کہ آپ کا کلام فرمانا خصوصیات میں سے ہوسکتا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا کلام رسول کے ساتھ تھا اور کلام مع الرسول مفسد صلوٰۃ نہیں، جیسا بعض علما نے اس حدیث میں لکھا ہے کہ آپ نے ابی بن کعب کو پکارا تھا، پھر بعد نماز کے آپ نے یہ آیت یاد دلائی ﴿**استجيبوا لله وللرسول اذا دعاكم**﴾ (**الآية**) (۲) یا کلام بالایماء ہو، جیسا ابوداؤد میں ہے: "**أو مىء**(۳) **أي نعم عدم فساد بالكلام مع الرسول**" اور ایماء کو نووی نے شرح مسلم، صفحہ: ۲۱۴ میں نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

(امداد: ۱/۸۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۳۴-۵۳۶) ☆

---

(۱) الصحيح لمسلم، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من إباحته: ۲۰۲/۱، فاروقية بكڈپو، انيس

(۲) سورة الأنفال، پ: ۹، ركوع: ۳

(۳) عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُنَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– إِلَى خَالِدِ بْنِ سُفْيَانَ الْهُذَلِيِّ – وَكَانَ نَحْوَ عُرَنَةَ وَعَرَفَاتٍ – فَقَالَ اذْهَبْ فَاقْتُلْهُ قَالَ فَرَأَيْتُهُ وَحَضَرَتْ صَلاَةُ الْعَصْرِ فَقُلْتُ إِنِّي لأَخَافُ أَنْ يَكُونَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ مَا إِنْ أُؤَخِّرُ الصَّلاَةَ فَانْطَلَقْتُ أَمْشِي وَأَنَا أُصَلِّي أُومِءُ إِيمَاءً نَحْوَهُ فَلَمَّا دَنَوْتُ مِنْهُ قَالَ لِي مَنْ أَنْتَ؟ ==

چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیرنے کی صورت میں سجدۂ سہو کی تحقیق:

سوال: حضرت تھانوی نے بہشتی زیور میں لکھا ہے: ''چار رکعت والی نماز میں، بھولے سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو اب اٹھ کر اس نماز کو پورا کرے، اخیر میں سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی'' اور بعض فقہا نے لکھا ہے کہ اگر دونوں طرف سلام پھیر دیا تو سجدہ سہو نہ کرے؛ بلکہ نماز کا اعادہ کرے؛ کیوں کہ پہلا سلام دو چیزوں؛ یعنی نماز سے باہر ہونے اور قوم کی تحیت کے لیے ہے اور دوسرا سلام صرف باقی نمازیوں کی تحیت کے لیے؛ اس لیے یہ دوسرا سلام کلام کی مانند ہوگا اور کلام منافی نماز ہے؛ اس لیے سجدۂ سہو کو ساقط کرتا ہے، پس اعادہ لازم ہے۔ ان دونوں قولوں میں شدید اختلاف ہے، مفتی بہ قول کون سا ہے؟

الجواب

بہشتی زیور کا قول ہی مفتی بہ ہے۔ (۱) واللہ اعلم

إن توهم مصلى الظهر أنه أتمها فسلم ثم علم أنه صلى ركعتين أتمها وسجد للسهو؛ لأنه عليه السلام فعل كذلك في حديث ذي اليدين ولأن السلام ساهيًا لايبطل الصلوٰة... وحكمه أنه إن كان في المسجد ولم يتكلم وجب أن يأتي به وإن انصرف عن القبلة؛ لأن سلامه لم يخرجه عن الصلاة. (۲)

وفي الدر المختار: (إلا السلام ساهيًا) للتحليل أي للخروج من الصلوٰة قبل إتمامها على ظن إكما لها فلا يفسد. (۳)

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱۳۹۸/۶/۲۴ھ (فتویٰ: نمبر ۲۹/۶۹۲، ب) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۵۴۱)

== قُلْتُ رَجُلٌ مِنَ الْعَرَبِ بَلَغَنِي أَنَّكَ تَجَمَعُ لِهَذَا الرَّجُلِ فَجِئْتُكَ فِي ذَاكَ. قَالَ إِنِّي لَفِي ذَاكَ فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً حَتَّى إِذَا أَمْكَنَنِي عَلَوْتُهُ بِسَيْفِي حَتَّى بَرَدَ. (سنن أبي داؤد، باب صلاة الطالب، رقم الحديث: ۱۲۵۱، انیس)

☆ امام کی اطلاع پر مقتدی کے عمل کا حکم:

سوال: مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی سلام پھیر دے اور امام یوں کہے کہ کھڑے ہو جاؤ، یا نماز پوری کرو اور وہ بلا اعتماد علی ظنہ کھڑا ہو، جس کا یہ مطلب ہے کہ محض امام کے کہنے سے، یا برابر والے کے بتلانے اور تعلیم کرنے سے مفسد صلوٰۃ ہے، یا نہیں؟

الجواب

وہی تفصیل ہے، جیسے سوال بالا کے جواب میں گزری ہے۔ فقط

(امداد: ۱/۸۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۳۶)

(۱) بہشتی زیور حصہ دوم، ص: ۱۴۱ (طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ)

(۲) الدر المختار، باب سجود السهو، قبيل باب صلاة المريض: ۲/۶۹۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۳) باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۱۵، طبع سعيد

وکذا فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۱۲، وکفایت المفتی: ۳/۳۷۳ (محمد زبیر حق نواز)

اگر چار رکعت والی نماز میں سہواً تیسری رکعت پر بھی بیٹھ گیا تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر کسی نے چار رکعت نماز شروع کی اور تیسری رکعت میں سہواً بیٹھ گیا تو نماز صحیح ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے، نماز صحیح ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۸۵/۴)

امام عشا میں تیسری رکعت میں بیٹھ گیا، مگر فوراً کھڑا ہوگیا تو کیا حکم ہے:

سوال: امام عشا کی نماز میں سہواً تیسری رکعت پر بیٹھا، مقتدی کے بتلانے پر فوراً کھڑا ہوگیا، دیر نہیں لگی۔ نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں کہ امام دیر تک نہیں بیٹھا فوراً کھڑا ہوگیا، سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہوگئی، کذا فی الشامی۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۸۷/۴)

تیسری رکعت میں بیٹھ کر فوراً اٹھ گیا تو کیا حکم ہے:

سوال: امام تیسری رکعت میں سہواً بیٹھ گیا مقتدی کے الحمد للہ کہنے سے معاً کھڑا ہوگیا اور بیٹھنے میں بوجہ شک کے با نتظار الحمد للہ کچھ نہیں پڑھا تھا، بعد میں سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

اگر جلسۂ خفیفہ ہوا تھا اور دیر تک نہیں بیٹھا تو سجدۂ سہو واجب نہیں تھا، نماز ہوگئی۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴۱۴/۴)

---

(۱) ویلزمه السهو إذا زاد في صلاته فعلاً من جنسها ليس منها و هٰذا يدل علىٰ أن سجدة السهو واجبة هو الصحيح؛ لأنها تجب لجبر نقصان تمكن في العبادة.(الهداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ١٤٠/١، ظفير)

(۲) وكذا القعدة في آخر الركعة الأولىٰ أو الثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها أيضًا تأخير القيام إلى الثانية او الرابعة عن محله وهذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشافعي فتركها غير واجب عندنا.(رد المحتار: ٤٣٨/١، ظفير)(باب صفة الصلاة، مطلب: لاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتهارواية: ٤٦٩/١، دارالفكر بيروت، انيس)

(۳) ويكبر للنهوض علىٰ صدور قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لابأس به.(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٧٦/١، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

ولاينافي هٰذا ما قدمه الشارح في الواجبات حيث ذكر منها ترك قعود قبل ثانية ورابعة لأن ذاك محمول على القعود الطويل ولذا قيدت الجلسة هنا بالخفيفة.(رد المحتار، فصل في بيان تاليف الصلاة، ظفير)(كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: في إطالة الركوع للجائي: ٢١٤/٢، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

تیسری رکعت میں بیٹھنے سے سجدۂ سہو:

سوال: اگر امام تیسری رکعت میں ظہر، یا عصر کی بیٹھا قعدہ...ی نیت سے؛ لیکن مقتدیوں نے فوراً لقمہ دیا کہ ابھی بیٹھ کر کچھ بھی پڑھنے نہیں پایا تھا کہ "**سبحان اللہ**" کہہ کر متنبہ کر دیا، امام فوراً کھڑا ہو گیا۔ اس صورت میں سجدۂ سہو کرنا پڑے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۲/۷)

تیسری رکعت پر تسبیح کے بقدر بیٹھنے سے سجدۂ سہو کا وجوب:

سوال: منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت میں بیٹھنے سے سجدہ سہو لازم ہے اور یہ عبارت ہے: "**ويجب سجدة السهو بمجرد الجلوس**" اور صاحب مفتاح الصلوٰۃ نے مقدار ایک تسبیح کی قید لگائی اور شامی میں مجرد جلوس موجب سہو نہیں لکھا ہے؛ یعنی بقدر جلسۂ استراحت اگر سہوا کوئی شخص جلسہ کرے تو سجدہ سہو واجب نہیں؛ کیوں کہ یہ جلسہ استراحت کا اختلاف بین الشافعیۃ والحنفیہ اختلاف فی السنیۃ وعدم السنیۃ ہے، پس جس نے جلسۂ استراحت کے مقدار جلسہ کیا، اس نے سنت کے خلاف سہوا کیا اور سجدۂ سہو ترک واجب سے ہوتا ہے، نہ کہ ترک سنت سے، پس جب اختلاف فقہاء کی عبارات میں ہوتا ہے تو یہاں بھی احتمال ہے؛ اس لیے تحقیق کی درخواست کی، خود مجھے ایسا اتفاق ایک مرتبہ ہو گیا، میں نے شامی کی رائے کو راجح سمجھ کر اس پر عمل کر لیا تھا؛ مگر پھر بھی اپنے جی کو اس مسئلہ میں پورا اطمینان نہیں، اس دوسرے مسئلہ میں حضور کی کیا تحقیق ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

مجھ کو بھی مدت سے تردد ہے۔(۲)

---

(۱) "**و يكبر للنهوض على صدور قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة**". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۷٦/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

"**ولاينا في هذا ماقدمه الشارح في الواجبات حيث ذكر منها ترك قعود ثانية ورابعة؛ لأن ذاك محمول على القعود الطويل، ولذا قيدت الجلسة هنا بالخفيفة**". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۲۱٤/۲، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) اس مقام کی تحقیق پر ایک حاشیہ برخوردار مولوی محمد تقی سلمہ نے لکھا ہے، جو میرے نزدیک صحیح ہے۔(محمد شفیع عفی عنہ) ==

مگر عمل اس پر ہے کہ بجز دجلوس سجدۂ سہو کرتا ہوں، لا لانہ ترک السنة بل لان فيه التاخير في القيام اور ایک تسبیح کی قدر تو عادۃ جلوس ہو ہی جاتا ہے اس میں ذرا غور کیجئے۔

۲۰/ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۱۰۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۵۲۹/۱-۵۳۳)

== أقول وبالله استعين

عبارات ذیل زیر بحث مسئلے میں قابل غور ہیں:

قال في ملتقى الأبحر: ويجب إن قرأ في ركوع أوقعود أوقدم ركنا أوآخره أوكرره أوغير واجبا أوتركه كركوع قبل القراءة وتأخير القيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد،وقال شارح العلامة شيخ زاده واختلفوا في مقدار الزيادة فقال بعضهم بزيادة حرف وكلام المصنف يشير إلىٰ هٰذا أوقال بعضهم بقدر ركن وهوالصحيح كما في أكثر الكتب (مجمع الأنهر: ١٤٨/١)

(٢) وقال تحته شارحه العلامة ابن عابدين بقدر ركن. (بالحوالة المسطورة)

(٣) قال الإمام ظهير الدين المرغيناني لايجب بقوله أللّٰهم صلِّ علىٰ محمد وإنما المعتبر مقدارما يودى فيه ركنان كذا في الظهيرية (برجندى شرح الوقاية: ١٤٩/١)

(٤) قال ابن البزاز الكزدري: سها في صلاته إنها الظهر أوالعصر أوغير ذلك إن تفكر قدر مايؤدى فيه ركن كالركوع لزم وإن قليلاً فإن شك في صلاة صلاها،إلخ.(الجامع الوجيزعلىٰ هامش الهندية: ٧٠/٤)

ان تمام عبارات سے مشترکہ طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تاخیر واجب کی مقدار اکثر فقہاء نے یہ قرار دی ہے کہ اتنی دیر تاخیر ہوجائے جس میں کوئی رکن نماز مثلاً رکوع یا سجدہ وغیرہ ادا ہوسکے اور وہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے وقفہ میں ہوتا ہے۔

به صرح الطحطاوي في حاشيته على المراقي حيث قال:ولم يبينوا قدرالركن وعلىٰ قياس ما تقدم أن يعتبر الركن مع سنته وهومقدربثلاث تسبيحات.(الطحطاوي:٢٥٨)(حاشية الطحطاوي،باب سجود السهو،٤٧٤، دارالكتب العلمية،انيس)

اس قول کے علاوہ بھی بہت سے اقوال ذکر کئے گئے ہیں جن میں سے یا تو مرجوح ہیں یا وہ کہ جن کا مآل یہی نکلتا ہے،صاحب تنویر الابصار نے اس مسئلہ کو دو جگہ ذکر کیا ہے اور بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے باب صفۃ الصلوٰۃ میں ان کی عبارت یہ ہے۔(فإن زاد عامدًا كره) فتجب الإعادة(أوساهيًا وجب عليه سجود السهو إذا قال أللّٰهم صل علىٰ محمد)فقط(على المذهب)المفتى به لا خصوص الصلوٰة بل لتأخير القيام (شامي: ٤٧٧/١)(الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٢٢٠/٢،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

اس کے تحت علامہ شامیؒ نے کئی اقوال نقل کر کے بحر، زیلعی ،شرح منیہ کبیری وغیرہ سے اسی کو صحیح قرار دیا اور علامہ رملیؒ اور شرح منیہ صغیری سے وعلیٰ آل محمد کی زیادتی کا مرجح ہونا ذکر کیا ہے۔

اور باب سجود السھو میں صاحب تنویر فرماتے ہیں:وتأخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدرركن.(الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ٨١/٢،دارالفكر بيروت،انيس)

صاحب درمختار نے لکھا:وقيل بحرف وفي الزيلعي الاصح وجوبه باللهم صلى على محمد.(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ٨١/٢،دارالفكر بيروت،انيس)

علامہ ابن عابدین نے اس تعارض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: (قوله وفي الزيلعي إلخ)جزم به المصنف في متنه في فصل إذا أراد الشروع وقال أنه المذهب واختاره في البحر تبعًا للخلاصة والخانية والظاهرانه لاينافي قول المصنف هنا بقدرركن تأمل.(شامي: ٦٩٤/١)(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ٨١/٢،دارالفكر بيروت،انيس)==

امام نے تین رکعت پر سلام پھیر دیا اور مقتدیوں میں تذکرہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا تو کیا حکم ہے:

سوال: امام نے تین رکعت پڑھ کر سہواً سلام پھیر دیا چار رکعت والی نماز میں، اب امام قبلہ رخ بیٹھا ہے اور مقتدیوں میں تذکرہ ہوا کہ کئے رکعت ہوئی، یہ سن کر امام صاحب اللہ اکبر کہہ کر کھڑے ہو گئے اور چوتھی رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا۔ آیا نماز امام و مقتدیوں کی ہوئی، یا نہیں؟

== جس سے معلوم ہوا کہ **اللّٰهم صل علىٰ محمد** اور بقدر رکن دونوں اقوال کا حاصل اور مآل ایک ہی نکلتا ہے تو گویا جس نے **اللّٰهم صل علىٰ محمد** کو مقدار تاخیر قرار دیا ہے، اس نے بقدر رکن کے قول کے منافی کوئی بات نہیں کہی، و بالعکس۔

رہی وہ عبارت جو منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی، یا تیسری رکعت کے آخر میں بیٹھ جائے تو مطلق بیٹھ جانے ہی سے سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا، خواہ مقدار رکن بیٹھا ہو، یا نہیں، اسی طرح اس میں یہ بھی ہے کہ جلسۂ استراحت سے سجدۂ سہو لازم آ جائے گا۔ (کبیری ۴۳۲) سو اس بارہ میں تحقیق وہ ہے، جو درمختار میں لکھی گئی و ہو ہذا:

(۱) **قال العلامة الحصكفي: وترك قعود قبل ثانية أو رابعة وكل زيادة تتخلل بين الفرضين، وقال الشامي تحته وكذا القعدة فى آخر الركعة الأولىٰ أو الثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها أيضًا تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله وهٰذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التى استحبها الشافعي فتركها غير واجب عندنا بل (أى ترك الجلسة الخفيفة) هو الأفضل (شامي: ٤٣٨/١) (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب لاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية: ٤٦٩/١، دارالفكر بيروت، انيس)**

(۲) **قال فى الدرالمختار ويكبر للنهوض على صدر قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لابأس. (الدرالمختار، باب صفة الصلاة: ٧٦/١، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)**

وقال الشامي: تحته قال شمس الأئمة الحلوانى الخلاف فى الأفضل حتىٰ لو فعل كما هو مذهبنا لابأس به عند الشافعي ولو فعل كما هو مذهبه لابأس به عندنا كذا فى المحيط آه قال فى الحلية والأشبه أنه سنة (أى النهوض بلا اعتماد) أو مستحب عند عدم العذر فيكره فعله (أى فعل الاعتماد فى الجلوس) تنزيهًا لمن ليس به عذر آه وتبعه فى البحر... أقول ولاينافى هٰذا ما قدمه الشارح فى الواجبات حيث ذكر منها ترك قعود قبل ثانية ورابعة؛ لأن ذاك محمول على القعود الطويل (ردالمحتار، مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٢/ ٢١٣-٢١٤، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

اس لیے ان عبارت سے معلوم ہوا کہ دو رکعتوں کے درمیان جلسہ خفیفہ عمداً جائز ہے اور شامی کی تصریح کے مطابق ترک قعود جو واجب ہے وہ قعود طویل ہے قصیر نہیں درایت کا مقتضا بھی یہی ہے؛ کیوں کہ یہ فعل عمداً جائز ہے تو سہواً بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے، نیز چوں کہ یہ قول ''بقدر رکن'' کی تقدیر کے مطابق ہے؛ اس لیے اسی کو ترجیح ہونا چاہیے اور جب اس درایت کے ساتھ شامی کی یہ روایت مل گئی تو اس دعوے میں مزید قوت پیدا ہو گئی اور خود علامہ ابراہیم حلبی کی تصریح علامہ شامیؒ نے نقل فرمائی ہے کہ!

وقال فى شرح المنية ولاينبغي أن يعدل عن الدراية أى الدليل فإذا وافقتها رواية. (باب صفة الصلاة، مطلب أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية: ٤٦٤/١، دارالفكر بيروت، انيس)

خلاصہ یہ کہ جو مقدار جلسۂ استراحت کی شوافع کے یہاں مسنون ہے، اس مقدار تک بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم نہ آنا چاہیے۔

هٰذا مابدا لي والله سبحانه وتعالىٰ أعلم بالصواب

احقر محمد تقی عثمانی غفراللہ لہ، یکم محرم الحرام ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد شفیع عفی عنہ، الجواب صحیح: بندہ رشید احمد عفی عنہ، اقول کذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (جدید): ۲۷۷/۴، فہو الصحیح (سعید)

الجواب

امام اگر کچھ نہ بولا تھا تو اس کی نماز ہوگئی اور مقتدیوں میں جو نہیں بولے ان کی نماز ہوگئی اور جو مقتدی بولے ان کی نماز نہیں ہوئی وہ اپنی نماز کا اعادہ کریں۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۱۰)

اگر بھول کر ایک رکعت رہ گئی اور سلام ودعا کے بعد یاد آئی تو؟

سوال: اگر بھول کر ایک رکعت رہ گئی اور بعد سلام ودعا مانگنے کے یاد آئی تو اسی نیت سابق سے اگر ایک رکعت پڑھ لے اور سجدہ سہو کرے تو نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

درست ہے؛ کیوں کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مفسد صلوٰۃ کا نہیں۔(۲)

(بدست خاص، سوال:۳۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۹)

سہواً سلام پھیرنے کے بعد بقیہ نماز کس طرح پوری کرے؟

سوال: ایک نمازی نے سہو سے سلام پھیر دیا اور اس کی رکعت باقی تھی، جو بعد سلام کے دعا مانگنے، یا کچھ دیر تک ٹھہرنے، قبلہ کی جانب سے منہ پھیرنے، یا کسی سے بات کرنے کے بعد یاد آ گئی تو پھر اس کو پوری کرے، یا از سرنو پڑھے؟

الجواب

اگر منہ [سینہ] پھیرلیا، یا بات کرلی تو از سرنو نماز پڑھے اور جو دعا وذکر کیا ہے، مفسد صلوٰۃ نہیں کیا تو سجدۂ سہو کرکے نماز تمام کرے۔ فقط

(بدست خاص، ص:۳۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۹)

قعدۂ اخیرہ میں تحیات دوبارہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا:

سوال: اخیر قعدہ میں دو دفعہ التحیات پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟

---

(۱) (سلّم مصلي الظهر)مثلاً(على)رأس(الركعتين توهماً)إتمامها(أتمها)أربعاً (وسجد للسهو)؛لأن السلام ساهيًا لايبطل لأنه دعاء من وجه.(الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار،باب سجود السهو:۲/۹۱-۹۲،دارالفكر بيروت،انيس)
(قوله لأنه دعاء من وجه)أى فلذا خالف الكلام حيث كان مبطلاً ولو ساهيًا.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب سجود السهو:۱/۷۰۴،ظفير)

(۲) بشرطیکہ دعا عربی میں ہو اور ماثور ہو۔(اضافہ از حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ) مفتی صاحب نے اس مجموعۂ فتاویٰ کی ترتیب کے ابتدائی موقع پر ایک کاپی میں درج فتاویٰ سنے تھے اور اس میں دو تین جگہوں پر معمولی اصلاح، یا افادہ کا اضافہ کیا تھا، یہ بھی انہیں میں سے ہے۔(نور)

الجواب______________

اس صورت میں سجدۂ سہو لازم نہیں ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۴/۳۷۷) ☆

قعدۂ اخیرہ میں تکرار تشہد اور رکعت اولی وثالثہ میں جلسہ خفیفہ سے سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟

سوال: تکرار تشهد فی القعدة الأخیرة کا مسئلہ مزید اطمنان کے لیے مئو جا کر دوسری کتابوں میں دیکھا، عالمگیری میں تبیین سے منقول ہے: "لا سهو علیه"۔ البحر الرائق میں بھی تصریح موجود ہے کہ سجدۂ سہو واجب نہیں و نیز بحر میں لکھا ہے کہ طحاوی کے نزدیک دونوں قعدہ میں تکرار تشہد موجب سہو نہیں؛ مگر قعدۂ اولی کے باب میں طحاوی کے قول پر اعتماد نہیں، نہ فتوی ہے، فتوی وجوب پر ہے اور قعدۂ ثانیہ کے باب میں اختلاف منقول نہیں اور اگر ہوا بھی تو اس پر اعتماد نہیں۔ احقر نے اور برادر مولوی عبد الغفار صاحب نے بھی تحقیق کی، مسئلہ عدم سہو صحیح تھا، احقر کو بھی اطمنان ہو گیا، محض اطلاعاً گزارش کیا گیا، حضور نے تو پہلے ہی اطمنان فرمالیا اور جلوس بمقدار جلسہ استراحت فی الرکعۃ الاولی اوالثالثہ کے باب میں حضور نے تحریر فرمایا، میں بمجرد جلوس سجدۂ سہو کرتا ہوں، لا لأنه ترک السنة بل لأن فیه التاخیر من القیام، اس میں غور کیجیے غور کرنے سے قلب میں یہ بات آئی کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قعدۂ اولی میں درود شریف بمقدار "اللّٰهم صل علی محمد"، کو موجب سہو فرماتے ہیں، اس کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے؛ یعنی لا لأن الصلاة علی النبی یوجب السهو بل لأن فیه التاخیر من القیام، واقعی فرق تو معلوم ہوتا ہے؛ لیکن غالباً صاحب رد المختار نے تاخیر کے دو درجہ قائم کئے، ایک بمقدار جلسہ استراحت اتنی تاخیر عند الحنفیہ خلاف سنت ہے، نہ خلاف واجب اور

(۱) (ولو کرر التشهد فی القعدة الأولٰی فعلیه السهو ... ولو کرره فی العقدة الثانیة فلاسهو علیه، کذا فی التبیین. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/۱۲۷، ظفیر)

☆ **تشہد مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو:**

سوال: تکرار تشہد سے قعدہ اخیرہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے، آپ نے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ عمل ثنا اور دعا ہے؛ مگر خلجان یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلام کے ذریعہ سے نماز سے باہر ہونا واجب ہے، اس میں تاخیر ہوئی، اس وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہونا چاہیے، اس خلجان کو رفع فرمایا جائے۔

الجواب______________ حامدًا و مصلیًا

قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف اور دعاء ماثور ہے، دعائیں متعدد وارد ہوئی ہیں، ایسا نہیں کہ اقل قلیل پر کفایت کرے اور سلام پھیرنا اور نماز سے باہر ہو جانا فوراً واجب ہو جائے؛ اس لیے طویل دعا سے تکرار تشہد سے ایسی تاخیر نہیں ہوتی، جس سے سجدۂ سہو لازم آئے۔ (ولو کرر التشهد فی القعدة الأخیرة، فلا سهو علیه" (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۷۲-۱۷۳، دار الکتب العلمیة، بیروت، انیس) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۳۵)

دوسرا درجہ بمقدار " اللّٰهم صل على محمد" اتنی تاخیر خلاف واجب اور موجب سہو ہے، یا یوں کہا جاوے کہ نهوض على القدمين عند الحنيفة سنت ہے، نہ واجب، فمن جلس مقدار جلسة الاستراحة ولم ينهض على قدميه خالف السنة عندنا ولا سهو على من ترك السنة ، اب کی مرتبہ ان شاء اللہ میں جا کر فتح القدیر اور البحر الرائق وغیرہ دیکھوں گا، جو نکلے گا ان شاء اللہ عرض خدمت عالی کروں گا، پھر جو حضور فرمادیں گے، اس پر عمل کروں گا، یوں تو تقلیداً اب بھی عمل کرسکتا ہوں؛ لیکن تحقیق کے بعد اور اچھا ہوگا غالباً؟

الجواب

أقول وبالله التوفيق:

رکعت اول وثالثہ میں شامی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بمجرد جلوس بمقدار جلسہ خفیفہ سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا؛ بلکہ جلسہ طویلہ سے واجب ہوتا ہے۔

ونصه: وكذا القعدة في آخر الركعة الأولىٰ أو الثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها أيضاً تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله وهٰذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشافعي فتركها غير واجب عندنا بل هو الأفضل كماسيأتي، آه. (٤٨٩/١)(١)

وقال في الدر المختار: ويكبر للنهوض علىٰ صدور قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا بأس به، آه. (٢)

قال الشامي: قال في الكفاية: أشار به إلىٰ خلاف الشافعي في موضعين أحدهما يعتمد بيديه علىٰ ركبتيه عندنا وعنده على الأرض والثاني الجلسة الخفيفة، قال شمس الأئمة الحلواني: الخلاف في الأفضل حتىٰ لو فعل كما هو مذهبنا لابأس به عند الشافعي ولو فعل كما هو مذهبه لا بأس به عندنا، كذا في المحيط، قال في الحلية: والأشبه أنه سنة أو مستحب عند عدم العذر فيكره فعله تنزيها لمن ليس به عذر، آه، وتبعه في البحر وإليه يشير قولهم: لابأس، فإنه يغلب فيما تركه أولىٰ.

أقول: ولاينا في هٰذا ما قدمه الشارح في الواجبات حيث ذكر منها ترك قعود ثانية و رابعة؛ لأن ذاك محمول على القعود الطويل ولذا قيدت الجلسة هنا بالخفيفة تأمل، اه. (٥٣٨/١)(٣) هٰذا والله تعالىٰ أعلم

۲۳ شعبان ۱۳۴۳ھ

(۱) ردالمحتار، مطلب لا ينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية: ٤٦٩/١، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٧٦/١، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) ردالمحتار، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ٢١٣/٢-٢١٤، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

وأما مسئلة تكرار التشهد، فتحقيق السائل فيه صحيح أنه يجب سجدة السهو لو كرر في القعدة الأولٰى ولاتجب لو في الأخيرة، قال في شرح المنية: لوقرأ التشهد مرتين في القعدة الأخيرة أوتشهد قائمًا (۱)أو راكعاً أوساجداً لا سهو عليه،كذا في المختار، ولو زاد في التشهد في القعدة الأولٰى على التشهد شيئا يجب عليه سجود السهو وأن المعتبر مقدارمايؤدى فيه ركن،آه ملخصاً.(ص: ٤٣٤)والله اعلم

۲۸/شعبان۱۳۴۳ھ (امدادالاحکام:۲/۲/۲۹۱)

قعدہ میں تشہد دوبارہ پڑھنے اورایک ہی رکعت میں مکرر سورت پڑھنے کی وجہ سے سجدۂ سہو کی تحقیق:

سوال: کوئی سورت، یاالتحیات دودفعہ پڑھ لیں تو سجدہ سہو جائز ہے، یا کیا؟ پہلے جواب ذیل لکھا گیا تھا:

''سورت کودودفعہ پڑھنے میں سجدۂ سہونہیں ہے؛ کیوں کہ اس کوتطویل قرأت سمجھا جاوے گا اور تکرار تشہد میں سجدۂ سہو ہوگا کہ فرض میں یعنی خروج عن الصلوٰۃ میں تاخیر ہوئی، یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے، اگرکوئی خاص جزئیہ اس کے خلاف مل جاوے تو وہ مقدم ہوگا''۔

۱۸/صفر۱۳۳۳ھ

مگر پھر مولوی ابوالحسن صاحب مئوی نے اس کے خلاف یہ جزئیہ لکھا:

في الطحطاوي شرح مراقي الفلاح،ص: ٢٦٧ :وإن قرأ آية بعد التشهد...وإن كان في الأخيرفلا سهوعليه لعدم ترك واجب؛لأنه موسع له في الدعا والثناء بعده فيه والقراءة تشتمل عليهما ولوقرأ التشهد مرتين في القعدة الأخيرة أوتشهد قائمًا أو راكعًا أوساجدًا لاسهوعليه منية المصلي .(۲)

پس اب صورت مسئولہ کے جواب میں تفصیل ہوگی کہ اگرالتحیات قعدہ اولیٰ میں دوبار پڑھی ہے تو سجدۂ سہو ہوگا اور اگر قعدۂ اخیرہ میں پڑھی ہے تو سجدۂ سہو نہ ہوگا۔

۲۰/ذی الحجہ۱۳۳۳ھ۔

اسی طرح ایک مسئلہ فتاویٰ (۳) امدادیہ جلداول،ص:۹۴ میں چھپ گیا ہے؛اس لیے اس میں بھی شبہ ہوگیا،اس کی بھی دوبارہ تحقیق کر لی جاوے اوروہ سوال اس عبارت سے شروع ہوا ہے قعدۂ اُخیرہ میں بعدتشہد کے،الخ اور جواب

---

(۱) أي في الأخيريين أوفي الأول قبل الفاتحة.

(۲) حاشية الطحطاوي علٰى مراقي الفلاح،فصل في إسقاط الصلاة والصوم،باب سجود السهو،ص: ٤٦١، دارالكتب العلمية بيروت،انيس

(۳) اب یہ مسئلہ جلد ہذا کے نمبر:۴۵۶ میں آ گیا ہے۔

اس عبارت سے شروع ہوا ہے: خروج بفعل مصلی، الخ اور اس کی تحریر کی تاریخ یکم ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ ہے۔ فقط
(ترجیح ثالث: ۹۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۴۰-۵۴۲)

تکرار تشہد پر وجوب سجدۂ سہو کے متعلق بہشتی زیور اور الامداد کی عبارتوں میں اختلاف کی تطبیق:

سوال: الامداد بابت ذی الحجہ ۳۴۲ھ کے صفحہ: ۴ میں بعنوان تصحیح مسئلہ حاشیہ پر یوں درج ہے: الامداد بابت ذی قعدہ صفحہ: ۱۸، س: ۱۱ تا ۱۸ میں جو ایک سوال کے جواب میں لکھا ہوا ہے کہ التحیات کے مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا، طحطاوی شرح مراقی الفلاح سے یہ جواب غلط ثابت ہوا ہے، اس جواب سے رجوع کرتا ہوں، صحیح جواب یہ ہے: ''اولی میں التحیات مکرر پڑھنے سے سجدہ سہو لازم ہے اور قعدۂ اخیرہ میں التحیات مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں''۔ (تمام ہوئی یہ عبارت) بہشتی زیور جدید حصہ دوم صفحہ: ۵۴ میں آخری مسئلہ ہے: ''نفل نماز میں دو رکعت نماز پڑھ کر التحیات کے ساتھ درود شریف بھی پڑھنا جائز ہے؛ اس لیے کہ نفل میں بھی سجدۂ سہو واجب ہے''۔ (تمام ہوئی عبارت بہشتی زیور کی)

وجہ تطبیق دونوں مسئلوں کی کس طرح ہے؟ وجہ اشتباہ یوں ہے کہ بہشتی زیور کی عبارت سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعت کے بعد التحیات کو مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے اور نفل کی ہر دو رکعت کا قعدہ حکم میں مثل اخیری قعدہ کے ہے اور الامداد کی عبارت سے یوں معلوم ہوتا ہے: قعدہ اخیرہ میں التحیات مکرر پڑھنے سے سجدہ سہو لازم نہیں، حالاں کہ تاخیر سلام سے بھی سہو کا سجدہ واجب ہے۔

اس لیے دونوں کی وجہ تحریر فرمائی جاوے؛ تاکہ مسئلہ خوب ذہن نشیں ہوجاوے۔

الجواب

قعدہ اخیرہ میں تکرار تشہد سے سجدہ سہو واجب نہ ہونا، جیسا کہ حاشیہ الامداد میں طحطاوی سے لکھا ہے، عالمگیریہ اور منیہ میں بھی موجود ہے؛ بلکہ طحطاوی نے منیہ ہی سے نقل کیا ہے، باقی رہا یہ شبہ کہ تاخیر سلام سے سجدۂ سہو واجب کیوں نہیں ہوا؟ اس کا جواب بھی طحطاوی سے معلوم ہوتا ہے۔

ونصه هكذا: وإن قرأ بعد التشهد فإن كان فى الأول فعليه السهو لتأخير الواجب وهو وصل القيام بالفراغ من التشهد وإن كان فى الأخير فلا سهو عليه لعدم ترك واجب؛ لأنه موسع له فى الدعاء والثناء بعده فيه والقراءة تشتمل عليهما ولو قرأ التشهد مرتين فى القعدة الأخيرة أو تشهد قائمًا أو راكعاً أو ساجداً لا سهو عليه، منية المصلى. (طحطاوى، ص: ٢٦٧)(۱)

(۱) حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى إسقاط الصلاة والصوم، باب سجود السهو، ص: ٤٦١، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

اس سے معلوم ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد قرأت سے سجدۂ سہو واجب نہ ہونے کی وجہ قرأت کا ثنا ودعا پر مشتمل ہونا ہے اور تشہد ثنا ودعا پر مشتمل ہے، اس سے بھی سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، چناں چہ منیہ کی عبارت مذکورہ ''قرأ التشهد'' کے تحت میں شارح منیہ کبیری میں لکھتے ہیں:

''وأما التشهد فلأنه ثناء والقيام والركوع والسجود محل الثناء''.(۱)

پس تاخیر سلام موجبِ سہو وہ ہے جو بغیر الدعاء والثناء ہو۔

سوال کے جزء کا جواب تو ہو چکا۔اب دوسرے جزء کا جواب معروض ہے، وہ یہ کہ بہشتی زیور میں جو نفل کے قعدۂ اولی میں تکرار تشہد سے وجوب سجدۂ سہو لکھا ہے۔اس خاکہ کو خاکسار نے بہت تلاش کیا، مطبوعہ جدید میں جو حوالہ لکھا گیا ہے، اس کو بھی دیکھا، اس جزء کے متعلق اس مقام پر کچھ نہیں ملا۔غالباً فرض پر قیاس کر کے اس کو لکھ دیا گیا اور اس پر نماز ختم کی جاوے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

(أو)صلٰى أربعاً فأكثر و(لم يقعد بينهما)استحساناً؛لأنه بقيامه جعلها صلاة واحدة فتبقى واجبة والخاتمة هي الفريضة.(۱)

لیکن یہ شبہ ہے کہ نفل کے قعدہ اولی میں جب درود شریف کی اجازت ہے تو تکرار تشہد کو فرض پر قیاس کر کے وجوب سجدہ کس طرح ہوگا؛ اس لیے جب تک کوئی صریح جزئیہ نہ مل جاوے، تکرار تشہد سے نوافل کے قعدہ اولی میں سجدۂ سہو کو واجب نہ کہا جاوے گا۔واللہ اعلم

کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۶/صفر ۱۳۴۵ھ

احقر ظفر احمد عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو حوالہ جات میں نے لکھے ہیں، اپنے مسودہ کو اس مقام پر میں نے دیکھا تو وہاں تصریح موجود ہے کہ نفل کے قعدہ اولی میں تکرار تشہد سے وجوب سجدۂ سہو کا جزئیہ ہماری نظر سے نہیں گذرا اور بظاہر یہ قواعد کے بھی خلاف ہے؛ کیوں کہ نوافل میں ہر شفعہ مستقل نماز ہے اور اس کا قعدہ اولی بحکم قعدۂ اخیرہ ہے، البتہ سنن مؤکدہ اور وتر کا حکم مثل فرائض کے ہے، آہ۔نہ معلوم کیا، غلطی ہوئی کہ میری اس تحریر کے بعد بھی بہشتی زیور کے مسئلہ میں ترمیم نہ ہوئی، نہ میری عبارت لکھی گئی، صرف حوالہ جات ہی لکھ دیئے گئے، النور میں اسی غلطی کی اطلاع کردی جاوے گی اور آئندہ طبع میں ان شاءاللہ اصلاح بھی ہوجاوے گی۔فقط

۱۹/صفر ۱۳۴۵ھ، از تھانہ بھون (امدادالاحکام:۲۹۸/۲)

---

(۱) لو أتى بالتشهد في قيامه أو قعوده أو سجوده فلاشيء عليه لأنها محل الثناء.(النهر الفائق،باب سجود السهو: ۳۲٤/۱،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۱) الدرالمختار علٰى هامش ردالمحتار،باب الوترو النوافل: ۳٦/۲،دار الفكر بيروت،انيس

قعدۂ اخیرہ میں مکرر درود پڑھنے سے سجدۂ سہو نہیں ہے:

سوال: اگرکوئی شخص پورادرودابراہیم، یااس کانصف ''اللّٰهم بارک'' سے ''حميد مجيد'' تک مکرر قعدۂ اخیرہ میں پڑھے،اس پرسجدۂ سہوواجب ہوگا، یانہیں؟

الجواب

نہیں۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم:۴؍۳۹۱)

قعدۂ اخیرہ کے بعد کھڑا ہونا:

سوال: زیدقعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد کھڑا ہوگیااوررکعت پوری ہونے سے پہلے یادآ گیاتو کھڑے کھڑے سلام پھیردیا،کیااس کی نماز صحیح ہوگی، یانہیں؟

الجواب

اس کے لیے لازم تھا کہ کھڑے ہوکرسلام نہ پھیرتا؛ کیوں کہ یہ طریقہ مشروع نہیں؛ بلکہ بدعت ہے،(۲)اوراگر کھڑے ہوکرسلام پھیردیاتو نماز صحیح ہوگئی،اعادہ کی ضرورت نہیں۔

درمختار میں ہے:

وإن قعد فی الرابعة مثلاً قدرالتشهد ثم قام عاد وسلم ولوسلم قائما صح، انتهٰی. (۳)

اوربرجندی شارح مختصرفرماتے ہیں:

وسلم قائمًا كما هو،جاز لكن لاينبغی أن يسلم قائماً،انتهٰی. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۱۵)

قعدۂ اخیرہ کے بعد قیام سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: ایک شخص قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد بھول کرکھڑا ہوگیا، پھر جب یادآیا بیٹھ گیا۔اب سوال یہ ہے کہ اس شخص کوسجدۂ سہو کے لیے پھرتشہد پڑھنا پڑھے گا، یانہیں؟ نیز سجدۂ سہو کے بعد درود شریف کافی ہے،یا ''التحیات'' بھی پڑھنا ضروری ہے؟

---

(۱) يجب،إلخ،بترک واجب،إلخ.(الدرالمختار،باب سجود السهو:۱۰۱/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)
واحترزبالواجب عن السنة كالثناء والتعوذ ونحوها.(رد المحتار،باب سجود السهو:۶۹۳/۱،ظفير)

(۲) لأن التسليم فی حالة القيام غير مشروع فی الصلاة المطلقة فإن سلم قائما لا تفسد صلاته ولكو عاد لا يعيد التشهد.(الجوهرة النيرة،باب سجود السهو:۷۸/۱،المطبعة الخيرية،انيس)

(۳) الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب سجود السهو:۱۰۲/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو سے پہلے تشہد کی ضرورت نہیں؛ بلکہ جو تشہد پڑھ کر کھڑا ہوا تھا، وہی کافی ہے، البتہ سجدۂ سہو کے بعد تشہد واجب ہے؛ کیوں کہ سجدۂ سہو کی وجہ سے پہلے پڑھا ہوا تشہد مرتفع ہوگیا۔

"وإن قعد الأخير، ثم قام عاد وسلم من غير اعادة التشهد لعدم بطلانه بالقيام ... وسجد للسهو" إلخ. (۱)

"إنه (أى سجود السهو) يرفع الواجب من قرأة التشهد والسلام" إلخ. (مراقى)

"أى فيعاد ان بعد فعله، الخ، يجب سجدتان بتشهد وتسليم" الخ. (نورالإيضاح)

"هما بعد واجبان بعد سجود السهو؛ لأن الأولين ارتفعا بالسجود". (الطحطاوی: ص: ۲۶۸)(۲)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانپور (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۲۹-۴۳۰)

قعدۂ اولیٰ، یا اخریٰ بھول کر کھڑے ہونے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر قعدۂ اخیرہ بھول کر کھڑا ہونے لگے اور قبل پورا کھڑے ہونے کے بیٹھ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا کہ نہیں؟

طحطاوی، ص: ۲۷۱، پر لکھتے ہیں:

(وسجد للسهو) سواء كان إلى القيام أقرب أو إلى القعود أقرب، بخلاف السهو عن القعود الأول، ففيه التفضيل علىٰ أحد قولين". (۳)

یہ قول مفتی بہ ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

علامہ شامی نے ہر دو قعود میں ایک ہی حکم لگایا ہے، جیسا کہ قعود اول میں تفصیل ہے کہ اقرب الی القعود ہونے کی صورت میں سجدۂ سہو نہیں اور اقرب الیٰ القیام ہونے کی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے، اسی طرح قعدۂ اخیرہ کا حکم ہے۔ صاحب نہر نے فرض اور واجب ہونے کا فرق ظاہر کیا ہے، (۴) اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے حاشیہ درمختار میں

(۱) مراقی الفلاح، فصل فی إسقاط الصلاة والصوم، باب سجود السهو: ص: ۴۷۰-۴۷۱، دارالكتب العلمية، انيس

(۲) حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نورالإيضاح، باب سجود السهو، ص: ۴۶۰، قديمى

(۳) حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح، فصل فى إسقاط الصلاة والصوم، باب سجود السهو، ص: ۴۶۸، قديمى

(۴) النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۳۲۸، مكتبه امدادية

اس فرق کا انکار کر کے قعود اول وثانی کا ایک ہی حکم تحریر فرمایا ہے:

”لم يفصل هنا بين ما إذا كان مستفتحا للقيام أولا، وينبغي أن لا يسجد في الثانية كما مرفي التشهد الأول“. (۳۱۳/۱)(۱)

”وكان ينبغي أن لايسجد فيما إذا كان إليه:أي إلى القعود أقرب كما في الأول“. (ردالمحتار: ۷۸۰/۱)(۲)

نہر کا حال عقود رسم المفتی میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ وہ کتب معتبرہ میں سے نہیں۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۲/۶۱ ۱۳ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/صفر/۶۱ ۱۳ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/صفر/۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۷/۷-۴۲۸)

قعدۂ اخیرہ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو سے نماز ہوگی، یا نہیں:

سوال: ظہر کی نماز میں امام صاحب نے قعدۂ اولی بھول کر نہیں کیا مقتدی کے لقمہ دینے کے باوجود، پھر چوتھی رکعت پر بیٹھنے کے بجائے پانچویں رکعت پر بیٹھے اور سجدۂ سہو کیا اور سلام پھیرا۔ اس صورت میں نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

صورت مسئولہ میں ظہر کی فرض نماز ادا نہیں ہوئی، چوتھی رکعت میں قعدہ فرض تھا؛ اس لیے سجدۂ سہو کر لینا کافی نہیں ہوگا اور اس نماز کا اعادہ ضروری ہوگا، البتہ اگر پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے ہی بیٹھ جاتے تو سجدۂ سہو کافی ہوسکتا تھا۔

درمختار میں ہے:

(ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد)... (ما لم يقيدها بسجدة)... (وإن قيّدها بسجدة عامدًا أو ناسيًا أو ساهيًا أو مخطئًا (تحوّل فرضه نفلاً). (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

خالد سیف اللہ رحمانی، ۱۳۹۸/۵/۱۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۸۱/۲)

---

(۱) حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۳۱۳/۱، دار المعرفة بيروت

(۲) رد المحتار على الدر المختار، باب سجود السهو: ۸۵/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) ”قال: ومن الكتب الغريبة ملا مسكين شرح الكنز، والقهستاني لعدم الاطلاع على حال مؤلفيهما... والنهر والعيني شرح الكنز، قال شيخنا صالح الجنيني: إنه لا يجوز الافتاء من هٰذه الكتب إلا إذا علم المنقول عنه والاطلاع علىٰ مأخذها، هٰكذا سمعته منه، وهو علامة في الفقه مشهور والعهدة عليه، انتهٰى“. (شرح عقود رسم المفتي لإبن عابدين الشامي، بعيد الطبقة السابعة: طبقة المقلدين، ص: ۳۶، مير محمد كتب خانه)

(۴) الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب سجود السهو: ۸۵/۲، دار الفكر بيروت، انيس

ترک تشہد ثانی سے سجدۂ سہو واجب ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء راسخین اس مسئلہ میں کہ میانہ تشہد کے رہ جانے پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحاح میں اس طرح سجدۂ سہو کرنا مروی ہوا ہے کہ جب نماز پوری فرما چکے صرف ایک سلام باقی تھا تو سجدہ کیا اور پھر سلام پھیر دیا، اسی طرح زید سے نماز پڑھتے وقت تشہد رہ گیا اور اس نے اسی طرح قبل از سلام سجدۂ سہو کیا۔

عمرو کہتا ہے کہ اس نماز کا اعادہ لازم ہے؛ کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک سجدۂ سہو کے بعد تشہد واجب ہے، جو اس صورت میں ترک ہوتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ سجود سہو لا سیما درصورت قبل سلام کے تشہد پڑھنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ ہاں! عمر اور ابن مسعود ومغیرہ (رضی اللہ عنہم) کی روایات میں و فیھا مافیھا آیا ہے اور یہ روایتیں اگر مل کر درجۂ حسن کو پہونچیں بھی تو دوسری اصح احادیث میں اس تشہد کا وجود نہیں ہے اور اسی لیے ترمذی نے کئی ائمہ سے نیز علامہ عینی نے شرح بخاری جلد:۲ رص:۳۸۷ میں بہت سے صحابہ وتابعین وغیرہم سے اس کی نفی نقل کی ہے اور بعض شراح حدیث نے یہ بھی لکھا ہے کہ "قيل ولم يقل بوجوبه أحد" اور شافعیہ کے طرز عمل میں بھی یہ نہیں ہے، حالاں کہ اکثر فقہاء حنفیہ نے ان کے طریق کو روا مانا ہے اور صرف خلاف اولیٰ فرمایا ہے تو اس صورت میں واجب کا ترک کسی کے نزدیک نہ ہوا؛ مگر عمرو کہتا ہے کہ نہیں، یہ تشہد سب احناف کے نزدیک واجب ہے اور صورت مذکورہ میں نماز بالاتفاق قابل اعادہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ حق پر کون ہے، زید یا عمرو؟ اور روایت مذکورہ اور اعادہ نماز کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب

عمرو کا قول صحیح ہے، اور صورت مذکورہ میں نماز کا اعادہ لازم، زید جو یہ کہتا ہے کہ صحاح کی روایت میں مروی ہوا ہے کہ آپ نے جب نماز پوری فرمالی صرف سلام باقی رہا تو سجدہ کیا اور سلام پھیر دیا، ان تمام روایات میں تشہد کا ذکر نہیں اور عدم ذکر عدم شئ کو مستلزم نہیں، عدم ذکر سے عدم شئ سمجھنا سخت غلطی اور غفلت ہے، زید کو جب یہ تسلیم ہے کہ حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنھم کی روایات میں ہے تو اس قدر روایات کثیرہ گو فی الجملہ ضعیف ہوں لیکن تعدد طرق سے صحت یا حسن ثابت ہوسکتا ہے، علاوہ بریں جب ایک امام مجتہد نے ایسی روایت سے استدلال کیا تو جیسے تصحیح ائمہ محدثین مثبت ہوتی ہے، اسی طرح استدلال ائمہ مجتہدین بھی ثبوت صحت کو مستلزم ہوگا، اور ان خاص طرق کے ضعف سے لازم نہیں کہ طرق ائمہ بھی ضعیف سمجھے جائیں، لہٰذا نماز کا اعادہ صورت مذکورہ میں ضروری ہوا، (۱)

---

(۱) (يجب بعد سلام واحد عن يمينه)(سجدتان)(ويجب أيضاً)(تشهد وسلام) لأن سجود السهو يرفع التشهد دون القعدة (قوله يرفع التشهد) أي قراء ته حتى لو سلم بمجرد رفعه من سجدتي السهو صحت صلاته ويكون تاركاً للواجب (الدر المختار علىٰ رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۷۷/۲-۷۹، دار الفكر بيروت، انيس

اور عمرو کا قول حق وصواب ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

خلیل احمد عفی عنہ،از مدرسہ مظاہر علوم،سہارنپور

الجواب صحیح: عنایت الٰہی عفی عنہ، مہتمم مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱/۱۱۴-۱۱۵)

قعدۂ اخیرہ بھول کر کھڑا ہو جائے:

سوال: اگر کوئی شخص فجر وعصر کی آخری رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے غلطی سے کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہونے کے بعد اسے یاد آجائے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ (جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

اگر اس رکعت کا پہلا سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو لوٹ آئے، قعدہ کر کے اخیر میں سجدۂ سہو کر لے۔اگر اس رکعت کا سجدہ کر چکا تو اب بہ حیثیت فرض اس کی نماز باطل ہوگئی اور نماز نفل بن گئی، مزید ایک رکعت ملا کر سلام پھیر لے اور دوبارہ فرض نماز ادا کرے۔(۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۳۹، ۴۴۰)

فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے بعد بھول سے کھڑا ہو تو فوراً بیٹھ جائے:

سوال: نماز فرض میں دو رکعت کے بعد سہواً بلا قعدہ کئے کھڑا ہو جاوے اور تیسری رکعت میں الحمد وسورت پڑھنے کے بعد یاد آیا تو اسی وقت بیٹھ جائے، یا رکعت پوری کرے؟

الجواب

اسی وقت بیٹھ جاوے اور سجدۂ سہو کر لیوے، نماز صحیح ہوگی۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۹۷)

مغرب میں اخیر قعدہ کے بعد امام کھڑا ہو گیا اور پھر بیٹھا تو کیا کرے:

سوال: مغرب کے وقت امام تینوں رکعت پوری کر کے قعدہ اخیرہ سے سہواً کھڑا ہو گیا اور مقتدی بیٹھے رہے اور جب کہ چند مقتدیوں نے اللہ اکبر کہا تو امام پھر بیٹھ گیا اور ایک طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کیا، پھر اختلاف ہونے کی وجہ سے دوبارہ نماز ادا کی۔آیا نماز سجدۂ سہو سے ادا ہوگئی، یا دوبارہ پڑھنا واجب ہے؟

(۱) وإذا لم يقعد قدر التشهد في الفجر بطل فرضه بترك القعود على الركعتين والتنفل قبل الفجر بأكثر من ركعتي الفجر مكروه بخلاف ما إذا قام إلى الخامسة في العصر قبل أن يقعد في الرابعة وقيدها بالسجدة حيث يضم إليها السادسة؛لأن التنفل قبل العصر ليس بمكروه". (الفتاویٰ الهندية،الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/۱۲۹،انيس)

(۲) (ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه(عاد)إلخ (ما لم يقيد ها بسجدة)؛لأن ما دون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب سجود السهو: ۱/۶۹۸،ظفير)

الجواب

وہ نماز سجدۂ سہو ادا کرنے سے صحیح وکامل ہوگئی تھی، دہرانے کی ضرورت نہ تھی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۸۹/۴)

مغرب کی نماز میں امام کا بھول کر چوتھی رکعت کے لیے قیام کرنا:

سوال: امام نے مغرب کی تینوں رکعتیں پڑھیں اور قعدہ اخیرہ بھی کرلیا؛ مگر بھول کر کے امام نے یہ سمجھا کہ دو رکعتیں ہوئی ہیں، اب امام پھر چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا اور نہ کسی مقتدی نے بتلایا اور سب مقتدی بھی امام کے ہمراہ کھڑے ہوگئے؛ مگر ایک مقتدی امام کے ساتھ نہیں کھڑا ہوا؛ بلکہ قعدہ ہی میں بیٹھا رہا، جب امام نے چوتھی پڑھ لی اور سجدہ سہو بھی کرلیا، اب امام کے ساتھ اس آدمی نے بھی سلام پھیرا، جو چوتھی رکعت کے واسطے نہیں کھڑا ہوا تھا۔ اب اس صورت میں اس آدمی کی نماز ہوجاوے گی، یا نہیں؟ کیوں کہ اس نے امام کے ساتھ چوتھی رکعت میں اتباع نہیں کی ہے۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب

فی الدرالمختار: (وإن قعد فی الرابعة) مثلاً قدر التشهد (ثم قام عاد وسلم) ولو سلم قائمًا صح ثم الأصح أن القوم ینتظرونه فإن عاد تبعوه (وإن سجد للخامسة سلموا) لأنه ثم فرضه إذ لم یبق علیه إلا السلام.(۲)

وقال الشامی: (قوله مثلاً) أی قعد فی ثالثة الثلاثی أو فی ثانیة الثنائی ح (قوله: ثم الأصح، الخ) لأنه لا اتباع فی البدعة وقیل یتبعونه مطلقاً عاد أولا (قوله: فإن عاد) أی قبل أن یقید الخامسة بسجدة تبعوه أی فی السلام. (۷۸۲/۱)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حالت مذکورہ فی السوال میں اصح یہی ہے کہ امام کی اتباع چوتھی رکعت میں نہ کی جاوے؛ بلکہ منتظر بیٹھا رہے، اگر امام چوتھی رکعت کا سجدہ کرنے سے پیشتر بیٹھ کر سلام پھیرے تو مقتدی اس کے ہمراہ سلام پھیرے، ورنہ جب امام چوتھی رکعت کا سجدہ کرے، اس وقت مقتدی خود سلام پھیر دے، پس اس بیٹھنے والے شخص نے یہ تو ٹھیک کیا کہ چوتھی رکعت میں امام کے ساتھ کھڑا نہیں ہوا؛ لیکن چوتھی رکعت میں سجدہ کرنے کے بعد امام کے سلام کا انتظار نہ کرنا چاہیے تھا؛ لیکن اس تاخیر سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔ غایت مافی الباب قول اصح پر تاخیر سے سجدہ سہو آتا؛ مگر چوں کہ اس نے بعد میں سلام میں امام کا اتباع کیا ہے؛ اس لیے اس کا وہی حکم ہے، جو وجوب سجدۂ سہو

---

(۱) **(ولوسها عن القعود الأخیر) كله أو بعضه (عاد) إلخ (مالم یقیدها بسجدة) لأن مادون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخیر القعود. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب سجود السهو: ۶۹۸/۱، ظفیر)**

(۲) **الدرالمختار، باب سجود السهو: ۱۰۲/۱، مكتبة زكریا دیوبند، انیس**

برمقتدی کا حکم ہے اور جن لوگوں نے امام کے ساتھ چوتھی رکعت پڑھی، ان کی نماز قول ثانی پر جو اصح کا مقابل ہے، صحیح ہوگئی، بشرطیکہ امام نے سجدۂ سہو کرلیا ہو اور گو یہ روایت اصح نہیں؛ مگر اس وقت عموم جہل و بلوی کی وجہ سے اسی پر فتوی دینا مناسب ہے، ورنہ بہت لوگوں کی نمازیں باطل ہوں گی۔ واللہ اعلم

۲۲؍ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ۔ (امداد الاحکام: ۲۹۲/۲)

آخری قعدہ کے بعد بھول سے کھڑا ہوگیا تو کیا کرے:

سوال: نماز کے اندر آخری قعدہ کر کے نمازی کھڑا ہوگیا اور پھر یاد آنے پر بیٹھا، تو اب سجدۂ سہو کے واسطے وہ التحیات پڑھ کر ایک طرف سلام پھیرے یا بغیر پڑھے؟

الجواب

دوبارہ التحیات پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ قعدہ وتشہد پہلے ہو چکا، بیٹھتے ہی سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرلیوے، پھر التحیات وغیرہ پڑھ کر ختم کا سلام پھیرے۔

شامی میں ہے:

(قوله:عاد وسلم،إلخ)وفيه إشارة إلیٰ أنه لايعيد التشهد وبه صرح فی البحر. (۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴۱۵/۴)

قعدۂ اخیرہ بھول کر کھڑا ہوگیا، پھر یاد آیا تو کیا کرے:

سوال: اگر کوئی قعدۂ اخیرہ کو بھول کر کھڑا ہوگیا تو وہ شخص فوراً یاد آتے ہی قعدہ کرے، یا بقدر الحمد قیام کرکے؟ فقط

الجواب

فوراً یاد آتے ہی قعدہ کرنا چاہیے؛ یعنی جب تک کہ سجدہ نہیں کیا، کما هو عامة المعتبرات.

(ولوسها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد)الخ(مالم يقيدها بسجدة). (۲)فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴۱۹/۴)

اخیر رکعت میں بعد تشہد کھڑا ہوکر بیٹھا تو سجدۂ سہو کب کرے:

سوال: اگر آخر رکعت میں بعد تشہد کھڑا ہوگیا اور پھر بیٹھ گیا تو پھر تشہد پڑھے، یا سلام پھیر کر تشہد سجدۂ سہو کا پڑھے؟ ایک یہ کہ قیام تام کے بعد فوراً بیٹھ گیا دوسرے کچھ پڑھ کر، تیسرے ختم سورہ کے بعد، ہرسہ حالات کا ایک حکم ہے، یا مختلف؟

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ۸۷/۲،دارالفكر بيروت،انيس

(۲) الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،باب سجود السهو: ۸۵/۲،ظفير/ كذا فی تبيين الحقائق،باب سجود السهو: ۱۹۶/۱ ،دارالكتاب الإسلامی بيروت،انيس)

الجواب

ہر سہ حالت میں بیٹھ کر پھر تشہد پڑھے اور سجدۂ سہو کر کے پھر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۸۳/۴)

اگر آخری قعدہ میں التحیات کے بعد بھول کر کھڑا ہوگیا تو کیا کرے:

سوال: اگر اخیر رکعت میں آدمی نے التحیات پڑھی اور پھر بھول کر کھڑا ہوگیا اور بعد کھڑا ہونے کے یاد آیا کہ رکعت تمام ہوچکی ہیں اور پھر بیٹھ گیا تو دوبارہ التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کرے، یا بدون التحیات پڑھے سجدہ سہو کرے؟

الجواب

اس صورت میں دوبارہ التحیات نہ پڑھے، بیٹھ کر سلام دے کر سجدۂ سہو کرے۔ فقط

(بدست خاص، سوال:۹) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۷-۱۷۸)

اگر دو رکعت کے بعد تیسری کے لیے کھڑا ہوگیا، اس وقت یاد آیا تو کیا کرے:

سوال: اگر دو رکعت نفل، یا فرض کی نیت کی اور قعدہ اخیر کا یاد نہ رہا، تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہوگیا، یہاں تک کہ سجدہ بھی کرلیا، تب یاد آیا کہ تیسری رکعت ہے تو اگر اس کے ساتھ اور ایک رکعت ملالے تو نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟ یا ازسرنو نماز توڑ کر نیت باندھے؟

الجواب

اگر فرض نماز تھی جیسے [کہ] فجر کی نماز اور بدون قعدہ کے تیسری رکعت کا سجدہ کیا [تو] چوتھی ملالیوے، چاروں نفل ہوجاویں گی اور جو نفل ہو تو بھی چاروں نفل ہوجاویں گی اور سجدہ سہو کرلیوے اور فرض ہو تو اعادہ کرلیوے۔

(بدست خاص، سوال:۱۴۶) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۸)

دو رکعت والی نماز میں تشہد کے بعد تیسری کے لیے کھڑا ہو کر بیٹھ جائے تو سجدۂ سہو ضروری ہے:

سوال: ایک شخص نے دو رکعت سنت مؤکدہ، یا فرض کی نیت کی، جس وقت التحیات پڑھ چکا سہواً کھڑا ہوگیا؛

---

(۱) وإن قعد في الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائماً صح. (الدرالمختار، باب سجود السهو: ۱۰۲/۱، مکتبة زكريا ديوبند، انيس)

(قوله ثم قام) أي ولم يسجد (قوله عاد وسلم) أي عاد للجلوس لمامر أن مادون الركعة محل للرفض وفيه إشارة إلٰى أنه لايعيد التشهد وبه صرح في البحر، قال في الإمداد والعود للتسليم جالساً سنة، إلخ. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۸۷/۲، دارالفكر بيروت، انيس)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں تشہد لوٹایا نہیں جائے گا۔ واللہ اعلم (ظفیر)

یعنی تیسری رکعت کو الحمد شریف پڑھنے کے بعد یاد آیا تو بیٹھ کر سلام پھیر دیا، وہ نماز ہوگئی، یا لوٹائی جائے، یا سجدہ سہو کرنا چاہیے تھا؟ اور جو شخص کہتا ہے کہ نہ لوٹانی چاہیے اور نہ سجدۂ سہو کرنا چاہیے، یہ صحیح ہے، یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں سجدۂ سہو کرنا چاہیے تھا؛ کیوں کہ اس میں تاخیر فرض اور ترک واجب ہوا ہے اور اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز میں نقصان رہا اور اعادہ اس نماز کا واجب ہے اور جس شخص نے یہ مسئلہ بتلایا کہ سجدۂ سہو کی ضرورت نہ تھی اور بصورت نہ ہونے سجدۂ سہو کے اعادہ نماز کی ضرورت نہیں ہے، اس نے غلط مسئلہ بتلایا ہے، اس کو معلوم نہیں ہے، پس اس کے قول کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۴/ ۳۹۴-۳۹۵)

دو رکعت سنت کی نماز میں قعدہ کر کے بھولے سے چار پڑھ لیں تو نماز ہوگئی:

سوال (۱) دو رکعت والی نماز کی نیت باندھی اور بھولے سے چار رکعت پڑھ لی ہے، مثلاً ظہر کی دو رکعت سنت کی چار رکعت پڑھ لیں۔

(۲) فرض نماز ہے اور دو کی بجائے چار رکعت پڑھ لیں، یا پانچویں میں اچھی طرح کھڑا ہوگیا۔ایسی صورت میں کیا کرنا ہے، جس سے نماز صحیح ہو؟

(۳) امام نے دو رکعت فرض کے بجائے چار رکعت پڑھا دیں بھولے سے، کیا اس کا اعادہ کرنا ہوگا؟

(المستفتی: مستری حافظ انعام الٰہی محلّہ فراشخانہ، دہلی)

الجواب

(۱) دو رکعت والی سنتوں میں اگر بھولے سے دوسری رکعت میں قعدہ کر کے کھڑا ہوگیا اور چار پڑھ لیں تو نماز ہوگئی۔ (۲)

(۲) فرض نماز میں دوسری رکعت میں قعدہ کر کے کھڑا ہوگیا اور چار رکعتیں بجائے دو کے پڑھ لیں تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی۔(۳)

---

(۱) (ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد)...(وإن قعد في الرابعة) مثلاً قدر التشهد (ثم قام عاد)، إلخ، وسجد للسهو في الصورتين لنقصان فرضه بتأخير السلام في الأولىٰ وتركه في الثانية.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب سجود السهو: ۶۹۸/۱، ظفير)

(۲) وإن صلىٰ أربع ركعات بتسليمة واحدة والحال أنه لم يقعد علىٰ ركعتين منها قدر التشهد تجزى الأربع عن تسليمة واحدة أى عن ركعتين...ولو قعد علىٰ رأس الركعتين جازت عن تسليمتين بالاتفاق.(الحلبي الكبير، فصل في النوافل، ص: ۳۵۴، دار الكتاب ديوبند، انيس)

(۳) (ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد) (ما لم يقيدها بسجدة)...عامدًا أو ناسيًا أو ساهيا أو مخطئاً تحول فرضه نفلاً...وضم سادسة ولو في العصر والفجر (قال المحقق) بناء علىٰ أن المراد بالسادسة ركعة زائدة و إلا فهي في الفجر أربعة".(رد المحتار مع الدر المختار، باب سجود السهو: ۲/ ۸۵-۸۶، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) امام نے بھولے سے دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں پڑھا دیں تو اگر دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا تو یہ نماز فرض نہیں ہوئی، چاروں نفل ہو گئے اور اگر قعدہ کر لیا تھا تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز فرض ادا ہو گئی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۹/۴۵۴-۴۵۵)

دو رکعت کی نیت کے بعد تین یا چار رکعت پڑھنے کی مختلف صورتیں:

سوال (۱) اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری اور چوتھی رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری اور چوتھی رکعت پڑھ کر بغیر سجدۂ سہو کیے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری اور چوتھی رکعت پڑھ کر سجدہ کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۴) اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری اور چوتھی رکعت پڑھ کر بغیر سجدۂ سہو کیے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۵) اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں بیٹھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۶) اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری رکعت میں بیٹھ کر بغیر سجدۂ سہو کیے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۷) اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں بیٹھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۸) اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں بیٹھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۹) اگر کسی شخص نے دو رکعت سنت مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری و چھوتھی رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۱۰) اگر کسی شخص نے دو رکعت سنت مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری و چھوتھی رکعت پڑھ کر بغیر سجدۂ سہو کیے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۱۱)　اگر کسی شخص نے دو رکعت سنت مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری وچھوتھی رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۱۲)　اگر کسی شخص نے دو رکعت سنت مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری وچھوتھی رکعت پڑھ کر بغیر سجدۂ سہو کئے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۱۳)　اگر کسی شخص نے دو رکعت سنت مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں بیٹھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۱۴)　اگر کسی شخص نے دو رکعت سنت مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں بغیر سجدۂ سہو کئے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۱۵)　اگر کسی شخص نے دو رکعت سنت مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں بیٹھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

(۱۶)　اگر کسی شخص نے دو رکعت سنت مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں بیٹھ کر بغیر سجدۂ سہو کئے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(۱)　نماز ہوگئی اور اخیر کی دو رکعت ہوگئیں، پہلی دو رکعت فاسد ہوگئیں۔(۱)

(۲)　پہلی دو رکعت فاسد ہوگئیں دوسری دو رکعت ترک سجدہ کی بنا پر واجب الاعادہ ہیں۔(۲)

(۳)　اس حالت میں سجدۂ سہو واجب نہیں تھا، بلاضرورت سجدۂ سہو کے اضافہ کی وجہ سے کراہت آگئی۔(۳)

---

(۱)　وإن صلٰی أربع رکعات بتسلیمة واحدة أنه لم یقعد علٰی رکعتین،تجزی)الأربع(عن تسلیمة واحدة، وهو المختار)...لأن القعدة علٰی رأس الثانیة فرض فی التطوع، فإذا ترکها کان ینبغی أن تفسد صلا ته أصلاً کما هو قول محمد وزفر،وهوالقیاس،وإنما جاز علٰی قول أبی حنیفة وأبی یوسف استحسانا،فأخذنا بالقیاس فی فساد الشفع الأول،وبالاستحسان فی حق بقاء التحریمة، وإذا بقیت صح شروعه فی الشفع الثانی،وقد أتمه بالقعدة، فجازعن تسلیمة واحدة" (الحلبی الکبیر،فصل فی النوافل،التراویح،ص:۴۰۸،سهیل اکادمی لاهور)

(۲)　و إنما تجب الإعادہ إذا ترک واجباً عمدًا جبرًا لنقصانه واحدة.(البحرالرائق،باب سجود السهو:۲/۲۶۱،رشیدیة)

(۳)　ولایجب السجود إلا بترک واجب أو تأخیره أو تأخیر رکن أوتقدیمه أوتکراره أوتغییر واجب بأن یجهر فیما یخافت وفی الحقیقة وجوبه بشئ واحد وهوترک الواجب،کذا فی الکافی.(الفتاوٰی الهندیة،الباب الثانی عشر فی سجود السهو:۱/۱۲۶،رشیدیة)

(۴)　صحیح ہوگئی اور چاروں رکعت درست ہوگئیں۔(۱)

(۵)　ایک اخیر کی رکعت درست نہیں ہوئی، پہلی دو رکعت صحیح ہوگئیں۔(۲)

(۶)　ترک سجدہ سہو کی بنا پر واجب الاعادہ ہے۔(۳)

(۷)　کوئی رکعت صحیح نہیں ہوگئیں۔(۴)

(۸)　ایضاً۔(۵)

(۹)　اخیر کی دو رکعت صحیح ہوگئیں۔(۶)

(۱۰)　اخیر کی دو رکعت کا اعادہ واجب ہے۔(۷)

(۱۱)　سجدہ سہو کی وجہ سے کراہت پیدا ہوگئی۔

(۱۲)　سب صحیح ہوگئی۔

(۱۳)　ـــــ

(۱۴)　دو رکعت کا اعادہ واجب ہے۔

(۱۵)　کوئی رکعت صحیح نہیں ہوئی۔

(۱۶)　ایضاً۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۹/۱۲/۱۹ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف۔(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۳۷-۴۳۸)

---

(۱)　و إن قعد على الثانية قدر التشهد،اختلفوا فيه قال: بعضهم لايجوز إلا عن تسليمة واحدة، وعلٰى قول العامة يجوز عن تسلمتين، وهو الصحيح.(فتاویٰ قاضی خان،كتاب الصوم، فصل فى السهو وأحكامه: ۲٤۰/۱،رشيدية)

(۲)　"وإن صلٰى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة،فهو علٰى وجهين:إما إن قعد فى الثانية أولم يقعد،فإن قعد جاز عن تسليمة واحدة ويجب عليه قضاء ركعتين؛ لأنه شرع فى الشفع الثانى بعد إكمال الشفع الأول،فإذا أفسد الشفع الثانى بترك الرابعة،كان عليه قضاء ركتين. (فتاویٰ قاضی خان،فصل فى السهو وأحكامه: ۲٤۰/۱،رشيدية)

(۳)　و إنما تجب الإعاده إذا ترك واجباً عمدًا جبرًا لنقصانه.(البحر الرائق،باب سجود السهو: ۲٦۱/۲،رشيدية)

(۵،۴)　و إن صلٰى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة....(فتاویٰ قاضی خان،فصل فى السهووأحكامه: ۲٤۱/۱،رشيدية)

(۶)　(وإن صلٰى أربع ركعات بتسليمة واحده أنه لم يقعد علٰى ركعتين،تجزى) الأربع (عن تسليمة واحدة، وهو المختار)...لأن القعدة علٰى رأس الثانية فرض فى التطوع،فإذا تركها كان ينبغى أن تفسد صلا ته أصلاً كما هو قول محمد وزفر،وهو القياس،وإنما جاز علٰى قول أبى حنيفة وأبى يوسف استحساناً، فأخذنا بالقياس فى فساد الشفع الأول،وبالاستحسان فى حق بقاء التحريمة،وإذا بقيت صح شروعه فى الشفع الثانى ،وقد أتمه بالقعدة، فجازعن تسليمة واحدة.(الحلبى الكبير،فصل فى النوافل، التراويح،ص:٤۰۸،سهيل اكادمى لاهور)

(۷)　وإنما تجب الاعاده إذا ترك واجبا عمدا جبرا لنقصانه.(البحر الرائق،باب سجود السهو: ۲٦۱/۲، رشيدية)

امام باوجود تسبیح کے پانچویں رکعت شروع کردے تو مقتدی اقتدا نہ کرے:

سوال: جب امام چار رکعت کے بجائے پانچویں رکعت شروع کردے اور مقتدی یوں کے بار بار متنبہ کرنے پر بھی قعود نہ کرے تو امام کی اقتدا کی جائے، یا نہیں؟

الجواب

پانچویں رکعت میں اقتدا نہ کریں۔ درمختار میں ہے کہ اگر امام بعد قعود اخیرہ پانچویں رکعت کی طرف اٹھا تو مقتدی بیٹھے رہیں اور اس کے لوٹنے کا انتظار کریں۔ اگر وہ لوٹا تو مقتدی اس کے ساتھ ہو جاویں اور اگر امام نے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو مقتدی سلام پھیر کر نماز ختم کردیں،(۱) اور اگر امام نے قعدہ اخیرہ نہ کیا اور بلا قعود پانچویں رکعت کی طرف اٹھ گیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو پھر مسئلہ معروف ہے کہ کسی کی نماز فرض ادا نہیں ہوئی۔(۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۸۱/۴)

پانچویں رکعت کے لیے امام بھول سے کھڑا ہوا تو کیا مقتدی پیروی کرے:

سوال (۱) امام نے چاروں رکعت پڑھ لی اور اخیر قعدہ میں صرف التحیات پڑھ کر سہواً کھڑا ہو گیا اور مقتدی نے لقمہ نہیں دیا اور نہ لقمہ دینا جانتا ہے اور مقتدیوں کو معلوم ہے کہ یہ پانچویں رکعت ہے۔ اب مقتدی پوری التحیات (پوری التحیات سے مراد درود شریف اور دعا ہے) پڑھ کر سلام پھیر دیں، یا امام کا اقتدا کریں؟

امام پانچویں رکعت کے لیے بھول سے کھڑا ہو گیا، لقمہ دیا؛ مگر نہیں لیا تو مسبوق کیا کرے:

(۲) زید دو رکعت میں امام کے ساتھ آ کر مل گیا، امام قعدۂ اخیر کر کے سہواً کھڑا ہو گیا اور مقتدی نے لقمہ دیا؛ لیکن امام نے لقمہ نہیں لیا۔ اب زید کی تقلید و اقتدا کرنی چاہیے، یا کیا؟

الجواب

(۱) دونوں اختیار ہیں۔(۳) لیکن جو شخص اول سے شریک نہیں، وہ اگر اقتدا کرے گا، فرض باطل ہو جائے گا۔(۴)

---

(۱) (وإن قعد فی الرابعة) مثلاً قدر التشهد (ثم قام عاد وسلم) ولو سلم قائمًا صح ثم الأصح أن القوم ينتظرونه فإن عاد تبعوه (وإن سجد للخامسة سلموا) لأنه تم فرضه إذلم يبق عليه إلا السلام. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب سجود السهو: ۸۷/۲، ظفير)

(۲) (وسها عن القعود الأخير) عاد، إلخ (ما لم يقيد ها بسجدة) الخ (وإن قيد ها) بسجدة عامداً أو ناسيًا أو ساهيًا أو مخطئًا تحول فرضه نفلاً برفعه الجبهة، الخ. (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب سجود السهو: ۸۵/۲، ظفير)

(۳) وإن قعد فی الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام، عاد وسلم ... ثم الأصح أن القوم ينتظرونه فإن عاد تبعوه، وإن سجد للخامسة سلموا؛ لأنه تم فرضه. (الدر المختار)

(قوله: ثم الأصح) لأنه لا اتباع فی البدعة، وقيل يتبعونه مطلقاً عاد أولا. (ردالمحتار: ۸۷/۲، دار الفكر، انيس)==

(۲)　نہیں پڑھے۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۴۱۵-۴۱۷)

اگر امام قعدۂ اخیرہ کے بعد سہواً کھڑا ہو جائے تو؟

سوال: امام اگر آخر قعدہ [میں] نہ بیٹھے اور سہواً کھڑا ہو جاوے تو مقتدی اتباعِ امام کریں، یا نہیں؟ درصورت عدم اتباع اگر بیٹھ کر سلام پھیر دیویں تو نماز ان کی جائز [ہوگی]، یا نہ؟ اگر شق اول اختیار کی جاوے تو اطاعت امام بھی ضروری تھی اور وہ متروک ہے، پھر دلیل جواز اس کی کیا ہوگی؟

الجواب

مقتدی امام کو سبحان اللہ، یا دیگر ذکر سنا کر بٹھا دیں، اگر نہ بیٹھے تو سجدہ تک انتظار کریں اور اعلام کرتے رہیں، اگر امام لوٹ آیا سجدۂ سہو کر کے، سب کے ساتھ سلام پھیرے اور جو نہ لوٹا اور سجدہ رکعت خامسہ کا کر لیا تو مقتدی سلام دے کر رخصت ہوویں، امام کو چھوڑ دیویں کہ امام نوافل میں چلا گیا، وہ امام فرائض کا تھا نہ نوافل کا، اب امام نہیں رہا، دوسری نماز پڑھتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ رام پور، ص:۲-۳) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۰)

امام قعدۂ اخیرہ کے بعد کھڑا ہو جائے:

سوال: اگر امام صاحب عصر کی نماز میں غلطی سے پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں تو مقتدی کیا کرے؟

(محمد جانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

اگر امام چوتھی رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد پانچویں رکعت کے لیے بھول کر کھڑا ہو جائے تو مقتدی کو اس کی اقتدا نہیں کرنی چاہیے؛ بلکہ مقتدی حضرات بیٹھے رہیں اور امام کو لقمہ دیں، اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے قعدہ میں واپس آ جائے اور سلام پھیر دے تو مقتدی بھی اس کے ساتھ سلام کریں، اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر گزرے تو اب مقتدیوں کو مزید انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، وہ سلام پھیر کر اپنی نماز پوری کر لیں۔

وإذا صلى الإمام أربع ركعات وقعد علىٰ رأس الرابعة وقام إلى الخامسة ساهيًا...وإن قيد الخامسة بالسجدة ليسلم المقتدى ولا ينتظر الإمام. (۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۴۱)

==(۴) ومن جملتها أنه لو قام إمامه إلى الخامسة فتابعه، فإن كان الإمام قعد على الرابعة فسدت صلاة المسبوق لاقتدائه فى موضع الانفراد. (غنية المستملي، ص: ٤٤١)

حاشیہ صفحہ هذا (۱)　یعنی یہ مسبوق امام کی اقتدا نہ کرے، ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؛ بلکہ مسبوق اپنی باقی نماز پڑھے۔

(۲)　الفتاوىٰ الخانية علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية، باب افتتاح: ۱/۹۹-۹۸، انیس

چار رکعت والی نماز میں پانچویں کے لیے کھڑا ہونے سے سجدۂ سہو:

سوال: چار رکعت والے فرض میں چار رکعت کے بعد تشہد پڑھ کر امام غلطی سے کھڑا ہوگیا تو اب کیا چھ رکعت پوری کر کے سلام پھیرے، یا کیا کرے؟ اور اگر تشہد نہیں پڑھا تو کیا حکم ہے اور ایسی حالت میں جو لوگ امام کے ساتھ دوسری یا تیسری رکعت میں شریک ہوئے ہیں، ان کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر یاد آگیا تو بیٹھ جائے، ورنہ چھ پوری کرے اور ہر صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا، اگر قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو فرض نماز درست نہیں ہوئی۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۳۰)

فرض کا قعدۂ اخیرہ بھول کر چھوڑ دیا اور پانچویں رکعت ملالی تو کیا وہ نفل ہوجائیں گی:

سوال: جس شخص نے سہو کیا قعدۂ اخیرہ سے اور مقید کیا سجدہ سے، کہتے ہیں کہ **تحول فرضه نفلاً**، حالاں کہ نفلوں {کے بارے} میں فرماتے ہیں: "**لأن كل شفع من النفل صلاة علىٰ حدة بدليل نقل**" مع حوالۂ صفحہ کتاب و مطبع تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

"**فرضه نفلاً**" (۲) خود مصرح ہے، اس کے لیے اور کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے اور "**كل شفع من النفل صلاة على حدة**" بھی قاعدہ صحیح ہے؛ لیکن یہاں سجدۂ سہو سے اس کا انجبار کردیا گیا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۸۴)

چوتھی رکعت کے بعد کھڑا ہوگیا اور پانچویں رکعت پڑھ لی اور سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کی تو کیا حکم ہے:

سوال: عشا کی نماز میں چار رکعت ہونے پر امام کو یہ خیال رہا کہ تین رکعت ہوئی ہیں؛ اس لیے کھڑا ہوگیا، بعض مقتدی بیٹھ گئے اور امام کو اشارہ کیا؛ مگر امام نہ بیٹھا؛ بلکہ پانچویں رکعت کا رکوع، سجدہ کر کے سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کی۔ اس صورت میں امام کی نماز ہوئی، یا نہیں؟ اور جو مقتدی قعدۂ اخیرہ کی غرض سے اول بیٹھ گئے تھے اور پھر امام کے ساتھ رکوع میں پانچویں رکعت کے شامل ہوگئے تھے، ان کی بھی نماز ہوگئی، یا نہیں؟

---

(۱) (ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد ما لم يقيد ها بسجدة)...وسجد للسهو، لتأخير القعود (وإن قيدها) بسجدة...(تحول فرضه نفلاً برفعه ...(وإن قعد في الرابعة) مثلا قدر التشهد (ثم قام، عاد وسلم ...وإن سجد للخامسة سلموا، وضم إليها سادسة ...لتصير الركعتان له نفلا ... ، وسجد للسهو). (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب سجود السهو: ۲/۸۵-۸۷، سعيد)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب سجود السهو: ۱/۶۹۸، ظفير

الجواب

امام جب کہ چوتھی رکعت میں نہ بیٹھا اور پانچویں رکعت میں کھڑا ہوکر رکوع سجدہ کر کے بیٹھا تو بوجہ فوت ہونے قعدۂ اخیرہ کے امام کی نماز نہیں ہوئی اور جب کہ امام کی نماز نہیں ہوئی تو مقتدی میں کسی کی بھی نماز نہیں ہوئی، نہ مسبوق کی نہ مدرک کی۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۰۵)

قعدۂ اخیرہ کے بعد ایک دو رکعت پڑھنے کا حکم:

(از تتمہ)

سوال (۱) دو رکعت والی نماز کی نیت باندھی ہے اور بھولے سے چار رکعت پڑھ لی ہے، مثلاً: ظہر کی دو رکعت سنت کی چار رکعت پڑھ لیں۔

(۲) فرض نماز ہے اور دو کی بجائے چار رکعت پڑھ لیں، یا پانچویں میں اچھی طرح کھڑا ہوگیا، ایسی صورت میں کیا کرنا ہے، جس سے نماز صحیح ہو؟

(۳) امام نے دو رکعت فرض کے بجائے چار رکعت پڑھا دیں بھولے سے کیا، اس کا اعادہ کرنا ہوگا؟

(المستفتی: مستری حافظ انعام الٰہی محلّہ فراش خانہ دہلی)

الجواب

(۱) دو رکعت والی سنتوں میں اگر بھولے سے دوسری رکعت میں قعدہ کر کے کھڑا ہو گیا اور چار پڑھ لیں تو نماز ہوگئی۔

(۲) فرض نماز میں دوسری رکعت میں قعدہ کر کے کھڑا ہوگیا اور چار رکعتیں بجائے دو کے پڑھ لیں تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی۔

(۳) امام نے بھولے سے دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں پڑھا دیں تو اگر دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا تو یہ نماز فرض نہیں ہوئی، چاروں نفل ہوگئے اور اگر قعدہ کر لیا تھا تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز فرض ادا ہوگئی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۴۲۰)

پانچویں رکعت سجدۂ سہو کے ساتھ مکمل کرے:

سوال: امام نے عشا کی چوتھی رکعت میں قعدہ اخیرہ کر کے پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوا اور پانچویں مکمل کر کے سجدۂ سہو کے ساتھ نماز ختم کی۔ نماز درست ہوئی، یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہوئی تو کس صورت میں نماز ہو سکتی تھی؟

---

(۱) وإن سها عن القعدة الأخيرة حتى قام إلى الخامسة رجع إلى القعدة ما لم يسجد، الخ، وإن قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه عندنا. (الهداية، باب سجود السهو: ۱/۱٤۲، ظفير)

هو المصوب

دریافت کردہ صورت میں نماز بلا کراہت درست ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔(۱)

تحریر: محمد مستقیم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱۳۸/۳-۱۳۹)

اگر بھول کر پانچویں رکعت پڑھ لے:

سوال: امام صاحب نے ظہر کی نماز میں چار رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ کرکے پانچویں رکعت کے لیے اٹھ گئے اور پھر چھ رکعت پوری کر کے قعدہ اور سلام کیا، ایسی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہے، یا نہیں؟ مولوی فرید الحق صاحب نے اپنی ایک کتاب میں شرح الوقایہ اور درمختار کے حوالہ سے مسئلہ بیان کرتے ہوئے سجدۂ سہو کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف اتنا لکھا ہے کہ ایسی صورت میں چار رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہو جائیں گی۔ آپ صحیح صورتِ حال سے ہمیں آگاہ فرمائیں کہ آیا اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟ (منیر خان، پوسٹ ماسٹر، گیشو گیری)

الجواب

مذکورہ صورت میں چار رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہوگی، البتہ امام صاحب کے لیے ضروری ہے کہ وہ سجدۂ سہو بھی کریں۔ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

"وإن قيد الخامسة بالسجدة ثم تذكر ضم إليها ركعة أخرىٰ وتم فرضه... ويسجد للسهو استحسانًا، لتمكن النقصان في الفرض بالخروج لا على الوجه المسنون وفي النفل بالدخول لا على الوجه المسنون". (۲) (کتاب الفتاویٰ:۴۴۰/۲-۴۴۱)

اگر فجر دو کی جگہ چار اور عصر چار کی جگہ چھ پڑھ لے تو کیا حکم ہے:

سوال: فجر کی نماز بجائے دو رکعت کے چار رکعت ایسے ہی عصر میں بجائے چار رکعت کے چھ رکعت پڑھ جائے تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟ اگر ہو جاتی ہے تو دو رکعت نفل ہوں گی اور ان دونوں وقتوں میں بوجہ مکروہ ہونے نفل کے مصلی آثم ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں اگر اس نے قعدہ اخیر کرلیا ہے اور پھر کھڑے ہو کر دو رکعتیں اور ملالیں تو پھر سجدۂ سہو کرنے سے

---

(۱) **وإن قعده في الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد سلم ولو سلم قائماً صح ثم الأصح أن القوم ينتظرونه فإن عاد تبعوه و إن سجد للخامسة سلموا؛ لأنه تم فرضه... وسجد للسهو فى الصورتين. (الدرالمختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۸۷-۸۸، دارالفكر بيروت، انيس)**

(۲) **الهداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱۳۹/۱-۱۴۰**

اس کی نماز مکمل ہوجاتی ہے اور یہ دو رکعتیں نفل ہوجائیں گی اور پڑھنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔

قال في الدرالمختار :وضم إليها سادسة ولو في العصر وخامسة في المغرب ورابعة في الفجر به يفتى لتصير الركعتان له نفلاً.(۱)

(قوله:ولوفي العصر)أشارإلٰى أنه لافرق في مشروعية الضم بين الأوقات المكروهة و غيرها لما مرأن التنفل فيها إنما يكره لوعن قصد وإلا فلا وهوالصحيح. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۰۲)

فرض نماز کی حالت میں چار رکعت کے بعد بھول کر کھڑا ہوگیا اور مزید دو رکعتیں پڑھ لیں تو؟

سوال: ایک شخص مثلاً ظہر کے فرض پڑھتا ہے اور آخر قعدہ کے بعد سہو سے پانچویں رکعت کے واسطے کھڑا ہوگیا، بعد میں یاد آیا تو اس نے دو رکعت [پوری] کر کے سجدہ سہو کرلیا اور نماز تمام کی تو دو رکعت جو بعد فرض کے پڑھتے ہیں، وہ ادا ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

دو رکعت سنت مؤکدہ اس سے ادا نہیں ہوتی، یہ دو نفل ہوجاویں گے۔(۳) فقط واللہ اعلم

(بدست خاص،ص:۴۴) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۷)

سنتِ فجر میں اگر تیسری رکعت کے لیے بھول سے کھڑا ہوجائے تو کیا کرے:

سوال: کوئی آدمی فجر کی نماز سنت میں پہلی رکعت میں سورۂ فلق، دوسری میں سورۃ الناس پڑھے اور بھول کر دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت میں کھڑا ہوجائے تو کیا کرے؟

الجواب

قیام کی حالت میں جب یاد آجاوے بیٹھ جاوے اور تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرے۔(۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۱۳)

---

(۱) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۱۰۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۷، دارالفكر بيروت، ظفير

(۳) وإن قيد الخامسة بالسجدة ثم تذكر ضم إليها ركعة أخرٰى وتم فرضه...ويسجد للسهو استحسانًا، لتمكن النقصان في الفرض بالخروج لا على الوجه المسنون وفي النفل بالدخول لا على الوجه المسنون". (الهداية، باب سجود السهو: ۱/۱۳۹ـ۱۴۰، انيس)

(۴) سها عن القعود الأول من الفرض ولوعملياً أما النفل فيعود مالم يقيد بالسجدة ثم تذكره عاد إليه وتشهد ولاسهوعليه في الأصح. (الدرالمختار، باب سجود السهو: ۱/۱۰۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(لا سهوعليه في الأصح)يعني إذا عاد قبل أن يستتم قائماً،إلخ وأما إذا عاد وهو إلى القيام أقرب فعليه سجود السهو. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۳، دارالفكر بيروت، ظفير)

اگر چار سنتوں کی نیت کی اور چار رکعت کے بعد، بھول کر کھڑا ہو گیا اور چھ مکمل کرلیں تو؟

سوال: اگر چار رکعت سنت کی نیت کی اور بعد قعدہ آخر کے پانچویں رکعت کے واسطے بھول کر کھڑا ہو گیا اور یاد آنے کے بعد دو رکعت اور پڑھ لی تو سجدہ سہو بھی کرے، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص:۴۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۰-۱۸۱)

چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد امام کا سجدۂ سہو کرنا:

سوال: چار رکعت والی نماز میں امام کو سجدہ سہو لاحق ہو گیا، امام نے دو رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کے لیے سلام پھر دیا، پھر یاد آیا کہ چار رکعت والی نماز ہے، پھر دو رکعت ادا کی تو وہ ہی سجدہ کافی ہو گیا، یا اور کرنا پڑے گا؟ (احقر: عبدالعلی)

الجواب حامدًا و مصليًا

ختم نماز پر دوبارہ سجدۂ سہو کرے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۱/۱۳۵۷ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذیقعدہ/۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۳/۷)

نفل کو فرض کے ساتھ ملانے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: **ولو صلٰى أربعًا بتسليمة ولم يقعد فى الثانية،ففى الاستحسان لا تفسد، وهى أظهر الروايتين عن أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله تعالٰى،وإذا لم تفسد قال محمد بن الفضل:تنوب الأربع عن تسليمة واحدة،وهو الصحيح،كذا فى السراج الوهاج،وهٰكذا فى فتاوىٰ قاضى خان وعن أبى بكر الاسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة فى التراويح ولم يقعد فى الثانية؟قال:إن تذكر فى القيام،ينبغى أن يعود ويقعد ويسلم،وإن تذكر بعد ما سجد للثالثة،فإن أضاف اليها ركعة اخرى كانت هٰذه الأربع عن تسليمة واحدة،وإن قعد فى الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه،فعلٰى قول العامة يجوز عن تسليمتين،وهو الصحيح،هٰكذا فى فتاوىٰ قاضى خان.** (عالمگیری: ۱/۷۵، از امداد الفتاویٰ)(۲)

---

(۱) (قوله:ولو سجد السهو فى الشفع التطوع،لم يبن شفعا آخر عليه)؛لأن السجود يبطل لوقوعه فى وسط الصلاة،وهو غير مشروع ... كالمسافر إذا نوىٰ الاقامة بعد ما سجد للسهو،ويلزم الأربع،ويعيد السجود.(البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱۸۶/۲-۱۸۷،رشيديه)

(۲) الفتاوىٰ الهندية،الباب التاسع فى النوافل،فصل فى التراويح : ۱۱۸/۱،رشيدية/امداد الفتاویٰ، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی التراویح: ۳۳۰/۱، مکتبہ دار العلوم، کراچی

اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صلوٰۃ فجر میں قعدہ بھول گیا اور ثالثہ کا سجدہ کرلیا تو رابعہ ملانے سے ۴؍نفل نہ ہوں؛ بلکہ دو ہوں، اسی طرح ظہر میں خامسہ کے ساتھ سادسہ ملانے سے بجائے چھ کے چار نفل نہ ہوں، حالاں کہ جہاں تک بندہ کا خیال ہے فجر میں ۴؍اور ظہر میں ۶؍کا نفل ہونا مذکور ہے، جو تحقیق ہو مطلع فرماویں۔ نیز جس طرح فرض میں قعدہ ثانیہ چھوٹ گیا اور دو نفل ملائے تو سجدۂ سہو نہیں، اسی طرح نوافل میں بھی نہ ہونا چاہیے، حالاں کہ سجدۂ سہو کا وجوب اس صورت میں ظاہر ہے، اگر چہ عالمگیریہ میں اس کو ذکر نہیں کیا۔

اور اگر ثالثہ کے سجدہ سے پہلے قعدہ کی طرف لوٹ آئے تو بھی سجدہ سہو ضروری ہے، حالاں کہ عالمگیریہ کی عبارت: **"ینبغي أن یعود ویسلم"** سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو نہ کرے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ نیز عالمگیریہ میں جو حکم محرر ہے، اس میں اگر چار رکعت تراویح، یا نوافل کی نیت کی اور قعدہ اولیٰ یاد نہ رہا، یا دو رکعت کی نیت کی اور ثانیہ پر قعدہ بھول کر قعدہ اولیٰ پر سلام پھیر دیا، بعدہ جدید تکبیر کے بغیر باقی دو رکعت پڑھی، یا دو رکعت کی نیت کی اور قعدہ بقدر تشہد بیٹھ کر بھول کر تیسری اور چوتھی بھی ملالی تو ہر دو صورت میں سجدۂ سہو ہوگا، یا نہ؟ اور قدر تشہد بیٹھنے کے بعد کھڑا ہوا تو تیسری کے سجدہ سے پہلے اگر یاد آگیا تو عود کر کے سلام پھیرنا زیادہ افضل ہے، یا کہ تیسری اور چوتھی کا پورا کرنا؟ فقط والسلام

(رشید احمد عفی عنہ، مدرس مدینۃ العلوم بھینڈہ، ضلع حیدرآباد، سندھ، ۲۱؍ربیع الاول ۱۳۶۷ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اس سوال میں متعدد جزئیات کو دریافت کیا گیا ہے؛ اس لیے ان جزئیات پر احقر نے نمبر لگا دیئے؛ تا کہ جواب کے انطباق میں سہولت ہو۔

(۱)　فتاویٰ عالمگیری کا یہ جزئیہ دیگر کتب میں بھی مذکور ہے، جس کا یہ مطلب نہیں کہ دو رکعت صحیح ہوئی اور دو فاسد۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو قیاس کی گنجائش نہیں؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دو رکعت تراویح (سنت مؤکدہ) اور دو نفل اسی وجہ سے: **"تنوب الأربع عن تسلیمة واحدة"** کہا، (ورنہ کہتے: **"صحت الرکعتان فقط"**) یعنی یہ قائم مقام ۴؍تراویح کے نہیں ہوں گی؛ بلکہ دو تراویح ہوں گی جیسا کہ ظہر کی صورت میں خامسہ و سادسہ قائم مقام دو رکعت سنت مؤکدہ بعد یہ نہیں ہوئی، یہ مطلب نہیں کہ ان کی نفلیت بھی باطل ہوگئی۔

"وضم إلیها سادسة لتصیر الرکعتان له نفلا وسجد للسهو، ولاتنوبان عن السنة الراتبة بعد الفرض فی الأصح، إلخ". (الدرالمختار، باب سجود السهو)(۱)

حالاں کہ اس صورت میں قعدۂ اخیرہ کر کے کھڑا ہوا ہے کہ ۴؍فرض بھی صحیح ہوگئے اور دو نفل بھی؛ مگر چوں کہ سنن بعد یہ کو تحریمہ مستقلہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے؛ اس لیے یہ دو رکعت ان کے قائم نہیں ہوں گی۔

---

(۱)　الدرالمختار مع ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/ ۸۷-۸۸، دارالفکر بیروت، انیس

(۲)　فرض میں قعدہ ثانیہ چھوڑ کر نفل ملانے سے سجدہ سہو واجب نہ ہونے کی وجہ درمختار میں موجود ہے:

"ولایسجد للسهو علی الأصح؛لأن النقصان بالفساد لاینجبر"،إلخ. (۱)

علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"(قوله:لأن النقصان): أی الحاصل بترک القعدة لاینجبر بسجود السهو".

اس پر اشکال فرماتے ہیں:

"فإن قلت:إنه وإن فسد فرضًا فقد صح نفلاً،ومن ترک القعدة فی النفل ساهیاً،وجب علیه سجود السهو،فلما إذا لم یجب علی السجود نظرًا لِهٰذا الوجه"،الخ؟

اس کا جواب دیا ہے:

"قلت:إنه فی حال ترک القعدة لم یکن نفلاً،إنما تحققت النفلیة بتقیید الرکعة بسجدة و الضم،فالنفلیة عارضة"،إلخ. (۲)

اس سوال سے معلوم ہوا کہ نفل میں ترک قعدہ کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہونا چاہیے؛ یعنی جب وہ چار فرض ترک قعدہ کی وجہ سے نفل ہو گئے اور ان میں قعدہ چھوٹ گیا تو اس کی مکافات کے لیے سجدہ سہو لازم ہو؟ جواب کا حاصل یہ ہے: سجدہ سہو کا وجوب اس وقت ہوتا ہے، جب کہ یہ نماز ابتدا نفل ہوتی، حالاں کہ یہ ابتدا فرض تھی اور ترک قعدہ اور ضم خامسہ کے بعد نفل ہوئی، لہٰذا سجدۂ سہو ساقط ہے۔ نفل کے متعلق شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ علیہ کا اختلاف ہے امام محمد ترک قعدہ سے فساد کے قائل ہیں اور شیخین ضم ثالثہ کے وقت درمیانی قعدہ کے وجوب کے قائل ہیں۔

مشائخ کی تصحیح بھی مختلف ہیں، لہٰذا قول شیخین کے موافق تو سجدہ سہو لزوم اصل ہے اور امام محمد کے قول کے موافق نفل فاسد ہو گئی، پھر آپ کا یہ تحریر کرنا کہ نوافل میں بھی سجدہ سہو نہیں ہونا چاہیے، یہ کس قول کے موافق ہے:

"أوصلّٰی أربعا فأکثر ولم یقعد بینهما استحسانا؛لأنه بقیامه جعلها صلٰوة واحدة،فتبقی واجبة،والخاتمة هی الفرضیة،وفی التشریح:صلّٰی ألف رکعة،ولم یقعد إلا فی آخرها،صح خلافًا لمحمد رحمه اللّٰه علیه،وسجده للسهو،الخ". (الدرالمختار)

(فتبقی واجبة):أی کما فی نظیره من الفرض الرباعی،فإن قعدة الأولٰی فیه واجبة لایبطل بترکها...إنما هی الأخیرة ... (قوله:صح خلافًا لمحمد رحمة اللّٰه علیه)؛لأنه یقول بفساد الشفع یترک قعدته کما هو القیاس،وقد مر،لکن (قوله:صح)مبنی علٰی أن مازاد علی الأربع کالأربع فی جریان الاحسان فیه،وهو قول لبعض المشایخ،قد علمت اختلاف التصحیح فیه

(۱-۲)　**الدرالمختار مع ردالمحتار،باب سجود السهو: ۸۷/۲،دارالفکر بیروت،انیس**

(قوله: ويسجد للسهو)سواء ترک القعدة عمدًا أو سهوًا،نعم فی العمد يسمی سجود عذر ح، عن النهر،وسيأتی أن المعتمد عدم السجود فی العمد،إلخ". (ردالمحتار: ٦٥٢/١،باب النوافل)(١)

(۳) عالمگیری کی اس عبارت میں اگر چہ سجدۂ سہو کا ذکر نہیں؛ لیکن اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا اور یہاں ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بحث سجدۂ سہو میں خود عالمگیری میں ایک کلیہ بیان کر دیا ہے:

"وحكم السهو فی الفرض والنفل سواء،كذا فی المحيط"،إلخ. (ص:١٢٦)(٢)

اور جس مسئلہ میں فرق ہے،اس کو ذکر کر دیا۔

(۴) دونوں صورتیں اس حکم میں برابر ہیں کہ کوئی فرق نہیں، جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو شفعہ اولیٰ تام ہو گیا، اگر چہ ۴ رکی نیت کی تھی، اس نیت کا اعتبار نہیں؛ بلکہ شروع کرنے سے دو ہی لازم ہوتی ہیں، جب ثالثہ کے لیے کھڑا ہوا تو یہ شفعہ ثانیہ متصلہ ہوگا، بوقت قیام اگر تکبیر کہی ہے تو وہی تحریمہ ہے، اگر چہ بہ نیت قیام إلی الثالثہ کہی ہو، اس کے بعد جو شفعہ پڑھے گا، وہ صحیح ہوگا۔ اگر نہیں کہی تو شفعہ ثانیہ کا شروع صحیح نہیں ہوا، فقہ میں اس کی نظیریں موجود ہیں کہ نفس تکبیر کو اگر چہ تحریمہ کے علاوہ کسی اور نیت سے کہی ہو، بمنزلہ تکبیر تحریمہ کے قرار دیا گیا ہے اور نیت کا اعتبار نہیں کیا گیا، یہ پہلی صورت کا حکم ہے۔ دوسری صورت بالکل ظاہر ہے کہ شفعہ اولیٰ پر ثانیہ کی بناء صحیح ہے، اگر چہ بوقت شروع ایک ہی شفعہ کی نیت کی تھی۔

"كل شفع منه صلاة" إلخ. (الدرالمختار)

"كأنه والله أعلم لتمكنه من الخروج علی رأس الركعتين،فإذا قام إلی شفع آخر،كان بانيًا صلاة علی تحريمة صلاة، ومن ثمة صرحوا بأنه لو نوی أربعًا، لايجب عليه بتحريمتها سوی الركعتين فی المشهورعن أصحابنا،وأن القيام إلی الثالثة بمنزلة تحريمة مبتدأة حتی إن فساد الشفع الثانی لايوجب فساد الشفع الأول"،الخ. (شامی: ٤٢٨/١،باب صفة الصلاة)(٣)

لٰہذا دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو لازم نہیں۔

(۵) بظاہر چوتھی کا پورا کرنا افضل ہے؛ کیوں کہ شفعہ ثانیہ کی بناء صحیح ہے۔

قال الله تعالٰی: ﴿ولا تبطلوا أعمالكم﴾ (۴) آیت کا تقاضا یہ ہے کہ عود جائز نہ ہو، جیسا کہ "لزوم النوافل بالشروع" کا تقاضا ہے:

---

(١) الدرالمختارمع ردالمحتار،باب الوتر والنوافل،مبحث المسائل الستة عشرية: ٣٦/٢،سعيد

(٢) الفتاوی الهندية، الباب الثانی عشرفی سجود السهو: ١٢٦/١،رشيدية

(٣) الدرالمختارمع رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب: كل شفع من النفل صلاة: ٤٥٩/١،سعيد

(۴) سوره محمد: ٣٣

قال فی الدرالمختار: (ولزم نفل شرع فیه) بتکبیرة الاحرام أوبقیام الثالثة شروعًا صحیحًا (قصدًا)''إلخ.

''(قوله:أوبقیام الثالثة):أی وقد أدی الشفع الأول صحیحًا،فإذا أفسد الثانی، لزمه(قضاؤه فقط،ولایسری إلی الأول؛لأن کل شفع صلاة علٰی حدة،بحر''الخ.(شامی : ۶۴۵/۱،باب النوافل)(۱)

لیکن چوں کہ شفعۂ ثانیہ کی بناء قصداً نہیں کی ؛ بلکہ بھول کی ہے؛اس لیے عود کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ھٰکذا یفهم فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۷/۵/۱۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۴۴۱/۷-۴۴۵)

چھٹی رکعت میں جوملا،اس کی نماز نہیں ہوئی:

سوال: امام پانچویں رکعت میں کھڑا ہوگیا چھ رکعت پوری کر کے سجدہ کر کے سلام پھیر دیا، پانچویں رکعت میں ایک آدمی اور شریک ہوگیا تو اس کی نماز صحیح ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

امام اگر چوتھی رکعت میں بقدر تشہد بیٹھ کر سہواً کھڑا ہوگیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو چھٹی رکعت ملالے اور سجدۂ سہو کرلے تو فرض اس کے پورے ہوگئے ، اگر کوئی شخص پانچویں، یا چھٹی رکعت میں اس امام کا مقتدی ہوا تو مقتدی کی نماز نہ ہوگی ؛ کیوں کہ امام کی وہ دو رکعت نفل ہیں،ھکذا فی الشامی۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۰/۴-۴۱۱)

---

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار،باب الوتروالنوافل: ۲۹/۲،دارالفکر بیروت،سعید

(۲) لواقتدی به مفترض فی قیام الخامسة بعد القعود قدرالتشهد لم یصح ولوعاد إلی القعدة؛لأنه لما قام إلی الخامسة فقد شرع فی النفل فکان اقتداء المفترض بالمتنفل.(رد المحتار،باب سجود السهو: ۸۸/۲،دارالفکر بیروت،ظفیر)

مسئلہ : جس وقت نماز فرض کو واجب کے ترک سے اعادہ کیا تو اعادہ واجب ہے؛لیکن واجب مثل وتر کے نہیں ؛ بلکہ درحقیقت وہ نفل ہے کہ یہ بسبب جبر کرنے نقصان فرض کے وجوب اس کو عارض ہوگیا ہے، جیسے کوئی شخص نذر معین دو رکعت نفل کی کرلے تو درحقیقت یہ نماز نفل ہے؛لیکن وجوب سبب نذر کے اس کو عارض ہوگیا ہے، اس واسطے بعد عصر ادا کرنا اس کا جائز نہیں، یا کوئی نفل شروع کر کے توڑ دیوے تو اعادہ واجب ہوگا تو وقت اعادہ، درحقیقت نفل ادا کرنا ہے، جس کو وجوب عارض ہوگیا ہے۔پس جب کہ اس طرح وقت اعادہ نماز درحقیقت نفل ہوئی تو اس کے پیچھے فرض ادا کرنا جائز نہیں، اگرچہ اس کو وجوب عارض ہوگیا ہے؛لیکن اصل نفل سے خارج نہیں ہوئی اور یہ نماز بالفرض اگر ایسی واجب ہوتی جیسے وتر، تاہم اقتدا مفترض کی اس کے پیچھے درست نہ ہوئی ؛ کیوں کہ یہ فرض فقط عملاً ہے اور وہ فرض عملاً واعتقاداً تو فرض عملاً بعض قوی ہوتا ہے اور بعض ضعیف اور یہاں اولیٰ ضعیف ہے اور ثانی قوی تو ضعیف کے پیچھے قوی جائز نہ ہوگا۔

(مجموعہ رام پور،ص:۱۴۰)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۹)

قعدۂ اخیرہ میں بعد ختم درود ودعا تاخیر سے سلام پھیرا تو کیا سجدۂ سہو لازم ہے:

سوال: قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد و درود کے کچھ دیر تک سکوت کیا اور سلام نہیں پھیرا تو سجدۂ سہو واجب ہے، یا نہیں؟ اور بصورت وجوب دوبارہ تشہد سجدۂ سہو کرے، یا کیا؟

الجواب

اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۰۰)

سجدۂ سہو کے بعد قیام کرلیا:

سوال: ایک شخص نے فرض نماز میں سجدۂ سہو کرنے کے بعد ''التحیات'' بیٹھ کر نہیں پڑھی اور سیدھا غلطی سے کھڑا ہو گیا، اب قیام کی حالت میں یاد آیا کہ تجھے بیٹھ کر ''التحیات'' درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیرنا تھا تو نماز ہوگی، یا نہیں؟ التحیات، درود اور دعا نہ پڑھے اور صرف کھڑے ہوتے ہی سلام پھیر دے تو کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا

اس کو چاہیے کہ بیٹھ کر ''التحیات'' پڑھ کر پھر سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے۔

فی المحیط بأن السجدة المتقدمة لا ترفع النقصان المتأخر. (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۲/۱۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۳۵-۴۳۶)

بجائے ''السلام'' کے ''اللہ اکبر'' کے ذریعہ نماز ختم کرنے سے سجدۂ سہو:

سوال: سلام پھرتے وقت سہواً ''**السلام علیکم**'' کی جگہ ''**اللہ اکبر**'' کہہ دے تو نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا

لفظ ''السلام'' واجب ہے، اس کے چھوٹنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، (۳) اگر سجدۂ سہو کیا تو اعادہ واجب ہوگا۔(۴)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۵۳)

---

(۱) أما لو تفكر في صلاة قبلها هل صلاها أم لا، ففي المحيط أنه ذكر في بعض الروايات أنه لاسهو عليه وإن أخر فعلاً كما لو تفكر في أمر من أمور الدنيا حتىٰ أخر ركنًا. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۹٤، دارالفكر بيروت، انيس)

(۲) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۱۷٥، رشيدية

(۳) الثامن لفظ السلام ... قال في التجنيس: و السهو عن السلام يوجب سجود السهو. (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱٦۹، رشيدية)

==

سجدۂ سہو سے اٹھتے وقت ”سمع اللّٰہ لمن حمدہ“ کہنا:

سوال: امام سجدۂ سہو سے اٹھتے وقت بجائے ”اللّٰہ أکبر“ کے ”سمع اللّٰہ لمن حمدہ“ کہتے ہوئے اٹھے تو سجدۂ سہو کی ضرورت ہے، یا نماز ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

سجدہ سہو سے اٹھتے وقت ”اللّٰہ أکبر“ کے سہواً ”سمع اللّٰہ لمن حمدہ“ کہہ دیا تو بھی سجدۂ سہو لازم نہیں، نماز ہوگئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۵/۱۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۸/۷)

سجدۂ سہو بعد سلام کرے:

سوال: سجدۂ سہو قبل السلام ہونا چاہیے، یا بعد السلام؟ یا امام و منفرد میں کوئی فرق ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بہتر اور راجح صورت یہی ہے کہ فقط دائیں جانب سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے اور اس میں کوئی فرق امام و منفرد میں معلوم نہیں ہوتا۔(۲)

في الدر المختار: يجب له بعد سلام واحد عن يمينه (إلى أن قال) لأنه المعهود وبه يحصل التحليل وهو الأصح، الخ. (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴۱۷/۴-۴۱۸)

== ”فرع: لو أتى بلفظ آخر لا يقوم مقام السلام، ولو كان بمعناه كما في مجمع الأنهر“. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان واجب الصلاة، ص: ۲۵۳، قديمي)

(۴) ”(ولها واجبات) لا تفسد بتركها، وتعادوجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له“. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۵۶/۱، سعيد)

حاشية صفحه هذا:

(۱) قال العلامة الحلبي: فلا يجب بترك السنن والمستحبات كالتعوذ والتسمية والثناء والتأمين وتكبيرات الانتقالات والتسبيحات“. (الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۳۹۳، سهيل اكادمي لاهور)

(۲) عن عبد الله بن جعفر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من شك في صلاته فليسجد سجدتين بعد ما يسلم. (إعلاء السنن، باب وجوب سجود السهو وكونه بين السلامين: ۱۵۲/۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية باكستان، انيس)

(۳) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، الخ: ۶۹۱/۱، ظفير

وَالَّذِي يَنْبَغِي الِاعْتِمَادُ عليه تَصْحِيحُ المجتبى أَنَّهُ يُسَلِّمُ عن يَمِينِهِ فَقَطْ لِأَنَّ السَّلَامَ عن الْيَمِينِ مَعْهُودٌ وَبِهِ يَحْصُلُ التَّحْلِيلُ فَلَا حَاجَةَ إلَى غَيْرِهِ. (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱۰۰/۲، دار المعرفة بيروت، انيس)

سجدۂ سہو سلام کے بعد:

سوال: ایک امام صاحب نماز میں کوئی سہو آجائے تو سجدہ سہو نہیں کرتے ، سلام کے بعد کوئی بتائے تو بعد گفتگو سجدۂ سہو کر لیتے ہیں اور بغیر سلام سجدہ سہو ادا کرتے ہیں؟

الجواب

کلام کے بعد سجدۂ سہو سے نماز نہیں ہوتی اور سجدۂ سہو سلام کے بعد ہونا چاہیے۔(۱)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی:۴۱۶/۳)

سجدۂ سہو سے قبل سلام پھیرنا:

سوال: سجدۂ سہو سلام کے بعد کرنا چاہیے، یا سلام پھیرنا ضروری نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو سے پہلے سلام پھیرنا مسنون ہے اور اگر بغیر سلام کے سجدہ کر لیا تو بھی جائز ہے۔

مختصر قدوری میں ہے:

لا أجد سجود السهو سنة فی روایة الحسن،واجب عند غیره وهو یلزم فی الزیادة والنقصان بعد السلام عندنا ولو سجد قبل السلام یجوز عندنا ولا إعادة علیه،انتهٰی. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۱۶)

سجدۂ سہو کے لیے صرف ایک طرف سلام پھیرے:

سوال: جو شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اور کسی رکن کے بھول جانے پر سجدہ کرتے وقت دونوں جانب سلام پھیرے، یا صرف دائیں جانب؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صرف ایک طرف سلام پھیرے، اگر دونوں طرف پھیر دیا، کچھ حرج نہیں، تب بھی سجدۂ سہو کرے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۸۶/۴)

---

(۱) (ویسجد للسهو ولو مع سلامه) ناویًا(للقطع)؛لأن نیة تغییر المشروع لغو(ما لم یتحول عن القبلة أو یتکلم لبطلان التحریمة إلخ (التنویر و شرحه،باب سجود السهو: ۹۱/۲،ط:سعید)

یجب بعد سلام واحد عن یمینه فقط(سجدتان وتشهد وسلام)؛لأن سجود السهو یرفع التشهد...ویأتی بالصلاة علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والدعاء فی القعود الأخیر.(التنویروشرحه،باب سجود السهو: ۷۷/۲-۷۹)

(۲) یجب بعد سلام واحد عن یمینه فقط؛لأنه المعهود وبه یحصل التحلیل وهو الأصح.(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة،باب سجود السهو: ۷۸/۲،دارالفکر بیروت،ظفیر)

سجدۂ سہو کی تحقیق:

سوال: سلام سجدہ سہو کا اکثر فقہا نے ایک طرف لکھا ہے؛ مگر بعض علما نے دونوں طرف سلام پھیرنے کو ترجیح دی ہے، کون سا قول راجح ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

"یجب بعد سلام واحد عن یمینه فقط؛ لأنه المعهود به ویحصل التحلیل وهو الأصح، بحر عن المجتبیٰ، الخ".

اور شامی میں ہے:

"(قوله: واحد) هٰذا قول الجمهور منهم شیخ الإسلام وفخر الإسلام وقال فی الکافی: إنه الصواب وعلیه الجمهور وإلیه أشار فی الأصل، آه ... قیل: یأتی با لتسلیمتین وهو اختیار شمس الأئمة وصدر الإسلام أخی فخر الإسلام، إلخ وفی الحلیة اختار الکرخی وفخر الإسلام وشیخ الإسلام وصاحب الإیضاح أن یسلم تسلیمة واحدة و نص فی المحیط علیٰ أنه الأصوب وفی الکا فی علی أنه الصواب. (۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ترجیح ایک طرف سلام پھیرنے کو ہے۔ (امداد المفتین: ۳۱۸/۲)

سجدۂ سہو ایک سلام کے بعد ہے، یا دونوں کے:

سوال: سجدۂ سہو دونوں سلام کے بعد ادا کرے، یا ایک سلام کے بعد؟

الجواب

ایک سلام کے بعد ادا کرے۔ فقط

دلیله قول الدر المختار: یحب بعد سلام واحد عن یمینه (إلیٰ قوله) سجدتان. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی مدرسہ دار العلوم دیو بند، ۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴۰۵/۴)

(۱-۲) ردالمحتار، باب سجود السهو: ۷۸/۲، دارالفکر بیروت، انیس

عن عبد اللّٰه بن عباس رضی اللّٰه عنه سجدتا السهو بعد السلام. (إعلاء السنن، باب سجود السهو و کونه بین السلامین: ۱۶۱/۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة/ شرح معانی الآثار، باب سجود السهو فی الصلاة هل هو قبل السلام، الخ، رقم الحدیث: ۲۳۶۶، انیس)

سجدۂ سہوایک طرف سلام پھیر کر کرے اور تشہد پورا پڑھے:

سوال: سجدۂ سہوایک طرف سلام پھیر کر کرنا چاہیے، یا دونوں طرف اور آدھی التحیات پڑھ کر سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے، یا پوری التحیات پڑھ کراور سجدۂ سہو کے بعد پوری التحیات پڑھ کر سلام پھیرے، یا کس طرح کرے؟

الجواب

پوری التحیات پڑھ کرایک طرف سلام پھیر کر دوسجدہ سہو کے کر کے پھر پوری التحیات پڑھ کر درود شریف پڑھ کر سلام پھیرے۔(۱) فقط (درود کے بعد دعا بھی پڑھے،ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۹۸/۴)

منفرد سجدۂ سہو کے لیے ایک طرف سلام پھیرے، یا دونوں طرف:

سوال: منفرد کوسجدۂ سہولازم ہواتو ایک طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے، یا دونوں طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے؟ اس میں صحیح قول کون سا ہے، معلوم کراویں؛ کیوں کہ درمختار کی عبارت سے دوسرے سلام کے بعد سجدۂ سہو نہ کرے۔معلوم ہوتا ہے کہ دوسلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہوساقط ہو جاتا ہے، نماز پھر پڑھنے کو کہا جاتا ہے، اس واسطے آپ کو تکلیف دی جارہی ہے۔ برائے کرم مہربانی فرما کر جواب جلد عنایت فرمائیے گا۔

الجواب

درمختار میں ایک قول کی بنا پر یہ کہا ہے کہ سجدۂ سہو کے لیے اگر دونوں طرف سلام پھیر دے تو پھر سجدۂ سہوساقط ہے؛ مگر فتوی اس پر نہیں؛ بلکہ فتوی اس پر ہے کہ سجدۂ سہو کے لیے سلام تو ایک ہی طرف پھیرے؛ لیکن اگر دونوں طرف سلام پھیر دے، تب بھی سجدۂ سہوساقط نہیں ہوا؛ بلکہ وہ سجدۂ سہو دونوں طرف سلام کے بعد بھی کر سکتا ہے اوراعادہ واجب نہیں۔

ووجهه ما فی رد المحتار: وقیل یأتی بتسلیمتین وهو اختیار شمس الأئمة وصدر الإسلام أخی فخر الإسلام وصححه فی الهداية والظهیرية والمفید والینابیع، كذا فی شرح المنية.

قال فی البحر: وعزاه أی الثانی فی البدائع إلٰی عامتهم فقد تعارض النقل عن الجمهور، آه.(۷۷۳/۱)(۲)

---

(۱) عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه: إذا قام أحدكم فی قعود أو قعد فی قیام أوسلم فی الركعتین فلیتم ثم یسلم ثم یسجد سجدتین یتشهد فیهمابعد سجود السهو. (إعلاء السنن،باب التشهد بعد سجود السهو: ۱٦٤/۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية،باكستان،انیس)

وكیفیته أن یكبر بعد سلامه الأول ویخر ساجدًا ویسبح فی سجوده ثم یفعل ثانیًا كذالک ثم یتشهد ثانیًا ثم یسلم ویأتی بالصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم والدعاء فی قعدة السهو هو الصحیح،إلخ. (الفتاوی الهندية،الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱۲٥/۱،مكتبة زكريا دیوبند،ظفیر)

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ۷۸/۲،دار الفكر بیروت،انیس

فإذا كان مختارهؤلاء الأعلام أن يأتي بسجود السهوبعد تسليمتين لزم عدم سقوط السجود بهماولكن الأحوط الاحترازعن التسليمتين خروجا من الخلاف فقد قال بعض من قال بتسليمة واحدة فقط بسقوطه بهما.

قال الشامي: قلت: وعليه فيجب ترك التسليمة الثانية، آه. (۱)

قلت: ووجه جوازالتسليمتين إطلاق قوله صلى اللّٰه عليه وسلم سجدتا السهوبعد السلام و هوحسن وإطلاق ما فى الصحيح أنه صلى اللّٰه عليه وسلم سها فلما قضٰى صلا ته سلم ثم سجد وسلم والمطلق ينصرف إلى المعهود منه والبسط فى الإعلاء واللّٰه أعلم

۳ / جمادی الثانیۃ ۱۳۴۶ھ۔ (امدادالاحکام: ۲/ ۲۹۵-۲۹۶)

بعد درود ودعا سجدۂ سہو کرے، یا نہیں:

سوال: اگر سجدۂ سہو کرنا تھا؛ مگر درود شریف ودعاء ماثورہ بھی پڑھ گیا تو سجدۂ سہو کرے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

سجدۂ سہو بعد پڑھنے درود شریف کے بھی کرنا چاہیے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۴۰۸)

دعائے ماثورہ کے بعد سجدۂ سہو یاد آئے:

سوال: ایک شخص پر سجدۂ سہو واجب تھا؛ مگر بھول کر التحیات درود، دعائے ماثورہ پڑھ لیا، پھر یاد آیا کہ مجھ پر سجدۂ سہو تھا تو کیا پھر سے التحیات پڑھ کر سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنا ہوگا؟ یاد آتے ہی سلام پھیر کر سجدۂ سہو کر لینا کافی تھا۔

هو المصوب ــــــــــــــــــــ

صورتِ بالا میں یاد آتے ہی سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے۔

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳/ ۱۴۸)

سجدۂ سہو واجب ہوا اور وہ یاد آیا دونوں سلام پھیرنے کے بعد تو کیا کرے:

سوال: کسی نماز میں سجدۂ سہو واجب ہو جائے اور دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو یاد آ گیا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۷۸، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) ويأتي بالصَّلاة على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم والدعاء فى القعود الأخيرفى المختاروقيل: فيهما احتياطاً. (الدرالمختارمع ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/ ۷۹، دارالفكربيروت، انيس)

الجواب

سجدۂ سہو کرے۔(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۴؍۴۱۲)

دونوں سلام کے بعد سجدۂ سہو یاد آنے پر کیا کرے:

سوال: نماز میں دونوں سلام کے بعد سجدۂ سہو یاد آیا تو منفرد کیا کرے اور امام کیا کرے؟

الجواب　　وباللّٰہ التوفیق

اگر دونوں سلام کے بعد سجدۂ سہو یاد آجائے تو فوراً سجدۂ سہو کر لینا چاہیے۔ ہاں اگر سلام پھیرنے کے بعد کوئی کام کرنے لگا، یا کسی سے بولنے لگا، یا دعا کرنے لگا، یا اٹھ کر کھڑا ہوا، یا نماز کے منافی کوئی دوسرا عمل کیا تو سجدۂ سہو کا موقع نہیں رہا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۶؍۹؍۱۳۶۹ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲؍۲۲۵)

اگر امام سجدۂ سہو بھی بھول گیا، سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو؟

سوال: امام سے نماز میں سہو ہوا اور سجدۂ سہو بھی بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر دیا، مقتدیوں کو یاد تھا بعد انفراغ امام انھوں نے صرف سجدۂ سہو ادا کیا تو اندریں صورت مقتدیوں کی طرف [سے] جبر نقصان ہو جاوے گا، یا نہیں؟

الجواب

اگر امام نے بعد دو سلام کے قبل کسی حرکت منافی صلوٰۃ کے سجدہ کیا تو درست ہے اور سب کی نماز کا جبر ہوا اور جو مقتدی تنہا سجدہ کرے گا، وہ معتبر نہیں اور نہ جائز ہو سکتا ہے۔

(مجموعہ رامپور، ص:۹)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۸)

سلام پھیر دینے کے بعد سجدۂ سہو یاد آیا تو کیا کرے:

سوال: ایک شخص کی نماز میں سہو واقع ہوا اور اسے پھر اس کا خیال نہ رہا اور سلام پھیر دیا، سلام کے بعد ہی پھر اسے خیال آیا تو اس نے سجدۂ سہو کا اعادہ کیا، اس صورت میں اس کی نماز درست ہوئی، یا نہیں؟ اور نیز اس کا سجدہ سہو؟

---

(۱) ولو نسی السهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذلک ما دام فی المسجد. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب سجود السهو: ۹۱/۲، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۲) ولو نسی السهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذلک ما دام فی المسجد. (الدر المختار)

(قوله: مادام فی المسجد) ...فی البدائع من أن السجود لا يسقط بالسلام ولو عمدًا، ألا إذا فعل فعلاً يمنعه من البناء بأن تكلم أو قهقه أو أحدث عمدًا أو خرج من المسجد أو صرف وجهه عن القبلة وهو ذاكر له، لأنه فات محله وهو تحريمة الصلاة فسقط ضرورة فوات محله، آه. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۹۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

الجواب

اگر سلام کے بعد بات چیت کرنے اور مسجد سے نکلنے سے پہلے سجدہ سہو کرلیا تو نماز درست ہوگئی اور اگر مسجد سے نکل کر، یا کلام کر کے سجدہ سہو کیا تو نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے۔

قال فی الخلاصة: وإن سلم وهو لايريد أن يسجد لسهوه لم يكن تسليمه ذلک قطعاً حتیٰ لوبدأ له أن سجدتی السهو فإن تكلم أوخرج من المسجد لايأتی بهما. (۱۷۳/۱)(۱) واللہ اعلم

۶/ جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ۔ (امداد الاحکام: ۲۸۳/۲)

جمعہ وعیدین میں سہو ہے، یا نہیں:

سوال: جمعہ وعیدین میں سہو ہے، یا نہیں؟

الجواب

مختار متاخرین یہ ہے کہ جمعہ وعیدین میں جب کہ مجمع زیادہ ہو، سجدۂ سہو نہ کرے۔ (کذا فی الدر المختار والشامی)(۲)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۱۱/۴)

عیدین و جمعہ میں سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر عیدین کی تکبیریں تحریمہ کے بعد کی بھول جاوے، یا دوسری رکعت میں تکبیریں بھول جاوے اور سجدۂ سہو کا بھی نہ کرے، وہ نماز ہو جاوے گی، یا نہیں؟

خلاصہ یہ کہ اگر عیدین میں کوئی واجب ترک ہو جاوے اور سجدہ سہو کا نہ کیا، ایسی نماز جائز ہے، یا از سرنو پڑھنی چاہیے؟

---

(۱) وذكر هذه المسئلة فی الأصل وشَرَطَ لأداء الصحة شرطاً زائداً، فقال: إذا سلم وهو لا يريد أن يسجد لسهوه لم يكن تسليمه ذلک قطعاً، حتی لو بدا أن يسجد له وهو فی مجلسه قبل أن يقوم وقبل أن يتكلم، فإنه يسجد سجدتی السهو، فقد شرط لأداء سجدتی السهو شرطاً زائداً، وهو أن لا يتكلم، ولا يقوم عن مجلسه ذلک، فهذا إشارة إلی أنه متی قام عن مجلسه واستدبر القبلة أنه لا يأتی بسجدتی السهو، وإن كان لم يخرج عن المسجد. (المحيط البرهانی، الفصل السابع عشر فی سجود السهو: ۷/۲، دار إحياء التراث العربی بيروت/ الأصل للشيبانی، باب السهو فی الصلاة: ۲۰۰/۱، دار ابن حزم بيروت، انيس)

(۲) والسهو فی صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواءٌ والمختار عند المتأخرين عدمه فی الأوليين لدفع الفتنة. (الدر المختار)

وفی جمعة حاشية أبی السعود عن العزمية أنه ليس المراد عدم جوازه بل الأولیٰ تركه لئلا يقع الناس فی فتنة. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، دار الفكر بيروت، ظفير المفتاحی)

الجواب

فی الدرالمختار: والسهو فی صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه فی الأولين لدفع الفتنة، كما فی جمعة البحر وأقره المصنف وبه جزم فی الدرر، آه. (فی ردالمحتار): لكنه قيده محشيها الوانی بما إذا حضر جمع كثير وإلا فلا داعی إلى الترك، ط. (۷۸۷/۱)(۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر جمعہ وعیدین میں مجمع کثیر ہو تو ان میں سجدۂ سہو نہ کرے۔

۳؍شوال ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ: ۲۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۵۴۵/۱)

نماز عیدین میں سجدۂ سہو کا حکم:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۸؍فروری و یکم مارچ ۱۹۳۲ء)

سوال: اگر امام کو نماز عیدین میں سہو ہو جائے اور واجب کو بھول کر مؤخر کر دے تو اس کو سجدۂ سہو کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

عید اور جمعہ کی نماز میں جب کہ مقتدیوں کی بہت بڑی جماعت شریک نماز ہو اور سجدۂ سہو کرنے سے تلبس کا قوی اندیشہ ہو، سجدۂ سہو نہ کرنا اولیٰ ہے؛ تا کہ نماز اختلال و انتشار سے محفوظ رہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۴۲۰/۳)

نماز جمعہ وعید میں سجدۂ سہو:

سوال: نماز جمعہ و نماز عیدین میں اگر سجدۂ سہو ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(المستفتی: ۱۰۰۷، عبدالستار (گیا) ۲۹؍ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، ۲۰؍جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

جماعت زیادہ بڑی نہ ہو اور گڑبڑ کا خوف نہ ہو تو جمعہ وعیدین میں بھی سجدۂ سہو کر لیا جائے، البتہ کثرت جماعت کی وجہ سے گڑبڑ کا خوف ہو تو سجدۂ سہو ترک کر دینا مباح ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴۱۷/۳)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، دارالفكر بيروت، انيس

(۲-۳) والسهو فی صلاة العيد والجمعة و المكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه فی الأوليين لدفع الفتنة، كما فی جمعة البحر، إلخ، وفی الشامية: "قيده محشيها الوانی بما إذا حضر جمع كثير، وإلا فلا داعی إلى الترك. (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، دارالفكر بيروت، سعيد)

جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو:

سوال: اگر جمعہ، یا عیدین کی نماز میں کوئی واجب بھول کر چھوٹ جائے تو امام کو سجدۂ سہو کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اگر مجمع کم ہے کہ مقتدی سب سمجھ جائیں گے کہ امام نے سجدۂ سہو کیا ہے، تب تو سجدۂ سہو کرلیا جائے، اگر مجمع زیادہ ہے کہ مقتدیوں کو پتہ نہیں چلے گا؛ بلکہ وہ سمجھیں گے کہ امام نے نماز ختم کرنے کے لیے سلام پھیر دیا ہے تو سجدۂ سہو نہیں کرنا چاہیے۔ (طحطاوی، ص:۲۵۳) (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۵۷)

عیدین اور جمعہ کی نماز میں سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: عیدین اور جمعہ کی نماز میں سجدۂ سہو کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

چوں کہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں عموماً مجمع بہت زیادہ ہوتا ہے، اگر سجدۂ سہو کیا جائے تو لوگوں کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہے؛ اس لیے جمعہ اور عیدین کی نماز میں سجدۂ سہو ساقط ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں سجدۂ سہو نہیں کرنا چاہیے، البتہ اگر جمعہ اور عیدین میں بھی مجمع زیادہ نہ ہو تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۷/۵/۳/۷ ۱۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۲۶)

جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو:

سوال: جمعہ اور عیدین کی نماز میں سجدۂ سہو نہیں ہے، اگر غلطی سے الحمد شریف کے بعد دو آیات کی تلاوت ہوئی،

---

(۱) حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح، باب سجود السهو، ص: ٤٦٦، قديمى

وفى جمعة حاشية أبى السعود عن العزمية: أنه ليس المراد عدم جوازه، بل الأولىٰ تركه، لئلا يقع الناس فى فتنة (قوله: وبه جزم فى الدرر) لكنه قيده محشيها الوانى بها إذا حضر جمع كثير، وإلا فلاداعى إلى الترك". (رد المحتار، باب سجود السهو: ٢/٩٢، سعيد)

(۲) والسهو فى صلى العيد والجمعة والمكتوبة و التطوع سواء، والمختار عند المتأخرين عدمه فى الأوليين لدفع الفتنة كما فى جمعة البحر، وأقرّه المصنف، وبه جزم فى الدرر. (الدر المختار)

(قوله: عدمه فى الأوليين) الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك كما بحثه بعضهم، وكذا بحثه الرحمتي و قال: خصوصًا فى زماننا، وفى جمعة حاشية أبى السعود عن العزمية أنه ليس المراد عدم جوازه، بل الأولى تركه لئلاّ يقع الناس فى فتنة اهـ. (قوله وبه جزم فى الدرر) لكنه قيّده محشيها الوانى بما إذا حضر جمع كثير وإلا فلا داعى إلى الترك" (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٢/٩٢، دارالفكر بيروت، انيس)

جن میں ایک آیت کی تلاوت نامکمل ہوئی، آیت میں ''جبار'' کے بجائے ''غفار'' پڑھا گیا اور اب صرف ایک ہی آیت مکمل ہوئی تو کیا جمعہ کی نماز ہو جائے گی؟ (آصف اقبال، سیتامڑھی، بہار)

الجواب

جمعہ وعیدین میں زیادہ ازدحام ہوتا ہے اور سجدۂ سہو کرنے کی صورت میں انتشار کا اندیشہ ہے؛ اس لیے سجدۂ سہو ضروری نہیں۔

والسهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه في الأولين (صلاة العيد والجمعة) لدفع الفتنة''. (۱)

لیکن اگر کوئی مفسد نماز پیش آجائے، تو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا، قرأت میں اگر ایسی غلطی ہوگئی کہ معنی ہی بدل گیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، تین آیت کے اندر ہو، یا تین آیت کے بعد، ''جبار'' کی جگہ ''غفار'' پڑھ دینا بھی ایسی ہی غلطی ہے؛ اس لیے نماز لوٹانی چاہیے؛ تاہم واضح رہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد تین آیات صرف واجب ہیں، اگر کوئی غلطی ہو جائے؛ لیکن ایسی غلطی نہ ہو تو نماز جمعہ ہو جائے گی، تین آیات کی مقدار نماز میں فرض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بشمول تین آیات ہو جائیں، جب امام سورہ فاتحہ پڑھ چکا ہے تو تین آیات ہوگئیں اور فرض ادا ہو گیا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۴۴-۴۴۵)

جماعت کثیرہ ہو تو سجدۂ سہو ساقط ہے:

سوال: اگر نماز جمعہ، یا تراویح میں واجب ترک ہو جائے تو وہاں بھی سجدۂ سہو واجب ہوگا، یا معاف ہے؟ جیسے نماز عیدین میں نسبت کثرت ہجوم کے سجدۂ سہو معاف ہے، جیسے اور نمازوں میں قعدہ بیٹھا تھا، کھڑا ہو گیا، یا مقدار تین تسبیح خاموش رہا وغیرہ تو یہاں پر سجدۂ سہو لازم ہے؟ (۱۴/رمضان/۱۳۵۵ھ)

الجواب حامدًا ومصليًا

جمعہ، عیدین، تراویح میں اگر جماعت زیادہ ہو اور مقتدیوں کی تشویش کا خیال غالب ہو تو سجدۂ سہو نہ کرنا اولیٰ ہے اور اگر مقتدیوں کی تشویش کا غالب خیال نہیں، مثلا: جماعت مختصر ہے کہ سب کو سجدۂ سہو کا علم ہو جائے گا اور تشویش کا خیال غالب ہو تو سجدۂ سہو کرنا اولیٰ ہے اور اگر مقتدیوں کی تشویش نہ ہوگی تو جس صورت میں کہ کوئی واجب سہو ترک ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ولا يأتي الإمام بسجود السهو في الجمعة والعيدين دفعا للفتنة بكثرة الجماعة، وبطلان صلاة من يرى لزوم المتابعة، وفساد الصلاة بتركه، إلخ''. (مراقی الفلاح)(۲)

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ٤٦٥-٤٦٦، انيس

(قوله: بكثرة الجماعة) الباء للسببية، وهی متعلقة بقوله: للفتنة، وأخذ العلامة الوانی من هٰذه السببية أن عدم السجود مقيد بما إذا حضر جمع كثير، أما إذا لم يحضروا فا لظاهر السجود لعدم الداعی إلى الترک، وهو التشويش، إلخ". (طحطاوی)(۱)

وقال الشامی: "الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلک كما بحثة ... ليس المراد عدم جوازه، بل الأولى تركه، لئلا يقع الناس فی فتنة، الخ". (ردالمحتار: ۷۸۷/۱)(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، ۱۶/رمضان/۱۳۵۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۵/۷-۴۵۶)

تکبیرات عیدین کو ترک کردینا:

سوال: تکبیرات عیدین کو سہواً ترک کرنے سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

لازم ہوجاتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ويلزمه السهو إذا زاد فی صلاته فعلاً من جنسها ليس منها أو ترک قراءة الفاتحة الكتاب أو القنوت أو التشهد أو تكبيرات العيدين، انتهٰى. (۳)

اور عالمگیریہ میں ہے:

ومنها تكبيرات العيدين، قال فی البدائع: إذا تركها أو نقص منها، أو زاد عليها أو أتى بها فی غير موضعها فإنه يجب عليه السجود، كذا فی البحر الرائق، ويستوی فی الزيادة والنقصان القليل والكثير فقدروی عن الحسن عن أبی حنيفة إذا سها الإمام عن تكبيرة واحدة فی صلوٰة العيد يسجد للسهو، كذا فی الذخيرة، انتهٰى. (۴)

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

ولو سهی عن تكبيرات العيديلزم السهو، انتهٰى.

(۱) حاشية الطحطاوی علىٰ مراقی الفلاح، باب سجود السهو، ص: ۴٦۵-۴٦٦، قديمی

(۲) ردالمحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، سعيد

(۳) الهداية، باب سجود السهو: ۱۳۷/۱، ثاقب بكڈپو ديوبند، انيس

(۴) الفتاویٰ الهندية، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱۲۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

اور تنویر الابصار میں ہے:

والسهو فی صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء،انتهى. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۱۵-۲۱۶)

عید کی دوسری رکعت میں تکبیر زوائد چھوڑ کر امام رکوع میں گیا، رکوع سے اٹھ کر تکبیرات کہی، کیا حکم ہے:

سوال: نمازِ عیدالاضحیٰ کی دوسری رکعت میں امام نے سہواً بلا تکبیر پکارے ہوئے رکوع کیا، کچھ لوگوں نے تکبیر رکوع بھی ضرور ادا کی اور امام صاحب نے تسبیح رکوع ادا نہیں کی۔ (واللہ اعلم بالصواب) جماعت کثیر تھی؛ یعنی مسجد کی چھت پر بھی مقتدی لوگ تھے، پھر امام نے قیام کر کے تکبیرات پکارا اور دوبارہ رکوع و قیام کیا اور سجود ادا کر کے بدونِ ادائے سجدۂ سہو سلام پھیر دیا۔ بصورت مذکورہ بالا نماز بلا کمی و نقص ادا ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

امام اگر بلا تکبیرات زوائد کہے دوسری رکعت کے رکوع میں چلا گیا تو اس کو نہ چاہیے تھا کہ پھر رکوع سے قیام کی طرف لوٹ کر تکبیرات کہتا؛ بلکہ درمختار میں اس کو مفسد صلوٰۃ کہا ہے، اگرچہ شامی نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوئی۔

كذا نقله عن ابن الهمام فی العود إلى القعود الأول بعد القيام. (۱)

قال فی الدر المختار: ولا يعود إلى القيام ليكبر فی ظاهر الرواية فلو عاد ينبغی الفساد. (۲)

وفی الشامی: وقد علمت أن العود رواية النوادر علىٰ أنه يقال عليه ماقاله ابن الهمام فی ترجيح القول بعدم الفساد فيما لو عاد إلى القعود الأول بعد ما استتم قائماً،الخ. (۳)

اور صلوٰۃ عید و جمعہ میں بوجہ اژدحام کثیر کے متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی سہو ہو تو سجدۂ سہو نہ کرے، لئلا يقع الناس فی الفتنة. فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۹۰/۴-۳۹۱)

عیدین میں تکبیرات بھولنے پر سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: عیدین کی نماز چھ تکبیروں کے ساتھ دو رکعت واجب ہے، اگر پیش امام ایک تکبیر بھول جائے تو سجدہ سہو کیا جائے، یا نماز دوہرائی جائے؟

(المستفتی: ۲۴۷۲، شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع مغربی خاندیس) ۸/صفر ۱۳۵۸ھ، ۳۰/مارچ ۱۹۳۹ء)

---

(۱) ردالمحتار،باب سجود السهو: ۹۲/۲،دارالفكر بيروت،انيس

(۲) أی وإن استقام قائماً لايعود لاشتغاله بفرض القيام وسجد للسهو لترک الواجب فلو عاد إلى القعود بعد ذلک تفسد صلاته لرفض الفرض لما ليس بفرض وصححه الزيلعی وقيل لا تفسد لكنه يكون مسيئاً ويسجد لتأخير الواجب وهو الأشبه،كما حققه الكمال و هو الحق. (الدرالمختارعلى رد المحتار،باب سجود السهو: ۸۴/۲،دارالفكر بيروت،ظفير)

(۳) الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،باب العيدين: ۱۷۴/۲،دارالفكر بيروت،انيس

(۴) رد المحتار،باب العيدين،مطلب أمر الخليفة لايبقى بعد موته: ۱۷۴/۲،دارالفكر بيروت،ظفير

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴۱۸/۳)

تکبیرات عید بھول گیا:

سوال: اگر امام نماز عید کی پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد کہنا بھول جائے اور رکوع میں پہنچ کر یاد آئے تو اس کو اب کیا کرنا چاہیے؟ آیا رکوع میں تکبیرات زوائد کہے اور رکوع کی تسبیحات کو ترک کرے، یا رکوع سے اٹھ کر کھڑا ہو کر تکبیرات زوائد کہے اور پھر رکوع کا اعادہ کرے، یا کچھ بھی نہ کرے؛ بلکہ رکوع کے بعد سجدہ وغیرہ کر کے سجدۂ سہو کرے، یا سجدۂ سہو بھی نہ کرے اور نماز عید دوبارہ پڑھے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

ایسی صورت میں نہ تکبیرات زوائد رکوع میں کہے، نہ رکوع سے لوٹ کر کہے، نہ سجدۂ سہو کرے کہ ہر صورت میں تشویش ہے اور نمازیوں کی نماز خراب ہونے کا قوی مظنہ ہے، ایسی حالت میں سجدہ سہو ساقط ہو جاتا ہے اور نماز کا اعادہ بھی واجب نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ میں فقہا کے دوسرے اقوال بھی ہیں، جو کہ بحر، فتح القدیر(۲) وغیرہ میں مذکور ہیں؛ لیکن ردالمحتار: ۵۶۱/۱ میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، جو یہاں درج کیا گیا۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۹/۷-۴۶۰) ==☆

(۱) ومنها تكبيرات العيدين، قال في البدائع: "إذا تركها أو نقص منها أو زاد عليها ... فإنه يجب عليه السجود، فقد روى عن الحسن عن أبي حنيفة إذا سها الإمام عن تكبيرة واحدة في صلاة العيدين يسجد للسهو. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) العاشر في تكبيرات العيدين، قال في البدائع: إذا تركها، أو نقص منها، أوزاد عليها، أو أتى بها في غير موضعها، فإنه يجب عليه السجود، و ذكر في كشف الأسرار أن الإمام إذا سها عن التكبيرات حتىٰ ركع، فإنه يعود إلى القيام؛ لأنه قادر علىٰ حقيقة الأداء، فلا يعمل بشبهه بخلاف المسبوق إذا أدرك الإمام في الركوع، فإنه يأتي بالتكبيرات في الركوع؛ لأنه عجز عن حقيقته فيعمل بشبهه. (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱۷۰/۲، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(أو القنوت أو التشهد أو تكبيرات العيدين)؛ لأنها واجبات، فإنه عليه الصلاة والسلام واظب عليها من غير تركها مرة، وهي أمارة الوجوب، ولانها تضاف إلىٰ جميع الصلاة فدل أنها من خصائصها، وذلك بالوجوب... و فيها سجدة السهو هو الصحيح". (الهداية، باب سجود السهو: ۱۳۷/۱، ثاقب بكڈپو ديوبند، انيس)

(۳) (قوله: عدمه في الأوليين) الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك، كما بحثه بعضهم ط، وكذا بحثه الرحمتي، وقال: خصوصًا في زماننا، و في جمعة حاشية أبي السعود عن العزمية: أنه ليس المراد عدم جوازه، بل الأولىٰ تركه لئلا يقع الناس في فتنة. (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، سعيد)

نماز عید میں تکبیرات زوائد بھول جائے:

سوال: عالم پلی وقار آباد کی ایک عید گاہ میں عید کی نماز میں امام صاحب پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر ثناء

== ☆ **نماز عید میں اگر تکبیرات بھول جائے تو کیا کیا جائے:**

سوال: نماز عیدین میں اگر تکبیرات واجبہ امام بھول گیا، یہاں تک کہ رکوع میں چلا گیا تو رکوع میں آہستہ، یا بلند آواز سے تکبیریں کہہ سکتا ہے، یا نہیں؟

نماز عید میں تکبیر زائد کہنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر امام نے تکبیریں چھ سے زائد کہہ لیں تو کیا سجدہ سہو ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(۱) آہستہ رکوع ہی میں کہہ لے۔ (فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام تکبیرات عیدین بھول کر رکوع میں چلا جائے تو قیام کی طرف لوٹ کر تکبیرات کہے اور پھر رکوع کرے؛ لیکن متاخرین کے فتویٰ کے مطابق جمعہ وعیدین میں اگر سہو ہو جائے تو ازدحام کثیر کی وجہ سے سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔ (العاشر تكبيرات العيدين،قال فی البدائع: إذا تركها،أو نقص منها،أو زاد عليها،أو أتى بها في غير موضعها،فإنه يجب عليه السجود،وذكر في كشف الأسرار أن الإمام إذا سها عن التكبيرات حتٰى ركع،فإنه يعود إلى القيام؛لأنه قادر علٰى حقيقة الأداء،فلا يعمل بشبهه بخلاف المسبوق إذا أدرك الإمام في الركوع، فإنه يأتي بالكبيرات في الركوع؛لأنه عجز عن حقيقته فيعمل بشبهة. (البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ۱۷۰/۲ ، دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(أوالقنوت أو التشهد أو تكبيرات العيدين)؛لأنها واجبات،فإنه عليه الصلاة والسلام واظب عليها من غير تركها مرة،وهي أمارة الواجوب،ولأنها تضاف إلٰى جميع الصلاة فدل أنها من خصائصها،وذلك بالوجوب... وفيها سجدة السهو هوالصحيح". (الهداية،باب سجود السهو: ۱۳۷/۱،ثاقب بكڈپو ديوبند،انيس)

(قوله:عدمه في الأوليين)الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك ،كما بحثه بعضهم،وكذا بحثه الرحمتي ،وقال:خصوصا في زماننا،وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزمية:أنه ليس المراد عدم جوازه ، بل الأولٰى تركه لئلا يقع الناس في فتنة. (ردالمحتار،باب سجود السهو: ۹۲/۲،سعيد)

وذكر في كشف الأسرار أن الإمام إذا سها عن التكبيرات حتٰى ركع،فإنه يعود إلى القيام؛لأنه قادر علٰى حقيقة الأداء فلا يعمل بشبهة. (البحرالرائق،باب سجود السهو: ۱۷۰/۲،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۲) عیدین میں عامۃً مجمع کثیر ہوتا ہے اور سجدۂ سہو کرنے سے انتشار ہو جاتا ہے، لوگوں کو پتہ نہیں چلتا، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ سجدۂ سہو ساقط ہے، اگر کوئی تکبیر بھول کر زائد کہی یا کم کردی، تو سجدۂ سہو نہیں۔ ("قوله: عدمه في الأوليين)الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذالك كما بحثه بعضهم،وكذا بحثه الرحمتي،وقال:خصوصًا في زماننا،وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزمية:أنه ليس المراد عدم جوازه،بل الأولٰى تركه لئلا يقع الناس في فتنة. (ردالمحتار،باب سجود السهو: ۹۲/۲،سعيد) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱/۲۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۸/۷-۴۵۹)

پڑھنے کے بعد تین بار زائد تکبیرات کہنے کے بجائے سورہ فاتحہ پڑھنے لگے، امام صاحب نے نماز توڑ دی اور مصلیوں سے بھی کہا کہ وہ اپنی نماز توڑ دیں، اس کے بعد پھر چھ زائد تکبیرات کے ساتھ نماز ادا کی گئی، نماز کے بعد لوگوں نے اعتراض کیا کہ امام صاحب نماز توڑنے کے بجائے مصلیوں کا لقمہ قبول کر لیتے اور تکبیرات کہہ کر نماز پوری کر لیتے تو نماز ہو جاتی؟ (بلال احمد، سمستی پور)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر امام صاحب مقتدیوں کے لقمہ پر تکبیرات کہہ کر پھر دوبارہ سورہ فاتحہ پڑھ لیتے اور سورہ ملا لیتے تو یہ کافی تھا، نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں تھی۔ فقہاء نے مسئلہ یہی لکھا ہے کہ اگر امام نے تکبیرات زوائد کہے بغیر بھول کر قرأت شروع کر دی اور سورۂ فاتحہ وضم سورہ دونوں کریں تو تکبیرات کو لوٹائے نہیں؛ بلکہ اسی طرح نماز پوری کر لے اور اگر سورہ فاتحہ کے درمیان، یا سورہ فاتحہ پوری کرنے کے بعد تکبیرات زوائد کے بارے میں تنبہ ہو گیا تو اسی وقت تکبیرات کہہ لے اور دوبارہ سورہ فاتحہ کی قرأت کر کے سورہ ملا لے۔

إن بدأ الإمام بالقراءة سهوًا فتذكر بعد الفاتحة والسورة يمضى فى صلاته، وإن لم يقرأ إلا الفاتحة كبر وأعاد القراءة لزومًا. (۱)

واضح ہو کہ تکبیرات زوائد واجب ہیں، واجب کے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر مصلیوں کا ہجوم ہو، تو سجدۂ سہو کرنا ضروری نہیں؛ اسی لیے فقہا نے جمعہ اور عیدین میں سجدۂ سہو واجب قرار نہیں دیا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۴۳/۲-۴۴۴)

عیدین میں تکبیر زوائد میں کمی کی، تو کیا حکم ہے:

سوال: زید نے عید کی نماز پڑھائی تو رکعت اولیٰ میں بجائے چار تکبیروں کے تین تکبیریں ادا کی، آیا وہ نماز ہوئی کہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

تکبیرات عیدین واجب ہیں، علاوہ تکبیر افتتاح ورکوع کے تین تین واجب ہیں، اگر ان میں سے کوئی تکبیر چھوڑے گا تو ترکِ واجب ہوگا اور ترکِ واجب سے سجدہ لازم ہوتا ہے؛ مگر چونکہ نمازِ عیدین میں سجدہ سہو نہیں ہے، لہٰذا نماز ہو گئی۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۸۴/۴)

---

(۱) ردالمحتار، باب العیدین، مطلب أمر الخليفة لايبقٰى بعد موته: ۱۷۲/۲، دارالفکر بیروت، انیس

وفى الْمُحِيطِ إنْ بَدَأَ الْإِمَامُ بِالْقِرَائَةِ سَهْوًا ثُمَّ تَذَكَّرَ فَإِنْ فَرَغَ من قِرَائَةِ الْفَاتِحَةِ وَالسُّورَةِ يَمْضِى فى صَلَاتِهِ وَإِنْ لم يَقْرَأْ إلَّا الْفَاتِحَةَ كَبَّرَ وَأَعَادَ الْقِرَاءَةَ لُزُومًا لِأَنَّ الْقِرَائَةَ إذَا لم تَتِمَّ كان امْتِنَاعًا عن الْإِتْمَامِ لَا رَفْضًا لِلْفَرْضِ. (البحر الرائق، باب العیدین: ۱۷۴/۲، دارالمعرفة بیروت، انیس)

(۲) والسهو فى صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه فى الأولیين

عیدالاضحیٰ کی نماز میں تکبیر زوائد چھوٹ جائے:

سوال: عیدالاضحیٰ کی نماز میں دوسری رکعت میں امام نے قرأت کے بعد تین زوائد تکبیریں نہیں کہا، سیدھے رکوع چلے گئے، مقتدیوں نے لقمہ بھی دیا؛ لیکن امام نے کوئی توجہ نہیں دی اور نماز پوری کردی اور پھر دعا وخطبہ ہوا، کیا زائد تکبیریں چھوڑنے سے نماز ہو جائے گی؟

هو المصوب

نماز ہو جائے گی؛ اس لیے کہ تکبیریں واجب تھیں اور وہ چھوٹ گئیں، لہٰذا سہو کرنا چاہیے تھا؛ (۱) لیکن عیدین میں چوں کہ مجمع کثیر ہوتا ہے اور سجدۂ سہو کرنے میں انتشار پیدا ہوگا، لہٰذا ایسی صورت میں سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا۔ (۲)

تحریر: محمد طارق ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۴۰/۳)

تکبیرات زوائد میں اضافہ سے سجدۂ سہو ہے، یا نہیں:

سوال: عیدین کی نمازوں میں بجائے چھ تکبیروں کے غلطی سے نو تکبیریں کہہ دے تو سجدۂ سہو لازم آئے گا، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۰۷/۴) ☆

== لدفع الفتنة كما فى جمعة البحر و أقره المصنف وبه جزم فى الدرر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۱) ...أو القنوت أو التشهد أو تكبيرات العيدين؛ لأنها واجبات؛ لأنه عليه السلام واظب عليها من غير تركها مرة. (الهداية، باب سجود السهو: ۹۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

عن المغيرة بن شعبة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قام الامام فى الركعتين فإن ذكر قبل أن يستوى قائما فليجلس، فإن استوى قائما فلا يجلس و يسجد سجدتى السهو. (سنن أبى داؤد، باب من نسى أن يتشهد و هو جالس، رقم الحديث: ۱۰۳٦/سنن الترمذى، باب ما جاء فى سجدتى السهو قبل السلام، رقم الحديث: ۳۹۱، انيس)

(۲) والسهو فى صلاة العيد والجمعة والمكتوبة و التطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه فى الأوليين لدفع الفتنة، كما فى جمعة البحر. (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) ويصلى الإمام بهم ركعتين مثنيا قبل الزوائد وهى ثلاث تكبيرات فى كل ركعة ولو زاد تابعه إلىٰ ستة عشر؛ لأنه مأثور، آه. (الدر المختار: ۷۸۰/۱)(، باب العيدين: ۱۷۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

☆ **سجدۂ سہو سے پہلے تشہد وسلام ہے اور سجدۂ سہو کے بعد بھی تشہد (درود وغیرہ) اور سلام ہے:**

پہلا سلام سجدۂ سہو اور دوسرا نماز کو ختم کرنے کا ہوتا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کو سہو ہوا تو آپ) نے سلام پھیرا پھر سجدۂ سہو کیا پھر سلام پھیرا“۔ (جامع الأصول: ۵٤٤/۵، صحيح لمسلم، باب السهو فى الصلاة والسجود له) ==

== حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز پڑھائی تو سہو ہو گیا، اس کی وجہ سے آپ نے (تشہد کے بعد) دو سجدے کئے، پھر تشہد پڑھا اور اس کے بعد سلام پھیرا''۔(عن عمران بن حصين:"أن النبی صلی الله عليه وسلم صلّٰی بهم فسهٰی فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم". (رواه الترمذی وأبوداؤد والنسائی،جامع الأصول: ٥٤٤/٥)اعلاء السنن: ١٤١/٧،سنن الترمذی،باب ما جاء فی التشهد فی السهو،وقال الترمذی،هٰذا الحديث حسن غريب)

عمران بن حصین کی اس روایت میں تشہد کے ذکر پر کلام بھی کیا گیا ہے؛ مگر اعلاء السنن (۱۴۱/۷،۱۴۲) میں اس کی وضاحت و جواب میں فتح الباری سے نقل کرتے ہوئے آیا ہے کہ سجدۂ سہو کے ساتھ یعنی اس سے پہلے تشہد کا تذکرہ حضرت عمران کے علاوہ حضرت ابن مسعود و حضرت مغیرہ سے بھی مروی ہے، اگر چہ ان میں بھی ضعف ہے، مگر فقد يقال: أن الأحاديث الثلاثة فی التشهد باجتماعها ترتقی إلٰی درجة الحسن. (إعلاء السنن: ١٤١/٧)وراجع فتح الباری(٩٩/٣)وأقول:رواه الحاكم (المستدرک: ٤٢٣/١)وقال:صحيح علٰی شرط الشيخين)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی نقل فرماتے ہیں: ''اگر تم نماز میں ہو اور تم کو تین یا چار میں شک ہو اور چار کا تم کو گمان زیادہ ہو تو تشہد پڑھو، پھر (ختم نماز کا) (بین القوانین اضافہ) (ختم نماز کا اور سلام پھیرنے کے بعد) اس لیے کیا گیا کہ ابن مسعود سے صحیح روایات میں سلام کے بعد سجدۂ سہو نقل کیا گیا ہے، اس سے پہلے اور اس کے بغیر نہیں۔ (ملاحظہ ہو حدیث،۴۷۹ و اعلاء السنن:۱۴۳/۷) سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھے ہوئے ہی دو سجدے کرو (سلام پھیرنے کے بعد)، پھر دوبارہ تشہد پڑھو، پھر سلام پھیرو''۔(عن ابن مسعود رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال:"إذا كنت فی الصلاة وشككت فی ثلاث أو أربع وأكبر ظنك علٰی أربع،تشهدت ثم سجدت سجدتين وأنت جالس قبل أن تسلم تشهدت أيضاً ثم تسلم" .(رواه أبوداؤد،باب من قال يتم علٰی أكبر ظنه،قال أبوداؤد:رواه عبد الواحد عن خصيف ولم يرفعه ووافق عبد الواحد أيضاً سفيان وشريک واسرائيل واختلفوا فی متن الحديث ولم يسندوه،قال البيهقی فی المعرفة (٢٨٢/٣):هٰذا الحديث مختلف فی رفعة ومتنه،وخصيف،غير قوی،وأبوعبيده عن أبيه مرسل،وفی الاعلاء (١٤٢/٧ ....)محيا عن الأمور الثلا ثة:قد تقدم غير مرة ان حديثّی عبيدة)عن أبيه صحيح قد صحح الدارقطنی عدة أحاديث من حديثه عن أبيه،ومحمد بن مسلمة (الراوی عن خصيف) أخرج له مسلم وزيادة الثقة اذا كان غير منافية مقبولة فيرجع الرفع،وخصيف ضعفه أحمد ووثقة ابن معين وأبوزرعة وقال ابن عدی:اذا حدث عنه ثقة فلا بأس بحديثه ورواته الا أن يروی عنه عبد الغزيز بن عبد الرحمن الخ ... وبالجملة فالحديث حسن فانه ليس من رواية عبد الغزيز عن خصيف بل من رواية محمد بن مسلمة عنده،وأقول:فی هامش جامع الأصول(٥٣٤/٥)لم يذكر إلا عدم سماع أبی عبيدّ عن أبيه.أقول:قد حسن لخصيف الترمذی فی جامعه (راجع تفسير آل عمران)

سجدۂ سہو کے لیے سلام کے بعد اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرنا اور اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور بعد میں دو رکعت ادا کرنے کے بعد سلام پھیرا، پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کیا، پھر اللہ اکبر کہہ کر سر کو اٹھایا، پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کیا، پھر اللہ اکبر کہہ کر سر کو اٹھایا۔(عن أبی هريرة قال:"صلّٰی بنا رسول الله صلی الله عليه وسلم احدٰی صلوٰة العشی ... فصلّٰی ركعتين وسلم ثم كبرثم سجد ثم كبرفرفع ثم كبر ثم رفع".(الحديث)(جامع الأصول: ٥٣٨/٥) ونسبه إلی الشيخين/مسلم،باب السهوفی الصلاة والسجود له،والبخاری،باب يكبرفی سجدتی السهو.وراجع جامع الأصول: ٥٤٧/٥-٥٠٠،وابن خزيمة: ١٠٩/٢،وما بعده)

حضرت سعد بن ابی وقاص و حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے منقول بھی یہی منقول ہے۔(مصنف ابن أبی شيبة: ٤٤/٣)(ماخوذ از احکام نماز اور احادیث و آثار)

سجدۂ تلاوت کے احکام

قرآن مجید میں کتنے سجدے ہیں اور ان میں سے کتنے واجب ہیں:

سوال: قرآن مجید میں ۱۴ رسجدے ہیں، میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ان چودہ سجدوں میں سے کتنے واجب ہیں؟ کتنے فرض ہیں اور کتنے سنت ہیں؟

الجواب

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ۱۴ کے ۱۴ سجدے واجب ہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۴۱/۴)

تعداد سجدات تلاوت:

سوال: حنفیہ کے نزدیک قرآن مجید میں کس قدر سجدے ہیں؟

---

(۱) فإذا قرأ آية السجدة وهى فى أربعة عشر موضعًا...فإنه يجب عليه أن يسجد بشرائط الصلوٰة إلا التحريمة ... فكان الثابت الوجوب.(الحلبي الكبير: ۴۹۸/۱، القراءة خارج الصلاة، ط: سهيل اكادمي لاهور/أيضا: بدائع الصنائع: ۱۹۳/۱، وأما بيان مواضع السجدة،انيس)

سجدۂ تلاوت کا ثبوت اور اس کی مشروعیت:

o عن ابن عمر رضى اللّه تعالىٰ عنهما قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقرأ السجدة ونحن عنده فيسجد ونسجد معه فنزدحم حتىٰ ما يجد أحدنا لجبهته موضعًا يسجد عليه.(صحيح البخاري، باب ازدحام الناس إذا قرأ الإمام السجدة: ۱۴۶/۱،قديمي،انيس)

(حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (آیت) سجدہ پڑھتے تھے اور ہم لوگ آپ کے پاس ہوتے تو آپ سجدہ کرتے اور ہم لوگ آپ کے ساتھ سجدہ کرتے، پس ہم لوگوں کی اتنی بھیڑ ہو جاتی کہ ہم سے بعض کو پیشانی رکھنے کے لیے جگہ نہیں ملتی، جہاں وہ سجدہ کرے۔)

o عن أبي هريرة رضى اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا قرء ابن آدم السجدة، فسجد اعتزل الشطان يبكى يقول يا ويله وفى راويه أبى كريب يا ويلىٰ أمر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة و أمرت بالسجود فأبيت فلى النار.(الصحيح لمسلم،باب بيان إطلاق إسم الكفر علىٰ من ترك الصلاة: ۶۱/۱،قديمي،انيس)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدم کی اولاد آیت سجدہ پڑھتی ہے اور سجدہ کرتی ہے تو شیطان علاحدہ ہو کر یہ کہتے ہوئے روتا ہے، ہائے افسوس آدم کی اولاد کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا، پس اس کے لیے جنت ہے اور مجھے حکم ہوا تو نہ کیا میرے لیے جہنم ہے۔(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل، ص: ۵۱۸، ۵۱۹، مرتبہ: انیس الرحمٰن قاسمی)

الجواب

چودہ ہیں۔(۱)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۵۸)

سجدۂ تلاوت فرض ہے یا واجب اور اس کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہے:

سوال(۱) سجدۂ تلاوت فرض ہے، یا واجب؟ اور کس طرح ادا کرنا چاہیے؛ یعنی سجدہ میں اور سجدہ شروع کرنے سے پہلے، یا بعد سجدہ کے کیا کیا پڑھنا چاہیے اور جب تلاوت قرآن میں مشغول ہو اور آیت سجدہ کی پڑھتا ہے تو اسی وقت دوزانوں ہوکر سجدہ ادا کرے، یا کھڑے ہوکر؟

(۲) نیز اگر ایک دفعہ آیتِ سجدہ کو بزبان عربی اور بعد میں ترجمہ پر دہرائے، اسی طرح کسی کو پڑھاتا ہے، یا خود حفظ کرتا ہے، جو کہ آیتِ سجدہ چند دفعہ تلاوت ہوجاتی ہے۔ان سب صورتوں میں سجدۂ تلاوت ایک دفعہ ہوگا، یا جدا جدا؟

(۳) نیز جن وقتوں میں ہر قسم کی نماز پڑھنی مکروہ ہے، سجدۂ تلاوت کرنا جائز ہے؟ مثلاً فجر کے فرضوں کے بعد تا طلوع آفتاب، یا دوپہر، یا بعد نماز عصر، ایسا ہی صبح صادق کے وقت فجر کی سنتوں سے پہلے، یا سنت اور فرض کے درمیان؟

(۴) نیز اگر نابالغ بچہ کو سبق پڑھا رہا ہے تو بچہ کی طرف سے خود سجدہ کرے، یا معاف ہے؟

(۵) یا اگر تلاوت کے وقت آیتِ سجدہ کوئی پڑھنے والے سے سن لیتا ہے، اگر اس نے خود بخود سمجھ کر ادا کر دیا فبہا، ورنہ اس کا سجدہ نہ ادا کرنا پڑھنے والے پر کوئی باعث گناہ کا ہوتا ہے، یا سننے والوں کی طرف سے بھی پڑھنے والا ادا کرے؟

الجواب

سجدۂ تلاوت واجب ہے۔طریق اس کا یہ ہے کہ **اللّٰــه أكبر** کہہ کر سجدے میں جاوے، تین بار، یا زیادہ برعایت **سبحــان ربـی الأعلٰی** کہہ کر **اللّٰـه أكبر** کہہ کر اٹھ جاوے، سجدہ ادا ہوگیا۔اگر بیٹھے ہوئے سجدہ میں گیا اور بعد سجدے کے پھر بیٹھا رہا، تب بھی کچھ حرج نہیں ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ کھڑے ہوکر سجدے میں جاوے اور سجدے کے بعد کھڑا ہو جاوے۔(۲)

---

(۱) فإذا قرأ آية السجدة وهی فی أربعة عشر موضعًا...فإنه يجب عليه أن يسجد بشرائط الصلٰوة إلا التحريمة ... فكان الثابت الوجوب.(الحلبی الكبير: ۱/٤۹۸، القـراء ة خارج الصلاة، ط: سهيل اكادمی لاهور/أيضا: بدائع الصنائع: ۱/۱۹۳، وأما بيان مواضع السجدة،انيس)

(۲) (يـجـب)بسبب(تلاوة آية)أی أكثرها مع حرف السجدة.(الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۳،دارالفكر بيروت،انيس)

(وهی سجدة بين تكبيرتين)مسنونتين جهرًا وبين قيامين مستحبين(بلارفع يد و تشهد وسلام وفيها تسبيح السجود)(الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب سجودالتلاوة : ۲/۱۰٦_۱۰۷،دارالفكر بيروت، انيس)

(۲)　ان سب صورتوں میں ایک سجدہ واجب ہوگا۔(۱)

(۳)　طلوع اور غروب اور زوال آفتاب کے وقت سجدۂ تلاوت بھی حرام ہے؛ مگر جب کہ آیتِ سجدہ انہی اوقات میں پڑھے تو سجدہ بھی ان اوقات میں درست ہے اور صبح کی نماز کے بعد تا طلوع آفتاب اور بعد نماز عصر تا غروب اور بعد صبح صادق سجدۂ تلاوت درست ہے۔

(وکره)تحريمًا وكل ... (صلاة) ... (ولو) ... (علٰى جنازة وسجدة تلاوة وسهو) ... (مع شروق) ...(واستواء)...(وغروب)...(وكره نفل)...(بعد صلاة فجرو)صلاة(عصر)... (لا) ...(قضاء فائتة و)...(سجدة تلاوة وصلٰوة جنازة وكذا)...(بعد طلوع فجرسوٰى سننه).(۲)

(۴)　بچۂ نابالغ پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔

(۵)　سننے والوں پر سجدہ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔اگر انھوں نے نہ کیا تو پڑھنے والے پر کچھ گناہ نہیں ہے اور پڑھنے والا سننے والوں کی طرف سے سجدہ نہیں کرسکتا۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم:۴/۴۲۹-۴۳۱)

سجدۂ تلاوت واجب ہے:

سوال:　قرآن شریف میں جو سجدہائے تلاوت ہیں، وہ واجب ہیں، یا فرض؟

الجواب

سجدہائے تلاوت واجب ہیں۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۴/۴۲۷)

کیا سجدۂ تلاوت واجب ہے:

سوال:　قرآن مجید میں جو آیات سجدہ آئی ہیں، کیا ان پر سجدہ کرنا لازم ہے؟　(عبدالباری، اوٹکور)

الجواب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر قرآن پڑھتے اور آیتِ سجدہ

(۱)　ولو كررها فى مجلسين تكررت وفى مجلس واحد لا تتكرر بل كفته واحدةٌ،إلخ.(الدرالمختارعلٰى هامش ردالمحتار،باب سجود التلاوة:۱۱٤/۲، دارالفكر بيروت،انيس)

(۲)　الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار:۳۷۰/۱-۳۷۵،دارالفكر بيروت،انيس

(۳)　فالسبب التلاوة وإن لم يوجد السماع كتلاوة الأصم والسماع شرط فى حق غيرالتالى.(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،باب سجود التلاوة:۱۰٤/۲-۱۰۵،دارالفكربيروت،انيس)

(۴)　والسجدة واجبة فى هٰذه المواضع على التالى والسامع،إلخ. (الفتاویٰ الهندية،الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة:۱۳۲/۱،ظفير)

پر گزرتے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلے جاتے، اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے''۔(۱) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمکے عمل کی اتباع کرتے ہوئے فقہا نے آیتِ سجدہ کی تلاوت پر سجدہ واجب قرار دیا ہے، پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی، خواہ سننے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔(۲) (کتاب الفتاویٰ:۴۵۳/۲-۴۵۴)

سورۂ حج کا آخری سجدہ اوراس کا حکم:

سوال: سورۂ حج کا آخری سجدہ عند الشافعی واجب ہے، حالتِ اقتدا میں حنفی المذہب بھی یہ سجدہ باتباع شافعی المذہب ادا کریں، یا نہیں؟ اور جب امام حنفی ہو اور مقتدی شافعی تو مقتدیوں کا یہ سجدہ کیسے ادا ہوگا؟

الجواب

شامی میں ہے کہ متابعت امام شافعی المذہب کی وجہ سے مقتدی حنفی بھی یہ سجدۂ اخیرہ سورہ حج کا کرے۔

وظاهره أنه يتبعه فيها لو كان فى الصلاة، إلخ. (شامی)(۳)

اور جب کہ امام حنفی ہو تو یہ سجدہ نہ کرے اور مقتدی کے ذمہ سے بھی موافق قواعد حنفیہ کے یہ سجدہ ساقط ہے؛ لیکن اگر شوافع کے نزدیک سجدۂ صلوٰتیہ کو بعد میں بھی ادا کرنا جائز ہو تو وہ کر سکتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تو جو سجدہ نماز میں لازم ہوا اور اس کو اس وقت نہ کیا جاوے تو پھر وہ ادا نہیں ہو سکتا۔(۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴۲۳/۴)

احناف کے یہاں سورۂ حج کے دوسرے سجدہ کی تحقیق:

سوال: سورۂ حج میں دو سجدے ہیں سجدۂ اولیٰ کو حنفیہ کرتے ہیں، اور سجدۂ ثانی کو نہیں کرتے چنانچہ کمترین بھی سجدۂ اولیٰ کا سجدہ کرتا ہے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں سجدے کرنا چاہیے، لہٰذا اس کی بابت جیسا ارشاد ہو دونوں سجدے کروں یا صرف سجدۂ اولیٰ کروں؟

---

(۱) عن ابن عمر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ علينا القرآن فإذا مر بالسجدة كبر وسجد وسجدنا. (سنن أبي داؤد، باب في الرجل يسمع السجدة وهو راكب: ۲۰۷/۱، رقم الحديث: ۱۴۱۳، المكتبة الحقانية باكستان، انيس)

(۲) والسجدة واجبة فى هٰذه المواضع على التالي والسامع سواء قصد سماع القرآن أو لم يقصد، كذا فى الهداية. (الفتاوى الهندية، الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة: ۱۳۲/۱، انيس)

(۳) رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۱۰۵/۲، دار الفكر بيروت، ظفير

(۴) (وهى على التراخى)... (إن لم تكن صلوٰتيه فعلى الفور لصيرورتها جزءًا منها ويأثم بتأخيرها ويقضيها مادام فى حرمة الصلاة ولو بعد السلام. (الدر المختار علىٰ ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۱۰۹/۲-۱۱۰، دار الفكر بيروت، انيس)

أى ناسياً مادام فى المسجد وروى أنه لايسجد بعد السلام ناسياً. (رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۷۲۱/۱، ظفير)

الجواب ___________________

حنفیہ کے نزدیک سجدۂ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ ثابت نہیں؛ لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں اختلاف کی مراعاۃ افضل ہے، بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے، سو اس قاعدہ کی بنا پر نماز کے خارج تو دوسرے سجدہ کا کر لینا بھی بہتر ہوگا، البتہ نماز کے اندر چوں کہ سجدۂ زائدہ بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے؛ اس لیے نماز کے اندر نہ کیا جاوے، البتہ ایک خاص طریق سے کر لیا جاوے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا اور وہ طریق یہ کہ سجدۂ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فورا رکوع میں چلا جاوے تو سجدہ صلوٰۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جاوے گا۔

۱۰/رجب ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ: ۱۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۵۵-۵۵۶)

﴿اقترب للناس﴾ کے دوسرے سجدۂ تلاوت پر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: نماز تراویح میں ﴿اقترب للناس﴾ کے دوسرے سجدۂ تلاوت پر جو امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے، سجدہ کیا تو نماز میں کوئی نقص تو نہیں آیا؟

الجواب ___________________

کچھ نقص نہیں آیا، اگر یہ سجدہ کرنے والا عالم ہو اور اس کو دلیل سے امام شافعیؒ کے قول کی قوت معلوم ہوگئی ہو اور اگر یہ بات نہ ہو تو پھر اس سجدہ سے اس شخص پر سجدۂ سہو لازم آئے گا؛ کیوں کہ اس کے امام کے نزدیک اس جگہ سجدہ نہیں تو اس نے نماز میں بلا ضرورت ایک سجدہ بڑھا دیا، جس سے تاخیر رکن لازم آئی، جو موجب سجدۂ سہو ہے۔

۱۸/ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۳۰۳)

آیت سجدہ کی تفصیل:

سوال: یہ دونوں احادیث مسلم و ترمذی سے مروی ہیں، جن کو ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر پارہ: ۱۷ اور ۲۲ میں لائے ہیں:

(الف) ''سورۂ حج کو دو سجدوں سے فضیلت دی گئی ہے، جو ان پر سجدہ نہ کرے وہ اسے پڑھے ہی نہیں''۔

(ب) ''اہل جہنم پانچ قسم کے ہیں، وہ بے وقعت کمینے لوگ جو بے زر اور بے گھر ہیں اور جو تمہارے دامنوں سے لپٹے رہتے ہیں''۔

الجواب ___________ حامدًا و مصلیًا

(الف) (۱) آیت سجدہ پڑھ کر مستحب یہ ہے کہ جلدی سجدہ کر لیا جائے۔

(۲) جو شخص بے وضو ہو وہ حفظ تلاوت تو کرسکتا ہے؛ مگر سجدہ نہیں کرسکتا۔

(۳) اس لیے باوضو تلاوت کرنا اعلیٰ بات ہے؛ تاکہ آیت سجدہ جب آئے تو فوراً سجدہ کرلے، جو شخص بے وضو ہو، وہ ایسی سورت تلاوت کرے، جس میں سجدہ نہ ہو، یہ محض استحبابی حکم ہے، وجوبی نہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں کلام ہے، اس کے مقابلہ میں دوسری حدیث قوی اور راجح ہے۔(۱)

(۴) یہ حدیث کہاں ہے پوری مع حوالہ نقل کریں، تشریح کی جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۶/۲ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۶/۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۶۲-۴۶۳)

تحقیق محل سجدۂ سورہ ص:

سوال: سورۂ ص میں سجدہ ﴿حسن مآب﴾ پر ہے، **كذا في مراقي الفلاح: (ص) وظن داؤد أنما فتناه فاستغفر ربه وخر راكعاً وأناب فغفرنا له ذلك وإن له عندنا لزلفىٰ وحسن مآب وهٰذا هو الأولىٰ مما قاله الزيلعي تجب عند قوله تعالىٰ وخر راكعا وأناب، إلخ.** (۲) امداد المفتیین دیکھ لیا جائے۔

سورہ ”ص“ میں کون سی آیت پر سجدہ کیا جائے:

سوال: سورۂ ص کا سجدہ آیت ﴿مآب﴾ پر صحیح ہے، یا ﴿أناب﴾ پر؟

(المستفتی: ۱۴۳۴، حکیم نظام الدین صاحب اجمیری، ۶/ربیع الاول ۱۳۵۶ھ، ۱۷/مئی ۱۹۳۷ء)

---

(۱) حدثه أن عقبة بن عامر حدثه قال: قلت لرسول الله صلى الله عليه وسلم في سورة الحج سجدتان؟ بتقدير الاستفهام (قال: نعم ومن لم يسجدهما فلايقرأهما): أي آيتي السجدة. قال أبو عيسى الترمذي رحمة الله عليه: هٰذا حديث ليس إسناده بالقوي، واختلف أهل العلم في هٰذا... وقال الشوكاني: وفي إسناده ابن لهيعة ومشرح بن هاعان، وهما ضعيفان، وقد ذكر الحاكم أنه تفرد به“... (بذل المجهود، تفريع أبواب السجود، وكم سجدة في القرآن: ۷/۲۰۲، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

عن عقبة بن عامر قال: قلت يارسول الله! فضلت سورة الحج بأن فيها سجدتين؟ ومن لم يسجد ها فلا يقرأهما. قال أبوعيسٰى: هٰذا حديث ليس إسناده بالقوي. (سنن الترمذي، باب ماجاء في السجدة في الحج: ۱/۱۲۸، قديمي، انيس)

”وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال في سجود الحج: الأول عزيمة والآخر تعليم. أخرجه الطحاوي و رجاله كلهم ثقات... قوله: حدثنا أبوبكرة وابن مرزوق؟... قلت: فيه دليل صريح لما قاله علمائنا الحنفية: إن الثانية من الحج سجدة الصلاة دون التلاوة؛ لأن السجدة متى قرنت بالركوع كانت عبارة عن سجدة الصلاة، كما في قوله تعالىٰ: ﴿فاسجدي واركعي﴾ (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة وما يتعلق بها: ۷/۲۴۱-۲۴۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي باكستان)

(۲) مراقي الفلاح على حاشيته الطحطاوي، باب سجود التلاوة، ص: ۴۸۲، انيس

الجواب

(ازمولانا احمد سعید صاحب) سورہ صٓ کا سجدہ آیت ﴿مآب﴾ پر صحیح ہے، ﴿أناب﴾ پر درست نہیں ہے۔
فقیر احمد سعید کان اللہ لہ

الجواب

(ازحضرت مفتی اعظمؒ) ﴿حسن مآب﴾ پر سجدہ کرنا اولیٰ اور احوط ہے اور یہی قول راجح ہے اور دوسرا قول کہ ﴿أناب﴾ پر سجدہ ہے، مرجوح ہے، **كذا فى مراقى الفلاح (و ص) وظن داؤد أنما فتناه فاستغفر ربه وخر راكعا و أناب فغفرنا له ذلك. وإن له عندنا لزلفٰى وحسن مآب، وهٰذا هو الأولى مما قال الزيلعى تجب عند قوله تعالىٰ "وخر راكعا وأناب وعند بعضهم عند قوله تعالىٰ: وحسن مآب.** (۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۱۴-۴۱۵)

سورہ "ص" اور "حج" کے سجدہ کی تحقیق:

سوال: امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورہ "حج" میں ایک سجدہ ہے، جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک دو سجدے ہیں اور امام صاحب سورۂ "ص" میں سجدہ کے وجوب کے قائل ہیں، جب کہ امام شافعیؒ اس کے وجوب کے قائل نہیں ہے، دراں حالیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ "ص" میں بھی سجدہ ہے اور سورۂ "حج" میں بھی دو سجدے ہیں؛ اس لیے تحقیقی جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب　　　وباللّٰه التوفيق

سورۂ "ص" میں تو حنفیہ کے یہاں سجدہ ہے (۲) اس کی دلیل یہ روایت ہے اور اس کے مثل دوسری روایت ہے:
"عن أبى سعيد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سجد فى "ص". (۲)
سورۂ "حج" میں ایک سجدہ ہے، وہ پہلی جگہ ہے، دوسری جگہ نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے:

---

(۱) مراقى الفلاح علىٰ حاشيته، باب سجود التلاوة ص: ۴۸۲، ط: دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، انيس

(۲) رقم الحديث: ۵۷۷، باب ما جاء فى السجدة فى ص، ۲، روى الترمذى بسنده عن عكرمة عن ابن عباس قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد فى ص " قال ابن عباس، وليست من عزائم السجود، قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، واختلف أهل العلم فى ذلك فرأى بعض أهل العلم من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم وغيرهم أن يسجد فيها وهو قول سفيان الثورى. (سنن الترمذى، كتاب الصلاة، أبوب السفر: ۲/۴۷۰، انيس)

(۳) شرح معانى الآثار، باب ماجاء فى السجدة فى صٓ، باب المفصل هل فيه سجود أم لا؟: ۱/۲۲۲، رقم الحديث: ۲۰۱۸۸، مكتبة رحمانية لاهور، انيس)

"عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ قال فی سجود الحج: الأول عزیمة والآخر تعلیم".(۱)

سورۂ ''حج'' کا دوسرا سجدہ تعلیمی ہے، جس میں رکوع وسجدہ دونوں ہے (نماز کی تعلیم ہے)؛ اس لیے حنفیہ اس سجدہ کے قائل نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد یحییٰ قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۹۱-۴۹۲)

سورۂ ''ص'' میں سجدہ کس آیت پر ہے:

سوال: سورۂ ''ص'' میں آیت: ۲۵ پر سجدہ ہے، یا آیت: ۲۴ پر؟ اگر کوئی آیت: ۲۴ پر سجدہ کر دے تو سجدہ ہو جائے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

آیت: ۲۵/ پر آیت سجدہ ہے، اگر آیت: ۲۴ پر ﴿أناب﴾ پر سجدہ کرے گا، تب بھی ایک قول پر ادا ہو جائے گا۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۷۱)

خطبہ میں اور درس مثنوی وغیرہ میں بعض الفاظ آیت سجدہ پڑھنے پر سجدہ واجب ہونے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت مسئلہ ہذا میں اگر سجدہ والی آیت کے ایک، یا دو لفظ کسی شعر، یا مثنوی شریف کے بیت میں تقریر کے موقع پر پڑھے جائیں، کیا سجدہ ضروری اور واجب ہوتا ہے، جیسا کہ بیت ہذا میں وارد ہے۔(۳)

گفت واسجد واقترب یزدان ما قرب جاں شد سجدۂ ابدان ما

---

(۱) شرح معانی الأثار، باب المفصل هل فیه سجود أم لا؟ : ۱/۲۲۳، مکتبة رحمانیة لاهور، انیس

(۲) "عن ابن عباس رضی الله عنهما: أن النبی صلی الله علیه وسلم سجد فی "ص" وقال: "سجدها داؤد توبة ونسجدها شکرا". (سنن النسائی، باب سجود القرآن، السجود "ص": ۱/۱۵۲، قدیمی، انیس)

"قوله: (عن ابن عباس رضی الله عنهما إلخ)... قال فی البدائع: وما تعلق به الشافعی، فهو من دلائلنا فإنا نقول: نحن نسجد ذلک شکرًا لما أنعم الله علیٰ داؤد بالغفران والوعد بالزلفی وحسن المآب، لهٰذا لا یسجد عندنا عقیب قوله: "وأناب" بل عقیب قوله: "مآب" وهذه نعمة عظیمة فی حقنا" (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة ما یتعلق بها: ۷/۲۳۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراتشی)

"أو "ص" عند قوله: ﴿فاستغفر ربه وخر راکعا وأناب﴾. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الثالث فی سجود السهو: ۱/۱۳۲، رشیدیة)

(۳) یعنی یہ ہیئت مذکورہ جس میں یہ اجزا ہیں، قیام تکبیر سجدہ کو جاتے ہوئے تکبیر سجدہ سے اٹھتے ہوئے قیام ثانی۔ منہ

الجواب

فی ردالمحتار أول باب سجدة التلاوة عن السراج الوهاج:...والصحيح أنه إذا قرأ حرف السجدة وقبله كلمة أوبعده كلمة وجب السجود وإلا فلا. وقيل لايجب إلا أن يقرأ أكثر آية السجدة مع حرف السجدة،الخ. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں بنابرقول اصح سجدۂ تلاوت پڑھنے والے اور سننے والے پرواجب ہے۔(۲)

۱۹ر شعبان ۱۳۵۰ھ (النور، بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۵۷)

''واسجد واقترب یزدان ما'' پڑھنے سے کیا سجدۂ تلاوت واجب ہوجاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ پر کہ زید نے دوران تقریر میں مثنوی شریف کا یہ شعر پڑھا:

گفت و اسجد واقترب یزدان ما
قوت جاں شد سجدہ ابدان ما

اور سجدہ نہیں کیا، اسی پر بکر نے اس اور سامعین کو سجدہ کرنے پر مجبور کیا۔ زید نے یہ جواب دیا کہ سجدہ سالم آیت کے تلاوت ہونے پر ہوتا ہے، نہ کسی جزو پر۔ صورت مسئولہ میں جواب مفصل عطا فرما کر ثواب دارین حاصل کریں؟

الجواب

اس شعر کے پڑھنے سے سجدہ تلاوت واجب ہوجاتا ہے، بکر کا قول صحیح اور مختار ہے، اگرچہ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ اکثر حصہ آیت کا پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے؛ مگر مفتی بہ قول پہلا ہی ہے۔

لما فی الدر المختار بسبب تلاوة آية أی أكثرها. (۳)

قال الشامی:(قوله:أی أكثرها) هذا خلاف الصحيح الذی جزم به فی نور الإيضاح (إلى قوله) والصحيح أنه إذا قرأ حرف السجدة وقبله كلمة أوبعده كلمة وجب السجود وإلا فلا. (۴) (امدادالمفتین:۳۱۹)

اگر آیت سجدہ پڑھ کر معنی بھی پڑھے تو کتنے سجدے کرے:

سوال: ایک شخص نے سجدۂ تلاوت پڑھ کر معنی پڑھا تو وہ شخص ایک سجدہ کرے، یا دو؟

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۱۰۳/۲، انيس

(۲) یعنی لفظ سجدہ ایک لفظ آگے پیچھے پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہے۔

(۳) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۱۰۳/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۴) ردالمحتار، باب فی سجود السهو: ۱۰۳/۲، دار الفكر بيروت، انيس

الجواب

ایک سجدہ لازم ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴۲۱/۴)

آیت سجدہ کا ترجمہ پڑھنے سے وجوب سجدہ کا حکم:

سوال: رسالہ بالنور بت ماہ جمادی الاول، صفحہ:۴ ''ومن آیاته اللیل، الخ'' پر سرخی دے کر حاشیہ میں لکھا ہے، یہ سجدہ کی آیت ہے، اس کو پڑھ کر ناظرین پر سجدہ واجب ہو جائے گا، بشرطیکہ آیت، یا ترجمہ کو زبان سے پڑھے اورصرف دیکھ لینے سے سجدہ واجب نہ ہوگا۔ (مدیر)

(سوال) آیت سجدہ کا ترجمہ زبان سے پڑھنے سے سجدہ واجب ہوگا، یا نہیں؟ محقق قول کون سا ہے؟

الجواب

جوالنور میں لکھا ہے کہ آیت، یا ترجمہ کو زبان سے پڑھیں تو سجدۂ تلاوت واجب ہے، یہ صحیح ہے۔

كما فی الهندية (۸۵/۱): وإذا قرأ آية السجدة با لفارسية فعليه وعلٰى من سمعها السجدة فهم السامع أو لا، إذا أخبر السامع أنه قرأ آية السجدة وعندهما إن كان السامع يعلم أنه يقرأ القرآن يلزمه وإلا فلا، كذا فی الخلاصة، وقيل: تجب بالإجماع وهو الصحيح، كذا فی محيط السرخسی. (۲)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۸/صفر ۱۳۴۵ھ۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۹/صفر ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام:۳۰۶/۲)

آیت سجدہ کا ترجمہ پڑھا جائے:

سوال: تقریر کے دوران اگر سجدہ والی آیت کا ترجمہ سنانے پر اکتفا کیا جائے تو کیا اس پر بھی سجدہ کرنا لازم ہوجاتا ہے؟ (س، ج، سنتوش نگر کالونی)

الجواب

سجدۂ تلاوت خاص ان آیات قرآنی کے پڑھنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ کرنا ثابت ہے۔ قرآن مجید کے معانی بعینہ قرآن مجید کے حکم میں نہیں ہیں؛ اسی لیے صحیح ومعتبر قول کے مطابق نماز

(۱) ''يجب بسبب تلاوة آية أی أكثرها مع حرف السجدة''. (الدرالمختار) (قوله: بسبب تلاوتها) احترز عما لو كتبها أو تهجاها فلاسجود عليه. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۱۰۳/۲، ظفير)

(كمن كررها) أی الآية الواحدة (فی مجلس واحد) حيث تكفيه سجدة واحدة سواء كانت فی ابتداء التلاوة أو أثنائها أو بعدها للتداخل لأن النبی صلی الله عليه و سلم كان يقرؤها علی أصحابه مرارا ويسجد مرة. (مراقی الفلاح، باب سجود التلاوة: ۱۸۹، المكتبة العصرية، انيس)

(۲) الفتاویٰ الهندية، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱۳۳/۱، انيس

میں آیات قرآنی کا ترجمہ پڑھ دینا کافی نہیں؛ بلکہ الفاظ قرآن کی ادائیگی بھی ضروری ہے، اسی طرح حالت جنابت میں الفاظ قرآن کے پڑھنے کی ممانعت ہے؛ لیکن قرآن کے معانی اور تشریحات پڑھنے کی اجازت ہے، لہٰذا آیت سجدہ کا ترجمہ سننے اور سنانے کی وجہ سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا، چناں چہ خود اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ... بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ﴾ (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۴۹)

بغیر نیت تلاوت بھی آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ واجب ہوگا:

سوال: بغیر نیت تلاوۃ کے اگر آیت سجدہ پڑھی جائے تو سجدہ واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

سجدہ اس صورت میں واجب ہوگا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۲۵)

اگر سجدۂ تلاوت کا کچھ حصہ پڑھے اور کچھ نہ پڑھے تو کیا حکم ہے:

سوال: آیتِ سجدہ کے آخری الفاظ نہیں پڑھے، سجدۂ تلاوت واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ کلمہ پڑھا، جس میں سجدہ کا لفظ ہے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگیا۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۲۸-۴۲۹)

حکم سجدۂ تلاوت بغیر تلاوت آیت سجدہ:

سوال: نماز تراویح میں سورۂ انشقاق شروع کی اور ﴿فما لهم لا يؤمنون﴾ پر ختم کر کے سجدہ کرلیا، پھر سجدے سے اٹھ کر سجدہ کی آیت چھوڑ کر بقیہ سورت ختم کر کے رکعت پوری کرلی؛ یعنی سجدۂ تلاوت ہوا اور سجدہ کی آیت تلاوت نہیں ہوئی، ایسی حالت میں نماز صحیح رہی، یا نہیں؟ یا غلطی سہواً ہوئی ہے؟

الجواب

اس صورت میں سجدۂ سہو لازم تھا، سجدۂ تلاوت جو بدون آیت سجدہ کے کیا گیا ہے، عمل زائد ہوا، جس سے واجب میں تاخیر ہوئی۔

۱۸/ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۳۰۳)

---

(۱) سورۃالشعراء: ۱۹۵

(۲) يجب بسبب تلاوة آية أى أكثرها مع حرف السجدة. (الدرالمختار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۳، ظفير)

(۳) يجب بسبب تلاوة آية ... (الدرالمختار) هذا خلاف الصحيح الذى جزم به فى نورالإيضاح، ففى السراج: وهل تجب السجدة بشرط قراءة جميع الآية أم بعضها؟ فيه اختلاف، والصحيح أنه إذا قرأ حرف السجدة وقبله كلمة أو بعده كلمة وجب السجود وإلا فلا، إلخ. (ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۳، دارالفكر بيروت، ظفير)

دل میں آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا:

سوال: آیت سجدہ دل ہی دل میں دیکھ کر پڑھی جائے تو سجدہ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

تلاوت کرنا ضروری ہے، بغیر تلاوت سے سجدۂ واجب نہیں ہوتا۔

قال في الدر المختار: بسبب تلاوة، إلخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۲۶)

آیت سجدہ دل میں پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: ایک شخص کلام اللہ کی تلاوت کر رہا ہے اور دوسرے شخص بیٹھے ہیں اور دل ہی دل میں ورد ہے؛ لیکن جب وہ شخص سجدہ کی آیت پر آتا ہے تو خاموش پڑھتا ہے؛ مگر سننے والے اس آیت کو دل میں پڑھ جاتے ہیں، زبان سے کچھ نہیں پڑھتے، اب کیا سجدہ ہر ایک پر واجب ہے، یا نہیں؟ بحوالہ کتب مرحمت فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

دل میں پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوگا بلکہ زبان سے پڑھنے سے (خواہ بالجہر یا بالسر پڑھے) یا سننے سے واجب ہوتا ہے اور صورت مسئولہ میں پڑھنے والے پر واجب ہوا ہے، اگرچہ اس نے آہستہ ہی پڑھا ہے اور سننے والے نے اس کو سنا نہیں اور نہ زبان سے پڑھا ہے بلکہ دل میں پڑھا ہے اس لئے اس پر واجب نہیں ہوا۔

”ويجب بسبب تلاوة آية احترز عما لو كتبها أو تهجاها، فلا سجود عليه... بشرط سماعها، فلا تجب علىٰ من لم يسمعها وإن كان في مجلس التلاوة، آه“. (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، ۶/ جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۷۰)

بغیر زبان ہلائے تلاوت کرنے کا ثواب ملتا ہے:

سوال: عام عورتوں کو میں نے دیکھا ہے کہ قرآن کو زبان سے پڑھنے کے بجائے صرف دیکھتی رہتی ہیں؛ یعنی دل میں پڑھتی ہیں، جیسے ہم کوئی اخبار، یا کتاب وغیرہ کا مطالعہ کرتے ہیں، کیا اس صورت میں بھی ثواب اتنا ہی ہوتا

---

(۱) (قوله بسبب تلاوة) احترز عما لو كتبها أو تهجاها فلا سجود عليه. (رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۳، دارالفکر بیروت، انیس)

(۲) ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۳-۱۰۴، سعید

ہے، جتنا قرآن کو زبان سے پڑھ کر ہوتا ہے، یا اس طرح تلاوت کرنی جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب

جب تک زبان سے الفاظ کا تلفظ نہ کیا جائے، تلاوت کا ثواب نہیں ملے گا۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۲۴۲/۴)

اخبار میں آیت سجدہ:

سوال: عید الفطر کے سپلیمنٹ کے صفحہ نمبر ایک پر آیت سجدہ تحریر ہے، اس آیت کے پڑھنے پر سجدہ تلاوت لازم آتا ہے؟ اس آیت کو لاکھوں حضرات پڑھ چکے ہوں گے، اس قسم کی آیتیں اخبار میں تحریر نہیں ہونی چاہئیں۔ (عادل، مغلپورہ)

الجواب

ہاں یہ درست ہے کہ جن لوگوں نے اس شمارہ میں آیت سجدہ پڑھی ہے، ان پر سجدہ کرنا واجب ہے۔(۲) اگر صرف ترجمہ پڑھا ہو تو سجدہ واجب نہیں۔ اگر کوئی ایسا مضمون زیر بحث ہو کہ جس کے سمجھنے، یا سمجھانے کے لیے آیت سجدہ کا پڑھنا، یا لکھنا ضروری، یا مناسب ہو تو ایسی آیات سجدہ کے اخبار میں نقل کرنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں کو کم سے کم اس سے تو واقف ہونا چاہیے کہ کن کن آیات پر سجدہ واجب ہے اور سجدۂ تلاوت کرنے میں اجر وثواب ہی ہے، یہ اتنا آسان اور ہلکا عمل ہے کہ کسی مسلمان پر اس کو بار خاطر نہیں ہونا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ:۴۵۰/۲-۴۵۱)

آیت سجدہ کے طغرے پر نظر پڑ جائے:

سوال: ایک بڑا طغرہ کھڑکی کی یوار پر چسپاں ہے، جس پر بڑے حروف میں سورۂ حم السجدۃ کی آیت سجدہ تحریر ہے، چوں کہ یہ طغرہ مکان کے دالان میں چسپاں ہے؛ اس لیے آتے جاتے اس پر نظر پڑ جاتی ہے تو کیا اس سے سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟ (سید صابر علی چشتی، ناندیڑ)

---

(۱) وفضائل القرآن هی المزایا والمنافع التی تترتب علی قراء ته وسماعه أو المزایا التی یختص بها أهل القرآن أو الصفات العظیمة التی یمتاز بها القرآن عن غیره وکما أن القرآن کتاب هدایة وتشریع، یتعبد بأحکامه والعمل بما فیه، کذلک هو کتاب یتعبد بتلاوته، وتنال المثوبة والأجر بقرائته فقد روی ابن مسعود رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنّه قال: من قرأ حرفاً من کتاب اللّٰه فله به حسنة والحسنة بعشر أمثالها لا أقول: ألم حرف، ولکن ألف حرف ولام حرف ومیم حرف. أخرجه الترمذی وقال: حدیث حسن صحیح غریب. (منار القاری شرح صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن: ۷۸/۵، مکتبة دار البیان دمشق، انیس)

(۲) والصحیح أنه إذا قرأ حرف السجدة وقبله کلمة أو بعده کلمة وجب السجود وإلا فلا، إلخ. (ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۱۰۳/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــــ

سجدۂ تلاوت آیت سجدہ کی تلاوت اور تلاوت کرنے والے شخص سے آیت سجدہ سننے سے واجب ہوتا ہے، گو بلا ارادہ سن لے اور بے خیالی میں پڑھ لے۔

السجدة واجبة في هٰذه المواضع على التالي والسامع سواء قصد سماع القرآن أولم يقصد. (۱)

تو اگر صرف اس طغرہ پر نظر پڑے اور زبان سے تلفظ نہ کیا جائے تو سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا، ہاں اگر زبان سے بھی آیت سجدہ پڑھ لے تو سجدہ واجب ہو جائے گا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۵۶-۴۵۷)

آیت سجدہ لکھنے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے:

سوال: ایک شخص نے آیت سجدہ کو اپنی کاپی پر لکھا تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جب کہ مذکورہ شخص نے آیت سجدہ کو لکھا ہے، زبان سے اس کو پڑھا نہیں تو ایسی صورت میں اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوا؛ اس لیے کہ محض آیت سجدہ کے لکھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے۔

(يجب) بسبب (تلاوة آية) أى أكثرها مع حرف السجدة". (الدرالمختار)

(قوله: بسبب تلاوة) احترز عمّا لو كتبها أو تهجاها فلا سجود عليه". (۲) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۶/۱۲/۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۹۱)

دوبارہ آیت پڑھنے سے سجدۂ تلاوت دوبارہ واجب ہوگا:

سوال: ایک شخص نے نماز میں سورۂ سجدہ پڑھی اور سجدہ ادا کیا، پھر کسی وجہ سے نماز دہرانے کی ضرورت ہوئی، پھر وہی سورت پڑھی تو دوبارہ سجدہ کرنا چاہیے، یا پہلا سجدہ کافی ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

پھر سجدہ کر لینا چاہیے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۲۸)

---

(۱) الفتاوى الهندية، الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة: ۱/۱۳۲، انيس

(۲) ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۳، دارالفكر بيروت، انيس

(۳) وشرط التداخل اتحاد الآية واتحاد المجلس حتى لو اختلف المجلس واتحدت الآية أو اتحد المجلس واختلفت الآية لاتتداخل، كذا فى المحيط. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة: ۱/۱۳۴، انيس)

احکام سجدۂ تلاوت بر تالی وسامع:

سوال (۱) ایک طالب علم بغرض حفظ آیت سجدہ کو ایک ہی جلسہ میں بار بار تلاوت کرتا ہے، اس کا استاد جو اسی مجلس میں بیٹھا سنتا ہے، اس پر ایک ہی سجدہ ہوگا، یا متعدد؟

(۲) قرأت سکھانے میں ایک مرتبہ قاری آیت سجدہ پڑھتا ہے اور دوبارہ متعلم بغرض مشق اس کا اعادہ کرتا ہے، جلسہ ایک ہی رہتا ہے تو ایک سجدہ کرنا ہوگا، یا دو؟

(۳) تالی بغرض حفظ ایک ہی مجلس میں بار بار ایک ہی آیت سجدہ پڑھتا ہے اور سامع اسے دور سے دوسری مجلس میں سن رہا ہے تو اس سامع پر کتنے سجدے واجب ہوں گے؟

(۴) تالی تو ایک ہی مجلس میں اعادہ وتکرار آیت سجدہ کر رہا ہے؛ مگر سامع کی مجلس بدلتی رہی تو اسے کتنے سجدے کرنے ہوں گے؟

(۵) دو، یا چند طالب علم ہم سبق ایک ہی آیت سجدہ کو پڑھتے ہیں تو سامع کو ایک سجدہ کرنا ہوگا، یا دو؟ مجلس ایک ہی رہی۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

(۱-۲) ان صورتوں میں طالب علم اور استاد دونوں پر ایک ہی سجدہ واجب ہے۔

(۳) سامع کی مجلس اگر چہ مجلس تالی سے متحد نہ ہو؛ مگر جب کہ سامع کا سماع متحد ہے، بوجہ اتحاد آیت مکان سماع کے تو اس پر ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔

(۴) اس صورت میں قول مفتی بہ پر سامع کے ذمہ سجدات متعدد ہوں گے۔

(۵) اس صورت میں سامع پر ایک ہی سجدہ ہوگا۔

الدلائل:

قال في الدر: ولو كررها في مجلسين تكررت وفي مجلس واحد لا بل لاتتكرر كفته واحدة ... والأصل أن مبناها على التداخل دفعاً للحرج بشرط اتحاد والآية والمجلس، آه.

قال الشامي: أي بأن يكون المكرر آية واحدة في مجلس واحد فلوتلا آيتين في مجلس واحد أو آية واحدة في مجلسين فلا تداخل، ولم يشترط اتحاد السماع لأنه إنما يكون باتحاد المسموع فيغني عنه اشتراط اتحاد الآية وأشارإلى أنه متى اتحدت الآية والمجلس لايتكرر الوجوب ففي البدائع لايتكررولواجتمع سببا الوجوب وهما التلاوة والسماع بأن تلاها ثم سمعها أوبالعكس أوتكرر أحدهما، آه.

وفی البزازية:سمعها من آخر ومن اٰخرأيضا وقرأها كفت سجدة واحدة فی الأصح لاتحاد الآية و المكان،آه.

وفيه أيضاً قبله: لوتلا سجدات القران كلها أوسمعها فی مجلس أومجالس وجبت كلها، آه.(۸۱۱/۱۔۸۱۲)أی لاختلاف التلاوة والسماع باختلاف المتلو والمسموع .(۱)

قال فی الدر: كما تتكرر لوتبدل مجلس سامع دون تال حتٰی لوكررها راكبًا يصلی وغلامه يمشی تتكررعلی الغلام لا الراكب ولا تتكررأی علی السامع فی عكسه وهوتبدل مجلس التالی دون السامع علی المفتی به،آه.(ص:۸۱٤)(۲)

تنبيه:(يختلف المجلس)حقيقة بالانتقال منه إلٰی أخر بأكثرمن خطوتين كما فی كثيرمن الكتب أو بأكثرمن ثلاث،كما فی المحيط ما لم يكن للمكانين حكم الواحد كالمسجد والبيت والسفينة ولوجارية والصحراء بالنسبة للتالی فی الصلاة راكبا.

فإن الصلاة تجمع المتفرق فكان الصحراء كله مكانا واحدا للمصلی راكبا.

وحكمًا وذلک بمباشرة عمل يعد فی العرف قطعا لماقبله ... بخلاف زوايا مسجد ولو كبيرًا مكان واحد...وكذا البيت إذا كانت الدار السلطان،آه،حلية،وظاهر أن الدار التی دونها لها حكم البيت وإن اشتملت علٰی بيوت،ثم قال فی الحلية:ثم الأصل ما فی الخانية والخلاصة أن ككل موضع يصح الاقتداء فيه بمن يصلی فی طرف منه يجعل كمكان واحد ولا يتكرر الوجوب فيه وما لا فلا،آه.(شامی:۸۱۳/۱)(۳)

قلت: فلينظرالسائل فی الجواب الرابع هل اختلف مجلسه بمثل هذا الاختلاف الذی لايصح فيه الاقتداء بمن يصلی فی طرف منه أم لا والله اعلم

۲۶ر محرم ۱۳۴۷ھ (امدادالاحکام:۳۰۴/۲۔۳۰۵)

سجدۂ تلاوت صاحب تلاوت خود کرے، نہ کہ کوئی دوسرا:

سوال: قرآن خوانی کرواؤں اور پھر جب تمام قرآن ختم کرلیا جائے تو ایک عورت ان سب کے سجدے (جو ۱۴ ہیں) ادا کردیتی ہے۔آپ وضاحت فرمائیں کہ جہاں سجدہ آئے، وہیں کیا جائے؟ یا علاحدہ ایک ساتھ سب سجدے ادا کرلیے جائیں؟ کیا کوئی قید، یا پابندی تو نہیں ہے؟

(۱) ردالمحتار،باب سجود التلاوة:۱۱٤/۲۔۱۱۵،دارالفكر بيروت،انيس

(۲) الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار:۱۱۷/۲،دارالفكر بيروت،انيس

(۳) ردالمحتار،باب سجود التلاوة:۱۱٤/۲۔۱۱٦،دارالفكر بيروت،انيس

الجواب

قرآن کریم کے کئی سجدے اکٹھے کرنا بھی جائز ہے؛(۱) مگر جس نے سجدہ کی آیت تلاوت کی ہو، اسی کے ادا کرنے سے سجدہ ادا ہوگا، کوئی دوسرا شخص اس کی جگہ سجدہ ادا نہیں کرسکتا۔ آپ نے جو لکھا ہے کہ ایک عورت ان سب کے سجدے ادا کردیتی ہے، یہ غلط ہے، تلاوت کرنے والوں کے ذمہ سجدۂ تلاوت بدستور واجب ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۴۰/۴)

سننے والے پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہے:

سوال: ختم تراویح میں قرآن پاک پڑھنے کے دوران سجدے بھی آتے ہیں تو کیا جماعت کے باہر جو لوگ ہیں، جو تراویح میں شریک نہیں ہیں اور سجدے کی آواز ان کے کان تک پہنچتی ہے تو کیا ان پر سجدۂ تلاوت واجب ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

ان پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد صدر عالم، ۱۵/۹/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۸۲/۲)

تلاوت کے دوران آیت سجدہ کو آہستہ پڑھنا بہتر ہے:

سوال: قرآن کی تلاوت کرتے وقت جس رکوع میں سجدہ آجائے تو اس کو دل میں پڑھنا چاہیے، یا کہ بلند آواز سے پڑھے؟ کہتے ہیں کہ اگر سجدہ کی آیت کوئی سن لے تو اس پر سجدہ واجب ہے، اگر سجدہ نہ کرے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ اور سجدہ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ مفصل بتائیں۔

الجواب

سجدہ کی آیت پڑھنے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے؛(۴) اس لیے کسی دوسرے شخص کے سامنے سجدے کی آیت آہستہ پڑھے؛ تاکہ اس کے ذمہ سجدہ واجب نہ ہو۔(۵) جس شخص کے ذمہ سجدہ تلاوت واجب تھا اور

(۱) فأما خارج الصلاة فإنها تجب علیٰ سبیل التراخی دون الفور عند عامة أهل الأصول؛لأن دلائل الوجوب مطلقة عن تعيين الوقت(البدائع الصنائع،فصل فی بیان کیفیة: ۱۸۰/۱،دارالکتب العلمیة،انیس)

(۲) والحاصل أن الوجوب إنما يكون بأحد الأمرين إما بالتلاوة أو بالسماع.(خلاصة الفتاویٰ: ۱۸۴/۱)

(۳) والسجدة واجبة فی هٰذه المواضع على التالی، والسامع، سواء قصد سماع القرآن، أو لم يقصد، كذا فی الهداية (الفتاوی الهندية،باب سجود التلاوة: ۱۳۲/۱)

(۴) فسبب وجوبها أحد شيئين التلاوة أو السماع.(بدائع الصنائع،فصل فی بیان سبب وجوب السجدة: ۱۸۰/۱، دارالکتب العلمیة،وأیضا فی الهندیة : ۱۳۲/۱)

(۵) ولوقرأ آية السجدة وعنده ناس .. ينبغی أن يخفض قراء ته،لأنه لو جهر بها لصارموجبا عليهم شيئا ربما يتكاسلون عن أدائه فيقعون فی المعصية.(البحر الرائق،باب سجود التلاوة،قبیل باب المسافر: ۲۲۵/۲،انیس)

اس نے نہیں کیا تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ سجدہ کرلے۔سجدۂ تلاوت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہتا ہوا سجدے میں چلا جائے،سجدے میں تین بار ''سبحان ربی الاعلیٰ'' پڑھے اور تکبیر کہتا ہوا اٹھ جائے،بس سجدۂ تلاوت ہوگیا۔ (۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۲۳۷)

ایک ہی آیت سجدہ کو ایک مجلس،یا مختلف مجلسوں میں پڑھنے،یا سننے پر سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: خالد سجدہ کی ایک آیت کو ایک ہی جگہ بیٹھ کر بار بار پڑھتا رہا اور زاہد بھی اس کی تلاوت کو ایک ہی جگہ بیٹھ کر سنتا رہا اور ناصر اسی آیت کو مختلف مجلسوں میں سنتا رہا۔دوسری صورت یہ ہے کہ سالم مختلف مجلس میں ایک ہی آیت کی تلاوت کرتا رہا اور ماجد ایک جگہ بیٹھ کر سنتا رہا تو ان تمام صورتوں میں کتنے سجدے واجب ہوں گے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر مجلس بھی ایک ہو اور آیت بھی ایک تو اس آیت کے بار بار پڑھنے،یا سننے سے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر ایک ہی سجدہ واجب ہوتا ہے اور اگر مجلس ایک ہو اور آیت مختلف ہو،یا مجلس مختلف ہو اور آیت ایک تو جتنی مرتبہ آیت سجدہ کی تلاوت کی جائے،اتنے سجدے واجب ہوتے ہیں،لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ خالد سجدہ کی ایک ہی آیت کو ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھتا رہا اور زاہد بھی ایک ہی مجلس میں اس کو سنتا رہا تو ایسی صورت میں خالد اور زاہد دونوں پر ایک ہی سجدہ واجب ہوگا،البتہ ناصر جس نے اسی ایک آیت کو مختلف مجلسوں میں بار بار سنا تو جتنی مرتبہ اس نے مجلس بدل کر آیت سجدہ سنی ہے،اتنے سجدے اس پر واجب ہوئے اور سالم نے جتنی مرتبہ مجلس بدل کر آیت سجدہ کی تلاوت کی ہے،اتنے سجدے اس پر واجب ہوئے اور چوں کہ ماجد نے ایک ہی مجلس میں سنا ہے؛اس لیے اس پر صرف ایک سجدہ واجب ہوا۔

''ومن حكم هذه السجدة التداخل حتىٰ يكتفى فى حق التا لى بسجدة واحدة وإن اجتمع فى حقه التلاو ة والسماع وشرط التداخل اتحاد الآية واتحاد المجلس حتىٰ لو اختلف المجلس واتحدت الآية أو اتحد المجلس واختلفت الآية لا تتداخل كذا فى المحيط،ولو تبدّل مجلس السامع دون التالى يتكرر الوجوب عليه ولو تبدّل مجلس التالى دون السامع يتكرر الوجوب عليه لا على السامع على قول أكثر المشائخ وبه نأخذ،كذا فى العتابية''. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی،۶/۱۲/۱۴۱۶ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۸۹-۴۹۰)

---

(۱) فإذا أراد السجود كبر ولا يرفع يديه و سجد ثم كبر ورفع رأسه و لا تشهد عليه ولا سلام كذا فى الهداية ويقول فى سجوده:سبحان ربى الأعلىٰ ثلاثا.(الفتاویٰ الهندية،الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة: ۱/۱۳۵،وأيضا فى البحر: ۲/۱۳۷)

(۲) الفتاوى الهندية،الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة: ۱/۱۳٤

غیر نمازی سے نمازی کے آیت سجدہ سننے کا حکم:

سوال: خارج نماز کے کوئی شخص قرآن شریف پڑھتا ہو اور نمازی سجدہ سنے تو اس پر واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

ہوگا، خارج صلوٰۃ کے بعد فراغ صلوٰۃ۔(۱)

فی الفتاویٰ الهندية: ولو سمع المصلی من أجنبی يسجد بعد الفراغ ولو سجد فی الصلاة لا يجزيه ولا تفسد صلاته، كذا فی التهذيب، هو الصحيح، كذافی الخلاصة. (۸۵/۱)(۱)

۲۵؍رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۳۱۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۵۵۳/۱)

مصلی، غیر مصلی سے آیت سجدہ سن لے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، یا نہیں:

سوال: زاہد مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور خالد قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں خالد نے آیت سجدہ کی تلاوت بلند آواز سے کی اور زاہد نے نماز کی حالت میں سن لیا تو ایسی صورت میں زاہد پر سجدۂ تلاوت لازم ہے، یا نہیں؟ اور اگر ہے تو نماز کے اندر، یا باہر؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر کوئی شخص نماز میں مشغول ہو اور دوسرا شخص باہر سے آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو نماز پڑھنے والے پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، البتہ اس کی ادائیگی نماز کے بعد ہے، نماز کے اندر نہیں، لہذا صورت مسئولہ میں جب کہ خالد نے نماز کے باہر بلند آواز سے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور زاہد نے اس کو نماز کے اندر سن لیا تو زاہد پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہے، البتہ سجدہ کی ادائیگی نماز کے بعد کرے گا، نہ کہ نماز کے اندر۔

(ولو سمع المصلی) السجدة (من غيره لم يسجد فيها) لأنها غير صلاتية (بل) يسجد (بعدها) لسماعها من غير محجور (ولو سجد فيها لم تجزه)... (وأعاده)... (دونها). (الدر المختار)(۳)

(قوله: ولو سمع المصلی) أی سواء كان إمامًا أو مؤتمًّا أو منفردًا وقوله: (من غيره) أی ممن ليس معه فی الصلاة سواء كان إمامًا غير إمامه أو مؤتمًّا بذلك الإمام أو منفردًا أو غير مصلّ أصلاً. (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۳/۱۲/۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۸۳/۲-۴۸۴)

---

(۱) یعنی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؛ لیکن خارج صلوٰۃ واجب ہوگا، لہذا نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرے۔ سعید احمد

(۲) الفتاویٰ الهندية، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱۳۳/۱، انيس

(۳) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب فی سجود التلاوة: ۵۵۸/۲-۵۵۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۴) رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۵۸۸/۲

امام سے غیر مقتدی کا آیت سجدہ سننے کا حکم:

سوال: سجدۂ تلاوت اگر امام پڑھے اور دوسرا نمازی نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر سجدہ واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

فی الهندية: ولو سمعها من الإمام أجنبی ليس معهم فی الصلاة ولم يدخل معهم فی الصلاة لزمه السجود، كذا فی الجوهرة النيرة، وهو الصحيح، كذا فی الهداية. سمع من إمام فدخل معه قبل أن يسجد سجد معه وإن دخل فی صلاة الإمام بعد ما سجدها الإما م لايسجدها وهٰذا إذا أدركه فی آخر تلک الركعة أما لوأدركه فی الركعة الأخرىٰ يسجدها بعد الفراغ، كذا فی الكافی وهكذا فی النهاية. (۸۵/۱)(۱)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس شخص پر سجدہ لازم تو ہوگیا؛ لیکن صرف ایک صورت میں تبعاً ادا ہوگیا۔ وہ صورت یہ ہے کہ سجدہ سننے کے بعد اور اس کے سجدہ کرنے (۲) کے بعد یہ سننے والا اس پڑھنے والے کا اسی رکعت میں مقتدی ہوگیا اور باقی سب صورتوں میں اس کو مستقل (۳) سجدہ کرنا ہوگا۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (تتمہ خامسہ: ۳۰۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۵۵۸/۱-۵۵۹)

آیت سجدہ نماز سے باہر کا آدمی بھی سن لے تو سجدہ کرے:

سوال: تراویح میں آیت سجدہ بھی آتی ہے تو ظاہر ہے کہ جو خارج صلوٰۃ ہوگا، وہ بھی سنے گا۔ کیا اس پر بھی سجدہ واجب ہے؟

الجواب

جی ہاں! اس پر بھی واجب ہوگا۔ (۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۳۸/۴)

وضو کرتے ہوئے امام سے سجدۂ تلاوت سنے:

سوال: امام صاحب نے فجر کی نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا، جو لوگ وضو کر رہے تھے، انہوں نے آیت سجدہ سن لی تو اب ایسے لوگوں کے لیے سجدۂ تلاوت کا کیا حکم ہے؟ (محمد ریاض، وجے نگر کالونی)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱۳۳/۱، انیس

(۲) یعنی امام کے سجدہ کرنے۔ سعید

(۳) یعنی خارج نماز سجدہ کرنا ہوگا۔ سعید احمد

(۴) ولو سمعها من الإمام أجنبی ليس معهم فی الصلاة ولم يدخل معهم فی الصلاة لزمه السجود، كذا فی الجوهرة النيرة هو الصحيح كذا فی الهداية. (الفتاویٰ الهندية: ۱۳۳/۱، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة)

الجواب

اگر وہ شخص سجدۂ تلاوت سے پہلے امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوجائے اور امام کے ساتھ سجدۂ تلاوت کرلے تو یہ کافی ہے اور اگر بعد میں اسی رکعت میں شریک نماز ہوا تو بھی امام کا کیا ہوا سجدۂ تلاوت اس کے لیئے کافی ہے؛ کیوں کہ وہ اس رکعت کو پانے والے کے حکم میں ہے اور اگر اس رکعت کے بعد نماز میں شرکت کی، یا شریک ہی نہیں ہوا تو وہ تنہا نماز سے باہر سجدۂ تلاوت کرے گا۔

"فإن قرأها الإمام وسمعها رجل ليس معه في الصلاة...و إن لم يدخل معه سجدها لتحقق السبب". (۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۵۶)

جس مقتدی نے آیت سجدہ نہیں سنی، اس کا حکم:

سوال: زید نماز میں اس وقت شریک ہوا، جب کہ امام صاحب آیت سجدہ پڑھ چکے تھے، یا زید صف میں پیچھے ہونے کی وجہ سے آیت سجدہ نہ سن سکا تو کیا امام کے ساتھ زید پر بھی سجدۂ تلاوت لازم ہوگا اور اس کو بھی ادا کرنا ہوگا؟

الجواب　وباللّٰه التوفيق

صورت مسئولہ میں آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد زید نماز میں شریک ہوا ہو، یا صف میں پیچھے رہنے کی وجہ سے آیت سجدہ نہ سن سکا ہو، بہر دو صورت اس پر امام کی اتباع میں سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ امام کے ساتھ وہ بھی سجدۂ تلاوت کرے گا؛ اس لیے کہ حالت نماز میں امام کی اتباع واجب ہے۔

"(أو) بشرط (الائتمام) أي الاقتداء (بمن تلاها) فإنه سبب لوجوبها أيضًا، وإن لم يسمعها ولم يحضرها للمتابعة". (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۹ر محرم ۱۴۱۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۸۶-۴۸۷)

مجمع عام میں اگر آیتِ سجدہ واعظ سے سنی جائے تو سب علاحدہ علاحدہ سجدہ کریں:

سوال: ایک واعظ نے سیکڑوں کے مجمع میں سجدہ کی آیت پڑھی، کیا سجدۂ تلاوت سب پر ضروری ہے؟ اگر ہے تو کیا واعظ سب کو باجماعت سجدہ کرا سکتا ہے؟

---

(۱) الهداية، باب سجود التلاوة: ۱/۱٤٤، ثاقب بک ڈپو دیوبند، انیس

(۲) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۵۷۷-۵۷۸، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

عن ابن عمر: أنه كان إذا وجد الإمام قد صلى بعض الصلاة صلى معه ما أدرك من الصلاة إن كان قائما قام وإن كان قاعدا قعد حتى يقضي الإمام صلاته لا يخالف في شيء من الصلاة. (موطأ الإمام مالک رواية محمد بن الحسن الشيباني، باب الرجل يسبق ببعض الصلاة، رقم الحديث: ۱۳۱، انیس)

الجواب

آیتِ سجدہ کے سننے اور پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا پڑھنے والے اور سننے والوں پر سجدہ لازم ہوگیا، علاحدہ علاحدہ سب سجدہ کریں۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۲۶)

مشین، یا پرندہ سے آیتِ سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں:

سوال: مشین، یا پرندہ کے ذریعہ اگر آیتِ سجدہ سُنی جائے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں ہے کہ پرند اور صدی سے آیتِ سجدہ سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا اور صدی حکایتِ آواز ہے، جو پہاڑ وغیرہ سے بطریق جواب صوت معلوم ہوتی ہے۔ پس اس طریق سے مشین میں سن کر بھی سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۲۵)

کیسٹ کے ذریعہ قرآن پاک پڑھنا اور سجدۂ تلاوت:

سوال: قرآن پاک صحیح پڑھنے کے لیے اگر کیسٹ چلائیں اور خود بھی قرآن مجید کھول کر ساتھ ساتھ پڑھتا ہے تو کیا ثواب ملے گا؟ دوسرے سجدہ آئے تو کیا ایک ہی سجدہ کافی ہے، یا کیسٹ سے سننے کا الگ کرے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا

اگر خود بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا، اس مجبوری سے کیسٹ چلاتا ہے اور اس کے موافق پڑھتا ہے تو ضرور ثواب ملے گا۔(۳) اور سجدہ ایک ہی کافی ہوگا۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۱۴۰۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۳۷۴-۳۷۴)

(۱) وذكر في المجتبیٰ أن الموجب للسجدة أحد ثلاثة التلاوة والسماع والإئتمام. (ردالمحتار، باب سجود التلاوة:۲/۱۰۴، دارالفكر بيروت، ظفير)

(۲) لاتجب بسماعه من الصدى والطير. (الدرالمختار) الصدى هوما يجيبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری ونحوهما. (رد المحتار، باب سجود التلاوة:۲/۱۰۸، دارالفكر بيروت، ظفير)

(۳) "عن أيوب بن موسى قال: سمعت محمد بن كعب القرظي يقول: سمعت عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ حرفا من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: الم حرف، ولكن الف حرف، ولام حرف، وميم حرف". هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه". (سنن الترمذی، باب ماجاء فيمن قرأ حرفا من القرآن ماله من الأجر:۲/۱۱۹، سعيد)

(۴) "وأما سبب وجوب السجدة، فسبب وجوبها أحد شيئين: التلاوة والسماع". (بدائع الصنائع، فصل فی بيان وجوب سجدة التلاوة:۱/۱۸۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

T.V کی تلاوت پر سجدۂ تلاوت:

سوال: بعض اوقات T.V پر قرآن کی تلاوت نشر کی جاتی ہے، اگر تلاوت کے دوران سجدۂ تلاوت آجائے تو کیا ہم کو سجدہ کرنا ضروری ہے؟　　(فہیم اسناد-فلک نما)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

T.V پر جو قرآن کی تلاوت نشر کی جاتی ہے، عام طور پر اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ ہے کہ تلاوت کو پہلے ریکارڈ کر لیا جاتا ہے، پھر اسے T.V پر نشر کیا جاتا ہے، ملحوظ رہے کہ اکثر وبیشتر ایسا ہی ہوتا ہے، ایسی صورت میں سننے والوں پر سجدۂ تلاوت نہیں۔ دوسری شکل یہ ہے کہ راست ٹیلی کاسٹ کیا جائے، اس صورت میں سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔(۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۵۷)

ٹیپ ریکارڈ، ریڈیو اور ٹیلیفون کے ذریعہ آیت سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، یا نہیں:

سوال: ٹیپ ریکارڈ، یا ریڈیو کے ذریعہ آیت سجدہ کو سنا جائے، یا اسی طرح ٹیلیفون کے ذریعہ آیت سجدہ کو سنا جائے تو سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

چوں کہ ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ متکلم کی آواز براہ راست نہیں سنی جاتی ہے؛ بلکہ اس آواز کی نقل ہوتی ہے، جس کو سننے والا سنتا ہے، جیسا کہ صدائے بازگشت میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ صدائے باز گشت سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے، لہذا ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا، البتہ ٹیلیفون میں چوں کہ بعینہ متکلم کی آواز آتی ہے؛ اس لیے اس پر آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ جہاں تک ریڈیو کا تعلق ہے تو اس میں تھوڑی تفصیل ہے، اگر متکلم کی آواز ٹیپ کر کے نہیں؛ بلکہ براہ راست نشر کی جا رہی ہے، جیسا کہ رمضان المبارک میں حرم شریف کی تراویح براہ راست ریڈیو کے ذریعہ نشر ہوتی ہے تو ایسی صورت میں سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؛ اس لیے کہ وہ بعینہ متکلم کی آواز ہے اور اگر متکلم کی آواز ٹیپ کر کے پھر نشر کی جائے، جیسا کہ عموماً قاری کی تلاوت ٹیپ کر کے ریڈیو اسٹیشن سے تلاوت نشر کی جاتی ہے تو ایسی صورت میں سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ وہ بعینہ متکلم کی آواز نہیں ہے۔

(لا) تجب (بسماعه من الصدى والطير). (الدر المختار: ۵۸۳/۲)(۲)

---

(۱)　احسن الفتاوی: ۶۵/۴

(۲)　الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس

(بشرط سماعها)فالسبب التلاوة وإن لم يوجد السماع...والسماع شرط فی حق غير التالی ... (أو)بشرط(الائتمام)أی الاقتداء (بمن تلاها)فإنه سبب لوجوبها أيضًا.(۱)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۷/محرم ۱۴۱۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۸۷-۴۸۸)

ریڈیو اور ٹیپ پر پڑھی ہوئی آیت پر سجدۂ تلاوت اور سلام کا جواب:

سوال: ٹیپ ریکارڈ یا ریڈیو میں اگر سجدۂ تلاوت کی آیت سنی جائے تو کیا سجدہ تلاوت واجب ہوگا؟ نیز مذکورہ صورتوں میں اگر سلام علیک سنا جائے تو جواب دینا بھی واجب ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

اگر قاری، یا متکلم کی قرأت وآواز کو کسی آلہ میں محفوظ کرلیا گیا تو اس میں آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں ہوگا۔ٹیپ ریکارڈ کا بھی یہی حکم ہے،اس کے سلام کا جواب بھی ضروری نہیں۔(۲)ریڈیو میں تقاضۂ احتیاط یہ ہے کہ آیت سجدہ سن کر سجدہ تلاوت کیا جائے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیا جائے، بشرطیکہ اصل آواز اس سے سنائی دے رہی ہو،کوئی ریکارڈ نہ ہو۔(۳)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۷/۵/۱۳۸۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۷/۴۷۲)

گراموفون میں قرآن شریف سننے سے سجدۂ تلاوت:

سوال: جو آیت سجدہ گراموفون میں پڑھی جائے تو کیا سامعین پر سجدہ واجب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

حوادث الفتاویٰ:ص۸۱، میں لکھا ہے کہ جو آواز اس سے نکلتی ہے وہ تلاوت نہیں بلکہ نقل اور عکس ہے تلاوت کا مشابہ صوت طیر اور صدیٰ کے، پس اس کا حکم بھی تلاوت کا سا نہ ہوگا۔ بنا بر روایت درمختار وغیرہ مثلا اس کے استماع سے سجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا،لیکن قرآن شریف کا اس میں بھرنا اور سننا منع ہے۔(۴)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،صحیح:عبد اللطیف،یکم/ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۷/۴۷۴)

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار،باب سجود التلاوة:۲/۵۷۶-۵۷۸،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) بخلاف السماع من الببغاء والصدى،فإن ذلک ليس بتلاوة،وكذا إذا سمع من المجنون؛لأن ذلک ليس بتلاوة صحيحة، لعدم أهليته،لانعدام التمييز.(بدائع الصنائع،فصل فی بيان من تجب عليه:۱/۱۸۶،دارالكتب العلمية،انيس)

(۳) وأما سبب وجوب السجدة : فسبب وجوبها أحد شيئين: التلاوة أو السماع.(بدائع الصنائع، فصل فی سبب وجوب السجدة التلاوة:۱/۱۸۰،درالكتب العلمية بيروت)

(۴) و(لا)تجب(بسماعة من الصدیٰ و الطير)ومن كل تال حرفًا ولا بالتهجی،أشباه.(الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار،باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۸،سعيد)

پرندوں سے آیت سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: طوطا، یا کسی دوسری چڑیا کو آیت سجدہ سکھلا دیا جائے اور وہ اس کو پڑھے تو اس کے پڑھنے سے سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

طوطا، یا دوسری چڑیا سے آیت سجدہ سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ صحیح اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے؛ اس لیے کہ وجوب سجدۂ تلاوت کے لئے ضروری ہے کہ کسی مکلّف شخص نے آیت سجدہ کی تلاوت کی ہو، یا اس سے دوسرے لوگوں نے سنا ہو۔

(لا) تجب (بسماعه من الصدى والطير). (الدر المختار)

(قوله والطير) هو الأصح، زيلعي وغيره، وقيل تجب، وفي الحجة هو الصحيح تاتارخانية، قلت: والأكثر على تصحيح الأول، وبه جزم في نور الإيضاح. (۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۹/۱۲/۱۴۲۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۸۳)

حائضہ، نفساء اور بچے کے لیے سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: حائضہ اور نفساء ممانعت کے باوجود آیت سجدہ کی تلاوت کرلیں یا کسی سے سن لیں، اسی طرح کوئی بچہ آیت سجدہ کی تلاوت کردے یا کسی سے سن لے تو ان تینوں پر دونوں صورتوں میں سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر ان تینوں میں سے کوئی بھی آیت سجدہ کی تلاوت کرے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ آیت سجدہ سن لیں تو ان پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بچہ، حائضہ اور نفساء اگر کسی شخص سے آیت سجدہ کو سن لیں یا خود تلاوت کریں، بہر دوصورت ان تینوں میں سے کسی پر سجدہ واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ لوگ عبادت کے اہل نہیں ہیں، البتہ اگر یہ لوگ آیت سجدہ کی تلاوت کریں تو دوسرے سننے والوں پر سجدہ واجب ہوگا، بشرطیکہ بچہ ممیّز ہو۔ اگر وہ ممیّز نہیں ہے تو اس کی تلاوت سے دوسرے سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔

(فلا تجب على كافر وصبي ومجنون وحائض ونفساء: قرؤوا أو سمعوا) لأنهم ليسوا أهلاً لها (وتجب

(۱) ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۸-۱۰۹، دارالفکر بیروت، انیس

بتلاوتهم)يعنى المذكورين(خلا المجنون المطبق)فلا تجب بتلاوته لعدم أهليته.(الدرالمختار)(۱)

(قوله: وتجب بتلاوتهم)أى وتجب علىٰ من سمعهم بسبب تلاوتهم ...(قوله: خلا المجنون) ...لايجب بالسماع من مجنون أونائم أوطير،لأن السبب سماع تلاوة صحيحة و صحتها بالتمييز،ولم يوجد،وهذا التعليل يفيد التفصيل فى الصّبى فليكن هو المعتبر إن كان مميزًا وجب بالسماع منه،وإلا فلا. (۲)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۲/۷/ ۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/ ۴۸۸۔۴۸۹)

سجدۂ تلاوت میں تاخیر کی گنجائش ہے، یا نہیں:

سوال: ایک واعظ نے دوران تقریر سجدہ کی آیت کو جہراً پڑھ دیا؛ لیکن نہ خود سجدہ کیا اور نہ حاضرین کو سجدہ کرنے کو کہا۔ گرفت کرنے سے جواب میں عذراً بیان کیا کہ مجمع عام میں زور سے سجدہ کی آیت پڑھنا مضائقہ نہیں ہے اور بشریت کو خطا اور نسیان لازم ہے؛ کیوں کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فراموشی سے گندم کھایا تھا اور اسی طرح موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام مچھلی کو بھول گئے تھے۔ آیا مقامِ عذر میں واعظ مذکور کی خطا اور نسیان کو بطور شہادت کے پیش کرنا درست ہوگا، یا نہ اور ان کا عذر شرعاً معقول ہے، یا نہیں؟

الجواب

شامی میں ہے: (قوله:يجب)أى وجوباً موسّعاً فى غير صلاة،إلخ. (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ وجوبِ سجدۂ تلاوت موسّع ہے، فی الفور واجب نہیں ہے۔ پس واعظ پر گرفت کرنا بے موقع تھا اور جب کہ گرفت کی گئی تو واعظ موصوف بھی عذر کر سکتے تھے کہ اداء سجدۂ تلاوت فی الفور واجب نہیں ہے۔ خصوصاً مجمع وعظ میں اور خطا ونسیانِ انبیا علیہم السلام کو بطورِ استشہاد پیش کرنے میں بھی کچھ ممانعت اور حرج نہیں ہے اور حدیث شریف میں بھی ایسا مضمون وارد ہوا ہے۔

عن أبى هريرة رضى الله عنه: لما خلق الله آدم ظهره فسقط من ظهره كل نسمة هو خالقها من ذريته إلىٰ يوم القيامة ...فرأى رجلاً منهم...يقال له داؤد،قال:رب كم جعلت عمره؟قال ستين سنة.قال:أى رب رده من عمرى أربعين سنة ... فنسى آدم فنسيت ذريته وخطى آدم فخطئت ذريته،هٰذا حديث حسن. (۴)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/ ۴۲۱۔۴۲۲)

---

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار،باب سجود التلاوة:۵۸۲/۲،مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) ردالمحتار،باب سجود التلاوة:۵۸۱/۲،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۳) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب سجود التلاوة:۱۰۳/۲،دارالفكر بيروت،ظفير

(۴) رواه الترمذى،أبواب التفسير،ومن سورة الأعراف: ۱۳۸/۲ ،قديمى،انيس

سجدۂ تلاوت کی تاخیر:

سوال: تاخیر سجدۂ تلاوت رواست یانہ؟

الجواب

قال في الدرالمختار: (وهي على التراخي)على المختار.(۱)

وفي الشامي: (قوله يجب)أي وجوباً موسعًا في غير صلاة الخ.(شامی)(۲)

فثبت أن الصحيح في سجدة التلاوة هوالوجوب على التراخي وإن كان الأفضل هوالأداء على الفور، كذا في الدرالمختار: "ويكره تأخيرها تنزيها"، الخ.(۳)فقط

(پس معلوم شد کہ تاخیر سجدۂ تلاوت درخارج صلوٰۃ رواست۔ظفیر)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۲۴-۴۲۵)

سجدۂ تلاوت کی تاخیر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تلاوت کے وقت آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ نہ کرے اور ہو بھی باوضو کہ بعد ختم تلاوت کرلیں گے تو اس مدت میں نہ کرنے میں گنہگار رہوگا، یانہیں؟

الجواب

نہیں؛لأن وجوبها على التراخي لكن بشرط عدم الفوت.

(تتمہ اولیٰ:۳۳)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۵۸)

سجدۂ تلاوت میں تاخیر:

سوال: سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھ کر فوری سجدہ نہیں کیا؛ بلکہ دوتین آیتوں کے بعد دور جا کر یاد آیا، اب اس نے سجدہ تلاوت کرلیا تو سجدہ تو ادا ہوگیا؛لیکن گنہگار رہوگا۔آپ سے سوال یہ ہے کہ نماز بھی ہوگئی، یانہیں؟ یا سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہوگئی، یا کیا؟اگر سجدۂ تلاوت کیا ہی نہیں، نماز کے بعد یاد آیا تو نماز ہوئی، یانہیں؟اور نماز کے اعادہ کی ضرورت ہوگی، یانہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا

اگرآیت سجدہ پڑھ کر فورا یاد نہیں آیا؛ بلکہ اس کے بعد تین آیت پڑھ کر یاد آیا اور سجدۂ تلاوت کرلیا تو سجدۂ سہو لازم

---

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،باب سجود التلاوة:۲/۱۰۹،دار الفكر بيروت،ظفير

(۲) رد المحتار، باب سجود التلاوة:۲/۱۰۳،دار الفكر بيروت،ظفير

(۳) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،باب سجود التلاوة:۱/۷۲۱،ظفير

نہیں، اگر اس سے زائد پڑھ کر یاد آیا اور پھر سجدۂ تلاوت کیا ہے تو سجدۂ سہو لازم ہے۔ اگر سجدۂ تلاوت کیا ہی نہیں تو گنہگار رہا تو بہ واستغفار لازم ہے، نماز کراہت کے ساتھ ہوگئی، اس کا اعادہ لازم نہیں۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۶۷-۴۶۸)

چار پائی پر بیٹھ کر تلاوت کرنے والا کب سجدۂ تلاوت کرے:

سوال: اگر چار پائی پر بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کررہے ہیں اور آیت سجدہ بھی دوران تلاوت آتی ہے، لہٰذا اس کے لیے سجدہ ادا کرنا فوراً ضروری ہے، یا بعد تلاوت (جتنا قرآن پڑھے) سجدے کرلیا جائے؟ صحیح طریقہ تحریر فرمائیں؟

الجواب

فورا کرلینا افضل ہے، تلاوت ختم کرکے کرنا بھی جائز ہے۔ (۲) اگر چار پائی سخت ہو کہ اس پر پیشانی دھنسے نہیں اور اس پر کپڑا بھی بچھا ہوا ہو تو چار پائی بھی سجدہ ادا ہوسکتا ہے، ورنہ نہیں۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۲۳۷)

تمام قرآن کے سجدہ ہائے تلاوت اخیر میں ایک ساتھ کرے، تو کیا حکم ہے:

سوال: قرآن شریف کے جمیع سجدۂ تلاوت کو بعد ختم قرآن ایک بار کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ویأثم بتأخرها ویقضیها ما دام فی حرمه الصلاة ولو بعد السلام ...و إذا لم یسجد،أثم فتلزمه التوبة ...(و)(تودی برکوع صلاة)إذا کان الرکوع(علی الفورمن قراء ة آیة)أو آیتین وکذا الثلاث علی الظاهر کما فی البحر(إن نواه)...(وإن لم ینو) بالإجماع". (الدالمختار). "(قوله: ویأتم بتأخیر ها الخ) لأنها وجبت بما هو من أفعال الصلاة،وهوالقراء ة وصارت من أجزاء ها،فوجب أدائها مضیقا کما فی البدائع،ولذا کان المختار وجوب سجود السهو لو تذکرها بعد محلها". (الدرالمختارمع رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۰-۱۱۲،سعید)

قال الطحطاوی:"قوله: (بأن یقرأ أکثرمن آیتین)إعلم أن الفور لاینقطع بآیة بعد آیتها،أو آیتین اتفاقًا،وینقطع بأربع اتفاقا.واختلف فی الثلاث،فقیل: ینقطع،واختاره خواهر زاده،وقیل:لا،واختاره الحلوانی،وهو أصح من جهة الروایة کما فی الحلبی". (حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، باب سجود التلاوة،ص:۴۸۷،قدیمی)

(۲) وفی مراقی الفلاح:وغیرها تجب موسعا(و)لکن (کره) تأخیره السجود عن وقت التلاوة فی الأصح إذا لم یکن مکروها،إلخ.

وفی حاشیة الطحطاوی:أی إذا لم یکن وقت التلاوة وقتا مکروها.(حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح،باب سجود التلاوة،ص: ۴۸۰، دارالکتب العلمیة بیروت،وأیضا فی الهندیة: ۱/۱۳۵، وأیضا فی البدائع، فصل فی سبب وجوب السجدة التلاوة: ۱/۱۸۰)

(۳) ولوسجد...إن استقرت جبهته وأنفه ویجد حجمه یجوز.وإن لم تستقر لا.(الفتاویٰ الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الأول فی فرائض الصلاة۱/۷۰،انیس)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

یہ بھی جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ اسی وقت کرے۔(۱) فقط

(مگر تاخیر کی گنجائش اس وقت ہے، جب نماز میں نہ ہو، نماز میں فوراً ادا کرے گا۔ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۲۷)

قرآن مجید ختم کے بعد مکمل سجدہ تلاوت ادا کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کا معمول ہے کہ جب تمام کلام مجید ختم کر لیتا ہے، تب تمام سجدے یکدم کر لیتا ہے، یہ کس طرح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

جائز ہے۔(۲) (تتمہ اولیٰ، ص:۳۳) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۵۸)

اکٹھے چودہ سجدے کرنا:

سوال: سجدۂ تلاوت کا طریقہ بتلا دیجئے، اکٹھے چودہ سجدے کس طرح کئے جاتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

سجدہ کر لینا چاہیے،(۳) چودہ سجدوں کو جمع کر لینا اچھا نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۲۳۴)

سجدۂ تلاوت جن کو ادا نہیں کیا، ان کی ادائیگی کی صورت کیا ہے:

سوال: ایک حافظ سوائے رمضان شریف کے کبھی سجدۂ تلاوت نہیں کرتا، اب وہ ان سجود کو ادا کرنا چاہتا ہے؛ مگر کفارہ کی طاقت نہیں رکھتا۔

الجواب ــــــــــــــــ

اندازہ کر کے سجدۂ تلاوت پورے کرے، روزانہ جس قدر ہو سکے سجدے۔۔۔کر لیا کرے، اس کا کفارہ یہی ہے کہ سجدے کرے۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۲۹)

---

(۱) (وهي على التراخي) على المختار ويكره تأخيرها تنزيهاً ... (إن لم تكن صلاتية) فعلى الفور لصيرورتها جزء منها ويأثم بتأخيرها ويقضيها ما دام في حرمة الصلاة ولو بعد السلام. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب سجود التلاوة:۲/۱۰۹-۱۱۰، دار الفكر بيروت، ظفیر الدین غفرلہ)

(۲) اور بہتر یہ ہے کہ جس وقت آیت سجدہ تلاوت کی ہے، اسی وقت سجدہ کر لے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جدید:۴/۴۲۷) (سعید احمد)

(۳) ولو كان عليه سجدات متعددة فعليه أن يسجد عددها وليس عليه أن يعين أن هٰذا السجدة لآية كذا هٰذه الآية. (الحلبي الكبير، القراءة خارج الصلاة:۱/۵۰۱، أيضا حاشية الطحطاوي على المراقي:۲۶۱)

(۴) (وهي على التراخي) على المختار ويكره تأخيرها تنزيهاً ... إن لم تكن صلاتية). (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب في سجود التلاوة، دار الفكر بيروت، انيس)

==

سجدۂ تلاوت کی قضا:

سوال: ایک شخص کے ذمہ سینکڑوں کی تعداد میں سجدۂ تلاوت باقی ہیں، ان کو کس طرح ادا کرے اور تلاوت کے فوراً بعد سجدہ نہ کرنا گناہ تو نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

تلاوت کے فوراً بعد سجدہ کرنا مستحب ہے، تاخیر بھی گناہ نہیں، (۱) جس کے ذمہ بہت سے سجدے ہوں، وہ بلا تعیین سجدے کرتا رہے، یہاں تک کہ اس کا دل گواہی دینے لگے کہ اب اس کے ذمہ کوئی سجدہ باقی نہیں رہا؛ اسی لیے فقہا لکھتے ہیں کہ تلاوت کے بعد فوراً سجدہ کرلیا جائے، ورنہ بھول جانے کا احتمال ہے، جس سے واجب ذمہ میں رہ جائے گا اور گنہ گار ہوگا۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۶۹-۴۷۰)

جو سجدے چھوٹ گئے، ان کا کیا کروں:

سوال: قرآن مجید میں جو سجدے آتے ہیں، وہ بالکل اسی طرح کرتے ہیں، جس طرح نماز میں سجدے کرتے ہیں؟ مجھے پہلے معلوم نہیں تھا؛ اس لیے میں نے جتنے سپارے پڑھے، یا قرآن خوانی میں گئی، کبھی سجدے نہ کئے۔ مہربانی

== وفی ردالمحتار: حتّٰی لو أداها بعد مدة كان مؤديًا اتفاقاً لا قاضياً ... لو تراخى كان أداءً مع أن المرجح أنه على الفور ويأثم بتأخيره. (رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۱/۷۲۱، ظفير)

(ضمیمہ: اس سوال کے جواب میں لکھا ہوا تھا ”روزانہ جس قدر ہو سکے سجدہ بہ نیت قضا کرلیا کرے“۔

اس جملہ میں ”بہ نیت قضا کرلیا کرے“ سے چوں کہ یہ ایہام پیدا ہو سکتا تھا کہ سجدۂ تلاوت کے ادا کرنے میں تاخیر کرنے سے قضا ہو جاتا ہے، حالاں کہ مسئلہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت اگر تاخیر سے ادا کیا جائے، تب بھی ادا ہوگا، قضا نہیں ہوگا، جیسا کہ حاشیہ کی عبارت ”حتى لو أداها بعد مدة كان مؤديًا اتفاقاً لا قاضياً“. (حاشية الطحطاوي على المراقي، باب في سجود التلاوة، ص: ۴۸۰، قديمي، انيس) سے واضح ہے؛ اس لیے ”بہ نیت قضا“ کو حذف کر کے عبارت اس طرح کردی گئی ہے ”روزانہ جس قدر ہو سکے، سجدے کرلیا کرے“۔ (محمد امین، ضمیمہ، ص: ۱۵)

(۱) ”وقوله: على التراخي عند محمد، إلخ) الذي في النهر عكس ماهنا، حيث جعل القول بالفورية قول محمد والقول بالتراخي قول أبي يوسف، قال: وينبغي أن تكون ثمرته في الإثم وعدمه، حتّٰى لو أداها بعد مدة كان مؤديا اتفاقا لا قاضيا، أفاده السيد“. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، باب سجود التلاوة، ص: ۴۷۹-۴۸۰، قديمي، انيس)

(۲) ”وهو): أي سجود التلاوة (واجب)... (على التراخي) عند محمد، ورواية عن الإمام، وهو المختار، وعند أبي يوسف، وهو رواية عن الإمام يجب على الفور (إن لم تكن)... (في الصلاة)... ولكن كره تأخيره): السجود عن وقت التلاوة في الأصح إذا لم يكن مكروها؛ لأنه بطول الزمان فدينساها فيكره تأخيرها“. (مراقي الفلاح، باب سجود التلاوة، ص: ۴۷۰-۴۸۰، قديمي. انيس)

فرما کر بتائیے کہ اب وہ سجدے جن کی تعداد کا بھی مجھے پتا نہیں کیا کروں؟ اور سجدے نمازوں میں سجدوں ہی کی طرح ہیں، یا کوئی اور طریقہ ہے؟

الجواب

سوچ کر اندازہ کر لیجئے کہ اتنے سجدے آپ کے ذمے ہوں گے، ان کو ادا کر لیجئے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۳۴/۴)

فوت شدہ سجدۂ تلاوت یاد نہ ہوں:

سوال: لڑکے اور لڑکیاں جب قرآن شریف حفظ کرتے ہیں تو بے شمار دفعہ آیت سجدہ کی تلات کرتے ہیں اور سجدۂ تلاوت کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے، اب یاد بھی نہیں کہ کتنے سجدۂ تلاوت رہ گئے ہیں، ایسی صورت میں اس کو فوت شدہ سجدۂ تلاوت کس طرح ادا کرنا چاہیے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ شب قدر میں تلاوت کر لینے سے سال بھر کے چھوٹے ہوئے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ شب قدر میں عبادت کا اجر بڑھ جاتا ہے؟

(حافظہ صفورہ آفرین، رین بازار)

الجواب

آیت سجدہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر ایک ہی آیت سجدہ ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھی جائے، جیسا کہ عام طور پر حفظ کرنے والے طلبہ پڑھتے ہیں تو ایک ہی سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، اگر ایک سے زیادہ آیات سجدہ تلاوت کی گئیں، یا ایک ہی آیت کو کئی مجلسوں میں تلاوت کیا گیا تو ایسی صورت میں سجدۂ تلاوت کا تکرار واجب ہو جاتا ہے۔(۲) اس اصول کو ذہن میں رکھا جائے تو سجدۂ تلاوت کی مقدار کا اندازہ کرنے میں آسانی ہوگی، بہر حال اگر قطعی تعداد یاد نہ ہو تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ غالب گمان پر عمل کرے اور اس کے باوجود جو سجدے رہ گئے ہوں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلب گار ہو۔ شب قدر میں جو عمل کیا جاتا ہے، اس سے عمل کی تعداد اور مقدار میں اضافہ نہیں ہوتا؛ بلکہ اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے؛ اس لیے ایسا نہیں ہے کہ شب قدر میں ایک نماز، یا ایک سجدہ کئی واجب الاداء نمازوں، یا سجدوں کے لیے کافی ہو جائے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۵۵/۲-۴۵۶)

میت کے ذمہ سجدۂ تلاوت:

سوال: اگر کسی کے ذمہ سجدۂ تلاوت ہوں اور وہ مرجائے تو ان کا کفارہ کیا دیا جاوے؟

(۱) وأداء ها ليس على الفور حتى لو أداها في أي وقت كان يكون مؤديا لا قاضيا. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱۳۵/۱، انيس)

(۲) مراقی الفلاح، ص: ۲۶۹

الجواب

کچھ نہیں، اس کے لیے استغفار کیا جاوے۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۵۹)

سجدۂ تلاوت کی شرائط:

سوال: کیا سجدۂ تلاوت کے لیے بھی انہیں تمام شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے، جو نماز کے سجدے کے لیے ضروری ہیں (جگہ کا پاک ہونا، کعبہ کی طرف منہ ہونا وغیرہ)؟

الجواب

جی ہاں! تمام کی شرائط سجدۂ تلاوت کے لیے بھی ضروری ہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۲۳۱)

سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کی شرائط:

سوال: جمعہ کو محلّہ میں ختم قرآن کے موقع پر میری نظر ایک شخص پر پڑی، جو کہ سجدے میں پڑا ہے، میں سمجھا یہ عصر کی نماز پڑھ رہا ہے اور یہ سمجھا کہ یہ شخص شاید سمت قبلہ سے واقف نہیں؛ کیوں کہ وہ قبلے سے مخالف؛ یعنی مشرق کی طرف سجدہ کر رہا تھا، میں نے قریب بیٹھے لوگوں سے اس کی سمت قبلہ نہ ہونے کی طرف توجہ دلائی، چوں کہ وہ نماز نہیں پڑھ رہا تھا؛ بلکہ ''سجدے تلاوت'' کر رہا تھا، خود بھی فوراً بول اٹھا کہ میں تو سجدہ تلاوت کر رہا تھا اور یہ جس سمت میں بھی ادا کیا جائے، صحیح ہے اور قبلے کا تعین اور قبلے کو منہ نہ کر کے بھی ادا ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ ایک اور شخص نے بھی اس کی تائید کر دی کہ ہاں سجدۂ تلاوت ہر طرف جائز ہے اور قبلے کی طرف منہ نہ بھی ہو تو ادا ہو جاتا ہے۔ آپ بتائیں کہ صحیح مسئلہ کیا ہے؟

الجواب

سجدۂ تلاوت کے جواز کے لیے بھی وہی شرائط ہیں، جو نماز کے لیے شرط ہیں؛ یعنی بدن کا پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، ستر کا چھپانا، قبلہ رخ ہونا، استقبال قبلہ کے بغیر سجدۂ تلاوت ادا نہیں ہوتا۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۲۳۱)

---

(۱) فكل ما هو شرط جواز الصلاة من طهارة الحديث وهي الوضوء والغسل...فهو شرط جواز السجدة، لأنها جزء من أجزاء الصلاة،إلخ.(بدائع الصنائع: ١٨٦/١)

وشرطها الطهارة عن الحدث والخبث ولا يجوز لها اليتم بلا عذر،واستقبال القبلة وستر العورة.(مراقی الفلاح علیٰ حاشية الطحطاوی،باب سجود التلاوة،ص: ٤٧٩،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

(۲) فإذا قرأ آية السجدة ...فإنه يجب عليه أن يسجد بشرائط الصلاة إلا التحريمة سجدة بين تكبيرتين مستجبتين،إلخ.(الحلبی الكبير: ٤٩٨/١)

لايجوز لأحد أداء فريضة ولا نافلة ولا سجدة تلاوة ولا صلاة جنازة إلا متوجها إلىٰ القبلة.(الفتاویٰ الهندية، الفصل الثالث فی استقبال القبلة: ٦٣/١،انيس)

==

بلا وضو سجدۂ تلاوت درست نہیں:

سوال: اگر کسی شخص نے بلا وضو آیتِ سجدہ پڑھی تو سجدۂ تلاوت کرے، یا نہ؟

الجواب

بعد میں وضو کر کے سجدہ کرے۔ فقط (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴/۴۲۷-۴۲۸)

بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت:

سوال: قرآن کی تلاوت کے درمیان اگر کوئی شخص آیت سجدہ پر سجدہ کرنا بھول جائے اور کچھ مصروفیت کے بعد یاد آجائے تو بغیر وضو کے یہ سجدہ تلاوت کرسکتا ہے، یا نہیں؟ (محمد عبدالرشید، بشارت نگر)

الجواب

بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس وقت آیت سجدہ پڑھیں، اسی وقت سجدہ تلاوت کرلیں؛ تاہم اگر اس وقت سجدہ کرنا بھول جائیں تو جو آیت سجدہ نماز سے باہر پڑھی گئی ہو، اس کی نسبت سے واجب ہونے والا سجدہ ذمہ میں باقی رہتا ہے اور جب بھی موقع ملے، اس سجدہ کو ادا کر لینا ضروری ہے؛ لیکن بہر صورت سجدہ تلاوت کے لیے وضو ہونا ضروری ہے، بغیر وضو کے سجدہ کرنا نہ جائز ہے اور نہ کافی؛ کیوں کہ سجدہ نماز کا جزء اعظم ہے، لہذا جو حکم نماز کا ہے، وہی حکم سجدہ کا بھی ہے۔

"لأنها جزء من أجزاء الصلاة فكانت معتبرة بسجدات الصلاة". (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۵۳)

قِلّت وقت کی بنا پر تیمّم سے آیت سجدہ ادا کر سکتے ہیں، یا نہیں:

سوال: خالد نے پانی پر قدرت نہ ہونے، یا دیگر شرعی مجبوری کی وجہ سے تیمّم کر کے قرآن کریم کی تلاوت کی اور آیت سجدہ بھی پڑھ ڈالی تو کیا وہ شخص اسی تیمّم سے سجدۂ تلاوت کرسکتا ہے، یا بعد میں وضو کر کے ہی سجدۂ تلاوت ادا کرنا ہوگا؟ اسی طرح زاہد پر سجدۂ تلاوت اس وقت واجب ہوا، جب کہ سورج نکلنے ہی والا تھا۔ اگر وہ وضو کر کے سجدۂ تلاوت

== (فكل ماهو شرط جواز الصلاة من طهارة الحدث وهي الوضوء والغسل...فهو شرط جواز السجدة،لأنها جزء من أجزاء الصلاة،إلخ.(بدائع الصنائع،فصل وأما شرائط الجواز ،إلخ: ۱/۱۸٦)

وشرطها الطهارة عن الحدث والخبث ولايجوز لها التيم بلا عذرٍ واستقبال القبلة وستر العورة.(مراقى الفلاح علىٰ حاشية الطحطاوى،باب سجود التلاوة،ص:٤٧٩،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

(۱) کیوں کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے اور بلا وضو سجدۂ تلاوت کی اجازت نہیں۔ ظفیر

وشرائط هٰذه السجدة شرائط الصلاة إلا التحريمة.(الفتاوىٰ الهندية،الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة: ۱/۱۳٥،ظفير)

(۲) بدائع الصنائع،فصل وأما شرائط الجواز: ۱/۱۸٦،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

کرتا ہے تو سورج نکلنے کا اندیشہ ہے تو کیا ایسی صورت میں زاہد تیمّم کر کے سجدۂ تلاوت ادا کرسکتا ہے؟ جیسا کہ نماز جنازہ کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو پانی رہتے ہوئے بھی تیمّم کر کے نماز جنازہ میں شریک ہوجانے کی گنجائش ہے۔

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جب کہ پانی پر قدرت نہ ہونے، یا کسی شرعی عذر کی بنا پر خالد نے تیمّم کر کے آیت سجدہ کی تلاوت کی تو وہ اسی تیمّم سے سجدۂ تلاوت بھی ادا کرسکتا ہے؛ اس لیے کہ اس صورت میں اس کا تیمّم وضو کے قائم مقام ہوگا، اس سے نماز بھی پڑھ سکتا ہے، قرآن چھو بھی سکتا ہے اور سجدۂ تلاوت بھی ادا کرسکتا ہے۔

البتہ پانی پر قدرت کے باوجود محض وقت کے نکل جانے کے اندیشہ سے نماز جنازہ پر قیاس کرتے ہوئے تیمّم کر کے سجدۂ تلاوت ادا نہیں کرسکتا ہے؛ اس لیے کہ سجدۂ تلاوت کا وجوب علی الفور نہیں ہے؛ بلکہ علی التراخی ہے۔ سورج نکلنے کے بعد بھی وجوب کی ادائیگی ہوسکتی ہے، اس کے برخلاف اگر نماز جنازہ فوت ہوجائے تو اس کا بدل نہیں ہے۔

”لایجوز أداؤها بالتیمم، إلا أن لایجد ماء، لأن شرط صیرورة التیمم طهارة حال وجود الماء خشیة الفوت ولم توجد، لأن وجوبها علی التراخی“. (۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۶/۱۲/۱۴۱۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۹۰-۴۹۱)

سجدۂ تلاوت کرنے کا مستحب طریقہ:

سوال: زید سجدۂ تلاوت اس طرح ادا کرتا ہے، اول قیام کر کے اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جاتا ہے اور **سبحان ربی الأعلی** تین بار کہہ کر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پھر اللہ اکبر کہتا ہوا دوسرے سجدے کے لیے جاتا ہے، اسی طرح زید اپنے ذمہ دس بارہ سجدے ساتھ ہی ادا کرتا ہے، اب زید بکر (۲) کو کہتا ہے کہ اس طرح سجدے کرنا کسرت ہے؛ یعنی اٹھک بیٹھک کرنا ہے تو بکر از روئے شرع ملزم ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

قیام سے سجدہ میں جانا اور پھر قیام کرنا واجب نہیں۔ فقہا نے مستحب لکھا ہے؛ اس لیے نہ اس کے وجوب کا اعتقاد کرے اور نہ استہزا کرے۔ (۳) فقط

۲۵/ جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۳۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۵۶)

---

(۱) **ردالمحتار، باب فی سجود التلاوة: ۲/۵۷۹، مکتبة زکریا دیوبند، انیس**

(۲) **کذا فی الأصل والصحیح: ”بکر زید کو، الخ“ والدلیل قوله ”تو بکر از روئے شرع ملزم ہے، یا نہیں؟“**

(۳) یہ سوال کی مذکور غلطی پر مبنی ہے، ورنہ زید جو درحقیقت مذکور طریقہ کے مطابق سجدۂ تلاوت کرتا ہے، وہ استہزا کرنے والا نہیں ہے؛ بلکہ بکر استہزا کرتا ہے اور حکم وہی ہے کہ استہزا جائز نہیں ہے۔ سعید

سجدۂ تلاوت سے پہلے اور پیچھے قیام کرنے کی دلیل:

سوال: بہشتی زیور حصہ دُوم، سجدۂ تلاوت کے بیان میں یہ مسئلہ ہے: ''کھڑے ہوکر اول اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جاوے، پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جاوے'' تو عمرو اس مسئلہ کی حدیث طلب کرتا ہے، سو یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب

کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری؛ مگر احکام شرعیہ جس طرح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں، اسی طرح قیاس سے بھی جس میں نص نہ ہو اور اس میں گو نص نہیں؛ مگر قیاسا علی المنصوص اس کو ثابت کہہ سکتے ہیں؛ یعنی اس ہیئت سے اس کو مشابہ سجود صلوٰۃ کے قرار دیکر اقرب الی التعظیم سمجھا گیا ہے، پھر خود اس (۱) ہیئت کے بعض اجزا میں اختلاف بھی ہے، چناں چہ عدم تکبیر مطلقاً اور تکبیر لمحض الوضع اور لمحض الرفع ونفی قیام ثانی یہ سب اقوال بھی منقول (۲) ہیں؛ مگر تکبیر میں ظاہر الراویۃ اور قیاس ماخوذ و معمول ہے۔ فقط

۲۵/جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۳۶) (امداد الفتاویٰ جدید ج ا ص ۵۵۷-۵۵۸)

سجدۂ تلاوت کے لیے تکبیر کا مسئلہ:

سوال: تلاوت کلام مجید کے سجدہ کرتے وقت اللہ اکبر کہے، یا نہیں؟

الجواب

اللہ اکبر کہہ کر جانا چاہیے اور اللہ اکبر کہہ کر اٹھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۵۷)

متعدد سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ:

سوال: سجدۂ تلاوت کے اگر کئی سجدے کرنے ہوں تو ایک مرتبہ بیٹھ کر ان سب کو ادا کر لینے چاہئیں، یا بار بار کھڑے ہو ہو کر علاحدہ علاحدہ ادا کرے اور کانوں تک بھی ہاتھ لے جاوے، یا نہیں؟

الجواب

اگر ایک ہی مرتبہ بیٹھ کر ان سب کو ادا کر لے تو یوں بھی جائز ہے؛ مگر ہاں (۳) بہتر یہی ہے کہ بار بار کھڑے ہو ہو کر علاحدہ علاحدہ ادا کرے اور ہاتھ کانوں تک لے جانا کچھ ضروری نہیں۔

(امداد: ۱/۳۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۵۸)

---

(۱) یعنی یہ ہیئت مذکورہ جس میں یہ اجزا ہیں، قیام تکبیر سجدہ کو جاتے ہوئے تکبیر سجدہ سے اٹھتے ہوئے قیام ثانی۔

(۲) یعنی بعض فقہا کے اقوال

(۳) میرے نزدیک بہتر ہونے کی کوئی وجہ نہیں؛ کیوں کہ مطلوب سجدہ ہے اور قیام کسی درجہ میں مطلوب نہیں، پس اس کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ (تصحیح الاغلاط: ۷)

بیٹھ کر آیتِ سجدہ پڑھی تو سجدہ بیٹھ کر کر سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: اگر سجدۂ تلاوت بیٹھ کر پڑھے تو سجدہ بیٹھ کر ہی کرے، یا کھڑے ہو کر؟

الجواب

کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ کھڑا ہو کر سجدہ کرے اور سجدہ کر کے کھڑا ہو جاوے؛ (۱) لیکن اگر بیٹھے ہوئے سجدۂ تلاوت کرے، تب بھی کچھ حرج نہیں۔ (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۲۷-۴۲۸)

کیا سجدۂ تلاوت سپارے پر بغیر قبلہ رخ کر سکتے ہیں:

سوال: سجدۂ تلاوت قرآن پاک، کیا اسی وقت کرنا چاہیے، جس وقت ہی اس کو پڑھیں، یا پھر دیر سے بھی کر سکتے ہیں؟ اور کیا سپارے پر سجدہ کر سکتے ہیں، جب کہ سامنے قبلہ نہ ہو؟ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ قرآن پاک پڑھنے کے بعد کہتے ہیں کہ ایک انسان چودہ سجدے کرے۔ آیا یہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

سجدۂ تلاوت فوراً کرنا افضل ہے؛ لیکن ضروری نہیں، بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے اور قرآن کریم ختم کر کے سارے سجدے کر لے تو بھی صحیح ہے؛ لیکن اتنی تأخیر اچھی نہیں۔ (۳) کیا خبر کہ قرآن ختم کرنے سے پہلے انتقال ہو جائے اور سجدے جو کہ واجب ہیں، اس کے ذمہ رہ جائیں؟ سپارے پر سجدہ نہیں ہوتا، قبلہ رخ ہو کر زمین پر سجدہ کرنا چاہیے، سپارے کے اوپر سجدہ کرنا قرآن کریم کی بے ادبی بھی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۲۳۳-۲۳۴)

بعد نماز صبح، قبل طلوع آفتاب اور بوقت زوال اور بعد نماز عصر سجدۂ تلاوت جائز ہے، یا نہیں:

سوال: صبح کی نماز کے بعد قبل طلوع آفتاب اور بوقت زوال اور بعد نماز عصر قبل غروب آفتاب سجدۂ تلاوت جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) جس حالت میں بھی قرأت کی ہو۔ ظفیر

(۲) والمستحب أنه إذا أراد أن يسجد للتلاوة يقوم ثم يسجد وإذا رفع رأسه من السجود يقوم ثم يقعد كذا في الظهيرية. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۵، ظفير)

(۳) وفي التجنيس وهل يكره تأخيرها عن وقت القراءة؟ ذكر في بعض المواضع أنه إذا قرأها في الصلاة فتأخيرها مكروه وإن قرأها خارج الصلاة لا يكره تأخيرها وذكر الطحاوي أن تأخيرها مكروه مطلقا وهو الأصح وهي كراهة تنزيهية في غير الصلاتية، لأنها لو كانت تحريمية لكان وجوبها على الفور وليس كذلك. (البحر الرائق، باب سجود التلاوة: ۲/۲۱۱، دار الكتب العمية، بيروت لبنا، انيس)

الجواب

جائز ہے، کما فی الدر المختار: (لا) یکرہ (قضاء فائتة و) لو وترًا أو (سجدة تلاوة أو صلاة جنازة). (۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۲۵)

سجدۂ تلاوت کا وقت:

سوال: ہم عصر کے وقت قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، اس میں آیت سجدہ آ جائے تو اس وقت کو سجدہ کرنا مکروہ ہے تو کیا ہم بعد میں سجدہ کر سکتے ہیں؟ اور اگر ہم قرآن ختم کرنے کے بعد پورے سجدے ایک ساتھ کریں تو کیا یہ صورت درست ہوگی؟ (فوزیہ جبیں، جگتیال)

الجواب

(الف) عصر کے بعد نفل نمازوں کی ممانعت ہے، نہ کہ فرائض و واجبات کی، سجدہ تلاوت چوں کہ واجب ہے؛ اس لیے عصر کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے، (۱) ہاں! جب سورج نکل رہا ہو، ڈوب رہا ہو، یا نصف آسمان پر ہو تو ان اوقات میں فرض نمازوں کا پڑھنا بھی ممنوع ہے، اگر ان مکروہ اوقات میں قرآن کی تلاوت کی گئی اور اس میں آیت سجدہ آ گئی تو مکروہ وقت ہونے کے باوجود اسی وقت سجدہ تلاوت کر لینا جائز ہے۔

" لو تلاها فی أوقات مکروهة فسجد فی هذه الأوقات جاز". (۳)

البتہ بہتر ہے کہ مکروہ اوقات نکلنے کے بعد سجدہ کرے، (۴) البتہ غیر مکروہ اوقات میں تلاوت کی گئی ہو تو مکروہ اوقات میں سجدۂ تلاوت کافی نہیں۔

(ب) بہتر طریقہ یہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد جلد سے جلد سجدہ کر لیا جائے؛ لیکن چوں کہ عمر بھر میں کبھی بھی سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے؛ اس لیے اگر قرآن مکمل کرنے کے بعد ایک دفعہ سجدے کر لیے جائیں تو یہ بھی درست ہے۔

"فوقتها جمیع العمر لأن وجوبها علی التراخی". (۵) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۵۱، ۴۵۲)

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، قبیل باب الأذان: ۱/۳۷۵، دار الفکر بیروت، ظفیر

(۲) تسعة أوقات یکره فیها النوافل وما فی معناها لا الفرائض... فیجوز فیها قضاء الفائتة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة. (الفتاوی الهندیة، الباب الأول فی المواقیت ومایتصل بها، الفصل الثالث فی بیان الأوقات التی لایجوز فیها الصلاة وتکره فیها: ۱/۵۲، انیس)

(۳) الفتاوی الهندیة، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱/۱۳۵، انیس

(۴) إذا وجبت صلاة الجنازة وسجدة التلاوة فی وقت مباح وأخرتا إلی هٰذا الوقت فإنه لایجوز قطعاً. أما لو وجبتا فی هٰذا الوقت وأدیتا فیه جاز، لأنها أدیت ناقصة کما وجبت. (الفتاوی الهندیة، الباب الأول فی المواقیت ومایتصل بها فی الفصل الثالث فی بیان الأوقات التی لا تجوز فیها الصلاة وتکره فیها: ۱/۵۲، انیس)

(۵) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی بیان وقت أدائها: ۱/۱۹۱، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

سجدۂ تلاوت وسجدۂ شکر کس وقت کرنی چاہئیں:

سوال: سجدہ تلاوت اور سجدۂ شکر وغیرہ کی وضاحت کردیجئے گا کہ یہ کس وقت کرنے چاہئیں؟ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ فجر کی نماز کے بعد ظہر تک کوئی سجدہ نہیں کرسکتے، اسی طرح عصر کی نماز کے بعد کوئی سجدہ کرسکتے، جب تک کہ مغرب کی نماز نہ پڑھ لی جائے۔ برائے مہربانی جواب وضاحت سے دیجئے گا؟

الجواب

تین اوقات مکروہ ہیں: طلوع کا وقت سورج کے بلند ہونے تک، غروب کا وقت اور اس سے پہلے تقریباً پندرہ بیس منٹ، دوپہر کا وقت، ان تین اوقات میں سجدہ تلاوت ممنوع ہے، باقی تمام اوقات میں جائز ہے، سجدۂ شکر بھی ان تین اوقات کے علاوہ جائز ہے؛ مگر لوگوں کے سامنے نہ کیا جائے۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۳۶/۴)

صبح وعصر کے بعد کا سجدہ:

سوال: صبح وعصر کی نماز کے بعد کیا صرف سجدہ کرنا بھی حرام ہے؟

الجواب

سجدۂ تلاوت وغیرہ درست ہے۔ نماز نفل پڑھنا اس وقت مکروہ ہے۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۲۷/۴-۴۲۸)

نماز صبح کے بعد سجدۂ تلاوت ادا کرنا جائز ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء)

سوال: صبح کی نماز ختم کرنے کے بعد جب کہ سورج نکلنے میں پندرہ منٹ باقی ہیں، سجدہ تلاوت جو ایک روز پہلے، یا کسی وقت گزشتہ میں واجب ہو چکا ہے۔ ادا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ثلاث ساعات لاتجوز فيها المكتوبة ولاصلوة الجنازة ولاسجدة التلاوة: إذا طلعت الشمس حتىٰ ترتفع، وعند الإنتصاف إلىٰ أن تزول، وعند احمرارها إلىٰ أن تغيب إلا عصر يومه. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الأول في المواقيت وما يتصل بها، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة، ۵۲/۱، انيس)

ويكره أن يسجد شكرًا بعد الصلاة في الوقت الذي يكره فيه النفل ولايكره في غيره. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۳۰/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وسجدة الشكر: مستحبة، به يفتىٰ، لكنها تكره بعد الصلاة لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۵۹۷/۲-۵۹۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتىٰ تطلع الشمس وبعد العصر حتىٰ تغرب... ولابأس بأن يصلي في هٰذين الوقتين الفوائت ويسجد للتلاوة ويصلي على الجنازة. (الهداية، باب المواقيت: ۶۹/۱-۷۰، ثاقب بك دبو ديوبند، ظفير)

الجواب

صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے سجدۂ تلاوت کر لینا جائز ہے خواہ پہلے کا واجب ہو یا اسی وقت آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہو۔(۱)

نوٹ از واصف:

مذکورۂ بالا فتوے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر امام نے رکوع میں جاتے وقت سجدہ تلاوت کی بھی نیت کر لی تو پوری جماعت کا سجدۂ تلاوت ادا ہو گیا، یہ خیال صحیح نہیں۔

ایسا واقعہ راقم الحروف کے ساتھ بھی محلّہ کی مسجد میں تراویح کے موقع پر پیش آیا تھا، امام نے آیہ سجدہ پڑھ کر رکوع کیا، پھر نماز پوری کی، سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں نے کہا کہ آپ سجدۂ تلاوت بھول گئے اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا۔ امام نے کہا کہ میں نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی تھی، یہ مسئلہ یوں بھی ہے، لوگ خاموش ہو گئے۔

راقم الحروف نے گھر میں حضرت والد ماجدؒ سے واقعہ بیان کر کے مسئلہ دریافت کیا، فرمایا کہ ہاں رکوع میں سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے، جن لوگوں نے رکوع میں جاتے وقت سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی تھی، ان کا سجدۂ تلاوت ادا ہو گیا۔

میں نے عرض کیا کہ مقتدیوں نے اور خود میں نے سجدۂ تلاوت کی نیت نہیں کی تھی اور مسئلہ کسی کو معلوم بھی نہیں تھا، مقتدیوں نے سمجھا کہ امام سجدۂ تلاوت کرنا بھول گیا، فرمایا کہ سجدۂ تلاوت کی نیت کرنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے، تنہا امام کی نیت مقتدیوں کے لیے کافی نہیں۔

پس امام کو چاہیے کہ کوئی ایسا کام نہ کرے، جس سے عام ناواقفیت کی وجہ سے ذہنی انتشار پیدا ہو جائے اور مقتدیوں کا نقصان ہو جائے اور اگر کرنا ہی ہو تو نیت باندھنے سے پہلے جماعت کو آگاہ کر دے۔

احقر حفیظ الرحمان واصف عفی عنہ، ۹/اپریل ۱۹۸۳ء۔ (کفایت المفتی: ۴۱۵/۳)

فجر کے بعد سجدۂ تلاوت:

سوال: تلاوت قرآن کے درمیان آیت سجدہ آجائے؛ مگر وقت مناسب نہ ہو، جیسے فجر کی نماز کے بعد کا وقت تو کیا ایسے وقت تلاوت کو روک دیں، یا اس آیت کے آنے کے باوجود تلاوت کو جاری رکھیں؟ (محمد امجد حسین، مشیر آباد)

الجواب

اولاً تو نماز سے باہر سجدہ کی تلاوت کے فوراً بعد سجدۂ تلاوت واجب نہیں، بعد میں بھی سجدہ کیا جا سکتا ہے، دوسرے

(۱) (لا) یکره (قضاء فائتة و) لو وترًا (وسجدة تلاوة وصلاة جنازة). (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة: ۳۷۵/۱، ط: سعید)

طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کے وقت تو فرائض ونوافل دونوں طرح کی نمازیں مکروہ ہیں، اس لئے سجدۂ تلاوت بھی مکروہ ہے، لیکن بعد نماز فجر تا طلوع آفتاب اور بعد نماز عصر سے آفتاب زرد ہونے تک صرف نفل نمازیں مکروہ ہیں، فرض وواجب نمازیں اور سجدۂ تلاوت (جو واجب ہے) کے ادا کرنے میں حرج نہیں۔

"فيجوز فيها قضاء الفائتة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة". (۱)

پس فجر کے بعد آیت سجدہ کی تلاوت اور سجدہ کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۵۴-۴۵۵)

اوقات ممنوعہ میں سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کے وقت سجدۂ تلاوت کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مکروہ تحریمی ہے۔(وكره) تحريمًا ... (صلاة) ... (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلاً أو (على جنازة وسجدة تلاوة وسهو)...(مع شروق)...(واستواء)...(وغروب إلا عصر يومه). (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۳/۷/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۸۲)

مکروہ اوقات میں سجدۂ تلاوت:

سوال: تلاوت کے درمیان سجدۂ تلاوت کی آیت آجائے؛ مگر وقت مناسب نہ ہو، جیسے فجر کی نماز کے بعد کا وقت تو کیا اس وقت سجدۂ تلاوت کیا جاسکتا ہے، یا اس وقت تلاوت ہی روک دی جائے؟ (سید محمد امجد حسین، مشیر آباد)

الجواب ــــــــــــــــ

مکروہ اوقات کل پانچ ہیں، ان میں تین اوقات تو وہ ہیں جن میں فرائض ونوافل دونوں کی کراہت ہے اور وہ ہے: طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف نہار کا وقت، ان اوقات میں سجدہ تلاوت بھی مکروہ ہے۔ (۳)

ان اوقات میں تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ آجائے تو تلاوت جاری رکھے اور بعد میں سجدہ ادا کرلے؛ کیوں کہ نماز سے باہر آیت سجدہ پڑھنے کی صورت میں فوراً سجدہ واجب نہیں ہوتا، دو اوقات وہ ہیں، جن میں نوافل مکروہ ہیں، نہ کہ فرائض وواجبات اور وہ ہیں: نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کا وقت اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کا وقت، ان اوقات میں سجدۂ تلاوت کیا جاسکتا ہے۔

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة: ۱/۵۲، انیس

(۲) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة: ۲/۳۰-۳۲

(۳) الهداية: ۱/۲۶

”لا بأس بأن يصلی في هذين الوقتين الفوائت ويسجد للتلاوة“. (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۵۰)

سجدۂ تلاوت کی اطلاع:

سوال: امام کو پہلے سے یہ کہنا کہ میں فلاں رکعت میں سجدۂ تلاوت کروں گا، ہوشیار رہو۔ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴/۴۲۹)

نماز میں آیت سجدہ پڑھی، تو کیا کرنا چاہیے:

سوال: اگر نماز میں کسی نے آیت سجدہ کی پڑھی تو سجدہ کس وقت کرنا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

بہتر یہ ہے کہ اسی وقت سجدہ کرے، جس وقت آیتِ سجدہ پڑھے اور فقہا نے لکھا ہے کہ اگر بعد میں یاد آیا اور اس وقت کیا تو سجدۂ سہو لازم ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴/۴۲۴)

نماز میں سورۂ انشقاق پڑھی جائے تو سجدۂ تلاوت ضروری ہے، یا نہیں:

سوال: فرضوں میں سورۂ اقرأ، سورۂ انشقاق؛ یعنی سجدہ والی سورت ارادۃً پڑھنی کیسی ہے؟ اور ان کے پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

سورۂ انشقاق میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ کیا جاوے اور بعد سجدہ کے سورت پوری کر کے رکوع کریں، البتہ اگر آیت سجدہ قرأت ختم کر دی جاوے تو تلاوت کا سجدہ مستقلاً کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ نماز کا سجدہ ہی اس کی طرف سے کافی ہو جاوے گا؛ مگر ایسا کرنا بہتر نہیں ہے؛ کیوں کہ سورت کو درمیان میں چھوڑ دینا خلاف اولی ہے۔ ہاں اگر سورۂ علق وغیرہ (جن کے بالکل اخیر میں آیت سجدہ ہے، یا آیت سجدہ کے بعد ایک یا دو ہی آیت ہوں، پڑھ کر اگر سجدۂ تلاوت نہ کیا

(۱) الهداية، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان: ۱/۷۰

(۲) ولو تلاها في الصلاة سجدها فيها لا خارجها. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۰، دار الفكر بيروت، انيس)

” أما لو سهوًا وتذكرها ولو بعد السلام قبل أن يفعل منافيا يأتي بها ويسجد للسهو“. (رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۰، دار الفكر بيروت، انيس)

”ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذكرها بعد محلها“. (أيضًا: ۲/۱۱۰، دار الفكر بيروت، ظفير)

جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں نماز کا سجدہ کرنے سے سجدۂ تلاوت خود بخود ادا ہو جاوے گا۔

تنبیہ: اس صورت اخیرہ میں اگر رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لے کہ اس سجدۂ تلاوت کی طرف سے بھی یہ رکوع کرتا ہوں، تب بھی سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے؛ لیکن امام کو ایسا نہ کرنا؛ کیوں کہ اگر اس نے رکوع میں نیت کر لی اور مقتدیوں کو پتہ نہ لگا، اس واسطے انہوں نے نیت نہ کی تو ان کے ذمہ سجدۂ تلاوت باقی رہ جاوے گا۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم، ۱۴/ ربیع ۴۲؁ ۱۳۴۲ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ۔ (امداد الاحکام: ۳۰۷/۲)

رکوع میں نیت کر لینے سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے، یا نہیں:

سوال: اگر امام، یا منفرد نے نمازِ فرض، یا تراویح و تہجد وغیرہ میں سورۂ اعراف، یا سورۂ نجم، یا سورۂ علق، یا اور کوئی ایسا رکوع جس میں آیتِ سجدہ تھی، پڑھی اور بجائے سجدۂ تلاوت، رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی تو امام و مقتدیوں کا سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟ علیٰ ہذا آیتِ سجدہ کے بعد دو چار آیتیں پڑھ کر امام نے رکوع کیا اور سجدۂ تلاوت کی بھی نیت کر لی تو یہ بھی درست ہے، یا نہیں؟ سورۂ بنی اسرائیل، آیتِ سجدہ کے بعد دو آیتوں پر اور سورۂ انشقاق، آیت سجدہ کے بعد چار آیتوں پر ختم ہوتی ہیں، پس ختم سورۂ مذکورہ کے بعد رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینے سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاوے گا، یا نہیں؟

الجواب

اگر آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد فوراً یا دو تین آیت پڑھ کر رکوع کیا اور اس میں نیت سجدۂ تلاوت کی کر لی، تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جاوے گا، (۱) اور مقتدیوں کی بھی نیت کرنے کی ضرورت ہے، بدون نیت کے ان کے ذمہ سے سجدۂ تلاوت ادا نہ ہوگا، (۲) اور تین آیت سے زیادہ میں فوریت منقطع ہو جاتی ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۲۳/۴)

---

(۱) تؤدی (برکوع صلاۃ) إذا کان الرکوع (علی الفور من قراءۃ آیۃ) أو آیتین وکذا الثلاث علی الظاهر، کما فی البحر، (إن نواہ) أی کون الرکوع (لسجود) التلاوۃ علی الراجح. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب فی سجود التلاوۃ: ۵۸۶/۲-۵۸۷، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس)

وفی الإمداد: الاحتیاط قول شیخ الإسلام خواهرزادہ بانقطاع الفور بالثلاث و قال شمس الأئمۃ الحلوانی: لا ینقطع ما لم یقرأ أکثر من ثلاث. وقال الکمال بن الهمام: وقول الحلوانی هو الروایۃ، آہ. (رد المحتار، باب سجود التلاوۃ: ۵۸۷/۲، ظفیر)

(۲) و لو نواها فی رکوعه ولم ینوها المؤتم لم تجزہ. (الدر المختار) (قوله: لم تجزہ) أی لم تجز نیۃ الإمام المؤتم ولا تندرج فی سجودہ وإن نواها المؤتم فیه لأنه لما نواها الإمام فی رکوعه تعین لها... وفی القهستانی: واختلفوا فی أن نیۃ الإمام کافیۃ کما فی الکافی. فلو لم ینو المقتدی لا ینوب علیٰ رأی فیسجد بعد سلام الإمام ویعید القعدۃ الأخیرۃ، کما فی المنیۃ. (الدر المختار مع رد المحتار، باب فی سجود التلاوۃ: ۱۱۲/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۳) لا ینقطع ما لم یقرأ أکثر من ثلاث. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ظفیر)

رکوع میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کا ثبوت حدیث موقوف سے:

سوال: سجدۂ تلاوت رکوع سے ادا ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اگر ادا ہوجاتا ہے تو کسی حدیث سے ثبوت ہے، یا نہیں؟ دونوں مسئلوں کے متعلق حدیث شریف، یا کم ازکم اس کتاب کا نام جس میں یہ حدیث مذکور ہے، مع حوالہ باب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب

فی فتح الباری المصری(٢/٤٥٧):واستدل بعض الحنفية من مشروعية السجود عند قوله ﴿وخرراكعًا وأناب﴾ بأن الركوع عندها ينوب عن السجود فإن شاء المصلی ركع بها وإن شاء سجد، ثم طرده فی جميع سجدات التلاوة وبه قال ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه،آه.(۱)

ولم أرحديثا مرفوعا فيه مع التتبع وقول الصحابی حجة عند الإمام الأعظم ويقدم علی القياس.

۲۲/صفر۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ:۲۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۵۳-۵۵۴)

نماز کے رکوع وسجدے میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کے احکام:

سوال: اگر کوئی شخص آیت سجدہ پڑھتے ہی فی الفور رکوع کرے اور اس کے بعد بہ ترتیب تمام ارکان نماز ادا کرے تو اس رکوع میں سجدۂ تلاوت بھی ادا ہوجائے گا، یا نہیں؟ اور اگر فی الفور سجدہ نہ کرے؛ بلکہ آیت سجدہ کے ساتھ اور بھی چند آیتیں ملالیوے اور اس کے بعد رکوع کر کے بہ ترتیب تمام ارکان ادا کرے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الدرالمختار:(و)تؤدی (بركوع صلاة)إذا كان الركوع(علی الفورمن قراءة آية)أو آيتين وكذا الثلاث علی الظاهركما فی البحر(إن نواه)أی كون الركوع(لسجود)التلاوة علی الراجح وتؤدی (بسجودها كذلک)أی علی الفور(وإن لم ينو)بالإجماع ولونواها فی ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه،إلخ.

فی رد المحتار:(قوله:علی الفور، إلخ)فلوانقطع الفورلابد لها من سجود خاص بها مادام فی حرمة الصلاة...(قوله علی الظاهر)...لكن فی البحرعن المجتبی:أن الركوع ينوب عنها بشرط النية وأن لايفصل بثلاث إلا إذا كانت الثلاث من آخرالسورة،آه.(۲)

---

(۱) فتح الباری،قوله: باب سجدة النجم:٢/٥٥٣،مكتبة شاملة،انيس

(۲) الدرالمختارمع ردالمحتار،باب فی سجود التلاوة:٢/١١١-١١٢،دارالفكر بيروت،انيس

ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے:

(۱) فی الفور رکوع صلوٰۃ کرنے سے سجدۂ تلاوت اس وقت ادا ہوگا، جب کہ اس رکوع میں اس سجدہ کے ادا ہونے کی نیت بھی کرے، اگر نیت نہ کی تو ادا نہ ہوگا اور مقتدی کا ادا نہ ہوگا۔

(۲) اگر امام نے نیت کرلی اور مقتدی نے نہ کی تو امام کا ادا ہوگا اور مقتدی کا ادا نہ ہوگا۔

(۲) اگر فی الفور رکوع نہ کیا اور پھر رکوع مع نیت سجدہ کے کیا تو اگر وہ سجدہ ختم سورت کے قریب ہے، جیسے سورۂ انشقاق میں، یا سورہ بنی اسرائیل میں ہے تو یہ بھی حکم فور ہی میں ہے اور اگر وسط سورت میں ہے تو فور نہ رہے گا اور اس رکوع میں ادا نہ ہوگا۔

(۴) اگر رکوع میں نیت نہیں کی تو سجدۂ صلوٰۃ میں خود ادا ہو جائے گا، خواہ اس میں نیت کرے، یا نیت نہ کرے؛ مگر فور شرط ہے۔

(۵) فور کے معنی یہ ہیں کہ آیت سجدہ کے بعد ایک دو آیت سے زیادہ نہ پڑھے، اس سے سب سوالات کا جواب ہوگیا۔

۲۱ر جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ: ۱۴۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۵۴-۵۵۵)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب نے فرضوں کی جماعت میں سجدہ کی آیت پڑھی، پھر ترنت رکوع کو چلا گیا، پھر رکوع میں جاکر سجدۂ تلاوت کی بھی نیت کرلی، اس طرح پر سجدۂ تلاوت ادا ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ پھر نماز میں کس قدر خلل ہوا۔ بہشتی زیور حصہ دوم، ص: ۷۷ میں اس طرح درج ہے: ''سجدہ کی آیت پڑھ کر اگر ترنت رکوع کو چلی جاوے اور رکوع میں یہ نیت کرے کہ میں سجدۂ تلاوت کی جگہ بھی یہی رکوع کرتی ہوں، تب بھی وہ سجدہ ادا ہو جاوے گا''۔ کیا یہ حکم عورتوں کے لیے ہے، یا امام کا بھی فرضوں میں اسی طرح ادا ہوسکتا ہے؟

الجواب

اس طرح پر سجدۂ تلاوت ادا ہو جاوے گا؛ لیکن چوں کہ رکوع میں ادا ہونے کے لیے نیت بھی شرط ہے اور امام کی نیت کا ذکر سائل نے کیا ہے تو امام کا سجدہ تو ادا ہو جاوے گا؛ لیکن مقتدیوں میں سے جو نیت کرے گا، اس کا سجدہ تو ادا ہوگا اور جو نیت نہ کرے گا، اس کا سجدہ ادا نہ ہوگا اور اگر رکوع میں نیت نہ کرے تو سجدۂ نماز میں سب کا سجدۂ تلاوت بلا نیت بھی ادا ہو جاوے گا، بشرطیکہ آیت سجدہ پڑھ کر فورا رکوع میں چلا گیا ہو؛ اس لیے بہتر یہی ہے کہ رکوع میں نیت نہ کرے۔

۱۶ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ: ۱۸۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۵۵)

---

(۱) یعنی پھر نماز ہی میں ادا کرنا ہوگا؛ کیوں کہ جو سجدہ نماز میں واجب ہوتا ہے، وہ خارج نماز ادا نہیں ہوتا اور ترک واجب سے گناہ ہوتا ہے (جس کا کفارہ صرف استغفار ہے)، سجدہ کرنا ہوگا۔

نماز میں سجدۂ تلاوت کے بجائے رکوع کا کافی ہوجانا اور اس کی شرائط:

سوال: سجدۂ تلاوت کی بجائے نماز میں رکوع کافی ہے اور سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد بلا کچھ آگے قرأت کئے ہوئے رکوع جائز ہے؟

الجواب

نماز میں سجدۂ تلاوت کے بجائے رکوع کافی ہے، بشرطیکہ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت بھی کرلے اور سجدۂ نماز میں بدون نیت کے بھی کافی ہے؛ مگر رکوع وسجود صلوٰۃ اسی وقت سجدۂ تلاوت کے بجائے کافی ہیں؛ جبکہ آیت سجدہ کے بعد فوراً، یا ایک دو آیت پڑھ کر رکوع کردے، اگر سجدہ کی آیت کے بعد تین آیتیں پڑھ کر رکوع کیا تو سجدۂ تلاوت ادا نہ ہوگا اور سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد بدون کچھ آگے قرأت کئے رکوع کردینا مکروہ ہے اور ظاہر کراہت تحریمہ ہے۔

قال فی مراقی الفلاح: (ویجزی عنها) أی عن سجدة التلاوة (رکوع الصلاة إن نواها) أی نوی أداء ها فیه نص علیه محمد... ویجزی عنها أیضا (سجودها) أی سجود الصلاة (وإن لم ینوها) أی التلاوية (إذا لم ینقطع فور التلاوة) وانقطاعه بأن یقرأ أکثر من آیتین بعد آیة سجدة التلاوة بالإجماع ... قال الکمال إن قول شمس الأئمة الحلوانی هو الروایة، آه. (۱)

وفی المراقی أیضا: وإذا کانت آیة السجدة آخر تلاوته ینبغی أن یقرأ، ولو آیتین من سورة أخرٰی بعد قیامه منها حتی لا یصیر بانیا الرکوع علی السجود ولو رکوع بمجرد قیامه منها کره، آه. (۲)

قال: أطلق فی الکراهة وظاهره التحریم ویحرر، آه. (ص: ۲۸۲، مع الطحطاوی) (۳)

۲۴ شعبان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۲/۳۰۰-۳۰۱)

سجدۂ تلاوت رکوع سے ادا ہوجائے گا:

سوال: زید نے تراویح پڑھاتے ہوئے آیت سجدہ کو پڑھ کر فوراً ہی رکوع کیا اور سجدۂ تلاوت کو سجدۂ نماز میں ادا کیا تو سجدۂ تلاوت بھی ہوگیا، یا نہیں؟ یعنی زید کا یہ عمل جائز ہے، یا ناجائز ہے؟ اگر سجدۂ تلاوت کو سجدۂ نماز میں ادا کرنا ناجائز خیال کرتے ہیں تو وہاں سجدۂ تلاوت کو مستقل کرنا بہتر ہے، یا سجدہ نماز میں ادا کرنا بہتر ہے؟

(المستفتی: ۲۰۷۲ محمود علی صاحب (سہارنپور) ۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ، ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء)

---

(۱) مراقی الفلاح علیٰ حاشیة الطحطاوی، باب سجود التلاوة، ص: ۴۸۶-۴۸۷، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس
وقال ط: و الأول أصح من جهة الدرایة لأنه أحوط، کما ذکره المؤلف.

(۲) مراقی الفلاح علیٰ حاشیة الطحطاوی، باب سجود التلاوة، ص: ۴۸۶، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

(۳) حاشیة الطحطاوی، باب سجود التلاوة، ص: ۴۸۶، دار الکتب العملیة بیروت، انیس

الجواب ـــــــــــــــــــ

آیت سجدہ پڑھ کر رکوع میں چلے جانے اور سجدۂ تلاوت کی نیت کر لینے سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے، (۱) لوگوں کو مسئلہ معلوم نہ ہو تو ان کو دریافت کر لینا چاہیے، خواہ مخواہ امام کے خلاف طوفان بپا کرنا کوئی دانشمندی نہیں، ناواقفیت اور جہالت اپنی اور اعتراض امام پر یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ امام بھی سجدۂ تلاوت مستقل طور پر ادا کر لے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۱۵)

سجدۂ تلاوت کے بجائے رکوع:

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں سورۃ العلق پڑھ لے، جس کی آخری آیت میں سجدۂ تلاوت ہے تو اس کو پہلے سجدۂ تلاوت کر کے پھر حالت قیام میں آنے کے بعد رکوع کرنا چاہیے، یا رکوع کرنا ہی اس کے لیے کافی ہوگا؟

(محمد عبد العظیم، کمہار واری)

الجواب ـــــــــــــــــــ

بہتر صورت تو یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کر کے کھڑا ہو، پھر رکوع میں جائے، اس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے؛ تاہم اگر رکوع میں چلا جائے اور اسی میں سجدۂ تلاوت کی نیت بھی کر لے تو حنفیہ کے نزدیک یہ رکوع سجدۂ تلاوت کے لیے بھی کافی ہو جائے گا۔

"لولم يسجد وركع ونوى السجدة يجزيه قياسًا، وبه نأخذ". (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۵۲-۴۵۳)

آیت سجدہ پر رکوع، سجدہ کر لینے سے سجدۂ تلاوت ادا ہوگا، یا نہیں:

سوال: تراویح باجماعت کی نماز میں امام صاحب یہ بتلانا بھول گئے کہ سجدۂ تلاوت ہے، ٹھیک وقت پر خیال آیا اور نماز ہی کی حالت میں سجدۂ نماز میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی، کیا اس صورت میں امام اور مقتدی کا سجدۂ تلاوت ادا ہو گیا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

آیت سجدہ پڑھنے کے دو، تین آیت کے بعد، یا سورہ کے آخری حصے میں آیت سجدہ تھی تو سورہ مکمل کرنے کے بعد

---

(۱) (و) تؤدى (بركوع صلاة) إذا كان الركوع (على الفور من قراءة آية)... (إن نواه) أي كون الركوع (لسجود التلاوة على الراجح، إلخ. (التنوير وشرحه، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۱-۱۱۲، دار الفكر بيروت، سعيد)

(۲) الفتاوى الهندية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۳، ابيس

فوراً رکوع وسجدہ کرلیا گیا اور امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت نہیں کی تو ایسی صورت میں نماز والا سجدہ، سجدۂ تلاوت کی جانب سے کافی ہوجائے گا اور امام ومقتدی سب کا سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا۔

وفي الإمداد: الاحتياط قول شيخ الإسلام خواهرزاده بانقطاع الفوربالثلاث،وقال شمس الأئمة الحلواني:لاينقطع ما لم يقرأ أكثرمن ثلاث،وقال الكمال بن الهمام:وقول الحلواني هو الرواية، آه، قلت:وصرح في شرح المنية بأنه الأصح رواية،فإن محمدًا نص على أنه إذا بقي بعد السجدة آيات من آخرالسورة:أي كسورة الانشقاق وسورة بني إسرائيل إن شاء ختم السورة و ركع لها،وإن شاء سجد لها ثم قام فأكمل السورة ثم ركع، آه.(۱)

نعم لوركع وسجد لها فورًا ناب بلا نية. (الدرالمختار)

(قوله:نعم لوركع وسجد لها)أي للصلاة فورًا ناب:أي سجود المقتدي عن سجود التلاوة بلا نية تبعًا لسجود إمامه لما مرّ آنفًا أنها تؤدى بسجود الصلاة فورًا وإن لم ينو،والظاهرأن المقصود بهذا الاستدراك التنبيه علىٰ أنه ينبغي للإمام أن لاينويها في الركوع،لأنه إذا لم ينوها فيه و نواها في السجود أولم ينوها أصلاً لا شيء على المؤتم،لأن السجود هوالأصل فيها، بخلاف الركوع،فإذا نواها الإمام فيه ولم ينوها المؤتم لم يجزه. (۲)واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللّٰہ قاسمی، ۲۵/۱۲/۱۴۰۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۸۴-۴۸۵)

---

(۱) ردالمحتار،كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة:۲/۵۸۷،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) ردالمحتار،باب في سجود التلاوة:۲/۵۸۸،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے امداد الفتاویٰ حضرت تھانوی کے حسب ذیل فتوی کا مطالعہ کیا جائے:

في الدرالمختار:(و)تؤدى(بركوع صلاة)إذا كان الركوع(على الفورمن قراءة آية)أو آيتين وكذا الثلاث على الظاهر كما في البحر(إن نواه)أي كون الركوع(لسجود)التلاوة على الراجح(و)تؤدى(بسجودها كذلك)أي على الفور(وإن لم ينو)بالإجماع ولونواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه.(الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار، باب سجود التلاوة:۱/۱۱۱-۱۱۲،دارالفكر بيروت،انيس)

في ردالمحتار(قوله:على الظاهر كما في البحر)...لكن في البحرعن المجتبى:أن الركوع ينوب عنها بشرط النية،و أن لايفصل بثلاث إلا إذا كانت الثلاث من آخرالسورة.(ردالمحتار،باب سجود التلاوة:۲/۱۱۱،دارالفكر بيروت،انيس)

ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے:

(۱) فی الفور رکوع صلوٰۃ کرنے سے سجدۂ تلاوت اس وقت ادا ہوگا، جب کہ اس رکوع میں اس سجدہ کے ادا ہونے کی نیت بھی کرے، اگر نیت نہ کی تو ادا نہ ہوگا اور مقتدی کا ادا نہ ہوگا۔

(۲) اگر امام نے نیت کر لی اور مقتدی نے نہ کی تو امام کا ادا ہوگا اور مقتدی کا ادا نہ ہوگا۔ ==

بھول کر سجدۂ تلاوت کی بجائے رکوع کرنا:

سوال: سجدۂ تلاوت کرنا ہے اور بھول کر رکوع کرلیا تو اب کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اگر نماز میں آیت سجدہ تلاوت کر کے قصداً، یا بھول کر رکوع میں چلا گیا اور اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی، یا اس میں نیت نہیں کی؛ بلکہ حسب معمول رکوع کے بعد سجدہ کیا اور اس میں تلاوت کی نیت کی، یا اس میں نیت نہیں کی، بہر صورت سجدۂ تلاوت ادا ہوگیا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۶۳-۴۶۴)

آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا، آگے یاد نہ تھا تو کیا کرے:

سوال: زید حافظ ہے، زید نے نماز پڑھی اور آیتِ سجدہ تلاوت میں آئی، فوراً سجدۂ تلاوت کیا۔ بعد سجدہ کے پھر کھڑا ہوا؛ مگر اس کو آگے قرآن شریف یاد نہیں آیا، زید نے سجدۂ تلاوت کرتے وقت رکوع بھی نہیں کیا، لاعلمی یا بھول سے۔ آیا زید سجدۂ تلاوت سے اٹھ کر رکوع کرے، یا کیا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

ایسی حالت میں کہ نماز میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کی اور آگے کچھ نہیں پڑھتا ہے تو رکوع ہی میں نیتِ سجدہ کی کرلینے سے سجدۂ تلاوت ادا ہوجاتا ہے اور اگر اس نے سجدۂ تلاوت کیا تو بہتر یہ ہے کہ اٹھ کر چند آیات پڑھ کر پھر رکوع کرے اور اگر اٹھ کر کھڑا ہو کر فوراً رکوع میں چلا جاوے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے، نماز صحیح ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۲۶)

== (۳) اگر فی الفور رکوع نہ کیا اور پھر رکوع مع نیت سجدہ ختم سورت کے قریب ہے جیسے سورہ انشقاق یا سورہ بنی اسرئیل میں ہے تو یہ بھی حکم فور ہی ہے اور اگر وسط سورت میں ہے تو فور نہ رہے گا اور اس رکوع میں ادا نہ ہوگا۔

(۴) اگر رکوع میں نیت نہیں کی تو سجدۂ صلاۃ میں ادا ہوجائے گا، خواہ اس میں نیت کرے یا نیت نہ کرے، مگر فور شرط ہے۔

(۵) فور کے معنی یہ ہیں کہ آیت سجدہ کے بعد ایک، دو آیت سے زیادہ نہ پڑھے)(امداد الفتاویٰ: ۱/۵۵۴،۵۵۵)

(۱) (و)تؤدی(برکوع وسجود فی الصلاة) ... (لها)،(وتؤدی برکوع صلاة ...علی الفور) ...(إن نواه) ... (وبسجودها کذلک)...(وإن لم ینوبالإجماع).(الدر المختار،باب سجود السهو،: ۲/۱۱۱، دار الفکر بیروت،سعید)

(۲) (تؤدی برکوع وسجود)غیر رکوع الصلاة وسجودها(فی الصلاة وکذا فی خارجها ینوب عنها الرکوع). (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار،باب سجود التلاوة: ۱/۱۱۱،دار الفکر بیروت،انیس)

قال فی الحلیة: والأصل فی أدائها السجود وهو أفضل ولو رکع لها علی الفور جاز و إلا ّلا،آه، أی وإن فات الفور لا یصح ...وفی الحلیة:ثم إذا سجد أو رکع لها علیٰ حدة فورًا یعود إلی القیام ویستحب أن لا یعقبه بالرکوع بل یقرأ آیتین أو ثلاثاً فصاعدًا ثم یرکع.(رد المحتار،باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۱،دار الفکر بیروت،ظفیر)

نماز میں اگر سجدۂ تلاوت بھول جائے تو کیا کرے:

سوال: اگر نماز میں سجدۂ تلاوت بھول جائے اور دوسری رکعت میں یاد آوے، تو کس طریق سے ادا کرے؟

الجواب

اگر سجدۂ تلاوت اس رکعت میں کرنا بھول گیا جس میں سجدہ کی آیت پڑھی تھی، تو دوسری تیسری رکعت میں جب یاد آوے، کرلے اور پھر سجدۂ سہو کرے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۲۴)

نماز میں سجدۂ تلاوت کو مقام سے مؤخر کرنے کا حکم:

سوال: اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ نہ کرے؛ بلکہ ایک دو آیت بعد کرلے تو نماز میں نقصان آئے گا، یا نہیں؟

الجواب

نماز میں سجدۂ تلاوت کو مقام تلاوت سے مؤخر کرنے میں اقوال مختلف ہیں، بعض نے مکروہ لکھا ہے اور بعض نے بلا کراہت جائز کہا ہے، بشرطیکہ نماز ہی میں سجدہ ادا کردے اور شبہ بالصواب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ جتنی تاخیر سے فوریت منقطع نہ ہو(۲)، اتنی تاخیر کا مضائقہ نہیں اور جس تاخیر سے فوریت منقطع ہوجائے، وہ مکروہ ہے۔

قال في نور الإيضاح وشرحه:(وهو)...(واجب)...(على التراخي)...(إن لم تكن) وجبت بتلاوته (في الصلاة)لأنها صارت جزءً من الصلاة لايقضى خارجها فتجب فورية فيها وفي غيرها تجب موسعا،آه.(ص:۲۷۸)(۳)

قال الطحطاوي:(قوله فتجب فورية)حتى لوأطال التلاوة تصيرقضاء ويأثم فيكره تحريما تأخير الصلاتية عن وقت القراء ة،أفاده في الشرح وهٰذا اينافي ما أبداه في حاشية الدرر من قوله ويجوز أن يقال تجب الصلاتية موسعا بالنسبة لمحلها كما لوتلاها في أول صلاته وسجدها في آخرها،آه.(۴)

وفي نور الإيضاح أيضا مع الشرح:(ويجزى عنها)أى عن سجدة التلاوة (ركوع الصلاة إن نواها) ... (وسجودها)...(وإن لم ينوها)...(إذا لم ينقطع فور التلاوة)وانقطاعه(بأن يقرأ أكثر من

---

(۱) المصلي إذا نسي سجدة التلاوة في موضعها ثم ذكرها في الركوع أو السجود أوفي القعود فإنه يخرّلها ساجدًا ثم يعود إلٰى ماكان فيه ويعيده استحساناً وإن لم يعد جازت صلاته، كذا في الظهيرية في فصل السهو.(الفتاوٰى الهندية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة : ۱۳۲/۱)

(۲) وهو قدر آيتين أوثلاث،كما سياتي

(۳) مراقي الفلاح،كتاب الصلاة،باب سجود التلاوة،ص:۴۷۹،انيس

(۴) حاشية الطحطاوي،باب سجود التلاوة،ص:۴۸۰،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

آيتين)بعد آية السجدة التلاوة بالإجماع وقال شمس الأئمة الحلواني... هو الرواية،آه.(۱)

قال الطحطاوي:واعلم أن الفور لاينقطع بآية و آيتين اتفاقا وينقطع بأربع اتفاقا واختلف في الثلاث فقيل ينقطع واختاره خواهرزاده وقيل لا واختاره الحلواني وهوأصح من جهة الرواية كما في الحلبي والأول أصح من جهة الدراية لأنه أحوط،آه.(ص:۲۸۲)(۲)

قلت:إنما كان التأخير مكروها لوجوب السجدة فورية فيها فإذا لم ينقطع الفوربآية و آيتين اتفاقا وبثلث اختلافا لم يوجد علته لا كراهة والله أعلم ثم رأيت الشامي صرح بما فهمته نقلا عن الحلية بما لفظه:فإن كانت صلاتية فعلى الفور،ح، ثم تفسير الفورعدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراءة أكثرمن آيتين أوثلث،كما سيأتي،حلية،آه.(۸۰٦/۱)

پس سجدۂ تلاوت کوقیام سجدہ سے بقدر ایک دوآیت کے مؤخر کرنے سے نماز میں نقصان نہ آئے گا اور بقدر تین آیت کے مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے، گوخلاف احتیاط ہے اور بقدر چار آیت، یا زائد کے موخر کردیا تو اگر عمداً کیا تو اس سے توبہ کرے اور نماز میں نقصان رہا اور نماز کا اعادہ اس لیے واجب نہیں کہ اس واجب فوت شدہ کی تلافی نہیں ہوسکتی اور اگر سہواً اتنی تاخیر ہوئی تو اخیر میں سجدۂ سہو لازم ہے۔

صرح بوجوبها الشامي ط في(۷۷٤/۱)باب سجود السهو)نقلاً عن الخلاصة قال و صححه في الولوالجية أيضا.

۱۸/رمضان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام:۲/۳۰۱-۳۰۲)

عیدین میں دوسری رکعت میں قرأت میں سجدۂ تلاوت اداہوجائے گا،یاتکبیرات رکعت ثانیہ کافصل مانع ہے:

سوال: سجدۂ تلاوت صلوٰتیہ کا مسئلہ ہدایہ میں تو ہے نہیں؛ مگر مجھے یہ یاد ہے کہ ختم آیت سجدہ پر اگر نیت کرے تو رکوع میں تداخل ہوجاتا ہے اور بلانیت کے سجدہ صلوٰۃ میں تداخل درست نہ ہوگا؛ بلکہ سجدۂ تلاوت علاحدہ ادا کرنا ہوگا، اس میں یہ دریافت طلب ہے کہ صلوٰۃ عیدین میں اگر رکعت ثانیہ میں آیت سجدہ پر قرأت ختم کرے تو سجدہ کا تداخل (بہ نیت) رکوع میں اور (بلانیت) سجدہ صلوٰۃ میں ہوجائے گا، یا نہیں؟ وجہ شبہ یہ ہے کہ آیت سجدہ اور رکوع میں تکبیرات زوائد نے فاصلہ کردیا۔

الجواب

قال في مراقي الفلاح:(ويجزئ عنها)...(ركوع الصلاة إن نواها)...وينبغي ذلك للإمام

(۱) مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي،باب سجود التلاوة،٤٨٦-٤٨٧،دارالكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة،باب سجود التلاوة،ص:٤٨٧،انيس

مع كثرة القوم...(و)يجزئى عنهاأيضاً(سجودها)...(وإن لم ينوها)...(إذا لم ينقطع فور التلاوة وانقطاعها بأن يقرأ أكثرمن آيتين ... وقال الحلواني:لاينقطع الفورما لم يقرأ أكثرمن ثلٰث آيات وقال الكمال: إن قول الشمس الأئمة وهوالرواية،آه.(ص:۲۸۲،ملخصا)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بقدر آیتین ، یا ثلث آیات کے... فصل سے فور منقطع نہیں ہوتا اور تکبیرات ثلث عید آیتین کے برابر اور تین آیات سے کم ہیں؛ اس لیے صلوٰۃ عید کی رکعت ثانیہ میں بھی آیت سجدہ پر قرأت ختم کر کے رکوع ، یا سجدہ میں سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا۔

۲۲رشعبان ۱۳۴۶ھ (امدادالاحکام:۳۰۴/۲)☆

نماز کے بعد سجدہ کرنا:

سوال: آج کل بعضے آدمی جب نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو دونوں کف دست چت کر کے، یا بغیر اس کے سر بسجو د ہوتے ہیں اور دعا کرتے اور گڑ اگڑ اتے ہیں، سند اور دلیل میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب راحت فرماتے تھے، اتفاق سے شب برأت تھی، تھوڑی رات کے بعد جو میں جاگی ، دیکھتی ہوں کہ آپ بستر پر نہیں ہیں تو میں آپ کو تلاش کرنے کے واسطے نکلی، اس خیال سے کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے گھر گئے ہوں گے اور میں نے سب گھروں میں تلاش کیا، کہیں آپ کا پتہ نہ لگا، آخرش میں جنت البقیع کی طرف گئی کہ شاید آپ وہاں گئے ہوں، جب میں وہاں گئی تو دیکھتی ہوں کہ آپ سجدے میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنی امت کی بخشش کی دعا کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں اور گڑگڑا رہے ہیں۔

---

(۱) مراقي الفلاح علٰى حاشية الطحطاوي،ص:۴۸۶-۴۸۷،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

☆ **نماز کے بعد سجدۂ شکر کے احکام**

(۱) سجدۂ شکر مستحب ہے۔(درمختار:۵۲۴/۱)

(۲) سجدۂ شکر اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ ہے اور ثواب کا باعث ہے۔(عالمگیری:۱۳۶/۱)

(۳) جس کو نئی نئی ظاہری نعمت حاصل ہوتی رہے، یا اللہ تعالیٰ مال، یا اولاد، یا گمشدہ چیز مل جائے، یا کوئی مصیبت دور ہو جائے، یا اس کا کوئی مریض اچھا ہو جائے، یا کوئی غائب آ جائے تو مستحب ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے ایک سجدہ کرے۔(طحطاوی:ص۲۷۲)

(۴) یہ سجدہ سجدۂ تلاوت کی طرح کیا جاتا ہے۔

(۵) نماز کے بعد جس وقت نفل مکروہ ہے، اس وقت شکر کا سجدہ بھی مکروہ ہے۔(عالمگیری:۱۳۶/۱) باقی وقتوں میں مکروہ نہیں ہے۔

(۶) جو سجدہ کسی سبب کے بغیر کیا جائے، وہ نہ اللہ سے قریب ہونے کے لیے ہے اور نہ مکروہ ہے۔

(۷) بعد نماز سجدۂ شکر مکروہ ہے؛ کیوں کہ لوگ اس کو سنت یا واجب سمجھ لیں گے۔(درمختار:۵۲۴/۱)

(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:ص۵۳۸،انیس)

اور ایک حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، دلیل میں پیش کرتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: كشف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الستارة والناس صفوف خلف أبي بكر، فقال: أيها الناس إنه لم يبق من مبشرات النبوة إلا الرؤيا الصالحة يراها المسلم أو ترى له: ألا وإني نهيت أن أقرأ القرآن راكعاً أوساجدًا فأما الركوع فعظموا فيه الرب وأما السجود فاجتهدوا في الدعاء فقمن أن يستجاب لكم. (۱)

اب سوال یہ ہے کہ اس طرح نماز کے بعد سر بسجود ہوکر دعا مانگنا اور اپنی مرادیں مانگنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور ان دونوں حدیثوں سے استدلال پکڑنا صحیح ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

سوال میں جو احادیث منقول ہیں، ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ نفل نماز کے اندر سجدہ میں دعا مانگی گئی ہے، یا مانگی جائے، بعد نماز صرف دعا کے لیے سجدہ کرنے کا ثبوت ان احادیث سے نہیں ہوتا اور حقیقت یہ ہے کہ نماز کے بعد محض دعا کرنے کے لیے سجدہ کرنے کی اصل شریعت میں نہیں۔ بے شک سجدۂ شکر جو کسی نعمت کے حصول پر کیا جائے، وہ بقول مفتیٰ بہ جائز ہے اور صرف دعا کے لیے سجدہ کرنے سے فقہا اس لیے منع کرتے ہیں کہ اس سے جہلا کا عقیدہ فاسد ہوتا ہے۔

وسجدة الشكر مستحبة به يفتى لكنها تكره بعد الصلاة؛ لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه.

(قوله: لكنها تكره بعد الصلاة)... الضمير للسجدة مطلقا، قال في شرح المنية آخر الكتاب عن شرح القدوري للزاهدي: أما بغير سبب فليس بقربة ولا مكروه وما يفعل عقيب الصلوٰة فمكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه، انتهىٰ.

وحاصله أن ما ليس لها سبب لا تكره ما لم يؤد فعلها إلى اعتقاد الجهلة سنيتها كالتي يفعلها بعض الناس بعد الصلوٰة ورأيت من يواظب عليها بعد صلوٰة الوتر ويذكر أن لها أصلاً وسندًا فذكرت له ماهنا فتركها، ثم قال في شرح المنية: وأما ما ذكر في المضمرات أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال لفاطمة رضي اللّٰه عنها: "مامن مؤمن ولا مؤمنة يسجد سجدتين" إلىٰ آخر ماذكر فحديث موضوع باطل لا أصل له، انتهىٰ. (ردالمحتار) (۲) **واللّٰه اعلم** (کفایت المفتی: ۴۱۳/۳-۴۱۴)

---

(۱) الصحيح لمسلم، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود: ۱۹۱/۱، قديمي، انيس

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة المسافر: ۱۳۰/۲، دارالفكر بيروت، انيس

نماز کے بعد سجدہ ودعائیہ حکم:

سوال: نماز پڑھنے کے بعد سجدے میں گر کر قضاء حاجات کے لیے دعا مانگنی ادعیۂ ماثورہ سے، یا غیر ماثورہ سے عربی، یا عجمی میں جائز ہے، یا ناجائز؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے بعد، یا قبل ایسا کرنا ثابت ہے، یا نہیں؟ جواب قرآن وحدیث وآثار سے دیا جائے؟ (المستفتی: اے، ای، ایم داؤجی، رنگون)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

نماز کے بعد سجدۂ سہو دعائیہ کو فقہائے کرام نے مکروہ فرمایا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”وما یفعل عقیب الصلوات مکروہ؛ لأن الجھال یعتقدونھا سنة أو واجبة وکل مباح یؤدی إلیه فمکروہ“. (۱)

یعنی جو سجدہ نماز کے بعد کیا جاتا ہے، مکروہ ہے؛ کیوں کہ عوام اس کو واجب، یا سنت اعتقاد کر لیتے ہیں اور جو مباح کہ اعتقاد وجوب، یا سنیت پیدا کرے، مکروہ ہو جاتا ہے۔ اسی عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ سجدہ فی حد ذاتہا مباح ہے، کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس مباح کو واجب، یا سنت سمجھ لیا جاتا ہے، یا لوگ دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں اور جو کوئی نہ خود ایسا سمجھتا ہو اور نہ لوگوں کے سامنے کرے؛ بلکہ تنہائی میں کرے تو مباح، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابۂ کرام، یا ائمہ عظام کا یہ طریقہ نہ تھا۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۱۴)

سجدۂ شکر:

سوال: سجدہ نماز سجدۂ تلاوت کے علاوہ زائد سجدۂ شکر کرنا خارج صلوٰۃ صحیح ہے، یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو کس درجہ میں اور اگر ناجائز ہے تو کس درجہ میں؟ جو شخص ناجائز ہونے کے باوجود تسلیم نہ کرے اور یہ کہے کہ شرعاً جائز ہو، یا ناجائز ہو، میرے نزدیک بہتر ہے، ہمیں کسی سے فتویٰ لینے کی ضرورت نہیں تو اس شخص کے لیے کیا حکم ہے؟

(المستفتی: نصر الدین عظیم آبادی)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

جس وقت کوئی بڑی نعمت حاصل ہو، یا کوئی بڑی مصیبت زائل ہو، بہتر یہ ہے کہ شکریہ کے لیے دو رکعت ادا کرے،

---

(۱) الفتاویٰ الھندیة، قبیل الباب الرابع عشر فی صلاة المریض: ۱/۱۳۶، ط: ماجدیة کوئٹة، انیس

اگر یہ نہ ہوتو سجدہ کرنا بھی مفتی بہ قول کی بنا پر مستحب ہے؛ لیکن نماز کے بعد کرنا مکروہ ممنوع ہے کہ ناواقف لوگ کو مسنون، یا واجب اعتقاد کریں گے اور یہ جواب کہ ''شرعاً جائز ہو، یا ناجائز، میرے نزدیک بہتر ہے، ہمیں کسی فتویٰ لینے کی ضرورت نہیں'' نہایت سخت اور خطرناک ہے، ایسے کلام سے توبہ اور آئندہ کو اجتناب لازم ہے۔

''وسجدة الشكر مستحبة، به يفتىٰ؛ لكنها تكره بعد الصلاة؛ لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه''، آه. (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۹/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۹/۶/۲۲ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۷۵/۷)

سجدۂ شکر:

سوال: سجدۂ شکر کا کیا طریقہ ہے؟ اور یہ کس موقع پر ہے؟ (محمد عبدالحلیم، محبوب نگر)

الجواب

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی خوش کن بات پیش آتی، یا اس کی خبر دی جاتی تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے۔

''عن أبي بكرة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان إذا جاءه أمر سرور أو بشر به خر ساجدًا شاكرًا لله''. (۲)

اسی لیے خوشی کے مواقع پر سجدۂ شکر کرنا مستحب ہے۔ سجدہ کا طریقہ یہ ہے کہ پاکی کی حالت میں قبلہ رخ تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں چلا جائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح بیان کرے، پھر دوسری تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھا لے۔ (۳) سلام کی ضرورت نہیں اور نہ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۵۸/۲)

سجدۂ شکر اور اس کا طریقہ:

سوال: شکرانہ کا سجدہ کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ رمضان میں بہت سے لوگ تراویح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں اور ہاتھ اس طرح پھیلا کر رکھتے ہیں کہ ہتھیلیاں چہرہ کی جانب ہوتی ہیں، کیا اس طرح سجدہ کرنا درست ہے اور کیا اس سجدہ کے لیے بھی باوضو ہونا ضروری ہے؟ (حمید الدین، شاہ علی بنڈہ)

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، قبيل باب صلاة المسافر: ۱۱۹/۲-۱۲۰، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، رقم الحديث: ۲۷۷٤، باب في سجود الشكر، مكتبة حقانية ملتان، انيس

(۳) الفتاوى الهندية: ۱۳٦/۱

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز سے باہر دو ہی طرح کے سجدے ثابت ہیں، ایک تو سجدۂ تلاوت جس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے۔ دوسرے سجدۂ شکر جس کے بارے میں کسی قدر اختلاف ہے؛ لیکن صحیح یہی ہے کہ حدیث سے سجدۂ شکر ثابت ہے؛(۱) اس لیے اگر کوئی خوشی کی بات پیش آئے تو بطور شکرانہ کے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں: ''**سجدة الشكر جائزة عند الإمام لا واجبة**''.(۲)

ان کے علاوہ محض دعا کے لئے نماز سے باہر مستقلا سجدہ کرنا ثابت نہیں اور سجدہ کی جو ہیئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے وہ یہی ہے کہ ہتھیلیاں زمین پر بچھی ہوئی ہوں، جیسا کہ نماز میں سجدے کئے جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے سجدوں میں دعائیں کیا کرتے تھے؛ لیکن یہ سجدہ بھی عام سجدوں کی طرح ہوتا تھا،(۳) ایسا نہیں تھا کہ دعا کرنے کی وجہ سے ہتھیلیاں اوپر کی طرف کر لی جائیں، سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر بھی عام سجدوں کی ہیئت پر کرنا چاہیے۔

چونکہ نماز کے لئے باوضو ہونا ضروری ہے اور سجدہ نماز کا اہم ترین رکن ہے؛ اس لیے سجدۂ شکر میں بھی باوضو ہونا ضروری ہے، ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء و محدثین کی یہی رائے ہے۔(۴) (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۵۸-۴۵۹)

دعائیہ سجدہ:

سوال: اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض حضرات دعائیہ سجدہ کے نام پر ہتھیلیوں کو بچھانے کے بجائے ہاتھوں کی پشت کو بچھاتے ہیں، تو کیا اس کیفیت کے ساتھ سجدہ جائز ہے اور کیا نمازوں کے سجدہ کے علاوہ ایسا سجدۂ مسنونہ کر کے دعا کی جا سکتی ہے؟　　(اسد اللہ خان، بیگم پیٹ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز ایک اہم ترین عبادت ہے اور سجدہ اس کا ایک رکن ہے، عبادات میں ضروری ہے کہ اسی طریقہ و کیفیت کو اختیار کیا جائے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس میں نہ اضافہ اور کمی کی گنجائش ہے اور نہ اپنی طرف

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۲۷۷٤، باب في سجود الشكر، مكتبة حقانية ملتان، انیس

(۲) الأشباه والنظائر مع الحموی: ۱/٦٥

(۳) عن أبی هريرة عن عائشة رضی الله عنها فقالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فلمست المسجد فإذا هو ساجد وقدماه منصوبتان وهو يقول أعوذ برضاک من سخطک وأعوذ بمعافاتک من عقوبتک وأعوذ بک منک لا أحصٰی ثناءً عليک أنت كما أثنيت علٰى نفسک.(سنن أبی داؤد، باب الدعاء فی الركوع والسجود: ۱/۱۳٥، مكتبة حقانية ملتان)

(٤) دیکھئے: الموسوعة الفقهية كوئتة: ۲٤/۲٤۸، باب سجود الشكر

سے تخمین اور اجتہاد کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ کی یہ کیفیت منقول ہے کہ ہتھیلیوں کا حصہ زمین پر رہے اور ہاتھوں کی پشت کا حصہ اوپر کی طرف، یہی طریقہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک متوارثاً چلا آرہا ہے اور فقہا نے بھی اس بات کو بہ وضاحت وصراحت بیان کیا ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ویضع یدیه فی السجود حذاء أذنیه...ویعتمد علیٰ راحتیه".(۱)

اس لیے اس کیفیت کے ساتھ کوئی بھی سجدہ کرنا درست نہیں۔

جہاں تک دعائیہ سجدہ کی بات ہے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ نماز سے باہر دو ہی سجدے منقول ہیں: ایک سجدۂ تلاوت، جو آیت سجدہ کی تلاوت پر واجب ہوتا ہے۔ اس سجدہ کے ثابت ہونے پر متعدد احادیث موجود ہیں،(۲) اور اسی لیے فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے۔(۳)

دوسرے سجدۂ شکر، امام ابوحنیفہؒ سجدۂ شکر کے قائل نہیں؛(۴) لیکن اکثر فقہا اس کے قائل ہیں، خود امام ابوحنیفہؒ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ بھی اس کے قائل ہیں،(۵) اور فقہ حنفی کی کتابوں میں اسی رائے کی طرف رجحان ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة و آدابها: ۷۵/۱، انیس

(۲) ایک حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی سورہ کی تلاوت فرماتے، جس میں کوئی آیت سجدہ ہوتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرماتے اور ہم لوگ بھی سجدہ کرتے"۔

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: کان النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم یقرأ السورة التی فیها السجدة، فیسجد و نسجد حتیٰ مایجد أحدنا مکاناً لموضع جبهته" (صحیح البخاري، کتاب سجود القرآن، أبواب ما جاء فی سجود القرآن، رقم الحدیث: ۱۰۷۰، باب من لم یجد موضعًا للسجود مع الإمام من الزحام)

(۳) صرف فرق یہ ہے کہ احناف کے یہاں سجدۂ تلاوت کا ادا کرنا واجب اور فقہاء ثلاثہ کے یہاں سنت ہے۔

سجدة التلاوة واجبة بالتلاوة علی القاری والسامع عند الحنفیة، سنة عند بقیة الفقهاء. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۱۰/۲)

(۴) چناں چہ سنن أبوداؤد میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی خوش کن خبر معلوم ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز ہوجاتے۔

"عن أبي بکرة رضی اللّٰہ عنه عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه کان إذا جاء ه أمر سرور أو بشر به خر ساجدًا شاکرًا للّٰہ" (سنن أبي داؤد، رقم الحدیث: ۲۷۷٤، باب في سجود الشکر: ۲۷/۲، مکتبة زکریا حقانیة، انیس)

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کا بھی سجدۂ شکر ادا کرنا ذخیرۂ حدیث میں موجود ہے۔ (دیکھئے: کنز العمال، رقم الحدیث: ۲۲۳۱۹، باب سجدة الشکر)

(۵) کبیری، ص: ۲۵

(٦) الفتاوی الهندیة: ۷۵/۱

سجدۂ شکر سے مراد یہ ہے کہ کسی نعمت کے حاصل ہونے، یا کسی مصیبت سے نجات پانے کی صورت میں قبلہ رخ ہوکر سجدہ ریز ہو، سجدہ میں تحمید و تسبیح کے کلمات پڑھے، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھالے، (۲) حدیث سے بھی سجدۂ شکر کا ثبوت ملتا ہے۔ (۱) اس کے علاوہ نماز سے باہر کوئی سجدہ ثابت نہیں۔

مشہور محدث اور فقیہ علامہ حلبیؒ نے اس کا مکروہ ہونا نقل کیا ہے:

"وقد قالوا فی السجدة لما لم تکن مقصودة لم یشرع التقرب بها وکانت مکروهة". (۲)

ہاں نفل نماز میں سجدہ کی حالت میں دعا کی جاسکتی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ حالت سجدہ نماز تہجد میں دعا کرنا ثابت ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۵۹/۲-۴۶۱)

---

(۱) "عن أبي بكرة رضی الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان إذا جاءه أمر سرور أو بشر به خرّ ساجدًا شاكراً لله". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، رقم الحديث: ۲۷۷٤، باب في سجود الشكر: ۲۷/۲)

(۲) عن أبي بكرة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان إذا جاءه أمر سرور أو بشر به خرّ ساجدًا شاكراً لله. (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، رقم الحديث: ۲۷۷٤، باب في سجود الشكر)

مسئلہ: قرآن شریف میں تلاوت کے سجدے چودہ ہیں، جہاں جہاں کلام مجید کے کنارے پر سجدہ لکھا رہتا ہے، اس آیت کو پڑھ کر سجدہ واجب ہوجاتا ہے اور اسی کو سجدہ تلاوت کہتے ہیں۔

مسئلہ: سجدۂ تلاوت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اکبر کہہ کے سجدہ کرے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ نہ اٹھائے، سجدہ میں کم سے کم تین دفعہ سبحان ربی الأعلیٰ کہے، پھر اللہ اکبر کہہ کر سر اٹھائے، پس سجدۂ تلاوت ادا ہوگیا۔

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ کھڑا ہوکر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جائے پھر اللہ اکبر کہہ کے کھڑا ہوجائے اور اگر بیٹھ کر اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائے، پھر اللہ اکبر کہہ کر اٹھ بیٹھے کھڑا نہ ہوتب بھی درست ہے۔

مسئلہ: سجدے کی آیت کو جو شخص پڑھے، اس پر بھی سجدہ کرنا واجب ہے اور جو سنے اس پر بھی واجب ہوجاتا ہے، چاہے قرآن شریف سننے کے قصد سے بیٹھا ہو، یا کسی اور کام میں لگا ہوا اور بغیر قصد کے سجدہ کی آیت سن لی ہو؛ اس لیے بہتر ہے کہ سجدے کی آیت کو آہستہ سے پڑھے؛ تاکہ کسی اور پر سجدہ واجب نہ ہو۔

مسئلہ: جو چیزیں نماز کے لیے شرط ہیں، وہ سجدۂ تلاوت کے لیے بھی شرط ہیں؛ یعنی وضو کا ہونا، جگہ کا پاک ہونا، بدن اور کپڑے کا پاک ہونا، قبلے کی طرف سجدہ کرنا وغیرہ۔

مسئلہ: جس طرح نماز کا سجدہ کیا جاتا ہے، اسی طرح سجدۂ تلاوت بھی کرنا چاہیے، بعض آدمی قرآن شریف پر ہی سجدہ کرلیتے ہیں، اس سے سجدہ ادا نہیں ہوتا اور سر سے نہیں اترتا۔

مسئلہ: اگر کسی کا وضو اس وقت نہ ہو تو پھر کسی وقت وضو کر کے سجدہ کرلے، فوراً اسی وقت سجدہ کرنا ضروری نہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ اسی وقت سجدہ کرلے؛ کیوں کہ شاید بعد میں یاد نہ رہے۔

مسئلہ: اگر کسی کے ذمہ بہت سے سجدے تلاوت باقی ہوں جواب تک ادا نہ کئے ہوں تو اب ادا کرلے، عمر بھر میں کبھی نہ کبھی ضرور ادا کرلینے چاہئیں کبھی ادا نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔ ==

== **مسئلہ**: اگر کسی عورت نے حیض یا نفاس کی حالت میں کسی سے سجدہ کی آیت سن لی تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہوا اور اگر ایسی حالت میں سنا، جب کہ اس پر نہانا واجب تھا تو نہانے کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر بیماری کی حالت میں سنے اور سجدہ کی طاقت نہ ہو تو جس طرح نماز کا سجدہ اشارے سے ادا کرتا ہو، اسی طرح اس کا سجدہ بھی اشارے سے کرے۔

مسئلہ: اگر نماز میں سجدے کی آیت پڑھے تو وہ آیت پڑھنے کے بعد فوراً نماز ہی میں سجدہ کر لے، پھر باقی سورت پڑھ کے رکوع میں جائے، اگر اس آیت کو پڑھ کر فوراً سجدہ نہ کیا، اس کے بعد دو یا تین آیتیں اور پڑھ لیں، تب سجدہ کیا تو بھی یہ درست ہے، اگر اس سے بھی زیادہ پڑھ گیا، تب سجدہ کیا تو سجدہ تو ادا ہو گیا؛ لیکن گنہ گار رہو گا۔

مسئلہ: سجدہ کی آیت پڑھ کے اگر فوراً رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں یہ نیت کرے کہ میں سجدۂ تلاوت کی طرف سے بھی رکوع کرتا ہوں، تب بھی وہ سجدہ ادا ہو جائے گا اور رکوع میں یہ نیت نہیں کی تو رکوع کے بعد جب سجدہ کرے گا تو اسی سجدے سے سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جائے گا، چاہے کچھ نیت کرے، چاہے نہ کرے۔

مسئلہ: نماز پڑھنے میں کسی اور سے سجدے کی آیت سنے تو نماز میں سجدہ نہ کرے؛ بلکہ نماز کے بعد کرے اگر نماز ہی میں کرے گا تو وہ سجدہ ادا نہ ہو گا، پھر کرنا پڑے گا اور گناہ بھی ہو گا۔

مسئلہ: ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے سجدہ کی آیت کو کئی بار دہرا کر پڑھے تو ایک ہی سجدہ واجب ہے، چاہے سب دفعہ پڑھ کے اخیر سجدہ کرے، یا پہلی دفعہ پڑھ کے سجدہ کر لے، پھر اسی کو بار بار دہراتا رہے اور اگر جگہ بدل گئی، تب اس آیت کو دہرایا پھر تیسری جگہ جا کے وہی آیت پڑھی، اسی طرح برابر جگہ بدلتا رہا تو جتنی دفعہ دہرائے، اتنی ہی دفعہ سجدہ کرے۔

مسئلہ: اگر ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے سجدہ کی کئی آیتیں پڑھیں تو بھی جتنی آیتیں پڑھے، اتنے ہی سجدے کرے۔

مسئلہ: بیٹھے بیٹھے سجدے کی کوئی آیت پڑھی، پھر اٹھ کر کھڑا ہوا؛ لیکن چلا، پھر انہیں جہاں بیٹھا تھا وہیں کھڑے کھڑے وہی آیت پھر دہرائی تو ایک ہی سجدہ واجب ہے۔

مسئلہ: ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے سجدہ کی کوئی آیت پڑھی پھر قرآن مجید کی تلاوت کر چکا تو اسی جگہ بیٹھے بیٹھے کسی اور کام میں لگ گیا جیسے کتابت کرنے لگا، یا کپڑے سینے لگا، اس کے بعد پھر وہی آیت اسی جگہ پڑھی، تب بھی دو سجدے واجب ہوئے یعنی جب کوئی اور کام کرنے لگے تو ایسا سمجھیں گے کہ جگہ بدل گئی۔

مسئلہ: ایک کوٹھری یا دالان کے ایک کونہ میں سجدہ کی کوئی آیت پڑھی اور پھر دوسرے کونہ میں جا کر وہی آیت پڑھی، تب بھی ایک سجدہ کافی ہے، چاہے جتنی دفعہ پڑھے، البتہ دوسرے کام میں لگ جانے کے بعد وہی آیت پڑھے گا تو دوسرا سجدہ کرنا پھر تیسرے کام میں لگ جانے کے بعد اگر پڑھے گا تو تیسرا سجدہ واجب ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر بڑا گھر ہو تو دوسرے کونے میں جا کر دہرانے سے دوسرا سجدہ واجب ہو گا اور تیسرے کونے میں تیسرا سجدہ۔

مسئلہ: مسجد کا بھی یہی حکم ہے جو ایک کوٹھری کا حکم ہے اگر سجدہ کی آیت کئی دفعہ پڑھے تو ایک ہی سجدہ واجب ہے چاہے ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے دہرایا کرے یا مسجد میں اِدھر اُدھر ٹہل کر پڑھے۔ ==

==**مسئلہ**: اگر نماز میں سجدے کی ایک ہی آیت کو کئی دفعہ پڑھے، تب بھی ایک ہی سجدہ واجب ہے، چاہے سب دفعہ پڑھ کے اخیر میں سجدہ کرے، یا ایک دفعہ پڑھ کے سجدہ کرلیا، پھر اسی رکعت یا دوسری رکعت میں وہی آیت پڑھے۔

مسئلہ: سجدے کی کوئی آیت پڑھی اور سجدہ نہیں کیا، پھر اسی جگہ نیت باندھ لی اور وہی آیت پھر نماز میں پڑھی اور نماز میں سجدۂ تلاوت کیا تو یہی سجدہ کافی ہے، دونوں سجدے اسی سے ادا ہو جائیں گے، البتہ اگر جگہ بدل گئی ہو تو دوسرا سجدہ بھی واجب ہے۔

مسئلہ: اگر سجدے کی آیت پڑھ کے سجدہ کرلیا، پھر اسی جگہ نماز کی نیت باندھ لی اور وہی آیت نماز میں دہرائی تو اب نماز میں پھر سجدہ کرے۔

مسئلہ: پڑھنے والے کی جگہ نہیں بدلی، ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے ایک ہی رات کو بار بار پڑھتا رہا؛ لیکن سننے والے کی جگہ بدل گئی کہ پہلی دفعہ اور جگہ سنا تھا، دوسری دفعہ اور جگہ، تیسری دفعہ تیسری جگہ تو پڑھنے والے پر ایک ہی سجدہ واجب ہے اور سننے واے پر کئی سجدے واجب ہیں جتنی مرتبہ سنے، اتنے ہی سجدے کرے۔

مسئلہ: اگر سننے والے کی جگہ نہیں بدلی؛ بلکہ پڑھنے والے کی جگہ بدل گئی تو پڑھنے والے پر کئی سجدے واجب ہوں گے اور سننے والے پر ایک ہی سجدہ ہے۔

مسئلہ: ساری سورت پڑھنا اور سجدے کی آیت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے اور منع ہے، فقط سجدے سے بچنے کے لیے وہ آیت نہ چھوڑے کہ اس میں سجدے سے گویا انکار ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی امام سے آیتِ سجدہ سنے اور اس کے بعد اس کی اقتدا کرے تو اس کو امام کے ساتھ سجدہ کرنا چاہیے اور اگر امام سجدہ کر چکا ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جس رکعت میں آیتِ سجدہ کی تلاوت امام نے کی ہو وہی رکعت اگر اس کو مل جائے تو سجدے کی ضرورت نہیں، اس رکعت کے مل جانے سے سمجھا جائے گا کہ وہ سجدہ بھی مل گیا، دوسرے یہ کہ وہ رکعت نہ ملے، اس کو بعد نماز تمام کرنے کے خارج نماز میں سجدہ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: مقتدی سے اگر آیت سجدہ سنی جائے تو سجدہ واجب نہ ہوگا، نہ اس پر نہ اس کے امام پر، نہ ان لوگوں پر جو اس نماز میں شریک ہیں۔ ہاں جو اس نماز میں شریک نہیں خواہ وہ نماز ہی پڑھتے ہوں، یا کوئی دوسری نماز پڑھ رہے ہوں تو ان پر سجدہ واجب ہوگا۔

مسئلہ: سجدۂ تلاوت میں قہقہے سے وضو نہیں جاتا؛ لیکن سجدہ باطل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: عورت کی محاذات مفسد سجدۂ تلاوت نہیں۔

مسئلہ: سجدۂ تلاوت اگر نماز میں واجب ہوا ہو تو اس کا ادا کرنا فوراً واجب ہے، تاخیر کی اجازت نہیں۔

مسئلہ: خارج نماز کا سجدہ نماز میں اور نماز کا سجدہ خارج نماز میں؛ بلکہ دوسری نماز میں بھی ادا نہیں کیا جاسکتا، پس اگر کوئی شخص نماز میں آیتِ سجدہ پڑھے اور سجدہ نہ کرے تو اس کا گناہ اس کے ذمے ہوگا اور اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ توبہ کرے، یا ارحم الراحمین اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادے۔

مسئلہ: جمعہ اور عیدین اور آہستہ آواز کی نماز مین سجدہ کی آیت نہ پڑھنا چاہئے اس لئے کہ سجدہ کرنے میں مقتدیوں کے اشتباہ کا خوف ہے۔ (دین کی باتیں از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

کیا سجدۂ تعظیمی جائز ہے:

سوال: میرے پاس ایک ۲۲ صفحہ کا کتابچہ آیا ہے، جس میں کچھ فارسی اشعار کے حوالہ سے سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار دیا گیا ہے، پیر کو ہو، یا صاحب مزار کو، میں اسے کفر اور شرک سمجھتا ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس سلسلہ میں رہنمائی کریں؟

هو المصوب

سجدۂ تعظیمی جائز نہیں ہے۔(۱)

تحریر: محمد ظہور ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۵۶/۳)

☆☆☆

(۱) عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم قال: لو كنتُ آمر أحداً أن يسجد لأحد؛ لأمرتُ المرأة ان تسجد لزوجها. (سنن الترمذی، أبواب الرضاع باب ماجاء فی حق الزوج علٰی المرأة، رقم الحديث: ۱۱۵۹، قال الترمذی حديث أبی هريرة حديث حسن غريب: ۲۱۹/۱، قديمی)

و(كذا) ما يفعلونه من (تقبيل الأرض بين يدی العلماء) والعظماء فحرام والفاعل والراضی به آثمان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن وهل يكفران علٰی وجه العبادة و التظيم؟ كفر، وإن علٰی وجه التحية لا وصار آثما مرتكباً للكبيرة. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فی البيع: ۳۸۳/۶، دارالفكر بيروت. انيس)

مسافر کی نماز کے مسائل

دوران سفر نمازیں مؤخر کر کے منزل پر اطمینان سے پڑھنا:

سوال: کیا دوران سفر نمازوں کو مؤخر کر کے منزل پر پہنچ کر بہ اطمینان تمام کو ملا کر پڑھنا درست ہے؟

الجواب

یہ جائز نہیں؛ بلکہ سفر کی نماز سفر ہی میں پڑھنی چاہیے،(۱) اگر پانی نہ ملے تو تیمّم کرے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۷۸)

مستورات بحالت سفر نماز ادا پڑھیں، یا قضا کریں:

سوال: مستورات مسافری میں نمازوں کو باغیچہ، یا ریلوے اسٹیشن، یا ایر پورٹ پر لوگوں کے سامنے پڑھ سکتی ہیں، یا نہیں؟ یا پھر گھر آنے کے بعد قضا پڑھیں، بہتر کیا ہے؟

الجواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً: ستر اور پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے وقت کے اندر پڑھنا ضروری ہے، وقت سے تاخیر کرنے کی صورت میں گنہگار رہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ:۱/۴۹۷)

کیا دوران سفر نماز کی ادائیگی ضروری ہے؟ نیز کس طرح ادا کرے:

سوال: نماز کا وقت اگر دوران سفر آجائے تو کیا سواری پر بیٹھ کر نماز ادا کی جاسکتی ہے، یا منزل پر پہنچ کر ادا کی جائے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

---

(۱) عن عبد اللّٰه قال: ما رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلى صلاة إلا لميقاتها إلا صلاتين صلاة المغرب والعشاء بجمع وصلى الفجر يومئذٍ قبل ميقاتها. (صحيح لمسلم ،كتاب الحج،باب استحباب زيادة التغليس بصلاة الصبح الخ: ٤١٧/١ ،قديمي،انيس)

(۲) ﴿وإن كنتم مرضٰى أوعلٰى سفر أوجاء أحد منكم من الغائط أولٰمستم النساء فلم تجدوا مآء فتيمموا صعيدا طيبًا فامسحوا بوجوهكم وأيديكم﴾ (سورة المائدة:٦)

أيضاً (ومن عجز) ... (عن استعمال الماء) ... (لبعده) ... (ميلاً) ... (تيمم) لِهٰذه الأعذار كلها. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار، كتاب الطهارة،باب التيمم: ٢٣٢/١ـ٢٣٦ ،دار الفكر بيروت،انيس)

الجواب

اگر منزل پر وقت سے پہلے پہنچ جائیں گے تو منزل پر نماز ادا کی جا سکتی ہے؛ لیکن وقت گزرنے کا اندیشہ ہو تو سواری پر کھڑے ہو کر قبلے کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے، بلا وجہ سیٹ پر بیٹھ کر قبلہ رخ ہوئے بغیر نماز پڑھنا درست نہیں، اگر کھڑے ہونے کی جگہ نہ ہو اور قبلہ رخ ہونے کا امکان نہ ہو تو اس صورت میں سواری پر بیٹھ کر نماز ادا کی جا سکتی ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۹۸/۴۔۹۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں کتنی رکعت پڑھی:

سوال: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعت نماز پڑھی تھی، یا چار رکعت؟ اور نیز غزوات میں آپ نے دو رکعت پڑھی ہیں، آج کل کے روشن خیال لوگوں کے اعتقاد میں صرف دو ہی رکعت نماز فرض ہے، چار رکعت نہیں ہیں۔ اس مسئلہ کو مفصل ارقام فرماویں؟

الجواب

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت سفر، یا غزوات میں چار رکعت کی جگہ دو رکعت پڑھنا بسبب قصر کے ہے، سفر شرعی میں چار رکعت کی جگہ دو رکعت فرض ہوتی ہیں۔ قرآن شریف میں ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ (الآية)

وفی الحدیث: عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنهما قالا: سنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاة السفر رکعتین وهو تمام غیر قصر. (الحدیث) (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۹۰/۴۔۴۹۱)

---

(۱) الفریضة فی السفینة والطائرة والسیارة قاعدًا ولو بلا عذر عند أبی حنیفة ... وقال الصاحبان: لاتصح إلا لعذر وهو الأظهر، والعذر کدوران الرأس، وعدم القدرة علی الخروج، ویشترط التوجه للقبلة فی بدأ الصلاة ... ولو ترک الاستقبال لا تجزئه الصلاة، وإن عجز عن الاستقبال یمسک عن الصلاة حتٰی یقدر علی الاتمام مستقبلاً. (الفقه الإسلامی وأدلته: ۵٤/۲، الصلاة فی السفینة، ط: دار الفکر، بیروت/ أیضًا: الفتاویٰ الهندیة: ۶۳/۱، الباب الثالث فی شروط الصلاة، طبع رشیدیة)

لا یجوز لأحد أداء فریضة ولا نافلة ولا سجدة تلاوة وصلاة جنازة الا متوجهاً الی القبلة ... ومن أراد أن یصلی فی سفینة تطوعاً أو فریضة فعلیه أن یستقبل القبلة ولا یجوز له أن یصلی حیثما کان وجهه ... حتٰی لو دارت السفینة و هو یصلی توجه الی القبلة حیث دارت. (الفتاویٰ الهندیة، الفصل الثالث فی استقبال القبلة: ۶۳/۱-۶٤، انیس)

(۲) مشکوة، باب صلاة المسافر: ۱۱۹، ظفیر

أخرجه مسلم فی صحیحه عن مجاهد عن ابن عباس قال: إن اللہ تعالٰی فرض الصلاة علٰی لسان نبیکم علی المسافر رکعتین وعلی المقیم أربعاً وفی الخوف رکعة. (صحیح لمسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها: ۲٤۱/۱، قدیمی، انیس)

عن مجاهد عن ابن عباس قال: فرض اللہ الصلاة علٰی لسان نبیکم فی الحضر أربع رکعات وفی السفر رکعتین. (نصب الرأیة: ۱۸۹/۲، المکتبة المکیة، بیروت، انیس)

دوران سفر نماز کس طرح پڑھنی چاہیے؟ نیز نیت کیا کریں:

سوال: دوران سفر نماز کس طرح پڑھنی چاہیے؟ اور نیت کیا کرنی چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

سفر میں چار رکعت والی نماز کے فرض دوگانہ پڑھے جاتے ہیں، اس کو قصر کہا جاتا ہے، نیت وہی جو ہمیشہ کی جاتی ہے، چار رکعت کے بجائے دو رکعت کی نیت کرلی جائے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۰۴/۴)

سفر میں قصر کرنا ضروری ہے:

سوال: نماز قصر سفر میں ضروری ہے، یا اپنی مرضی پر منحصر ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

نماز قصر سفر میں حنفیہ کے نزدیک ضروری ہے؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے بموجب سفر کی اصل نماز دو رکعت ہی ہے۔(۲)

"وفی حدیث عائشة فی الصحیحین قالت: فرضت الصلاة رکعتین رکعتین فأقرت صلاة السفر وزید فی صلاة الحضر، إلخ. (۳) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی:۳۷۹/۳، أیضا:۴۵۴/۹)

ہر حال میں قصر کی دلیل:

سوال: ہر سفر میں باوجود امن وامان کے بھی ضرور نماز۔۔۔قصر ہی پڑھنا واجب ہے، ثابت نہیں ہوتا۔ دلیل وجوب تحریر فرمایئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

دلیل وجوب یہ حدیث ہے:

---

(۱) وفرض المسافر فی الرباعیة رکعتان لایزید علیهما. (الهداية: ۳۹۵/۱، باب صلاة المسافر: ۱۴۵/۱، ثاقب بکڈپو دیوبند، انیس / أیضا شرح مختصر الطحاوی للجصاص: ۹۱/۲-۹۲، باب صلاة المسافر)

(۲) قال فی البدائع: وهٰذا التلقیب علیٰ أصلنا خطاء؛ لأن الرکعتین فی حقه لیستا قصرًا حقیقة عندنا بل هما تمام فرض المسافر والإکمال لیس رخصة فی حقه بل إساءة ومخالفة للسنة. (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۴/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۳) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۴/۲، دار الفکر بیروت

عن يعلى بن أمية قال: قلت لعمربن الخطاب: ﴿لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا﴾ فقد أمن الناس، فقال عمر: عجبت مما عجبت منه فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته. (رواه مسلم)(۱)

حاصل یہ کہ یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''نماز قصر کرو، اگر تم کو خوف کفار کے فتنہ کا ہو''۔ پس اب لوگ مامون ہیں، وہ خوف نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے بھی یہ شبہ پیش آیا تھا، سو میں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا انعام ہے، اس کو قبول کرو۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۸۹-۴۹۰)

اگر مہینہ کے زیادہ دنوں سفر میں رہے تو قصر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص مہینہ کے زیادہ تر دن سفر میں رہتا ہو تو اس کے لیے قصر کا کیا حکم ہے؟

(محمد بن احمد جابری، آصف آباد)

الجواب

جتنے دنوں بھی وہ سفر کی حالت میں رہے، اسے قصر کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال کئی ماہ مسافر رہے، (۲) بعض اور غزوات کے موقع سے بھی طویل عرصہ سفر کی حالت میں گذرتا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصر ہی کرتے رہے۔ (۳) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۷۴)

جو مسافر قصر کو نہ مانے اس کا کیا حکم ہے:

سوال: زید مسافر پر قصر کا معتقد نہیں ہے، یا معتقد تو ہے؛ مگر قصر نہیں کرتا، ہر دو صورت میں کیا حکم ہے؟

---

(۱) صحيح لمسلم، كتاب صلاه المسافرين وقصرها: ۱/۲٤۱، قديمي، انيس

(۲) إن مدة إقامتهم في سفرة الفتح حتى رجعوا إلى المدينة أكثرمن ثمانين يومًا. (فتح الباري شرح البخارى، كتاب المغازى: ۸/۲٦، ط: قديمى كتب خانة مقابل آرام باغ، كراچى)

(۳) دیکھئے: مشكوة المصابيح، رقم الحديث: ۱۳۳۷، ۱۳٤۳، ۱۳٤۷، ۱۳۳۳، ۱۳۳٤

عن ابن عمرقال: صليت مع النبى صلى الله عليه وسلم فى الحضر والسفر، فصليت معه فى الحضر الظهر أربعاً وبعدها ركعتين وصليت معه السفر الظهر ركعتين وبعدها ركعتين والعصر ركعتين ولم يصل بعدها شيئاً والمغرب فى الحضر والسفرسواء ثلث ركعات لا ينقص فى حضر ولا سفر وهى وتر النهاروبعدها ركعتين. (سنن الترمذى، باب ماجاء فى التطوع فى السفر: ۱/۱۲۳، قديمى، انيس)

الجواب

مسافر بہ سفر شرعی کو قصر کرنا واجب ہے، جو شخص قصر کا اعتقاد نہ رکھے، یا قصر نہ کرے، وہ مبتدع اور عاصی ہے اور تارک واجب ہے، **كما بسط في الأحاديث وتفصيله في كتب الفقه والقصر عندنا واجب، كذا في الخلاصة.** (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۶۵)

نماز کو قصر کرنے کی رعایت قیامت تک کے لیے ہے:

سوال: کیا نماز قصر کی رعایت صرف پہلے وقتوں کے لیے تھی، جب کہ لوگ پیدل سفر کیا کرتے تھے، یا اب بھی ہے؟

الجواب

صرف پہلے وقتوں کے لیے نہیں تھی؛ بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۷۷)

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، ظفير

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنه قال: إن الله تعالىٰ فرض الصلاة علىٰ لسان نبيكم على المسافر ركعتين وعلى المقيم أربعًا وفي الخوف ركعة. (صحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها: ۱/۲۴۱، انيس)

عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها قالت: فرض الله الصلاة حين فرضها ركعتين ركعتين في الحضر و السفر، فأقرت صلاة السفر، وزيد في صلاة الحضر. (صحيح البخاري: ۱/۵۱، باب كيف فرضت الصلاة في الاسراء، انيس)

مسئلہ: اگر کوئی ایک منزل، یا دو منزل کا سفر کرے تو اس سفر سے شریعت کا کوئی حکم نہیں بدلتا اور شریعت کے قاعدے سے اس کو مسافر نہیں کہتے، اس کو ساری باتیں اسی طرح کرنی چاہئیں، جیسے کہ اپنے گھر کرتا چار رکعت والی نماز کو چار رکعت پڑھے اور موزہ پہنے ہو تو ایک دن مسح کرے، پھر اس کے بعد مسح کرنا درست نہیں۔

مسئلہ: جو کوئی تین منزل کا قصد کر کے نکلے، وہ شریعت کے قاعدے سے مسافر ہے، جب اپنے شہر کی آبادی سے باہر ہو گیا تو شریعت سے مسافر بن گیا اور جب تک آبادی کے اندر چلتا رہا تب تک مسافر نہیں ہے اور اگر اسٹیشن آبادی کے اندر ہے تو آبادی کے حکم میں ہے اور اگر آبادی کے باہر ہو تو وہاں پہنچ کر مسافر ہو جائے گا۔

مسئلہ: تین منزل یہ ہے کہ اکثر پیدل چلنے والے وہاں تین روز میں پہنچا کرتے ہیں، تخمینہ اس کا ہمارے ملک میں کہ دریا اور پہاڑ میں سفر نہیں کرنا پڑتا اڑتالیس میل انگریزی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی جگہ اتنی دور ہے کہ اونٹ اور آدمی کی چال کے اعتبار سے تو تین منزل ہے؛ لیکن تیز یکہ اور تیز بہلی پر سوار ہے؛ اس لیے دو ہی دن میں پہنچ جائے گا، یا ریل میں سوار ہو کر ذرا سی دیر میں پہنچ جائے گا، تب بھی وہ شریعت سے مسافر ہے۔

مسئلہ: جو کوئی شریعت سے مسافر ہو، وہ ظہر، عصر اور عشا کی فرض نماز دو، دو رکعتیں پڑھے اور سنتوں کا یہ حکم ہے کہ اگر جلدی ہو تو فجر کی سنتوں کے سوا اور سنتیں چھوڑ دینا درست ہے، اس کو چھوڑ دینے سے کچھ گناہ نہ ہوگا اور کچھ جلدی نہ ہو نہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جانے کا ڈر ہو نہ چھوڑے اور سنتیں سفر میں پوری پوری پڑھے، ان میں کمی نہیں ہے۔

مسئلہ: فجر، مغرب اور وتر کی نماز میں بھی کوئی کمی نہیں ہے، جیسے ہمیشہ پڑھتا رہا، ویسے ہی پڑھے۔

مسئلہ: ظہر، عصر اور عشا کی نماز دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھے، پوری چار رکعتیں پڑھنا گناہ ہے۔ ==

== **مسئلہ**: اگر بھولے سے چار رکعتیں پڑھ لیں تو اگر دوسری رکعت پر التحیات پڑھی ہے، تب تو دو رکعتیں فرض ہوگئیں اور دو رکعتیں نفل کی ہوجائیں گی اور سجدہ سہو کرنا پڑے گا اور اگر دو رکعت پر نہ بیٹھا ہو تو چاروں رکعتیں نفل ہوگئیں، فرض نماز پھر سے پڑھے۔

مسئلہ: اگر راستہ میں کہیں ٹھہر گیا تو اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے تو برابر وہ مسافر رہے گا، چار رکعت فرض والی نماز دو رکعت پڑھتا رہے اور اگر پندرہ دن، یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرلی ہے تو اب وہ مسافر نہیں رہا، پھر اگر نیت بدل گئی اور پندرہ دن سے پہلے چلے جانے کا ارادہ ہوگیا، تب بھی مسافر نہ بنے گا نمازیں پوری پڑھے، پھر جب یہاں سے چلا تو اگر یہاں سے وہ جگہ تین منزل ہو، جہاں جانا ہے تو پھر مسافر ہوجائے گا اور اس سے کم ہو تو مسافر نہیں ہوا۔

مسئلہ: اگر عورت چار منزل جانے کی نیت سے چلی؛ لیکن پہلی دو منزلیں حیض کی حالت میں گزریں، تب بھی وہ مسافر نہیں ہے، اب نہا دھو کر پوری رکعتیں پڑھے، البتہ حیض سے پاک ہونے کے بعد وہ جگہ تین منزل ہو یا چلتے وقت پاک تھی، راستہ میں حیض آ گیا تو وہ البتہ مسافر ہے، حیض سے پاک ہو کر نماز مسافروں کی طرح پڑھے۔

مسئلہ: نماز پڑھتے پڑھتے نماز کے اندر ہی پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت ہوگئی تو مسافر نہیں رہا، یہ نماز بھی پوری پڑھے۔

مسئلہ: دو چار دن کے لیے راستے میں کہیں ٹھہرنا پڑے؛ لیکن کچھ ایسی باتیں ہوجاتی ہیں کہ جانا نہیں ہوتا، روز نیت ہوتی ہے کہ کل پرسوں چلا جاؤں گا؛ لیکن نہیں جانا ہوتا اسی طرح پندرہ، یا بیس دن، یا ایک مہینہ، یا اس سے بھی زیادہ رہنا ہوگیا؛ لیکن پورے پندرہ دن کی نیت کبھی نہیں ہوئی، تب بھی وہ مسافر رہے گا، چاہے جتنے دن اسی طرح گزر جائیں۔

مسئلہ: تین منزل کا ارادہ کر کے چلا، پھر کچھ دور جا کر کسی وجہ سے ارادہ بدل گیا اور گھر لوٹ آیا تو جب سے لوٹنے کا ارادہ ہوا ہے، تب بھی سے مسافر نہیں رہا۔

مسئلہ: کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ راستے میں جتنا وہ ٹھہرے گا، اتنا ہی یہ ٹھہرے گی، اس سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتی تو ایسی حالت میں شوہر نیت کا اعتبار ہے، اگر شوہر کا ارادہ پندرہ دن ٹھہرنے کا ہے تو عورت بھی مسافر نہیں رہی، چاہے ٹھہرنے کی نیت کرے، یا نہ کرے، اور مرد کا ارادہ کم ٹھہرنے کا ہو تو عورت بھی مسافر ہے۔

مسئلہ: تین منزل چل کر کہیں پہنچا تو اگر وہ اپنا گھر ہے تو مسافر نہیں رہا، چاہے کم رہے، یا زیادہ اور اگر اپنا گھر نہیں ہے تو اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو تو بھی مسافر نہیں رہا، اب نمازیں پوری پڑھے اور اگر نہ اپنا گھر ہے، نہ پندرہ ٹھہرنے کی نیت ہے تو وہاں پہنچ کر بھی مسافر رہے گا۔

مسئلہ: راستے میں کئی جگہ ٹھہرنے کا ارادہ ہے، دس دن یہاں، پانچ دن وہاں؛ لیکن پورے پندرہ دن ٹھہرنے کہیں ارادہ نہیں، تب بھی مسافر رہے گا۔

مسئلہ: کسی نے اپنا شہر بالکل چھوڑ دیا اور کسی جگہ گھر بنالیا اور وہیں رہنے سہنے لگا، اب پہلے شہر سے اور پہلے گھر سے کچھ مطلب نہیں رہا، تو اب وہ شہر اور پردیس دونوں برابر ہیں تو اگر سفر کرتے وقت راستے میں وہ پہلا شہر پڑے اور دو چار دن وہاں رہنا ہو تو مسافر رہے گا۔

مسئلہ: اگر کسی کی نمازیں سفر میں قضا ہوگئیں تو گھر پہنچ کر بھی ظہر، عصر، عشا کی دو ہی رکعتیں قضا پڑھے اور اگر سفر سے پہلے ظہر کی نماز قضا ہوگئی تو سفر کی حالت میں چار رکعتیں اس کی قضا پڑھے۔

مسئلہ: بیاہ کے بعد اگر عورت مستقل طور پر سسرال میں رہنے لگی تو اس کا اصلی گھر سسرال ہے تو اگر تین منزل چل کر میکے گئی اور پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہیں ہے تو مسافر رہے گی، مسافرت کے قاعدے سے نماز روزہ ادا کرے اور اگر وہاں کا رہنا ہمیشہ دل میں نہیں تو جو وطن سے پہلے اصلی تھا، وہ وہی اب بھی اصلی رہے گا۔ ==

مسافر اتمام کب کرے گا:

صلوٰۃ المسافر سے متعلق ایک سوال کے جواب میں یہ تحریر فرمایا۔

الجواب

جب تک پندرہ روز اقامت کی نیت نہ ہو یا وطن اصلی میں نہ پہونچیں مسافر رہیں گے، اور اتمام نہ کریں، (۱) وطن اقامت سارا علاقہ نہیں ہوتا۔

خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱/۱۱۷)

== **مسئلہ**: دریا میں کشتی چل رہی ہے اور نماز کا وقت آ گیا تو اسی کشتی پر نماز پڑھ لے اگر کھڑا ہو کر پڑھنے میں سر گھومنے لگے تو بیٹھ کر پڑھے۔

مسئلہ: ریل پر نماز پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے کہ چلتی ریل میں نماز پڑھنا درست ہے اگر کھڑے ہو کر پڑھنے سے سر گھومنے، یا گرنے کا خوف ہو تو بیٹھ کر پڑھے۔

مسئلہ: نماز پڑھنے میں ریل پھر گئی اور قبلہ دوسری طرف ہو گیا تو نماز ہی میں گھوم جائے اور قبلہ کی طرف منہ کرے۔

مسئلہ: اگر کسی عورت کو تین منزل جانا ہو تو جب تک مردوں میں سے کوئی اپنا محرم یا شوہر کے ساتھ نہ ہو، اس وقت تک سفر کرنا درست نہیں ہے، بے محرم کے ساتھ سفر کرنا بڑا گناہ ہے اور اگر منزل، یا دو منزل جانا ہو، تب بھی بے محرم کے ساتھ جانا بہتر نہیں۔

مسئلہ: جس محرم کو خدا اور رسول کا ڈر نہ ہو اور شریعت کی پابندی نہ کرتا ہو ایسے محرم کے ساتھ بھی سفر کرنا درست نہیں۔

مسئلہ: اگر کوئی ایسی بیماری ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے، تب بھی چلتے یکہ پر نماز پڑھنا درست نہیں، جب تک گھوڑا کھول کر الگ نہ کر دیا جائے، اس وقت تک اس پر نماز پڑھنا درست نہیں، یہی حکم پالکی ہے۔

مسئلہ: اگر اونٹ، یا بہلی سے اترنے میں جان یا مال کا اندیشہ ہے تو بدوں اترے بھی نماز درست ہے۔

مسئلہ: مقیم کی اقتدا مسافر کے پیچھے ہر حال میں درست ہے، خواہ ادا نماز ہو، یا قضا اور مسافر امام جب دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی کو چاہیے کہ اپنی نماز اٹھ کر تمام کرے اور اس میں قرأت نہ کرے؛ بلکہ چپ کھڑا رہے؛ اس لیے کہ وہ لاحق ہے اور قعدۂ اولیٰ اس مقتدی پر بھی متابعت امام کی وجہ سے فرض ہوگا، مسافر امام کو مستحب ہے کہ اپنے مقتدیوں کو بعد دونوں طرف سلام پھیرنے کے فوراً اپنے مسافر ہونے کی اطلاع کر دے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ قبل نماز شروع کرنے کے بھی اپنے مسافر ہونے کی اطلاع کر دے۔

مسئلہ: مسافر بھی امام کی اقتدا کر سکتا ہے؛ مگر وقت کے اندر اور وقت جاتا رہا تو فجر اور مغرب میں کر سکتا ہے اور ظہر، عصر اور عشا میں نہیں۔

مسئلہ: اگر کوئی مسافر حالتِ نماز میں اقامت کی نیت کر لے، خواہ اول میں، یا درمیان میں، یا اخیر میں؛ مگر سجدۂ سہو، یا سلام سے پہلے تو اس کو وہ نماز پوری پڑھنا چاہیے، اس میں قصر جائز نہیں۔

مسئلہ: جب کوئی شخص اپنے وطن سے سفر کرنے لگے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ دو رکعت گھر میں پڑھ کر سفر کرے اور جب سفر سے آئے تو مستحب ہے کہ پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ لے، اس کے بعد اپنے گھر جائے احادیث میں اس کی فضیلت آئی ہے۔ (دین کی باتیں از مولانا اشرف علی تھانوی)

(۱) صلی الفرض الرباعی رکعتین) ... (حتیٰ یدخل موضع مقامه) ... (أو ینوی) ... (إقامة نصف شهر) ... (بموضع) ... (صالح لها) ... (فیقصر إن نویٰ) ... (فی أقل منه) ... (أی فی نصف شهر). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار: ۲/۱۲۳-۱۲۵، دار الفکر بیروت، انیس)

مسافر کا حکم سفر سے خارج ہونا:

سوال: مسافر کا سفر کب پورا ہوتا ہے؟

الجواب

کسی شہر یا دیہہ میں پندرہ دن، یا اس سے زائد کی نیت کرنے سے حکم سفر سے نکل جاتا ہے۔

ہدایہ میں ہے: **ولایزال علیٰ حکم السفر حتیٰ ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یوماً أو أکثر، انتھیٰ** (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۳۹)

مغرب کی فرض میں قصر ہے، یا نہیں اور ہے تو کیا:

سوال: مغرب کی تین (رکعت) فرضوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب

مغرب میں قصر نہیں ہے۔ (۲) (فتاویٰ دار العلوم: ۴/۴۸۵-۴۸۶)

حالت سفر کی قضا نمازوں کی ادائیگی بصورت قصر ہی ہوگی:

سوال: سفر میں جو نمازیں قضا ہوئی ہوں ان کو حضر میں پوری پڑھے یا قصر کرے اور سفر میں جو نماز پوری پڑھی گئی ان کو اعادہ کرے یا وہ ہوگئی؟

الجواب

اس کا حکم یہ ہی ہے کہ سفر کی قضا شدہ نمازوں کو حضر میں بھی قصر کرے، (۳) اور جو نمازیں سفر میں پوری پڑھی گئی ان میں اگر قعدۂ اولیٰ کر چکا ہے تو وہ ہوگئی۔ (۴) (فتاویٰ دار العلوم: ۴/۴۵۲-۴۵۳)

---

(۱) الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/۱٤٦، ثاقب بكڈپو، دیوبند، انیس

(۲) صلى الفرض الرباعي ركعتين) (الدر المختار) (وفي الرد) تحته واحترز بالفرض عن السنن والوتر وبالرباعي عن الفجر والمغرب. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، ظفير)

(۳) والقضاء يحكي) أي يشابه (الأداء سفرًا و حضرًا)؛ لأنه بعد ما تقرر لايتغير (الدر المختار)

وفي الرد: (قوله سفرًا وحضرًا) أي فلو فاتته صلاة السفر وقضاها في الحضر يقضيها مقصورة كما لو أداها وكذا فائتة الحضر تقضى في السفر تامة. (الدر المختار مع ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳٥، دار الفكر، بيروت، ظفير)

(۴) فلو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولىٰ تم فرضه) إلخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۸، ظفير)

سفر کی قضا شدہ نماز حضر میں کس طرح ادا کی جائے:

سوال: اگر سفر میں نماز قضا ہو جائے تو گھر آ کر کس طرح پڑھی جائے؟ سفر کی قضا شدہ چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھی جائے گی، یا چار رکعت نیز پہلے سفر والی قضا نماز پڑھی جائے گی، یا وقتیہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر وہ سفر کی قضا شدہ نماز گھر میں آ کر ادا کرتا ہے تو اسے چار رکعت والی نماز دو رکعت ہی ادا کرنی ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ قضا شدہ نمازوں کو ترتیب سے ادا کرے، پھر وقتیہ نماز ادا کرے، البتہ اگر اس نماز کے قضا ہو جانے کا خطرہ ہو تو پہلے یہ وقتیہ اس کے وقت میں ادا کرے، پھر باقی قضا نمازیں پڑھے۔

(صلى الفرض الرباعي ركعتين) وجوبًا لقول ابن عباس رضى اللّٰه عنه: إن اللّٰه فرض علىٰ لسان نبيكم صلاة المقيم أربعًا و المسافر ركعتين. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۶/۶/۲۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۷۶)

سفر میں بے وضو پڑھی گئی واجب الاعادۃ نماز میں قصر کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ظہر کی نماز پڑھی اور اسی وقت کے اندر سفر کیا، پھر عصر کی اپنے وقت کے اندر نماز پڑھی، پھر سفر کو سورج غروب ہونے سے پہلے ترک کر دیا، پھر یاد آیا کہ اس نے ظہر وعصر کی نماز بے وضو پڑھی تھی تو اب وہ کون سی نماز قصر پڑھے اور کون سی نماز پوری پڑھے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

ظہر کی نماز قصر کرے؛ کیوں کہ اس وقت مسافر تھا، عصر کی نماز پوری پڑھے؛ کیوں کہ اس وقت سفر ختم کر چکا تھا۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۰/۲۳ھ۔

---

(۱) الدر المختار علىٰ رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۶۰۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(فإن كثرت وصارت الفوائت مع الفائتة ستًا ظهر صحتها) بخروج وقت الخامسة التى هى سادسة الفوائت؛ لأن دخول وقت السادسة غير شرط (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مكتبة زكريا، ديوبند: ۲/۵۳۱)

عن الثورى قال: من نسى صلاة فى الحضر فذكر فى السفر صلى أربعا و إن نسى صلاة فى السفر ذكر فى الحضر صلى ركعتين. (مصنف عبد الرزاق ، باب من نسى صلاة الحضر: ۲/۳۵۸، رقم الحديث: ۴۴۰۰، انيس)

(۲) (والقضاء يحكى) أى يشابه (الأداء سفرًا وحضرًا). (الدر المختار)

وفى الرد: "قوله: سفرًا وحضرًا): أى فلو فاتته صلاة السفر وقضاها فى الحضر، يقضيها مقصورة كما لو أداها، وكذا فائتة الحضر تقضى فى السفر تامة، آه. (رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب فى الوطن الأصلى: ۲/۱۳۵، سعيد)

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سفر شرعی ہو (مسافت قصر سفر نہ ہو)۔فقط
بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۰۳/۷)

جو مسافر وطن پہنچ کر بھی نادانی سے قصر کرتا رہا ہو تو پڑھی یا پڑھائی گئی نماز کی اعادہ ضروری ہے:

سوال: زید بحالت سفر قصر نماز ادا کرتا ہوا وطن اصلی پہنچا، چوں کہ مسئلہ معلوم نہ تھا؛ اس لیے زمانۂ قیام وطن میں بھی نماز قصر پڑھتا رہا، امامت کی تب بھی قصر ہی کیا تو امام ومقتدیوں کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

اس صورت میں جس قدر نمازیں اس نے اپنے وطن اصلی میں قصر کی ہیں، ان کا اعادہ کرنا اس کے ذمہ اور ان لوگوں کے ذمہ جنھوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی ہے، لازم ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴۵۷/۴-۴۵۸)

سفر شرعی میں قصر کے ترک سے گنہ گار ہوگا، یا نہیں:

سوال: جو شخص سفر میں قصر نہ کرے تو گنہ گار ہوگا، یا نہیں؟ اگر گنہ گار ہے تو کیوں؟ کیا ﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَلِنَفْسِهِ﴾ کا اطلاق اس پر ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ سفر شرعی میں قصر نماز واجب ہے، قصداً پوری نماز پڑھنا ممنوع ہے؛(۲) کیوں کہ یہ حدود اللہ سے تجاوز ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾(۳) اور "مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا" میں یہ داخل نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ حکم شارع علیہ السلام کے خلاف کرنا خیر نہیں ہے؛ بلکہ وہ شر ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۷۰/۴)

قصر نہ کرے تو گنہ گار ہوگا، یا نہیں:

سوال: نماز قصر نہ کرے تو گناہ گار ہوتا ہے، یا نہیں؟

---

(۱) (الوطن الأصلي) هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول أهل فلو بقي لم يبطل بل يتم فيهما (الدر المختار) (وفي الرد: تحته) أي بمجرد الدخول وإن لم ينو إقامة (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲-۱۳۲، ظفير)

(۲) من صلى الفرض الرباعي ركعتين) وجوباً ... والإكمال ليس رخصة في حقه بل إساءة. (الدر المختار)
وفي الرد: (قوله وجوبًا) فيكره الإتمام عندنا حتى روى عن أبي حنيفة أنه قال: من أتم الصلاة فقد أساء وخالف السنة. (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۳/۲-۱۲۴، ظفير)

(۳) سورة البقرة، ركوع: ۲۹، ظفير

الجواب

گناہ گار رہوتا ہے۔(۱)(فتاویٰ دارالعلوم:۴۸۰/۴)

سفر میں پوری نماز پڑھنے سے گنہگار رہوگا، سنت چاہے پڑھ لے:

سوال: سفر میں اگر نماز پڑھی پوری تو گنہ گار رہوا، یانہیں؟ اور اگر قصر پڑھے تو سنت بھی پڑھے، یانہیں؟ اور درصورت نہ پڑھنے کے گنہگار رہوتا ہے، یانہیں؟

الجواب

امام صاحب کے نزدیک گنہ گار رہوتا ہے، سفر قصر میں سنت پڑھے؛ مگر تاکید کم ہوجاتی ہے، نہ پڑھے تو گناہ نہیں۔فقط (بدست خاص، سوال:٦٧)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۹۰)

قصر کے حکم کے باوجود اگر پوری نماز پڑھی جائے تو جائز ہے، یانہیں:

سوال: اگر میں اس رعایت؛ یعنی قصر کا مستحق ہوں اور پھر بجائے دوگانہ کے پوری نماز ادا کروں تو جائز ہے، یانہیں؟

الجواب

مسافر شرعی کو جیسا کہ آپ کا سفر ہے، جب تک کسی بستی میں پندرہ دن، یا زیادہ کے قیام کا ارادہ نہ ہو تو نماز قصر کرنا واجب ہے، پوری نماز نہ پڑھنی چاہیے، یہ جائز نہیں ہے۔(۲)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴۸۵/۴-۴۸۶)☆

(۱) وفرض المسافر في الرباعية ركعتان لايزيد عليهما ... وإن صلى أربعًا وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأته الأوليان عن الفرض والأخريان له نافلة.(الهداية،باب صلاة المسافر: ۱/۱٤٥-۱٤٦،ثاقب بكدپو ديوبند،ظفير)

(۲) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... مسيرة ثلثة أيام ولياليها) ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين) وجوبًا ... (حتٰى يدخل موضع مقامه) ... (أوينوى)... (إقامة نصف شهر)حقيقة أوحكمًا.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۲،دار الفكر بيروت،انيس)

☆ سفر شرعی اور قصر:

تین دین کا سفر، سفر شرعی اور قصر ہے، تین دن میں عموماً تین منزلوں کا ہی سفر کیا جاتا تھا؛ اس لیے تین دن کا مطلب منزل کا سفر۔ ہر علاقے کی منزلیں الگ ہوتی تھیں، اس وجہ سے مسافت کے حساب میں فرق ہے اور اکثر علماءِ ہند اسی بنیاد پر ۴۸/میل انگریزی (یومیہ ۱۶/میل) کا حساب رکھا ہے، جواب ۷۵/کلومیٹر سے کچھ اوپر ہے۔

معروف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفین پر مسح کے لیے مسافر کی مدت تین دن (رات ودن) رکھی ہے۔(ملاحظہ ہو جامع الأصول:۲٤۳/۷،وما بعد،شرح معاني الآثار،كتاب الطهارة،باب المسح على الخفين)

اس سلسلہ کی روایتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن ورات خفین پر مسح کے لیے رکھا ہے۔'' (عن علي قال: ''جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلا ثة أيام ولياليهن للمسافر''. (أخرجه مسلم والنسائي،جامع الأصول:۲٤۳/۷،مسلم،باب التوقيت في المسح على الخفين) ==

جو حنفی مسافر قصر کی جگہ پوری نماز پڑھے، اس کا حکم کیا ہے:

سوال: ایک مسافر حنفی نے نماز میں قصر نہ کیا، دریافت کرنے سے جواب دیا کہ جب قصر کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ نماز ہی نہیں پڑھی اور دل اچاٹ ہوجاتا ہے، اس وجہ سے قصر نہیں کرتا، مجبوراً قول امام شافعی کو لیتا ہوں۔ اس صورت میں اس مسافر کی نماز ہوئی، یا نہیں؟

== اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفین پر مسح کے لیے تین دن ورات وقت بتایا ورکھا ہے''۔(عن أبی بکرة:''أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وقت فی المسح علی الخفین ثلا ثة أیام ولیالیهن للمسافر''.(الحدیث) (أخرجه ابن حبان،اعلاء السنن:۲۳٦/۷)صحیح ابن حبان.(الإحسان:۳۱۱/۲)

معروف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ہدایت کی ہے کہ تین دن کا سفر بغیر محرم کے نہ کریں۔(ملاحظہ ہو، جامع الأصول:۲۴/۵،وما بعد،شرح معانی الآثار،أبواب الحج،باب حج المرأة بغیر محرم. (مصنف عبدالرزاق (۵۲۷/۲) میں سفیان ثوری سے اسی روایت کی بنیاد پر تین دن کا قول نقل کیا گیا ہے؛ بلکہ امام محمد نے کتاب الحجہ (۱۶۶/۱، ۱۶۷) میں اس کا وضاحۃً تذکرہ کیا ہے۔)

اس سلسلے کی روایتوں حضرت ابن عمر (البخاری جامع الأصول: ۲۵/۵،بخاری تقصیر الصلاة،باب کم یقصر الصلاة،مسلم،الحج،باب سفر المرأة مع المحرم الی الحج،واللفظ:لا تسافر المرأة ثلا ثاً الا ومعها ذا محرم) اور حضرت ابوہریرہ(رواه مسلم، کتاب الحج،باب سفر المرأة مع المحرم،الخ،واللفظ:لایحل لامرأة تسافرثلا ثاً الا ومعها ذا محرم منها، (ملاحظہ ہو جامع الأصول:۲٤/۵)رضی اللہ عنہما کی بعض روایتوں میں یہ مضمون بھی آیا ہے:

''عورت محرم کے بغیر تین دن کی مسافت کا سفر نہ کرے''۔(بخاری ومسلم)

علی بن ربیعہ والبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ کس مسافت تک کے سفر میں قصر کیا جائے گا، فرمایا: تم سویداء جانتے و(مدینہ سے قریب ایک بستی ہے) میں نے عرض کیا: میں جانتا تو نہیں لیکن اس بابت سنا ہے، فرمایا: ''سویدا (مدینہ سے) تین درمیانی راتوں (کی مسافت وسفر) کے فاصلے پر ہے، جب ہم وہاں تک جاتے ہیں تو قصر نماز ادا کرتے ہیں''۔(عن علی بن ربیعة الوالبی قال:''سألت عبد اللّٰه بن عمر الیٰ کم تقصر الصلاة؟ أتعرف السویداء؟قال:قلت: لا ولکنی سمعت بها،قال:هی ثلاث لیال قواصد،فاذا خرجنا الیها قصرنا الصلاة فی السفر''.(رواه الامام محمد بن الحسن فی الآثار،اعلاء السنن: ۲۳۸/۷) کتاب الآثارباب الصلاة فی السفر)وفی اعلاء السنن(۲۳۸/۷):فی آثار السنن:(٦۲/۲)اسناده صحیح، قلت: رجاله ثقات من رجا الصحیحین،وفی هامش کتاب الآثار(للدکتور احمد عیسیٰ: ۲۳٦/۱)رواه عبد الرزاق فی مصنفه (۵۲٦/۲) لکن فعلاً کما رواه البیهقی فی سننه وفیه قوله:موقوف اسناده صحیح.وروی من قول عمر:تقصیر الصلاة فی مسیرة ثلا ثة لیال قواصد.(رواه الطبری فی تفسیره کما نقله فی الاعلاء من کنز العمال وذکره فی موسوعة آثار الصحابة (۲۷۸/۱)

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''جب تین دن کا سفر کرو تو قصر کرو''۔(عن سوید بن غفلة الجعفی قال:''اذا سافرت ثلا ثاً فاقصر''.(رواه محمد بن الحسن فی الحجج،اعلاء السنن: ۲٤۷/۷) کتاب الحج علیٰ أهل المدینة: ۱٦۸/۱ .أقول:رواه عبد الرزاق فی مصنفه (۵۲٦/۲، ۵۲۷)،والسند قوی فانه روی عن اسرائیل عن ابراهیم بن الأعلیٰ عن سوید بن غفلة،(ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار، انیس)

الجواب

یہ اس مسافر نے برا کیا، امام شافعی کے مذہب پر اس بارہ میں حنفی کو عمل کرنا درست نہیں ہے، اپنے مذہب کے موافق ضرور قصر کرے، قصر کرنا واجب ہے۔(۱) باقی اگر اس نے تنہا نماز پڑھی تو ہوگئی اور اگر امام ہوا تو مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۴۴۶/۴)

پوری نماز سفر میں پڑھنے کی نیت:

سوال: مسافر نے منت مانی کہ سفر میں دو چار روز تک پوری نماز پڑھا کروں گا تو منت کے دنوں کی نماز پوری پڑھے، یا قصر کرے؟

الجواب

قصر کرنا چاہیے، یہ منت اس کی لغو ہے کہ معصیت ہے اور خلاف شرع ہے، قصداً پوری نماز پڑھنے میں گنہ گار ہوگا،(۳) اور مقیم کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی، کما مر۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴۸۸/۴-۴۸۹)

مسافر نے ظہر پوری چار رکعت پڑھ لی، تو اعادہ واجب ہے:

سوال: مسافر نے سہواً چار رکعت ظہر پڑھی تو نماز کا اعادہ کرے، یا نہیں؟

الجواب

اعادہ کرے وجوبًا۔(۵) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴۵۰/۴)

---

(۱) والقصر لازم عندنا ... والآثار في ذلک کثیرة وهي تدل علی أن الفرض رکعتان وأن الإتمام منکر ولو کان جائزًا لفعله علیه الصلاة والسلام مرة تعلیماً للجواز. (غنیة المستملي، باب صلاة المسافر، ص: ٥٣٨، ظفیر)

(۲) (فلو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولٰی تم فرضه و) لکنه (أساء) لو عامدًا لتأخیر السلام وترک واجب القصر وواجب تکبیرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لا یحل. (الدر المختار علی رد المحتار، باب صلاة المسافر: ١٢٨/٢، دار الفکر، ظفیر)

(۳) (فلو أتم مسافر إن قعد في) ... (الأولٰی تم فرضه و) لکنه (أساء)، إلخ. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ١٢٨/٢، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۴) ولو اقتدی مقیمون بمسافر وأتم بهم بلا نیة إقامة وتابعوه فسدت صلاتهم لکونه متنفلاً في الأخریین.

(۵) (ولو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولٰی تم فرضه و) لکنه (أساء) لو عامدًا لتأخیر السلام و ترک واجب القصر... وهٰذا لا یحل کما حرره القهستاني بعد أن فسر أساء بإثم واستحق النار. (الدر المختار)

فعلم أن الإساءة هنا کراهة التحریم. (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ١٢٨/٢، دار الفکر بیروت)

وکذا کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم تجب إعادتها. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ٤٥٧/٢، دار الفکر بیروت، ظفیر)

اگر کسی نے دوران سفر پورے فرائض پڑھے تو کیا نماز ہو جائے گی:

سوال: دوران سفر فرض کتنے پڑھیں؟ اگر ہم فرض پورے پڑھیں تو کیا نماز ہو جائے گی؟ خواہ مسئلہ کسی کو معلوم ہو، یا نہیں؟

الجواب

سفر میں چار رکعت والی نماز کی دو ہی رکعتیں فرض ہیں، (۱) جو شخص چار رکعتیں پڑھے، اس کی مثال ایسی ہوگئی کہ کوئی فجر کی دو رکعتوں کے بجائے "چار فرض" پڑھنے لگے، ظاہر ہے کہ اس کی نماز درست نہیں ہوگی، اور دوبارہ لوٹانا واجب ہوگا۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۰۳/۴)

---

(۱) قال: وصلاة المسافر ركعتان إلا المغرب والوتر فإنهما ثلاث ثلاث... وقال ابن عباس: فرض الله الصلاة علىٰ لسان نبيكم في الحضر أربعًا وفي السفر ركعتين. (شرح مختصر الطحاوی، باب صلاة المسافر: ۲/ ۹۱-۹۲)

سفر میں چار رکعت والے فرض (ظہر، عصر و عشا) کی صرف دو رکعت ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ گئے، آپ دو دو رکعت پڑھتے رہے کہ حتیٰ کہ ہم مدینہ واپس آ گئے"۔ (عن أنس بن مالك قال: "خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم من المدينة الىٰ مكة فكان يصلي ركعتين ركعتين حتىٰ رجعنا الى المدينة". (أخرجه الجماعة، جامع الأصول: ٥/ ٧٠١، البخاری، أبواب التقصير، باب ما جاء في التقصير، مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفر کیا، یہ حضرات ظہر و عصر دو ہی دو رکعت ادا فرماتے تھے"۔ (عن ابن عمر قال: "سافرت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر و عمر وعثمان فكانوا يصلون الظهر والعصر ركعتين ركعتين". (أخرجه الترمذی، جامع الأصول: ٥/ ٧٢٩، الترمذی، أبواب السفر، باب التقصير في السفر، وقال: حديث حدن غريب، ابن عمر یہ روایت مضمون کے کچھ فرق کے ساتھ صحیحین میں بھی آئی ہے۔ (ملاحظہ ہو جامع الاصول: ۷۰۵/۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ارشاد نبوی مروی ہے: "سفر کی نماز دو رکعت ہے، (جو سنت کو ترک کرے گا، وہ کفر کا کام کرے گا)"۔ (عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "صلاة السفر ركعتان من ترك السنة كفر". (رواه ابن حزم، اعلاء السنن: ٧/ ٣٥٥) المحلىٰ لابن حزم: ٤/ ٣٨١ (نسخة حسن زيدان) عمدة القاری (٦/ ١٣٢) وفيه: سند صحيح، اس میں مرفوع حصہ صرف پہلا جملہ ہے، دوسرا جملہ جو بین القوسین ہے موقوف ہے ابن عمر کا ارشاد ہے جیسا کہ دوسرے مواقع میں بسند صحیح آیا ہے، (ملاحظہ ہو مجمع الزوائد: ۱۵۷/۲) رواه الطبرانی في الكبير وقال الهيثمي: رجاله رجال الصحيح وللطبرانی في الصغير بلفظ آخر مع قوله: رجاله موثوقون. اس مضمون کی روایات متعدد صحابہ سے مرفوعاً و موقوفاً آئی ہیں کہ نماز سفر دو دو رکعت ہے، اور یہ پوری نماز ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہے۔ (ملاحظہ ہو جامع الاصول: ۱۸۴/۵، و ۱۸۶، نصب الرایۃ، باب صلوٰۃ المسافر، مجمع الزوائد: ۱۵۷/۲، ۱۵۸، وعمدۃ القاری: ۱۱۹/۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبان پر حضر کی نماز چار رکعت اور سفر کی دو رکعت فرض کی ہے"۔ (عن ابن عباس قال: "فرض الله الصلاة علىٰ لسان نبيكم في الحضر أربعاً وفي السفر ركعتين". (رواه مسلم وأبوداؤد والنسائی، جامع الأصول: ٥/ ١٨٤، مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

(۲) كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، في بحث واجبات الصلاة: ١/ ٤٥٧، دار الفكر بيروت، انيس)

مسافر پوری نماز بھول سے پڑھ لے تو کیا حکم ہے:

سوال: مسافر دوسری رکعت پر بیٹھ کر کھڑا ہوا اور چاروں رکعتیں پوری کرلیں تو اس کی نماز ہوگئی، یا نہیں؟ اور وہ گنہگار رہوا، یا نہیں؟

الجواب

مسافر نے اگر قعدہ درمیانی کرلیا اور لاعلمی سے نماز پوری پڑھی تو نماز ہوگئی اور گنہ بھی نہیں ہوا۔ قصداً اگر ایسا کرے، تو گنہ گار ہے، نماز ہوگئی اور اگر (مسافر) امام مقیم کا ہوا تو مقیم کی نماز نہ ہوگی، اس کو اطلاع کردینا لازم ہے۔

(لو أتم مسافر إن قعد فی) القعدة (الأولیٰ تم فرضه و) لکنه (أساء) لوعامدًا... (وما زاد نفل) کمصلی الفجر أربعًا. (الدر المختار)(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۹۴-۴۹۵)

مسافر کا اتمام کرنا:

سوال: اگر مسافر سہو سے چار رکعت پڑھ جاوے، پھر بعد میں یاد آوے تو یہ نماز ہو جاوے گی، یا یہ لوٹا کر پھر پڑھے گا؟ فقط والسلام

الجواب حامدًا و مصلیًا

اگر سہواً سفر شرعی کی حالت میں اتمام کیا اور قعدہ اولیٰ بھی کیا تو فرض ادا ہوگیا؛ لیکن تاخیر واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے، اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز کا اعادہ کرنا چاہیے۔

(فإذا أتم الرباعية و) الحال أنه (قعد القعود الأول) قدر التشهد (صحت صلاته) ... (مع الکراهة) لتأخیر الواجب، وهو السلام عن محله، إن کان عامدًا فإن کان ساهیًا یسجد للسهو". (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۰/۱۳۵۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۰۷)

ایضاً:

سوال: زید دیوبند سے سفر شرعی پر گیا، وہاں اس نے قصر کیا اور اسی پر بس نہیں؛ بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی نماز پڑھائی؛

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۸، دار الفکر، بیروت، انیس
(لایصح الاقتداء) ... (و) لا (مفترض بمتنفل) (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۷۸، ۵۷۹، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) مراقی الفلاح علیٰ حاشیة الطحطاوی، باب صلاة المسافر، ص: ۴۲۵، قدیمی

مگراسے سفر کا کوئی خیال نہ تھا، کیا اس کا نماز پڑھانا اور خود چار رکعت پڑھنا کیسا ہے؟ کیا ان لوگوں کی نماز ہوئی، یا نہیں؟ یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہاں تک سفر کا اطلاق بھی ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ یا سفر میں بھی قصر، یا غیر قصر کی نیت کرنا ہوگی، یا نہیں؟ نیت کے بارے میں ضرور روشنی ڈالیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

جب مسافت سفر شرعی (۱) کا قصد کر کے آدمی چلے تو اس کے لیے قصر کرنا واجب ہوتا ہے، تنہا نماز پڑھے، یا امام ہو کر

---

(۱) جس مقام سے جس مقام تک جانا ہے، وہاں کا سفر تین دن کا راستہ ہو۔ درمیانی چال سے کہ صبح سے زوال تک چلے اور اونٹ کی چال اور انسان کی پیدل چال کا اعتبار ہے؛ کیوں کہ انسان عام طور پر اسی رفتار سے چلتا ہے؛ اس لیے شریعت نے اسی کی چال کا اعتبار کیا ہے۔ اس سے تیز رفتار کی چال کا اعتبار نہیں کیا؛ کیوں کہ شریعت انسان کی عمومی حالت کا اعتبار کرتی ہے۔ آدمی عموما ایک دن میں اوسط چال سے صبح سے دو پہر تک میں سولہ (۱۶) میل چل سکتا ہے۔ اس اعتبار سے تین دن میں اڑتالیس (۴۸) میل ہوتے ہیں اور حنفیوں کے یہاں اڑتالیس میل اسی حساب سے مشہور ہے۔ (اثمار الہدایۃ)

پچھلے زمانے میں عرب میں برد، فرسخ اور غلوہ رائج تھے، بعد میں میل شرعی آیا اور ابھی دنیا میں انگریزی میل اور کیلومیٹر کا حساب رائج ہے۔ اس لئے ان کی تفصیل یہ ہے۔۔۔۔ ایک برد چار فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہوتا۔ اور ایک شرعی میل چار ہزار ہاتھ یعنی دو ہزار گز کا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک برد بارہ شرعی میل کا ہوا۔۔۔۔ اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل شرعی چار ہزار ہاتھ کا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ دو ہزار گز کا میل ہوا۔۔۔۔ انگریزی میل شرعی میل سے 1.13636 چھوٹا ہوتا ہے؛ کیوں کہ میل انگریزی 1760 گز کا ہوتا ہے. اور شرعی میل 2000 گز کا ہوتا ہے اور کیلومیٹر شرعی میل سے 1.828 چھوٹا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کیلومیٹر صرف 1093.61 گز کا ہوتا ہے۔ اور کیلومیٹر انگریزی میل سے 1.6092 فیصد چھوٹا ہوتا ہے۔ اس حساب سے 48 میل شرعی 54.545 میل انگریزی ہوگا اور 87.782 کیلومیٹر ہوگا، جس پر قصر نماز کا حکم لگایا جا سکے گا۔ کلکیو لیٹر سے حساب کر لیں۔

ایک گز 0.914399 میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر 1.0936143 گز کا ہوتا ہے۔
ایک انگریزی میل 3520 ہاتھ کا ہوتا ہے۔
ایک انگریزی میل 1760 گز کا ہوتا ہے۔
ایک انگریزی میل 1.6093422 کیلومیٹر کا ہوتا ہے۔
ایک انگریزی میل 1609.3422 میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک کیلومیٹر 1000 میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک کیلومیٹر 1093.61 گز کا ہوتا ہے۔
ایک کیلومیٹر 0.62137 انگریزی میل کا ہوتا ہے۔
ایک کیلومیٹر 2187.22 ہاتھ کا ہوتا ہے۔
ایک شرعی میل 4000 ہاتھ کا ہوتا ہے۔
ایک شرعی میل 2000 گز کا ہوتا ہے۔

==

پڑھائے، اتمام کی جازت نہیں، (۱) اگر خیال سفر نہ رہے، یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اتمام کرلیا اور دو رکعت پر قعدہ بھی کیا ہے تو دو رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہو کر نماز ہوگئ؛ لیکن جب مقیم نے اس کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے، اس کو اپنی نماز لوٹانی چاہیے۔ (۲) امام کو چاہئے کہ مقتدی کو خبر کردے کہ فلاں روز فلاں وقت جس نے میرے پیچھے نماز پڑھی وہ اپنی نماز لوٹالے، میں مسافر تھا۔

== ایک شرعی میل 1828.798 میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک شرعی میل 1.828798 کیلومیٹر کا ہوتا ہے۔
ایک شرعی میل 1.13636 انگریزی میل کا ہوتا ہے۔
ایک شرعی میل انگریزی میل سے 1.13636 بڑا ہوتا ہے۔
48 شرعی میل 54.5452 انگریزی میل کا ہوتا ہے۔
48 شرعی میل 87.782 کیلومیٹر کا ہوتا ہے۔
ایک برد 12 میل شرعی کا ہوتا ہے۔
ایک برد 13.63632 انگریزی میل کا ہوتا ہے۔
ایک برد 21.9455 کیلومیٹر کا ہوتا ہے۔
ایک برد 21945.576 میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک برد 23999.92 گز کا ہوتا ہے۔
ایک برد 4 فرسخ کا ہوتا ہے۔
4 برد 48 میل شرعی کا ہوتا ہے۔
ایک فرسخ 3 میل شرعی کا ہوتا ہے۔
ایک فرسخ 3.40908 انگریزی میل کا ہوتا ہے۔
ایک فرسخ 5.48639 کیلومیٹر کا ہوتا ہے۔
ایک فرسخ 5486.39 میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک فرسخ 6000 گز کا ہوتا ہے۔
16 فرسخ 48 میل شرعی کا ہوتا ہے۔ (اثمار الہدایہ سے ماخوذ)

(۱) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (مسيرة ثلا ثة أيام ولياليها) ...(صلى الفرض الرباعي ركعتين وجوباً. (الدرالمختار)

وفى الرد: "(قوله: وجوبًا) فيكره الاتمام عندنا". (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲ـ۱۲۳، سعيد)

(۲) ولونوى الاقامة لا لتحقيقها بل ليتم صلاة المقيمين لم يصر مقيما. (الدرالمختار)

وفى الرد: (قوله: لم يصر مقيما) فلو أتم المقيمون صلا تهم معه، فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۰/۲، سعيد)

نیت اتنی کافی ہے کہ ''فلاں وقت کی نماز امام کے پیچھے اللہ کے لیے پڑھتا ہوں''، پھر امام مسافر ہے اور مقتدی مقیم ہے تو دو رکعت پر سلام پھیر دے اور امام کے بعد مقتدی مقیم اپنی دو رکعت پوری کر لے؛ مگر ان دو رکعت میں نہ الحمد پڑھے نہ سورت پڑھے؛ بلکہ اتنی دیر خاموش کھڑا ہو کر سجدہ کر کے نماز پوری کر لے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۴/۳/۲۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۰۸/۷-۵۰۹)

مسافر کا قصداً چار رکعت پڑھنا:

سوال: اگر مسافر قصداً چار رکعت نماز پڑھے اور ہر دو رکعت پر قعدہ بھی کرے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے اور ایسا شخص گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب

پہلی دو رکعت فرض اور مابعد کی نفل ہو گئیں اور فعل حسن نہیں ہے۔ ابو المکارم شرح نقایہ میں فرماتے ہیں:

لو أتم مسافر أربعاً وقعد القعدة الأولٰى قدر التشهد تم فرضه وهو الركعتان وأساء لتأخير السلام قصداً وما زاد علٰى فرضه نفل، انتهٰى.

ابو الحسنات محمد عبد الحئی (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبد الحئی اردو: ۲۱۶)

مسافر سہواً چار کی نیت کر لے تو کتنی رکعت ادا کرے:

سوال (۱) مسافر نے سہواً چار رکعت کی نیت باندھ لی تو دو رکعت پڑھے، یا چار اور سجدۂ سہو کرے، یا نہ؟

مسافر نے امام کو مقیم سمجھا اور اقتدا کی تو کیا کیا جاوے:

(۲) مسافر نے امام کو مقیم سمجھ کر اقتدا کی، سلام پھیرنے پر معلوم ہوا کہ امام مسافر تھا، اب وہ امام کے ساتھ سلام پھیر دے، یا چار رکعت پوری کرے؟

---

(۱) وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده، فإذا قام) المقيم (الى الاتمام لا يقرأ) ولا يسجد للسهو. وفي الرد تحت (قوله فاذا قام المقيم). أي بعد سلام الامام المسافر. (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۹/۲، سعيد)

"وإذا صلى المسافر بالمقيم ركعتين سلم وأتم المقيمون صلاتهم؛ لأن المقتدى التزم الموافقة في الركعتين، فينفرد في الباقي كالمسبوق، إلا أن أنه لايقرأ في الأصح". (البحر الرائق، باب صلاة المسافر: ۲۳۸/۲، رشيدية)

وان صلى المسافر بالمقيمين ركعتين سلم وأتم المقيمون صلا تهم كذا في الهداية وصاروا منفردين كالمسبوق الا أنهم لا يقرؤن في الأصح هٰكذا في التبيين ويستحب للامام أن يقول أتموا صلاتكم فانا تؤم سفر. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۴۲/۱، انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

(۱) دو ہی رکعت پڑھے اور سجدۂ سہو نہ کرے۔(۱) رہا نیت میں عدد کی غلطی، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

(لابد من التعيين عند النية) ... (لفرض) ... (دون) تعيين (عدد ركعاته) لحصولها ضمنًا فلايضرّ الخطأ فی عددها. (الدر المختار)(۲)

(۲) امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴/۴۶۱-۴۶۲)

سفر میں قصر نہ کرنے پر گناہ اور فرض نہ ہونے کی صورت میں حج، قربانی اور نوافل پر ثواب کیوں ہے:

سوال: حاشیہ قرآن مجید موضح القرآن (۴) زیر آیت: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ﴾ (۵) پر حضرت شاہ عبد القادر صاحب نے لکھا ہے کہ سفر میں نماز قصر کرے اور اگر پوری پڑھے گا تو گویا اس نے انعامِ حق سے بے پرواہی کی تو اس بنا پر جس پر حج اور قربانی فرض نہیں ہے، وہ اگر حج کرے، یا قربانی کرے تو وہ انعامِ حق سے لا پرواہی کرتا ہے، یا وہ اس حکم میں داخل نہیں اور اگر اس حکم میں داخل نہیں تو کس وجہ سے داخل نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

یہ آپ کی فہم کی کوتاہی ہے۔خدا تعالیٰ نے دو رکعت فرض کی سفر میں، اب اگر کوئی فرض کو نہ مانے اور چار رکعت پوری کرے تو اپنی رائے سے حکم اور رخصت حق تعالیٰ کو ٹلاتا ہے، اس واسطے اس پر وعید ہے۔ جیسا [کہ] فجر کی چار رکعت پڑھے اور نوافل میں جو اجر و ثواب ہے، اس کی تحصیل موجب رضا مندی ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسا کوئی حاکم کسی کو ہدیہ دیوے اور رعیت قبول نہ کرے، رد کر دے، اس [کے] واسطے وعید ہے؛ مگر جو رعیت ہدیہ لے جاوے تو کیا موجب جرمانہ کا ہوتا ہے؟ نہیں! بلکہ انعام پاتا ہے، ایسا ہی رخصت کا نہ ماننا برا ہے اور نوافل ادا کرنا عمدہ ہے، البتہ اگر نوافل کو بھی مثل فرض کے سمجھے تو گنہ گار ہوتا ہے، اس بدعت اور دخل اپنی رائے کے سبب سے۔ فقط

(بدست خاص، سوال: ۶۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۹۰-۱۹۱)

سفر میں وتر معاف نہیں اور سنن پڑھنا بھی ثابت ہے:

سوال: ایک شخص مدعی ہے کہ مسافر کے لیے سنن اور وتر معاف ہے اور ترک کرنے سے گناہ نہیں ہے اور رسول

---

(۱) (صلى الفرض الرباعي ركعتين) وجوبًا لقول ابن عباس إن الله فرض على لسان نبيكم صلاة المقيم أربعًا والمسافر ركعتين). (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳-۱۲۴، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲-۳) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۸-۴۲۰، ظفير

(۴) منسوب بہ حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ

(۵) تفسیر سورۃ النساء: ۱/۱۹۰ (مطبع خادم الاسلام، دہلی: ۱۳۱۳ھ)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں کبھی نہیں پڑھے ہیں تو یہ دعویٰ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

وتر واجب ہیں، ان کا ترک کسی حال میں جائز نہیں ہے، مسافر ہو، یا مقیم اور سنن کے بارے میں افضل یہ ہے کہ حالت امن وقرار میں پڑھے اور اگر عجلت ہے تو ترک کر دے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے، (۱) اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں سنن پڑھی ہیں۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۷۵)

دوران سفر اگر سنتیں رہ جائیں تو کیا گناہ ہوگا:

سوال: اگر سفر میں ٹرین، یا کسی اور سواری میں جلدی کی وجہ سے سنتیں نہ پڑھ سکے تو گناہ تو نہیں ہوگا؟

الجواب

شرعی سفر میں اگر جلدی کی وجہ سے سنتیں چھوڑنی پڑیں تو کوئی حرج نہیں، اگر اطمینان کا موقع ہو تو پڑھ لینی چاہئیں۔ (۳)

نوٹ: جب آدمی ایسی جگہ جانے کے ارادے سے نکلے جو اس کی بستی سے ۴۸ رمیل دور ہو تو یہ شرعی سفر ہوگا۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۰۴)

قصر کی حالت میں سنت و وتر ہے، یا نہیں:

سوال: قصر کی حالت میں سنت و وتر ہے، یا نہیں؟

الجواب

وتر پڑھنے ضروری ہیں اور سنتوں کو بھی اطمینان وفرصت میں نہ چھوڑے۔ (۴) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۸۰)

---

(۱) (ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وفرار (لا) يأتي بها هو المختار (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۲) عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لايتطوع في السفر قبل الصلاة ولابعدها. (جامع الترمذي، أبواب السفر، باب ماجاء في التطوع في السفر: ۱۲۳/۱، قديمي، انيس)

وروى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يتطوع في السفر وبعدها. (جامع الترمذي، أبواب السفر، باب التقصير في السفر: ۱۲۱/۱، قديمي، ظفير)

(۳) (ويأتي) المسافر (بالسنن) إن (كان في حال أمن وقرار، وإلا) بأن كان في خوف وفرار (لا) يأتي بها، هو المختار.

وفي ردالمحتار: قيل: الأفضل الترك ترخيصا وقيل: الفعل تقربا، وقال الهندواني: الفعل حال النزول، والترك حال السير ... قال في شرح المنية: والأعدل ما قاله الهندواني. (ردا لمحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۴) وبعضهم جوزوا للمسافر ترك السنن والمختار؛ أنه لايأتي بها في حال الخوف ويأتي بها في حال القرار والأمن. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس عشر في المسافر: ۱۳۹/۱، ظفير)

حالت سفر میں سنن مؤکدہ ووتر کا کیا حکم ہے:

سوال: ایسی حالت (سفر) میں سنن مؤکدہ، وتر اور نوافل کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟

الجواب ——————

سنن مؤکدہ حالت اطمینان میں پڑھنا چاہئیں، اگر عین سفر میں ہو اور جلدی ہو تو نہ پڑھے اور وتر ہر حال میں پڑھنے چاہیے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۸۵-۴۸۶)

مسافر کے حق میں سنن رواتب کا حکم:

سوال (۱) مسافر کے لیے سنتوں کا کیا حکم ہے؟

(۲) زید کہتا ہے کہ سفر میں سنتیں نفل کے حکم میں ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۳) ایک صاحب کا کہنا ہے کہ مسافر کے لیے سنتیں معاف ہیں۔ آیا ایسا کہنا کیا ہے؟

(۴) سفر کے علاوہ اور بھی کسی حالت میں سنتیں معاف ہیں؟

مذکورہ چاروں جزئیات میں علمائے دیوبند کا کیا خیال ہے؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب —————— حامدًا و مصليًا

حدیث پاک میں سنتوں کی تاکید آئی ہے اور بلا عذر تارک السنۃ کے لیے شفاعت سے محرومی کی وعید ہے، جہاں تک ہو سکے، سنتوں کی پابندی کریں۔(۲) مسافر اگر تشویش اور انتشار کی حالت میں نماز پڑھتا ہے، جیسے پلیٹ فارم پر گاڑی کا وقت قریب ہے، مسافروں کا ہجوم ہے، یا کسی جگہ چلتے چلتے بس ٹھہری اور بہت جلد روانہ ہو جانے والی ہے تو ایسی حالت میں وہ فرائض پر اکتفا کرے کہ شریعت نے اس کو سہولت کی خاطر چار رکعت فرض کی جگہ دو ہی کو فرض قرار دیا تو سنتیں نہ پڑھنے پر کوئی پکڑ نہ ہوگی اور جب سکون کی حالت میں ہو، مثلاً کسی شہر میں آٹھ دس روز کے لیے ٹھہرا ہوا ہے اور ہر طرح

---

(۱) (يأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) ... (لا) يأتي بها هو المختار. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۲) عن أم حبيبة رضي الله عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من صلى في يوم ثنتي عشرة ركعة تطوعا بنى له بهن بيت في الجنة. (سنن أبي داؤد، أبواب التطوع وركعات السنة: ۱۸۵/۱، إمدادية ملتان، رقم الحديث: ۱۲۵۰/ صحيح لمسلم، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض، رقم الحديث: ۷۲۸، انيس)

"(و) السنن (آكدها سنة الفجر) اتفاقًا، ثم الأربع قبل الظهر في الأصح، لحديث: "من تركها لم تنله شفاعتي، ثم الكل سواء". (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۱۴/۲، سعيد)

اطمینان ہوتو سنتیں ترک نہ کرے، مسافر کے لیے سنن کا تأ کدنہیں ہے کوئی مریض لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھتا ہے، یا بیٹھ کر پڑھتا ہے، یا زیادہ نہیں بیٹھ پاتا، اس کے حق میں بھی سنتوں کا تأ کدنہیں ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۹/۱۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۱۴-۵۱۵) ☆

---

(۱) ''(ویأتی)(المسافر)(بالسنن) إن كان(فی حال أمن وقرار،وإلا) بأن كان فی خوف وفرار(لا)يأتی بها، هو المختار؛لأنه ترک لعذر''(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱،سعید)

☆ **سفر میں سنن، اطمینان کے حال میں سنن کے ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے:**

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضر وسفر میں نماز پڑھی، حضر میں ظہر کی چار رکعت اور اس کے بعد دو رکعت پڑھی اور سفر میں ظہر دو رکعت اور اس کے بعد دو رکعت پڑھی اور عصر کی دو رکعت پڑھی اور اس کے بعد آپ نے کچھ نہ پڑھا اور مغرب حضر وسفر دونوں میں تین رکعت ادا کی.... اور اس کے بعد دو رکعت ادا کی۔ بعض روایات میں ہے: عشا دو رکعت اور اس کے بعد دو رکعت پڑھی''۔(عن ابن قال:''صليت مع النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فی الحضر والسفر،فصليت معه فی الحضر الظهر أربعاً وبعدها ركعتين،وصليت معه فی السفر الظهر ركعتين وبعدها ركعتين،والعصر ركعتين ولم يصل بعدها شيئاً،والمغرب فی الحضر والسفر سواء ثلٰث ركعات،لا ينقص فی حضر ولا سفر وهی وتر النهار وبعدها ركعتين''.(وزاد فيه الطحاوی:''وصلّٰی العشاء ركعتين وبعدها ركعتين''.(أخرجه الطحاوی،إعلاء السنن: ۷/۲۸۸-۲۸۹، الترمذی،أبواب السفر،باب ما جاء فی التطوع فی السفر،وقال:هٰذا حديث حسن،سمعت محمداً يقول:ما روی ابن أبی ليلٰی حديثاً الٰی من هٰذا....(شرح معانی الآثار باب صلاة المسافر إذا كان إماماً ،قال صاحب إعلاء السنن(۷/۲۸۹)وفی سند الطحاوی:أنه حسن)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہی ایک دوسری روایت ہے: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفر کیا، یہ لوگ ظہر وعصر دو دو رکعت پڑھتے تھے نہ پہلے کچھ پڑھتے تھے اور نہ بعد میں''۔(عن ابن عمر قال:''سافرت مع النبی صلی اللّٰه عليه و سلم وأبی بكر وعمر وعثمان فكانوا يصلون الظهر والعصر ركعتين ركعتين ولا يصلون قبلها ولا بعدها''.(أخرجه الترمذی،جامع الأصول: ۵/۵۲۸،الترمذی،أبواب السفر،باب ما جاء فی التقصير فی السفر و أصله عند الجماعة مع اختلاف فی اللفظ(جامع الأصول: ۵/۵۲۷-۵۲۸.وقال الترمذی،حديث غريب)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے: ''میں نے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت پڑھتے نہیں دیکھا''۔(رواه البخاری ومسلم،جامع الأصول: ۵/۷۲۷)

ان دونوں روایتوں کا حاصل یہ قرار دیا گیا ہے کہ سفر میں سنن کی وہ حیثیت نہیں رہ جاتی، جو حضر میں ہوتی ہے؛ لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس کی فضیلت واہمیت ختم ہو جاتی ہے، جب فرض میں رخصت کر دی گئی تو سنت میں بدرجہ اولیٰ ہوگی اور وہ یہ ہے کہ اس کی تاکید میں کمی آ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں چھوڑیں بھی اور اہتمام بھی کیا اور زیادہ تر ادا کرنے کا ہی مسئلہ رہا، جب کہ اس میں یہ بھی فرق کیا گیا ہے کہ سفر جاری رہنے کے حال میں فرائض پر اکتفا اور کسی منزل پر قیام کی صورت میں فرائض کے ساتھ سنن کا بھی اہتمام۔(ملاحظہ ہو امام ترمذی کا ارشاد: جامع الترمذی،أبواب السفر،باب ماجاء فی التطوع فی السفر/اعلاء السنن: ۷/۲۸۸،ورد المحتار: ۲/۱۳۱)

اس کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی انکار والی روایت اسی سیاق میں آئی ہے کہ دوران سفر انہوں نے لوگوں کو سنتیں پڑھتے دیکھا تو یہ فرمایا اور یہ بھی کہ اگر یہ کرنا ہوتو میں پوری نماز پڑھتا۔(ملاحظہ ہو جامع الأصول: ۵/۷۲۷، ۷۲۸، دونوں قسم کی روایات وآثار کے لیے مزید ملاحظہ ہو ابن ابی شیبہ: ۳/۲۹۱-۲۹۴) ==

قصر کی حالت میں سنت و وتر:

سوال: قصر میں سنتیں و وتر پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟ اگر کوئی شخص دورہ میں ہے کہ روزانہ کوچ و مقام ہوتے ہیں ایسی حالت میں قصر کرے، یا نہ؟ اور وطن سے کس قدر فاصلہ پر ہو۔۔۔تب قصر لازم ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے: **(ويأتي)المسافر(بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وفرار(لا)يأتي بها هو المختار.** (۱)

حاصل یہ ہے کہ مسافر اگر کسی جگہ ٹھیرا ہوا ہے اور عجلت نہیں ہے، تو سنت پڑھے اور اگر سفر کی جلدی ہے یا خوف ہے، تو سنتیں چھوڑ دے۔ پھر کہا کہ عند البعض سنت فجر پھر بھی نہ چھوڑے۔ (۲) اگر جائے اقامت سے اتنی دور کا ارادہ کر کے چلا ہے، جو تین منزل یعنی ۴۸ رمیل ہے تو تمام دورہ میں قصر کرتا رہے، پھر جب واپس جائے اقامت میں آوے اور کم از کم پندرہ دن کے قیام کی نیت ہو تو نماز پوری پڑھے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۹۱/۴)

== سفر میں نوافل، تہجد وغیرہ:

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں رات کے وقت دیکھا کہ آپ سواری کی پشت پر نفل نماز (یعنی تہجد) ادا فرما رہے تھے''۔ **(عن عامر بن ربيعة :''أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم صلى السبيحة بالليل في السفر علىٰ ظهر راحلته''. (أخرجه البخاري،ومسلم)البخاري،أبواب تقصير الصلاة باب من تطوع في السفر في غير دبر الصلوات،ومسلم،صلاة المسافرين،باب جواز صلاة النافلة على الدأبة)**

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفروں میں رہا تو میں نے آپ کو نہیں دیکھا کہ سورج ڈھلنے کے بعد قبل ظہر آپ نے دو رکعت چھوڑی ہو''۔ **(عن البراء بن عازب قال:''صحبت رسول الله صلى الله عليه و سلم ثمانية عشر سفراً فما رأيته ترك الركعتين اذا ذاغت الشمس قبل الظهر''.(أخرجه الترمذي،و أبوداؤد، جامع الأصول: ۷۲۹/۵) الترمذي، أبواب السفر،باب ماجاء في التطوع في السفر،وقال الترمذي: حديث غريب)** البتہ ترمذی نے بخاری سے اس کی تحسین نقل کی ہے نیز یہ اس کا کوئی راوی ضعیف نہیں ابوبسرہ تابعی ہیں ان کو مقبول قرار دیا گیا ہے، (تقریب ص: ۶۹۲) بظاہر مراد زوال کی نماز ہے۔ (جیسا کہ عینی (عمدۃ القاری: ۱۴۴/۶) میں ہے۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی ہے: ''وہ سفر میں فرائض کے ساتھ کچھ نہیں پڑھتے تھے، نہ پہلے اور نہ بعد میں، ہاں رات کو تہجد کی نماز ادا فرماتے تھے خواہ زمین پر اور خواہ سواری پر جس طرف رخ ہو''۔ **(عن ابن عمر :''أنه لم يكن يصلي مع صلاة الفريضة في السفر شيئاً قبلها ولا بعدها،الا من جوف الليل فانه كان يصلي على الأرض وعلىٰ راحلته حيث توجهت''. (أخرجه المؤطا، جامع الأصول: ۷۲۸/۵،الموطأ،أبواب تقصير الصلاة،باب من لم يتطوع في السفر دبر الصلاة وقبلها)** (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

(۱) دیکھئے: **الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲،دار الفكر بيروت،انيس**

(۲) **وقيل يصلي سنة الفجر خاصة وقيل سنة المغرب.أيضاً،بحر.(ردالمحتار،باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۱،دار الفكر،انيس)**

(۳) **من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) ... (أوينوي) ... (إقامة نصف شهر)حقيقة أوحكمًا... (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲-۱۲۵،دار الفكر،ظفير)**

سفر میں سنت سے متعلق سوال:

سوال: جہاں فرض قصر ہیں، وہاں سنت اگر نہ پڑھیں، گناہ تو نہیں ہے؟

الجواب

گناہ نہیں؛ لیکن حالت قیام میں سنتوں کا پڑھنا اچھا ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۸۴-۴۸۵)

سفر میں سنت ونفل پڑھنا:

سوال: سفر میں اگر چہ ریل کا ہو، فرض کے علاوہ سنت نفل بھی پڑھے، یا نہیں؟

الجواب

اگر جلدی اور تقاضا نہ ہو اور اطمینان ہو تو سنت ضرور پڑھنی چاہئیں اور نفل کا اختیار ہے، سفر میں بھی حضر میں بھی۔

(تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۵۸)

سنت میں قصر:

سوال: سفر کے درمیان جو سنت نمازیں پڑھی جاتی ہیں کیا امام ابوحنیفہؒ، یا امام شافعیؒ کے نزدیک ان سنتوں میں بھی قصر کی جائے گی؟　　(مسکین، بذریعہ ای میل)

الجواب

سفر کی حالت میں اگر دشواری نہ ہو اور چلتی ہوئی حالت نہ ہو تو سنتوں کا پڑھ لینا بہتر ہے؛ لیکن سنتوں میں کوئی قصر نہیں، جب پڑھے تو پوری پڑھے۔

”ولا قصر في السنن ... والمختار أنه لايأتی بها في حال الخوف،ويأتی بها في حال القرار والأمن“. (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۷۸-۴۷۹)

بوقت اطمینان مسافر سنتیں پڑھے گا:

سوال: مسافر محض فرض ہی ادا کرے، یا سنن بھی؟

---

(۱) (ويأتی) المسافر (بالسنن) إن كان (فی حال أمن وقرار و إلا) ... (لا) يأتی بها هو المختار. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱، دارالفكر بيروت، ظفير)

(۲) الفتاوی الهندية، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۳۹

الجواب

درمختار میں ہے:

(ویأتی) المسافر (بالسنن) إن کان (فی حال أمن وقرار وإلاّ)بأن کان فی خوف وفرار (لا)یأتی بها هو المختار؛لأنه ترک لعذر... قیل: إلّا سنة الفجر،الخ.

وفی الرد :(قوله هو المختار) ... (وقال الهندوانی الفعل حال النزول والترک حال السیر ...قال فی شرح المنیة:والأعدل ما قاله الهندوانی، قلت:والظاهرأن ما هوفی المتن هو هذا.(۵۳۲/۱)(۱)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ مسافر اگر حالت امن میں ہے اور ٹھہرا ہوا ہے تو سنتیں پڑھے اور اگر امن کی حالت نہیں ہے؛ بلکہ سفر کی جلدی ہے اور خوف ہے تو سنتیں چھوڑ دے اور بعض فقہا نے فرمایا کہ سنتیں صبح کی پھر بھی نہ چھوڑے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۴۵) ☆

سفر میں سنت اور نوافل بھی ادا کرنا کیسا ہے:

سوال: سفر میں مختصر نما میں فرض پڑھ لیں اور باقی نمازیں پڑھیں یا نہیں؟ یا بغیر قصر کے پڑھ لیں؟

الجواب

سفر میں چار رکعت والی نماز کے دو فرض پڑھے جاتے ہیں۔سنتوں میں اختیار ہے،اگر وقت اور گنجائش ہو تو پڑھ لے، ورنہ چھوڑ دے، وتر پڑھنا واجب ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۰۵)

---

(۱) الدرالمختارمع رد المحتار،باب صلاة المسافر:۱۳۱/۲،دار الفکر بیروت،ظفیر

☆ **مسافر سنن ونوافل ترک کرسکتا ہے، یا نہیں:**

سوال: مسافر کو سنن ونوافل پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے،اگر ترک کرے گا تو گنہگار ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مسافر حالت امن وقرار میں ہو اور عجلت وسیر میں نہ ہو تو سنن رواتب کو ادا کرے اور اگر امن وقرار کی حالت نہ ہو؛ بلکہ جلدی اور خوف ہو تو سنن کو چھوڑ دے۔

الدرالمختار،باب صلاة المسافر میں ہے:(ویأتی)المسافر(بالسنن) إن کان (فی حال أمن وقرارو إلا)بأن کان فی خوف وفرار(لا)یأتی بها هو المختار،الخ.(الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار،باب صلاة المسافر: ۷۴۲/۱، دار الفکر،بیروت،ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۴/۴۵۳)

(۲) وفرض المسافر فی الرباعیة رکعتان،کذا فی الهدایة والقصرواجب عندنا کذا فی الخلاصة ... ولا قصر فی السنن، کذا فی محیط السرخسی وبعضهم جوزواللمسافر ترک السنن و المختار أنه لا یأتی بها فی حال الخوف سویأتی بها فی حال القرار والأمن،هٰکذا فی الوجیز للکرادری .(الفتاویٰ الهندیة: ۱۳۹/۱،الباب الخامس فی صلاة المسافر، طبع رشیدیة)==

سفر کی حالت میں سنن ونوافل:

سوال: جب سفر کیا جائے تو قصر کیا جاتا ہے، کیا اس میں مغرب کی نماز دو رکعت پڑھی جاسکتی ہے؟ اور سفر کی حالت میں سنن مؤکدہ پڑھنا کیا ضروری ہے؟ اگر فرض کے ساتھ سنت بھی پڑھنی ہے تو قصر کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟

(ام فضہ، سعید آباد)

الجواب

سفر کی حالت میں قصر صرف چار رکعت والی نمازوں میں ہے، مغرب کی نماز میں قصر کرنا حدیث سے ثابت نہیں؛ (۱) اس لیے مغرب کی نماز تین ہی رکعت پڑھی جائے گی، اس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے۔ (۲)

جہاں تک حالت سفر میں سنتوں کے پڑھنے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں فقہا کی رائیں مختلف ہیں۔ فقہاء حنفیہ میں امام ابوجعفر ہندوائیؒ کا خیال ہے کہ اگر آدمی سفر میں کہیں اُترا ہوا اور قیام کیا ہوا ہو تو سنت کا ادا کر لینا بہتر ہے، اگر اس میں مشقت نہ ہو اور اگر رواں حالت میں ہو، جیسے ٹرین، جہاز، بس وغیرہ پر سوار ہو، تو بہتر ہے کہ صرف فرض ادا کرنے پر اکتفا کرے، سنت چھوڑ دے، عام طور پر محقق علما نے اسی کو ترجیح دیا ہے، چناں چہ علامہ ابراہیم حلبیؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وهٰذا هو الأعدل إذا لم تكن مشقة حالة النزول". (۳)

== أيضاً: وفرض المسافر فى الرباعية ركعتان لا يزيد عليهما. (فتح القدير: ۳۹۵/۱، باب صلاة المسافر)

أيضا: (ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (فى حال أمن وقرار، وإلا) بأن كان فى خوف وفرار (لا) يأتي بها، هو المختار (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲، طبع ایچ ایم سعید کراچی)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح مختصر الطحاوى للجصاص: ۹۱/۲-۹۸، باب صلاة المسافر، ط: دارالسراج)

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں قصر نہیں کرتے تھے؛ بلکہ سفر وحضر تمام حالتوں میں اس کی تین رکعت ادا کرتے۔ مسند احمد میں تفصیلی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: فرضت الصلاة ركعتين ركعتين إلا المغرب فرضت ثلٰثا؛ لأنها وتر، قالت: وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سافر صلى الصلاة الأولىٰ إلا المغرب، فإذا أقام زاد مع كل ركعتين ركعتين إلا المغرب؛ لأنها وتر والصبح؛ لأنه يطول فيها القراءة". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۱۷/۴۳، رقم الحديث: ۲۶۲۸۲) نیز دیکھئے رقم الحديث: ۲۶۵۷۰، مسند النساء عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها)

(۲) والذى يقصر اجماعاً هو الصلاة الرباعية من ظهر وعصر وعشاء دون الفجر والمغرب؛ لأنه اذا اقصر الفجر بقى منه ركعة ولا نظير لها فى الفرض واذا قصر المغرب الذى هو وتر النهار بطل كونه وتراً. (الفقه الاسلامى وأدلته، كتاب الصلاة، المبحث الثالث صلاة المسافر: ۳۱۶/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) الحلبى الكبير، باب صلاة المسافر، ص: ۵۴۵، انيس

سفر کی حالت میں مشروع اور جائز ہونے کے باوجود قصر کا حکم دینے میں یہ فائدہ ہے کہ فرائض کو چھوڑنا مطلقاً گناہ کا باعث ہے اور نہ ادا کرنے کی صورت میں اس کی قضا واجب ہے، سنت کا اتفاقاً ترک کرنا اور سفر کی حالت میں نہ پڑھنا باعث گناہ نہیں، نیز اس کی قضا واجب نہیں، غرض فرض کا حکم زیادہ تاکیدی بھی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پکڑ بھی متعلق ہے؛ اس لیے فرض میں بہ مقابلہ سنت کے سہولت وآسانی کی زیادہ ضرورت تھی۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۷۵،۴۷۶)

حالت سفر میں سنت کی ادائیگی:

سوال: ۲۵۰ کلومیٹر کے سفر بعد فجر کی نماز اور دیگر نمازوں میں کیا سنت پڑھنی چاہیے؟ یا صرف فرض نماز پڑھی جائے؟
(محمد اسماعیل، شاہ پور گلبرگہ)

الجواب

جدید فرانسیسی پیمائش میں سفر شرعی کی مسافت ۷۷/۴۸۵ کلومیٹر ہوتی ہے،(۱) یہ یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر ہو تو چار رکعت والی فرض نمازوں میں قصر کرنا واجب ہے اور سنت کا ترک کرنا جائز ہے، البتہ اگر امن اور قیام کی حالت ہو تو پڑھ لینا بہتر ہے اور چلتی ہوئی حالت میں ہو تو ترک کر دینا بہتر ہے،(۲) فجر کی سنت کی چونکہ خصوصی اہمیت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے؛(۳) اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ حالت سفر میں بھی ترک نہ ہونے پائے؛ لیکن نہ پڑھے تو گنہگار نہ ہوگا۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۶۹)

مسافر کے لیے جمعہ، تراویح اور قصر:

سوال: میں روڈویز کنڈکٹر ہوں، کیرانہ گھر ہے، روزانہ کیرانہ سے دہلی جاتا ہوں اور دہلی سے روڑ کی جاتا ہوں، کیا میں اس صورت میں روزانہ نماز سفر پڑھوں گا، یا نہیں؟ سفر کی نماز گھر سے چلتے ہی شروع ہو جاتی ہے، یا ۴۸/میل کا سفر کرنے کے بعد شروع ہوتی ہے؟ سفر میں کسی جگہ جماعت سے نماز پڑھی جاوے اور دو رکعت نماز پڑھیں، یا چار رکعت پڑھنا چاہیے، برائے مہربانی تفصیل سے تحریر فرمادیں اور سفر میں تراویح کی نماز پڑھی جاوے، یا نہیں؟ جب کہ زیادہ تر تراویح جماعت کے ساتھ نہیں ہوتی ہے؟ میں خود پڑھتا ہوں، چار رکعت کی نیت باندھتا ہوں، جب گھر پہونچ جاتا ہوں

(۱) دیکھئے: احسن الفتاوی:۴/۱۰۵

(۲) وبعضهم جوزوا للمسافر ترك السنن والمختار أنه لا يأتي بها في حال الخوف ويأتي حال القرار والأمن.(الفتاوى الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹،انيس)

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان دونوں رکعتوں کو مت چھوڑو اگر چہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں:

عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تدعوهماو إن طردتكم الخيل.(سنن أبي داؤد،رقم الحديث: ۱۲۵۸،أبوب التطوع،باب في تخفيفهما: ۱/۱۸۶،مكتبة حقانية ملتان،انيس)

تو جماعت سے نماز پڑھتا ہوں، اس طرح قرآن پاک ترتیب سے نہیں ہوتا ہے۔ اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ اس طرح جمعہ کی نماز کے بارے میں بتلائیں کہ سفر میں جمعہ فرض ہے، یا نہیں؟ ویسے میں زیادہ تر جمعہ ادا کرتا ہوں۔

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

جب آپ اپنے وطن کی آبادی سے باہر نکل جائیں گے تو مسافر ہو جائیں گے، اس وقت سے نماز قصر پڑھیں گے کہ راستہ میں بھی اور دہلی اور روڑکی میں بھی، تنہا پڑھیں، یا جماعت سے قصر ہی پڑھیں گے۔ (۱) اگر امام مقیم ہو تو پوری پڑھیں گے۔ (۲) تراویح بھی سفر میں پڑھیں، اگر تراویح کے وقت کسی جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں تو جماعت سے اور اگر جماعت نہ ملے تو تنہا پڑھیں۔ (۳) اگر سفر کی وجہ سے قرآن پاک ترتیب قائم نہ رہ سکے تو معذوری ہے۔ مسافر پر جمعہ نہیں، موقع ملے تو پڑھ لے ورنہ ظہر پڑھے۔ (۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۹/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۱۷-۵۱۹)

مسافر پر جماعت واجب ہے، یا نہیں:

سوال: کیا مسافر پر جماعت واجب ہے؟ موجودہ دور میں ٹرینوں کے اندر جو جماعت بنا کر پڑھا جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اس طرح کہ امام آگے اور ایک ہی مقتدی ہوتا ہے، کیا اس طرح کھڑا ہونا صحیح ہے؟ اور ایک کے پیچھے ایک لمبی قطار ہوتی ہے۔ (مستفتی: افسر بھائی نگر)

---

(۱) ”من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين). (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۳، سعيد)

”من جاوز بيوت مصره مريدا سيرًا وسطا ثلاثة أيام ... قصر الفرض الرباعي، آه“. (كنز الدقائق علىٰ هامش البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۵-۲۳۰، رشيدية)

(۲) وأما اقتداء المسافر بالمقيم، فيصح في الوقت ويتم. (الدر المختار علىٰ ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۰، سعيد)

وعلىٰ من خلفه من المسافرين إتمام الصلاة أيضًا. (المبسوط للعلامة شمس الدين السرخسي: ۲/۹۴، حبيبة)

(۳) ”(ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار) (الدرالمختار).

وفي الرد تحت (قوله: هو المختار) ”وقال الهندواني: الفعل حال النزول و الترك حال السير... قال في شرح المنية: والأعدل ما قاله الهندواني، آه“. (الدر المختار مع ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱، سعيد)

”والمختار أنه إن كان حال أمن وقرار يأتي بها؛ لأنها سرعت مكملات والمسافر إليه محتاج، آه. (البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۳۰، رشيدية)

(۴) (وشرط لافتراضها) ... (إقامة بمصر) ... وفي الرد (قوله: إقامة) خرج به المسافر. (الدر المختار مع ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في شرط وجوب الجمعة: ۲/۱۵۳، سعيد)

الجواب

مسافر پر بوقت مجبوری جماعت واجب نہیں ہوتی۔

''السفر وهو نوعان منه يختص بالطويل وهو ثلاثة أيام ولياليها وهو القصر والفطر والمسح أكثر من يوم وليلة وسقوط الأضحية علىٰ ما فى غاية البيان والثانى مالايختص به المراد به مطلق الخروج عن المصر وهو ترك الجمعة والعيدين والجماعة.(۱)

ٹرینوں میں نماز کی جماعت (۲) اس طرح بنائے کہ امام کے بعد ایک کے پیچھے ایک مقتدی کھڑے ہو تنگی کی وجہ سے تو یہ جائز ہے اور اس عمل کی دلیل حضرت ابن مسعودؓ کا وہ عمل ہے جس میں ابن مسعودؓ نے تنگی جگہ کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والی ترتیب چھوڑ دی تھی۔

''وإن كانا اثنين تقدمهما؛لأنه تقدم علىٰ أنس واليتيم حين صلىٰ بهما فإن قلت صلى ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه بعلقمة والأسود فى بيته وقام وسطها قلنا فعل ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه كان لضيق المقام كذا قال النخعي وهو أعلم الناس بمذهب ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه.(۳) والله أعلم وعلمه أتم

مفتی محمد شاکر خان قاسمی پونہ (فتاویٰ شاکر خان:۲/۱۰۹-۱۱۱) ☆

---

(۱) الأشباه والنظائر،القاعدة الرابعة''المشقة تجلب التيسير''،ص:٦٤،دار الكتاب ديوبند،انيس

(۲) سفر میں جماعت کے ساتھ نماز واجب نہیں ہے،اسی طرح جمعہ کی نماز یا عیدین کی نماز بھی واجب نہیں ہے۔انیس

(۳) حاشية القدورى،ص:۲۹

☆ **سواری پر نماز:**

(قبلہ رخ اور قیام ورکوع وسجدے کے ساتھ ادا کی جائے گی اور اگر سواری کی نوعیت، یا رفتار کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو بیٹھ کر اور اشارے سے ادا کی جائے گی، یہ آج کل کی عام سواریوں کا حکم ہے، جانور کی سواری میں رخ اور اشارے دونوں میں وسعت ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ میں کشتی میں کیسے نماز پڑھوں؟ فرمایا: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو ہاں یہ کہ تم کو (کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں) ڈوبنے کا خوف ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو''۔(عن ابن عمر قال:''سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة فى السفينة فقال:كيف أصلى فى السفينة؟قال:''صل فيها قائماً الا أن تخاف الغرق''.(رواه الحاكم ،إعلاء السنن:۱۸۵/۷، المستدرك:۲۷۵/۱،كتاب الصلاة)وقال الحاكم:صحيح الاسناد علىٰ شرط مسلم وهوشاذ بمرة وكذا قال الذهبى فى تلخيصه وفى إعلاء السنن(۱۸۵/۷)،وهو وإن كان شاذ بمرة ولكنه تأيد بحديث جفعر بن أبى طالب (الآتى) والشاذ إذا تأيد بمجيئه من طريق أخرىٰ يتقوىٰ)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ وہ کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں الا یہ کہ ڈوبنے کا اندیشہ ہو۔(عن جعفر بن أبى طالب رضى الله عنه قال:''أن النبى صلى الله عليه وسلم أمره أن يصلى فى السفينة قائماً الا أن يخشىٰ الغرق.(رواه البزار،اعلاء السنن:۱۸۵/۷) مجمع الزوائد:۱٦٦/۲،باب الصلاة فى السفينة)==

کیا سفر میں تہجد، اشراق وغیرہ پڑھ سکتے ہیں:

سوال: کیا سفر میں ہم اپنی نماز تہجد، اشراق، چاشت و جمعہ کے دن صلوۃ التسبیح پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب

وقت اور فرصت ہو تو بلاشبہ پڑھ سکتے ہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۰۶/۴ و۱۰۷)

سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے سے متعلق سوال:

سوال: حالت سفر میں دو نمازوں کا ایک جگہ جمع کر کے جیسا کہ ظہر کی عصر کے ساتھ، عشا کی مغرب کے ساتھ یکجا پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر اس طرح جمع کرے کہ ظہر اپنے اخیر وقت میں ہو اور عصر اپنے اول وقت میں، تو یہ جمع درست ہے۔ یہ جمع صورتاً ہے حقیقاً نہیں، یعنی ایسا نہ کرے کہ عصر، ظہر کے وقت میں ظہر کے ساتھ پڑھے، یا ظہر کو قضا کر کے عصر کے وقت میں عصر کے ساتھ پڑھے، یہ درست نہیں ہے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۸۴/۴، ۴۸۵)

کیا سفر میں نمازیں ملا کر پڑھ سکتے ہیں:

سوال: ریڈیو کراچی کی صبح کی نشریات میں سفر کے دوران نمازیں قصر کر کے اوران کو ملا کر پڑھنے کا جواب یوں

== قال الهيثمي: فيه رجل لم يسم وبقية رجاله ثقات واسناده متصل، أقول: أن الحديثين، حديث ابن عمر عند الحاكم وحديث جعفر عند البزار يتقوىٰ وأحدهما بآخر)

حضرت انس بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک علاقے کی طرف گئے اور جب ہم دجلہ پہونچے، ظہر کا وقت آ گیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہم کو کشتی میں ہی ایک فرش پر بیٹھ کر نماز پڑھائی اور کشتی رواں دواں تھی۔(عن أنس بن سيرين قال: "خرجت مع أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه الىٰ أرض بلبق سرين حتىٰ اذا كنا بدجلة حضرت صلاة الظهر فأمنا قاعداً علىٰ بساط فى السفينة وان السفينة لتجربنا جراً". (رواه الطبرانى فى الكبير، اعلاء السنن: ١٨٤/٧، مجمع الزوائد(١٦٦/٢)، وفيه رجاله ثقات) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

(۱) (ويأتى) المسافر (بالسنن) إن كان (فى حال أمن وقرار، وإلا) بأن كان فى خوف وفرار (لا) يأتى بهاهو المختار.

وفى الرد تحته: قيل: الأفضل الترك ترخيصاً وقيل: الفعل تقرباً، وقال الهندوانى: الفعل حال النزول، والترك حال السير... قال فى شرح المنية: والأعدل ما قاله الهندوانى. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ١٣١/٢، باب صلاة المسافر، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) لايجوز الجمع عندنا بين الصلاتين فى وقت واحد سوى الظهر و العصر بعرفة والمغرب والعشاء بمزدلفة. (غنية المستملى، باب صلاة المسافر قبيل صلاة الجمعة: ٥٤٥/١-٥٤٦، دار الفكر بيروت، ظفير)

دیا کہ سفر کے دوران نمازیں قصر تو پڑھنا ہوتی ہیں؛ لیکن اس کے علاوہ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کو ملا کر (یعنی اکھٹے) پڑھا جا سکتا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ظہر کا وقت ہو تو عصر کیسے قبل از وقت ملا کر پڑھ لیا جائے؟ یا پھر اگر عصر کا وقت ہے تو ظہر کی نماز کو کیوں قضا کیا جائے؟ یہی صورت حال مغرب اور عشا میں سمجھ لیں۔

الجواب

ریڈیو والوں نے فقہ حنفی کے مطابق مسئلہ نہیں بتایا، ہمارے نزدیک ایک نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ اگر پہلی نماز کو بعد والی کے وقت میں پڑھا گیا تو پہلی قضا ہو جائے گی اور بعد والی کو پہلی کے وقت میں پڑھا گیا تو چوں کہ وہ ابھی تک (وقت سے پہلے) فرض ہی نہیں ہوئی؛ اس لیے اس کا ادا کرنا ہی صحیح نہ ہوگا، البتہ مسافر کو اجازت ہے کہ پہلی نماز مثلاً ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور بعد والی مثلاً: عصر کو اس کے اول وقت میں ادا کرے، اس طرح دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا ہوں گی؛ مگر صورۃً جمع ہو جائیں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسفار میں اسی طرح کرتے تھے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۰۷)

بلا عذر دو نمازیں جمع کرنا:

سوال: علامہ الطاف حسین حالی صاحب اپنے ایک مضمون بہ عنوان ”الدین یسر“ رسالہ تہذیب الاخلاق ۱۲۹۴ھ، مطابق ۱۹۷۹ء ص: ۱۳۰ میں تحریر فرماتے ہیں: ”حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت نماز ظہر کو نماز عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشا کے ساتھ اس حالت میں جمع کیا کہ نہ سفر تھا، نہ کوئی خطرہ تھا اور نہ بارش تھی، لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ امت پر تنگی نہ رہے“۔ براہ مہربانی اس حدیث کا ماخذ بتائیں اور پوری حدیث سے مطلع فرمائیں؟ (سید جہانگیر علی، فلک نما)

الجواب

قرآن مجید نے فریضۂ نماز کو ”کتاب موقوت“ (۲) قرار دیا ہے؛ یعنی ایسا فریضہ جو وقت سے متعلق ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر پانچوں نمازوں کے اوقات بتائے، جس کا حدیثوں میں ذکر موجود ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک اسی کے مطابق نماز ادا کرنے کا رہا ہے، نیز بعض حضرات نے جب آپ سے اوقات نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنوں اس طرح نماز ادا فرمائی کہ

(۱) وفی البحر: وأما ما روی من الجمع بينهما فمحمول على الجمع فعلا بأنه صلى الأولىٰ فی آخر وقتها والثانية فی أول وقتها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴٤۱، ط: دار المعرفة، بيروت)

(۲) ﴿ان الصلاة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً﴾. (سورة النساء: ۱۰۳)

ایک دن تمام نمازیں اول وقت میں ادا کیں اور دوسرے دن آخر وقت میں، اس سلسلہ میں صحیح حدیثیں موجود ہیں، اسی لئے اس بات پر امت کا اجماع واتفاق ہے کہ پانچوں نمازوں کے لیے مستقل طور پر اوقات مقرر ہیں، اب اگر یہ بات مان لی جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر سفر اور کسی عذر کے ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو جمع کر کے پڑھا تو پھر اوقات نماز کی تعیین بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے بالکل متعارض دوسری روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے بلا عذر دو نمازوں کو جمع کیا، اس نے کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کیا، (۱) اس روایت کو امام ترمذیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے؛ لیکن امام حاکم نے صحیح اور علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ''حسن'' قرار دیا ہے، (۲) اور خود امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین کا عمل اسی پر تھا کہ بغیر سفر اور عذر کے دو نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اکابر صحابہ میں ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک نقل کرتے ہیں کہ سوائے عرفات اور مزدلفہ کے وقوف کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں ہمیشہ وقت پر ادا فرماتے تھے۔ (۳)

تمام حدیثیں اس بات پر شاہد ہیں کہ یا تو اس حدیث میں نقل کرنے والوں سے چوک ہوئی ہے؛ کیوں کہ سچ بولنے والوں سے بھی بھول چوک اور غلط فہمی ہو سکتی ہے؛ اسی لیے ممتاز محدث حاکم نیشاپوری نے اس روایت کو موضوع؛ یعنی من گھڑت قرار دیا ہے اور علامہ شوکانی نے امام ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے، (۴) اور منکر بھی ضعیف اور غیر معتبر روایتوں کی ایک قسم ہے، یا پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اس حدیث کا ظاہری اور متبادر معنی مراد نہیں، چناں چہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کرنے والوں میں ان کے ایک شاگرد جابر بن زید بھی ہیں، ان سے دریافت کیا گیا کہ شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ ظہر اور مغرب دیر سے ادا کی گئی اور عصر اور عشاء جلدی، تو انہوں نے کہا کہ میرا بھی گمان ایسا ہی ہے، اس روایت کو خود امام مسلم نے نقل کیا ہے؛ (۵) اس لیے اہل تحقیق علماء کی رائے یہ ہے کہ

---

(۱) عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من جمع بین الصلوٰتین من غیر عذر فقد أتی باباً من أبواب الکبائر. (الجامع للترمذی، باب ماجاء فی الجمع بین الصلوٰتین: ۴۸/۱، رقم الحدیث: ۱۸۸، قدیمی، انیس

(۲) وصح الحاکم حدیثه غیر أن تصحیح الحاکم لا یعتمد کما لا یعتمد علٰی تضعیف ابن الجزری ما لم یوافقهما غیرهما من المحدثین وکذلک حسن ابن کثیر فی تفسیره. (معارف السنن، باب ما جاء فی الجمع بین الصلوٰتین: ۱۶۶/۲، سعید)

(۳) عن عبد اللّٰہ بن قال مارأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم صلٰی صلاة الا لمیقاتها الاصلاتین صلوٰة المغرب والعشاء بجمع و صلٰی الفجر یومئذٍ قبل میقاتها. (الصحیح لمسلم، باب استحباب زیارة التغلیس: ۴۱۷/۱، قدیمی، انیس)

(۴) معارف السنن: ۱۶۶/۲

(۵) عن عبد اللّٰہ قال مارأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلا لمیقاتها. (تقدم تخریجه)

اس کا مطلب ایک وقت میں دو نمازوں کو ادا کرنا نہیں ہے؛ بلکہ ظاہری طور پر جمع کرنا مراد ہے کہ ظہر و مغرب کو آخر وقت میں ادا کیا، عصر اور عشا کو اول وقت میں تو بظاہر یوں محسوس کیا گیا کہ دونوں نمازوں کو جمع کیا گیا ہے؛ لیکن حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے وقت میں ادا کی گئی ہیں، چناں چہ خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نسائی میں ان نمازوں کو جمع کرنے کی یہی کیفیت منقول ہے۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس کے الفاظ اس طرح ہیں:

"عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: صليت مع النبی صلی اللّٰه عليه وسلم بالمدينة ثمانية جميعاً وسبعاً جميعاً أخر الظهر وعجل العصر وأخر المغرب وعجل العشاء". (۱)

(ظہر کو آخر وقت میں اور عصر کو اول وقت میں اور مغرب کو آخر وقت میں اور عشا کو اول وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا۔)

اس لیے یہ بات درست نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں رہتے ہوئے ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو ایک وقت میں ادا فرمایا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۲۷۱-۲۷۳) ☆

---

(۱) سنن النسائی الکبریٰ، باب عدد صلاة المغرب: ۱/۱۵۶، رقم الحديث: ۳۷۶، انيس

☆ **دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا:**

شریعت نے ہر نماز کا الگ الگ وقت رکھا ہے، چناں چہ اسی کے مطابق نماز ادا کی جاتی ہے، یہ حکم مسافر و مقیم سب کے لیے ہے، صرف حج میں عرفہ کے دن ظہر و عصر کو ظہر کے وقت میں اور مغرب وعشا کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے، جس تفصیل حج کے احکام میں آتی ہے۔ (روایات کے لیے ملاحظہ ہو جامع الاصول: ۵/۱۹۷-۲۲۳)

اور عمومی طور یہ بات احادیث میں معروف ہے کہ نمازوں کو اپنے وقت پر ادا کیا جائے، اس میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔ (ملاحظہ ہو جامع الاصول: ۹/۵۵۴-۵۵۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناوقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا، بجز دو نمازوں کے، مغرب وعشا کو مزدلفہ میں جمع کیا اور فجر کو اس دن اپنے (معمول کے) وقت سے پہلے ادا فرمایا"۔ (**عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه: "ما رأيت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم صلیٰ صلاة لغير ميقاتها إلا صلاتين، جمع بين المغرب و العشاء بجمع وصلیٰ الفجر يومئذٍ قبل ميقاتها". (أخرجه البخاری ومسلم وأبوداؤد والنسائی—جامع الأصول: ۵/۲۲۷) البخاری، الحج باب متیٰ يصلی الفجر بجمع ومسلم، الحج، باب استحباب زيادة التغليس بصلاة الفجر يوم النحر بالمزدلفة وفی مصنف ابن أبی شيبة (۵/۳۹۸) عن الحسن البصری ومحمد بن سيرين ما نعلم من السنة الجمع بين الصلاة فی حضر ولا سفر الا بين الظهر والعصر بعرفة وبين المغرب والعشاء بجمع**)

حضرت عبد بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا"۔ (**عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه قال: "سألت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: أی العمل أحب الیٰ اللّٰه تعالیٰ؟ قال: الصلاة لميقاتها". (أخرجه البخاری ومسلم، والنسائی، جامع الأصول: ۹/۵۵۴-۵۵۵، صحيح البخاری، مواقيت الصلاة، باب فضل الصلاة لوقتها/مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون الإيمان باللّٰه أفضل الأعمال**)

البتہ سفر کے مشاغل میں کہ مسلسل چل رہے ہیں اور سفر بھی جلدی طے کرنا ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ ظہر وعصر کے لیے ظہر کے آخری وقت ==

ظہر وعصر ایک وقت میں سفر کے اندر جائز ہے، یا نہیں:

سوال: نماز ظہر وعصر سفر کی حالت میں ملا کر پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

== میں ایک مرتبہ رکیں اور پہلے ظہر ادا کریں، ظہر کے وقت کے اندر چند منٹ کا وقفہ کریں کہ عصر کا وقت آ جائے اور وقت آتے ہی عصر کر ادا کریں۔اسی طرح مغرب وعشا کے لیے ایک مرتبہ مغرب کے آخری وقت میں رکیں اور غروب شفق سے پہلے پہلے مغرب ادا کر دیں اور چند منٹ کے وقفہ کے بعد عشا آ جائے، عشا ادا کر دیں۔

اس طرح نمازوں کے لئے کم وقت لگے گا اور جلد سفر طے ہو جائے گا اس سلسلے کی احادیث (ملاحظہ ہو جامع الاصول:۵/۷۰۹-۷۱۳، ومابعد، نیز اعلاء السنن:۲/۸۲۸۱، وغیرہ، مصنف ابن ابی شیبہ:۵/۳۹۶، میں ابراہیم نخعی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص اسود اور ان کے رفقا کے متعلق نقل کیا گیا ہے: ”ینزلون عند وقت کل صلاة فی السفر فیصلون المغرب لوقتها ثم یتعشون ثم یمکثون ساعة ثم یصلون العشاء) کا یہی مفہوم ومطلب ہے، جو ان ساری ہدایات، کتاب وسنت کے موافق ہے جن میں نمازوں کو اپنے وقت پر ادا کرنے کی سخت تاکید اور فضیلت آئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کو جب سفر میں چلنے کی جلدی ہوتی تو مغرب کو مؤخر کر کے عشا کے ساتھ پڑھتے تھے“۔(عن عن ابن عمر قال: ”رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا أعجله السیر فی السفر یؤخر المغرب حتٰی یجمع بینها وبین العشاء“.(أخرجه البخاری، جامع الأصول: ۷۱۳/۵، صحیح البخاری، تقصیر الصلاة، باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء)

روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے، ان کے مؤذن نے کہا، نماز پڑھ لیں، فرمایا: چلتے رہو، حتیٰ کہ جب شفق ڈوبنے والی تھی تو سواری سے اترے اور مغرب پڑھی، پھر انتظار کیا، حتیٰ کہ جب شفق ہوگئی تو عشا ادا کی اور اس کے بعد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی چیز کی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے، جیسا کہ میں نے کیا۔(عن نافع وعبد اللّٰہ بن واقد: ”أن مؤذن ابن عمر قال: الصلاة: سر سر، حتٰی اذا کان قبل غروب الشفق نزل فصلٰی المغرب ثم انتظر حتٰی غاب الشفق فصلٰی العشاء ثم قال: أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا أعجل به أمر صنع مثل الذی صنعت“.(أخرجه أبو داؤد، جامع الأصول: ۷۱٤/۵، أبو داؤد، الصلاة، باب الجمع بین الصلاتین وفی آثار السنن(۷۳/۲): إسناده صحیح. أقول: أصله للجماعة. وراجع جامع الأصول: ۷۱۳/۵-۷۱۷)

حضرت علی بن رضی اللہ عنہ کے متعلق آیا ہے کہ وہ سفر میں ہوتے تو غروب کے وقت چلتے رہے، حتیٰ کہ جب اندھیرا ہونے کو ہوتا تو (سواری سے) اترتے اور مغرب ادا فرماتے اس کے بعد کھانا تناول فرماتے، پھر عشا ادا فرماتے اور سواری پر چل دیتے اور فرماتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔(عن علی بن أبی طالب: ”کان اذا سافر سار بعد ما تغرب الشمس حتٰی اذا کان أن یظلم ثم ینزل فیصلی المغرب ثم یدعو بعشائه فیتعشیٰ ثم یصلی العشاء ثم یرتحل ویقول: هٰکذا کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصنع“.(أخرجه أبو داؤد، جامع الأصول: ۷۱۸/۵، أبو داؤد، الصلاة، باب متٰی یتم المسافر، وفی هامش جامع الأصول: ۷۱۸/۵: وهو حدیث حسن، وفی آثار السنن: ۷٤/۲، اسناده صحیح)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ جب سفر میں نمازوں کو جمع کرنے کا ارادہ فرماتے تو ظہر کو اخیر وقت تک مؤخر کرتے اور (اخیر وقت میں) اس کو ادا کرتے اور عصر کو اس کے اولین وقت میں ادا فرماتے اور مغرب کی اخیر میں ادا کرتے اور عشاء کو اول وقت میں ادا فرماتے، اور فرماتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو نمازوں کو اسی طرح جمع فرماتے تھے۔(عن أنس بن مالک أنه کان اذا أراد أن یجمع بین الصلاتین فی السفر آخر الظهر الٰی آخر وقتها وصلاها، وصلٰی العصر فی أول وقتها ویصلی المغرب ==

الجواب

ایک وقت میں دونوں کو پڑھنا جائز نہیں۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۸۰)

سفر میں عصر کی نماز شافعی وقت کے مطابق پڑھ سکتے ہیں:

سوال: حضرات سے سنا ہے کہ اگر سفر میں ہو، یا سفر کی جلدی ہو تو حنفی بھی عصر کی نماز شافعی وقت کے مطابق پڑھ سکتا ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟

الجواب

عصر کی نماز صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دو مثل سے پہلے بھی ہو سکتی ہے؛ اس لیے اگر آدمی سفر میں ہو تو اس کا مضائقہ نہیں۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۰۷)

حاجی مکہ میں مقیم ہوگا، یا مسافر:

سوال: حاجی مکہ میں مسافر ہوگا، یا مقیم؟ جب کہ وہ پندرہ دن قیام کی نیت کرے؛ مگر اس قیام کے دوران وہ منی، عرفات بھی پانچ دن کے لیے جائے اور آئے، ایسی صورت میں وہ مقیم ہوگا، یا مسافر؟ اور منی اور مکہ مکرمہ شہر واحد کے حکم میں ہیں، یا دو الگ الگ شہر؟

== فی آخر وقتها ويصلي العشاء في أول وقتها ويقول:هٰكذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجمع بين الصلا تين في السفر(أخرجه البزار،إعلاء السنن: ٨٤/٢)مجمع الزوائد(١٦٣/٢)باب الجمع بين الصلا تين في السفر و فيه:فيه ابن اسحٰق وهو ثقة لكنه مدلس،وبالجملة فهو ممن اختلف فيه وهو حسن الحديث،أقول:رواه أبو داؤد تعليقاً ومسنداً)

اسی مضمون کو مرفوعاً حضرت ابن مسعود ومعاذ بن جبل سے طبرانی نے روایت کیا ہے، جس کو نقل کرنے کے ساتھ ہیثمی نے کہا ہے کہ اصل صحیح میں موجود ہے۔(مجمع الزوائد:۲/۱۶۲-۱۶۳)

جمع بین الصلوٰتین کی یہ صورت ''جمع صوری وجمع فعلی'' کہلاتی ہے اور ایک نماز کے وقت میں دو نمازوں کے ادا کرنے کو ''جمع حقیقی'' کہتے ہیں، فقہ حنفی میں ائمہ مذہب کے اقوال وروایات میں اس کی کوئی گنجائش نہیں آئی ہے؛ تاہم بعض متاخرین فقہاء حنفیہ نیز بعض ممتاز علماء ہند نے بھی اس کی گنجائش دی جب کہ ضرورت وحالات کا تقاضا ہو۔(ملاحظہ ہو:اعلاء السنن:۲/۸۵، بحوالہ بحر ونہر درمختار ومعارف السنن:۴/۴۹۰، ۴۹۱، الدرالمختار مع ردالمحتار:۲/۴۵-۴۷) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

(۱) ولا جمع بين فرضين في وقت بعذر)سفر ومطر خلافًا للشافعي ومارواه محمول على الجمع فعلاً ،لاوقتاً (فإن جمع فسد لو قدم) الفرض علىٰ وقته (وحرم لو عكس) أى أخره عنه (وإن صح) بطريق القضاء.(الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار،قبيل باب الأذان: ٣٥٤/١-٣٥٥،ظفير)

(۲) وآخر وقتها عند أبي حنيفة إذا صارظل كل شئ مثليه سوى فئ الزوال ... وقالا أى أبو يوسف ومحمد: وهو قول الأئمة الثلا ثة آخر وقتها إذا صارظل كل شئ مثله سوى فئ الزوال.(الحلبي الكبير،كتاب الصلاة،فروع شرح الطحطاوي: ٢٢٧/١،طبع سهيل اكادمي لاهور)

الجواب

مکہ، منیٰ عرفات اور مزدلفہ الگ الگ مقامات ہیں، ان میں مجموعی طور پر پندرہ دن رہنے کی نیت سے آدمی مقیم نہیں ہوتا، پس جو شخص ۸/ذوالحجہ کو منیٰ جانے سے پندرہ دن پہلے مکہ مکرمہ آ گیا تو وہ مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گیا، اب وہ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بھی مقیم ہوگا اور پوری نماز پڑھے گا؛ لیکن اگر مکہ مکرمہ آئے ہوئے ابھی پندرہ دن پورے نہیں ہوئے تھے کہ منیٰ کو روانگی ہوگئی تو یہ شخص مکہ مکرمہ میں بھی مسافر ہوگا اور منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بھی قصر نماز پڑھے گا۔ تیرہویں تاریخ کو منیٰ سے واپسی کے بعد اگر اس کا ارادہ پندرہ دن مکہ مکرمہ میں رہنے کا ہے تو اب یہ شخص مکہ مکرمہ میں مقیم بن جائے گا؛ لیکن اگر منیٰ سے واپسی کے بعد بھی مکہ مکرمہ میں پندرہ دن رہنے کا موقع نہیں تو یہ شخص بدستور مسافر ہی رہے گا۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۹۲/۴)

سفر حج میں نماز قصر پڑھیں گے، یا پوری:

سوال: ۱۹۷۹ء میں ہم حج کے لیے مکہ معظّمہ گئے تھے اور وہاں ہم نے تین ماہ قیام کیا اور سفر ہم نے بحری جہاز کے ذریعہ کیا اور جہاز میں ہم نے فرض نمازوں کو قصر نہیں پڑھا اور نہ ہم نے نمازیں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور عرفات کے میدان میں قصر پڑھیں، لہٰذا پوچھنا یہ ہے کہ ہمیں سفر کے دوران اور مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور عرفات کے میدان میں فرض نمازیں قصر کر کے پڑھنا تھیں، یا پوری فرض نماز پڑھنا تھی؟

الجواب

جہاز میں تو آپ مسافر تھے، قصر نمازیں پڑھنی تھیں، (۲) اور مکہ مکرمہ اگر آپ اس وقت پہنچے کہ حج کے لیے منیٰ عرفات جانے میں پندرہ دن سے کم کا فاصلہ تھا تو اتنے دن آپ کو مکہ مکرمہ میں بھی قصر کرنا چاہیے تھا۔ (۳) حج سے

(۱) فإذا قصد بلدة والٰی مقصده طریقان أحدهما مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها والآخر دونها فسلک الطریق الأبعد کان مسافراً عندنا ... ولو نوی الإقامة خمسة عشر یوماً فی موضعین فإن کان کل منهما أصلاً بنفسه نحو مکة و منی ... لایصیر مقیما ... ذکر فی کتاب المناسک أن الحاج إذا دخل مکة فی أیام العشر و نوی الإقامة نصف شهر لاتصح؛ لأنه لابد له من الخروج إلی عرفات فلا یتحقق الشرط. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۳۸ـ۱۴۰، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر)

نیز: ولایزال علٰی حکم السفر حتّٰی ینوی الإقامة فی بلده أو قریة خمسة عشر یومًا أو أکثر. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۳۹، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر)

(۲) الأصل إن کل صلاة ثبت وجوبها فی الوقت وفاتت عن وقتها أنه یعتبر فی کیفیة قضائها وقت الوجوب وتقضی علی الصفة التی فاتت عن وقتها، إلخ. (بدائع الصنائع، فصل وأما حکم هٰذه الصلاة اذا فسدت: ۱/۱۴۷، دار الکتاب العلمیة بیروت، انیس)

(۳) فإذا قصد بلدة والٰی مقصده طریقان أحدهما مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها الآخر دونها فسلک الطریق الأبعد==

فارغ ہوکر جب آپ مکہ مکرمہ واپس آ گئے اور وہاں پندرہ دن کا قیام طے تھا تو آپ مقیم ہو گئے،(۱) پوری نماز پڑھنی چاہئے تھی۔ مکہ مکرمہ سے آپ مدینہ منورہ گئے تو راستے میں پھر آپ مسافر تھے اور مدینہ شریف پہونچ کر اگر وہاں پندرہ دن قیام کرنا ہے تو آپ وہاں مقیم ہو گئے، ورنہ مسافر رہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۹۱/۴-۹۲)

حج میں قصر واتمام کا مسئلہ:

سوال: مکۃ المکرّمہ میں حاجی صاحب کا قیام ۱۵/دن، یا اس سے زیادہ ہوا۔ دورانِ حج منیٰ میں امام صاحب مسجد خیف میں نماز پڑھاتا ہے، یہ معلوم نہیں کہ امام صاحب مقیم ہے، یا نہیں؟ دورانِ نماز امام صاحب ۴/رکعت کے بجائے دو رکعت کے بعد سلام پھیرتا ہے تو پھر ایسی صورت میں مقیم حاجی صاحب کے لیے کیا حکم ہے؟

(۲) وقوف عرفات میں حاجی صاحب کیمپ میں سنت اور فرض اپنے وقت پر پوری طرح ادا کرے گا، یا فرض پر ہی اکتفا کرے؟

(۳) ۸/ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ کے لیے روانہ ہونا سنت سے ثابت ہے، دیکھا گیا ہے کہ معلم صاحب ۷/ذی الحجہ کی رات کو ہی حاجیوں کو منیٰ کے لیے روانہ کرتے ہیں، ایسا کرنا کیا درست ہے؟

(۴) ذی الحجہ شروع ہونے کے بعد ۷/ذی الحجہ تک حاجی صاحب بال، ناخن، کترا سکتا ہے، یا نہیں؟

(۵) کیا مختلف تاریخی مقامات کی تصویر کھینچ سکتے ہیں؛ تاکہ دوسروں کو تصویر سے شوق اور اسلامی جذبہ ابھارا جائے؟

(۶) وسائل محدود ہو رہے ہیں، حج کا فریضہ ادا کرنے کا شوق دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ یوم عرفہ کے دن کہاں جاؤں؛ کیوں کہ حاجی عرفات میں ہوں گے اور میں یہاں کشمیر میں۔ اے کاش میں بھی ان میں شامل ہوتا۔ کوئی وظیفہ، یا آسان ذریعہ تجویز فرمائیں؟

هو المصوب

(۱) ایسی صورت میں اپنی نماز پوری کر لے، اقتدا درست ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ امام کے مقیم، یا مسافر ہونے کا علم ہو۔

== کان مسافراً عندنا ... ولو نوى الاقامة خمسة عشر يوماً في موضعين فإن كان كل منهما أصلاً بنفسه نحو مكة ومنٰى ... لايصير مقيماً ... ذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر ونوٰى الاقامة نصف شهر لا تصح؛ لأنه لا بد له من الخروج إلى عرفات فلا يتحقق الشرط. (الفتاوٰى الهندية: ۱/ ۱۳۸-۱۴۰، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر)

(۱) ولايزال على حكم السفر حتٰى ينوى الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوماً أو أكثر. (الفتاوٰى الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹)

"إذا اقتدٰی بالإمام ینوی صلاة الإمام ولایعلم أن الإمام فی آیة صلاة فی الظهر أوفی الجمعة أجزأه أیتها کانت". (۱)

(۲) تنہا خیمہ میں نماز پڑھنے والا شخص نماز اپنے وقت پر پڑھے گا اور اس میں سنن ونوافل بھی ادا کرسکتا ہے۔ (۲)

(۳) معلم صاحب ایسا انتظاماً کرتے ہیں، لہٰذا جائز ہے۔

(۴) جب تک حاجی حالتِ احرام میں ہو، اس کے لیے ناخن، یا بال کتروانا درست نہیں ہے۔ (۳)

(۵) تاریخی مقامات کی تصویر لے سکتے ہیں۔

(۶) کثرت سے یہ دعا کریں: ﴿**ربنا أرنا مناسکنا**﴾ (سورة البقرة: ۱۲۸)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۶۶/۳-۱۶۷)

میدان عرفات میں قصر کیوں پڑھی جاتی ہے:

سوال: یوم الحج یعنی ۹/ ذی الحجہ کو مقام عرفات میں مسجد نمرہ میں جو ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی جاتی ہیں، وہ ہمیشہ قصر کیوں پڑھی جاتی ہیں؟ جب کہ مکہ معظّمہ سے عرفات کے میدان کا فاصلہ تین چار میل ہے اور قصر کے لیے مقام قیام سے ۴۸/ میل، یا ایسے ہی کچھ فاصلے کا ہونا ضروری ہے؟

الجواب

ہمارے نزدیک عرفات میں قصر صرف مسافر کے لیے ہے، (۴) مقیم پوری نماز پڑھے گا، سعودی حضرات کے نزدیک قصر مناسک کی وجہ سے ہے؛ اس لیے امام خواہ مقیم ہو قصر ہی کرے گا، اب سنا ہے کہ احناف کے مسلک کی رعایت میں امام ریاض سے لایا جاتا ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۹۲/۴-۹۳)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب الثالث فی شروط الصلاة، الفصل الرابع فی النیة: ۶۷/۱، انیس

(۲) (ویأتی) المسافر (بالسنن) إن کان (فی حال أمن وقرار). (الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲، دارالفکر بیروت، انیس)

(۳) ولا یحلق رأسه ولا شعر بدنه ... ولایأخذ من ظفره شیئاً. (الفتاوٰی الهندیة، کتاب المناسک، الباب الرابع فیما یفعله المحرم بعد الاحرام: ۲۲۴/۱)

(۴) فإذا قصد بلدة والٰی مقصده طریقان أحدهما مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها والآخر دونها فسلک الطریق الأبعد کان مسافرًا عندنا ... ولونوٰی الإقامة خمسة عشریومًا فی موضعین فإن کان کل منهما أصلاً بنفسه نحومکة ومنی ... لایصیر مقیمًا... ذکر فی کتاب المناسک أن الحاج إذا دخل مکة فی أیام العشرونوی الإقامة نصف شهرلا تصح؛ لأنه لابد له من الخروج إلی عرفات فلایتحقق الشرط. (الفتاوٰی الهندیة: ۱۳۸/۱-۱۴۰، الباب الخامس عشرفی صلاة المسافر)

منی میں قصر نماز:

سوال: کوئی شخص پاکستان سے، یا دوسرے ممالک سے حج یا عمرے کے لیے جاتا ہے تو مکہ شریف میں پندرہ سے زیادہ ایام رہنے کے بعد احرام حج باندھ کر منی وعرفات کو جاتا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ منی وعرفات ومزدلفہ میں نمازیں قصر پڑھے، یا پوری پڑھے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ قصر پڑھے: کیوں کہ نبی علیہ السلام نے مکہ میں مقیم ہونے کے باوجود نماز قصر پڑھی، اگر حنفی مسلک رکھنے والے نے قصر پڑھی ہو تو اس کی نمازیں ہوگئیں، یا دوبارہ قضا کرے؟

الجواب

قصر کا حکم صرف مسافر کو ہے،(۱) اور جو شخص منی جانے سے پہلے مقیم ہو، خواہ اس وجہ سے کہ وہ مکہ مکرمہ کا رہنے والا ہے، خواہ اس وجہ سے کہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ عرصے سے مکہ مکرمہ میں ٹھہرا ہوا تھا، اس کو منی، عرفات اور مزدلفہ میں قصر کی اجازت نہیں، وہ پوری نماز پڑھے اور اگر قصر کر چکا ہے تو وہ نمازیں نہیں ہوئیں، ان کو دوبارہ پڑھے۔

خلاصہ یہ کہ جو حاجی صاحبان ایسے وقت مکہ مکرمہ جاتے ہیں کہ ۸/تاریخ (جو منی جانے کا دن ہے) تک مکہ مکرمہ میں ان کے پندرہ دن نہیں ہوتے وہ مکہ مکرمہ میں بھی مسافر شمار ہوں گے اور منی، عرفات میں بھی، لہذا قصر کریں گے،(۲) اور اگر ۸/تاریخ تک مکہ مکرمہ میں ان کے پندرہ دن پورے ہوجاتے ہیں تو وہ مکہ مکرمہ میں مقیم ہوجائیں گے اور منی، عرفات میں بھی مقیم رہیں گے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۹۳/۴)

(۱-۲) فإذا قصد بلدة والٰی مقصده طريقان أحدهما مسيرة ثلاثة أيام ولياليها الآخر دونها مسلك الطريق الأبعد كان مسافرًا عندنا ... ولو نوٰی الاقامة خمسة عشر يومًا فی موضعين فإن كان كل منهما أصلاً بنفسه نحومكة ومنی ... لايصير مقيمًا ... ذكرفی كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة فی أيام العشر ونوی الاقامة نصف شهرلا تصح؛لأنه لابد له من الخروج إلی عرفات فلا يتحقق الشرط.(الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۱۳۸ـ ۱۴۰،الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر)

☆ مدت قصر:

پندرہ دن سے کم ہے اور جب ایک مرتبہ میں پندرہ دن کی نیت کی جائے تو قصر ختم۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: ”جب تم مسافر ہو اور خود کو کسی جگہ پندرہ دن کے قیام پر طے کو لو، تو پوری نماز پڑھو اور قیام کی مدت کا کچھ طے نہ ہو تو قصر نماز پڑھو“۔(عن مجاهد عن عبد اللّٰه بن عمرقال:”كنت مسافراً فوطنت نفسك علٰی اقامة خمسة عشر يوماً فأتمم الصلاة وإن كنت لا تدری فاقصر“.(رواه محمد بن الحسن فی الآثار،اعلاء السنن: ۲۷۵/۷، كتاب الآثار،باب صلاة فی السفر،وفی آثار السنن: ۶۶/۲،إسناده حسن،إعلاء السنن: ۲۷۵/۷)أقول:رواه الامام عن موسیٰ بن مسلم عن مجاهد.(جامع المسانيد: ۴۱۴/۱،أبواب الصلاة،.وموسٰی هٰذا قال فيه فی التقريب ص۳۱۲،:لا بأس به.وفی هامش كتاب الآثار لأحمد عيسٰی،ص: ۲۳۲،وثقه ابن معين)

==

کس قدر سفر پر قصر ہے:

سوال: نماز قصر کس قدر سفر میں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

تین منزل سفر پر قصر واجب ہے۔(۱)(فتاویٰ دار العلوم:۴۸۰/۴)

== حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول وفتویٰ بھی اسی مضمون کا مروی ہے۔(عن مجاهد عن ابن عمر و ابن عباس قالا:"اذا همت باقامة خمسة عشر يوماً فأتم الصلاة"(رواه الإمام أبو حنيفة،إعلاء السنن: ٧/ ٢٧٥،جامع المسانيد: ٤٠٤/١، أبواب الصلاة،بنفس السند للخبر السابق،ابوبکر جصاص رازی نے احکام القرآن:۲۵۶/۲، میں اس کو امام صاحب کی سند سے نقل کیا ہے؛مگر اس میں ان کے شیخ عمر بن زر ہیں، جو ثقہ ہیں،(التقریب،ص:۴۲۷)اور اسی کے موافق ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل معروف ہے۔(رواه ابن أبي شيبة: ٣٨٤/٥، ومحمد بن الحسن في كتاب الحجج: ١٧٠/١،باسناد صحيح كما في اعلاء السنن: ٢٧٤/٧،نقلاً من آثار السنن: ٦٦/٢)

مصنف ابن ابی شیبہ کی سند بہت مضبوط ہے اور اس کے الفاظ میں:"كان ابن عمر اذا علىٰ خمس عشرة سرح ظهره وصلىٰ أربعاً" ابن عمر وابن عباس کا قول وفتویٰ معروف ہے، چناں چہ زیلعی ،حافظ ابن حجر، عینی، شوکانی وغیرہ سب نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔(اعلاء السنن :۲۷۵/۷،وفتح الباری:۵۶۲/۲،ونیل الاوطار:۲۳۷/۳)ابن أبی شیبہ(۳۸۳/۵،۳۸۴، میں سعید بن مسیّب وسعید بن جبیر کے اقوال یہی مذکور ہیں اور ثقہ ہیں)

ایک مرتبہ میں پندرہ دن، یا زائد کی نیت نہ کی جائے تو مستقل قصر ہے،خواہ قیام کتنا لمبا ہو جائے:

پیچھے حضرت ابن عمر وابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو قول وفتویٰ آیا ہے اس کا حاصل یہی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تبوک میں بیس دن رہا اور آپ برابر قصر فرماتے رہے"۔(عن جابر بن الله قال:أقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بتبوک عشرين يوماً يقصر الصلاة".(أخرجه أبو داؤد،جامع الأصول: ٧٠٣/٥،أبو داؤد،كتاب الصلاة،باب اذا قام بأرض العدو يقصر)وأخرجه البيهقي السنن (الصلاة باب من قال يقصر أبداً ما لم يجمع: ١٥٢/٣)وفي الجوهر النقي (١٥٠/٣)أخرجه أبو داؤد بسند علىٰ شرط الصحيحين وفي نيل الأوطار (٢٣٧/٣): أخرجه ابن حبان والبيهقي وصححه ابن حزم والنووي.وراجع هامش بن أبي شيبة(٣٨٢/٥)لمزيد التخريج والتفصيل)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی معروف روایت ہے:"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتح مکہ کے موقع سے) مکہ میں انیس دن قیام کیا اور وہی دو رکعت ادا فرماتے رہے"۔(عن ابن عباس قال:"أقام النبي صلى الله عليه وسلم تسع عشرة يقصر الصلاة".(الحديث) أخرجه الجماعة الا مسلماً واللفظ للبخاري–جامع الأصول: ٧٠١/٥،البخاري،أبواب التقصير،باب ما جاء في التقصير) ابن عباس سے اس بابت مزید کم وبیش مدتوں کا ذکر بھی آیا ہے،ملاحظہ ہو جامع الاصول:۷۰۱/۵،۷۰۲،واعلاء السنن:۲۷۴/۷ومابعد)

اسی کے مطابق صحابہ کا عمل تو بہت معروف ہے مہینوں؛ بلکہ دو سال ایک جگہ کے ایسے قیام میں انہوں نے قصر کیا۔(روایات کے لیے ملاحظہ ہو، اعلاء السننؒ:۲۸۲/۷،بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ:۳۸۰/۵-۳۸۳،ومصنف عبدالرزاق:۵۳۲/۲-۵۴۰)وبیہقی (۱۵۲/۳)(ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

(۱) السفر الذي يتغير به الأحكام أن يقصد مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بسير الإبل و مشي الأقدام ... والسير المذكور هو الوسط.(الهداية،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر: ١٤٥/١،ثاقب بكدپو ديوبند،ظفير)

سفرِ شرعی کی حد کیا ہے:

سوال: قصر نماز، ریل سے کتنی مسافت پر اور پاپیادہ کتنی مسافت پر واجب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قصر نماز ۴۸ر میل پر واجب ہے پیدل سفر ہو، یا کسی سواری پر۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۴۹/۱۱/۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۲۰/۲)

سفر کی مسافتِ شرعی:

سوال: کتنے کیلو میٹر کا سفر کرنے سے نماز قصر ادا کی جاتی ہے؟ کیا سنت وواجب بھی سفر کے دوران ادا کرنا چاہیے؟

(سید ثانی، پٹن چرو)

الجواب ــــــــــــــــــــ

مسافتِ شرعی اڑتالیس (۴۸) میل شرعی ہوتی ہے اور اڑتالیس (۴۸) میل شرعی ستتر (۷۷) کیلو میٹر، سات سو بیاسی (۷۸۲) میٹر، چالیس (۴۰) سینٹی میٹر کے برابر ہوتا ہے، گویا اٹھہتر (۷۸) کیلو میٹر کے قریب۔(۲)

واجبات کو سفر میں بھی ادا کرنا چاہیے، اگر سفر میں چلتی ہوئی حالت ہو، جیسے: آپ ٹرین، یا بس میں سفر کر رہے ہوں اور اسی حالت میں نماز ادا کریں، یا کچھ دیر کے لیے گاڑی رکی اور آپ وہاں نماز ادا کریں تو بہتر ہے کہ فرائض وواجبات پر اکتفا کیا جائے، سنت چھوڑ دی جائے اور اگر درمیانِ سفر آپ کہیں اتریں اور چند دنوں وہاں قیام کریں تو پھر سنتوں کو بھی ادا کرنا بہتر ہے، اہلِ تحقیق علما کی رائے کے مطابق یہی قول راجح ہے۔(۳) (کتاب الفتاویٰ:۴۷۶/۲-۴۷۷)

مسافت قصر کی مقدار:

سوال: کس قدر مسافت ہے جس سے مسافر کو قصر کی اجازت ہو جاتی ہے؟

---

(۱) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) من أقصر أيام السنة... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) ...(صلّى الفرض الرباعي ركعتين).(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۱-۱۲۳،دار الفكر بيروت، انيس)(دیکھئے: فتاوی دار العلوم ۴۴۴/۴)

(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل:۱۴۲/۱

(۳) وبعضهم جوزوا للمسافر ترك السنن والمختار أنه لا يأتي بها حال الخوف ويأتي بها في حال القرار والأمن.(الفتاوىٰ الهندية،الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۳۹/۱،انيس)

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

متوسط رفتار سے تین روز کی مسافت پر شرعاً قصر کیا جاتا ہے،(۱) اور تمام دن چلنا ضروری نہیں بلکہ صبح سے سردی میں زوال تک چلنا معتبر ہے اور ہر جگہ کے سفر میں اسی کے موافق رفتار معتبر ہوگی، مثلاً خشکی میں پیدل، یا معمولی اونٹ وغیرہ کی رفتار اور دریا میں کشتی کی متوسط رفتار معتبر ہوگی، اس مسافت کا اندازہ تقریباً ۴۸ر میل ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳۵۳/۱۲/۲۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۸۱-۴۸۲)

صحیح مسافت سفر:

سوال: کتنی مقدار مسافت سفر میں نماز قصر کرنی چاہیے حسب احادیث صحیحہ؟

الجواب ـــــــــــــــ

چار برید جس کی سولہ (۱۶) سولہ (۱۶) میل کی تین منزلیں ہوتی ہیں، حدیث موطا مالک سے ثابت ہوتی ہیں؛ مگر مقدار میل کی مختلف ہے، لہٰذا تین منزل جامع سب اقوال کو ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۵۸)

قصر کی مسافت سے متعلق سوال:

سوال: اگر کوئی شخص وطن سے باہر بیالیس (۴۲) میل پر جا ٹھیرے، اور اس جگہ پر پندرہ روز یا کم کا ارادہ مقیم ہونے کا ہو، تو نماز قصر کرنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ

تین دن کی مسافت پر قصر ہوتا ہے۔(۳) اڑتالیس (۴۸) میل اس کا اندازہ کیا گیا ہے۔ وہاں جا کر اگر پندرہ دن قیام کا ارادہ ہے تو نماز پوری پڑھے، اس سے کم قیام کا ارادہ ہے تو قصر کرے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۸۴)

---

(۱) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) من قصر أيام السنة، ولا يشترط سفر كل يوم إلى الليل بل إلى الزوال، ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب. (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين، قصر ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين) وجوباً لقول ابن عباس رضى الله عنهما: إن الله فرض على لسان نبيكم صلاة المقيم أربعاً والمسافر ركعتين". (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۳، سعيد)

(۲) قال الدكتور وهبه الزحيلي: "والتقدير بثلاث مراحل قريب من التقدير بثلاثة أيام، لأن المعتاد من السير في كل يوم مرحلة واحدة، خصوصاً في أقصر أيام السنة، ولا يصح القصر في أقل من هذه المسافة، كما لا يصح التقدير عنهم الفراسخ على المعتمد الصحيح. (الفقه الاسلامي وأدلته، الموضوع الأول المسافة التي تجوز فيها القصر: ۲/۳۲۰، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) عن سويد بن غفلة الجعفي قال: اذا سافرت ثلاثاً فاقصر. {رواه محمد بن الحسن في الحجج} (إعلاء السنن: ۷/۲۴۷، انيس)

مسافت قصر:

سوال: مسافت قصر کے متعلق حضرت والا اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں؟

الجواب

آپ نے مسافت قصر کے متعلق جو فتویٰ پوچھا ہے اور حضرات فرنگی محل کے فتاویٰ کے خلاف نقل فرمائے ہیں، اس کو میں نے دارالافتاء میں بھیج دیا ہے، ان شاء اللہ جواب پہونچ جائے گا۔ ہمارے اکابر کا معمول بہ اڑتالیس میل ہی ہے اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں، حضرات فرنگی محل اس میں تشدّد فرماتے ہیں؛ مگر کتب فقہ میں حکم میلوں پر نہیں ہے؛ بلکہ تین دن تین رات کی مسافت اوسط انسانی رفتار، یا اونٹ کی رفتار سے جملہ حوائج انسانیہ اکل وشرب، پیشاب پاخانہ وغیرہ اور حوائج شرعیہ نماز وغیرہ کو انجام دیتے ہوئے اکثر حصّہ یوم ولیلہ میں جو قطع ہو سکے، وہ مسافت قصر ہے۔(۱) اسی قاعدہ سے بمشکل ۱۶/میل چل سکتا ہے؛ بلکہ ۱۵/میل بھی چلنا دشوار ہوگا؛ اس لیے بعض حضرات ۱۲/میل روزانہ اور بعض ۱۵/میل روزانہ قرار دیتے ہیں۔ ہمارے اکابر نے ۱۶/میل روزانہ احتیاط کے طور پر قرار دیا ہے، اس سے زائد قرار دینا غیر معقول ہے۔(۲) واللہ اعلم

(مکتوبات: ۱۴۴/۳) (فتاوی شیخ الاسلام، ص: ۴۸-۴۹)

سوا ستہتر ۱/۴، ۷۷ کیلومیٹر سفر کی حد ہے:

سوال: کتنے کیلومیٹر سفر کا ارادہ کرنے پر قصر لازم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً

اڑتالیس (۴۸) میل کے ارادہ سے چلیں گے تو قصر لازم ہے، جو کیلومیٹر کے حساب سے سوا ستہتر (77:248) کیلومیٹر ہوتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۴۹۶/۱)

---

(۱) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصداً) ... (مسيرة ثلثة أيام وليا ليها) ... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲-۱۲۳، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) حضرت کی وضاحت پوری طرح فقہ کے موافق ہے؛ اس لیے کہ مسافت سفر میں حنفیہ کے نزدیک دراصل میلوں، یا فرسخوں کا اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ حقیقتاً متوسط رفتار سے مسافت قطع کر سکنے پر حکم کا مدار رکھا گیا ہے۔ ہر جگہ یہی قاعدہ جاری ہوگا۔ ولا اعتبار بالفراسخ على المذاهب. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس) اس وضاحت سے شرعی، یا انگریزی میل مراد لینے کا اختلاف خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

مسافر کتنی مسافت پر قصر کرے:

سوال: مسافر کو کتنے کوس پر قصر کرنا چاہیے اور ہر کوس کتنے میل کتنے قدم پختہ کا ہوگا؟

الجواب

سفر اگر تین منزل؛ یعنی تین دن کا ہو تو مسافر پر قصر لازم ہے اور بعض فقہا نے منازل کے عوض فراسخ اور میل سے تحدید فرمائی ہے۔(۱) اس میں تین قول ہیں: بعض نے ۲۱؍فرسخ؛ یعنی ۶۳؍میل اور بعض نے ۱۸؍فرسخ؛ یعنی ۵۴؍میل اور بعض نے ۱۵؍فرسخ؛ یعنی ۴۵؍میل مقرر کئے ہیں اور مفتی بہ قول ثانی یا ثالث ہے۔

قال في الرد: ثم اختلفوا فقيل أحد وعشرون وقيل ثمانية عشر وقيل خمسة عشر والفتوىٰ على الثاني؛ لأنه الأوسط، وفي المجتبىٰ فتوى أئمة خوارزم على الثالث.(۲)

اور مذہبِ ثالث یہ ہے کہ تین دن میں جس قدر مسافت طے ہوتی ہو، عادتاً اس میں قصر واجب ہے اور میل چار ہزار ذراع کا ہے، یا چار ہزار قدم کا۔ (کذا فی الشامی)(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴؍۴۴۵-۴۴۶)

گھر سے کتنے فاصلہ پر جا کر قصر شروع کرے:

سوال: گھر سے کتنے فاصلہ پر جا کر قصر کر سکتا ہے؟(۴)

الجواب

اس کا نام قصر ہے، سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم ہے؛ یعنی جو نماز چار رکعت ہے، سفر میں دو رکعت پڑھی جاتی ہیں، مغرب اور صبح کی نماز میں قصر نہیں ہے۔ شرط قصر یہ ہے کہ تین منزل سفر کا ارادہ ہو، یا اس سے زیادہ کا اور تین منزل کا اندازہ اڑتالیس (۴۸) میل سے کیا گیا ہے۔(۵) (فتاویٰ دارالعلوم:۴؍۴۸۵-۴۸۶)

---

(۱) **(قاصد) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) من أقصر أيام السنة ولا يشترط سفر كل يوم إلى الليل بل إلى الزوال ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب. (الدر المختار)**

وفي رد المحتار: قال في النهاية: أي التقدير بثلاث مراحل قريب من التقدير بثلاثة أيام ... وكذا ما في الفتح من أنه قيل يقدر بأحد وعشرين فرسخًا وقيل بثمانية عشر وقيل بخمسة عشر وكل من قدر منها اعتقد أنه مسيرة ثلاثة أيام. (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۳، انيس)

(۲) **رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، دار الفكر بيروت، ظفير**

(۳) **الفرسخ ثلاثة أميال والميل أربعة آلاف ذراع. (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، دار الفكر، ظفير)**

(۴) رجسٹر میں سوال اسی طرح ہے، غالباً نقل میں اختصار ہوگیا ہے۔ ظفیر

(۵) **(من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصداً) ... (مسيرة ثلثة أيام ولياليها) ... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين). (الدر المختار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۳، دار الفكر بيروت، انيس)**

چھتیس میل کی مسافت پر قصر نماز ادا کرے:

سوال: سفر کی وہ مسافت جس کے ارادہ سے قصر ہوتی ہے، انگریزی میل کے اعتبار سے مفتی بہ کتنے میل ہیں؟
(المستفتی: ۱۳۴۹، محمد یونس صاحب (متھرا) ۲۷/ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۰/فروری ۱۹۳۵ء)

الجواب

انگریزی میل سے چھتیس میل کی مسافت قصر نماز کے لیے کافی ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۳/۳۷۵)

مسافت قصر ۴۸/میل ہے:

سوال: منزل کتنے کوس ہوگی؟ انگریزی کوس کے حساب سے نماز کے لیے قصر تین منزل میں کرنا چاہیے، یا کیا؟

الجواب

ہمارے نزدیک معمول سفر قصر کے لیے اڑتالیس (۴۸) میل ہے۔ سولہ (۱۶) میل کی ایک منزل قرار دی گئی ہے۔ فقط
(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴/۴۴۴)

غیر مقلدین کا تین میل پر قصر کرنا اور ان کی مستدل حدیث کی تاویل:

سوال: عند الفقہاء ۴۸/میل پر دوگانہ مسافر پڑھتا ہے اور غیر مقلد تین میل پر دوگانہ پڑھتے ہیں۔ ثبوت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں، جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین میل پر دوگانہ پڑھا ہے، اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

الجواب

تین منزل (جس کے ۴۸/میل ہوتے ہیں) کی مسافت کا ارادہ ہو تو شہر سے باہر نکلتے ہی قصر شروع ہو جاتا ہے،(۲) اور یہی تاویل ہے اس حدیث شریف کی جس میں یہ آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف سے باہر تین میل پر قصر کیا؛ یعنی ارادہ آپ کا دور کا تھا؛ مگر تین میل پر مدینہ سے نکل کر وقت نماز کا ہوا تو آپ نے قصر نماز پڑھی۔ فقط
(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴/۴۷۷-۴۷۸)

---

(۱) چھتیس میل انگریزی درست معلوم نہیں ہوتا؛ کیوں کہ کم از کم مقدار ۴۵/میل شرعی برابر ۵۱/میل انگریزی کے اور احسن الفتاوی میں مفتیٰ بہ قول ۵۴/میل شرعی ۶۱/میل انگریزی۔ (احسن الفتاویٰ، باب صلاۃ المسافر: ۴/۹۵، ط سعید، وخیر الفتاویٰ: ۲/۶۶۶، ط: ملتان)

(۲) من خرج من عمارة موضع إقامته) ... قاصدًا) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) ... ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب. (الدر المختار علی هامش رد المحتار باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۳، دار الفكر بيروت، ظفير)

کتنے منزل کا سفر شرعی ہوتا ہے:

سوال: ایک منزل کتنے کوس یا کتنے میل کی ہوتی ہے؟

الجواب

کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ سفر شرعی تین منزل کا ہوتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ میلوں کا اعتبار نہیں ہے بلکہ منزلوں کا ہے۔اور بعض فقہا نے میلوں کا اعتبار کیا ہے، اس میں تین قول ہیں۔ایک منزل کے ۲۱، یا ۱۸، یا ۱۵ ر میل لکھے ہیں اور فتویٰ ۱۸ ر میل پر ہے اور عند البعض پندرہ (۱۵) میل پر ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴/ ۴۶۸)

تین منزل کا سفر ہو تو قصر کرے:

سوال: اگر کوئی شخص ہمیشہ دریائی سفر میں رہے، یا جہاز کی نوکری کرے، یا مہینہ میں دس روز جہاز پر سفر کرے اور دس پندرہ روز اپنے مکان پر، وہ نماز قصر پڑھے، یا پوری؟

الجواب

جس زمانہ میں سفر میں رہے اور جہاز میں سفر کرے، بشرطیکہ سفر تین منزل کا ہو تو وہ قصر کرے،(۲) اور جس وقت اپنے وطن میں پہنچے اور وطن میں رہے، ان دنوں میں نماز پوری پڑھے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴/ ۴۶۳)

سفر میں منزل کا اعتبار ہے، یا فرسخ کا:

سوال: قال فی الهداية: ولا معتبر بالفراسخ وهو الصحيح، آه. (۴)

---

(۱) اعلم أن أقل مدة السفر عندنا مسافة ثلاثة أيام من أقصر أيام السنة بالسير الوسط وهو مشى الأقدام والإبل فى البر واعتدال الريح فى البحر ... وصحح صاحب الهداية أنه لا يعتبر التقدير بالفراسخ لكن قال المرغينانى وعامة المشائخ قدروها بالفراسخ فقيل أحد وعشرون فرسخًا وقيل ثمانية عشر فرسخًا، قال المرغينانى: وعليه الفتوىٰ وقال العتابى فى جوامع الفقه: وهو المختار وقيل خمسة عشر فرسخًا، إلخ. (غنية المستملى، فصل فى صلاة المسافر فى المدة، ص: ۴۹۷، ظفير)

(۲) ولا يزال علىٰ حكم السفر حتىٰ ينوى الإقامة فى بلدة أو قرية خمسة عشر يوماً أو أكثر وإن نوىٰ أقل من ذلك قصر. (الهداية، باب صلاة المسافر: ۱/ ۱۴۶، ثاقب بكڈپو ديوبند، ظفير)

(۳) الوطن الأصلى ... (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول أهل فلو بقى لم يبطل بل يتم فيهما. (الدر المختار)
وفى الرد تحته: أى بمجرد الدخول وإن لم ينو إقامة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/ ۱۲۱-۱۲۳، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۴) الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/ ۲۴۸، ظفير

وفی الدر المختار: ولا اعتبار بالفراسخ علی المذھب، انتھٰی(۱)

وفی حاشیۃ الھدایۃ: (قولہ ھو الصحیح) احترازعن قول عامۃ المشائخ فإنھم قدروہ بالفراسخ ثم اختلفوا فیما بینھم فقیل أحد وعشرون فرسخًا وقیل ثمانیۃ عشر وقیل خمسۃ عشر والفتوی علٰی ثمانیۃ عشر کذا فی المحیط، انتھٰی. (۲)

ودر حاشیہ مالا بدمنہ:

''لیکن صحیح آنست کہ در مذہب حنفیہ اعتبار امیال وفراسخ نیست، اما چہل وہشت میل چناں کہ مصنف اختیار کردہ مذہب شافعی است''۔

ودر عالمگیری از ہدایہ می آرد:

''ولا تعتبر بالفراسخ''.

جب کہ حنفیہ کے نزدیک میل وفراسخ کا اعتبار نہیں تو جہاز کے سفر میں کس طور پر نماز قصر پڑھیں گے؟

الجواب

اصل مذہب بے شک یہ ہے کہ منازل کا اعتبار ہے؛ یعنی تین دن کی مسافت معتبر ہے؛ لیکن ۴۸ رمیل بھی تین منزل ہوتے ہیں؛ اس لیے معمول بہ یہی ہے اور مالا بدمنہ میں اس کو اختیار کیا گیا ہے، (۳) اور دریا کے سفر میں کشتی وجہاز کی مسافت کا اعتبار ہے؛ یعنی تین دن میں جس قدر سفر طے ہوتا ہے، اعتدال ریح کے ساتھ، اس میں قصر کا حکم ہے۔(۴) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۴۶۵-۴۶۶)

منزل کا عرب کے دستور کے مطابق اعتبار ہے، کوس کی قید نہیں:

سوال: منزل کئے کوس کی شمار ہوتی ہے شرع میں؟

الجواب

موافق عرب دستور کے منزل کی شمار ہے، کوسوں کی قید نہیں، **علی الصحیح.**

(بدست خاص، سوال:۶۲) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۷)

---

(۱) **الدر المختار علٰی ھامش رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر: ۱/۷۳۵، ظفیر**

(۲) **حاشیۃ الھدایۃ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر: ۱/۱۴۸، ظفیر**

(۳) مگر وقتیکہ قصد کنند دفعۃً واحدۃً سفر چہل وہشت کردہ را۔ (مالا بدمنہ، فصل نماز مسافر: ص۶۰، ظفیر)

(۴) **وإنما یعتبر فی کل موضع منھما مایلیق بحالہ. (الفتاوی الھندیۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر: ۱/۱۳۸، ظفیر)**

فرسخ اور میل کی صحیح حد:

سوال: فرسخ اور میل کی تحدید معتبر کیا ہے؟

الجواب

فرسخ تین میل کا اور میل چار ہزار قدم کا لکھتے ہیں؛ مگر یہ سب تقریبی امور ہیں۔ اصل میل اس مسافت کا نام ہے کہ نظر میل کرے اور یہ بھی مختلف ہے، وقت اور محل اور رائی کے اعتبار سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۵۸)

ہر طرح کے سفر میں سیرِ متوسط کا اعتبار ہے:

فقہانے تین قسم کی راہ مقرر کی ہیں: ایک بحر، دوسرا جبل، تیسرا برّ (خشکی) اور ہر سہ طریق میں متوسط سیر کا اعتبار کیا ہے، اگر سرعت [سفر] تین مرحلہ کے درجہ مثلاً ایک روز میں طے کر دیوے تو سفر ہوگا اور جو بایں طور ایک مرحلہ کو تین روز میں طے کرے، وہ سفر نہ ہوگا۔ بعد اس قاعدے کے ہم دیکھتے ہیں کہ شتر اور گھوڑا اور چھکڑا اور شکرم اور ریل سب ایک ہی قسم کی راہ کے طے کرنے کے اسباب ہیں، سوسہ مرحلہ شتر کو اگر شکرم اور ریل سے ایک روز، یا ایک پہر میں طے کیا تو یہ سرعت مخل حد سفر کو نہ ہووے گی اور اگر چھکڑا ایک مرحلہ کو تین روز میں طے کرے تو سفر نہ ہو جاوے گا تو فقہا کے زمانہ میں ایسی سریع سواری کا وجود نہ تھا کہ اس کی تصریح کرتے؛ مگر ہاں اس قدر مصرح ہے کہ اگر تین مرحلہ کو ایک روز میں طے کرلے گا تو سفر ہی ہوگا، درمختار میں یہ ہے۔ ردالمحتار میں کہا [ہے]:

وظاهره أنه كذلک لو وصل إليه فی زمن يسير بكرامةٍ لكن استبعده فی الفتح، بانتفاء مظنة المشقة وهی العلة فی القصر، انتهٰی. (۱)

تو طی ارض بالکرامت میں تو مشقت راساً منتفی ہے؛ مگر سفر ریل میں مظنہ مشقت موجود ہے، مال کا دینا اور حرج راہ کا گمان اور مشقت "**حبس فی موضع واحد وعدم اختيار الخروج وغيرها**" تو بس دیر کی راہ کو اگر بذریعہ ریل تھوڑے عرصہ میں طے کرلے گا تو از قسم طی بالکرامت تو نہ ہوگا؛ بلکہ از قسم سرعت سیر ہوگا۔

باقی جواز صلوٰۃ الفرض تو سفینہ کے مثل ہو جانے سے، کیا ضرور ہے کہ "**مقيس على السفينة**" ہوا ہو؛ بلکہ یہ "**مقيس على السرير المجرور على الأرض**" ہے اور سفینہ اور سریر مجرور کا اگر حکم متحد ہو جاوے تو کیا مستبعد ہے۔ ریل دابہ پر نہیں، جو دابہ کا حکم ہو؛ بلکہ چوکی کے حکم میں ہے کہ ہر دو موضع علی الارض ہیں، جیسا کہ چوکی مجرور پر صلوٰۃ فرض روا ہے، ایسا ہی ریل پر درست ہے۔ اگر گاڑی دابہ کی کمر پر نہ ہو؛ بلکہ زمین پر رکھ کر رسّی سے باندھ کر کھینچے،

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۳/۲، دار الفكر بيروت، انيس

تو اس پر جواز صلوٰۃ فرض مصرح ہے۔ الغرض جواز صلوٰۃ ریل پر سفینہ کے قیاس سے نہیں؛ بلکہ موضوع علی الارض ہونے سے ہے، جیسا چوکی چار پائی پر ہے اور مقدار سفر راہ پر ہونے کے باعث سے ہے، جیسا کہ ''**ماشی علی الاقدام بسرعة سیر برید**'' ایک روز میں تین منزل کو طے کر جاوے تو مقدار سفر اس کی اور جواز صلوٰۃ اس کا سفر پر ہونے کے سبب ہے تو اب نہ معلوم اس میں کیا استبعاد ہے، وجہ استبعاد معلوم نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مکتوبات حضرت گنگوہی بنام مولانا خلیل احمد، مکتوب: ۲۹) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۷-۱۸۸)

مسافت سفر پہاڑ میں:

سوال: پہاڑ کے سفر میں کتنے فاصلے پر آدمی مسافر ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

جتنے وقت میں زمین پر چلنے سے ایک منزل طے ہوتی ہے جس کی مسافت تقریباً ۱۶؍میل ہے، اور تین منزل کی مسافت ۴۸؍میل کے قریب سے اتنے وقت میں پہاڑی راستہ جس قدر طے ہو، اس کی مقدار کو ایک منزل قرار دیا جائے گا۔ اور تین منزل کو مسافت سفر کہا جائے گا، وہاں ۴۸؍میل کو مسافت سفر کہنا لازم نہیں ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے نصف ہو یا کم و زیادہ ہو۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۸۸-۴۸۹)

سفر میں مسافت کا اعتبار اور سواری کی رفتار سے وقت کا اعتبار نہ کرنا:

سوال: ہمارے مکان سے چاٹگام شہر خشکی کی راہ سے تین دن کی راہ ہے، اسی طرح معمولی کشتی پر جانے سے تین دن کا راستہ ہے، ان دونوں صورتوں میں قصر پڑھے؛ لیکن اسٹیمر ہی چند سال سے چلتا ہے، جہاز دخانی پر سوار ہونے سے آدمی آٹھ گھنٹہ میں پہنچتا ہے، سو اگر ہم جہاز پر سوار ہو کر چاٹگام جاویں تو راہ میں اور وہاں شہر میں پہنچ کر قصر کریں، یا نہ کریں؟

---

(۱) ویعتبر فی الجبل بما یناسبه من السیر؛ لأنه یکون صعودًا وهبوطاً ومضیقاً ووعرًا، فیکون مشی الإبل و الأقدام فیه دون سیرهما فی السهل''. (ردالمحتار، باب المسافر: ۲/۱۲۳، سعید)

''والمراد بسیر البر والجبل أن یکون بالإبل ومشی الأقدام، والمراد بالإبل إبل القافلة دون البرید، وأما السیر فی البحر فیعتبر ما یلیق بحاله، وهو أن یکون مسافة ثلاثة، فیه إذا کانت تلک الریاح معتدلة، وإن کانت تلک المسافة بحیثت تقطع فی البر فی یوم کما فی الجبل، یعتبر کونها من طریق الجبل بالسیر الوسط ثلاثة أیام وإن کانت تقطع من طریق السهل بیوم، فالحاصل أن تعتبر المدة من أیّ طریق أخذ فیه'' آه. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب المسافر: ۲/۲۲۹، رشیدیه)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ہاں قصر کیا جاوے، مسافت کا اعتبار ہے، گوسواری کے تیز ہونے سے وہ جلدی قطع ہو جاوے، جیسا کہ ریل کے سفر میں یہی حکم ہے۔

۲۰/صفر ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ: ۶۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۸۷)

۴۸/میل کی مسافت میں صرف جانے کا اعتبار ہے، یا آنے جانے دونوں کا:

سوال: یہاں سے ضلع صدر جانے کے دو راستے ہیں: ایک پچیس کوس کا، دوسرا چوبیس کوس کا، چوبیس کوس والے راستہ سے جائے اور پچیس کوس والے راستہ سے واپس آئے تو اس پر واپسی میں قصر ہے، یا نہیں؟ اور جو پچیس کوس والے راستہ سے جاوے اور چوبیس کوس والے راستے سے واپس آوے تو اس پر قصر ہے، یا نہیں؟ ہمارے یہاں تین کوس چار میل کا ہوتا ہے۔

(معتکف بخدمت شریف شاہ حبیب اللہ، از خانقاہ مانکپور، ۲۷/جمادی الاولیٰ، ۱۳۵۷ھ، ضلع پرتا بگڈھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

قصر نماز کے لیے تین یوم کی مسافت کا سفر ضروری ہے، (۱) اور یہ مسافت صرف ایک طرف کی ہے آنے اور جانے کی مجموعی مسافت نہیں۔ پس صورت مسئولہ میں دونوں راستوں میں سے کسی ایک سے آنا جانا ہو، یا دونوں سے، دونوں صورتوں میں قصر جائز نہیں، (۲) البتہ اگر کسی جگہ کے دو راستے ہوں ایک مسافت قصر ہو اور دوسرا نہ ہو تو جس راستہ سے سفر اختیار کرے گا اس کا اعتبار ہوگا، آنے میں بھی جانے میں بھی۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹ جمادی الثانیہ/۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۸۲-۴۸۳)

---

(۱) "من خرج من عمارة موضع إقامته) ...(قاصداً) ... (مسيرة ثلاثة أيام) ...صلى الفرض الرباعي ركعتين". (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۳، سعيد)

"أما الثاني وهو بيان اشتراط قصد السفر، فلابد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتىٰ يترخص برخصة المسافرين، وإلا لا يترخص أبدًا". (تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۲۰۹، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) اشترط الفقهاء لصحة القصر الشروط الآيته: أن يكون السفر طويلا مقدرا بمسيرة مرحلتين أو يومين أو ستة عشر فرسخا عند الجمهور، أو ثلاث مراحل أو ثلاثة أيام بلياليها عند الحنفية. (الفقه الاسلامي وأدلته: ۲/۳۲۷، كتاب الصلوٰة، المبحث الثالث صلاة المسافر، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) ولو لموضع طريقان: أحدهما مدة السفر، والأخر أقل، قصر في الأول لا الثاني". (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، سعيد)

کیا شہر سے ۷۰ رکیلومیٹر دور جانے آنے والا ٹرک ڈرائیور مسافر ہوگا:

سوال: میں ریتی بجری کا ٹرک چلاتا ہوں اور سپر ہائی وے روڈ پر تقریبا ۷۰ رکلومیٹر آگے جا کر بجری لاتا ہوں، اگر میں وہاں ندی پر پہنچ جاؤں اور نماز کا وقت ہوجائے تو کیا میں نماز قصر کروں، یا پوری نماز ادا کروں اور خدانخواستہ اگر قضا ہوجائے تو واپس کراچی آکر مسافرانہ قضا ادا کروں، یا پوری؟

الجواب

سا گر آپ کراچی کی حدود ختم ہونے کے بعد ۴۸ رمیل (۷۷کلومیٹر)، یا اس سے زیادہ دور جاتے ہیں تو نماز قصر کریں گے، سفر کی قضا شدہ نماز گھر پر ادا کی جائے، تب بھی قصر ہی پڑھتے ہیں؛(۱) مگر ۷۰ رکلومیٹر قصر کی مسافت نہیں؛ اس لیے آپ وہاں پوری نماز پڑھیں گے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸۱/۴)

ساٹھ میل کی دوری پر جانا ہو تو قصر کرے، یا نہیں:

سوال (۱) زید نے اپنے وطن اصلی سے 'ب' شہر کو جو ۶۰ میل سے زائد فاصلہ پر ہے، جاتا ہے؛ مگر اس کی نیت بر وقت روانگی ۱۵ ریوم سے زیادہ 'ب' شہر میں قیام کرنے کی ہے، ایسی صورت میں راہ میں قصر کرنا چاہیے، یا نہیں؟

پندرہ دن قیام کے بعد چلے گا، تو سفر یہاں سے شمار ہوگا یا پہلے شہر سے:

(۲) مثلاً زید 'ب' پہلے شہر سے بعد قیام زائد از ۱۵ ریوم، 'ج' شہر کو جائے تو قصر کرنے کے لیے فاصلہ کا شمار 'ب' شہر سے کیا جائے گا، یا زید کے وطن اصلی سے؟

الجواب

(۱) نماز کو قصر کرنا چاہیے۔(۲)

(۲) اس صورت میں فاصلہ کا شمار 'ب' شہر سے کیا جاوے گا۔(۳) (فتاویٰ دار العلوم: ۴/۴۸۱-۴۸۲)

---

(۱) فلو فاتته صلاة السفر وقضاها في الحضر يقضيها مقصورة كما لو أداها ...إلخ(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر قبيل باب الجمعة: ۱/۱۳۵، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين) وجوبًا. (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۲)

(۳) (و)يبطل (وطن الإقامة بمثله و)بالوطن (الأصلي و)بإنشاء (السفر) (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۲، دار الفكر بيروت)

تاجر سومیل کی مسافت طے کرے تو وہ مسافر ہوگا:

سوال: ہم بیس پچیس آدمی بجنور سے مرادنگر ضلع میرٹھ کپڑا فروخت کرنے آتے ہیں، یہ مقام ایک سومیل ضلع بجنور سے ہے، جب ہم گھر سے چلے تو یہ نیت تھی کہ دو مہینے مرادنگر اس طرح قیام کریں گے کہ اکثر رات کو مرادنگر رہیں گے اور دن کو وہاں سے دو چار کوس پر کپڑا فروخت کرنے چلے جائیں گے، کبھی جائے قیام پر آجائیں گے اور کبھی وہیں گاؤں میں رہ جائیں گے۔ مرادنگر ۱۵/ یوم مستقل ٹھہرنے کی شروع ہی سے نیت نہ تھی، آس پاس آتے جاتے رہنے کا پہلے سے قصد ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے، اس صورت میں قصر کرے، یا پوری نماز پڑھے؟

(المستفتی: ۱۵۹۷، اصغر حسین (ضلع بجنور) ۴/ رجمادی الاول ۱۳۵۶ھ، مطابق ۱۳/ جولائی ۱۹۳۷ء)

الجواب

یہ لوگ گھر سے سومیل کی مسافت کا قصد کر کے چلنے سے مسافر ہوگئے۔ اب جب تک کسی ایک مقام میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کریں، مسافر ہی رہیں گے، لہٰذا یہ اس حالت میں نماز قصر پڑھتے رہیں۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/ ۳۷۶-۳۷۷)

کم مسافت سمجھ کر پوری نماز پڑھتا رہا، بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا مسافت قصر تھی، کیا کرے:

سوال: ایک شخص ایک مقام کو گیا، جس کی مسافت بعد تحقیق اپنے خیال میں حد سفر سے کم مسافت خیال کرتا ہے، بایں وجہ وہ پوری نماز پڑھتا رہا، چار پانچ روز بعد تحقیق ہوئی کہ مسافت حد سفر سے زیادہ ہے تو اس نے پوری نمازیں پڑھی تھیں، اس کا اعادہ کرے، یا نہیں؟ اور ایک شخص نے ایسے مقام کو جو مسافت شرعی سے کم ہے، جو مسافت شرعی پر خیال کر کے قصر کرتا رہا، چندروز بعد معلوم ہوا کہ یہ مقام حد سفر سے کم ہے تو وہ ان نمازوں کا اعادہ کرے، یا نہیں؟

الجواب

پہلا شخص اگر قعدہ درمیانی میں بیٹھا ہے، تو اس کی نماز فرض ادا ہوگئی، اعادۂ فرض نہیں ہے اور دوسرا شخص ان نمازوں کا اعادہ کرے، (۲) اور دوسرے شخص نے چار کی جگہ دو پڑھی؛ اس لیے سرے سے اس کی نماز نہیں ہوئی۔

بقي من المفسدات ارتداد بقلبه وموت ... وترک رکن بلا قضاء. (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۴۵۱-۴۵۲)

---

(۱) ولایزال علی حکم السفر حتی ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یوماً أو أکثر، کذا فی الهدایة. (الفتاوی الهندیة، باب صلاة المسافر: ۱/ ۱۳۹، ط: ماجدیة)

(۲) (فلو أتم مسافر إن قعد فی) القعدة (الأولی تم فرضه) ولکنه (أساء) ... (ومازاد نفلی) ... (وإن لم یقعد بطل فرضه). (الدرالمختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/ ۱۲۸، دار الفکر بیروت، انیس)

(۳) الدرالمختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة: ۱/ ۵۸۸-۵۸۹، ظفیر

مسافت سفر نہ ہونے کی صورت میں مسافت سفر طے کرنے میں قصر نہ کرنے کا حکم:

سوال: زید وطن سے مظفر نگر کا عازم ہو کر چلا اور قصد ہے کہ دو یوم میں واپس ہو جائے گا، وہاں پہنچ کر ضرورت محسوس ہوئی کہ سہارنپور آئے اور سہارنپور سے واپس میرٹھ ہولیا، میرٹھ سے مظفر نگر سفر شرعی نہیں اور نہ مظفر نگر سے سہارنپور، ہاں میرٹھ سے سہارنپور سفر ہے، پس سفر کے دو ٹکڑے علاحدہ و مستقل نیت سے مظفر نگر سے روانگی کے وقت سفر بنیں گے، یا نہیں؟ یعنی سہارنپور سے میرٹھ آتے وقت تو سفر کا حکم ہوگا ہی، مظفر نگر سے سہارنپور تک بھی حکم سفر ہوگا، یا نہیں؟

الجواب______________________

فی الدر المختار: ومن طاف الدنیا بلا قصد لم یقصر.

فی رد المحتار تحت: (قوله: بلا قصد) بأن قصد بلدة بینه وبینها یومان للإقامة بها فلما بلغها بداله أن یذهب إلیٰ بلدة بینه وبینها یومان هلم جراً، قال فی البحر: وعلی هٰذا قالوا: أمیر خرج مع جیشه فی طلب العدو ولم یعلم أین یدرکهم فإنه یتم وإن طالت المدة أو المکث أما فی الرجوع فإن کانت مدة سفر قصر، آه. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص مظفر نگر سے سہارنپور جاتا ہوا قصر نہ کرے گا اور سہارنپور سے میرٹھ آتے ہوئے قصر کرے گا۔ فقط

۱۸/صفر ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۸۵) (امداد الفتاویٰ: ۱/۵۹۶)

میرٹھ سے دہلی جانے والا قصر کرے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ شرعی مسافت سفر انگریزی میل کے حساب سے جس کی مقدار سترہ سو ساٹھ گز کی ہے اور میرٹھ سے دہلی کا سفر کرنے والا قصر نماز پڑھے گا، یا پوری؟ جب کہ دونوں کے درمیان مسافت ۴۵/میل ہے اور شہر سے ۴۲/میل ہے۔

الجواب______________________

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ تین دن؛ یعنی تین منزل کے سفر میں قصر کرنا چاہیے۔ پس میرٹھ سے دہلی اگر تین منزل ہے، قصر کرسکتا ہے، ورنہ نہیں اور فراسخ اور میلوں کا ظاہر مذہب کے موافق اعتبار نہیں ہے، جن مشائخ نے فراسخ کا اعتبار بغرض سہولت عوام کیا ہے، اس میں تین قول ہیں: اکیس فرسخ؛ یعنی ۶۳/میل شرعی، یا اٹھارہ فرسخ؛ یعنی چون میل شرعی، یا پندرہ

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۲/۲، دار الفکر بیروت، انیس

فرسخ؛ یعنی ۴۵ میل شرعی اور فتویٰ ثانی، یا ثالث قول پر دیا گیا ہے۔ (کذافی ردالمحتار) اور میل شرعی چار ہزار ذراع کا اور ذراع چھ قبضہ؛ یعنی تقریباً آٹھ گرہ کا انگریزی ذراع مروج زمانہ ہٰذا سے ہے۔ پس میل شرعی دو ہزار گز کا ہوا اور میل انگریزی جب کہ سترہ سو ساٹھ گز کا ہے تو فی میل دو سو چالیس گز کا تفاوت میل انگریزی اور میل شرعی میں ہوا تو ۴۵ رمیل شرعی قریب پچاس میل انگریزی کے ہوگا اور فراسخ کے اعتبار کرنے پر کم از کم مسافت قصر پچاس میل ہوگی؛ لیکن جب کہ اعتبار کرنا فراسخ کا اصل مذہب کے خلاف ہے تو اب مدار منازل پر ہوگا اور یہ امر عرف اور عادت اور تجربہ پر موقوف ہے اور یہ بھی کتب فقہ میں موجود ہے کہ تین دن کے سفر سے یہ مراد ہے کہ اقصر ایام سنہ میں صبح سے زوال تک جس قدر مسافت طے ہو سکے، وہ مقدار میلوں کی معتبر ہوگی۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے حضرات اساتذہ نے روزانہ بارہ کوس کا سفر؛ یعنی سولہ میل اختیار فرمایا ہے؛ کیوں کہ روزانہ اگر چھ گھنٹہ سفر کے لیے مقرر کئے جاویں تو فی گھنٹہ دو کوس پیادہ آدمی متوسط چال سے طے کر لیتا ہے، اس اعتبار سے مسافت قصر ۴۸ رمیل؛ یعنی ۳۶ رکوس کو قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۹۵-۴۹۶)

میرٹھ سے مظفر نگر تک مسافت سفر نہیں:

سوال (۱) زید ٹیکسی ڈرائیور ہے اور میرٹھ میں مقیم ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ مثلاً زید میرٹھ سے مظفر نگر کے لیے روانہ ہوا، جب کہ یہ مسافت ۳۵ رمیل ہے تو وہاں قصر نہیں ہوگا؛ لیکن اگر وہاں سے دیوبند آنا پڑا تو مسافت قصر ہو جائے گی تو اس صورت میں قصر کرے، یا نہیں؟ اگر اس طرح سہارنپور یا دہرہ دون جانا پڑے تو مسافت قصر ہوگی، یا نہیں؟

(۲) زید کی گاڑی آل یوپی ہے، ویسے مستقل چلتی ہے، ادھر دہلی لکھنؤ جانا پڑے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(۱) اگر میرٹھ زید کا وطن اصلی ہے، یا وطن اقامت ہے اور وہاں سے صرف مظفر نگر کی نیت سے چلا، جو کہ ۳۵ رمیل ہے تو وہ قصر نہیں کرے گا، پھر مظفر نگر سے دیوبند کا ارادہ ہو گیا تو بھی قصر نہیں کرے گا، پھر دیوبند سے سہارنپور کا ارادہ ہو گیا، تب بھی قصر نہیں کرے گا، اگر چہ میرٹھ سے سہارنپور تک مسافت قصر ہے؛ مگر چوں کہ ابتدائے سفر کے وقت مسافت قصر کی نیت نہیں تھی اور درمیان میں بھی کسی جگہ سے مسافت قصر کی نیت نہیں کی، جہاں سے بھی نیت کی، مسافت قصر سے کم کی نیت کی ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ جب سے پوری مسافت قصر کی نیت سے سفر ہوگا، تب قصر لازم ہوگا، ورنہ تھوڑی تھوڑی مسافت کی نیت سے اگر تمام دنیا میں گھوم جائے گا، تب بھی قصر نہیں کرے گا۔ (۱)

(۱) (من خرج من عمارة إقامته) ...(قاصداً) ولو كافرًا، و من طاف الدنيا بلاقصد لم يقصر (مسيرة ثلاثة أيام و لياليها) من أقصر أيام السنة ... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة)... (صلى الفرض الرباعي ركعتين وجوباً. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۳، سعيد)

(۲) جواب نمبر (۱) کے ضابطہ کے موافق حکم ہوگا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲۶ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۸۷۔۴۸۸)

الہ آباد سے ممبئی دو چار ماہ قیام کی نیت سے روانہ ہوا تو راستہ میں قصر کرے گا، یا نہیں:

سوال: زید الہ آباد سے ممبئی کو روانہ ہوا؛ مگر ممبئی دو چار ماہ رہنا چاہتا ہے، اس صورت میں راستہ میں قصر کرے گا، یا پوری پڑھے گا؟

الجواب

راستہ میں قصر کرے گا۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۸۴)

قصر نماز کے لیے کس مسافت کا اعتبار ہے:

سوال: قصر نماز کن کن صورتوں میں واجب ہے۔

(۱) ایک مقام ایسا ہے، جہاں سے ریل پر سفر کرنے سے فاصلہ زیادہ ہوتا ہے اور قصر واجب ہوتا ہے اور اگر خشکی سے جایا جائے تو فاصلہ کم پڑتا ہے، کون سی صورت اختیار کرنا چاہیے، آسانی ریل وموٹر سے سفر کرنے میں ہے، یہ مقام خشکی سے ۲۷/میل اور ریل سے ۵۳/میل پر ہے۔

(۲) ایک شخص ملازم پیشہ ہے اور مکان سے اس کی ملازمت فاصلہ پر ہے اور ہیڈ کوارٹر میں جہاں قیام ہے رہنا پڑتا ہے اور وہیں سے دورہ کرنا ہوتا ہے، اس صورت میں قصر کہاں سے شمار ہوگا، اور دورہ کے سفر میں کہیں مسافت بعیدہ ہو جاتی ہے اور کہیں کم، ایسی صورت میں سفر کے متعلق کیا حکم ہے؟

(المستفتی: ۱۴۳۳، حاجی محمد زکریا صاحب (جونپور) ۶/ربیع الاول ۱۳۵۶ھ، مطابق ۱۷/مئی ۱۹۳۷ء)

الجواب

جس راستے سے سفر کرے اس کی مسافت کا اعتبار ہے، جب ۳۶ میل یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر شروع کرے تو اپنی بستی سے باہر نکلتے ہی قصر پڑھنا چاہئے، ہیڈ کوارٹر جہاں قیام رہتا ہے وہاں سے مسافت سفر کا اعتبار ہوگا وہاں سے ۳۶ میل کا ارادہ کر کے چلنے پر مسافر ہو جائے گا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۳/۳۷۵۔۳۷۶)

---

(۱) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلثه أيام ولياليها) ... (صلى الفرض الرباعى ركعتين. (الدرالمختار) وفى الرد تحت (قوله: قاصدًا): أشاربه مع قوله خرج إلٰى أنه لوخرج ولم يقصد أوقصد ولم يخرج لايكون مسافرًا (الدر المختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/۷۳۲-۷۳۳، ظفير)

(۲) فإذا قصد بلدة إلٰى مقصده طريقان أحدهما مسيرة ثلاثة أيام و لياليها و الآخر دونها فسلك الطريق==

جو جس راستہ سے سفر کرے، اسی کا اعتبار ہے:

سوال: تین شخص ایک ایسے مقام کو چلے، جس کے مختلف راستے مختلف مسافت رکھتے ہیں۔ ایک شخص براہِ راست جو کہ مسافت تیس کوس ہے جاتا ہے۔ دوسرا شخص براہِ سڑک پختہ جو چکر کھاتے ہوئے جاتی ہے اور مسافت چھتیس کوس ہے جاتا ہے اور تیسرا شخص بذریعہ ریل جو چکر سے جاتی ہے اور مسافت چالیس کوس ہے جاتا ہے۔ اس صورت میں مسافر ثانی وثالث مسافر مانے جاویں گے، یا نہیں؟ اور ان کو نماز قصر پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟ اور تینوں راستوں میں سے کون سا صحیح مانا جاوے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــ

جس راستہ کو جو کوئی سفر کرتا ہے، اسی راستہ کا اعتبار ہے، لہٰذا مسافر ثانی وثالث مسافر شرعی ہیں، وہ قصر کریں گے۔ (۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۵۱-۴۵۲)

جس راستہ سے سفر ہو، اسی کا اعتبار ہے:

سوال: اجمیر ہمارے یہاں سے براہ پیادہ بیس (۲۰) کوس ہے اور براہ ریل اسی (۸۰) کوس ہے۔ اگر براہ ریل سفر کریں تو قصر کرنا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

اگر ریل کے راستہ سے سفر کرنا ہو تو قصر واجب ہوگا۔ (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۴۳)

دو راستے ہوں، اگر قصر کرنے والے راستہ سے جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص ایک جگہ سے سفر کرے اور جس جگہ جائے، اس کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ سے مسافت

== الأبعد كان مسافرًا عندنا، وإن سلك الأقصر يتم. (الفتاوى الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۸، ط: ماجدية)

(ومن خرج من موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) من أقصر أيام السنة ... صلى الفجر الرباعي ركعتين. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۳، ط: سعيد)

(۱) ولو لموضع طريقان أحدهما مدة السفر والآخر أقل قصر في الأول لا الثاني (الدر المختار)

وفي الرد تحت (قوله: قصر في الأول) أي ولو كان اختار السلوك فيه بلا غرض صحيح خلافاً للشافعي كما في البدائع. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۲) فإن قصد بلدة وإلى مقصده طريقان أحدهما مسيرة ثلاثة أيام ولياليها والآخر دونها، فسلك الطريق الأبعد كان مسافرًا عندنا، هكذا في فتاوىٰ قاضي خان. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۸، ظفير)

قصر ہے اور دوسرے راستہ کی مسافت کم ہے۔ پس اگر یہ شخص اس جگہ اس راستہ سے جائے، جو مسافت قصر ہے تو اس کو قصر صلوٰۃ جائز ہوگا، یا نہیں؟ یعنی جواز قصر کے لیے ان دونوں مسافتوں میں کون سی مسافت کا اعتبار ہوگا، جس راستہ کو چلا اس کا، یا اقل مسافت کا؟ اور مسافت قصر کتنی ہے؟

الجواب

جس راستہ سے سفر کیا، اس راستہ کی مسافت کا قصر وعدم قصر میں اعتبار ہے، اگر اس راستہ سے چلا، جس کی مسافت تین منزل (یعنی ۳۶ رچھتیس کوس، یا اڑتالیس میل) ہو، اس مسافت پر قصر لازم ہے، اگر چہ دوسرا راستہ۔۔۔اس سے کم ہو۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۹۵)

شہر کا ایک قریبی راستہ ہو، دوسرا دور کا تو قصر کے لیے مسافت کا اعتبار ہوگا:

سوال: گاؤں خرم زئی اور کوئٹہ کے درمیان دو راستے ہیں، ایک راستہ ۸۷ رکلومیٹر کے فاصلے کا ہے، جب کہ دوسرا راستہ ۴۵ ر یا ۵۰ رکلومیٹر کے فاصلے کا ہے، ہم جب ۸۷ رکلومیٹر کے فاصلے سے سفر کرتے ہیں تو نماز قصر پڑھتے ہیں، جب ہم ۴۵ ر یا ۵۰ رکلومیٹر کے فاصلے سے سفر کرتے ہیں تو ہمیں پوری نماز پڑھنی چاہیے، یا قصر؟

الجواب

جس راستے سے جانا ہو، اس کا اعتبار ہے، اگر وہ مسافت سفر ہو تو قصر کرے، نہ ہو تو نہ کرے۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۸۰)

گیا قصر والے راستے سے اور واپسی غیر قصر والے راستے سے ہوئی تو واپسی میں قصر کرے، یا نہیں:

سوال: ایک گاؤں کے دو راستے ہیں، اگر ریل میں جاوے تو قصر لازم ہے اور پیدل کے قریب راستہ کو جانے سے پوری نماز پڑھے گا۔ اس گاؤں میں ریل سے گیا اور چند روز قیام کیا قصر نماز پڑھتا رہا، واپسی کے وقت پیدل راستے سے آیا تو گھر پہنچنے تک قصر نماز پڑھے، یا نہیں؟

---

(۱) إذا قصد بلدة وإلٰى مقصده طريقان أحدهما مسيرة ثلثة أيام ولياليها والأخر دونها فسلك الطريق الأبعد كان مسافرًا عند نا وإن سلك الأقصريتم. (الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس عشر فی صلاه المسافر: ۱/۱۳۸، جميل الرحمٰن)

(۲) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها). (الدرالمختار)

وفی الردتحت: (قوله قاصدًا): أشاربه مع قوله خرج إلٰى أنه لوخرج ولم يقصد أوقصد ولم يخرج لايكون مسافرًا، وفی البحر: وأشارإلٰى أن النية لابد أن تكون قبل الصلا ة. (الدرالمختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۲، دارالفكر بيروت، انيس)

الجواب

اس صورت میں واپسی میں بھی وہ شخص قصر کرے گا، جب تک کہ وہ اپنے وطن میں نہ پہنچ جاوے؛ کیوں کہ اس گاؤں میں اس نے پندرہ دن قیام کی نیت نہیں کی تھی اور وہ گاؤں وطن اقامت ہنوز نہیں ہوا تھا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۶۴)

چند گاؤں میں چکر کاٹنے سے مسافت پوری ہو جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص کے چند دیہات ہیں، جو اس کے وطن سے ہر ایک مسافت قصر سے کم ہے، اگر یہ شخص اپنے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا، جس سے مسافت قصر پوری ہو جاتی ہے اور اسی قصد سے وطن سے آ گیا ہو تو اس شخص کے لیے احکام سفر ثابت ہوں گے، یا نہیں؟

الجواب

اس پر احکام قصر ثابت ہوں گے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۷۷)

سرکاری ملازم جو اڑتالیس یا ساٹھ میل کے اندر دورہ کرتا ہے، قصر کرے، یا نہیں:

سوال: زید ملازم سرکاری ہے، اس کے رہنے کا مقام 'الف' ہے؛ مگر اس کو کبھی تو صرف اطراف میں؛ یعنی ۴۸/میل کے اندر اور کبھی پچاس، ساٹھ، اسی میل تک دورہ کرنا پڑتا ہے اور دورہ میں چھ روز، یا آٹھ روز، یا دس روز، گزر جاتے ہیں ۔رہنے کے مقام کو واپس نہیں آتا، اس صورت میں قصر کرے، یا نہ؟

الجواب

اگر گھر سے نکلنے کے وقت اس نے ارادہ کیا تھا کہ اس دورہ میں منتہائے سفر فلاں مقام ہے کہ جو اڑتالیس میل، یا زیادہ جائے رہائش سے ہے تو قصر لازم ہے، ورنہ نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم:۴/۴۸۳-۴۸۴)

اہل کاروں کے دورہ میں قصر کا حکم:

سوال: دورہ کی صورت یہ ہے کہ پانچ سو چھ سو کوس کے علاقہ میں گشت کرنے کی نیت سے سفر کیا جائے گا؛ لیکن منزل عموماً چھ سات کوس پوربی؛ یعنی چودہ یا پندرہ میل پر ہوا کرے گی اور بعض مقامات پر دو تین روز قیام بھی ہوگا، تمام سفر مسلسل طے کیا جاوے گا؛ یعنی گوالیار بعد اتمام گشت واپسی ہوگی، کوچ و مقام سب تجویز ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں نماز قصر پڑھی جاوے گی، یا پوری؟

---

(۱) فإذا قصد بلدة وإلٰی مقصده طریقان أحدهما مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها والآخر دونها فسلک الطریق الأبعد کان مسافرًا عندنا،هکذا فی فتاویٰ قاضی خان. (الفتاوٰی الهندیة،باب صلاة المسافر: ۱۳۸/۱،ظفیر)

الجواب

نماز قصر ہوگی۔فقط

۱۵؍شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد:۱؍۴۷)(امداد الفتاویٰ جدید:۱؍۵۹۳-۵۹۴)

سوال مثل بالا:

سوال: نماز قصر کے متعلق مجھ کو استفتا کی ضرورت ہے اور حالت یہ ہے کہ میری ملازمت گشت وگردآوری کی ہے، میں حکما مستقر پر دس روز سے زیادہ قیام نہیں کرسکتا اور صورت سفر یہ ہے کہ جب گشت کے واسطے مستقر سے روانہ ہوتا ہوں، کہیں دو، کہیں تین، کہیں چار، کہیں پانچ، کہیں دس کوس تک سفر کرکے قیام کا موقع ملتا ہے؛ لیکن اس کے اندر تعین مدت اور تعین مسافت نہیں ہوتی، حسب ضرورت قیام اور سفر کرتا ہوں؛ لیکن مستقر سے جب چلنا ہوتا ہے، کل ضلع کی گشت کا ارادہ ہوتا ہے، جس کے اندر دس گیارہ قصبے شامل ہیں اور کل مسافت طولا چالیس میل ضرور ہوگی اور محیط کو اگر لیا جاوے تو یقین ہے کہ ستر (۷۰) اسی (۸۰) میل سے زائد ہی مسافت ہوگی، پس ان صورتوں میں میرے واسطے قصر نماز درست ہوگی، یا نہیں؟ جب کہ منجملہ گیارہ قصبوں کے ایک قصبہ مستقر ہے اور دس قصبوں اور اس کے مفصلاتی چوکیوں پر مجھ کو گشت کے لیے بصورت معروضہ صدر گردآوری وگشت کے واسطے سفر کرنا ضروری ہے؟

الجواب

قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس دورہ میں جو مقام ایسا ہو کہ وہاں پہونچ کر آگے بڑھنے کو واپسی مستقر کی سمجھا جاتا ہو؛ یعنی وہ مقام کہ وہاں تک جانے سے تو مستقر سے وقتاً فوقتاً بعد بڑھتا ہے اور وہاں سے جب سفر کیا جاوے تو مستقر سے قریب ہوتا جاتا ہے، اس مقام کو منتہائے سفر کہا جاوے گا اور مستقر سے اس مقام تک کی مسافت دیکھی جاوے گی، اگر وہ مسافت قصر پر ہوگا تو قصر کیا جاوے گا، جب کہ دوسری شرائط قصر بھی پائے جاویں اور اگر وہ مسافت

☆ سوال: سرکاری ملازم جو دورہ کرتے ہیں ان کو نماز قصر جائز ہے یا نہیں طریق غیر معروف سے اپنی آسائش کے موافق دیہات کا دورہ وطن سے وطن تک چھتیس کوس یا تین یوم کی پوری مسافت ہوجاتی ہے اور یہی ان کے سفر کی غایت ہے یعنی بصورت دائرہ جس میں وطن کے علاوہ کسی شہر کو غایت سفر نہیں کہہ سکتے؟

الجواب

صورت (طبع اول میں اس جگہ قصر درست ہونے کا حکم مذکور تھا۔تصحیح الاغلاط ص:۱۶ میں اس سے رجوع فرمایا، اس کے موافق یہاں نقل کیا گیا اور مزید توضیح اس کی تتمۂ ثانیہ امداد الفتاویٰ، ص:۱۳۰ میں مذکور تھی، جس کو اس کے نیچے سوال:۵۲۳ میں نقل کردیا گیا ہے۔محمد شفیع) مسئولہ میں قصر درست نہیں۔

۱۵؍صفر ۱۳۲۵ھ (امداد:۱؍۸۵)(امداد الفتاویٰ:۱؍۵۹۴)

قصر پر نہ ہوگا تو قصر نہ ہوگا، جب کہ دوسری شرائط اتمام کی بھی پائی جاویں، مثلاً دائرہ ذیل میں  نقطہ (ا) مستقر ہے اور (ب) تک پہنچ کر پھر (ا) سے قرب شروع ہوا تو (ب) کو منتہا سمجھا جاوے گا اور اس میں وہی تفصیل بالا جاری ہوگی، اگر (ب) مسافت قصر پر ہے تو ہر حال میں قصر ہوگا اور اگر (ب) مسافت قصر پر نہیں ہے تو اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر مستقر پر بحکم شرعی یہ اتمام کرتا ہے تو پھر اس محیط کے سفر میں قصر نہ کیا جاوے گا اور اگر مستقر پر اتمام نہیں کیا جاتا تو پھر تمام سفر میں قصر ہوگا، نہ اس وجہ سے کہ یہ مسافت قصر پر ہے؛ بلکہ اس وجہ سے کہ ہنوز یہ شخص مقیم نہیں ہوا، مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس کے قبل اور طرح سے فتویٰ (۱) میں دیا ہے یعنی مستقر سے قبل کے ایک مقام کی مسافت کا اعتبار کیا ہے اور اس کو منتہا سفر کا قرار دیا ہے؛ کیوں کہ اس کے بعد تو مستقر ہی کا قصد ہے؛ مگر اس وقت قواعد سے یہ حکم مذکور اقرب معلوم ہوتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کو دوسرے علماء سے بھی، یا مدرسہ دیوبند (۲) وسہارنپور سے تحقیق فرمالیا جائے اور میری یہ تحریر بھی پیش کردی جاوے۔

۷/صفر ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ: ۱۳۰) (امداد الفتاویٰ: ۱/۵۹۳-۵۹۶)

جو برابر سفر میں رہے، قصر کرے:

سوال: ایک شخص سہارنپور کے ریلوے دفتر میں ملازم ہیں اور ان کا مکان سہارنپور سے ۲۷ میل کے فاصلہ پر ہے، ان کو چوبیس گھنٹہ ریل گاڑی ہی میں رہنا پڑتا ہے اور انبالہ تک اور ادھر غازی آباد تک جانا ہوتا ہے، ان کو نماز قصر پڑھنی چاہیے، یا پوری؟

الجواب

ایسی حالت میں جب تک اپنے وطن اصلی جانا نہ ہو قصر ہی پڑھتے رہیں۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۷۵)

سیاح کے لیے قصر نماز کی تحقیق:

سوال: کوئی شخص برابر بارہ سال سے سیاحی کرتا ہے، آج اس گاؤں میں کل اس گاؤں میں رہتا ہے تو ہمیشہ قصر پڑھے، یا نہیں؟

---

(۱) یہ جواب امداد الفتاویٰ مجتبائی جلد اول: ۸۵ میں چھپا ہے (اور یہاں سوال: ۵۲۲ پر نقل ہوا ہے) اب اس جواب پر وثوق نہ کریں۔ منہ (لیکن مرتب نے اس کی تصحیح کر دی ہے۔)

(۲) دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے باقاعدہ صدر مفتی حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ حضرت مجیب قدس اللہ سرہ العزیز کے فتوے کے خلاف ہے ملاحظہ فرماویں فتاویٰ دار العلوم (جدید): ۴/۴۸۸) حضرات علماء دونوں پر غور فرمالیں اور عمل کرنے والے اپنے موقع اطمینان سے اطمینان کرلیں۔ سعید احمد پالنپوری

(۳) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلا ثة أيام و لياليها) ... (صلى الفرض الرباعى ركعتين وجوباً) ...(حتٰى يدخل موضع مقامه) ... (أوينوى) ... (إقامة نصف شهر).(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۵،دار الفكر بيروت،انيس)

الجواب

اس میں تین صورتیں ہیں۔

(۱) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل، یازائد کے سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ پہنچ کر پندرہ روز، یازائد قیام کا قصد نہیں، اس صورت میں قصر پڑھے۔

(۲) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل، یازائد کے سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ پہنچ کر پندرہ روز، یازائد قیام کا قصد ہے، اس صورت میں راہ میں قصر پڑھے اور اس جگہ ٹھہرنے میں پوری پڑھے۔

(۳) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل، یازائد کے سفر کا قصد نہیں؛ یعنی جس جگہ سے اب چلا ہے، نہ یہاں سے چلنے کے وقت اور نہ اس کے قبل جس جگہ سے چلا تھا، اس کے چلنے کے وقت بھی تین منزل کا ارادہ نہیں ہوا تو پوری نماز پڑھے۔

فی الدر المختار: (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصداً) ... ولو كافراً ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين) ... (حتٰى يدخل موضع مقامه) ... (أوينوى) ... (إقامة نصف شهر) آه. (۱) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۶۳) (امداد الفتاویٰ: ۱/۵۷۲-۵۷۳)

جو شخص برابر دورہ میں ہو وہ کس طرح نماز ادا کرے:

سوال: ایک شخص بوجہ ملازمت کسی ایسی جگہ تعینات ہے، جہاں ہمیشہ دورہ کرتا ہے اور وہ پندرہ دن کہیں قیام نہیں کر سکتا، اس صورت میں جب کہ وہ تین منزل کا سفر کر کے اپنے حلقہ میں پہنچ جاوے تو پھر وہ نماز قصر پڑھے گا، یا پوری پڑھے گا؟

الجواب

مسئلہ یہ ہے کہ وطن اقامت؛ یعنی جس جگہ وہ بوجہ ملازمت وغیرہ کے مقیم ہے، جس وقت وہاں سے سفر تین منزل کا کیا جاوے تو وہ وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے۔ پس اگر دورہ تین منزل کا، یا زیادہ کا کر کے وہاں؛ یعنی جائے اقامت میں واپس آئے تو اگر پندرہ دن کے قیام کی نیت ہو گی تو نماز پوری پڑھنی ہو گی اور اگر پندرہ دن کے قیام کی نیت نہ ہو تو قصر کرنا ہو گا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۴/۴۵۳-۴۵۴)

---

(۱) **الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۵، دار الفكر بيروت، انيس**

(۲) **(و) يبطل (وطن الإقامة بمثله و) بالوطن (الأصلي و) بإنشاء (السفر). (الدر المختار)**

وفي الرد تحت (قوله: بانشاء السفر) ... قال في البدائع: لوأقام خراساني بالكوفة نصف شهر ثم خرج منها إلٰى مكة فقبل أن يسير ثلا ثة أيام عاد إلى الكوفة لحاجة فإنه يقصر؛ لأن وطنه قد بطل بالسفر (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، دار الفكر بيروت، ظفير)

بطوردورہ سفر کرنے والے پر قصر ہے، یا نہیں:

سوال: ملازمت کی حالت میں جولوگ سفر بطور دورہ کرتے ہیں، ان پر قصر واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

تین منزل کا سفر ہوتو قصر لازم ہے؛ یعنی دورہ میں اخیر تک جہاں جانے کا ارادہ ہے، وہ اگر تین منزل دور ہے تو قصر کرنا چاہیے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۸۱)

جو چل پھر کر تجارت کرتا ہے اور کہیں ایک رات سے زیادہ قیام نہیں کرتا، وہ کس طرح نماز پڑھے:

سوال: ایک شخص گھر سے باہر تیس چالیس کوس کے فاصلہ پر چالیس، یا پچاس، یا زیادہ مسافت کے درمیان پھر کر سوداگری کرتا ہے اور کسی شہر میں ایک رات سے زیادہ نہیں رہتا، ایسا شخص صوم وصلوٰۃ میں مسافر کا حکم رکھتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

وہ شخص مسافر ہے، احکام سفر اس پر جاری ہوں گے اور نماز کو قصر کرے گا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۴/۴۵۴-۴۵۵)

دورہ کی صورت میں نماز مسافر کا حکم:

سوال: میرا وطن اصلی الٰہ آباد ہے، بسلسلہ ملازمت جونپور میں مقیم ہوں، مجھے بسلسلہ ملازمت یہاں سے دورہ بھی کرنا پڑتا ہے، مختلف مقامات پر دو دو چار روز قیام کرنا پڑتا ہے، مسافت زیادہ سے زیادہ دس بارہ میل ہوتی ہے، عرض ۴۸/میل سے کم ہی رہتی ہے؛ اس لیے دریافت طلب امور ذیل ہیں؟

(۱) اگر میں دو چار روز کے لیے جونپور سے ۴۸/میل کے اندر اندر کہیں جاؤں تو نماز قصر پڑھنا ہوگی، یا پوری؟

(۲) وہاں سے واپسی پر جونپور میں پندرہ دن سے قیام کم کا ارادہ ہو تو جونپور میں نماز قصر پڑھی جائے گی، یا تام؟

(۳) اگر جونپور سے اڑتالیس میل، یا اس سے زیادہ کا سفر ہو، پھر جونپور واپس آؤں تو اب جونپور میں اگر پندرہ دن سے کم قیام کا قصد ہو تو نماز پوری پڑھی جائے، یا قصر؟

---

(۱) أقل مسافة تتغير فيها الأحكام مسيرة ثلاثة أيام ... والأحكام التي تتغير بالسفر في قصر الصلاة وإباحة الفطر ... والقصر واجب.(الفتاویٰ الهندية،الباب الخامس عشر في صلاة المسافر:١/١٣٨-١٣٩،انيس)

(۲) ولايزال علیٰ حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يومًا أو أكثر وإن نویٰ أقل من ذلك قصر ... ولو دخل مصرًا علیٰ عزم أن يخرج غدًا أو بعد غد ولم ينو مدة الإقامة حتیٰ بقي علیٰ ذالك سنين قصر.(الهداية،باب صلاة المسافر:١/١٤٩،ظفير)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

قال فی ردالمحتار: إن إنشاء السفر من وطن الإقامة مبطل له وإن عاد إليه ولذا قال فی البدائع: لو أقام خراسانی بالکوفة نصف شهر ثم خرج منها إلی مکة فقبل أن یسیر ثلاثة أیام عاد إلی الکوفة لحاجة فإنه یقصر لأن وطنه قد بطل بالسفر، آه. (۱)

وفیه قبل (هٰذه العبارة) قال فی الفتح: إن السفر الناقص لوطن الإقامة ما لیس فیه مرور علیٰ وطن الإقامة أو ما یکون المرور فیه به بعد سیر مدة السفر آه. (۲)

عبارات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ وطن اقامت سفر سے اس وقت باطل ہوتا ہے، جب کہ سفر شرعی؛ یعنی ۴۸ رمیل کی نیت پر وہاں سے نکلے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب اڑتالیس میل کی نیت پر وطن اقامت سے نکل گیا تو اس کا وطن اقامت ہونا باطل ہوگیا، اگر چہ پھر وہاں لوٹ آئے، ایسی صورت میں وہاں از سرنو پندرہ دن کے قیام کی نیت ہوگی تو پھر وہ وطن اقامت بنے گا اور وہاں نماز پوری پڑھی جائے گی، ورنہ قصر کیا جائے گا۔

اس ضابطہ محررہ سے آپ کا یہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ جب جونپور سے نکلتے ہیں، ۴۸ رمیل کا قصد نہ ہو تو سفر میں اور ۴۸ رمیل کے اندر اندر جس جگہ پہنچیں، سب جگہ نماز پوری پڑھیں اور دورہ سے لوٹنے کے بعد بھی جونپور میں حسب سابق نماز پوری پڑھیں۔

البتہ اگر ۴۸ رمیل کی نیت سے نکلیں تو راستہ میں بھی قصر کریں اور جس جگہ پہنچیں وہاں بھی اگر پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو تو قصر کریں اور پھر جونپور واپس آئیں تو وہاں بھی اگر پندرہ روز قیام کی از سرنو نیت نہ ہو وہاں بھی قصر کرتے رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ)

۹ رصفر ۱۳۶۴ھ بمقام دیوبند۔ (امداد المفتین: ۳۲۱/۲-۳۲۲)

ایک دائرہ میں برابر گردش کرتا ہو، مگر وہ مقامات تین دن کی مسافت پر نہ ہوں تو کیا کرے:

سوال: دورہ میں مجھ کو اطراف دیہات میں پھرنا پڑتا ہے اور مسلسل بیس روز پچیس روز، یا دس روز جیسی صورت ہو، میں اپنے مستقر سے باہر رہتا ہوں؛ مگر کسی ایک مقام پر ایک ہفتہ سے زائد قیام کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن یہ مقامات مستقر سے تین دن اور تین رات کی مسافت پر نہیں ہوتے؛ بلکہ مستقر کے اطراف ایک دائرہ میں گردش رہتی ہے، مسلسل مسافت کا لحاظ کیا جائے تو سفر مدت مقررہ سے بڑھ جاتا ہے اور تمام سفر کا لحاظ کیا جائے تو بہت زیادہ مسافت ہو جاتی ہے۔ اندریں صورت میں نماز میں قصر واجب ہے، یا نہیں؟

---

(۱) رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب فی الوطن الأصلی ووطن الاقامة: ۱۲۳/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۶۱۵/۲، انیس

الجواب

چوں کہ مجموعۂ مسافت مدت سفر شرعی سے زیادہ ہے؛ اس لیے مستقر تک لوٹنے تک اس صورت میں نماز کو قصر کرنا چاہیے۔ قال فی الدرالمختار: (حتٰی یدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر، إلخ.

وفی الرد تحت (قوله: إن سار مدة السفر): قید لقوله حتٰی یدخل أی إنما یدوم علی القصر إلی الدخول إن سار ثلاثة، إلخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۸۷-۴۸۸)

ارادۂ سفر سے اتنا چکر لگائے کہ اس کی مجموعی مسافت مسافتِ شرعی کو پہنچ جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: شخصے بارادۂ سفر میرود وسفرش در دیہات ومواضع است ویک موضع از موضع آخر چنداں نیست کہ حکم قصر صلاۃ بروعائد شود مثلاً، بعض موضع از یک موضع بر مسافتِ نُہ میل است وبعض از بعض یازدہ میل وبعض ہشت میل وبعض شانزدہ میل۔ مثلاً، لیکن دورۂ او دریں دیہات زائد از مسیرۃ سہ ایام میشود دریں صورت بروقصر واجب است، یانہ؟ (۲)

الجواب

ہرگاہ قصد شخص مذکور بوقت خروج برائے سفر دورۂ جمیع دیہات مذکور است کہ مسافتش سہ یوم یازیادہ از مسیرۃ سہ یوم یعنی سہ منزل است قصر بروواجب است۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۷۳-۴۷۴)

ایک منزل کے تین چکر لگانے سے مسافر ہوگا، یانہیں:

سوال: جوایک منزل قیام گاہ کے گرد پھرتا رہے، جس کا مجموعہ تین منزل سے زیادہ ہوتو یہ سفری نماز پڑھے، یا قیام کی؟

الجواب

جومنزل کے گرداگرد، ایک روز کی مسافت سے پھرتا ہے، وہ مسافر نہیں ہوتا۔ فقط

(مجموعہ کلاں، ص: ۱۴۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۸-۱۸۹)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۱/۱۲٤، دارالفکر بیروت، ظفیر

(۲) خلاصۂ سوال: ایک شخص سفر کے ارادے سے نکلتا ہے، اور اس کا سفر دیہات کے مختلف مقامات میں ہے اور ایک مقام دوسرے مقام سے اتنا دور نہیں ہے کہ اس پر قصر نماز کا حکم عائد ہو۔ مثلاً ایک مقام دوسرے مقام سے نو میل کی مسافت پر ہے اور بعض گیارہ میل پر اور بعض آٹھ میل اور بعض سولہ میل کی مسافت پر ہے؛ لیکن ان دیہاتوں میں اس کا کل دورہ تین دن کی مسافت سے زیادہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں اس پر قصر واجب ہے، یانہیں؟ (انیس)

(۳) خلاصۂ جواب: چوں کہ شخص مذکور کا ارادہ سفر کے لیے نکلتے وقت مذکورہ دیہاتوں کا دورہ ہے، جن کی مسافت تین دن، یا اس سے زیادہ ہے تو ایسی صورت میں اس پر قصر واجب ہے۔ (انیس)

(من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها) ... (الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۲، دار الفکر بیروت، ظفیر)

علاقوں اور کچھ دن سات میل دور دیہات میں گزارنے والی تبلیغی جماعت پوری نماز پڑھے گی:

سوال: جیسا کہ ۸/ذوالحجہ سے ۱۵/یوم پہلے پہنچنے والوں پر مکہ مکرمہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات میں مقیم ہونے کی وجہ سے پوری نماز ہے، تابع ہونے کی وجہ سے، جب کہ عرفات مکہ سے تقریباً ۹/میل دور ہے تو اسی طرح اگر تبلیغی جماعت کے احباب کراچی شہر میں پندرہ یوم سے زیادہ مختلف علاقوں اور پھر ایک ہفتہ اسی اثنا میں ۷/میل دور ایک دیہات میں گزاریں، یا شہر سے دو میل دور کسی دیہات میں گزاریں اور مقامی نماز کسی مسجد میں کسی وجہ سے اگر نہ مل سکے تو یہ حضرات اس دوران پندرہ یوم سے زیادہ مختلف جگہوں میں شہر اور دیہات کے علاقوں میں نماز پوری پڑھیں، یا قصر کریں؟

الجواب

منی، عرفات، مزدلفہ اور مکہ چاروں الگ الگ جگہیں ہیں، حاجیوں کو ان چار جگہوں میں گھومنا ہوتا ہے، اگر مجموعی طور پر ان کی اقامت کی مدت پندرہ دن ہوتی ہے تو مسافر ہوں گے۔ ہاں منی جانے سے پہلے، یا منی سے واپس آنے کے بعد اگر ان کی مکہ مکرمہ میں رہائش کی مدت پندرہ دن ہو تو وہ مقیم ہوں گے۔

جو لوگ کراچی کی جماعت کے لیے آتے ہیں، اگر ان کی تشکیل کراچی کی حدود میں ہو اور پندرہ دن کے لیے ان کو کراچی کی حدود میں رہنا ہو تو وہ یہاں مقیم ہوں گے اور اس کے بعد اگر انہیں کراچی سے باہر جانا ہے تو اس صورت میں مسافر ہوں گے، جب کہ ۴۸/میل سے زیادہ مسافت پر جائیں اور اگر کراچی سے باہر دو چار میل کے لیے جاتے ہیں اور ان کو پھر کراچی میں واپس آجانا ہے تو وہ مقیم ہی ہوں گے۔ ہاں! اگر وہ کراچی سے باہر جاتے ہیں اور ان کی سفر کی مسافت ۴۸/میل سے زیادہ ہے تو وہ کراچی سے نکلنے کے بعد مسافر ہوجائیں گے، خواہ دو چار میل کی قریبی بستی میں جا کر رات گزریں۔(۱) واللہ اعلم (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۹۱/۴)

تبلیغی جماعت شہر کے اطراف چالیس دن رہے تو قصر، یا اتمام:

سوال: ہماری پیدل جماعت شہر کے تیس کلو میٹر پر کام کررہی ہے، کچھ اس طرح کا رخ بنا ہے کہ چالیس روز تک جماعت مختلف قریوں میں کام کرتے رہے گی، کل سفر چالیس دن میں ۲۲۰/کلو میٹر کا ہوگا؛ لیکن کبھی بھی جماعت شہر سے ۳۰/کلو میٹر سے زیادہ فاصلہ پر نہ ہوگی تو کیا اس صورت میں قصر کریں، یا نہ کریں؟

(مستفتی: محمد راشد بنگلور کرناٹک، ۱۹/رمضان ۱۴۲۵ھ)

---

(۱) فإذا قصد بلدة والٰی مقصده طريقان أحدهما مسيرة ثلاثة أيام ولياليها والآخر دونها فسلك الطريق الأبعد كان مسافرًا عندنا ...ولو نوٰی الإقامة خمسة عشر يومًا في موضعين فإن كان كل منهما أصلاً بنفسه نحو مكة ومنی ...لا يصير مقيمًا...ذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر ونوی الإقامة نصف شهر لا تصح؛ لأنه لا بد له من الخروج إلى عرفات فلا يتحقق الشرط.(الفتاوٰی الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۳۸/۱-۱۴۰)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

ابتداءِ سفر ہی میں اگر نیت تھی کہ فلاں مقام تک سفر کرنا ہے اور وہ ساڑھے ستہتر کلومیٹر، یا اس سے زیادہ کی مسافت بنتی ہے تو وہ قصر کرے گا، چاہے اصل وطن یا مرکزی مقام کے اردگرد ہی گھوم رہا ہو۔ مذکورہ بالا صورت میں آپ قصر کریں۔

"السفر الذی یتغیر به الأحکام أن یقصد مسیرة ثلٰثة أیام و لیالیها". (۱) واللہ اعلم وعلمہ اتم

مفتی محمد شاکر خان قاسمی پونہ (فتاویٰ شاکر خان: ۱/۱۵۷)

تبلیغی جماعت میں قصر کی ایک صورت:

سوال: ہم جماعت میں چلہ کے لیے ایسی جگہ بھیجے گئے، جہاں دس بارہ دن تک مسافت نہیں ہوتی، بعد میں دور بھیجے گئے جہاں مسافت ہوگئی؛ یعنی قصر واجب ہے تو شروع چلہ سے مسافر ہوئے، یا جب ۴۸/میل ہوگا، تب مسافر ہوں گے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

شہر سے جب آپ چلے تو اگر ارادہ ۴۸/میل کا ہے تو آپ وہیں سے مسافر ہوئے اور اگر ارادہ ۴۸/میل سے کم کا ہے تو مسافر نہیں ہوئے اور اگر اس سے آگے جانا ہے، تب جہاں تک جانا ہے، سب کو ملا کر جوڑ لیں، البتہ اس کا خیال رہے کہ جہاں تک جانا ہے، وہاں تک جوڑتے وقت ہر ایک اپنے گھر سے جوڑے شہر سے نہیں، لہٰذا گھر سے لے کر جہاں تک جانا ہے، اگر ۴۸/میل ہو جائے تو آپ مسافر ہوں گے، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ: ۳/۱۱۶)

اس سفر کا حکم جس کے درمیان میں وطن اقامت واقع ہو:

سوال: ایک شخص تھانہ بھون میں مقیم ہے اور سہارن پور کسی غرض سے آیا، اور سہارن پور سے دہلی جانے کا قصد کر کے تھانہ بھون سے گذرا اور اسباب وغیرہ اس کا تھانہ بھون ہی میں موجود ہے، پس ایسی حالت میں وہ تھانہ بھون میں قصر کرے گا، یا اتمام اور اسباب عام ہے، یا ضروریہ کی تخصیص ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

صورت مذکور میں یہ شخص جب سہارن پور سے بہ نیت سفر دہلی چل کر تھانہ بھون میں داخل ہوگا تو تھانہ بھون میں اتمام کرے گا؛ کیوں کہ اس صورت میں "انشاء سفر من وطن الاقامة" نہیں ہوا؛ بلکہ "انشاء سفر من موضع غیرہ" ہوا ہے اور جب انشاء سفر موضع اقامت سے نہ ہو؛ بلکہ دوسرے موضع سے ہو تو وطن اقامت کے باطل ہونے کی

(۱) الهداية، باب صلاة المسافر: ۱/۱۵۵، ثاقب بکڈپو، دیوبند، انیس/دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۸۴

شرط یہ ہے کہ اثناء سفر میں اس پر مرور نہ ہو، اگر مرور ہوتو تو بعد مسافت ثلاثہ ایام قطع کر چکنے کے بعد مرور ہو، اگر مسافت ثلاثہ ایام قطع کرنے سے پہلے وطن اقامۃ پر پر گذر رہوا (یعنی اس میں داخل ہوا،) تو اتمام کرے گا؛ بلکہ اس صورت میں وہ سہارن پور سے چل کر مسافر ہی نہیں ہوا (جب کہ اس کا ارادہ درمیان میں وطن اقامۃ میں داخل ہونے کا ہے۔)

قال العلامة الشامي: والحاصل أن إنشاء السفر يبطل وطن الإقامة اذا كان منه أما لو أنشأه من غير فان لم يكن فيه مرور علىٰ وطن الاقامة أو كان ولكن بعد سير ثلثة أيام فكذلك ولو قبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر؛ لأن قيام الوطن مانع من صحته والله أعلم، آه.

(وفيه أيضًا قبله): قال في الفتح: إن السفر الناقض لوطن الإقامة ما ليس فيه مرور علىٰ وطن الإقامة أو ما يكون المرور فيه به بعد سير مدة السفر، آه. (۱)

اب یہ صورت باقی رہی کہ اگر کوئی شخص مسافۃ ثلثہ ایام قطع کرنے کے بعد وطن اقامۃ پر گذرا؛ مگر وہاں قیام کا ارادہ نہیں؛ بلکہ آگے جانے کا ارادہ ہے اور وطن اقامۃ میں اس کا اسباب وغیرہ موجود ہے، اس صورت میں یہ شخص وطن اقامۃ میں قصر کرے، یا اتمام؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسافت سفر قطع کرنے کے بعد وطن اقامت میں داخل ہوا اور اس کے بعد بھی مسافت سفر کا ارادہ ہے تو اب یہ اس کا وطن اقامت باقی نہیں رہا، سفر سے اس کی وطنیت باطل ہوگئی اور اسباب کا باقی رہنا بطلان وطنیت بالسفر کو مانع نہیں۔ ہاں! اگر وطن اقامۃ سے منتقل ہوکر دوسری جگہ وطن اقامۃ بنانا چاہے اور ان دونوں کے درمیان مدت سفر نہ ہو تو پہلا وطن محض انتقال سے باطل نہ ہوگا؛ بلکہ انتقال بنفسہ وانتقال بالمتاع کے مجموعہ سے باطل ہوگا، حتیٰ کہ اگر دوسرے موضع میں نیت اقامۃ کرے اور موضع اول میں اس کا اسباب باقی ہے اور متاع سے مراد متاع ضروری ہے، **الذي يعد الرجل ببقائه مقيمًا عرفًا كأثاث البيت الذي لابد منه والدار والعقار**، پس بقاء متاع بطلان وطنیت موضع اول کے لیے مانع ہے۔

قال في البحر: كوطن الإقامة يبقى ببقاء الثقل وإن أقام بموضع آخر، آه. (۱۳۶/۲)

وفي الهندية: ووطن الإقامة يبطل بوطن الإقامة وبإنشاء السفر وبالوطن الأصلي؛ (لأنه ضده)، آه. (۱۷/۲)(۲)

البتہ اگر وطن اقامۃ میں اس شخص کے اہل وعیال کا مستقل قیام ہوتو وہاں جا کر یہ شخص معاً مقیم ہو جاوے گا، گو نیت اقامت نہ ہو، **كما قدمنا في السوال السابق عن السراجية مسافر دخل بلدة فيها أهله يصير مقيمًا وإن لم ينو الإقامة، آه.**

---

(۱) رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الاقامة: ۱۳۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۴۲/۱، انيس

ایک صورت اور باقی ہے، وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے وطن اقامہ سے سفر کا قصد نہیں کیا؛ بلکہ وہاں سے کسی دوسری جگہ گیا اور وہاں سے سفر کا قصد کیا اور مسافت سفر قطع کر کے وطن اقامۃ میں داخل ہوا؛ مگر نیت قیام نہیں، آگے جانے کا ارادہ ہے؛ لیکن آگے جس جگہ جانے کا ارادہ ہے، وہ موضع وطن اقامت سے مدت سفر پر نہیں ہے، اس صورت میں وطن اقامت پر پہنچ کر اس شخص کو اتمام کرنا چاہیے۔

فی حاشية الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح: وبقی ما إذا خرج منه علٰی نية السفر الأولٰی ثم جاوز بمدة سفر منه أو من الأصلی ولم يقم فی غيره ثم مر به هل يتم وظاهر كلا مهم نعم؛ لأنه لم يدخل الأصلی ولم يقم فی غيره ولم ينشئ سفرًا بعده وحرره، آه. (ص: ۲۴۹)(۱)

خلاصہ یہ ہوا کہ وطن اقامت سے اگر انشاء سفر کا قصد کیا جاوے، اس صورت میں تو خروج من العمران کے بعد ہی وطن اقامت باطل ہو جائے گا۔

قال الشامی: وأفاد قوله: وأما المكی، إلخ، أن إنشاء السفر من وطن الإقامة مبطل له وإن عاد إليه ولذا قال فی البدائع: لو أقام خراسانی بالكوفة نصف شهر ثم خرج منها إلٰی مكة، فقبل أن يسير ثلاثة أيام عاد إلی الكوفة لحاجة فإنه يقصر؛ لأن وطنه قد بطل بالسفر، آه. (۸۳۰/۱)(۲)

اور اگر انشاء سفر وطن اقامت سے نہ ہو تو بطلان وطن اقامت کی شرط یہ ہے کہ اثناء سفر میں وطن اقامت میں دخول نہ ہو، یا اگر دخول ہو تو بعد قطع مسافت ثلاثہ ایام ہو اور آگے جس جگہ کا ارادہ ہے، وہ بھی وطن اقامت سے مسافت سفر پر ہو، اگر قطع مسافت سفر کے بعد وطن اقامت میں داخل ہوا اور آگے جہاں جانے کا قصد ہے، وہ وطن اقامت سے مسافت قصر پر نہیں تو وطن اقامت باطل نہ ہوگا اور اس شخص کو اتمام کرنا لازم ہوگا۔ واللہ اعلم

۲ رشعبان ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۳۱۳/۲-۳۱۵)

دورانِ سفر وطن سے گزرنے والے مسافر کے لیے حکم:

مسئلہ: اگر متبع کو تحقیق [سے] معلوم ہے کہ عبور میرے وطن پر کو ہووے گا اور وہ [اس] قدر سفر نہیں تو قبل رسیدن وطن تبع، متبع مسافر نہیں اور بعد خروج از وطن اگر منتہٰی بھی قدرِ سفر نہیں تو جب بھی مسافر نہیں؛ کیوں کہ از مبدا تا منتہٰی ثلث منازل ہونا سفر کے لیے ضروری ہے۔

(مکتوبات بنام مولانا خلیل احمد قلمی، مکتوب نمبر: ۲۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۹۰)

---

(۱) حاشية الطحطاوی تحت المراقی، باب صلاة المسافر، ص: ۴۲۹، دار الكتب العلمية، انيس

(۲) رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب فی الوطن الأصلی ووطن الاقامة: ۱۳۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس

دوران سفر اگر اپنے ہی گاؤں آ پہنچے تو نماز پوری پڑھے:

سوال: ایک شخص تبلیغی جماعت میں نکلا ہوا ہے اور مسافتِ شرعیہ ہونے کی وجہ سے قصر کر رہا تھا، اسی دوران وہ اپنے ہی گاؤں میں تبلیغ کے لیے آیا تو قصر پڑھے، یا اتمام؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

جہاں سے تبلیغی جماعت میں نکلا ہے، وہاں سے اس کا گاؤں اڑتالیس میل، یا اس سے زیادہ دوری پر ہے تو دورانِ سفر تو قصر پڑھے اور گاؤں میں جب پہنچے پوری پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۱/۴۹۶-۴۹۷)

اجیر اگر اپنے وطن میں پہنچے تو وہ مقیم کے حکم میں ہوگا، خواہ اس کا مالک ساتھ ہی کیوں نہ ہو:

اجیر مشاہرۃً؛ یعنی ملازم اگر سفر کرتا ہوا مع اپنے آقا کے اپنے موضع میں پہونچے تو قصر کرے گا، یا پوری نماز پڑھے گا؟ فتاویٰ حمادیہ میں ہے:

”عبد سافر مع مولٰی فد خلا فی وطن العبد لایصیران مقیمین، وأما العبد فلأنه تابع وأما المولٰی لم توجد نية الإقامة ولا دخول الوطن الأصلی“.

یہ مسئلہ عبد ہی کے ساتھ مخصوص ہوگا، یا اجیر کا بھی یہی حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

اجیر مشاہرۃً اگر چہ بلحاظ تبعیت عبد کے حکم میں ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ وطن اقامت میں اگر یہ صورت پیش آئے تو عبد کی طرح اس کی نیت کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ اس کی اقامت وسفر کا مدار مستاجر کی نیت پر ہے؛ لیکن وطن اصلی میں یہ صورت نہیں؛ کیوں کہ وہاں تو پہنچتے ہی سفر باطل ہوجاتا ہے، نیت وعدم نیت کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا، لہٰذا اگر اجیر مستاجر کے ساتھ اپنے وطن اصلی میں پہنچے تو سفر فوراً باطل ہوجائے گا اور اس کے علاوہ اور جگہ متبوع کی نیت کے تابع رہے گا۔ درمختار میں ہے:

(والمعتبر نية المتبوع)؛ لأنه الأصل (لا التابع كامرأة) وفاها مهرها المعجل (وعبد) ... (وأجير) ... (مع زوج ومولٰی وأمير ومستأجر)، إلخ. (۱)

شامی میں ہے: (قوله: وأجير) أی مشاهرة أو مسانهة. (رد المحتار) (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۷۸-۴۷۹)

(۱) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۳-۱۳٤، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱/۷٤٥، ظفير

ملازم اپنے آقا کے تحت ہے، وہ قصر کرے تو یہ بھی کرے:

سوال: ایک شرعی مسافر کسی موضع میں پہنچا اور وہاں کے ایک باشندہ کو بایں شرط ملازم رکھا کہ جب تک میں سفر میں رہوں تم میرے ساتھ رہنا، انتہائی مسافت کچھ بیان نہیں کی۔ اس موضع سے نکل کر پانچ چھ میل کے فاصلہ پر کسی گاؤں میں پہنچا، بغیر نیت اقامت چار ہفتہ وہاں رہا اور برابر نماز قصر پڑھتا رہا۔ اب ملازم کے لیے کیا حکم ہے؟ بہ تبعیت آقا خود بھی قصر کرے گا، یا اتمام؟

الجواب

ملازم مذکور اس صورت میں تابع اپنے آقا کے ہے جو نیت آقا کی ہوگی، اسی کی متابعت ملازم پر ہوگی؛ لیکن نیت متبوع کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے:

(والمعتبر نية المتبوع) ... (ولابد من علم التابع بنية المتبوع)، إلخ. (۱)

وفي رد المحتار: (قوله وأجير) أي مشاهرة أو مسانهة، إلخ. (۲)

پس جب کہ اجیر تابع مستاجر کے ہوتا ہے، اسی طرح ملازم مذکور بھی تابع ہوگا؛ کیوں کہ وہ بھی اجیر مشاہرۃً ہے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۷۶-۴۷۷)

قصر واتمام میں نوکر کی تبعیت کا حکم:

سوال: زید جس ملک میں وعظ کرتا ہے، وہاں کے قریب کے مثلاً دس بارہ کوس کے دور کے لوگ ملاحوں میں نوکر رکھتا ہے اور ان کے علاقہ کے قریب پندرہ بیس کوس میں برس روز تک سیاحی کرتا ہے بصورت مذکورۂ بالا ان کی نماز کا حکم تابع صاحب السفینہ کے ہوگا، یا وہ ہمیشہ کامل پڑھا کریں گے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جس وقت وہ لوگ نوکری چھوڑ کر مکان کو چلے جائیں تو ان کا مانع کوئی نہیں؟

الجواب

تبعیت اجیر کی مشروط دو شرط سے ہ، ے ایک یہ کہ اس کا خروج اپنے وطن سے مسافت قصر کی نیت سے ہو، دوسرے یہ کہ وہ ماہانہ، یا سالانہ تنخواہ پر نوکر ہو، صرح به في ردالمحتار عن التاتر خانية. پس ان ملاحوں کا حکم اسی قاعدہ سے نکال لیا جاوے، چوں کہ سوال میں دونوں امر مبہم ہیں، لہذا جواب مجمل ہوسکا۔

۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۹۵) (امداد الفتاویٰ: ۱/۵۷۸)

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۳-۱۳٤، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/۷٤٥، ظفير

جائے ملازمت سے سفرِ شرعی کا حکم:

سوال: زید اپنے مکان سے بارہ میل کی دوری پر ڈیوٹی کرنے جاتا ہے؛ لیکن اس کے ہیڈکوارٹر سے برابر باہر جانے کا حکم ہوجاتا ہے، جو اس کے ہیڈکوارٹر سے سینکڑوں میل دور ہوجاتا ہے، کبھی ایک دن، کبھی ڈیڑھ دن اور کبھی اسی روز واپسی ہوجاتی ہے، ایسا شخص مسافر ہے کہ نہیں اور اسے نماز میں قصر کرنے کی اجازت ہوگی کہ نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اپنے وطن اصلی میں وہ شخص جب بھی آوے گا، مسافر نہیں رہے گا اور نہ اس کے لیے قصر جائز ہوگا؛ لیکن جب تک وہ اڑتالیس میل، یا اس سے زیادہ کے سفر میں رہے گا، وہ مسافر رہے گا، وطن اصلی کے سوا وطن اقامت میں بھی شخص مذکور مسافر ہی رہے گا اور اس کے لیے قصر جائز ہوگا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد صدر عالم، ۱۳۹۷/۹/۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۷۵) ☆

---

(۱) من خرج من عمارة موضع إقامته)...(مسيرة ثلاثة أيام و لياليها) ...(صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (حتى يدخل موضع مقامه)...(أوينوى)...(إقامة نصف شهر).(الدر المحتار على هامش ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۵۹۹-۶۰۵)

☆ **قصر کا آغاز واختتام کب، اور کہاں سے؟:**

قصر کی ابتداء جائے سکونت کی آبادی سے باہر نکلنے کے بعد ہے اور جائے سکونت کی آبادی میں داخل ہوتے ہی قصر ختم ہوجاتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھی، اس کے بعد مکہ مکرمہ کے ارادہ سے (مدینہ سے) باہر نکلے تو ذوالحلیفہ (جو مدینہ سے باہر واقع تھا، البتہ اب تقریباً متصل ہے اس) میں عصر دو رکعت ادا فرمائی''۔(عن أنس بن مالك قال: ''صليت الظهر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة أربعاً و خرج يريد مكة فصلى بذى الحليفة العصر ركعتين''.(أخرجه الجماعة، جامع الأصول: ۵/۶۹۷، صحيح البخارى، باب يقصر اذا خرج من موضعه/صحيح لمسلم، أبواب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافر وقصرها)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر کے ساتھ سفر کیا سب کے سب مدینہ سے نکلنے سے لے کر مدینہ واپسی تک راستے میں اور مکے میں دو دو رکعتیں پڑھتے تھے''۔(عن أبى هريرة قال: ''سافرت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ومع أبى بكر وعمر كلهم صلى من حين يخرج من المدينة الى أن يرجع اليها ركعتين فى المسير والمقام بمكة''.(رواه ابويعلى والطبرانى، إعلاء السنن: ۷/۲۷۲، مجمع الزوائد، ۲/۱۵۹) باب صلاة السفر وقال الهيثمى: رجال أبى يعلى رجال الصحيح، وفى فتح البارى (۲/۵۷۱): إسناده جيد)

ابوالاسود دوئلی رحمہ اللہ کی روایت ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ سے نکلے (یعنی قلب شہر سے اور آبادی کے حدود میں تھے) کہ ظہر پڑھی اور چار رکعت اور فرمایا: اگر ہم اس جھونپڑی سے آگے بڑھ جاتے تو دو رکعت ادا کرتے''۔(عن أبى الأسود الديلى: ''أن علياً خرج من البصرة فصلى الظهر أربعاً ثم قال: لو جاوزنا هذا الخص لصلينا ركعتين''.(رواه ابن أبى شيبة، اعلاء السنن: ۷/۲۷۲، مصنف ابن أبى شيبة: ۵/۳۶۸-۳۶۹، وفى اعلاء السنن: ۷/۲۷۲، رواته ثقات، نقلاً عن آثار السنن: ۲/۶۴)
==

جائے ملازمت سے سفر شرعی میں قصر کی ایک صورت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے وطن سے تقریباً ۲۰ / یا ۲۵ / میل دور ملازم ہے اور اسی جگہ سے ایک ہفتہ کے لیے سو میل دور کا سفر کرتا ہے، پھر ایک ہفتہ بعد واپس ہوا تو بھی ملازمت کی جگہ ٹھہر گیا اور چند یوم بعد ۱۵ / یوم سے قبل وطن اصلی جانے کا ارادہ ہے، آیا اس وقفہ میں اس ملازمت گاہ پر مسافر ہوگا، یا مقیم؟ اور نماز قصر کرے، یا پوری نماز پڑھے؟ بینوا بالصواب توجروا بغیر حساب.

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مسافر رہے گا، قصر کرے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ: ۷۸/۱-۷۹)

سفر شرعی میں قصر کرے، خواہ تھوڑی تھوڑی دور پر قیام ہی کیوں نہ کرنا پڑے:

سوال: میں مسافر مارواڑ کا ہوں اور احمد آباد علاقہ میں چار پانچ ماہ کے ارادہ سے جاتا ہوں؛ مگر کسی کام کی وجہ سے ہر دن کوس دو کوس کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالتا ہوں، مثلاً آج یہاں تو کل کسی دوسرے مقام میں دو تین میل کے فاصلہ پر پڑاؤ ہوتا ہے تو اس صورت میں قصر کرنا چاہیے، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس صورت میں نماز قصر پڑھنی چاہیے۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۷۴/۴)

== أقول: راجعت التقريب فوجدت الرواة كذلك وفى ابن أبى شيبة: ٣٦١/٥-٣٦٢، عن ابن مسعود: لا يغرنكم سوادكم هذا من صلاتكم فانما هو من مصركم. وفي رواية: من كوفتكم. أقول: وسنده قوى)

علی بن ربیعہ اسدی کہتے ہیں: ”ہم لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر میں نکلے اور (واپسی میں) ہم کوفہ کو دیکھ رہے تھے اس حال میں حضرت علی نے دو رکعت نماز ادا کی جب کہ وہ (کوفہ کی) آبادی کو دیکھ رہے تھے، ہم نے عرض کیا: آپ یہاں، چار رکعت کیوں نہیں ادا کرتے؟ تو فرمایا؟: جب تک ہم آبادی وشہر کے اندر داخل نہیں ہوں گے چار رکعت نہیں پڑھیں گے“۔ (عن على بن ربيعة الأسدى قال: ”خرجنا مع على رضى اللّٰه عنه ونحن ننظر الى الكوفة فصلى ركعتين وهو ينطر الى القرية فقلنا له: ألا يصلى أربعاً؟ قال: لا حتى ندخلها“. (رواه عبد الرزاق، إعلاء السنن: ٢٧٢/٧، مصنف عبد الرزاق: ٥٣٠/٢، بعدة طرق، ورواه البيهقى (السنن الكبرىٰ، باب إتمام المغرب فى السفر والحجر: ١٤٦/٣، وذكره الحافظ فى فتح البارى: ٥٦٩/٢-٥٧٠، وفى إعلاء السنن: ٢٧٢/٧) بعد نقله من الفتح قال: فهو صحيح أو حسن على قاعدته، وروى البخارى نحوه عنه تعليقاً أبواب تقصير الصلاة، باب اذا خرج من موضعه) البتہ حاکم وبیہقی وغیرہ کے الفاظ منصف سے کچھ مختلف ہیں۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری: ۵۶۹/۲، ۵۷۰) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

(۱) (أوينوى) ... (إقامة نصف شهر) حقيقة أو حكماً ... (بموضع) واحد (صالح لها) من مصر أو قرية ==

دوران سفر ٹھہرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ایک مقام کے سفر کا ارادہ کیا، جس کی مسافت ۶۰/میل ہے، درمیان میں بیس میل تک جانے کے بعد وہ ایک مقام پر ایک، دو روز کے لیے ٹھہر گیا، پھر وہاں سے اصلی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا، منزل اولیٰ سے ثانیہ تک ایک ہی سفر قرار دیا جائے گا، یا دو سفر؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

شخص مذکور نے جب ۶۰/میل جانے کی نیت سے سفر کیا تو اپنے شہر اور بستی سے باہر نکلنے کے بعد ہی مسافر ہو گیا، درمیان میں وہ جہاں کہیں بھی پندرہ دن سے کم کی نیت سے ٹھہرے گا، اس پر قصر نماز فرض ہوگی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۲/۹/۶۹/۱۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۲۱)

مسافر اگر اسی روز لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ قصر کرے گا:

سوال: مسافر ایک ہزار میل کے ارادہ سے گھر سے نکلا اور اسی روز واپسی کا ارادہ بھی رکھتا ہے تو یہ قصر کرے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

جب تک وہ اپنے گھر واپس نہیں پہنچے گا قصر کرے گا، اس روز کی جو جو نمازیں وطن سے باہر پڑھے، محض اس روز واپسی کے ارادہ کی وجہ سے پوری نہ پڑھے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفر لہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۱۴)

جائے ملازمت مقام قصر میں ہو تو وہاں قصر ہوگی:

سوال: فتویٰ کی رو سے بمبئی میں مجھ پر قصر لازم ہے، اب میں اپنے مکان سے صبح ہی سفر کی تیاری کر کے نکلوں اور پورا دن دفتر میں کام کروں اور شام کو وہاں سے وطن کے لیے روانہ ہوؤں تو ظہر اور عصر کی نماز قصر ہوگی، یا مکمل پڑھنی ہوگی؟

== ... (فيقصر إن نوى)الإقامة (فى أقل منه) أى من نصف شهر(أو)نوى (فيه لكن فى غير صالح) أو كنحو جزيرة أو نوى فيه لكن(بموضعين مستقلين كمكة ومنٰى) ... (أو دخل بلدة ولم ينوها) أى مدة الإقامة (بل ترقب السفر)غدًا أو بعده ولو بقى علٰى ذلك سنين.(الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر:۲/۱۲۵-۱۲۶،دار الفكر بيروت،ظفير)

(۱-۲) (من خرج من عمارة موضع اقامته) ...(قاصدًا)...(مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) ...(صلى الفرض الرباعة ركعتين)...(حتٰى يدخل موضع مقامه) ...(أو ينوى)...(إقامة نصف شهر) ...(فيقصر إن نوى) الاقامة فى (أقل منه) أى من نصف شهر.(الدرالمختار علٰى هامش ردالمحتار،باب صلاة المسافر:۲/۵۹۹-۶۰۶،مكتبة زكريا ديوبند)

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

بمبئی میں جب قصر ہے اور دفتر بھی بمبئی میں واقع ہے تو وہاں بھی قصر ہی کیجیے، اس صورت میں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۴۹۶/۱)

حالت سفر میں حیض اور بہشتی زیور کی عبارت کی وضاحت:

سوال: بہشتی زیور کے مندرجہ ذیل مسائل میں شک ہو رہا ہے، اس کی صحیح صورت واضح فرمائیں؟

مسئلہ: ''چار منزل کی نیت سے ایک عورت چلی؛ لیکن پہلی دو منزلیں حیض کی حالت میں گزریں، تب بھی مسافر نہیں ہے، اب نہا دھو کر پوری چار رکعت پڑھے، البتہ حیض سے پاک ہونے کے بعد بھی وہ جگہ اگر تین منزل پر، یا چلتے وقت پاک تھی، راستہ میں حیض آ گیا ہو تو وہ البتہ مسافر ہے، نماز مسافر کی طرح پڑھے۔

''طهرت الحائض، بقی لمقصدها یوما ن تتم فی الصحیح''. (تاج بہشتی زیور مکمل و مدلل: ۴۲/۲)(۱)

بعض لوگ عبارت بالا سے درج ذیل تین صورتیں سمجھ رہے ہیں:

(۱) حیض کی حالت میں شرعی حد کی مسافرت میں نکلی، جہاں جا کر حیض منقطع ہو گیا، اگر وہاں ٹھہر جائے، یا اس سے آگے تین منزل سے کم اور جانا ہو تو دونوں صورت میں مسافر نہیں پوری نماز پڑھے، خواہ کلکتہ سے دہلی جا کر یہ بات ہو، یا بمبئی جا کر وغیرہ وغیرہ۔

(۲) مذکورہ عورت کو دم حیض منقطع ہونے کے بعد اگر آگے تین، یا اس سے زائد منزلیں جانا ہو تو وہ مسافر ہے، مسافروں کی سی نماز پڑھے۔(۲)

(۳) اگر گھر سے پاک نکلی تھی اور راستے میں حیض آ گیا تو بھی مسافر ہے اور مسافروں کی طرح نماز پڑھے دم منقطع ہونے کے بعد، کیا یہ صحیح ہے، اگر نہیں تو عبارت بالا کا صحیح مطلب کیا ہے اور مفتی بہ قول کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

جی ہاں! یہ تینوں صورتیں اس مسئلہ میں داخل ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۰۱/۷-۵۰۲)

---

(۱) **الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر [فروع]: ۱۳۵/۲، سعید**
بہشتی زیور، حصہ دوم، باب بست و یکم، مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان، ص: ۱۵۸، دارالاشاعت کراچی

(۲) **''طهرت الحائض وبقی لمقصدها یومان، تتم فی الصحیح کصبی بلغ''. (الدر المختار)**

وفی الرد: (قوله: تتم فی الصحیح) کذا فی الظهیریة، قال: وکأنه لسقوط الصلاة عنها فیما مضیٰ، لم تعتبر حکم السفر فیه، فلما تأهلت لأداء اعتبر من وقته. (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر [فروع]: ۱۳۵/۲، سعید)

دس کوس چل کر نیت سفر فسخ کر دی تو کیا کرے:

سوال: زید سفر کو چلا دس کوس چل کر نیت سفر فسخ کر دی اور وطن واپس ہوا تو واپسی میں نماز قصر پڑھے، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں پوری نماز پڑھے۔ عالمگیری میں ہے:

أما إذا لم يسر ثلا ثة أيام فعزم على الرجوع أونوى الإقامة يصير مقيماً وإن كان في المفازة. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۶۴-۴۶۵)

دوران سفر، سفر کا ارادہ ختم کرنے کا حکم:

سوال: حضرت گھر سے چلتے وقت ارادہ دہرہ کا ہوا، جو کہ مسافت قصر ہے؛ لیکن بعد کاندھلہ آنے کے جو کہ مسافت قصر نہیں، ارادہ واپس گھر جانے کا ہو گیا، پھر تخمیناً بعد چھ گھنٹے کے ارادہ ہو گیا کہ دہرہ جاؤں گا، جو کہ کاندھلہ سے بھی مسافت قصر ہے، اس نے بعد ارادہ بدلنے کے عشا کی نماز پوری پڑھی اور اس وقت بوجہ عزم دہرہ ظہر کی قصر کی اب اس میں کیا حکم شرع شریف سے ہوتا ہے؟ (۲)

الجواب

في الدر المختار: (حتٰى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر وإلا فيتم بمجرد نية العود لعدم استحكا م السفر.

وفي ردالمحتار: (قوله: إن سار) قيد لقوله حتٰى يدخل أي إنما يدوم على القصر إلى الدخول إن سار ثلٰثة أيام. (۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سائل نے جو کیا ٹھیک کیا۔

۱۲/ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ: ۲۳۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۹۳)

بلا قصد سفر:

سوال: اگر پیمائش کرتے ہوئے آس پاس کے گاؤں میں پھرنا ہو اور جائے قیام سب جگہ تین منزل سے کم ہے

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، ظفير

(۲) یہ استفتاء ریل میں بعد نماز ظہر کے دیا تھا۔ منہ

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، باب صلوٰة المسافر: ۲/۱۲٤، دار الفكر بيروت، انيس

اور پیمائش کرتے ہوئے اس گاؤں سے اس گاؤں میں اور اس سے تیسرے اور چوتھے میں تو اس طرح فاصلہ بہت سے گاؤں کا تین منزل سے بہت زیادہ ہو جاوے گا، یا کچھ نہ معلوم ہو تو نماز کے قصر کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اس طرح پیمائش میں پھرنے سے جب کہ اول ارادہ تین منزل کے سفر کا نہیں ہے، یا معلوم نہیں ہے، اگر چہ پھرتے پھرتے زیادہ ہو جاوے، نماز کے قصر کا حکم نہیں ہے، نماز پوری پڑھنی چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۴۹۳/۴-۴۹۴)

بلانیت سفر سے قصر نہیں ہے:

سوال: ایک شخص نے سیر کی نیت کی؛ مگر کسی جگہ کی نیت نہیں کی، مہینوں اور برسوں سفر میں رہا، وہ قصر کرے یا، اتمام؟

الجواب

وہ شخص کہ جس نے ابتداءً، یا کسی موقع سے تین دن کے (مسافت) سفر کی نیت نہیں کی، نماز پوری پڑھے، قصر نہ کریں۔(۲) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۴۵۴/۴)

اگر گھر سے بلانیت کے تین منزل کا سفر کیا، تو قصر کرے، یا نہ کرے:

سوال: اگر گھر سے بلانیت تین منزل کا سفر چلا، تو وہ قصر نماز پڑھے، یا پوری؟

الجواب

بلانیت سفر نہیں ہوتا، لہٰذا قصر نہ کرے؛ مگر جب واپس گھر کو آوے تین منزل سے تو جب قصر کرے کہ اب نیت سفر کی ہوگئی ہے۔

(بدست خاص، سوال:۴۹) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۸)

کیا قصر کے لیے شہر سے نکلنا ضروری ہے:

سوال: اگر کسی بر وطن اقامت مقیم گردیدہ است، و ہر گاہ ارادۂ رفتن وطن اصلی کند قصر صلوٰۃ لازم آمد یا نہ؟ از بلد اقامت بیرون شدن شرط است؟

---

(۱) ومن طاف الدنیا بلاقصد لم یقصر. (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار، باب صلوٰۃ المسافر: ۱۰۷/۱، ظفیر)

(۲) و لایزال علیٰ حکم السفر حتی ینوی الإقامة فی بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر وإن نوى أقل ذلك قصر إلخ (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۴۶/۱، ثاقب بکڈپو، ظفیر). ومن طاف الدنیا بلا قصد لم یقصر. (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۲/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر غفر له اللّٰه ذنوبه)

الجواب ــــــــــــــــــــ

بیروں شدن از بلد اقامت بہ قصد سفر شرعی شرط قصر است، محض از ارادۂ رفتن قصر لازم نخواہد شد۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عزیز الرحمٰن (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۹۴/۴)

محض نیت سے مسافر نہیں ہوتا:

سوال: اگر کوئی شخص کہیں پندرہ روز، یا اس سے زیادہ عرصہ سے مقیم رہ کر امامت کرتا ہے اور وہ پندرہ دن پہلے اپنے وطن جانے کی نیت کرتا ہے تو کیا وہ اپنی نماز میں قصر کرے گا، یا پوری پڑھے گا؟ (بلال احمد قاسمی، سمستی پور)

الجواب ــــــــــــــــــــ

مسافر کے لیے شریعت نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ چار رکعت والی نمازوں میں قصر کرے،(۲) بشرطیکہ وہ جہاں جا رہا ہو وہ اس کے وطن سے ۴۸ر میل (۷۷ر کیلومیٹر) کے فاصلہ پر ہو اور مسافر شہر کی حدود سے باہر نکل جائے، محض سفر کی نیت کر لینے سے کوئی شخص نہ مسافر ہوتا ہے اور نہ اس کے لیے قصر جائز ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ آپ جب مسافت شرعی کے لحاظ سے سفر کے لیے چل پڑے تو نمازوں میں قصر فرماتے۔

عن یحیٰ بن یزید الهنائی قال: سألت أنس بن مالک عن قصر الصلاة؟ فقال أنس: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا خرج مسیرة ثلا ثة أمیال أو ثلاثة فراسخ ـ شعبة شک ـ یصلی رکعتین. (۳)

اس لیے علما نے لکھا ہے کہ نمازوں میں قصر اس کے لیے درست ہے، جو سفر کی نیت کے ساتھ شہر اور اطراف شہر سے باہر نکل جائے۔

---

(۱) ترجمہ سوال: اگر کوئی شخص کسی جگہ مقیم ہو اور جب وطن اصلی جانے کا ارادہ کرے تو قصر لازم ہے، یا نہ؟ کیا قصر کے لیے اقامت کے مقام سے باہر ہونا لازم ہے؟ انیس

ترجمہ جواب: قصر کے لیے اقامت کے شہر سے سفر کے ارادہ سے نکلنا شرط ہے، صرف جانے کے ارادے سے قصر لازم نہیں ہوگی۔ انیس

اذا جاوز بیوت المصر غیر قاصد لمدة السفر لا یکون مسافراً. کذا اذا جاوزها وهو یقصدما دون السفر مدة السفر. وکذا اذا قصد مدة السفر ولم یجاوز بیوت المصر لا یکون مسافر؛ لأن مجرد العزم لا یعتبر ما لم یتصل الفعل به.(البنایة شرح الهدایة، باب صلاة المسافر: ۳/۳، دار الفکر، بیروت، انیس)

هو من قصد سیرًا وسطاً ثلا ثة أیام ولیالیها وفارق بیوت بلدة، آه. (شرح الوقایة، باب صلاة المسافر: ۱۳٤/۱، میر محمد کتب خانه، کراچی، مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب)

(۲) **﴿واذا ضربتم فی الأرض فلیس علیکم جناح أن تقصر من الصلاة ان خفتم یفتنکم الذین کفروا ان الکافرین کانوا لکم عدواً مبیناً﴾(سورة النساء: ۱۰۱، انیس)**

(۳) **سنن أبي دائود، رقم الحدیث: ۱۲۰۱، باب متٰی یقصر المسافر: ۱۷۷/۱، مکتبة حقانیة، کراچی**

’’وفی حکم السفرمن فارق بیوت موضع هو فيه،من مصر أو قريته،ناويًا الذهاب إلٰى موضع بينه وبين ذلک الموضع المسافة المذكورة،صار مسافرًا،فلا يصير مسافرًا قبل أن يفارق عمر أن ما خرج منه من الجانب الذی خرج منه‘‘.(۱)

لہٰذا آپ کی ذکر کردہ صورت میں قصر درست نہیں ؛ بلکہ نمازوں کو مکمل ادا کرنا ہوگا۔(کتاب الفتاویٰ:۲/۴۷۷،۴۷۸)

مسافت سفر کے قصد کے ساتھ نکلنا معتبر ہے:

سوال: زید اپنے مکان ومولد سے سوکوس جا کر پندرہ روز مقیم رہا پھر وہاں سے دوسرے ملک کو جانے کا قصد کیا تو وہاں سے کیا تین منزل کا قصد قصر کے واسطے معتبر ہوگا یا مطلق نکلنا وہاں سے معتبر ہوگا یا مطلق خواہ دو چار کوس ہی جائے تو قصر کرے؟

الجواب

مطلق نکلنا معتبر نہیں بلکہ مسافت قصر کی نیت سے نکلنا مبطل قصر ہوگا۔(۲)

فی الدر المختار:ويبطل(وطن الإقامة بمثله و)بالوطن (الأصلی) وبإنشاء (السفر)،آه، والسفر المعتبر هو السفر الشرعی.(۳)فقط واللہ اعلم

۱۲/ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ(امداد:۱/۹۵)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۶۳-۵۶۴)

بحالت سفر کب سے قصر واجب ہے اور کیا پوری نماز نہیں پڑھ سکتا:

سوال: بحالت سفر نماز کس وقت واجب ہوتی ہے اور وجوب قصر کی حالت میں اگر برائے ثواب پوری نماز ادا کر لی جاوے تو درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس وقت بارادۂ مسافت قصر یعنی تین منزل شہر سے باہر نکلے اور بستی وآبادی سے باہر ہو جاوے اسی وقت سے نماز قصر کرے،(۴)اور سفر میں نماز پوری کرنا ممنوع ہے قصر ہی کا حکم ہے اور جو حکم شریعت کا ہے اسی کی پابندی کرنی چاہیے۔(۵)فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۴/۴۵۹)

---

(۱) الحلبی الكبير،باب صلاة المسافر،ص:۵۳۶،انيس

(۲) كذافی الاصل ؛لیکن صحیح عبارت ’’مبطل اقامت یا مثبت قصر‘‘ ہونا چاہیے۔سعید احمد

(۳) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر:۲/۱۳۲،دارالفكر بيروت،انيس

(۴) من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)من أقصر أيام السنة ... (صلى الفرض الرباعی ركعتين).(الدرالمختار،باب صلاة المسافر:۲/۱۲۱-۱۲۲،دار الفكر بيروت،ظفير)

(۵) صلى الفرض الرباعی ركعتين وجوباً لقول ابن عباس:’’إن اللّٰه فرض علٰى لسان نبيكم صلاة المقيم أربعاً والمسافر ركعتين.(الدرالمختار)

==

مسافر کس جگہ سے قصر کرے گا:

سوال: زید ریل سے سفر کرنے کی نیت سے گھر سے چلا اب اسٹیشن پہنچ کر، یا ریل پر سوار ہوکر، یا شہر سے نکلتے ہی، یا اڑتالیس میل کے بعد قصر کرے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سفر کی نیت کے ساتھ جب شہر، یا گاؤں سے باہر ہو جائے اور ۴۸ر میل، یا اس سے زیادہ دور کا سفر ہو تو شہر اور گاؤں سے نکلتے ہی قصر واجب ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد یحییٰ قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۷۴-۴۷۵)

مسافر قصر کب سے کرے:

سوال: ایک شخص کسی شہر کا- جو تین دن اور تین رات کے فاصلے پر ہے- ارادہ کر کے گھر سے نکلا تھا، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نیت ہے کہ وہاں پندرہ روز، یا زیادہ قیام کرے گا۔ اب یہ آدمی راستے میں قصر کرے گا، یا نہیں؟ اگر قصر کا حکم ہے تو قاضی خان کی عبارت: "بخلاف ما إذا نوىٰ الاقامة حيث يصير مقيمًا بمجرد النية"(۲) کا کیا مطلب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

قال قاضی خان: "إذا جاوز المقيم عمران مصره قاصدًا مسيرة ثلثة أيام ولياليها بسير الإبل أومشى الأقدام، يلزمه قصر الصلاة ويرخص له ترك الصيام، أما شرط مجاوزة العمران؛ لأن السفر فعل فلايوجد بمجرد النية، فيشترط قران النية بأدنى فعل بخلاف ما إذا نوىٰ الإقامة حيث يصير مقيمًا بمجرد النية؛ لأن الإقامة ترك الفعل، وترك الفعل لايحتاج إلى الفعل، آه". (فتاوىٰ قاضی خان: ۷٦/۱)(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور صورت مذکور میں قصر کرے گا اور عبارت مسئولہ کا مطلب یہ ہے کہ لزوم قصر کے لیے صرف نیت سفر کو شریعت نے کافی نہیں سمجھا؛ بلکہ اس کے لیے مجاوزۃ عمران کو شرط قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ سفر ایک فعل

== وفي الرد تحت (قوله: وجوباً) فيكره الإتمام عندنا حتى روى عن أبي حنيفة أنه قال: من أتم الصلاة فقد أساء و خالف السنة. شرح المنية. (الدرالمختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۳/۲-۱۲٤، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۱) من خرج من عمارة موضع إقامته)... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (صلى الفرض الرباعي ركعتين) (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۵۹۹/۲-٦۰۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲-۳) فتاوىٰ قاضی خان، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱٦٤/۱، رشيدية

ہے جو مسافر سے صادر ہوتا ہے، جس پر لزوم قصر مرتب ہوتا ہے، پس تاوقتیکہ اس فعل کا ادنی حصہ (جو مجاوزۃ عمران ہے) صادر نہ ہو، اس وقت تک مسافر کہلانے کا مستحق نہیں اور اس پر حکم سفر (لزوم سفر) مرتب نہ ہوگا۔

اور جب کسی منزل صالح پر نیت اقامت کرلے تو اتمام لازم ہوتا ہے اور لزوم اتمام کے لیے نیت اقامت کے بعد کسی اور فعل کی حاجت نہیں تھی، جس طرح کہ نیت سفر کے بعد مجاوزۃ عمران کی ضرورت تھی؛ کیوں کہ اقامت کسی فعل کا نام نہیں کہ مقیم کے لیے اس کا صدور ضروری ہو، جیسا کہ سفر فعل تھا اور مسافر کے لیے اس کا صدور ضروری تھا، چوں کہ اقامت ترک فعل (سفر) کا نام ہے، جس کے لیے صرف نیت کافی ہے۔

یہ مقصد نہیں کہ شخص مذکور چوں کہ وہاں پہنچ کر پندرہ روز، یا زیادہ قیام کرنے کی نیت رکھتا ہے اور یہ نیت ابتدائے سفر میں کرلی ہے، لہذا ابھی سے مقیم ہوگیا اور اس سفر کو کالعدم قرار دے کر لزوم اتمام کا حکم اس پر جاری کردیا جائے گا؛ کیوں کہ اگر اس کو ابھی سے لزوم نیت کی بنا پر مقیم کہہ دیا جائے گا تو اقامت ترک فعل کا نام نہ رہے گا؛ بلکہ اس فعل یعنی (سفر) کا نام ہوجائے گا، **وهو خلاف المفروض.** نیز اس کا فعل اس کی نیت پر فی الحال آثار مرتب ہونے سے مانع ہے:

"**المسافر يصير مقيما إذا دخل قرية أو مصرًا، ونوىٰ إقامة خمسة عشر يومًا فيه، ولا معتبر بالنية وقت السير وقبل الدخول، آه**". (رسائل الأركان)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۵/۷-۴۸۶)

سفر شرعی کے ارادہ سے نکلنے والا نکلتے ہی قصر شروع کردے:

سوال: ایک شخص نے بمبئی جانے کا ارادہ کیا اور ارادہ گھر سے یہی ہے کہ میں چھ مہینہ رہوں گا تو اب یہ شخص قصر کرے گا، یا اتمام؟

الجواب

راستہ میں وہ شخص قصر کرے گا؛ کیوں کہ وہ شخص سفر شرعی کے ارادہ سے گھر سے نکلا ہے، لہٰذا علت قصر پائی گئی، باقی جب بمبئی پہنچے گا اور وہاں اس کی نیت چھ ماہ کے قیام کی ہے تو وہاں نماز پوری پڑھے گا۔

كما في الدر المختار: (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين) وجوباً ... (حتىٰ يدخل موضع مقامه إن سار مدة السفر، إلخ. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۷۲/۴-۴۷۳)

(۱) رسائل الأركان، فصل في صلاة المسافر، بيان مايصير به المسافر مقيما، ص: ۱۴۵، مطبع یوسفی لکھنؤ، انیس

(۲) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲-۱۲۴، دار الفكر بيروت، انيس

سفر غیر شرعی کے درمیان سے سفر شرعی کی نیت کرنا:

سوال: مسافر حالت سفر میں ایسی صورت میں جب کہ وہ اپنے گھر سے چلا تو شرعی مسافر بننے کی نیت نہیں تھی؛ مگر درمیانی سفر میں اس نے شرعی مسافر بننے کی نیت کرلی تو اب وہ کس وقت سے قصر کرے؟ آیا جس جگہ پر، یا بستی میں ہے، وہیں قصر پڑھ لے، یا اس گاؤں کے باہر نکلنے کے بعد قصر شروع کرے؟ مثلا ایک دہلی سے شاہدرہ آیا واپس ہونے کی نیت سے؛ مگر شاہدرہ میں کوئی صورت ایسی پیش آئی کہ وہ کلکتہ جانے لگا تو اب وہ شاہدرہ سے باہر نکل کر قصر کرے، یا شاہدرہ ہی میں قصر پڑھے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

شاہدرہ میں یہ شخص مسافر نہیں؛ بلکہ یہاں سے سفر شروع کرنے کے بعد، لہذا شاہدرہ سے نکل کر قصر کرے اور شاہدرہ میں چوں کہ بحکم مقیم ہے، لہذا اتمام کرے۔

"ولا يصير مسافرًا بالنية حتیٰ يخرج، ويصير مقيمًا بمجرد النية، كذا في محيط السرخسي، آه". (۱)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۹۰-۴۹۱)

اپنے موضع سے نکل کر قصر شروع کردے، خواہ وہاں سے وہ نظر آتا ہی کیوں نہ ہو:

سوال: اس ملک میں مکانات متصل اوران میں باغات ہوتے ہیں، باوجود اتصال کے نام مواضعات کے علاحدہ علاحدہ ہوتے ہیں، اگر کسی کو بارادہ سفر اپنے مکان سے نکل کر دوسرے موضع میں پہنچنے کے بعد وقت نماز آگیا ہو اور وہاں سے اپنا موضع بھی نظر آتا ہو تو یہ مسافر قصر کرے، یا اتمام؟

الجواب ــــــــــــــــ

اس صورت میں وہ شخص قصر کرے گا؛ کیوں کہ قصر کے لیے تجاوز کرنا اپنی بستی کی آبادی سے شرط ہے۔ نظر آنا آبادی کا مانع قصر سے نہیں ہے، **كما في الدر المختار: (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر، إلخ.** (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۷۲)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيدية

(۲) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱، دار الفكر بيروت، انيس

سفر کی ابتدا وطن کے آخری گھر سے ہوگی:

سوال: ایک شہر، یا قصبہ سے دوسرے شہر، یا قصبہ کا فاصلہ قصر ہونے کے لیے کس طرح جوڑا جائے گا؟ ایک صورت تو یہ ہے کہ جس محلّہ سے چلے، اس سے دوسرے شہر کے جس محلّہ تک جانا ہو، وہاں تک کا فاصلہ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے وطن کی آخری سرحد پہونچنے والے مقام کی شروع کی سرحد، چوں کہ دونوں طریقوں میں فاصلہ کا تفاوت میلوں کا ہوگا، مثلا: خط مستقیم کا فاصلہ الف، ب، ۴۳؍میل ہے اور ج، د ۵۰؍میل ہے اور الف، س ۵۵؍میل ہے تو ج سے چلنے والا دس تک جانا چاہتا ہے، اب مسافر ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

وطن کے آخری مکان سے سفر کی مسافت شروع ہوگی اور جس بستی میں جانا ہے، اس کی ابتدائی سرحد تک مجموعی مسافت کو دیکھا جائے گا، پس صورت مسئولہ میں مسافت سفر ۴۳؍میل ہوگی اور قصر کا حکم نہیں ہوگا۔(۱) فقط (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۷۶) ☆

شہر کی آبادی کے بعد مسافر شمار ہوگا:

سوال: آدمی جب سفر کے لیے مکان سے نکلے اور راستہ میں محلّہ کی مسجد میں، یا دوسرے محلّہ کی مسجد میں، یا ریلوے اسٹیشن پر گاڑی میں، یا پلیٹ فارم پر نماز پڑھنا ہو تو اس صورت میں قصر نماز پڑھے، یا پوری نماز پڑھے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلياً و مسلماً

جب کوئی تین منزل (۴۸؍میل) کے ارادے سے نکلے اور شہر کی آبادی سے باہر ہو جائے تو مسافر بن جاوے گا اور جب تک آبادی کے اندر اندر چلتا ہے، تب تک مسافر نہیں ہے، اسٹیشن اگر آبادی کے اندر ہے تو آبادی کے حکم ہوگا اور جو آبادی کے باہر ہو وہاں پہنچ کر مسافر ہو جاوے گا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۱/۴۹۵-۴۹۶)

---

(۱) فقال الحنفية: أن يجاوز بيوت البلد التى يقيم فيها من الجهة التى خرج منها، وإن لم يجاوزها من جانب آخر وأن يجاوز كل البيوت، ولو كانت متفرقة متى كان أصلها من البلد، وأن يجاوز ماحول البلد من مساكن ... أن يقصد من ابتداء السفر موضعا معينًا، ويعزم أن يقطع مسافة القصر من غير تردد.(الفقه الإسلامي و أدلته، المبحث الثالث صلاة السفر: ۲/۳۲۸-۳۳۱، دار الفكر، انيس)

☆ **ملفوظ:**

اگر اسٹیشن اس شہر میں داخل ہے تو داخل ہے اور اگر اس کے اندر داخل نہیں تو قصر کرے گا، جو نمازیں پہلے پڑھی گئیں، ان کے اعادہ کی حاجت نہیں اور اسٹیشن شہر میں داخل ہونے کے یہ معنی کہ ریل شہر میں ہو کر جاتی ہو، جیسے دہلی میں۔ پس وہاں اسٹیشن پر قصر نہ ہوگا اور مدار نظر آنے پر نہیں ہے؛ بلکہ دخول پر ہے۔ فقط والسلام (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۵۸-۳۵۹)

(۲) من خرج من عمارة موضع اقامته) ...(قاصداً) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) ... (بالسير الوسط الاستراحات المعتادة) ... (صلى الفرض الرباعى ركعتين) ... (حتىٰ يدخل موضع مقامه) ان سار مدة السفر.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة السفر: ۲/۱۲۱-۱۲۴، دار الفكر بيروت، انيس)

شہر کے اندر گاڑی میں دو رکعت پڑھنا:

سوال: بعض حضرات دیکھے گئے دو ڈھائی بجے گھر سے نکلتے ہیں اور ظہر کی نماز اسٹیشن، یا گاڑی پر ادا کرتے ہیں صرف دو رکعت، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

گاڑی جب شہر سے باہر نکل جائے گی، اس وقت مسافر ہوگا، شہر کے اندر اسٹیشن، یا گاڑی میں دو رکعت پڑھنا غلط ہے۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷۹/۴)

آبادی بڑھنے کی وجہ سے مسافت سفر کا باقی نہ رہنا:

سوال (۱) موضع فیروز پور دہلی الور روڈ کے متصل واقع ہے، پہلے آبادی اور سڑک کے درمیانی زمین میں کاشت ہوتی تھی؛ لیکن اب سڑک تک مکانات تعمیر ہو چکے ہیں اور کاشت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور سڑک کے دوسرے رخ پر قبرستان اور مویشی کے بٹھانے کی جگہ ہے، ایسی صورت میں ناس بستی کا رہنے والا دہلی سے الور، یا الور سے دہلی کو گزرے تو اس کی مسافرت ختم ہو جائے گی، یا نہیں؟

(۲) نیز قصبہ نوح سے پرانی دہلی ۴۸ / میل تھی اور اب نئی دہلی بڑھتے نوح کے رخ پر تقریبا ۱۵ / میل بڑھ چکی ہے، ایسی صورت میں نوح کا رہنے والا پرانی دہلی کو اگر سفر کرے تو مسافر ہوگا، یا نہیں؟ جب کہ نئی دہلی اور پرانی دہلی دونوں کی کمیٹیاں علاحدہ علاحدہ ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(۱) اب وہ سڑک آبادی سے خارج نہیں رہی، جو شخص بارادۂ سفر فیروز پور سے اس سڑک پر آئے، وہ قصر نہیں کرے گا اور جب ایسا آدمی سفر شرعی سے چل کر اس سڑک پر پہونچ جائے، جس کا وہ وطن ہے تو وہ قصر نہیں کرے گا؛ بلکہ اتمام کرے گا، اگر چہ اس کا ارادہ وہاں قیام کا نہ ہو۔

(۲) آبادی دیکھنے میں اگر متصل ہو تو محض کمیٹی الگ الگ ہونے کی وجہ سے ان کو دو بستیاں نہیں کہیں گے، جب ۴۸ / میل کی مسافت نہیں رہی؛ بلکہ صرف ۳۳ / میل کی مسافت رہ گئی تو یہ سفر شرعی کے لیے کافی نہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۹/۱۳۹۲ھ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند

(فتاویٰ محمودیہ: ۴۷۶/۷-۴۷۷)

---

(۱) ثم المعتبرة المجاوزة من الجانب الذى خرج منه حتٰى لوجاوزعمران المصرقصر. (الفتاویٰ الهندية: ۱۳۹/۱، الباب الخامس عشرفى صلاة المسافر)

(۲) ولا بد للمسافرمن قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتٰى يترخص برخصة المسافرين وإلا لايترخص أبدا. (الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس عشرفى صلاة المسافر، رشيدية: ۱۳۹/۱)

دہلی کا اسٹیشن بستی میں شمار ہوگا، یا نہیں:

سوال: زید سفر کے لیے اپنے گھر سے چلا، کئی گھنٹے دہلی اسٹیشن پر ریل میں بیٹھا رہا کہ نماز کا وقت آ گیا تو نماز قصر پڑھے، یا پوری پڑھنی چاہیے، دہلی کا اسٹیشن بستی میں شمار ہوگا، یا نہیں؟ (المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب

دہلی کا اسٹیشن شہر کے اندر ہے، یہاں نماز پوری پڑھنی چاہیے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۷۵-۳۷۶)

سفر سے واپسی پر گھر سے علاحدہ بازار میں قیام کرے تو وہ مسافر ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص مسافرت سے وطن مالوف میں آیا، اپنے مسکن سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر بازار میں درزی کا کام کرتا ہے اور کبھی کبھی دو چار رات بھی وہاں پر رہتا ہے۔ وہ شخص نماز قصر کرے، یا پوری پڑھے؟

الجواب

جس بستی اور آبادی میں وہ رہتا ہے، اسی کے خروج و دخول کا نماز قصر و عدم قصر میں اعتبار ہے۔ پس جو بازار کہ بستی مذکورہ سے منفصل ہے، جیسا کہ بلادِ بنگال میں سنا گیا ہے، اس میں دخول و خروج کا اعتبار نہیں ہے۔ پس شخص مذکور جب تک اپنی بستی میں اور اس کی عمارات میں داخل نہ ہوگا، اس وقت تک قصر کرتا رہے گا۔

قال فی الرد: وأما الفناء وهو المكان المعدّ لمصالح البلد كركض الدوابّ ودفن الموتٰی وإلقاء التراب فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته وإن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا، كما يأتي. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۶۸)

وطن اصلی اور وطن اقامت کی تعریف:

سوال (۱) وطن اصلی اور وطن اقامت کسے کہتے ہیں اور کب باطل ہوتے ہیں؟

(۲) زید مدرسہ میں مدرس ہے، زید نے مدرسہ سے کسی ضرورت کے تحت تین منزل، یا اس سے زائد کا سفر کیا، بعد واپسی سفر مدرسہ میں ہفتہ روز قیام کر کے اپنے مکان جانے کا ارادہ رکھتا ہے، دریں صورت زید سفر سے واپسی کے

---

(۱) کیوں کہ قصر کے لیے اپنی بستی، یا شہر سے تجاوز کرنا شرط ہے۔

(ومن خرج من عمارة إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر، الخ. (الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱، ط: سعيد)

(۲) ردالمحتار، باب صلاة المسافر، تحت قوله من خرج من عمارة موضع إقامته: ۲/۱۲۱، دار الفكر بيروت، ظفير

بعد مدرسہ میں قیام کے دوران مسافر رہے گا، یا مقیم اور نماز قصر پڑھے گا؟ کیا ہر سفر سے واپسی کے بعد مدرسہ میں پندرہ یوم قیام کی شرط ہے؟

(۳) اگر عمر مدرسہ میں شعبۂ مالیات، یا شعبۂ تبلیغ میں کام کرتا ہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے، جب کہ وہ کبھی مدرسہ میں پندرہ روز قیام کا ارادہ نہیں رکھتا ہے، دریں صورت وہ قصر کرے گا، یا پوری نماز پڑھے گا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) وطن اصلی وہ مقام ہے، جہاں یہ شخص پیدا ہوا ہو، یا جہاں شادی کی ہو اور وہیں رہنے کا ارادہ کرلیا ہو، یا شادی تو نہ کی ہو؛ مگر وہاں زندگی بسر کرنے کا ارادہ کرلیا ہو اور وہاں سے مستقل چلے جانے کا ارادہ نہ ہو اور وطن اقامت وہ جگہ ہے، جہاں پندرہ یوم، یا اس سے زائد قیام کا ارادہ ہو۔

نور الایضاح میں ہے:

الوطن الأصلي هو الذی ولد فيه أوتزوج أولم يتزوج وقصد التعيش لا الارتحال عنه،ووطن الإقامة موضع نوىٰ الإقامة فيه نصف شهر فما فوقه.(۱)

وطن اصلی، وطن اصلی سے اور وطن اقامت، وطن اقامت سے، یا وطن اصلی سے، یا سفر سے باطل ہو جاتا ہے۔(۲)

(۲) اس صورت میں زید مدرسہ میں قصر پڑھے گا، سفر شرعی کے بعد مدرسہ کے وطن اقامت ہونے کے لیے کم از کم پندرہ یوم ٹھہرنے کی نیت ہونا ضروری ہے۔(۳)

(۳) اس صورت میں عمر قصر پڑھے گا۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبد اللہ خالد مظاہری، ۱۶/۵/۱۴۰۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۷۲-۲۷۳)

وطن سے قریب والی آبادیوں میں نماز کا حکم:

سوال: موضع سنبھلیڑہ تحصیل جانسٹھ ضلع مظفر نگر میں واقع ہے اور موضع دہانسری وکمہڑہ وتیوڑہ وغیرہ موضع مذکور سے دو دو تین تین میل کے فاصلے پر آباد ہیں اور مواضعات مذکورہ وشہر دہلی کے مابین پچاس کوس، یا اس سے زائد کا فاصلہ ہے۔ مولوی فاروق صاحب کی پیدائش موضع سنبھلیڑہ مذکور کی ہے اور اسی موضع میں پرورش ہوئی، ایک بھائی ملا محمد یعقوب صاحب وہیں رہتے ہیں، اب مولوی فاروق صاحب دہلی سے مواضعات مذکورہ کو سفر کرتے ہیں اور کسی

---

(۱) نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص:۱۰۲، مكتبة رحمانية لاهور، انيس

(۲،۳،۴) (الوطن الأصلي)...(يبطل بمثله)...(و) يبطل (وطن الاقامة بمثله و) بالوطن (الأصلي و) بانشاء (السفر). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۶۱۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

موضع میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت بھی نہیں کرتے؛ مگر مانند مقیم نماز پوری پڑھتے ہیں، قصر نہیں کرتے۔ اگر کہا جاتا ہے تو کسی کو یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ سب گاؤں میرے وطن کے ہیں اور کہیں یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں قصر نماز نہیں آئی، اور کسی سے کہتے ہیں کہ مجھ پر نماز قصر واجب نہیں؛ کیوں کہ میں ہمیشہ سفر میں رہتا ہوں تو صورت مسئولہ میں مولوی فاروق صاحب کا وطن دہلی ہے، یا سنبھلیڑہ؟ اور ان پر قصر واجب ہے، یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو جن مقیم مقتدیوں نے مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھی ہے، ان کی نماز ہوگئی، یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو جتنی نمازیں مولوی صاحب کے پیچھے پڑھی ہیں، ان کا لوٹانا واجب ہے، یا نہیں؟ اور مولوی فاروق کا یہ کہنا کہ یہ سب گاؤں میرے وطن کے ہیں اور حدیث میں نماز قصر نہیں آئی، جس پر موضع تیوڑہ میں احقر کے سامنے روایت ابن عباس سے بحوالہ مشکوٰۃ استدلال کرنا چاہا اور مشکوٰۃ منگانے پر جان چُرا کر موضع کشن پور کو چمپت ہوئے اور یہ کہ میں ہمیشہ سفر میں رہتا ہوں، اس واسطے مجھ پر قصر نماز واجب نہیں صحیح ہے، یا غلط اور کذب صریح؟ اور یہ شخص مقلد امام ابوحنیفہ کا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی :۱۸۲، مولوی محمد حنیف صاحب ضلع مظفر نگر، ۸/شوال ۱۳۵۲ھ، ۲۴/جنوری ۱۹۳۴ء)

الجواب

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے سنبھلیڑہ سے ترک وطنیت اور دہلی کو وطن بنانے کی نیت نہیں کی تھی؛ اس لیے وہ جب دہلی سے سنبھلیڑہ جاتے ہوں گے تو وہاں جاتے ہی وہ مقیم ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ ان کا وطن اصلی ہے، وہاں پندرہ دن کی نیت کریں، یا نہ کریں، پھر سنبھلیڑہ سے اس کے آس پاس کے مواضع میں پھرتے ہوں گے اور چوں کہ وہ مقدار سفر کی مسافت کے اندر اندر ہوتے ہوں گے؛ اس لیے وہ مسافر نہیں ہوتے اور پوری نماز پڑھتے ہوں گے، یہ ایک مسلمان اور عالم کے فعل کی توجیہ ہو سکتی ہے۔ باقی حقیقت حال اللہ بہتر جانتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ سب گاؤں میرے وطن کے ہیں، صحیح ہے، جب کہ وہ وطن سے چلیں اور آس پاس کے دیہات میں دورہ کریں، جو مدت سفر کے اندر اندر ہوں تو ان کا خیال کہ ان پر قصر نہیں ہے، درست ہے اور یہ قول کہ حدیث میں نماز قصر نہیں آئی، اس کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ اس قدر کم مسافت کے اندر سفر کرنے میں حدیث سے نماز قصر ثابت نہیں اور یہ کہنا کہ مجھ پر نماز قصر اس لیے واجب نہیں کہ میں ہمیشہ سفر میں رہتا ہوں، اس میں غالباً کچھ غلط فہمی ہوئی ہے، اس کے متعلق ان کا تحریری بیان لے کر میرے پاس بھیجو تو میں اس پر غور کروں، ہمیشہ سفر میں رہنے سے تو ہمیشہ قصر پڑھنی پڑے گی، نہ یہ کہ قصر واجب نہ ہو، بہر حال سوال میں جو لہجہ اختیار کیا گیا ہے، یہ علما کے لیے مناسب نہیں ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۳/۳۷۳-۳۷۴)

---

(۱) فرض المسافر فی الرباعیة رکعتان ... والقصر واجب عندنا ... ولا بد للمسافر قصد مسافة مقدرة بثلاثة أیام حتی یترخص برخصة المسافرین والا لا یترخص أبدا. (الفتاوی الهندیة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافرین: ۱/۱۳۹، ط: ماجدیة)

کیا وطن اصلی متعدد ہو سکتا ہے:

برادر گرامی قدر جناب پی نذیر احمد صاحب　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے دوران گفتگو مجھ سے ایک سوال کیا تھا، جس کا ماحصل یہ تھا:

آپ اور آپ جیسے بہت سے لوگ جن کا اصل وطن نارتھ آرکاٹ، یا صوبہ تامل ناڈو کے مختلف قصبات میں ہے؛ لیکن وہ اپنی تجارت کے سلسلہ میں مدراس میں آکر قیام پذیر ہو چکے ہیں۔ یہاں تجارت، رہائش، اہل وعیال سب کچھ ہیں؛ مگر باوجود اس کے اپنے اصل وطن سے تعلق نہیں ٹوٹا ہے، وہاں بھی رہائشی مکانات ہیں، اراضی ہیں اور کچھ لوگوں کے کاروبار بھی ہیں۔ عام طور پر ہفتہ میں چند دن مدراس میں رہنے اور چند دن اپنے آبائی وطن میں گذارنے کی عادت ہے، اس طرح پابندی کے ساتھ دونوں جگہ رہنا سہنا، اہل وعیال بھی کبھی یہاں اور کبھی وہاں رہتے ہیں، دونوں جگہ مستقل رہائش کا نظم ہے، لہٰذا ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے قصبات کو وطن سمجھ کر ''مدراس'' میں قصر کرنا چاہیے، یا ''مدراس'' کو اپنا وطن سمجھنا چاہیے اور آبائی قصبات میں قصر کرنا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

آپ حضرات جو مذکورہ بالا صورت حال میں مبتلا ہیں، دراصل دونوں ہی مقامات پر مقیم ہیں، مدراس شہر ہو، یا آپ کا آبائی قصبہ، دونوں ہی آپ کے لیے وطن اصلی کا درجہ رکھتے ہیں اور آپ لوگوں کو دونوں ہی مقامات پر نماز پوری پڑھنی چاہیے۔

اصل یہ ہے کہ ''وطن اصلی'' (یعنی آبائی وطن، یا جہاں کسی شخص نے اہل وعیال بنا لیے ہوں، یا وہ مقام جہاں کسی نے مستقل توطن اختیار کر لیا ہو) وطن برقرار رہتا ہے اور کہیں بھی آنے جانے سے اس کی وطنیت باطل نہیں ہوتی، تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی، اگر وہاں آئے گا تو اسے پوری نماز پڑھنی ہوگی۔ وطن اصلی کی یہ نوعیت اس وقت تک قائم رہے گی، جب تک وہ اس وطن اصلی سے پوری طرح ترک تعلق کر کے دوسری جگہ اپنا وطن نہ بنا لے۔

مشہور بات یہی ہے کہ وطن اصلی دوسرے وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے؛ لیکن فقہا نے اس میں ایک قید بھی لگائی ہے۔ وہ یہ کہ دوسری جگہ جا کر آباد ہو جانے کے بعد پہلے وطن سے اہل وعیال کو بھی نئے وطن میں منتقل کر لیا ہو؛ بلکہ ایک قول کے مطابق سامان وجائداد بھی منتقل کر چکا ہو، گویا کلیۃً ترک تعلق کر لیا ہو تو پہلے وطن کی وطنیت باطل ہو جائے گی۔

چناں چہ صاحب درمختار نے لکھا ہے:

(الوطن الأصلی) ہو موطن ولادتہ أو تأہلہ أو توطنہ (یبطل بمثلہ) إذا لم یبق لہ بالاول أہل، فلو بقی لم یبطل بل یتم فیہما''. (۱)

---

(۱)　**الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار، باب المسافر: ۲/ ۶۱۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت، انیس**

یعنی وطن اصلی کی وطنیت اس وقت تک باقی رہے گی، جب تک دوسرے شہر کو وطن بنا لینے کے بعد پہلے وطن میں اہل وعیال رکھنا بھی نہ چھوڑ دے، اگر ایسا نہ ہو؛ بلکہ دوسرے شہر میں اس نے توطن اختیار کرلیا ہے؛ لیکن پہلے وطن سے بھی تعلق باقی ہے کہ وہاں اس کے اہل وعیال رہتے ہیں تو ایسی صورت میں دونوں ہی مقامات اس کے حق میں وطن اصلی شمار ہوں گے اور اسے دونوں ہی جگہ نماز پوری پڑھنی ہوگی۔

اور عالمگیری میں ہے:

''وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہوجاتا ہے، جب کہ پہلے وطن سے اپنے اہل وعیال کے ساتھ منتقل ہوگیا ہو اور اس صورت میں جب کہ پہلے وطن سے اہل وعیال کو منتقل نہیں کیا؛ لیکن دوسرے شہر میں بھی اہل بنالیے تو اس کا پہلا وطن باطل نہیں ہوگا اور دونوں ہی مقامات پر وہ نماز پوری پڑھے گا''۔(۱)

اور قاضی خاں نے لکھا ہے:

''وإن تأهل بهما كان كل واحد من الموضعين وطناً أصليا له''. (۲)

یعنی اگر دونوں ہی جگہ اہل وعیال ہوں تو دونوں ہی جگہ اس کے لیے وطن اصلی ہوگی۔

اور علامہ کمال الدین ابن ہمام نے لکھا ہے:

(قوله: فانتقل عنه وستوطن غيره)قيد بالأمرين،فإنه إذا لم ينتقل عنه بل استوطن آخربأن اتخذ له أهلا في الآخر فإنه يتم في الأول كما يتم في الثاني''. (۳)

یعنی وطن اصلی کے باطل قرار پانے کے لیے دوضروری شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ دوسری جگہ وطن بنالیا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ پہلے وطن سے اہل وعیال کے ساتھ منتقل ہو کر بے تعلق ہوجائے۔ اگر ایسا نہ ہو، مثلا دوسری جگہ وطن بنالیا، شادی کرلیا اور رہنے لگا؛ لیکن پہلی جگہ بھی اہل وعیال رہے تو وہ دونوں ہی مقامات پر پوری نماز پڑھے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وطن اول میں اہل وعیال تو نہیں رکھتا؛ لیکن وہاں اپنا رہائشی مکان اور زمین وجائداد رکھتا ہے تو ایسی صورت میں پہلا وطن، وطن باقی رہا؟ اس بارے میں فقہا کی دو رائیں ہیں: ایک رائے تو یہ ہے کہ جب اہل وعیال نہیں رہتے تو وہ وطن باقی نہیں رہا؛ لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اس کی وطنیت باقی رہے گی اور اسے نماز پوری پڑھنی ہوگی اور یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے، جس کی طرف امام محمدؒ نے اپنی کتاب میں اشارہ فرمایا ہے۔

---

(۱) ويبطل الوطن الأصلي بالوطن الأصلي إذاانتقل عن الأول بأهله وأما إذا لم ينتقل بأهله ولكنه استحدث أهلا ببلدة أخرىٰ فلا يبطل وطنه الأول ويتم فيهما.(الفتاوى الهندية،الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۴۲/۱،انيس)

(۲) فتاوى قاضي خان على الهندية،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر: ۱۶۶/۱

(۳) فتح القدير،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر: ۴۰/۲-۴۱،طبع دار الكتب العلمية،بيروت

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال اور سامان لیکر دوسرے شہر چلا گیا، لیکن اس کا گھر اور اس کی اراضی پہلے شہر میں باقی رہے، تو ایک قول یہ ہے کہ پہلا شہر اس کا وطن باقی رہا، اسی طرح امام محمدؒ نے ''الکتاب'' میں اشارہ کیا ہے''۔(۱)

علامہ ابن عابدین شامی نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

''ایسی صورت میں جب کہ وطن اول میں اس کے اہل وعیال نہیں رہتے تو محض رہائشی مکانات اور اراضی کی وجہ سے وطن اصلی باقی نہیں رہے گا؛ اس لیے کہ اعتبار اہل وعیال کا ہے، گھر کا نہیں، جیسے کوئی شخص کسی شہر میں شادی بیاہ کر کے مستقلاً رہنے لگے تو اگر چہ اس کا اپنا ذاتی مکان وہاں نہ ہو، وہ مقیم شمار ہوگا، ایک رائے تو یہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں جب تک کہ اس کا رہائشی مکان اور اراضی موجود ہیں، وہ اس کا وطن برقرار رہے گا''۔(۲)

علامہ شامی نے محیط وغیرہ کے حوالہ سے دونوں ہی رائیں ذکر کی ہیں اور لکھا ہے کہ دوسرے قول کی بنیاد پر دونوں ہی مقامات پر نماز پوری پڑھی جائے گی، اگر چہ اس میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ ہو۔(۳)

اور صاحب کفایہ نے مسئلہ پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

وفی المحیط: ولو انتقل بأهله ومتاعه إلٰی بلد وبقی له دور وعقار فی الأول، قیل بقی الأول وطنًا له وإلیه أشار محمد فی الکتاب حیث قال: ''باع داره وهو نقل عیاله'' وقیل لم یبق، وفی الأجناس، قال هشام: سألت محمدًا: عن کوفی أوطن بغداد وله با لکوفة دار واختاره إلٰی مکة القصر؟ قال محمد: هٰذا حالي وأنا أری القصر، إن نویٰ ترک وطنه إلا أن أبا یوسف کان یتم بها، لکنه یحمل علٰی أنه لم ینو ترک وطنه.(۴)

---

(۱) لو انتقل بأهله ومتاعه إلٰی بلد وبقی له دور وعقار فی الأول قیل بقی الأول وطنًا له وإلیه أشار محمد رحمه اللّٰه تعالٰی فی الکتاب. (الفتاوی الهندیة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۴۲/۱) نیز دیکھئے: البحر الرائق: ۱۴۷/۲، ط: بیروت)

(۲) فإن ماتت زوجته فی إحداهما وبقی له فیها دور و عقار قیل لایبقی وطنا له، إذ المعتبر الأهل دون الدار، کما لو تأهل ببلدة واستقرت سکناً له ولیس له فیها دار، وقیل تبقی ... قوله: (إذا لم یبق له بالأول أهل) أی وإن بقی له فیه عقار، قال فی النهر: ونقل أهله ومتاعه وله دور فی البلد لا تبقی وطناً له، وقیل تبقی، کذا فی المحیط وغیره، قوله (بل یتم فیهما) أی بمجرد الدخول وإن لم ینو إقامة'' (ردالمحتار، باب المسافر، مطلب فی الوطنی الأصلی ووطن الاقامة: ۶۱۴/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

(۳) (بل یتم فیهما) أی بمجرد الدخول وإن لم ینو إقامة'' (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب المسافر، مطلب فی الوطن الأصلی ووطن الاقامة: ۶۱۴/۲، طبع دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۴) الکفایة شرح الهدایة، باب صلاة المسافر، مخطوطة: ۱۸/۲، طبع رشیدیة، پاکستان

یعنی اگر کوئی اہل وعیال کے ساتھ دوسری جگہ منتقل ہوجائے؛ لیکن وطن اول میں رہائشی مکان اور اراضی موجود ہوں تو ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کا وطن باقی رہے گا۔ امام محمدؒ نے ''اہل وعیال کی منتقلی کے ساتھ رہائشی مکان کی فروختگی'' کا ذکر کر کے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ محض رہائشی مکان اور اراضی کی وجہ سے وطن اول، وطن باقی نہیں رہے گا، اس سلسلہ میں ''اجناس'' میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ہشام نے امام محمدؒ سے مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص جس کا وطن اصلی کوفہ میں تھا، اب وہ بغداد میں رہنے لگا؛ لیکن اس کا پہلا مکان کوفہ میں موجود ہے۔ اب وہ حج کے ارادہ سے سفر کرے، راستہ میں کوفہ سے گذرے تو قصر کرے، یا نماز پوری پڑھے؟ امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہی تو میرا حال ہے، اگر وہ شخص ترک وطن کی نیت کر چکا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اسے اس صورت میں قصر کرنا چاہیے؛ لیکن امام ابو یوسف کوفہ میں نماز پوری پڑھتے تھے؛ لیکن ان کے اس عمل کو اس بات پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کوفہ سے ترک وطن کی نیت نہیں کی ہوگی۔ (۱)

آخر میں صاحب کفایہ نے نجم الدین الزاہدی کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے:

شیخ نجم الدین زاہدی فرماتے ہیں: ''بہت سے مسلمان جو شہروں میں توطن اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کے مکانات اور ان کی اراضی ان شہروں سے دور دیہاتوں میں واقع ہیں، جہاں جاکر وہ گرمی کا موسم اپنے اہل وعیال اور اپنے سامان کے ساتھ گذارتے ہیں، پس ان مکانات کی حفاظت بھی ضروری ہے، بیشک یہ دونوں ہی مقامات ایسے اشخاص کیلئے وطن ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا''۔ (۲)

واضح رہے کہ امام ابو یوسفؒ کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر سفر واقامت میں شبہ پیدا ہوجائے تو اتمام ہی کرنا ہوگا کہ عبادات میں احتیاط ضروری ہے۔ (۳)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ حضرات جن حالات میں مبتلا ہیں، اس کی صورت واضح ہے کہ دونوں ہی جگہ آپ کے اپنے رہائشی مکانات ہیں، جائداد ہے، کبھی اہل وعیال کے ساتھ یہاں رہتے ہیں اور کبھی وہاں، ایسی صورت میں بلا اختلاف دونوں مقامات آپ کے لیے وطن اصلی شمار کئے جائیں گے اور دونوں ہی مقامات پر نماز پوری پڑھنا ضروری ہوگا، جو کچھ اس حقیر کی سمجھ میں آیا عرض کیا، آپ چاہیں تو اس تحریر کا حوالہ دے کر دوسرے علما سے بھی تشفی کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہد الاسلام قاسمی (فتاوی قاضی ص ۷۱-۷۶)

---

(۱) الکفایة مع فتح القدیر: ۲/ ۱۸، طبع رشیدیة، پاکستان

(۲) قال الشیخ نجم الدین الزاهدی: وهٰذا جواب واقعة ابتلینا به وکثیر من المسلمین المتوطنین فی البلاد لهم دور وعقار فی القریٰ البعیدة منها فیصیفون بها بأهلهم ومتاعهم فلابد من حفظهما، أنهما وطنان له لایبطل أحد هما بالآخر. (الکفایة شرح الهدایة، باب صلاة المسافر، مخطوطة: ۲/ ۱۸، طبع رشیدیة، پاکستان)

(۳) اذا افتتح الصلاة فی السفینة حال اقامته فی طرف البحر فنقلتها الریح ونوىٰ السفر یتم صلاة المقیم ==

وطن اصلی دو جگہ:

سوال: ایک شخص اپنے وطن اصلی سے بیوی، بچے اور سامان لے کر مستقل ارادہ کر کے دوسری جگہ رہنے لگا؛ لیکن پہلے وطن میں اس کا سامان و جائیداد بھی موجود ہے تو کیا دونوں جگہ اس کا وطن ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اس سامان اور جائداد سے اگر چہ خود ہی منتفع ہوتا ہے، اس سے اپنی ملکیت کو ختم نہیں کیا تو بھی اس جگہ کی وطنیت ختم ہوگئی، چوں کہ دوسری جگہ مستقل رہائش اختیار کر لی ہے، اب وہاں سے کلیۃً منتقل ہونے کا قصد نہیں ہے تو وہ دوسری جگہ وطن اصلی بن گئی؛(۱) لیکن اگر پہلی جگہ بھی بلحاظ موسم آئے اور رہنے کا قصد ہے تو دونوں جگہ وطن اصلی ہوجائے گی۔ (کذا فی البحر الرائق: ۱۳۶/۲، پاکستانی) (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۱۳۸۸ھ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند

(فتاویٰ محمودیہ: ۴۹۲/۷-۴۹۳)

دو وطن اصلی:

سوال: میں موضع چشتیال تعلقہ چریال ضلع ورنگل کا متوطن ہوں، جہاں میرا آبائی مکان وزرعی اراضی واقع ہے، جس کی نگرانی و آمدنی وغیرہ کے واسطے اکثر وہاں جا کر اپنے بھائی بہن کے یہاں قیام کرتا ہوں، جو کبھی بھی پندرہ دنوں سے زیادہ نہیں ہوتا؛ لیکن میرا موجودہ مستقلاً قیام ورنگل شہر میں ہے، جو میرے وطن سے نوے (۹۰) کلومیٹر ہے، ان حالات میں کیا میں وہاں مسافر کی حالت میں ہوتا ہوں، یا مقیم کی؟ بغرض رہبری واتباع آپ کے جواب کا متمنی ہوں؟

(سید ضیاء الدین احمد، ورنگل)

== عند أبي يوسف خلافاً لمحمد؛ لأنه اجتمع في هٰذه الصلاة ما يوجب الأربع وما يمنع فرجحنا ما يوجب الأربع احتياطاً. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۱) "أن يتوطن في بلدة أخرى، وينقل الأهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليًا، حتىٰ لو دخله مسافرًا، لا يتم". (البحر الرائق، باب صلاة المسافر: ۲۳۹/۲، رشيدية)

"فالوطن الأصلي ينتقض بمثله لاغير، وهو أن يتوطن الإنسان في بلدة أخرىٰ، وينقل الأهل إليها من بلدته فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليًا له، حتىٰ لو دخل فيه مسافرًا لاتصير صلٰوته اربعا". (بدائع الصنائع، فصل وأما بيان مايصير المسافر به مقيماً: ۴۹۸/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) وكثير من المسلمين المتوطنين في البلاد، ولهم دور وعقار في القرىٰ البعيدة منها، يصيفون بها باهلهم ومتاعهم فلا بد من حفظها انهما وطنان له، لا يبطل احدهما بالآخر. (البحر الرائق، باب المسافر: ۲۳۹/۲، رشيدية)

الجواب

اگر آپ نے ورنگل میں مستقل رہائش اختیار کر لی ہے اور یہیں بود وباش رکھنے کا ارادہ ہے تو اب وہ بھی آپ کا وطن اصلی ہے اور وہاں بھی آپ کو چار رکعت نماز ادا کرنی چاہیے، وطن اصلی تین وجوہ سے بنا کرتا ہے، ایک تو وہ جگہ جہاں آدمی کی ولادت ہوئی ہو اور وہاں اس کی جائیداد وغیرہ بھی موجود ہو، مکمل طور پر اس کو چھوڑا نہ ہو، دوسرے جس شہر میں اس نے شادی کی ہو، تیسرے جس کو اس نے مستقل جائے قیام اور وطن بنا لیا ہو، اس اصول کی روشنی میں آپ کا اپنا آبائی مقام بھی وطن اصلی ہے اور ورنگل بھی، دونوں مقامات پر قصر کے بجائے چار رکعت ادا کریں گے؛ کیوں کہ ایک شخص کے ایک سے زیادہ وطن اصلی ہو سکتے ہیں۔ مشہور حنفی فقیہ علامہ حصکفیؒ نے ان باتوں کو بہ تفصیل لکھا ہے، فرماتے ہیں:

"(الوطن الأصلی)ھو موطن ولادته أو تأھله أو توطنه(یبطل بمثله)إذا لم یبق له بالأول أھل فلو بقی لم یبطل،بل یتم فیھما". (۱)

"لونقل الرجل أھله وعیاله ببلدة وتوطن ثمة وله فی مصره الأوّل دور وعقار،قال بعض المشائخ یبقی المصر الأوّل وطنا له". (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱)

دو وطن والے کا حکم:

سوال: شخصے دو خانہ می دارد، درمیان ہر دو خانہ مسافت سفر است۔ عیال با خود ہر جا کہ می باشد میدارد۔ اہلیہ یک می دارد در یک خانہ۔ پس اگر برائے کاروبار در خانہ دیگر آید کہ عیال با خود نمی آرد قصر کند، یا نہ؟ (۳)

الجواب

اگر ہر دو وطن اصل شمردہ است و ارادہ ترک یک از انہا نکردہ است و یک مقام را ترک کردہ بدیگر مقام سکونت نگرفتہ است ہر دو وطن اصلی است در ہر یک از ان نماز تمام کند۔ (۴)

والتفصیل فی شرح المنیة:(فالأصلی وھو مولد الإنسان أوموضع تأھل به ... وفی المبسوط:

(۱) الدر المختار علی ھامش رد المحتار،باب صلاۃ المسافر: ۲/۶۱۴، مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۲) الفتاوی التاتارخانیة، باب صلاۃ المسافر، نوع آخر فی بیان ما یصیر المسافر به مقیماً به دون نیة الاقامة: ۲/۵۱۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۳) خلاصۂ سوال: ایک شخص کے دو دو مکان ہیں، دونوں جگہوں کے درمیان مسافتِ سفر ہے، جہاں رہتا ہے، بچوں کو اپنے ساتھ رکھتا ہے، ایک بیوی ایک گھر میں رکھتا ہے، لہذا اگر کاروبار کے مقصد سے دوسرے گھر جائے، جب کہ بچوں کو ساتھ نہ لے گیا ہو تو نماز قصر کرے، یا نہیں؟ انیس

(۴) خلاصۂ جواب: اگر دونوں جگہ کو وطن اصلی شمار کرتا ہے اور کسی ایک کو چھوڑا نہیں ہے، ایک مقام کو چھوڑ کر دوسرے کو ٹھہرنے کا مقام نہیں بنایا ہے تو دونوں وطن اصلی ہیں اور دونوں جگہ نماز پوری پڑھے۔ انیس

هو الذى نشأ فيه أو توطن فيه أو تأهل فقوله أو توطن فيه يتناول ما عزم القرار فيه وعدم الارتحال وإن لم يتأهل فعلىٰ هٰذا لو عزم من له أبوان فى بلد على القرار فيه وترك الوطن الذى كان له قبله يكون وطنًا له ولو تزوج المسافر ببلد ولم ينو الإقامة به فقيل لايصير مقيمًا وقيل يصير مقيمًا وهو الأوجه لما مر من حديث عثمان ولو كان له أهل ببلد تين فأيتهما دخلها صار مقيمًا وإن ماتت زوجته فى إحديٰهما وبقى له فيها دور وعقار قيل لا بقٰى وطناً له اذا المعتبر الأهل دون الدور. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۴/ ۴۴۹-۴۵۰)

جس کی سکونت دو جگہ ہو، وہ نماز کس طرح پڑھ سکے گا:

سوال: یک شخص را دو موضع برائے سکونت است، یک در کوئٹہ و یک در جیکب آباد۔ در گرما کوئٹہ مقیم و در سرما جیکب آباد۔ و در درمیان ہر دو موضع مسافت سفر است۔ اگر برائے کار و بار در جیکب آباد یا کوئٹہ آمد قصر کند یا تمام خواند؟ عیال واطفال با خود ہر جا کہ می باشد ہمراہ اومی باشند و در موضع گرما و سرما مکانات وعقار و دیگر سامان گزراست و بس۔ (۲)

الجواب

اگر ہر دو موضع را وطن اصل وجائے قرار گرفتہ است و در ہر موضع مکان وعقار است واہل وعیال در ہر دو موضع می باشند در ہر دو موضع نماز تمام کند۔ (۳)

قال فى الشامى من شرح المنية: ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صار مقيماً، الخ. (۴) فقط

(فتاویٰ دار العلوم: ۴/ ۴۴۸-۴۴۹)

کئی شہروں میں مکان ہونے کی ضورت میں قصر:

سوال: زید کے تین جگہوں پر تین مکانات ہیں اوران میں شرعی مسافت بھی ہے۔ پہلی جگہ پر جو مکان ہے، وہ آبائی ہے؛ لیکن وہاں کوئی رہتا نہیں؟ اور دوسری جگہ کا مکان بھی بنا ہوا خالی پڑا ہے۔ زید بسا اوقات وہاں جا کر پندرہ دن سے کم رہتا ہے؛ مگر دوسرے کے گھر میں؟

---

(۱) غنية المستملي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ٥٥٤، ظفير

(۲) خلاصۂ سوال: ایک شخص کے پاس دو جگہ قیام گاہ ہے، ایک کوئٹہ میں اور ایک جیکب آباد میں، موسم گرما میں کوئٹہ میں قیام ہوتا ہے اور موسم سرما میں جیکب آباد میں، اور دونوں کے درمیان کی دوری مسافت سفر ہے تو اگر کاروبار کے واسطے جیکب آباد یا کوئٹہ آئے تو نماز قصر کرے، یا پوری پڑھے؟ اس کے بال بچے بھی جہاں وہ رہتا ہے، وہاں اس کے ساتھ رہتے ہیں اور موسم سرما و گرما کے دونوں مقامات پر مستقل مکانات، جائداد اور دیگر گذارہ کے اسباب ہیں اور بس۔ انیس

(۳) خلاصۂ جواب: اگر دونوں مقام کو وطن اصلی اور ٹھہرنے کی جگہ بنایا ہے اور ہر جگہ مکانات اور جائداد ہیں اور اہل وعیال دونوں جگہ رہتے ہیں تو دونوں جگہ نماز پوری پڑھے۔ انیس

اور تیسری جگہ کا مکان مستعمل ہے اور زید کی والدہ بھائی بہن وہیں رہتے ہیں۔ اب تفصیل طلب یہ ہے کہ زید کس جگہ قصر کرے گا اور کہاں صلوٰۃ حضر پڑھے گا؟

هو المصوب

جس جگہ کو وطن بنالیا ہے، وہاں پوری نماز ادا کرے گا اور جس جگہ کو وطن نہیں بنایا ہے، وہاں قصر کرے گا۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳/۱۸۳)

امرتسر چھوڑ کر لاہور کو وطن اقامت بنالیا، وہ اب امرتسر میں کس طرح نماز ادا کرے:

سوال: ایک شخص پہلے امرتسر میں رہتا تھا، پھر لاہور میں مع بال بچوں کے اور بیوی کے چار برس سے اقامت گزیں ہے اور امرتسر میں کچھ زمین بھی ہے اور بھائی بہن بھی امرتسر میں ہی رہتے ہیں، اگر امرتسر اور لاہور میں مسافت سفر کی ہو تو اس شخص کو امرتسر میں قصر کرنا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اگر اس شخص نے لاہور کو وطن اصلی بنالیا ہے اور امرتسر کی سکونت ترک کردی تو امرتسر میں اگر پندرہ دن کی اقامت کی نیت نہیں کی تو وہاں قصر کرے گا، **كما في الدر المختار على هامش رد المحتار: (الوطن الأصلي) ... (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول أهل، الخ.** (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۴۴)

پہلا وطن اصلی وطن کے حکم میں ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص کی اراضی مکان ضلع جالندھر میں ہے اور اب وہ مع اہل وعیال بوجہ اراضی ملنے کے ضلع لائلپور میں چلا گیا، وہاں سکونت اختیار کرلی، چوں کہ ضلع جالندھر میں بھی اس کے مکانات اور زمین ہے، اس کے انتظام کے لیے اس کو بعد شش ماہ، یا اس سے کم وبیش مدت میں آنا پڑتا ہے۔ آیا وہ شخص یہاں آکر نماز پوری پڑھے، یا قصر کرے؟

الجواب

اس میں اصح واحوط یہی ہے کہ وطن اول بھی وطن اصلی ہے۔ وہاں نماز پوری پڑھے جیسا کہ بعض فقہا کے اقوال سے اس کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔(۳)

---

(۱) وفي المجتبى: نقل القولين فيما إذا نقل أهله ومتاعه وبقي له دور وعقار ثم قال: وهذا جواب واقعة ابتلينا بها وكثير من المسلمين المتوطنين في البلاد ولهم دور وعقار في القرى البعيدة منها يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم فلابد من حفظهما أنهما وطناً له لايبطل أحدهما بالآخر. (البحر الرائق، باب صلاة المسافر:۲/۲۳۹، انيس)

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر:۲/۱۳۲، دار الفكر بيروت، ظفير

(۳) ضمیمہ: اس سوال کے جواب میں اتمام کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ اس صورت میں ہے جب کہ پہلی جگہ میں سکونت کا ارادہ ==

نیز اس قاعدہ سے بھی اتمام راجح ہے، جس کو علامہ شامی نے امام ابو یوسف کے قول کی ترجیح میں نقل کیا ہے کہ جس موقعہ پر قصر اور اتمام میں اشتباہ ہو تو وہاں اتمام کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ احتیاط اسی میں ہے۔ وہ عبارت یہ ہے، جو شروع صلوٰۃ مسافر میں علامہ نے نقل کی ہے:

كما في التجنيس: إذا افتتح الصلاة في السفينة حال إقامته في طرف البحر فنقلتها الريح ونوٰى السفر يتم صلاة المقيم عند أبي يوسف خلافاً لمحمد؛ لأنه اجتمع في هذه الصلاة مايوجب الأربع ومايمنع فرجحنا مايوجب الأربع احتياطاً، الخ. (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۷۱-۴۷۲)

جب تک کسی دوسری جگہ کو وطن اصلی نہ بنالے پہلا وطن ہی وطن اصلی رہے گا:

سوال: ایک نومسلم عورت ہے، اپنے خاوند ہندو کو چھوڑ کر مسلمان ہوگئی ہے، گھر بار سب چھوڑ دیا ہے، اپنا وطن اصلی اس نے کوئی قائم نہیں رکھا، دس دن کہیں پندرہ دن کہیں، سنگی کے تھان فروخت کر کے گزر کرتی ہے، کئی حج بھی کیئے، وہ دریافت کرتی ہے کہ جب کہ میرا کوئی وطن اصلی نہیں تو میں ہمیشہ نماز قصر کروں اور وطن اقامت ہی میں پوری نماز ادا کروں، یا جیسا ارشاد ہو؟

الجواب

في الدر المختار: (الوطن الأصلي) ... (يبطل بمثله) ... (لاغير). (۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب تک وہ کسی مقام کو اپنا وطن اصلی نہ بناوے، اس وقت تک اس کا وطن اصلی سابق وطن اصلی رہے گا۔ پس وہاں پہنچ کر اتمام واجب ہے اور وہاں سے چلنے کے وقت دیکھا جاوے گا کہ کتنی دور کی نیت سے چلی ہے، اگر تین منزل کے قصد سے چلی ہے، قصر کرے گی، ورنہ اتمام۔

۱۸/شوال ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۳۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۸۴)

وطن اصلی کب باطل ہوتا ہے:

سوال: ایک شخص کا وطن اصلی لاہور تھا اور پھر اس نے لاہور کو چھوڑ کر دہلی کو اپنا وطن بنالیا اور وہیں اس کے بال

== ترک نہ کیا ہو اور اگر پہلی جگہ میں سکونت کا ارادہ ترک کردیا ہے تو پھر وہاں قصر کرے گا۔ جیسا کہ سوال ''امرتسر چھوڑ کر لاہور کو وطن اقامت بنالیا وہ اب امرتسر میں کس طرح نماز ادا کرے'' کے جواب میں گذرا ہے۔ اسی طرح سوال ''جس جگہ جائداد ہے، وہاں قصر پڑھے یا پوری'' کے جواب میں آرہا ہے۔ واللہ اعلم (محمد امین، ضمیمہ، ص: ۱۶)

(۱) ردالمحتار، باب صلاة المسافر تحت قوله قاصدًا: ۲/۱۲۲، دار الفكر بيروت، ظفير

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۲، دار الفكر بيروت، انيس

بچے اور اہلیہ ہے، غرضیکہ مدت سے وہ شخص دہلی میں مع اہل وعیال قیام گزیں ہے اور لاہور میں اس کے بھائی حقیقی اور ماں بہنیں کے مکان اور کچھ زمین بھی ہے اور رہتا وہ مدت سے دہلی میں ہے، اس شخص کو لاہور میں جانے کے لیے سوا نیت ۱۵/ یوم کے ٹھہرنے کے لیے نماز قصر پڑھنی پڑے گی، یا کہ پوری؟ رسالہ رکن دین اردو مؤلفہ مولوی رکن الدین الوری میں تحریر ہے کہ اگر پہلے وطن میں زمین، یا مکان وغیرہ ہوں تو کم نیت اقامت ۱۵/ یوم کے بھی نماز پوری پڑھنی پڑے گی، بحوالہ عالمگیری اور حالاں کہ شرح وقایہ(۱) میں عبارت یوں ہے:

"فإذا كان للإنسان وطن أصلي ثم اتخذ موضعًا آخر وطنًا أصليا سواء كان بينهما مدة السفر أولم يكن يبطل الوطن الأصلي الأول حتىٰ لو دخله لايصير مقيمًا إلا بنية الإقامة".

اور لفظ "یبطل" پر حاشیۂ عمدۃ الرعایۃ میں حدیث منقول ہے:

"يدل عليه أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم وأصحابه لما دخلوا مكة فى غزوة الفتح وحجة الوداع قصروا فيها مع أنها كانت مولدهم ومسكنهم وماذلک إلا لبطلان وطنيته باتخاذ المدينة وطناً بالهجرة". (۲)

عبارت مذکور سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ اول وطن میں اگر مکان، یا زمین وغیرہ ہو تو نماز قصر نہیں ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وطن اصلی اگر اس طرح چھوڑا جائے کہ اس سے تمام تعلقات منقطع کر دیئے جائیں، نہ کچھ زمین ومکانات ہوں اور نہ کوئی اہل وعیال میں سے وہاں ہو تو وہ وطن باقی نہیں رہتا اور پھر وہاں نماز پندرہ دن سے کم مدت میں قصر کرنا چاہیے، ورنہ وطن باقی رہتا ہے۔

فى الفتاوىٰ الهندية: ويبطل الوطن الأصلي بالوطن الأصلي إذا انتقل عن الأول بأهله وأما إذا لم ينتقل بأهله ولكنه استحدث أهلاً ببلدة أخرىٰ فلايبطل وطنه الأول ويتم فيهما... ولو انتقل بأهله ومتاعه إلىٰ بلد وبقى له دور وعقار فى الأول قيل بقى الأول وطنًا له و إليه أشار محمد رحمه اللّٰه فى الكتاب، كذا فى الزاهدى. (۳)

اور محض کسی شہر کا مولد ومسکن ہونا وطن اصلی کے ثبوت کے لیے کافی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں قصر کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہاں آپ کا کوئی گھر وغیرہ باقی نہ تھا۔

---

(۱) بيان الوطن الأصلي والاقامة: ۲۳۸/۱، ط: مكتبة حقانية، ملتان

(۲) شرح الوقاية مع عمدة الرعاية، باب صلاة المسافر: ۱۳۸/۱، مكتبة مير محمد كراچى، انيس

(۳) الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس عشر فى صلاة المسافر: ۱۴۳/۱، انيس

عن أسامة بن زيد أنه قال: يا رسول اللّٰه! أين تنزل في دارك بمكة؟ فقال: وهل ترك عقيل من رباع أو دور؟ وكان عقيل ورث أبا طالب، هو وطالب، ولم يرثه جعفر ولا علي رضي اللّٰه عنهما شيئاً، لأنهما كانا مسلمين وكان عقيل وطالب كافرين، فكان عمربن الخطاب رضي اللّٰه عنه يقول: لا يرث المؤمن الكافر. قال ابن شهاب: وكانوا يتأوّلون قول اللّٰه تعالىٰ: ﴿ان الذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا بأموالهم وأنفسهم في سبيل اللّٰه والذين آووا ونصروا أولئك بعضهم أولياء بعض﴾ (الأنفال: ۷۲) (الآية). (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۳/۳۷۲)

جائے پیدائش میں قصر کرے گا:

سوال: زید اپنے جائے پیدائش سے ایک دوسرے مقام پر گیا اور وہیں پر اپنا ذاتی مکان بنا کر مع اہل وعیال مستقل طور پر مقیم ہو گیا اور وہیں پر ملازمت بھی کر رہا ہے؛ لیکن گاہے بگاہے زید اپنے پہلے والے (مقام) یعنی جائے پیدائش جایا کرتا ہے، چوں کہ والدین کے علاوہ اور دیگر عزیز واقارب اور کھیتی باڑی بھی ہے تو کیا ایسی حالت میں اگر اپنے جائے پیدائش کا سفر طے کر کے پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت سے آئے تو کیا ایسی حالت میں زید پر قصر واجب ہے، یا نہیں؟

(۲) زید ریل گاڑی کا ڈرائیور ہے؛ اس لیے زید اپنے ایک مقام سے دوسرے مقام گاڑی لے کر لمبے لمبے سفر طے کرتا ہے تو کیا ایسی صورت میں زید پر قصر واجب ہے، یا نہیں؟

(۳) امام صاحب مائک سے نماز پڑھا رہے تھے، اچانک درمیان میں ایک رکعت کے بعد لائٹ چلی گئی اور مجمع کثیر ہونے کی بنا پر بغیر پہلے سے مکبر مقرر کئے ہوئے کسی مقتدی نے تکبیر کہہ دی تو کیا ایسی صورت میں مکبر مع مصلیان کی نماز ہوگی، یا نہیں؟

هو المصوب

(۱) جائے پیدائش کو خیر باد نہیں کہا ہے تو وہ وطن رہے گا، اتمام کرنا ہوگا۔

(۲) قصر واجب ہوگا۔

(۳) نماز درست ہوگی۔

تحریر: محمد ظہور ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳/۱۶۱-۱۶۲)

---

(۱) صحيح البخاري، باب توريث دور مكة وبيعها وشراءها: ۲۱٦/۱، قديمي، رقم الحديث: ۱۵۸۸، انيس

ایک شہر چھوڑ کر دوسرے شہر چلا گیا اب پہلے میں آئے تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے کسی وجہ سے اپنے اہل وعیال کو ''الف'' شہر سے ''ب'' شہر کو بھیج دیا اور وہ ''الف'' شہر کے گردونواح میں مسافت طے کر کے وقت گذاتا ہے، اگر وہ شخص ''الف'' شہر میں آئے، جہاں اس کا کرایہ کا مکان مقفل ہے تو وہاں وہ مقیم کہلایا جائے گا، یا مسافر؟

دوسرے جب وہ شخص ''ب'' شہر میں جائے، جہاں اس کے کل عزیز واقارب ہیں؛ مگر وہاں اس کا قیام دس روز سے بھی کم ہے اور اسے ''الف'' شہر واپس آنا ہے جہاں وہ مستقل طور پر قیام پذیر ہے تو ایسی صورت میں وہ ''ب'' شہر میں مقیم سمجھا جائے گا، یا مسافر؟ اس کو ہر طرح کا آرام ''ب'' شہر میں ہے اور ''الف'' شہر میں اس کے اہل وعیال عارضی طور پر چلے گئے ہیں؟

الجواب

معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وطن اصلی ''ب'' شہر ہے، جہاں اس کے کل عزیز واقارب ہیں۔ پس اگر اس کا وطن اصلی ''ب'' شہر ہی ہے تو وہاں پہنچتے ہی فوراً نماز پوری پڑھنی چاہیے اور ''الف'' شہر میں اگر وہ بوجہ ملازمت رہتا ہے تو وہ وطن اقامت ہے، اگر وہاں پندرہ دن، یا زیادہ کے قیام کی نیت ہو تو نماز پوری پڑھے، ورنہ قصر کرے۔ حاصل یہ ہے کہ وطن اصلی میں نماز پوری پڑھنی چاہیے، اگرچہ ایک دو روز کو وہاں آوے اور وطن اقامت میں اگر پندرہ دن کی نیت قیام کی ہو تو پوری نماز پڑھنی چاہیے، ورنہ قصر کرے اور وطن اصلی وہ ہے، جہاں اس کی پیدائش ہے اور والدین رہتے ہیں اور نکاح ہوا ہے۔ غرض جس جگہ کا وہ اصلی رہنے والا ہے، وہ وطن اصلی ہے، جب تک اس کو چھوڑ کر دوسرا وطن نہ بنالیوے، وہی وطن اصلی رہے گا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۷۹-۴۸۰)

وطن اصلی سترہ سال سے چھوڑ چکا ہے:

سوال: میرے والد صاحب کا گاؤں منگل ویڑا (شولاپور) ہے مگر ہم پونہ میں تقریباً ۱۷ سال سے مقیم ہیں۔ اب والد صاحب کھیت کے کام کی وجہ سے گاؤں جاتے ہیں ایک ہفتہ کے لئے تو والد صاحب وہاں مسافر کے حکم میں ہیں یا نہیں؟ اور ہمارے لئے کیا حکم ہے کیا ہم بھی مسافر ہیں؟ مستفتی: شفیق، پونہ

الجواب

منگل ویڑا آپ کے والد کے لیے وطن اصلی ہی ہے؛ اس لیے کہ وہاں کا کھیت آپ کے والد نے باقی رکھا ہوا ہے،

---

(۱) الوطن الأصلي)هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول وأهل فلو بقى لم يبطل. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲-۱۳۲، دار الفكر بيروت، ظفير)

ہمیشہ کے لئے چھوڑ نہیں دیا، آپ کے والد صاحب اپنے گاؤں میں بھی مقیم ہوں گے، ظہر، عصر، عشا چار رکعت پڑھیں گے، اگر آپ لوگوں کی پیدائش بھی اسی گاؤں ہی کی ہے تو آپ کا بھی یہی حکم ہے۔

(الوطن الأصلي) هو موطن ولادته وتأهله أو توطنه (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول أهل فلو بقي لم يبطل بل يتم فيهما. (۱) والله أعلم وعلمه أتم

مفتی محمد شاکر خان قاسمی پونہ (فتاویٰ شاکر خان: ۱۰۹/۲)

مسافر کا ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرنا:

سوال: مسافر نے ایک جگہ اقامت کی نیت کر لی، پھر وہاں سے کوچ کرتا ہے تو احکامِ سفر نافذ کرنے کے واسطے اب بھی تین روز کی مسافت ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

تین روز کی مسافت معتبر ہے۔

رسائل میں ہے:

"الحد الشرعي للسفر عندنا ثلثة أيام فإذا أراد أن يسير من موضع إقامته إلى موضع آخر بينه وبينه (أي موضع الإقامة) ميسرة ثلثة أيام يصير مسافراً" انتهىٰ. (۲) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۱۷)

اپنے اہل وعیال کے دوسری جگہ منتقل ہونے سے وطن کا باقی رہنا، یا زائل ہونا:

سوال: ایک شخص نے جس کا مکان سکونت اس کی زاد بوم وطن اصلی میں ہے، اس کی زوجہ اولیٰ دیگر اعزا واقران اس کے سبب وہیں ہیں، دوسرے شہر میں فقط زوجۂ ثانیہ کے قیام وسکونت کے لیے مکان بنایا، چند سال کے رہنے کے بعد باعث ناموافقت آب وہوا و مبتلاء بامراض رہنے زوجۂ ثانیہ کے وطن زاد بوم میں اپنی زوجۂ ثانیہ کو لے جانا پڑا اور اس دوسرے شہر کے مکان کو مقفل کر دیا، بعضے اسباب خانہ داری بھی اب تک یہیں ہیں اور زوجۂ ثانیہ کا پھر اس دوسرے ایک شہر میں آنا بھی اس دم تک مشکوک ہے، ایسے حال میں وہ شخص اگر ایک دو دن کے لیے کسی ضرورت سے، یا مکان کی نگرانی کے خیال سے اس شہر میں مسافت طے کر کے آئے تو اس کو قصر کرنا ہوگا، یا چار رکعت پوری فرض ادا کرنا ہوگا؟ اس مسئلہ میں جو قول محقق ومفتی بہ بمذہب حنفی ہو، مع نقل عبارت معتبرات رقم فرمایا جاوے؟ **بينوا أيها العلماء الكرام أحسن الله جزاكم يوم القيام.**

---

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۱-۱۳۲، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) رسائل الأركان، فصل فی صلاة السفر، ص: ۱٤٤، المطبع اليوسفی بلكنؤ، انيس

الجواب

فی ردالمحتار: قال فی النهر: ولو نقل أهله ومتاعه وله دور فی البلد لاتبقی وطناً له، وقیل: تبقی، کذا فی المحیط، آه. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں دونوں قول ہیں اور یہی دونوں قول فتح القدیر اور البحر الرائق میں بھی نقل کئے ہیں اور بحر میں دونوں قول کی دلیلیں بھی نقل کی ہیں اور فتح القدیر میں دونوں کی تطبیق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور میرے نزدیک تطبیق ہی مختار ہے، چناں چہ اس صورت میں امام محمد رحمہ اللہ کا قول "**هٰذا حالي وأنا أری القصر إن نوی ترک وطنه**" نقل کر کے لکھا ہے: "**إلا أن أبایوسف کان یتم بها لٰکنه یحمل علٰی أنه لم ینو ترک وطنه، آه**". خلاصہ تطبیق کا یہ ہوا کہ اگر اس دوسرے شہر میں پھر بطور وطن رہنے کا ارادہ نہیں ہے، جس طرح پہلے رہتا تھا، تب تو وطن نہ رہا، وہاں جا کر قصر کرے گا، جب مسافت سفر طے کر کے آئے اور اگر اب بھی اسی طرح رہنے کا ارادہ ہے تو وہ بھی وطن ہے، پس اس شخص کے دو وطن ہو جاویں گے۔

۷/محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ: ۱۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۸۴-۵۸۵)

جس جگہ جائداد ہے، وہاں قصر پڑھے، یا پوری:

سوال: ایک شخص کی اور اس کے باپ بھائیوں کی جائداد اور مکانات ایک قریہ میں واقع ہیں، پہلے ان مالکان کی رہائش اور سکونت بھی اسی قریہ میں تھی، اب کچھ عرصہ سے دوسری جگہ سکونت منتقل کر لی ہے، ان میں سے ایک شخص فصل کے موقع پر وہاں جا کر آمدنی وصول کر لاتا ہے تو جو شخص وہاں جاتا ہے، وہ قصر پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا وہاں قصد ہے تو قصر پڑھے گا اور اگر پندرہ دن، یا زیادہ قیام کے ارادہ سے وہاں جاوے گا تو پوری نماز پڑھے گا اور اگر کچھ ارادہ پختہ نہ ہو؛ بلکہ یہی ارادہ ہے کہ دو چار دن میں چلا جاؤں گا، یا جب وصول ہوگا، چلا جاؤں گا تو برابر قصر کرے گا، (۲) اگر چہ بلا ارادہ زیادہ دنوں ٹھہرنا ہو جاوے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۶۹-۴۷۰) ☆

---

(۱) رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب فی الوطن الأصلی ووطن الاقامة: ۲/۱۲۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) ولو کان له أهل ببلدتین فأیتهما دخلها صار مقیمًا فإن ماتت زوجته فی إحدیهماوبقی له فیها دور وعقار، قیل: لا یبقی وطناً له إذ المعتبر الأهل دون الدار. (رد المحتار، مطلب فی الوطن الأصلی ووطن الاقامة: ۲/۱۳۱، دار الفکر، ظفیر)

(الوطن الأصلی) ... (یبطل بمثله) إذا لم یبق له بالأول أهل. (الدر المختار)

وفی الرد تحت: أی وإن بقی له فیه عقار. (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱-۱۳۲، دار الفکر، انیس)

(۳) ولایزال علٰی حکم السفر حتٰی ینوی الإقامة فی بلدة أوقریة خمسة عشر یومًا أو أکثر. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۳۰)==

بچوں سمیت دوسرے شہر میں قیام پذیر کی نماز کا حکم:

سوال: اپنے بچوں کے ساتھ دوسرے شہر میں رہنے والے کو قصر کی نماز کس گھر میں ادا کرنی ہوگی؟ ماں باپ کے گھر میں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر ماں باپ کے گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ چکا ہے تو یہاں مسافر ہوگا اور اگر اس کو مستقل طور پر چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا تو دونوں جگہ مقیم ہوگا اور پوری نماز پڑھے گا۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸۹/۴)

مرید کا گھر وطن اصلی کے حکم میں نہیں ہے:

سوال: زید اپنے دوران سفر جب کسی مرید کے یہاں قیام کرتے ہیں تو پوری نماز ادا کرتے ہیں اور دوسری جگہ کے قیام میں قصر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرید عقیدتاً، نسبتاً اولاد ہے، اس لئے ہم مرید کے یہاں پہونچتے ہی اقامت کی نیت کر لیتے ہیں خواہ کتنے ہی دن رہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر کوئی شخص مسافت سفر طے کر کے اپنی اولاد کے یہاں بھی جائے تو وہ مسافر ہی رہتا ہے اور پندرہ روز سے کم

== (أوینوی) ... (إقامة نصف شهر) ... (بموضع) واحد(صالح لها) ... (فيقصرإن نوٰی) الإقامة (فی أقل منه أی من نصف شهر... (أودخل بلدة ولم ينوها)أی مدة الإقامة (بل ترقب السفر)غدًا أوبعده (ولوبقی)علٰی ذلک (سنين). (الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۲/ ۱۲۵-۱۲٦،دار الفكر بيروت،ظفير)

☆ قصر کے لیے گھر بنانا معتبر نہیں:

سوال: ایک شخص کی سکونت وطن اصلی میں ہے، دوسرے شہر میں فقط زوجہ ثانیہ کے قیام وسکونت کے لیے مکان بنایا، بعد چند سال کے بوجہ ناموافقت آب وہوا کے زوجہ ثانیہ کو وطن اصلی میں لے جانا پڑا اور اس دوسرے شہر کے مکان کو مقفل کر دیا، بعض اسباب خانہ داری بھی اب تک یہیں ہیں اور زوجہ کا پھر یہاں آنا بھی مشکوک ہے۔ اس صورت میں اگر وہ شخص کسی ضرورت سے مسافت طے کر کے اس دوسرے شہر میں آئے تو اس کو قصر کرنا ہوگا، یا چار رکعت پوری ادا کرنا ہوں گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اس حالت میں اس کو قصر کرنا ہوگا، كما فی شرح المنية: إذ المعتبر الأهل دون الدار وهٰكذا فی رد المحتار. (غنية المستملی، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ٥٤٤، ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۹۲/۴)

(۱) (الوطن الأصلی) ... (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول أهل فلو بقی لم يبطل بل يتم فيهما. (وفی الرد تحت أی بمجرد الدخول وإن لم ينو إقامة. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/ ۱۳۱-۱۳۲، باب صلاة المسافر، ط: ايچ ايم سعيد)

رہنے کی صورت میں اس پر قصر واجب ہے، دو چار روز رہنے کی نیت سے وہ شرعاً مقیم نہیں ہوتا، اگر قصر نہیں کرتا ہے تو ناجائز کرتا ہے، مرید تو شرعاً اولاد بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ مریدہ سے نکاح جائز ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۶/۹/۳/۱۳۷۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۲۰)

متبنی ہونے سے وطن اصلی نہیں بنتا:

سوال: ایک شخص نے دیوبند سے تقریباً تین سو میل کا سفر کیا اور جہاں یہ شخص گیا، وہاں کا یہ متبنی ہے اور وہاں پر آٹھ نو روز قیام کرنے کا ارادہ ہے۔ آیا اس شخص کو دوران قیام نماز پوری ادا کرنی ہوگی، یا قصر ادا کرے گا؟ اگر یہ مذکور شخص نماز پڑھادے بھول کر تو کیا حکم ہے؟ اور اگر جان کر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے؟ دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے، یا الگ الگ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اگر وہ مقام اس کا وطن اصلی نہیں ہے تو صورت مذکورہ میں وہ قصر کرے گا، اتمام نہیں کرے گا، اس کی امامت جائز ہے؛ مگر قصر کے، اتمام کرنے سے مقیم مقتدیوں کی نماز نہیں ہوگی۔(۲) جان کر اتمام کرنے سے گنہگار بھی ہوگا، بھول کر اتمام کرنے سے گنہگار نہیں ہوگا۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۴۹۹)

---

(۱) جو جگہیں وطن اصلی کے حکم میں ہیں، جہاں پہنچتے ہی آدمی مقیم ہوجاتا ہے، ان میں سے مرید کا گھر نہیں ہے۔ [مجاهد]

"(الوطن الأصلي) هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه". (الدرالمختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر:٢/٦١٤، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(٢) لو نوى الاقامة لا لتحقيقها بل ليتم صلاة المقيمين لم يصر مقيما". (وفي الرد قوله:"لم يصر مقيما). فلو أتم المقيمون صلاتهم معه، فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل". (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر:٢/١٣٠، سعيد)

"حتى لو أتم المقيمون صلا تهم معه فسدت صلا تهم ؛لأن هذا اقتدا المفترض بالمتنفل ولا يصح، آه". (منحة الخالق حاشية البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر: ٢/٢٣٨، رشيدية)

(٣) فلو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولى تم فرضه و) لكنه (أساء) لو عامدًا لتأخير السلام و ترك واجب القصر و واجب تكبيرة افتتاح النفل و خلط النفل بالفرض، وهذا لايحل كما حرره القهستاني بعد إن فسر "أساء" "بأتم" "واستحق النار". (الدرالمختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ٢/١٢٨، سعيد)

"فلو أتم و قعد في الثانية صح، وإلا لا): أي وإن لم يقعد على رأس الركعتين، لم يصح فرضه؛ لأنه إذا قعد فقد تم فرضه و صارت الأخريان له نفلاً كالفجر و صار آثما لتأخيره السلام". (البحر الرائق، باب المسافر: ٢/٢٣٠، رشيدية)

رسالة أحكام القصر في بعض أحكام السفر؛ یعنی بعض مسائل متعلق نماز قصر:

سوال: جائے ملازمت گو وطن تو نہیں ہے؛ لیکن وہاں پر اہل وعیال مقیم رہتے ہیں تو کیا محض اہل وعیال کے مقیم ہونے کی بنا پر وہاں ہر حال میں نماز کا اتمام کیا جائے گا، خواہ مسافر ہی ہو اور اگر بوجہ مسئلہ اس کے خلاف جاننے کے ایسے مقام پر قصر ہی پڑھتا رہا تو کیا اعادہ ضروری ہوگا، حالاں کہ یاد نہیں کہ کتنی نمازیں ایسی پڑھی گئیں؟

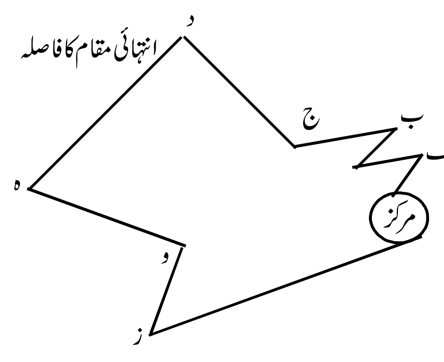
(۲) اگر زوجہ کسی ایسے جگہ مقیم ہو، جو نہ اس کا وطن ہو، نہ اس کے شوہر کی جائے ملازمت ہو تو اس جگہ کا کیا حکم ہے؟

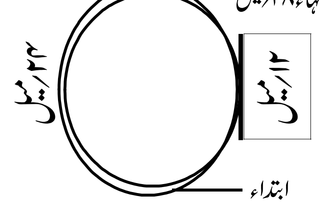
(۳) اگر زوجہ اپنے ماں باپ کے پاس گئی اور وہ مقام ماں باپ کا وطن نہیں ہے؛ مگر ماں باپ وہاں مقیم ہیں تو اگر شوہر وہاں عارضی طور پر بحیثیت مسافر کے جائے تو وہ قصر کرے، یا نہیں؟ اور اگر وہاں زوجہ بھی موجود ہو؛ مگر وہاں اس کا مستقل قیام نہیں؛ بلکہ بطور مہمان کے گئی ہے تو اس صورت میں شوہر مسافر قصر کرے، یا اتمام؟

(۴) کیا زوجہ کے وطن میں بحالت عدم موجودگی زوجہ بھی، یا بحالت موجودگی زوجہ جب کہ خود اس کا قیام مسافرانہ ہو، مسافر شوہر اتمام کرے؟

(۵) دورہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مقامات دورہ تجویز کئے جاتے ہیں، اس صورت میں مجموعی مسافت کا اعتبار ہوگا، یا صرف اس مقام کو جہاں کا فاصلہ مرکز سے بہ نسبت دیگر مقامات دورہ کے سب سے زیادہ ہو، منتہی سفر کا سمجھا جائے گا اور جہاں سے فاصلہ کم ہونا شروع ہو جائے، وہ سفر واپسی سمجھا جائے گا اور اس کا اعتبار نہ کیا جاوے، نیز اگر صورت دورہ اس طرح ہو، جس میں مرکز سے چل کر مرکز ہی پر لوٹنے کا ارادہ ہے اور کل مجموعہ مسافت مرکز سے مرکز تک ۴۸ میل ہے اور درمیان میں جتنے مقامات ہیں، وہ سب مقصود ہیں، قریب کا بھی ارادہ ہے، بعید کا بھی تو اس صورت میں قصر ہوگا، یا نہیں؟

(۶) صورت مذکورہ نمبر: ۵ میں اگر اس طرح مقامات دورہ تجویز کئے جائیں کہ کبھی تو مرکز سے زیادہ فاصلہ کے مقام پر پہنچے اور کبھی کم فاصلہ کے مقام پر اور اس کے بعد پھر دور کے فاصلہ پر جس طرح کہ حسب ذیل نقشہ انتہائی مقام کا فاصلہ میں دکھلایا گیا ہے، اس کا کیا حکم ہے اور آیا مرکز سے کسی مقام کی مسافت بخط مستقیم محسوب کی جائے گی، خواہ راستہ عام بخط مستقیم نہ ہو، بہر صورت؟





(۷) اگر ایک مقام براہ راست تو حد مسافت پر نہیں ہے؛ مگر پھیر کھا کر جاتا ہے اور جس راستہ سے جاتا ہے، اس سے مقدار مسافت قصر پر ہے تو کیا حکم ہے، مثلاً یہ صورت ہے، جو ذیل میں دکھلائی گئی؛ یعنی براہ راست تو صرف بارہ میل اور چکر کھا کر ۲۴+۲۴ = ۴۸ میل۔

(۸) امام مسافر ہے؛ لیکن مسافر مقتدی کو امام کا مسافر ہونا نہیں معلوم تھا؛ اس لیے اس نے چار کی تو کیا وہ پوری چار پڑھے، یا امام کے ساتھ دو رکعت ہی پر سلام پھیر دے؟

الجواب

قال فی البحر عن المحیط: لو کان له أهل بالکوفة و أهل بالبصرة فمات أهله بالبصرة وبقی له دور وعقار بالبصرة، قیل: البصرة لا تبقی له وطنًا له؛ لأنها إنما کانت وطنًا بالأهل، لا بالعقار، ألا ترٰی أنه لو تأهل ببلدة لم یکن له فیها عقار صارت وطناً له وقیل: تبقی وطنا له؛ لأنها کانت وطنًا له بالأهل والدار جمیعًا فبزوال أحدهما لایرتفع الوطن کوطن الإقامة تبقی ببقاء الثقل وإن أقام بموضع آخر، آه، وفی المجتبیٰ نقل القولین فیما إذا نقل أهله ومتاعه وبقی له دورو عقار ثم قال وهٰذا جواب واقعة ابتلینا بها وکثیر من المسلمین المتوطنین فی البلاد ولهم دور وعقار فی القرٰی البعیدة ویصیفون بها بأهلهم ومتاعهم فلابد من حفظها أنهما وطنًا له لایبطل أحدهما بالآخر، آه.(۱)

وفی السراجیة: إذا دخل المسافر بلدة له فیها أهل صار مقیمًا نوٰی الإقامة أو لا. (۶۲/۱)

ان جزئیات سے خصوصاً مجتبیٰ کے جزئیہ سے معلوم ہوا کہ جس مقام پر انسان مع اہل وعیال کے مقیم ہو، گو قیام عارضی ہو کہ زمانہ صیف ہی میں وہاں قیام کرتا ہو، وہ اس کا وطن ہو جاتا ہے اور جب تک وہاں اہل وعیال مقیم رہیں گے، وطن رہے گا، تنہا اس کے سفر سے وہ وطن باطل نہ ہوگا، جب تک وہاں سے اہل وعیال کو منتقل نہ کرے۔ پس صورت مسئولہ جائے ملازمت پر جب اہل وعیال مقیم ہیں، وہاں نماز کامل پڑھنا چاہیے اور چوں کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے؛ اس لیے اس سے پہلے جن نمازوں میں فتوی آخر کی وجہ سے قصر کیا گیا ہے، ان نمازوں کا اعادہ واجب نہیں۔

فإن العامی مکلف بما أفتاه به عالم وطاعاته علٰی قوله صحیحة، کما هو الظاهر.

(۲) شوہر اس حالت میں قصر کرے؛ کیوں کہ مجرد اقامت اہل توطن کو مستلزم نہیں؛ بلکہ یا تو وہ جگہ بیوی کا وطن ہو اور بیوی وہیں رہتی ہو، یا شوہر نے مع اہل وعیال وہاں اقامت کر رکھی ہو اور اس کو اپنے اہل وعیال کا مسکن بنایا ہو، خواہ عارضی ہی ہو، صرف بیوی کے عارضی قیام سے وہ جگہ شوہر مسافر کے لیے موجب اتمام نہ ہوگی۔

---

(۱) البحر الرائق، باب صلاة المسافر: ۱۳۹/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

ودليل الأول ما فی شرح المنية: لوتزوج المسافرببلد ولم ينو الإقامة به،فقيل: لايصير مقيماً وقيل: يصير مقيمًا وهو الأوجه،لما مرمن حديث عثمان"إنی تأهلت بمكة منذ قدمت وإنی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول: من تأهل فی بلد فليصل صلاة المقيم،الخ.(۱)

أی من تأهل ببلد وأقر أهله به لا بدليل قصره صلی اللّٰه عليه وسلم وأزواجه بمكة مع أنه تزوج بمكة ولكن لم يقر أهله به وأما عثمان فقد كان له أهل مكة مقيم لها فصار بها مقيما بمكة كلما أتی بها ولم ينو الإقامة بنفسه بل كانت الإقامة له بها حراماً لكونه مهاجراً.

(۳) اگر بیوی اپنے وطن میں نہیں رہتی؛ بلکہ شوہر کے پاس رہتی ہے تو شوہر اور بیوی دونوں بحالت سفر وہاں قصر کریں گے،بدليل قصره صلی اللّٰه عليه وسلم وأهله بمكة.

(۴) اس کا جواب وہی ہے جو اوپر گذرا۔

قال فی شرح المنية: ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صار مقيمًا وإن ماتت زوجته فی أحديهما وبقی له فيها دوروعقار قيل لا يبقی وطناً له إذ المعتبر الأهل دون الدار كما لوتأهل ببلدة واستقرت سكنا له وليس له فيها داروقيل تبقی،آه.(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ محض "تزوج بلدۃ" یا "اقامت اہل بلدۃ" موجب اتمام نہیں؛ بلکہ اس کے ساتھ استقرار سکونت زوجین بھا،یا استقرار زوجہ وحدہا شرط ہے اور صورت مسئولہ میں استقرار سکونت نہیں ہے،نہ زوج کے لیے نہ زوجہ کے لیے،بخلاف جائے ملازمت کے کہ وہاں استقرار سکونت ہے؛ کیوں کہ وہاں زوج مکان کرایہ پر لیتا اور اسباب تعیش خانہ داری کے لیے مہیا کرتا ہے۔پس وہ نظیر اس جزئیہ کی ہے،جو مجتبی سے اوپر نقل کی گئی ہے،وہاں پہنچ کر زوج مسافر مقیم ہو جائے گا،جب کہ وہاں شوہر کے اہل وعیال مقیم ہیں اور اس مسئلہ میں مالکیہ بھی ہمارے موافق ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے وہ بھی احتجاج کرتے ہیں۔

قال سحنون فی المدونة: وقال مالک فی من خرج من أفريقية يريد مكة وله بمصرأهل فأقام عند هم صلاة واحدة أنها يتمها...قال ابن القاسم:قلت لما لک:الرجل المسافريمربقرية من قراه فی سفر وهولايريد أن يقيم بقرية تلک إلا يومه وليلته وفيها عبيده وبقره وجواريه وليس له بها أهل ولا ولد؟ قال:يقصرالصلاة إلا أن يكون نوی أن يقيم فيها أربعة أيام أويكون فيها أهله وولده فإن كان فيها أهله وولده أتم الصلاة،قلت: أريت إن كانت هٰذه القرية التی أهله وولده مربها فی سفره وقد هلک أهله وبقی فيها ولده يتم الصلاة،أم يقصر؟ قال: يقصر،قال:

(۱) غنية المستملی،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر،ص:۴۳۸،انيس

(۲) غنية المستملی،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر،ص:۵۴۴،انيس

إنما محمل هٰذا رأى القصر بعد هلاک الأهل)عند مالک إذا کانت (القرية بعد هلاکها)مسکناً له،أتم الصلاة و إن لم تکن له مسکنا لم يتم الصلاة،آه. (۱)

و أما قبل هلاکها فهى مسکنا له البتة فإن مسکن المرأة مسکن له کمادل عليه حديث عثمان رضى الله عنه و إمامته بمنٰى و الله تعالىٰ أعلم

(۶،۵) قصر میں اعتبار اس مقام کا ہے،جس کی نیت سے اس نے جائے اقامت سے خروج کیا ہے۔پس صورت مسئولہ میں جو شکل بنائی گئی ہے، اگر سائل نے مرکز سے سفر کرتے ہوئے ، یہ نیت کی ہے کہ وہ مقام ''ز'' پر جائے گا؛ مگر اپنی سہولت کے لیے اس نے مقام ز کا راستہ یوں اختیار کیا کہ مقام ''الف'' و ''ب'' و ''ج'' و ''د'' و ''ہ'' و ''و'' پر گذرتا ہوا جائے اور اس راستہ سے مقام ز مرکز سے مسافت قصر ۴۸ ؍میل، یا تین دن کی مسافت پر ہے تو اس کو نماز قصر کرنا چاہیے، بشرطیکہ تین دن کی مسافت طے کرنے سے پہلے مرکز پر درمیان میں لوٹنے کا ارادہ نہ ہو۔پس اب اس شخص پر ''**خروج من عمارة موضع إقامته قاصدا مسيرة ثلاثه أيام**''صادق آ گیا اور یہی مدار ہے تحقیق سفر کا اور چوں کہ اس کا ارادہ ابتدا ہی سے مقام ''ز'' پر پہنچنے کا ہے،اس طرح کہ ''الف''،''ب''،''ج''،''د''،''ہ''،''و'' کو اس کے لیے طریق بنائے تو یہ کہنا مشکل ہے کہ منتہائے سفر وہ مقام ہے،جس کا فاصلہ مرکز سے سب سے زیادہ ہے؛ یعنی مثلاً ''د'' اور اس کے بعد ''ہ'' اور ''و'' کو سفر واپسی کا سفر بنایا جائے ؛ بلکہ سفر واپسی اس وقت شروع ہوگا، جب کہ وہ ''ز'' سے مرکز کا ارادہ کرے گا، جو اس کے ارادہ میں منتہائے سفر ہے، البتہ اگر یہ شخص مرکز چلتے ہوئے مقام ''ز'' کا براہ ''الف'' و ''ب'' و ''ز'' و ''ہ'' و ''و'' قصد نہ کرے ؛ بلکہ مقام ''د'' کا قصد کرے، جو کہ اٹھارہ میل نہیں ہے اور وہاں سے براہ راست و ''و'' و ''ز'' مرکز پر لوٹنے کا قصد کرے تو چوں کہ مرکز سے چلتے ہوئے،اس نے مسافت قصر کا ارادہ نہیں کیا،اس لیے مسافر نہ ہوگا ، پس اس کو یہ مسافر خود دیکھ لے کہ اس کی نیت مرکز سے چلتے ہوئے مقام ''ز'' تک پہنچنے کی ہے، ور وہاں سے عود الی المرکز کا قصد ہے، یا مقام د تک پہنچنے کی ہے اور وہاں سے عود الی المرکز کا قصد ہے۔صورت اولی میں جو جواب یہاں دیا گیا ہے، وہی امداد الفتاوی ص:۸۵؍ج:۱ میں مرقوم ہے۔

قال فى الدر:(المسافر)(من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصداً) ... (مسيرة ثلثة أيام ولياليها) ... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) ... (ولو لموضع طريقان،أحدهما مدة السفر و لآخر أقل قصر فى الأول دون الثانى،آه. (۱/ ۸۲۰_۸۲۱)(۲)

قلت:فمن خرج من مركز''ہ''قاصدًا موضع''ز''بحيث يجعل مواضع''الألف''و''الباء''

(۱) المدونة،باب فى قصر الصلاة للمسافر: ۱/ ۲۰۶_۲۰۷،دار الکتب العلمية بيروت،انيس

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر:۲/ ۱۲۱_۱۲۳،دار الفکر بيروت،انيس

و"الجيم"و"الدال"و"الهاء"و"الواو"وطريقًا له فقد صدق عليه أنه خرج من موضع إقامته قاصدًا مسيرة ثلثة أيام ولايجعل راجعًا إلى المركز قبل بلوغه موضع"ز"،لكونه منتهى سفره في قصده وإنما يجعل راجعًا إذا خرج من موضع"ز"،فإن رجع من الطريق التي جاء منها قصر حتمًا وإن رجع من طريق أقل قصر أيضًا حتى يدخل عمران مركزه هذا ما علمته والله تعالى أعلم

اور نیت واپسی کی تحقیق بظاہر یہ ہے کہ جو مقام ارادہ مسافر میں منتہی سفر ہے، وہاں سے وطن، یا مرکز اقامت کا قصد کرنا نیت واپسی ہے۔ پس جب تک منتہی سفر سے بارادہ وطن، یا مقام اقامت نہ لوٹے اس وقت تک رجوع کا تحقق نہ ہوگا، اس کو راجع کہا جائے گا، هذاما فهمته ولم أره صريحاً ولا أرجو وجدان التصريح به.

(۷)　اس صورت میں بھی قصر لازم ہے۔

(فإن العبرة للطريق التي سلكها) وفي الرد: ولو كان اختار السلوك فيه بلاغرض صحيح خلافًا للشافعي، كما في البدائع. (شامی)(۱)وقد مرقول الدر:ولولموضع طريقان أحد هما مدة السفرو الآخرأقل قصرفي الأول دون الثاني،آه.

اس کی مثال یہ ہے کہ تھانہ بھون سے دیو بند براہ راست ۱۲/کوس ہے اور براہ ریل مسافت قصر ہے۔ پس براہ ریل تھانہ بھون سے دیو بند جانے والا قصر کرے گا اور یہ نہ کہا جاوے گا کہ سہارن پور سے چل کر اب سفر واپسی شروع ہو گیا؛ کیوں کہ سہارنپور انتہائی فاصلہ کا مقام ہے اور اب سہارنپور سے دیو بند کی طرف جوں جوں قریب ہوں گے تھانہ بھون سے قرب ہوتا جائے گا، مثلا ناگل جو درمیان دیو بند وسہارنپور ہے، تھانہ بھون سے براہ راست ۱۵/کوس ہے، سو اس کا اعتبار نہ ہوگا؛ بلکہ سہارنپور سے دیو بند جاتے ہوئے بھی یہ سفر ہی کر رہا ہے، واپسی نہیں کر رہا ہے، گو اس کا قصد دیو بند سے تھانہ بھون براہ راست ہی آنے کا کیوں نہ ہو، اس مثال سے صورت سابقہ)نمبر:۵،۶) کی بھی وضاحت ہوگئی کہ جو شخص مرکز سے مقام"ز" کا قصد کر کے چلا ہے، وہ مقام"ز" پر پہنچنے سے پہلے راجع نہیں ہے، گو مسافت مقام"د" سے چل کر کم ہوتی جائے اور اگر کوئی شخص تھانہ بھون سے سہارنپور کا قصد کر کے چلا اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ سہارنپور سے واپس تھانہ بھون اس طرح ہوگا کہ سہارنپور سے دیو بند جا کر دیو بند سے براہ راست براہ پیادہ آئے تو یہ شخص مسافر نہیں؛ کیوں کہ تھانہ بھون سے سہارنپور مسافت قصر نہیں اور سہارنپور سے براہ دیو بند جو واپسی ہے، وہ بھی مسافت قصر نہیں؛ اس لیے اتمام کرے گا۔ یہ اس کی مثال ہے، جو جواب سابق میں مرکز سے بقصد د چلنے کی اور وہاں سے براہ "ہ" وو وز مرکز پر واپس ہونے کے مرکوز ہے، فافہم، رہی یہ صورت کہ کوئی شخص مرکز سے مرکز ہی کی طرف عود کرنے کے ارادہ سے سفر شرع کرے، اور بصورت دائرہ سفر کرے مثلاً مرکز اور درمیان میں جتنے مواضع ہیں، وہ سب مقصود ہیں

(۱)　رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر:۱۲۳/۱،دار الفكر بيروت،انيس

اور مرکز سے مرکز تک ۴۸؍میل کی مسافت ہے تو اس صورت میں یہ شخص مسافر نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ خروج من عمارۃ البلد کے وقت مسافت قصر کا قاصد نہیں؛ اس لیے کہ مسافت قصر کا تحقق مرکز سے علاوہ نہیں؛ بلکہ مرکز کو داخل مسافت کر کے مسافت قصر کا تحقق ہوگا اور اس سے سفر کا وجود نہیں ہوسکتا؛ بلکہ وجود سفر کے لیے یہ لازم ہے کہ مقام اقامت سے نکل کر اس کے علاوہ کئی ایسے مقام کا قصد ہو کہ اس میں اور مقام اقامت میں مسافت ۴۸؍میل کی ہو، اس راستہ سے جس کو اس نے اختیار کیا ہے، گو دوسرے راستہ سے مسافت کم ہو، اب اگر مقام اقامت سے علاوہ مسافت قصر نہیں تو یہ مقیم ہوگا اور اس سے علاوہ ۴۸؍میل ہو تو مسافر ہوگا۔

قال مالک في الرجل يدور في القرى وليس بين منزله وبين أقصاها أربعة برد وفيما يدور من دوره أربعة برد وأكثر قال: إذا كان فيما يدور فيه ما يكون أربعة برد قصر الصلاة، آہ. (مدونۃ مالک)(۱)

جس وقت امام نے خود دو رکعت پر سلام پھیرا، اگر مسافر مقتدی کو معاً یہ خیال آ گیا کہ امام مسافر ہے اور اس کے مقیم ہونے کا اور سہواً دو رکعت پر سلام پھیرنے کا شبہ نہیں ہوا، تب تو مقتدی کو دو رکعت پر سلام پھیر کر مطمئن رہنا چاہیے اور اگر امام کے متعلق سہواً دو رکعت پر سلام پھیرنے کا شبہ ہوا تو مقتدی کو امام کے ساتھ نماز ختم کر کے اگر تحقیق سے مسافر، یا مقیم ہونا معلوم ہو گیا تو مسافر ہونے کی صورت میں نماز صحیح ہوگئی اور مقیم ہونے کی صورت میں اعادہ کرے، جیسا جزئیہ آیت مذکور ہے اور اگر تحقیق نہیں کی اور اسی شبہ کی حالت میں مقتدی نے دو رکعت پر اکتفا کیا تو اس نماز کا اعادہ کر لے۔

(والتفصیل فی بہشتی گوہر، ص: ۵۷-۵۸ بحوالہ ردالمحتار: ۸۲/۱، و۸۷۵) فقط

۱۰؍رجب ۱۳۴۶ھ (امدادالاحکام: ۳۳۰/۲-۳۳۷)

وطن اقامت میں پندرہ دن کی نیت ہو تو پوری پڑھے، ورنہ قصر کرے:

سوال: زید کا اصلی وطن الہ آباد ہے اور ملازم انبالہ میں ہے، ہمیشہ دورہ میں رہنا پڑتا ہے۔ انبالہ میں صرف دو ایک روز قیام ہوتا ہے اور ضلع کے بعض مقام ۳۶؍میل سے زیادہ ہیں اور بعض مرتبہ انبالہ کے قرب و جوار میں دورہ کرنا پڑتا ہے، اس کو نماز قصر پڑھنی چاہیے، یا پوری؟

الجواب

وطن اصلی زید کا تو الہ آباد ہی رہے گا اور انبالہ وطن اقامت ہے، وہاں اگر پندرہ روز قیام کی نیت کی گئی تو پوری نماز پڑھنی ہوگی، ورنہ قصر کرنا ہوگا، (۲) اور انبالہ میں اگر پندرہ روز قیام کی نیت ہوئی اور وہاں نماز پوری پڑھی گئی تو پھر جب

(۱) المدونۃ، کتاب الصلاۃ الثاني، باب قصر الصلاۃ للمسافر: ۲۰۷/۱، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) (أو ینوی) (إقامة نصف شهر) حقيقةً أو حكمًا ... (بموضع) واحد (صالح لها) ... (فيقصر إن نوی) الإقامة (في أقل منه) أي من نصف شهر. (الدر المختار علی ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۵/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر)

انبالہ سے ۴۸ر میل سفر کا ارادہ ہو تو قصر کرے، ورنہ پوری پڑھے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۴/۴۶۱)

پہلے قیام کی نیت تھی، پھر نیت بدل گئی تو قصر کرے گا:

سوال: زید مسافر نے قصبہ میں پندرہ روز قیام کی نیت کر کے چار رکعت پڑھا دی؛ مگر عصر کے وقت پندرہ روز قیام کی نیت فسخ کردی اور چار رکعت والی نماز کو دو ہی رکعت پڑھنا پڑھانا شروع کردی تو یہ امامت و نمازیں صحیح ہوئی، یا نہیں؟ مسافر کو بعد نیت قیام عزم فسخ کرنے پر پوری نماز پڑھنی چاہیے، یا قصر؟

الجواب

زید کا پہلے بہ نیت قیام پوری نماز پڑھنا اور بعد کو بوجہ فسخ کرنے نیت قیام کے قصر کرنا درست و صحیح ہے، مسافر کو بعد فسخ کرنے نیت قیام قصر ہی پڑھنا چاہیے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۴/۴۷۳)

اگر کہیں اولاً پندرہ یوم اقامت کی نیت کی تو آس پاس دورہ میں پوری نماز پڑھنا ہوگی:

سوال: ایک آفیسر کا صدر مقام سکندر آباد ہے، جہاں ان کے بال بچے بھی رہتے ہیں اور ان کی ملازمت دوازدہ ماہ کے دورہ کی ہے، سکندر آباد سے ایک طرف علاقہ ۳۲ر میل اور ایک طرف پانچ میل اور ایک طرف ۲۱ر میل اور ایک طرف ۲۲ر میل کے قریب قریب ہے۔ دورہ میں کسی جگہ پر دس روز سے زیادہ قیام نہیں ہوتا اور خاص سکندر آباد میں بھی دس روز سے زیادہ قیام نہیں ہوتا۔ اس صورت میں آفیسر مذکورہ بالا کو سکندر آباد، یا دیگر مقامات میں نماز قصر پڑھنی چاہیے، یا پوری، کیا حکم ہے؟

الجواب

قاعدہ یہ ہے کہ موضع اقامت میں جب تک پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک دفعہ میں نہ ہو، اس وقت تک قصر ہی کرنا چاہیے اور دورہ میں چوں کہ کوئی مقام مسافت شرعیہ؛ یعنی قصر کے قابل نہیں ہے۔ پس اگر اول سکندر آباد میں نیت

---

(۱) ویبطل (وطن الإقامة بمثله و)بالوطن (الأصلي) وبإنشاء(السفر).(الدر المختارعلیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر:۲/۱۲۲،دار الفكر بيروت،انيس)

(۲) ولايزال علیٰ حكم السفرحتی ينوی الإقامة فی بلدة أوقرية خمسة عشر يومًا أوأكثروإن نویٰ أقل ذلك قصر الخ.(الهداية،باب صلاة المسافر:۱/۱۴۹،ظفير)

ولوكان مسافرًا فی أول الوقت إن صلی صلاة السفرثم أقام فی الوقت لايتغير فرضه وإن لم يصل حتیٰ أقام فی آخر الوقت ينقلب فرضه أربعًا،وإن لم يبق من الوقت إلا قدرما يسع فيه بعض الصلاة.(الفتاویٰ الهندية،الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر:۱/۱۴۱،ظفير)

اقامت پندرہ دن کی ہوچکی ہے، تب تو پھر دورہ میں قصر کہیں نہیں ہے اور اگر سکندر آباد میں ہی اول نیت اقامت پندرہ دن کی نہ ہوتی تھی اور نہ پھر کسی دوسرے مقام میں نیت پندرہ دن کے قیام کی ہوئی تو پھر برابر قصر کرے؛ یعنی سکندر آباد میں بھی اور دورہ میں بھی۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۴/۴۴۶-۴۴۷)

مقیم ہونے کے لئے کسی خاص جگہ میں نیت اقامت ضروری ہے:

سوال: ایک پیر ہے وہ منزل سفر طے کر کے ایک ایسے مقام پر پہنچے، جہاں پر ان کے بہت سے مرید ہیں؛ مگر آٹھ دس کوس کے گرد میں ہیں، یا کم اگر وہ آٹھ دس کوس کے اندر نیت اقامت کرے تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

آٹھ دس کوس کے اندر نیت اقامت معتبر نہیں، اس سے مقیم نہ ہوگا، جب تک کسی خالص گاؤں، یا قصبہ میں اقامت نہ کرے، اس طرح کہ رات کو وہیں لوٹ آئے، گو دن میں اور جگہ پھرتا رہے۔ (امداد الاحکام: ۲/۳۳۷-۳۳۸)

سفر کی وجہ سے وطن اقامت باطل ہونے کا مطلب:

سوال: کانپور احقر کا وطن اقامۃ تھا، وہاں سے قنوج گیا، وہاں سے یہاں (گورکھپور) آیا، حال میں تو اس وجہ سے کچھ تردد پیش نہیں آیا کہ بوجہ نیت اقامت ہوجانے کے وہاں بھی اتمام کرتا رہا؛ لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہی فرض کی جائے اور اگر تسلیم کیا جائے کہ ایک شخص کانپور وطن اقامت چھوڑ کر اس نیت سے قنوج گیا کہ دو چار دن کے بعد گورکھپور آوے گا اور یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ کانپور سے قنوج مدت سفر نہیں تو اب لوٹتے وقت قنوج و کانپور کے مابین قصر ہے، یا نہیں؟ احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ قصر نہ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ وطن اقامت، یا سفر سے باطل ہوتا ہے، یا دوسرے وطن اقامت سے، یا وطن اصلی سے، لہٰذا قنوج تک جانے سے کانپور کا وطن اقامت ہونا باقی رہا، لہٰذا قنوج سے گو مدت سفر کا ارادہ ہے؛ مگر بیچ میں وطن بھی ہے، لہٰذا جب تک اس سے تجاوز نہ ہو، تب تک سفر کا حکم نہ ہوگا، جیسے کوئی شخص پانچ منزل کا قصد کر کے پہلے اور دو منزل پر اس کا وطن اصلی ملتا ہو تو بلا تجاوز وطن اصلی اس پر مسافر ہونے کا حکم نہ ہوگا، جو جناب والا کی رائے ہو، اس سے مطلع فرماویں؟

الجواب

(۲) اس مسئلہ میں تصریح تو نہیں ملی؛ مگر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ قنوج تک کا سفر، سفر گورکھپور کا جزو نہ ہوگا؛ کیوں کہ

---

(۱) لایزال علیٰ حکم السفر حتّٰی ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یوماً أو أكثر وإن نویٰ أقل من ذلك قصر. (الهداية، باب صلاة المسافر: ۱/۱۴۸، ظفیر)

(۲) یہ جواب تصحیح الاغلاط، ص: ۶ سے نقل کیا گیا ہے۔ مصحح

قنوج گورکھپور کے طریق میں واقع نہیں ہے؛ اس لیے قنوج تک قصر نہ ہوگا۔ ہاں جب قنوج سے گورکھپور جانے کے لیے چلا ہے، اس وقت دیکھنا چاہیے کہ کانپور میں داخل ہونے کا قصد ہے، یا باہر باہر جانے کا ارادہ ہے۔ پہلی صورت میں کانپور تک قصر نہ ہوگا، گو اثناء سفر میں اس کو کانپور میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آئے اور وہ اس میں داخل ہوجاوے، چناں چہ شامی میں ہے:

”إن إنشاء السفر يبطل وطن الإقامة إذا كان منه أما لو أنشأه من غيره فإن لم يكن فيه مرور علیٰ وطن الإقامة أو كان ولكن بعد سير ثلٰثة أيام فكذلك ولو قبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر؛ لأن قيام الوطن مانع من صحته“. (۱)

اور قاضی خان میں ہے:

”المسافر إذا جاوز عمران مصره فلما سار بعض الطريق تذكر شيئا في وطنه فعزم الرجوع إلى الوطن لأجل ذلك ... وإن لم يكن وطنا أصليا له فإنه يقصر الصلوٰة ما لم ينو الإقامة بها خمسة عشر يومًا“ اھ. (۲)

اور جو جزئیہ آپ نے پیش کیا ہے، اس کا پیش کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس میں وطن اصلی کا بیان ہے اور یہاں وطن اقامت کا ذکر ہے اور وطن اصلی انشاء سفر سے باطل نہیں ہوتا، برخلاف وطن اقامت کے۔ واللہ اعلم

(امداد: ۱/۳۰) (تصحیح الاغلاط: ۱/۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۵۹-۵۶۱)

سوال: ایک شخص کا وطن اقامت کانپور ہے، وہاں سے وہ سہارنپور کی نیت سے روانہ ہوا؛ لیکن چوں کہ کسی ضرورت سے اناؤ جانا ضروری تھا، لہٰذا اول اناؤ گیا، وہاں سے کانپور ہوتا ہوا سہارنپور گیا تو اس صورت میں یہ شخص اناؤ میں اور جاتے آتے اناؤ اور کانپور کے درمیان قصر کرے، یا اتمام؟ میرا خیال یہ ہے کہ اتمام کرے اور جس وقت بعد واپسی از اناؤ کانپور سے بسوئے سہارنپور روانہ ہوا، اس وقت قصر کرے؛ کیوں کہ وطن اقامت، یا تو وطن اصلی سے ساقط ہوتا ہے، یا دوسرے وطن اقامت سے، یا سفر سے اور اناؤ نہ تو وطن اصلی ہے، نہ وطن اقامت اور وہاں سے کانپور واپسی کا قصد ہے، لہٰذا کانپور وطن اقامت باقی رہا، اس اناؤ کی آمد و رفت کا سفر شرعی سفر نہیں ہے، واپسی کے وقت راہ میں اور کانپور آکر قصر نہ کرنا چاہیے؟

الجواب

چوں کہ (۳) نیت اقامت میں یہ شرط ہے کہ وہ موضع صالح اقامت کا ہو اور مفازہ کو غیر صالح کہا گیا ہے، لہٰذا یہ

---

(۱) ردالمحتار، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الاقامة: ۱۳۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) قاضي خان، باب صلاة المسافر: ۱۶۵/۱، انيس

(۳) احقر کے نزدیک اس جواب میں بھی تغیر کی ضرورت ہے اور جواب وہی ہونا چاہیے، جو سفر قنوج و گورکھپور کے باب میں احقر نے دیا ہے۔ (تصحیح الاغلاط: ۷)

دیکھنا چاہیے کہ اناؤ سے واپسی کے وقت کانپور کے اندر داخل ہو کر جاوے گا، خواہ ریل سے اتر کر، یا ریل ہی شہر کے درمیان میں نکلے گی، یا کہ کانپور سے باہر جاوے گا؟ اگر اندر ہو کر جاوے گا، تب تو کانپور سے اناؤ چلتے وقت سفر کا ارادہ ہی نہیں ہوا اور اس چلنے سے کانپور کا وطن اقامت ہونا باطل نہیں ہوا، جیسا کہ ظاہر ہے اور کانپور سے باہر باہر کو جانے کا ارادہ ہے تو جس وقت کانپور سے اناؤ کو چلا ہے۔ سفر کا اراد متحقق ہو گیا اور کانپور وطن اقامت نہ رہا اور کانپور کو لوٹنا اس لیے اس میں قادح نہیں ہوا کہ مفازۃ محل اقامۃ نہیں اور سفر مبطل لوطن الاقامۃ سے مراد انشاء السفر ہے، نہ وجود السفر، کما صرح بہ فی الدر المختار۔ فقط واللہ اعلم

(امداد: ۱/۱۳۱) (امداد الفتاویٰ: ۱/۵۶۱-۵۶۲)

سوال: میں اپنی حالت پہلے عرض کر چکا ہوں کہ قیام فتحپور کی بظاہر امید نہیں، نہ میرا کوئی مکان، نہ وہاں میرا کوئی اسباب دار مسکونہ کا، ایک ثمن نانی صاحب کا ہے جو بطور وصیت مجھ کو مل سکتا ہے، وہ بالکل ناکافی اور چوں کہ وہاں کوئی عزیز وقریب نہیں، سب غیر ہی غیر ہیں؛ اس لیے مکان خرید کرنا بنوانا ایسا ہی ہے، جیسے کہیں پردیس میں بنوانا؛ اس لیے کیا عجب ہے کہ اسی پر رائے قرار پائے کہ قنوج میں مکان تعمیر کیا جائے، گو ابھی تک وہاں کے قیام کی بھی کوئی مستقل رائے قائم نہیں ہوئی۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ فتحپور میرا وطن رہا، یا نہیں؟ اور میں وہاں جا کر قصر کیا کروں، یا اتمام؟ صرف اتنا تعلق میرا باقی ہے کہ نانی صاحبہ وہاں رہتی ہیں وبس، نیز نانی صاحبہ کے وہاں نہ ہونے کی صورت میں اگر کسی وجہ سے جانا ہو تو کیا حکم ہے؟ ایسی حالت میں قنوج کا کیا حکم ہے، قصر کیا کروں، یا اتمام؟ نکاح کرنے سے فقہاء اتمام کا حکم دیتے ہیں، بشرطیکہ وہیں قیام کا ارادہ ہو جائے، حتی کہ اگر دو تین جگہ نکاح کر لے اور عورت کو وہاں سے لانے کا ارادہ نہ ہو، تینوں جگہ اتمام کا حکم ہے اور میری حالت یہ ہے جو مذکور ہوئی، لہذا تردد ہی رہا کرتا ہے کہ مجھ پر قصر ہے، یا اتمام؟

الجواب

(۱) فتحپور یقیناً ایک زمانہ تک آپ کا وطن اصلی رہ چکا ہے۔ اب جب تک دوسرے مقام کو وطن اصلی بنانے کا عزم نہ کیا جاوے گا، وہ بدستور وطن اصلی رہے گا اور چوں کہ ابھی اس پر آپ کی رائے قرار نہیں پائی، لہذا فتحپور میں اتمام واجب ہے۔

فی الدر المختار: الوطن الأصلی) ... (یبطل بمثله) ... الأصل أن الشیء یبطل بمثله و بما فوقه لا بمادونه، آه. (۲)

اور اب تک مجھ کو اس مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہوا کہ صرف تزوج سے وہ جگہ اس کے لیے وطن اصلی ہو جاتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ تزوج سے جب کہ اہل کو وہاں سے لے جانے کا ارادہ نہ ہو، غالباً اس شخص کا بھی ارادہ اس کو وطن اصلی

(۱) اسی مسئلہ کے متعلق ترجیح الراجح حصہ سوم فصل سابع میں علما سے تحقیق کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ (تصحیح الاغلاط، ص: ۷، سعید)
(۲) **الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱-۱۳۲، دار الفکر بیروت، انیس**

بنانے کا اور خود ہمیشہ کے لیے بود و باش کرنے کا ہو جاتا ہے، اس بنا پر اس کو وطن بنانے کا سبب قرار دے دیا ہے، ورنہ مدار خود اس کی نیت اتخاذ وطن اصلی پر ہے، اگر میرا یہ سمجھنا صحیح ہے، تب تو قنوج ہنوز آپ کا وطن اصلی نہیں بنا اور اگر مطلق تاہل سے وطن اصلی ہو جاتا ہے تو وطن اصلی میں تعدد ممکن ہے، جیسا فقہا نے تصریح کی ہے، اس کے وطن اصلی ہونے سے فتحپور کا وطن اصلی نہ ہونا لازم نہیں ہوتا۔ قاضی خاں کی ایک جزئی میری مؤید ہے۔

المسافر إذا جاوز عمران مصره ... إن كان ذلك وطنًا أصليا بأن كان مولده وسكن فيه أولم يكن مولده ولكنه تأهل به وجعله دارًا يصير مقيماً بمجرد العزم الى الوطن.(۱)

اس میں تأہّل کے بعد **جعله داراً** بڑھایا ہے، جیسا **كان مولده** کے بعد **وسكن فيه** بڑھایا ہے۔ پس جس طرح صرف **كان مولده بدون سكن فيه** کے وطن اصلی نہیں بنتا، اسی طرح تأہّل به سے **بدون جعله دارًا** کے وطن اصلی نہ ہوگا۔ فافہم

۱۸/ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد: ۱/۳۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۶۲-۵۶۳)

ترجیح الراجح متعلقہ مسئلہ مذکورۂ بالا:

امداد الفتاویٰ ج ا ص ۳۲ میں مسئلہ ''توطن بہ تزوج'' کا ہے، اس کو دوسرے علما(۲) سے تحقیق کر لیا جاوے۔
(ترجیح ثالث، ص: ۲۳۳)

سوال: زید اپنے مکان و مولد سے سو کوس جا کر پندرہ روز مقیم رہا، پھر وہاں سے دوسرے ملک کو جانے کا قصد کیا تو وہاں سے کیا تین منزل کا قصد قصر کے واسطے معتبر ہوگا، یا مطلق نکلنا وہاں سے معتبر ہوگا، یا مطلق خواہ دو چار کوس ہی جائے تو قصر کرے؟

الجواب

مطلق نکلنا معتبر نہیں؛ بلکہ مسافت قصر کی نیت سے نکلنا مبطل قصر ہوگا۔

فى الدر المختار ويبطل وطن الاقامة (إلى قوله) **وبانشاء السفر اهـ والسفر المعتبر هو الشرعى.**(۳)

۱۲/ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۹۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۶۳-۵۶۴)

(۱) قاضی خان، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/۱٦٥، انیس
(۲) مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ محض تزوج سے مقیم ہو جاتا ہے، دیکھئے فتاویٰ دار العلوم (جدید) ۴/۴۵۸ اور ۴/۴۸۲ میں وضاحت ہے کہ تزوج سے مراد یہ ہے کہ نکاح ہوا اور بیوی کو وہاں سے لے جانے کا ارادہ نہیں ہے، اھ۔ بہر حال خود وہاں رہنے کا عزم ضروری نہیں ہے۔ اب علما کا رجحان حضرت مجیب قدس سرہ کے جواب ۴۹۲ کی طرف ہے؛ یعنی خود وہاں رہنے کا عزم ضروری ہے، جیسا کہ قاضی خان کے جزئیہ میں ہے۔ واللہ اعلم (سعید احمد)
(۳) رد المحتار: ۱/٦٥٦، سعید

کراچی کا رہائشی میر پور میں آٹھ دن رہ کر کراچی آئے جائے تو وہاں کتنی نماز پڑھے:

سوال: میرا کراچی سے میر پور خاص غیر معینہ مدت کے لیے ٹرانسفر ہوگیا ہے، میرا گھر بار کراچی میں ہے، میں ہر ہفتے پابندی سے کراچی آتا ہوں، میں میر پور اتوار سے بدھ تک رہتا ہوں اور جمعرات کو کراچی آجاتا ہوں، مجھے معلوم یہ کرنا ہے کہ!

(۱) مجھے قصر نماز کہاں ادا کرنی ہے؟

(۲) یا مجھے دونوں جگہ پوری نماز ادا کرنی چاہیے؟

(۳) مغرب اور عشا میں کل کتنی قصر رکعات ہوتی ہیں؟

الجواب

کراچی تو آپ کا وطن ہے، یہاں آپ ہر حال میں پوری نماز پڑھیں۔ میر پور میں اگر آپ کا قیام ایک بار پندرہ دن، یا اس سے زیادہ اقامت کی نیت کے ساتھ ہوجائے تو آپ وہاں مقیم ہوجائیں گے،(۱) اور جب تک وہاں ملازمت ہے، وہاں جاتے ہی مقیم ہوجایا کریں گے۔ اگر وہاں پندرہ دن قیام کی نوبت نہیں آتی تو آپ وہاں مسافر ہیں، قصر کریں گے۔ ظہر، عصر، عشا میں قصر کی دو دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ فجر کی دو اور مغرب کی تین رکعتیں سفر میں بھی بدستور رہتی ہیں۔ وتر کی تین رکعتیں ہی سفر میں ادا کریں گے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸۵/۴)

جس شہر میں مکان کرایہ کا ہو، چاہے اپنا، وہاں پہنچتے ہی مسافر مقیم بن جاتا ہے:

سوال: ہمارا ایک مستقل گھر صوبہ سرحد میں ہے اور ایک مستقل ٹھکانا کراچی میں اور اگر ہم سرحد سے کراچی کسی کام کے لیے آئیں اور کراچی میں پندرہ دن سے کم رہنے کا ارادہ ہو تو کیا نماز قصر پڑھنی ہوگی، یا پوری؟

(الف) جب مکان کرائے کا ہو۔

(ب) جب مکان اپنا ہو؟

---

(۱) وأما في غير وطنه فلا يصير مقيمًا إلا بنية الإقامة وأقل الإقامة عندنا خمسة عشر يومًا،الخ. (الحلبي الكبير، فصل في صلاة المسافر: ۵۳۹/۱)

(۲) (صلى الفرض الرباعي ركعتين) حتٰى يدخل موضع مقامه) ... (أوينوى) ... (إقامة نصف شهر) ... (بموضع) ... (صالح لها) ... (فيقصرإن نوٰى) ... (أقل منه ... (الدر المختارعلٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۳/۲ – ۱۲۵، دار الفكر بيروت/تبيين الحقائق: ۵۰۹/۱_۵۱۳، باب صلاة المسافر، ط: دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــ

کراچی آپ کا وطن اقامت ہے، جب تک آپ کا کراچی میں رہنے کا ارادہ ہے اور وہاں رہنے کے لیے کرائے کا مکان لے رکھا ہے، اس وقت تک آپ کراچی آتے ہی مقیم ہوجائیں گے اور آپ کے لیے پندرہ دن یہاں رہنے کی نیت کرنا ضروری نہیں ہوگا اور اس صورت میں آپ یہاں پوری نماز پڑھیں گے اور جب آپ کراچی کی سکونت ختم کرکے یہاں سے اپنا سامان منتقل کرلیں گے اور کرائے کا مکان بھی چھوڑ دیں گے، اس وقت کراچی آپ کا وطن اقامت نہیں رہے گا، پھر اگر کبھی کراچی آنا ہوگا تو اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہوگی تو آپ یہاں مقیم ہوں گے اور اگر ۱۵/دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہوگی تو مسافر ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ جب تک یہاں آپ کا کرائے کا مکان ہے اور جب تک یہاں آپ نے سامان رکھا ہے اور آپ کی نیت یہ ہے کہ آپ کو واپس آکر یہاں رہنا ہے، اس وقت تک یہ آپ کا وطن اقامت ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸۲/۴-۸۳)

دوسرے شہر میں بغرضِ ملازمت قیام ہو تو قصر نماز پڑھیں:

سوال: بمبئی میں میرا ایک مکان ہے اور راشن کارڈ بھی بنا ہوا ہے؛ نیز صوبۂ گجرات ''بلی مورا'' نامی قصبہ میں بھی ایک مکان ہے، جہاں تمام اہل خانہ رہتے ہیں اور ان کا راشن کارڈ بھی بنا ہوا ہے؛ البتہ اس میں میرا نام نہیں ہے اور میری ملازمت بمبئی میں ہے، ہفتہ میں بروز سنیچر اور اتوار دو روز ''بلی مورا'' جاتا ہوں تو کیا بمبئی میں قصر کروں گا؟

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

بمبئی کو اگر وطن نہیں بنایا ہے، صرف ملازمت کی وجہ سے قیام ہے تو آپ بمبئی میں قصر پڑھیں اور اگر بمبئی کو وطن کے طور پر اختیار کرلیا ہے تو بمبئی میں پوری نماز پڑھیں، جیسا کہ گاؤں میں پوری پڑھتے ہیں، صرف دورانِ سفر قصر کریں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۴۹۵/۱)

مقیم دو سفر کے درمیان مدتِ اقامت میں قصر کرے گا:

سوال: زید لکھنؤ میں پندرہ سالوں سے ایک مسجد کا مستقل امام ہے۔ دریں اثناء وہ تین دن کے لیے دہلی جاتا ہے، پھر واپس آکر اپنی مسجد میں پانچ دن، یا دس دن قیام کرنے کے بعد وہ کچھ دنوں کے لیے اپنے گھر (کلکتہ) جاتا ہے تو ان

---

(۱) (الوطن الأصلي) هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول أهل فلو بقي لم يبطل بل يتم فيهما.
وفي رد المحتار: أي بمجرد الدخول وإن لم ينو إقامة، إلخ. (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲-۱۳۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) ماخوذ از کفایت المفتی ۳۵۶/۳، فتاوی دار العلوم دیوبند مطبوعہ کراچی: ۳۷۳/۲

پانچ دنوں میں جوانہوں نے اپنی مسجد میں قیام کیا ہے، دہلی سے آنے کے بعد، نماز قصر کرے گا، یانہیں؟ اور چوں کہ وہ ایک مستقل امام ہے، اس مسجد کا ساری نمازوں میں امامت کرسکتا ہے، یانہیں؟

هو المصوب

کلکتہ اس کا وطن اصلی ہے، لکھنؤ اور دہلی اس کا وطن اصلی نہیں ہے، لہٰذا کلکتہ میں پوری نماز پڑھے گا قصر نہیں کرے گا؛ لیکن لکھنؤ، یا دہلی میں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہوتو قصر کرے گا؛ کیوں کہ اپنی مسجد (جو کہ لکھنؤ میں ہے) میں پانچ دن قیام سے مقیم نہ ہوگا۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۸۲/۳-۱۸۳)

وطن اقامت میں قصر واتمام کا حکم:

سوال (۱) بندہ ایک عرصہ سے الٰہ آباد میں دینی کام کرتا ہے، وطن اصلی بارہ بنکی ہے۔ عموماً پندرہ بیس دن الٰہ آباد میں رہتا ہے اور تین چار دن کے لیے بارہ بنکی چلا جاتا ہے۔ غرضیکہ قیام کی کوئی خاص نیت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ ایک اندازہ ہوتا ہے کہ پندرہ بیس دن رہوں گا، کبھی آٹھ ہی دن میں چلا جاتا ہوں، اس وقت مجھے نماز قصر پڑھنی پڑے گی، یا پوری؟

(۲) کبھی پندرہ دن کی نیت ہوتی ہے؛ لیکن آس پاس کے دیہاتوں میں گزرتا ہے دن اور رات، الٰہ آباد میں قصر ہوگا، یانہیں؟ نیز جو نماز دیہاتوں میں پڑھی اس میں قصر ہوگا، یانہیں؟

الجواب حامدًا و مصليًا

(۱) بارہ بنکی میں آپ جب داخل ہوں گے، پوری نماز پڑھیں گے خواہ وہاں ایک ہی نماز کے بقدر قیام ہو، الٰہ آباد میں اگر پندرہ روز مسلسل قیام کی نیت ہوتو وہاں بھی پوری نماز پڑھیں گے اگر چہ پندرہ روز کی نیت کی صورت میں پہلے سفر کی نوبت آجائے، (۲) اگر پندرہ روز سے کم قیام کی نیت ہوتو وہاں نماز قصر کریں گے۔(۳)

---

(۱) ويبطل (وطن الاقامة بمثله و)بالوطن (الأصلي و)بإنشاء (السفر).(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،،باب صلاة المسافر: ٢/ ٦١٤،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

والحاصل أن إنشاء السفريبطل وطن الإقامة إذا كان منه.أما لوأنشأه من غيره:فإن لم يكن فيه مرور علىٰ وطن الإقامة أوكان ولكن بعد سيرثلاثة أيام فكذلك.(ردالمحتار،مطلب في الوطن الاصلي ووطن الاقامة: ١٣٢/٢،دار الفكر،انيس)

(٢) "حتىٰ يدخل مصره أوينوي الإقامة نصف شهرفي بلد أوقرية)متعلق بقوله:(قصر)"أي قصر إلىٰ غاية دخول المصرأونية الاقامة في موضع صالح للمدة المذكورة فلايقصر،أطلق في دخول مصره،فشمل ما إذا نوىٰ الاقامة به أولاً"(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب المسافر: ٢/ ٢٣٠،رشيدية)

(٣) فيقصر إن نوىٰ)الإقامة(في أقل منه):أي في نصف شهر".(الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر: ٢/ ١٢٥،سعيد)

(۲) اگر الہ آباد میں پندرہ روز قیام کی نیت ہے؛ مگر درمیان میں آس پاس دیہات میں جانے کی ضرورت پیش آ گئی، جو کہ سفر شرعی سے کم مسافرت پر واقع ہیں، تب بھی پوری نماز پڑھی جائے گی۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۰۵-۵۰۶)

وطن اقامت میں قصر صلوٰۃ کی ایک شکل:

سوال: زید ایک سرکاری افسر ہے، تمل ناڈو سکریٹریٹ (Secretarrat) میں معتمد اور (Undersecrtary) کے عہدہ پر فائز ہے۔ شہر مدراس حکومتِ تمل ناڈو کا دارالسلطنت (Head Quarters) ہے۔ مدراس میں اپنے قیام کے لیے زید نے ایک کمرہ کرایہ پر لیا ہے اور کسی قریبی مطبخ میں اپنے طعام کا انتظام کر رکھا ہے۔

مدراس شہر سے پچھتر میل (۱۰۸) کلومیٹر دور کے فاصلے پر میل وشارم (Melvesharam) نام کی ایک بستی ہے، جو زید کا وطن خاص ہے، اس کا اپنا خاص مکان اسی بستی میں ہے اور اس کے اہل وعیال وہیں قیام پذیر ہیں۔ حکومت تمل ناڈو چوں کہ پانچ دن کا کام (Five Day Week) کے اصول پر کار بند ہے اور ہر ہفتہ دو دن یعنی ہفتہ اور اتوار چھٹی کے دن ہیں۔ زید کا معمول یہ ہے کہ ہر جمعہ کی شام بعد نماز عصر اپنے دفتری کام سے فارغ ہو کر شہر مدراس سے اپنے وطن میل وشارم روانہ ہو جاتا ہے، ہفتہ اور اتوار دو دن اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہ کر پیر کی صبح بعد نماز فجر مدراس پہنچتا ہے، ہر ہفتہ یہی اس کا معمول ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ شہر مدراس کے پانچ دن قیام میں زید کو نمازیں پوری پڑھنی چاہیے، یا قصر کرنی ہے؟ یہ امر قابل ذکر ہے کہ شہر مدراس زید کے لیے صدر دفتر؛ یعنی ہیڈ کواٹر کا درجہ رکھتا ہے اور ہیڈ کواٹرس سے باہر میل وشارم کے لیے زید کو ہر ہفتہ اپنے اعلیٰ افسر کی تحریری اجازت لینی پڑتی ہے۔ ان حالات میں زید کا شہر مدراس میں پانچ روز قیام بحیثیت مقیم ہوگا، یا مسافر؟ اسی طرح دوران سفر؛ یعنی مدراس سے میل وشارم جاتے وقت، یا میل وشارم سے مدراس آتے وقت اگر نماز کا وقت آ جائے تو اس وقت نمازیں پوری پڑھنی ہیں، یا قصر کرنی ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں براہِ کرم تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

صورت مسئولہ میں شہر مدراس زید کا وطن اقامت اور میل وشارم وطن اصلی ہے، چوں کہ مدراس شہر کا فاصلہ شرعی

---

(۱) "(قوله: لو نوىٰ مبيته بأحدهما) فإن دخل أولاً الموضع الذى نوىٰ المقام فيه نهارًا، لايصير مقيمًا، وإن دخل أولا مانوىٰ المبيت فيه، يصير مقيمًا، ثم بالخروج إلى الموضع الآخر لايصير مسافرًا، لأن موضع إقامة الرجل حيث يبيت به، حلية. (قوله: أو كان أحدهما تبعا للآخر) كالقرية التى قربت من المصر بحيث يسمع النداء ...وفى البحر: لو كان الموضعان من مصر واحد أو قرية واحدة، فإنها صحيحة؛ لأنهما متحدان حكمًا، ألاترى أنه لو خرج إليه مسافرًا لم يقصر". (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/ ۱۲٦، سعيد)

مسافت (۷۷؍کلومیٹر) سے زیادہ ہے، لہٰذا زید میل وشارم کے حدود سے باہر نکلنے کے بعد مسافر ہو جائے گا اور دوران سفر قصر کرے گا۔ مدراس شہر پہنچ کر پندرہ دن، یا اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو، تب اتمام ہوگا، ورنہ قصر کرنا ہوگا، چوں کہ معمول ہر ہفتہ میل وشارم جانے کا ہے؛ اس لیے قصر کرنا پڑے گا۔ نیز مدراس شہر سے واپسی پر دوران سفر بھی قصر کرنا پڑے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ:۶؍۶۲-۶۴)

نکلنے کا دن بھی قصر میں شمار ہوگا:

سوال: جس دن نکلے اس دن کو چھوڑ کر پندرہ دن رہنے پر مقیم ہوں گے، یا نکلنے والا دن بھی پندرہ واں دن شمار ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

جہاں جانا ہے، وہاں پہنچنے کے بعد سے جوڑا جائے گا، مثلاً: پیر کو آپ کراکت پہنچے تو آپ پیر سے حساب جوڑیں، اگر اگلا ایک پیر چھوڑ کر دوسرے پیر تک وہاں رہنے کا ارادہ ہے تو مقیم ہو جائیں گے، ورنہ مسافر رہیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ:۳؍۱۱۶-۱۱۷)

جہاں باپ مقیم ہو، بیٹا پندرہ دن کی نیت کے بغیر قصر نہ کرے گا:

سوال: ایک شخص بسلسلۂ روزگار اپنے وطن سے بھرتپور آئے، بھرتپور میں اس کے قیام کو چالیس برس کا عرصہ گذر گیا، اس درمیان وہ رخصت لے کر اپنے وطن کو بھی جایا کرتے تھے؛ لیکن کبھی گھر کے آدمیوں کو بھی یہاں پر لے آیا کرتے تھے، بھرتپور میں مکان کرایہ پر لے کر رہتے تھے۔ ان کا لڑکا محمد رفیق ہمراہ تھا، اب وہ دہلی روزگار کی غرض سے چلے گئے، دہلی میں رہتے ہوئے چار پانچ برس ہو گئے، اب اگر محمد رفیق دہلی سے بھرتپور اپنے باپ کے پاس آوے تو نماز پوری پڑھے، یا قصر کرے؟

الجواب ـــــــــــــــ

بھرتپور میں اگر بہ نیت قیام پندرہ یوم نہ آنا ہو، تو نماز قصر کرنی چاہیے؛ کیوں کہ بھرتپور وطن اقامت تھا، سفر کرنے سے باطل ہو گیا۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴؍۴۴۴)

---

(۱) وطن الإقامة يبطل بوطن الإقامة وبإنشاء السفر وبالوطن الأصلي. (الفتاوى الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱٤۰، ظفير)

باپ بیٹے کے یہاں اور بیٹا باپ کے گھر مسافر ہے، یا مقیم:

سوال: ایک شخص اپنے والد کی جائے سکونت سے دور دراز فاصلہ پر رہتا ہے، اگر بیٹا باپ کی جائے سکونت میں یا باپ بیٹا کی جائے سکونت میں جاوے تو قصر پڑھیں گے، یا نہیں؟

الجواب

جب کہ وطن اصلی ہر ایک کا علاحدہ علاحدہ ہو گیا ہے تو ہر ایک ان میں سے دوسرے کے وطن میں جانے سے مقیم نہ ہوگا؛ بلکہ قصر نماز پڑھے گا۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴۶۹/۴)

خود تجارت ایک شہر میں کرے اور بچے دوسرے شہر میں ہوں، تو وہاں کس طرح نماز ادا کرے:

سوال: ایک شخص کی اسی شہر میں دوکان ہے اور اس کے بچے دوسرے شہر میں رہتے ہیں، جو ۴۸ میل سے زیادہ مسافت پر ہے اور یہ دوکان دار بچوں کی خبر گیری کے واسطے جایا کرتا ہے۔ آیا وہاں قصر کرے، یا نہیں؟

الجواب

قصر کرے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴۵۶/۴)

رہائش کہیں اور ہو اور والدین کو ملنے آئیں تو کون سی نماز پڑھیں:

سوال: مسئلہ قصر نماز ہے، میرے والدین یہاں چکوال میں رہتے ہیں؛ لیکن میں کسی وجہ سے کوئٹہ (بلوچستان) میں اپنے بڑے بھائی کے ہاں مقیم ہوں، اب اگر میں ایک ہفتے، یا دس دن کے لیے اپنے والدین کے پاس آؤں تو کیا قصر نمازیں پڑھوں؟

الجواب

اگر آپ نے کوئٹہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی ہے اور چکوال کو اپنا وطن نہیں سمجھتیں تو آپ چکوال میں قصر پڑھیں، بشرطیکہ وہاں پندرہ دن رہنے کی نیت نہ ہو۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۸۳/۴)

(۱) (والوطن الأصلی)هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول أهل.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر :۱۳۱/۲-۱۳۲،دار الفكر بيروت،ظفير)

(۲) لايزال علىٰ حكم السفر حتىٰ ينوى الإقامة فى بلدة أو قرية خمسة عشر يومًا أو أكثر.(الهداية،باب صلاة المسافر:۱۴۹/۱،ظفير)

(۳) (الوطن الأصلی) ... (يبطل بمثله).(الدر المختار)وفى الرد تحت (قوله الوطن الأصلى): ... فلو كان له أبوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنًا له إلا إذا عزم على القرار فيه وترك الوطن الذى كان قبله.(رد المحتار،باب صلاة المسافر:۱۳۱/۲-۱۳۲،دار الفكر،انيس) ==

وہ مسافر جو پندرہ دن کی نیت نہ کرے:

سوال: ایک شخص اپنے مکان سے چھتیس کوس پر تجارت کرتا ہے، اس طور سے کہ کسی شہر میں مکان لے کر رہتا ہے اور باہر دیہات میں بغرض پھیری ہر روز جاتا ہے اور شام کو قیام گاہ پر واپس آتا ہے، بعض دفعہ ایک دو روز کسی گاؤں میں رہنا ہوتا ہے۔ اس صورت میں نماز قصر کرے، یا پوری پڑھے؟

الجواب

اگر پندرہ روز، یا زیادہ اس مقام میں قیام کی نیت ہے تو نماز پوری پڑھنی چاہیے، نیت قیام کے بعد اگر بطورِ پھیری دو دو چار چار کوس کے فاصلہ پر دیہات میں جاوے اور شام کو جائے قیام پر لوٹ آوے تو اس سے قصر نماز کا حکم نہیں ہوتا، پوری ہی نماز پڑھنی چاہیے؛ لیکن اگر اس مقام میں جس میں مکان کرایہ پر لیا، پندرہ روز قیام کا ارادہ نہیں؛ بلکہ اول سے ہی یہ ارادہ ہے کہ فلاں مقام میں جو چھتیس کوس ہے، مکان لے کر دیہات میں پھرا کروں گا اور اس جائے قیام میں قیام نہ کروں گا تو پھر قصر کرے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۹۲)

بلا ارادہ اتفاق سے پندرہ دن رہ جائے تو کیا کرے:

سوال: چند اشخاص تجارت پارچہ کو جاتے ہیں اور ایک جگہ قیام کرتے ہیں، قریب کے مواضعات میں پارچہ فروخت کر کے رات کو جائے قیام پر واپس آجاتے ہیں اور نماز کو قصر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا ارادہ قیام کا نہیں، پارچہ فروخت ہونے پر چلے جاویں گے۔ ایسی حالت میں اگر پندرہ روز، یا زیادہ قیام کی نوبت آجاوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

جب کہ اول پختہ ارادہ پندرہ دن قیام کا وہاں نہ ہو، اگر چہ پندرہ دن، یا زیادہ اتفاق سے قیام ہو جاوے تو ایسی حالت میں نماز کو قصر کرنا چاہیے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۴۳)

== "الوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرىٰ اتخذها دارًا وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها، وهٰذا الوطن يبطل بمثله لاغير، وهو أن يتوطن في بلدة أخرىٰ وينقل الأهل إليها، فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليا حتىٰ لو دخله مسافرا لايتم قيدنا بكونه انتقل عن الأول بأهله؛ لأنه لو لم ينتقل بهم ولكنه استحدث أهلاً في بلدة أخرىٰ، فأن الأول لم يبطل ويتم فيها، (البحر الرائق، باب المسافر: ۱۳۹/۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) عن عبد اللّٰه بن عمر قال: إذا كنت مسافرًا فوطنت نفسك عن إقامة خمسة عشر يوماً فأتمم الصلاة وإن كنت لاتدري متى تظعن فاقصر. (غنية المستملي، باب صلاة المسافر، ص: ۵۰۱، ظفير)

(۲) ولايزال علىٰ حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يومًا أو أكثر ... و لو دخل مصرًا علىٰ عزم أن يخرج غدًا أو بعد غدٍ ولم ينو مدة الإقامة حتىٰ بقي علىٰ ذلك سنين قصر. (الهداية، باب صلاة المسافر: ۱۴۹/۱، ظفير)

ایسی اقامت جہاں پندرہ یوم کی نیت نہ ہو، قصر کرے:

سوال: زید کا وطن اصلی دہلی میں ہے اور جائے اقامت صدر مقام کانپور میں ہے اور اس کو صدر مقام میں اتفاق قیام کا مدام پندرہ دن سے کم پڑتا ہے تو جائے اقامت میں زید قصر پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائے اقامت سے سفر کرنے کے بعد وہ وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے،(۱) پھر اگر وہاں پندرہ دن قیام کی نیت نہیں کی، تو قصر کرنا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۴۸/۴)

جہاں مسلسل پندرہ یوم اقامت کی نیت نہ ہو، قصر کرے:

سوال: ہم لوگ پندرہ سال سے قصبہ تراوڑی میں تجارت کرتے ہیں اور مال لاکر فروخت کرتے ہیں اور یہاں آکر دیہات کو چلے جاتے ہیں؛ مگر مکان کرایہ پر لے رکھا ہے، مکان سے جب ہم آتے ہیں، چار پانچ مہینہ رہتے ہیں؛ مگر پندرہ روز ٹھہرنا نہیں ہوتا، دو روز باہر جاتے ہیں، دو روز تراوڑی رہتے ہیں، نیت یہ ہوتی ہے کہ چار ماہ رہ کر وطن چلے جائیں گے تو نماز قصر پڑھیں، یا پوری؟

الجواب

جب کہ اس جگہ جہاں آپ لوگ بغرض تجارت جاتے ہیں، پندرہ دن کے قیام کی نیت نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ نیت ہوتی ہے کہ دو چار دن ٹھہر کر باہر دیہات میں پھریں گے، کسی گاؤں میں دو دن کسی میں چار دن رہیں گے۔ اسی طرح چار پانچ مہینہ گذارے جاتے ہیں تو اس صورت میں نماز قصر پڑھنی چاہیے، کذا فی کتب الفقہ۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۴۹/۴)

ہاسٹل میں رہنے والا طالب علم کتنی نماز وہاں پڑھے اور کتنی گھر پر:

سوال: میں مہران یونیورسٹی جامشورو میں پڑھتا ہوں، میرا گاؤں یہاں سے ۴۹ میل دور ہے اور میں ہاسٹل میں رہتا ہوں اور ہر جمعرات کو گاؤں جاتا ہوں، یوں میرا گاؤں سے دور پندرہ دن سے کم دن کا قیام ہے۔ سوال یہ ہے کہ مجھے سفری نماز پڑھنی چاہیے، یا پوری؟ نیز یہ کہ گاؤں میں صرف ایک رات رہتا ہوں ہفتے میں۔

---

(۱) وطن الإقامة يبطل بوطن الإقامه وبإنشاء السفر وبالوطن الأصلي. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۴۲/۱، انيس)

(۲) لايزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوماً أو أكثر و إن نوى أقل ذلك قصر (الهداية، باب صلاة المسافر: ۱۴۶/۱، ثاقب بک دپو دیوبند، ظفير)

الجواب

اگر آپ ایک بار ہاسٹل میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلیں تو ہاسٹل آپ کا ''وطن اقامت'' بن جائے گا اور جب تک آپ طالب علم کی حیثیت سے وہاں مقیم ہیں، وہاں پوری نماز پڑھیں گے اور اگر آپ نے ایک بار بھی وہاں پندرہ دن کا قیام نہیں کیا تو آپ وہاں مسافر ہیں اور قصر پڑھیں گے اور گھر پر تو آپ ہر حال میں پوری نماز پڑھیں گے، خواہ ایک گھنٹے کے لیے آئے ہوں۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸۹/۴-۹۰)

سفر میں اس نیت سے کہ خدا جانے کب واپس ہونا ہو، کیا کرے:

سوال: ایک شخص بایں خیال لمبے سفر میں روانہ ہوا کہ خدا جانے میں کب واپس آؤں، وہ قصر کرے، یا نہیں؟

الجواب

اس کو نماز قصر کرنی چاہیے؛ یعنی دو رکعت پڑھنی چاہیے، جب تک کہ پندرہ دن کے قیام کا ارادہ کسی شہر میں نہ کرے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۹۳/۴)

جنگل میں ایک ماہ کے ارادے سے قیام کرے گا تو بھی قصر کرنا ہوگا:

سوال: مسافر باہر جنگل میں ایک ماہ کامل کے ارادہ سے مقیم ہوا تو قصر کرے، یا پوری نماز پڑھے؟

الجواب

جنگل میں مقیم نہیں ہوتا؛ اس لیے اس کو نماز قصر پڑھنی چاہیے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۷۴/۴)

جنگل میں رہنے والوں کے لیے قصر، یا اتمام کا حکم:

سوال: جو لوگ ہمیشہ جنگل باشی ہیں، جیسے قوم اوڈ جو سرکی لیے مع اپنے ٹانڈے کے دہ بہ دہ پھرتے ہیں، جہاں مزدوری مل گئی، کئی کئی روز ٹھہر جاتے ہیں، ورنہ شب باش ہوئے اور چل دیئے۔ ایسے لوگ مسافر ہیں، یا نہیں؟

---

(۱) ولایزال علیٰ حکم السفر حتیٰ ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشرة یومًا أو أکثر. (الفتاویٰ الهندیة: ۱۳۹/۱، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر)

أیضا: ووطن الإقامة وهو أن یقصد الإنسان أن یمکث فی موضع صالح للإقامة خمسة عشرة یوما أو أکثر. (بدائع الصنائع، فقتل وأما بیان ما یصیر المسافر به مقیماً، مبحث فی الأوطان ثلاثة: ۱۰۳/۱)

(۲) لو دخل مصرًا علیٰ عزم أن یخرج غدًا أو بعد غدٍ ولم ینو مدة الإقامة حتی بقی علیٰ ذلک سنین قصر لأن ابن عمر أقام بآذربائیجان ستة أشهر وکان یقصر وعن جماعة من الصحابة مثل ذلک. (الهدایة، باب صلاة المسافر: ۱۴۶/۱، ثاقب بک ڈپو دیوبند، ظفیر)

(۳) وصلاحیة الموضع حتیٰ لو نویٰ الإقامة فی بر أو بحر أو جزیرة لم یصح. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۳۹/۱، ظفیر)

الجواب

یہ لوگ مقیم ہیں، البتہ اگر کسی ایسے مقام پر پہنچنے کے بعد ایک دم سے نیت ایسے مقام کی کریں، جو یہاں سے مسافت قصر پر ہوتو مسافر ہو جاویں گے۔(ھٰکذا فی الدر المختار ورد المحتار)

۱۸ر رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ،ص:۱۹)(امداد الفتاویٰ:۱/۵۷۹)

مختلف جگہوں میں نیت اقامت کا حکم:

سوال: زید پنجاب سے بہ ارادۂ سیاحی بنگالہ کو آیا اور ایک پرگنہ میں بہ ارادۂ اقامت چھ ماہ ٹھہرا، اس صورت سے کہ دوروز ایک موضع میں وعظ کیا، دوروز دوسرے میں، اس صورت سے پانچ چھ ماہ ایک پرگنہ میں جو دس بارہ کوس کی وسعت میں ہے گزارتا ہے، کیا اس صورت میں قصر کرے گا، یا نہ؟

الجواب

قصر کرے گا۔

فی الدرالمختار:(فیقصران نویٰ) الاقامة (فی أقل منه) أی نصف شهر (أو)نویٰ (فیه لکن فی غیر صالح) أو کنحو جزیرة ... (بموضعین مستقلین کمکة و منیٰ،إلخ.(۱)واللّٰه أعلم

۱۲ر ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ (امداد:۱/۹۴)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۷۴)

زید گھوم کر تجارت کرتا ہے اور سامان ایک جگہ رکھتا ہے؛ لیکن وہاں خود ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں رہتا تو وہ نماز پوری پڑھے، یا قصر:

سوال: زید نے اپنا اسباب تجارت اپنے وطن سے (۱۰۰) سومیل کے فاصلہ پر لے جا کر وہاں ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے اور اس مقام سے اسباب لے جا کر دیہات و بیرونجات میں فروخت کرتا ہے۔ بیرونجات سے کبھی ہفتہ کبھی دس روز میں اپنے قیام پر واپس آتا ہے۔ دو چار روز ایک ہفتہ وہاں قیام کر کے پھر اسباب لے کر چلا جاتا ہے اور اس کو فروخت کر کے آٹھ دس روز میں واپس آتا ہے۔ اسی طرح چار چھ روز گزار کر وطن اصل کو واپس آتا ہے۔ زید جس مقام پر اسباب تجارت رکھتا ہے وہ وطن اقامت بن جائے گا یا نہیں اور زید کو نماز قصر ادا کرنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب

اگر اول اس جائے اقامت میں پندرہ دن کے قیام کی نیت کر لی ہے تو اس صورت میں وہاں اور قرب وجوار کے

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر:۲/۱۲۵-۱۲۶،دارالفکر بیروت،انیس

دیہات پر جہاں تک مسافت قصر نہ ہو نماز پوری پڑھتا رہے گا اور اگر جائے اقامت میں اول دفعہ بھی پندرہ روز کے قیام کی نیت نہیں کی تو پھر برابر قصر کرے گا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۵۶)

رات جائے قیام پر گزرے اور دن میں چکر لگائے تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص رخصت سے واپس آ کر ایک ایسی جگہ متعین ہوا کہ اس کو تین چار میل روزانہ جانا پڑتا ہے؛ مگر رات کو اپنے جائے قیام پر واپس آ جاتا ہے، وہ مسافر رہے گا، یا مقیم؟

الجواب

اگر اس نے اس متعینہ جگہ میں اول پندرہ روز کے قیام کی نیت کر لی تھی تو وہ مقیم ہو گیا، پھر اگر روزانہ دو چار میل کہیں جانا پڑے تو اس سے وہ مسافر نہیں ہوتا، اس کو نماز پوری ہی پڑھنی چاہیے اور اگر دوسری جگہ کی تبدیلی ہو جاوے تو وہاں بھی یہی حکم ہوگا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۶۳)

مسافر مختلف قریب قریب جگہوں پر رہے، تب بھی قصر کرے:

سوال (الف) زید کراچی سے پشاور گیا اور پشاور میں پچیس دن رہنے کا ارادہ ہے؛ مگر مختلف مقامات پر دو تین دن رہنا ہے؛ لیکن جن مختلف مقامات پر رہتا ہے، وہ قریب قریب ہیں، ایک فرلانگ، یا آدھا فرلانگ دور دور مختلف دیہات میں، کیا وہ نماز پوری پڑھے گا؟

(ب) عمرو پشاور سے کراچی آیا اور پندرہ دن سے زائد کراچی میں رہتا ہے؛ مگر دو دن ناظم آباد، تین دن ٹاور میں، تین دن کیماڑی میں، یا اس سے بھی تھوڑا دور یا اس سے بھی قریب قریب مقامات پر رہتا ہے، کیا پوری نماز پڑھے گا؟

الجواب

مسافر جب ایک معین مقام (شہر، یا گاؤں) میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت کر لے تو وہ مقیم ہو جاتا ہے اور اس کے ذمہ پوری نماز پڑھنا ضروری ہے اور اگر ایک جگہ رہنے کی نیت نہیں تو وہ بدستور مسافر رہے گا،(۳)

---

(۱) ولایزال علٰی حکم السفر حتٰی ینوی الإقامة فی بلدة أوقریة خمسة عشر یومًا أوأكثر (الفتاویٰ الهندیة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، ظفیر)

(۲) وإن دخل أولا مانوٰی المبیت فیه یصیرمقیماً ثم بالخروج إلی الموضع الآخر لایصیر مسافرًا؛ لأن موضع إقامة الرجل حیث یبیت به (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۶، دارالفکر بیروت، انیس)

(أوینوی) ... (إقامة نصف شهر) ... (بموضع) واحد ... (فیقصر إن نوٰی) الإقامة (فی أقل منه). (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۵، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۳) ولا یزال علٰی حکم السفر حتٰی ینوی الاقامة فی بلدة أوقریة خمسة عشر یومًا أوأكثر. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۳۹، ط: رشیدیة)

اور نماز کی قصر کرے گا۔(۱) پس سوال میں ذکر کردہ پہلی صورت میں وہ مسافر ہے؛ کیوں کہ اس کی نیت ایک جگہ رہنے کی نہیں؛ بلکہ مختلف جگہوں پر رہنے کی ہے، گو ان جگہوں میں زیادہ فاصلہ نہیں اور دوسری صورت میں وہ مقیم ہوگا؛ کیوں کہ کراچی کا پورا شہر ایک ہی ہے، اس کے مختلف محلوں یا علاقوں میں رہنے کے باوجود وہ ایک ہی شہر میں ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۸۷-۸۸)

خسر کا گھر وطن اصلی نہیں:

سوال: کسے از وطن اصلی خود بہ نیت نکاح بجائے دور بمسافتِ قصر رفتہ، زنے را نکاح کردہ در وطن اصلی خود بیاورد و آں زن بعد نکاح بمکان شوہر خود قریب از بست سال بطور مستقل می ماند مگر خانۂ پدرش درانجا موجود است، دریں حالت اگر زوجش گاہ بگاہ نیت سفر بخانۂ آں خسر یا در اطراف آں بروند آیا زوج نماز قصر خواند یا تمام کند و خانۂ خسر برائے او وطن اصلی است، یا نہ؟(۲)

الجواب

ہر گاہ آنکہ ببلد دیگر نکاح کردہ زوجۂ خود را بوطن اصلی خود آورد و خود بموضع تأہل و تزوج یعنی مسکن زوجہ خود اقامت نہ کرد و مستقر نہ شد و نہ زوجۂ خود درانجا گذاشت، آں بلد وطن او نہ شدہ است پس بمجرد دخول دراں بلد مقیم نخواہد شد و اتمام نماز لازم نخواہد شد بلکہ قصر بکند۔ (كذا يفهم من كتب الفقه)

وفقہاء کہ موضع تزوج را وطن فرمودہ اند مراد آنست کہ زوجۂ او درانجا مقیم باشد و ہر گاہ زوجہ اش آنجا مقیم نیست و خود نیز درانجا سکونت نہ کردہ بلکہ زوجۂ خود را بوطن خود بیاورد، پس محض اقامت خسر و وجود خانہ آں خسر درانجا مفید ایں امر نخواہد شد کہ آں بلد را وطن شوہر گفتہ شود۔(۳)

---

(۱) ولو نوى الاقامة خمسة عشر يومًا في موضعين فإن كان كل منهما أصلاً بنفسه نحو مكة ومنى والكوفة والحيرة لايصير مقيمًا، إلخ. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۴۰، انيس)

(۲) خلاصۂ سوال: کوئی شخص اپنے وطن اصلی سے قصر کی مسافت پر دور ایک جگہ نکاح کے ارادے سے گیا، ایک عورت سے نکاح کر کے اپنے وطن اصلی اسے لے آیا اور وہ عورت نکاح کے بعد سے اپنے شوہر ہی کے مکان پر بیس سال سے مکمل رہ رہی ہے اور اس کے باپ کا گھر وہیں موجود ہے۔ ایسی صورت میں اگر شوہر کبھی کبھی سفر کی نیت کر کے اپنے سسر کے گھر، یا اس کے اطراف میں جائے تو کیا شوہر وہاں نماز قصر کرے، یا پوری پڑھے؟ اور سسر کا گھر اس کے لیے وطن اصلی ہے، یا نہیں؟ (انیس)

(۳) ترجمۂ جواب: جو شخص کسی دوسرے شہر میں نکاح کر کے اپنی بیوی کو اپنے وطن اصلی لے آئے اور خود اپنی بیوی کے گھر ٹھہرے نہ مستقل مکان بنائے اور نہ اپنی بیوی کو وہاں رکھے، تو وہ شہر اس کا وطن نہیں ہے، لہذا محض وہاں جانے سے مقیم نہ ہوگا اور نہ پوری نماز پڑھنی لازم ہوگی؛ بلکہ قصر کرے گا۔

اور جن فقہا نے نکاح کے مقام کو وطن فرمایا ہے تو ان کی مراد یہ ہے کہ اس کی بیوی وہاں مقیم ہوگی، جب کہ اس کی بیوی وہاں مقیم نہیں ہے اور خود وہ بھی وہاں سکونت اختیار نہیں کیا ہے؛ بلکہ اپنی بیوی کو اپنے وطن لے آیا ہے۔ پس محض سسر کے وہاں رہنے اور ان کا گھر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس شہر کو شوہر کا وطن کہا جائے، جیسا کہ کتب فقہ سے واضح ہے۔ (انیس)

ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صار مقيماً فإن ماتت زوجته في إحداهما وبقي له فيها دور وعقار، قيل: لايبقى وطناً له إذ المعتبر الأهل دون الدار، إلخ. (۱)

ونیز در جائیکہ اشتباہ باشد کہ قصر کند یا نہ کند آنجا اتمام نماز احوط است۔ (۲)

قال في رد المحتار في موقع الاشتباه: لأنه اجتمع في هذه الصلاة مايوجب الأربع ومايمنع فرجحنا مايوجب الأربع احتياطاً. (۳)

وظاہر است کہ بصورت اختلاف احتیاط در اتمام نماز است نہ قصر۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۶۶/۴)

سسرال وطن اصلی ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص گیا میں مقیم ہے وہ وہاں سے پٹنہ؛ بلکہ پھلواری شریف آنے کی نیت سے چلتا ہے؛ لیکن جہان آباد اسٹیشن سے چھ کوس پر اس کی سسرال ہے، وہ وہاں بھی جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ گیا سے چل کر جہان آباد اترا، بستی میں گیا۔ کئی روز رہ کر پھر پٹنہ آیا اور یہاں سے یکسر گیا جائے گا۔

دریافت کرنا یہ ہے کہ قصر نماز کہاں سے شروع کرے۔ آیا وہ گیا سے نکلنے کے بعد ہی قصر شروع کرے اور تا پہنچنے گیا کے قصر کرتا رہے، یہاں تک کہ اپنی سسرال کے قیام میں بھی قصر کرے، یا گیا سے چل کر اس بستی میں پہنچنے سے پہلے تک قصر کرے، پھر بستی میں پہنچ کر پوری نماز پڑھے، پھر جب پٹنہ آنے لگے اور بستی سے باہر ہو قصر کرے، یا گیا سے اپنی سسرال تک پوری نماز ادا کرے؛ لیکن جب واپس پٹنہ آنے لگے، تب قصر شروع کرے، اس نے کیا یہ ہے کہ گیا سے چل کر سسرال تک تو قصر نہیں کیا؛ بلکہ وہاں سے جب چلا تو قصر شروع کیا۔ میں ان کی وجہ کر بہت پریشانی میں ہوں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

گیا سے چل کر جہان آباد کے نزدیک سسرال میں اگرچہ پندرہ دن سے کم ٹھہرا؛ تاہم قصر نہ کرے؛ کیوں کہ زوجہ کا گھر بھی وطن کا حکم رکھتا ہے، (۵) پھر جب وہاں سے چلا تو اب سفر شروع ہوا۔ پس اگر قصد سفر پٹنہ کا کیا تو اس صورت

---

(۱) **رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الاقامة: ۱۳۱/۲، دار الفكر بيروت، ظفير**

(۲) اور یہ بھی واضح ہو کہ جہاں شبہ ہو کہ قصر کرے، یا اتمام وہاں اتمام نماز ہی احوط ہے۔ انیس

(۳) **رد المحتار، باب صلاة المسافر تحت قوله قاصدًا: ۱۲۲/۲، دار الفكر بيروت، ظفير**

(۴) اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اختلاف کی صورت میں احتیاط اتمام نماز ہی میں ہے، نہ کہ قصر میں۔ انیس

(۵) **تزوج المسافر ببلد صار مقيمًا على الأوجه (الدر المختار)**

وفي الرد تحت (قوله: صار مقيمًا على الأوجه) أي بنفس التزوج وإن لم يتخذه وطنا أولم ينو الإقامة خمسة عشر يوماً. (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۶۱۹/۲، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس)

میں پٹنہ تک مسافت قصر نہیں ہے؛ اس لیے یہاں بھی پوری پڑھے گا؛ لیکن جب پٹنہ سے یکسر گیا واپس ہوا بغیر قیام سسرال تو یہ مسافت سفر ہے، اس صورت میں بوقت واپسی قصر کرے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد حفیظ الحسن، ۲۱؍محرم ۱۳۴۷ھ۔ الجواب صواب: ابوالمحاسن محمد سجاد۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۴۴/۲-۳۴۵)

شوہر کے لیے سسرال وطن اصلی ہے، یا نہیں:

سوال: شوہر کے لیے سسرال وطن اصلی کے حکم میں ہے، یا نہیں؟ یعنی سسرال میں آنے کے بعد اگر پندرہ دنوں سے کم قیام کا ارادہ ہو تو نماز پوری پڑھی جائے گی، یا قصر؟ سسرال میں بیوی کے ہونے، یا نہ ہونے کی صورت میں کچھ فرق ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

کسی شخص کے لیے اس کی سسرال وطن اصلی کے حکم میں ہے، یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ علامہ شامی نے دو قول نقل کیا ہے: ایک تو یہ کہ سسرال شوہر کے لیے وطن اصلی کے حکم میں نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سسرال مطلقاً وطن اصلی کے حکم میں ہے، خواہ بیوی سسرال میں ہو، یا میکہ میں اور خواہ شوہر نے سسرال میں رہنے کا فیصلہ کیا ہو، یا نہ کیا ہو۔ علامہ شامی نے اسی دوسرے قول کو شرح منیہ کے حوالہ سے اوجہ قرار دیا ہے۔

"(قوله: أو تأهله) أی تزوجه قال فی شرح المنیة ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینو الإقامة به فقیل لا یصیر مقیمًا وقیل یصیر مقیمًا وهو الأوجه". (۲)

البتہ فتاویٰ قاضی خاں اور دیگر کتب فقہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کے لیے سسرال مطلقاً وطن اصلی کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ وطن اصلی کے حکم میں اس وقت ہوگا جب کہ بیوی وہیں رہتی ہو، یا شوہر نے وہاں مکان بنالیا ہو، جس سے وہاں رہنے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہو۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضی خاں کی عبارت:

"المسافر إذا جاوز عمران مصره ... إن کان ذلک وطنًا أصلیًا بأن کان مولده وسکن فیه أو لم یکن مولده ولکنه تأهل به وجعله دارًا یصیر مقیمًا بمجرد العزم إلی الوطن". (۱/۱۶۵)(۳)

ردالمحتار میں ہے:

"ولو کان له أهل ببلدتین فأیتهما دخلها صار مقیمًا، فإن ماتت زوجته فی إحداهما وبقی له

---

(۱) من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا)... (مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها)... (صلی الفرض الرباعی رکعتین) وجوباً. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۵۹۹/۲-۶۰۳، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۲) ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۶۱۴/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۳) قاضی خان، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۶۵/۱، انیس

فیھا دور وعقار قیل لایبقی وطنًا له،إذالمعتبر الأهل دون الدار،كما لوتأهل ببلدة واستقرت سكنًا له وليس له فيها دار،وقيل تبقى،آه.(٦١٤/٢)(۱)

ہمارے علما اور مفتیان کرام نے فتاویٰ قاضی خاں کی اس عبارت ہی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا کہ شوہر کے لیے سسرال مطلقاً وطن اصلی کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ وطن اصلی کے حکم میں اس وقت ہوگا، جب کہ یا تو بیوی وہاں رہتی ہو، یا شوہر نے مکان بنا کر رہنے کا عزم کرلیا ہو۔ غور کرنے سے یہی قول راجح بھی معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے کہ کوئی بھی جگہ وطن اصلی اس وقت قرار پاتی ہے، جب کہ وہاں رہنے کا پختہ ارادہ ہو، بیوی جب اپنے میکہ میں ہو، یا شوہر نے وہاں مکان بنالیا ہو تو ان دونوں صورتوں میں شوہر کا وہاں رہنا سمجھ میں آتا ہے، لہٰذا ان دونوں صورتوں میں وہ جگہ وطن اصلی کے حکم میں ہوگی، مطلقاً سسرال کو وطن اصلی قرار نہیں دیا جائے گا، البتہ فقہا یہ بھی اصول بیان کرتے ہیں کہ جس جگہ قصر اور اتمام میں اشتباہ ہو، وہاں پر احتیاطاً اتمام اولیٰ وافضل ہے، جیسا کہ شامی میں ہے:

"قال في رد المحتار في موقع الاشتباه: لأنه اجتمع في هذه الصلاة ما يوجب الأربع وما يمنع فرجحنا ما يوجب الأربع احتياطًا" .(۲)

لہٰذا جب کہ سسرال کے وطن اصلی ہونے میں اختلاف ہے اور شامی کی صراحت کے مطابق راجح قول وطن اصلی ہونے کا ہے تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ مطلقاً سسرال میں نماز پوری پڑھی جائے اور قصر نہ کیا جائے، خواہ بیوی وہاں موجود ہو، یا نہ ہو اور شوہر نے وہاں مکان بنا کر رہنے کا عزم کیا ہو، یا نہ کیا ہو۔(۳)

اور فتاویٰ دارالعلوم جدید میں ہے:

ہرگاہ آنکہ ببلد دیگر نکاح کردہ زوجۂ خود را بوطن اصلی خود آورد و خود بموضع تأہل وتزوج؛ یعنی مسکن زوجہ خود اقامت نہ کرد و مستقر نہ شد و نہ زوجۂ خود در آنجا گذاشت آن بلد وطن او نہ شدہ است پس بمجرد دخول در آں بلد مقیم نخواہد شد واتمام نماز لازم نخواہد شد؛ بلکہ قصر بکند۔ **(كذا يظهر من كتب الفقه)**

وفقہاء کہ موضع تزوج را وطن فرمودہ اند مراد آنست کہ زوجۂ او در آنجا مقیم باشد و ہرگاہ زوجۂ اش آنجا مقیم نیست وخود نیز در آنجا سکونت نکردہ؛ بلکہ زوجۂ خود را بوطن خود بیاورد پس محض اقامت خسر و وجود خانۂ آں خسر درانجا مفید ایں امر نخواہد شد کہ آں بلد را وطن شوہر گفتہ شود۔

"ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخل صار مقيماً فإن ماتت زوجته في إحداهما وبقى له فيها

---

(۱) رد المحتار، باب صلاة المسافر: ٦١٤/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ٦٠١/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) دیکھئے: امدادالفتاویٰ: ۵۶۳/۱

دور وعقار قيل لا يبقى وطنًا له إذ المعتبر الأهل دون الدار". (۱)

ونیز درجائیکہ اشتباہ باشد کہ قصر کند یا نہ کند آنجا اتمام نماز احوط است۔

قال في الشامي في موقع الاشتباه: لأنه اجتمع في هذه الصلوة ما يوجب الأربع وما يمنع فرجحنا ما يوجب الأربع احتياطًا. (۲)

وظاہر است کہ بصورت اختلاف احتیاط در اتمام نماز است نہ در قصر۔ (۴۶۶/۴۔۴۶۷) (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۵/۳/۲۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۶۷/۲۔۴۶۹)

مرد سسرال میں مقیم ہوتا ہے، یا مسافر:

سوال (۱) زید کا نکاح سہارنپور ہوا، جو اس کے وطن سے سو میل ہے، زید منکوحہ کو وطن لے آیا۔ اگر زید ایسی صورت میں سہارنپور جائے کہ اس کی منکوحہ سہارنپور نہ ہو تو زید مقیم ہوگا، یا مسافر؟

(۲) اگر زید کی منکوحہ فوت ہو جائے تو وہ سہارنپور جا کر مقیم ہوگا، یا مسافر؟

(۳) زید ساکن الہ آباد اور ہندہ ساکنہ سہارنپور، دونوں سفر کرتے ہوئے مرادآباد پہنچے، وہاں دونوں کا نکاح ہو گیا تو زید مرادآباد میں مقیم ہوگا، یا مسافر؟

الجواب

درمختار میں ہے:

ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صار مقيماً فإن ماتت زوجته في إحداهما وبقي له فيها دور وعقار قيل لا يبقى وطناً له إذ المعتبر الأهل دون الدار كما لو تأهل ببلدة واستقرت سكناً له و ليس له فيها دار وقيل تبقى، إلخ. (۴)

---

(۱) رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الاقامة: ۱۳۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) جب کوئی شخص دوسرے شہر میں نکاح کر کے اپنی بیوی کو اپنے وطن اصلی میں لائے اور جو خود شادی کرنے کی جگہ میں؛ یعنی بیوی کی سکونت گاہ میں اقامت نہ کرے اور اس کو ٹھکانہ بنائے اور نہ اپنی زوجہ کو اس جگہ میں چھوڑے تو وہ شہر اس کا وطن اصلی نہیں ہوگا، لہٰذا صرف اس شہر میں داخل ہونے سے مقیم نہیں ہوگا اور پوری نماز پڑھنا لازم نہیں ہوگا؛ بلکہ قصر کرے گا، جیسا کہ کتب فقہ سے ظاہر ہے اور فقہا نے جو شادی کی جگہ کو وطن قرار دیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی بیوی اس جگہ نہ رہتی ہو اور جب اس کی بیوی اس جگہ نہ رہتی ہو اور وہ خود بھی وہاں سکونت پذیر نہ ہو؛ بلکہ اپنی بیوی کو اپنے وطن لے آئے تو محض خسر اور اس کے اہل خانہ کا وہاں رہنا اس امر میں مفید نہیں ہوگا کہ اس شہر کو شوہر کا وطن کہا جائے، ...... نیز جس جگہ قصر اور اتمام میں اشتباہ ہو جائے، ایسی تمام جگہوں میں احتیاط یہی ہے کہ نماز پوری پڑھی جائے...... اور ظاہر ہے کہ اختلاف کی صورت میں احتیاط پوری نماز پڑھنے میں ہے، نہ کہ قصر میں۔ [مجاہد]

(۴) ردالمحتار، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي و وطن الاقامة: ۱۳۱/۲، دار الفكر بيروت، ظفير

اس سے دوسری صورت؛ یعنی (ب) کا جواب تو واضح ہوگیا کہ زوجہ کے مرجانے کے بعد سہارنپور اس کا وطن اصلی نہ رہے گا، خصوصاً جب کہ وہاں اس کا گھر اور زمین بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ اختلاف جو کچھ ہے، وہ بصورت دار وعقار باقی رہنے کے ہے اور اس میں اتمام احوط ہے اور پہلی صورت (الف) میں بھی جب کہ اس کی زوجہ وہاں نہیں ہے تو بظاہر وہاں جا کر مقیم نہ ہوگا اور تیسری صورت (ج) میں بھی مرادآباد ان کا وطن نہ ہوگا، اس میں تو کچھ شبہ نہیں ہے، صرف شبہ روایت شرح منیہ (۱) کے موافق پہلی صورت میں ہے؛ لیکن فقہا نے یہ قاعدہ بھی لکھ دیا ہے کہ جہاں شبہ ہو، وہاں پوری نماز پڑھے کہ اس میں احتیاط ہے، جیسا کہ شامی میں موقع شبہ میں لکھا ہے:

لأنه اجتمع فی هذه الصلاة مایوجب الأربع ومایمنع فرجحنا مایوجب الأربع احتیاطاً. (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۷۰-۴۷۱) ☆

سسرال جو تین منزل پر ہے، قصر کرے، یا نہیں:

سوال: زید اگر اپنے سسرال میں جاوے، جو تین منزل پر ہے، قصر کرے، یا نہ؟ یعنی پندرہ روز، یا کم کے ارادہ سے جاوے، اسی طرح ہندہ اپنی سسرال میں بہ ارادہ کم از پندرہ یوم جاوے، جو تین منزل پر ہے، قصر کرے گی، یا نہ؟

الجواب

قال فی الدر المختار: (الوطن الأصلی) هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه، إلخ.

وفی الرد: (قوله أو تأهله) أی تزوجه، قال فی شرح المنیة: ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینو الإقامة به فقیل لایصیر مقیمًا وقیل یصیر مقیمًا وهو الأوجه إلخ. (۳)

(۱) شرح منیہ کی وہ روایت یہ ہے: ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینو الإقامة به فقیل لایصیر مقیماً وقیل یصیر مقیماً وهو الأوجه، إلخ. (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۲) ردالمحتار، باب صلاة المسافر، تحت قوله قاصدًا: ۲/۱۲۲، دار الفکر بیروت، ظفیر

☆ **سسرال میں قصر کرے، یا پوری پڑھے:**

سوال: سسرال میں دس کوس کا فاصلہ ہے تو زید کو سسرال پہنچ کر پوری نماز پڑھنا چاہیے، یا قصر؟

الجواب

سسرال میں پہنچنے پر پوری نماز پڑھے۔

کما فی رد المحتار: (قوله أو تأهله): أی تزوجه، قال فی شرح المنیة (غنیة المستملی: ۱/۵۰۵، ظفیر): ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینو الإقامة به فقیل لایصیر مقیما وقیل یصیر مقیما وهو الأوجه، إلخ. (رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب فی الوطن الأصلی ووطن الاقامة: ۲/۱۳۱، دار الفکر بیروت، انیس) (دس کوس مسافت قصر نہیں ہے؛ اس لیے صورت مسئولہ میں قصر کا سوال پیدا نہیں ہوتا، ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۸۸-۴۸۹)

(۳) دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱، دار الفکر بیروت، انیس

فالأصلي وهومولد الإنسان أوموضع تأهل به ومن قصده التعيش به لاالارتحال عنه. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ زید اور ہندہ صورت مذکورہ میں نماز پوری پڑھیں۔ فقط (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۹۳/۴)

زوجہ کے وطن میں قصر کرے، یا نہیں:

سوال: زید مع اہل وعیال سسرال میں آیا، جو مقدار مسافت قصر پر ہے۔ زید اور اس کی بیوی قصر کریں، یا نہیں؟ اور اس کی نگرانی دوسرے قرابت داروں کے ماتحت کیا ہے؟ کیا قدیم وطن اصلی کو جہاں زینات اور دیگر قرابت دار ہیں، جیسے ہمشیرہ واخ وبہنوئی آوے تو قصر پڑھے، یا نہیں؟

الجواب

جس شہر میں انسان اپنا نکاح کرے، وہ بھی مثل وطن کے ہوجاتا ہے، لہٰذا شوہر کو سسرال میں قصر نہ کرنا چاہیے، نماز پوری پڑھے، اسی طرح عورت بھی۔

قال فی الدر: (الوطن الأصلی) هوموطن ولادته أوتأهله أوتوطنه، آه. (۸۲۹/۱) (۳)

قلت: وهٰذا لايصح مطلقًا بل فيه تفصيل كما سيأتي.

(۲) دوسری صورت میں دونوں وطن اصلی ہیں، قدیم وطن میں جب جاوے نماز پوری پڑھے۔

(۱) غنية المستملي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ۵۴۴، ظفير

(۲) ضمیمہ: مندرجہ بالاصفحات میں دو مسئلے زیر بحث ہیں۔ پہلا مسئلہ: تَوَطُّنْ به تَزَوُّج کا کیا مطلب ہے۔
دوسرا مسئلہ: شوہر کے گھر رخصت ہوجانے کے بعد عورت کا میکہ وطن اصلی باقی رہتا ہے، یا نہیں؟

(۱) سوال: ''جہاں شادی کرے، وہ وطن کے حکم میں ہے، یا نہیں''، ''عورت جب شادی کے بعد اپنے والدین کے گھر جائے، الخ''، ''سسرال میں جاکر نماز پوری پڑھی تو کیا حکم ہے''، ''سسرال میں قصر کرے، یا پوری پڑھے۔۔۔'' اور ''سسرال جو تین منزل پر ہے، قصر کرے، یا نہیں'' کے جوابات میں ہے کہ محض تزوّج سے شوہر کے لیے سسرال وطن اصلی ہوجاتا ہے۔ چاہے اس کا سسرال میں رہنے کا ارادہ ہو، یا نہ ہو۔ نیز چاہے اس کی بیوی وہاں رہتی ہو، یا اسے دوسری جگہ منتقل کرلیا ہو، اسی طرح عورت کے شوہر کے گھر رخصت ہوجانے کے بعد بھی اس کا میکہ اس کا وطن اصلی باقی رہتا ہے۔

(۲) اور سوال ''خسر کا گھر وطن اصلی نہیں''، ''مرد سسرال میں مقیم ہوتا ہے، یا مسافر'' اور ''عورت کا وطن اصلی سسرال ہے، یا والدین کا گھر، الخ'' کے جوابات میں یہ ہے کہ محض تزوّج سے سسرال شوہر کے لیے وطن اصلی نہیں ہوتا۔ سسرال شوہر کے لیے وطن اصلی صرف اس صورت میں ہوتا ہے، جب شوہر کا سسرال میں رہنے کا ارادہ ہو، یا اس کی زوجہ وہاں رہتی ہو اور عورت کے لیے شوہر کے گھر رخصت ہونے کے بعد میکہ وطن اصلی باقی نہیں رہتا۔

ان مختلف فتاویٰ میں نمبر: ۲ کے فتاویٰ صحیح ہیں اور نمبر: ۱ کے فتاویٰ میں شرح منیہ کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے، وہ استدلال واضح اور موافق قواعد نہیں ہے۔ واللہ اعلم (محمد امین، ضمیمہ، ص: ۱۵-۱۶)

(۳) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس

قال في الهندية: ولو انتقل بأهله ومتاعه إلٰى بلد وبقى له دور وعقار في الأول، قيل: بقي الأول وطنًا له وإليه أشار محمد رحمه الله في الكتاب، كذا في الزاهدي، آه. (۱/ ۱۹۱)(۱) واللہ اعلم

۲۲؍ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۳۰۷)

داماد سسرال میں قصر کرے، یا اتمام:

سوال: زید کا سسرال اتنی دور ہے جتنی دور میں آدمی شرعی مسافر ہو جاتا ہے، یا اس سے بھی دور ہے، زید اگر اپنی سسرال جائے تو زید کو وہاں پہنچ کر قصر نماز پڑھنی ہوگی، اگر پوری نماز پڑھنی ہوگی تو اس کی کیا وجہ ہے؟ قاعدہ کی رو سے وہ مسافر ہو چکا اور پھر وہ پوری نماز پڑھے اور زید کا ارادہ بھی وہاں ٹھہرنے کا دو دن، یا کم و بیش کا ہے؛ یعنی پندرہ یوم سے کم، پھر بھی وہ مسافر نہیں ہوا۔ فتاویٰ دار العلوم: ۴/ ۴۷۱(۲) پر تحریر ہے: ''اگر کسی آدمی کی زوجہ گھر پر ہو اور پھر وہ آدمی سسرال کو جائے جب کہ اس کی بیوی سسرال میں نہیں ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا، بلکہ مسافر رہے گا''۔

اور ۴/ ۴۸۸(۳) پر تحریر ہے کہ ''سسرال میں پہنچ کر پوری نماز پڑھے، قصر نہ کرے''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقیم رہے گا اور اوپر کے مسئلہ سے معلوم ہوا کہ مسافر رہے گا۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا مسافر ہونے کے لیے سسرال میں عورت کا ہونا ضروری ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو اگر عورت سسرال میں ہو تو زوجہ کا میکہ آدمی کی سسرال نہ رہے گا اور مسافر ہونے کی کیا کیا شرطیں ہیں؟ ایک شرط ۴۸؍ میل ہے اور اس کے علاوہ جو شرائط ہوں تحریر فرمائیں؟ اور کیا محض نکاح کی وجہ سے زید کا سسرال وطن بن جاتا ہے، جب کہ زید نہ سسرال میں رہتا ہے اور نہ آئندہ کے لیے اس کا کوئی وہاں رہنے کا قصد ہے؟

ایضاً:

سوال: بہشتی زیور میں مسافرت کی نماز کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ ''بیاہ کے بعد اگر عورت مستقل طور پر اپنے سسرال رہنے لگے تو اس کا اصلی گھر سسرال ہے تو اگر تین منزل چل کر میکہ گئی اور پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہیں ہے تو مسافر رہے گی۔ مسافرت کے قاعدہ سے نماز و روزہ کرے اور اگر وہاں کا رہنا ہمیشہ کے لیے نہیں ٹھانا تو جو وطن پہلے سے اصلی تھا، وہ اب بھی رہے گا''۔(۴) عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ عورت بیاہ کے بعد سسرال ہی میں رہتی ہے؛ لیکن رنج وخوشی کے موقعہ پر میکہ چلی جاتی ہے۔ کیا مسئلہ مذکورہ میں یہی صورت مراد ہے؟

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/ ۱۴۲، انيس

(۲) فتاویٰ دار العلوم دیو بند، کتاب الصلوٰۃ، مسائل صلوٰۃ المسافر: ۴/ ۴۷۱، مکتبہ امدادیہ ملتان

(۳) فتاویٰ دار العلوم دیو بند، کتاب الصلوٰۃ، مسائل صلوٰۃ المسافر: ۴/ ۴۸۸، مکتبہ امدادیہ ملتان

(۴) بہشتی زیور، حصہ دوم، باب بیست و یکم، مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان، ص: ۱۵۹، دار الاشاعت کراچی

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(۱) ص:۴۸۸ کے سوال میں تصریح ہے: سسرال میں اگراسی ،۸۰رکوس کا فاصلہ ہے تو زید کو سسرال پہنچ کر پوری نماز پڑھنی چاہیے، یا قصر کرنا چاہیے"؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ پوری نماز پڑھے۔ اس مسافت پر شرعی سفر نہیں ہوتا۔ ص:۴۷۱ کے سوال میں سومیل کی تصریح ہے، جس پر شرعی سفر کے احکامات جاری ہوتے ہیں۔ یہ فرق بدیہی ہے، محض کسی جگہ نکاح کر لینے سے وہ جگہ وطن اصلی نہیں ہو جاتی، جیسا کہ ص:۴۷۱ کے ایک سوال میں ہے کہ "زید ساکن الٰہ آباد اور ہندہ ساکنہ سہارنپور دونوں سفر کرتے ہوئے مرادآباد پہنچے، وہاں دونوں کا نکاح ہو گیا تو زید کا مرادآباد وطن نہ ہوگا، وہاں قصر ہی کرے گا، البتہ اگر کسی مقام جو کہ سسرال کا شہر ہے، وہاں نکاح ہوا اور یہ طے پا جائے کہ باوجود نکاح کے زوجہ کو شوہر کے مکان پر رخصت کر کے نہیں بھیجا جائے گا؛ بلکہ وہ ہمیشہ اپنے والدین کے مکان ہی پر رہے گی اور شوہر کو بھی یہیں رہنا ہوگا، جس کو خانہ دامادی کہا جاتا ہے، اس صورت میں شوہر کے حق میں سسرال بھی وطن اصلی کے حکم میں ہے، یہاں آ کر بھی اس کو اتمام کرنا ہوگا، اگرچہ مسافت طے کر کے آئے اور پندرہ روز سے کم ٹھہرنا ہو"۔

"الوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرىٰ اتخذها دارًا وتوطن بها مع أهله و ولده وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها، وهٰذا الوطن يبطل بمثله لا غير، وهو أن يتوطن في بلدة أخرىٰ وينقل الأهل إليها، فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليًا حتىٰ لو دخله مسافراً لا يتم قيدنا بكونه انتقل عن الأول بأهله؛ لأنه لو لم ينتقل بهم ولكنه استحدث أهلاً في بلدة أخرىٰ، فإن الأول لم يبطل ويتم فيهما، إلخ". (البحر الرائق)(۱)

جہاں نکاح کی یہ صورت نہ ہو، وہ وطن اصلی کے حکم میں نہیں، مسافر ہونے کے لیے تین منزل کی مسافت تقریباً ۴۸رمیل کی نیت سے جائے۔ وطن اصلی، یا وطن اقامت کی آبادی سے خارج ہو جائے، بس اتنا ہی کافی ہے۔(۲)

(۲) بعض علاقوں میں دستور ہے کہ شادی کے بعد لڑکی اپنے شوہر کے مکان پر ایک دو دن کے لیے بطور مہمان کے جاتی ہے، پھر واپس چلی آتی ہے۔ کچھ مدت کے بعد پھر دو چار روز کے لیے جاتی ہے اور چلی آتی ہے۔ کچھ عرصہ تک یہی حال رہتا ہے۔ اس صورت میں میکہ اس کا وطن اصلی رہتا ہے، وہ وہاں اتمام کرتی ہے اور شوہر کا مکان ابھی وطن اصلی نہیں بنا، پھر مستقلاً شوہر کے مکان پر قیام کے لیے آ جاتی ہے کہ اصالۃً اب اسے یہاں رہنا ہے، بوقت

---

(۱) البحر الرائق، باب المسافر: ۲۳۹/۲، رشيدية

(۲) من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصداً) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) ... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) ... (صلىٰ الفرض الرباعي ركعتين)وجوبا". (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲-۱۲۳، سعيد)

ضرورت میکہ جانا ہوگا؛ اس لیے شوہر کا وطن ہی اس کا وطن اصلی کہلاتا ہے، اب وہاں قصر نہیں کرے گی۔(۱) بہشتی زیور کی مراد یہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۹۵-۴۹۸)

جہاں نکاح ہو، کیا وہ مطلقاً وطن اصلی کے حکم میں ہے:

سوال (۱) درمختار میں وطن اصلی اس جگہ کو بھی لکھا ہے: ''أو تأهله''، یعنی نکاح کرنے کی جگہ تو کیا مطلقاً وہ جگہ جہاں نکاح ہوا ہے، وطن اصلی ہے، یا اس کا کچھ اور مطلب ہے؟ اور اس کی کیا تفصیل ہے؟

عورت کا وطن اصلی سسرال ہے، یا والدین کا گھر

اور اگر کوئی وطن اقامت سے دس بارہ میل سفر کرے تو مسافر ہوگا، یا نہیں:

(۲) عورت کا وطن اصلی اس کی سسرال ہے، یا والدین کا گھر؟ وطن ولادت سے کیا مراد ہے؟ مطلقاً، یا وہ جگہ جس کو عرف میں وطن کہتے ہیں؟

اگر کوئی شخص کسی جگہ ملازم ہو اور اس کا وطن وہاں سے سفر شرعی کی مسافت پر ہو تو اگر یہ شخص ملازمت کی جگہ سے دس بارہ میل کا سفر کرے تو مسافر ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) وطن اصلی کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ وطن قرار ہو؛ یعنی وہاں رہنا مقصود ہو۔ پس موضع تاہل؛ یعنی تزوج وطن اصلی اسی وقت ہوتا ہے کہ وہاں رہنا مقصود ہو اور اس کی زوجہ وہاں رہتی ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی جگہ سے نکاح کر کے عورت کو لے آیا تو پھر بھی وہ موضع نکاح وطن ہو جاوے۔ حاصل یہ ہے کہ جس جگہ اس کی زوجہ رہتی ہے اور اس کو وہاں رہنا مقصود ہے تو وہ بھی وطن اصلی ہے، اگر دو زوجہ دو شہروں میں رہتی ہیں تو دونوں وطن اصلی ہیں۔

ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صار مقيماً. (۲)

اس عبارت سے واضح ہے کہ زوجہ کا وہاں رہنا اور ہونا معتبر ہے، محض نکاح کر کے کہیں سے لے آنا، یہ سبب وطن بننے کا نہیں ہے۔

---

(۱) الوطن الأصلي هو وطن الانسان في بلدته أو بلدة أخرىٰ اتخذها داراً وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل تعيش بها. (البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۱۳۹، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) ردالمحتار، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الاقامة: ۲/۱۳۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) عورت تابع مرد کے ہے، شوہر اس کا اس کو جہاں رکھے، وہی اس کا وطن ہوگا۔(۱)

وطن ولادت وہ ہے، جہاں وہ پیدا ہوا اور اس کے والدین وہاں رہتے ہیں، ملازمت کی جگہ جہاں وہ مقیم ہے اور بوجہ اقامت کے نماز پوری پڑھتا ہے تو جب تک وہاں سے مسافت شرعیہ کے سفر کے ارادہ سے نہ نکلے گا، قصر نہ کرے گا۔

(و)يبطل (وطن الإقامة بمثله و)بالوطن (الأصلي و)بإنشاء (السفر).(۲)فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۸۲-۴۸۳)

شادی شدہ لڑکے کی مستقل سکونت کون سی کہلائے گی:

سوال: کہتے ہیں کہ بیٹے کا گھر شادی سے پہلے ماں باپ والا ہوتا ہے اور شادی کے بعد وہ والا جہاں اس کے اہل خانہ رہتے ہوں، ایسی صورت میں جب کہ یہ دونوں گھر دو مختلف شہروں میں ہوں تو اس لڑکے کی سکونت کس شہر میں کہلائے گی؟

الجواب

جہاں اس نے مستقل سکونت کا ارادہ کرلیا ہو۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۸۸-۸۹)

جہاں شادی کرے، وہ وطن کے حکم میں ہے، یا نہیں:

سوال (۱) مثلاً زید ساکن دیوبند کا نکاح الٰہ آباد ہوا تو اب محض نکاح ہوجانے سے الٰہ آباد زید کا وطن اصلی ہوجائے گا، یا وہاں سکونت اختیار کرنا بھی شرط ہے۔ صاحب مراقی الفلاح ودرمختار وغیرہ محض تزوج کو لکھتے ہیں اور کبیری وغیرہ میں سکونت کی قید لگائی ہے۔ فتویٰ کس قول پر ہے؟

شادی کے بعد اپنے والدین کے گھر جائے اور پندرہ دن سے کم کی نیت کرے تو قصر کرے، یا اتمام:

(۲) بعد نکاح جب عورت اپنے شوہر کے یہاں چلی جاوے۔ اگر پھر والدین کے یہاں آوے اور پندرہ یوم سے کم قیام کا ارادہ ہو تو قصر کرے، یا اتمام؟

---

(۱) (والمعتبر نية المتبوع)؛لأنه الأصل (لاالتابع كامرأة) وفاها مهرها المعجل.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۳،دار الفكر بيروت،انيس)

(۲) الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۲،دار الفكر بيروت ،ظفير

(۳) (الوطن الأصلي) (يبطل بمثله) (وفي الرد تحت قوله الوطن الأصلي)فلوكان له أبوان ببلد غيرمولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطناً له إلا إذا عزم على القرار فيه وترك الوطن الذى كان له قبله،إلخ.(ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۲)

سسرال میں جا کر نماز پوری پڑھی تو کیا حکم ہے:

(۳) اگر زید مذکور ساکن دیوبند الٰہ آباد جا کر اتمام کرے اور مقیمین کو پوری نماز پڑھاوے تو اعادہ کی تو ضرورت نہیں؟

الجواب

(۱) شامی نے قول درمختار "أو تأهله" کے تحت میں شرح منیہ سے نقل فرمایا ہے:

ولوتزوج المسافر ببلد ولم ينو الإقامة به فقيل لايصير مقيماً وقيل يصير مقيماً وهو الأوجه، إلخ. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ محض تزوج سے وہاں مقیم ہو جاتا ہے یہی اصح واوجہ ہے؛ یعنی وہاں جا کر نماز پوری پڑھنی چاہیے۔

(۲) پوری نماز پڑھے کہ وہ بھی اس کا وطن اصلی ہے۔(۲)

(۳) اس کا حکم اوپر (۱) کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ اس کو پوری نماز پڑھنی چاہیے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۴/۴۵۸-۴۵۹)

کیا عورت کو بعد شادی وطن اصلی ومیکہ میں قصر کرنا ہوگا:

سوال: ہندہ اپنے وطن مولودی سے سوکوس پر بیاہی گئی ہے تو جب کہ سسرال سے اپنے وطن اصلی مولودی میں چار پانچ روز کے واسطے اتفاقاً آوے تو نماز قصر پڑھے، یا پوری؟

الجواب

في الدرالمختار: الوطن الأصلي ... (يبطل بمثله).

في ردالمحتار: فلوكان له أبوان ببلد غيرمولده وهوبالغ ولم يتأهل به فليس ذلک وطنا له إلا إذا عزم على القرارفيه وترک الوطن الذي كان له قبله، شرح المنية. (۱/۸۲۹)(۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عورت صورت مسئولہ میں نماز قصر پڑھے۔فقط

۷/رجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۱۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۷۹)

عورت میکہ میں اتمام کرے گی، یا قصر:

سوال: اگر عورت کا میکہ مسافت سفر پر واقع ہو تو عورت اپنے میکہ میں اتمام کرے گی، یا قصر؟ جب کہ بہشتی زیور

---

(۱) رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الاقامة: ۱۳۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الوطن الأصلي هو موطن ولادته أوتأهله أوتوطنه.(الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، إلخ: ۷٤۲/۱، ظفير)

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲-۱۳۲، دار الفكر بيروت، انيس

میں اتمام کا فتویٰ ہے،(۱) تو کون سا فتویٰ معتبر ہے؟ پھر دونوں فتووں میں تعارض کیسے پیدا ہوا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

شادی کے بعد شوہر کے مکان پر ایک روز کے لیے آنا ہوتا ہے، یہ آنا عارضی ہے، جب میکہ جائے گی، اتمام کرے گی، پھر جب شوہر کے مکان پر مستقل قیام کے لیے آنا ہوگا، ایسی حالت میں میکہ عارضی طور پر پندرہ روز سے کم کے لیے جانا ہو تو قصر کرے گی۔ اس طرح تعارض رفع ہو جائے گا؛ کیوں کہ ہر دو کا محمل الگ الگ ہے۔(۲) دفع تعارض کے لیے تطبیق کا طریقہ بھی اور ترجیح کا طریقہ بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۰۱/۷)

مسافت سفر اور میکہ کا شرعی حکم:

سوال: میں ۱۱۰ کیلو میٹر کا سفر طئے کر کے میکہ حیدرآباد آئی ہوں، یہاں کبھی ایک اور کبھی دو دن رہتی ہوں۔ میرے لیے نماز قصر ہوگی، یا پوری؟ (ایک بہن، ٹانڈور)

الجواب ــــــــــــــــــــ

۷۷ر کیلو میٹر کی مسافت کے سفر پر آدمی مسافر ہو جاتا ہے؛ اس لیے دوران سفر آپ مسافر ہیں، اگر آپ راستہ میں ظہر وعصر، یا عشا کی نماز ادا کریں تو قصر کریں گی۔ اسی طرح اگر یہ نماز دوران سفر اس طرح قضا ہوئی کہ حیدرآباد میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس نماز کا وقت گذر چکا تو بعد میں اس کی قضا دو ہی رکعت کی جائے گی؛ کیوں کہ جو نمازیں حالت سفر میں قضا ہوگئی ہوں، وہ بعد میں قصر ہی کے ساتھ پڑھی جائیں گی۔(۳)

---

(۱) **مسئلہ ۲۱**: بیاہ کے بعد اگر عورت مستقل طور پر اپنے سسرال رہنے لگی تو اس کا اصل گھر سسرال ہے تو اگر تین منزل چل کر میکے گئی اور پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہیں ہے تو مسافر رہے گی، مسافرت کے قاعدے سے نماز روزہ کرے۔ اگر وہاں کا رہنا ہمیشہ کے لیے دل میں ٹھانا تو جو وطن پہلے سے اصلی تھا، وہی اب بھی اصلی رہے گا۔ (بہشتی زیور، مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان، حصہ دوم، ص: ۱۵۹، دارالاشاعت کراچی)

(۲) **(الوطن الأصلي) و هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول أهل، فلو بقي لم يبطل، بل يتم فيهما (لا غير). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲-۱۳۲، سعيد)**

"والوطن الأصلي هو وطن الإنسان فی بلدته أو بلدة أخریٰ اتخذها داراً و توطن بها مع أهله و ولده و ليس من قصده الارتحال عنها بل تعيش بها و هذا الوطن يبطل بمثله لا غير، و هو أن يتوطن فی بلدة أخریٰ وينقل الأهل إليها، فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً حتیٰ لو دخله مسافراً، لايتم". (البحر الرائق، باب المسافر: ۲۳۹/۲، رشيدية)/ (الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس فی صلاة المسافر: ۱۳۹/۱، رشيدية)

(۳) **" فيقضی مسافر فی السفر مافاته فی الحضر من الفرض الرباعی أربعاً، المقيم في الإقامة مافاته في السفر منها ركعتين" (الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، باب فی قضاء الفوائت: ۱۲۱/۱)**

حیدرآباد جو آپ کا میکہ ہے، اگر آپ کے والدین، یا ان میں سے ایک یہاں موجود ہوں، یا آپ کی زمین ومکان یہاں ہوتو حیدرآباد آپ کا وطن ہے، یہاں اگر آپ چند گھنٹوں کے لیے آئیں، تب بھی آپ پوری چار رکعت نماز ادا کریں گی۔

”وطن أصلی وهو مولد الرجل أو البلد الذی تأهل به“. (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۴۶۸/۲-۴۶۹)

وطن اصلی کے متعدد ہونے اور وطن زوجہ کا وطن اصلی ہونے کی تحقیق:

سوال: کبیری شرح منیہ، ص: ۵۹۲ میں ہے:

”لو تزوج المسافر ببلد ولم ينو الإقامة به فقيل لايصير مقيمًا وقيل يصير مقيمًا وهو الأوجه لما مر من حديث عثمان رضی الله عنه“. (۲)

وروی الإمام أحمد وأبوبكر بن أبی شيبة وأبوعمر بن عبد البر والطحاوی أن عثمان رضی الله عنه صلٰی بمنٰی أربع ركعات فأنكر الناس عليه فقال أيها الناس أنی تأهلت بمكة منذ قدمت وأنی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول من تأهل فی بلد فليصل صلاة المقيم. (۳)

ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صار مقيمًا فإن ماتت زوجة فی إحديهما وبقی له فيها دور وعقار لاتبقی وطنًا له إذ المعتبر الأهل دون الدار كما لو تأهل ببلدة و استقرت سكناً له وليس له فيها دار وقيل تبقی، آه. (۴)

حافظ عبداللطیف صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر زوجہ مستقل قیام (جیسا کہ نکاح سے پیشتر تھا) اپنے والدین کے وطن میں رکھے، جب تو خاوند کے لیے سسرال وطن بن جاوے گا اور اگر (ہمارے دیار کی طرح) مستقل قیام خاوند کے وطن میں کر لیوے اور والدین کے یہاں محض ملاقات کو آیا کرے تو خاوند سسرال میں مسافر رہے گا۔ (۵)

احقر کی فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ عورت کا جس جگہ مستقل قیام ہو وہ خاوند کا وطن اصلی قرار دیا جاوے گا اور ”**إذ المعتبر الأهل دون الدار**“ سے یہی مفہوم ہوتا ہے اور اس توجیہ پر خاوند کا تابع للزوجہ ہونے کا اشکال بھی نہیں ہوتا، البتہ یہ سوال ہوگا کہ وطن قدیم وطن رہے گا، یا نہیں؟ اگر نہیں جب تو کچھ اشکال نہیں اور اگر وہ بھی وطن رہے گا تو دو وطن ہو جائیں گے، حالاں کہ **الوطن الأصلی يبطل بمثله** کے موافق وطن اصلی متعدد نہیں ہو سکتے، متعدد اہلیہ ہونے کی صورت میں بھی یہی اشکال ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۴۲/۱
(۲) كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ۵۴۴، انیس
(۳) غنية المستملی، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ۵۳۸، انیس
(۴) الحلبی الكبير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ۵۴۴، انیس
(۵) بلکہ عورت بھی اس حالت میں قصر کرے گی، کما ہو مصرح فی بہشتی زیور

مسئلہ کی تحقیق فرما کر حدیث کا محمل بھی بیان فرمادیجئے؛ یعنی اگر قصر در سسرال علی الاطلاق نہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا استدلال کس طرح صحیح ہوگا۔ (عبدالکریم گمتھلوی)

الجواب

قال فی البحر: والوطن الأصلی هو وطن الإنسان فی بلدته أو بلدة أخرٰی اتخذها دارًا وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها وهذا الوطن يبطل بمثله لاغير وهو أن يتوطن فی بلدة أخرٰی وينقل الأهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليًا حتٰی لو دخله مسافرًا لايتم قيدنا بكونه انتقل عن الأول بأهله؛لأنه لو لم ينتقل بهم ولكنه استحدث أهلاً فی بلدة أخرٰی فإن الأول لم يبطل ويتم فيهما.

وفی المحيط: ولو كان له أهل بالكوفة وأهل بالبصرة فمات أهله بالبصرة وبقی له دور و عقار بالبصرة قيل البصرة لاتبقی وطنًا له لأنها إنما كانت وطنًا بالأهل لا بالعقار ألا ترى أنه لو تأهل ببلدة لم يكن له فيها عقار صارت وطنًا له وقيل تبقی وطنًا له لأنها كانت وطناً له بالأهل والدار جميعاً فبزوال أحدهما لا يرتفع الوطن كوطن الإقامة تبقی ببقاء الثقل وإن أقام بموضع آخر، آه.(۱۶۳/۱)

وفی المجتبٰی نقل القولين فيما إذا نقل أهله ومتاعه وبقی له دور وعقار ثم قال وهذا جواب واقعة ابتلينا بها وكثير من المسلمين المتوطنين فی البلاد ولهم دور وعقار فی القرٰی البعيدة منها يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم فلا بد من حفظها أنهما وطنان له لايبطل أحدهما بالأخر،آه.(۱)

وفی البدائع:ثم الوطن الأصلی يجوز أن يكون واحدًا أو أكثر من ذلك بإن كان له أهل ودار فی بلدتين أو أكثر ولم يكن من نية أهله الخروج منها وان كان هو ينتقل من أهل إلٰی أهل فی السنة حتٰی أنه لو خرج مسافرًا من بلدة فيها أهله ودخل فی أی بلدة من البلاد التی فيها أهله فيصير مقيمًا من غير نية الإقامة،آه.(۱۰٤/۱)(۲)

وفی مراقی الفلاح:وإذا لم ينقل أهله بل استحدث أهلاً أيضا ببلدة أخرٰی فلايبطل وطنه الأول وكل منهما وطن أصلی له آه.(قال الطحطاوی تحت قوله:بل استحدث أهلاً) وكذا لو استحدث أهلاً فی ثلاث مواضع فالحكم واحد فيما يظهر،آه.(ص:۲٤۹)(۳)

وفی فتح القدير:وطن أصلی وهو مولد الإنسان أو موضع تأهل به ومن قصده التعيش به لا

---

(۱) البحر الرائق،باب صلاة المسافر:۱۳۹/۲،دار الكتب العلمية،بيروت، انيس

(۲) بدائع الصنائع،فصل فی بيان ما يصير به المقيم مسافراً:۱۰۳/۱۔۱۰٤،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(۳) مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی،باب صلاة المسافر،ص:٤۲۹،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

الارتحال ولوتزوج المسافر فی بلد لم ینو الإقامة فیه قبل یصیر مقیمًا وقیل لا،آہ.(۱۶/۲)(۱)

وفی الکفایة:ولو کان له أهل ببلدة فاستحدث فی بلدة أخریٰ أهلاً أخریٰ کان کل واحد منهما وطنًا أصلیًا له روی أنه کان لعثمان رضی اللّٰه عنه أهل بمکلة وأهل بالمدینة وکان یتم الصلاة بهما جمیعًا،آہ.(۱۷/۲)(۲)

وفی الخلاصة: المسافر إذا جاوزعمران مصره فلما ساربعض الطریق تذکرشیئا فی وطنه فعزم الرجوع إلی الوطن لذلک إن کان ذلک وطنًا أصلیًا بأن کان مولده فیه أولم یکن مولده لکن تأهل فیه وجعله دارًا یصیر مقیمًا بمجرد العزم إلی الوطن،آہ.(۱۹۸/۱)(۳)

وفیه أیضاً (۱۹۹/۱): ما نصه وإنما یصیر المسافر مقیمًا أما بدخوله مصرا له فیه أهل أوبأن بدأ له لعود إلیه،إلخ.(۴)

وفی الفتاوی السراجیة:إذا دخل المسافر بلدة له فیها أهل صار مقیمًا نویٰ الإقامة أولا،آہ.(۶۲/۱)

ان نصوص فقہیہ سے چند امور مستنبط ہوئے:

(۱)　وطن اصلی وہ ہے،جس میں تعیش مع الاہل ہو اور وہاں سے ارتحال ونقل اہل کا قصد نہ ہو۔

(۲)　جب کسی دوسرے مقام میں توطن کا ارادہ ہو تو بدون نقل اہل کے پہلا وطن باطل نہ ہوگا۔

(۳)　وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں،حتی کہ اگر کوئی شخص چار نکاح چار شہروں میں کرے اور بیوی کو اسی کے شہر میں رکھے تو اس شخص کے چار وطن اصلی ہو جائیں گے۔

(۴)　جس شہر میں کسی شخص کے اہل وعیال کا مستقل قیام ہو،خواہ کرایہ کے مکان میں،یا ذاتی مکان میں،وہاں جب مسافر ہو کر پہنچے تو قصر باقی نہ رہے گا؛ بلکہ اتمام ضروری ہوگا،جیسا کہ بعض ملازمان سرکاری اپنے اہل وعیال کو جائے ملازمت میں مستقل طور پر رکھتے ہیں،پھر وہاں سے مختلف مقامات کا دورہ کرتے ہیں،یہ لوگ جب اپنے اہل وعیال کی قیام گاہ پر پہونچیں گے،مقیم ہو جائیں گے۔(یدل علیه جزئیة السراجیة والمجتبی)

(۵)　کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطن اصلی نہیں ہو جاتا؛ بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور وہاں سے منتقل نہ کرنا شرط ہے،چناں چہ عبارت بحر میں:

وتوطن بها مع أهله وولده لیس من قصده الارتحال عنها بل التعیش بها.(۵)

---

(۱)　فتح القدیر،باب صلاة المسافر:۴۱/۲،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۲)　الکفایة شرح الهدایة،باب صلاة المسافر

(۳)　خلاصة الفتاویٰ،باب صلاة المسافر:۱۹۸/۱،مکتبة رشیدیة،انیس

(۴)　خلاصة الفتاویٰ،باب صلاة المسافر:۱۹۹/۱،مکتبة رشیدیة،انیس

(۵)　البحر الرائق،باب صلاة المسافر:۱۴۷/۲،دار المعرفة بیروت،انیس

اورعبارت فتح میں: موضع تأهل به ومن قصده التعيش به لا الارتحال.(۱)

اورعبارت خلاصہ میں ''أولم يكن مولده ولكن تأهل فيه وجعله داراً'' تأهل کے ساتھ قصد تعیش وجعل دار کی قید صاف مذکور ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصہ میں بھی ان کے اتمام کا سبب محض تزوج نہ تھا؛ بلکہ تزوج کے بعد اہل کا مکہ میں رکھنا اس کا سبب تھا، چناں چہ کفایہ کی عبارت میں اس کی تصریح ہے:

روى أنه كان لعثمان رضى الله عنه أهل بالمدينة وأهل بمكة وكان يتم بهما جميعًا، آه.(۲)

اورحدیث ''من تأهل ببلدة فليصل فيها صلاة المقيم'' کا بھی یہی محمل ہے؛ یعنی ''من تأهل ببلدة وأسكن أهله فيها ولم ينقلها عنها''؛ کیوں کہ اگر مطلق تزوج ببلدۃ موجب قصر ہوجاوے، خواہ زوجہ کو وہاں رکھے، یا نہ رکھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں قصر نہ کرنا چاہیے تھا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں نکاح کیا تھا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے باپ کا گھر وہاں موجود تھا، ان کے بھائی وغیرہ بھی وہاں موجود تھے، نیز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ ہی میں نکاح کیا تھا اور ان کا خاندان مکہ میں تھا؛ مگر صحیحین سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قصر کیا ہے اور بعد نماز کے فرماتے تھے:

''يا أهل مكة أتموا صلاتكم فإنا قوم سفر''.(۳)

وفى الفتح البارى: أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يسافر بزوجاته ويقصر.(۴)

اور یہ بھی صحاح میں ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں تمام ازواج کو ساتھ لائے تھے، ان میں بعض کا پہلا وطن مکہ میں تھا؛ لیکن با ایں ہمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر کیا ہے۔

پس صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی شخص شہر میں نکاح کر کے زوجہ کو وہاں نہ رکھے اپنے شہر میں لے آئے تو زوجہ کا وطن شوہر کا وطن اصلی نہ ہوگا، شوہر جب وہاں مسافر ہوکر گذرے تو قصر کرے گا، اور زوجہ کو اسی کے وطن میں رکھے تو اس زوج کا وطن ہو جائے گا، خواہ زوج کا مستقل قیام اپنے وطن میں رہتا ہو یا دونوں جگہ رہتا ہو، اس پر غالبا سائل کو کبیری کے اس جزئیہ سے اشکال پیش آئے گا۔

---

(۱) فتح القدير، باب صلاة المسافر: ۴۱/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) الكفاية شرح الهداية مخطوطة، باب صلاة المسافر، انيس

(۳) فتح القدير، باب صلاة المسافر: ۴۰/۲، دار الفكر بيروت، انيس

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ فَأَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِي عَشْرَةَ لَيْلَةً، لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ، وَيَقُولُ: يَا أَهْلَ الْبَلَدِ، صَلُّوا أَرْبَعًا فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ. (سنن أبى داؤد، باب متى يقم المسافر، رقم الحديث: ۱۲۲۹، انيس)

(۴) فتح البارى، أبواب التقصير، باب يقصر اذا خرج من موضعه: ۶۶۴/۲، مكتبة الملك رياض، انيس

لو تزوج المسافر ببلدة ولم ينو الإقامة فقيل لايصير مقيمًا وقيل يصير مقيمًا وهو الأوجه لما مر من حديث عثمان رضی اللّٰہ عنه، آه.(۱)

یہی جزئیہ فتح القدیر میں بھی ہے، کما مر؛ مگر موجب اشکال کچھ نہیں؛ کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسافر نے ایک شہر میں نکاح کیا اور اس کا ارادہ بنفسہ وہاں قیام کرنے کا نہیں؛ (لیکن زوجہ کو وہیں رکھنے کا ارادہ ہے) تو اوجہ یہ ہے کہ وہ مقیم ہو جائے گا، جیسا کہ حدیث عثمان رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باوجودیکہ میں مقیم نہ تھے اور نہ ان کو مکہ میں اقامت جائز تھی: **قال في الفتح: إن الاقامة بمكة على المهاجرين حرام، كما سيأتي، آه.** (۴۷۰/۲) لیکن پھر بھی انہوں نے قصر نہ کیا؛ کیوں کہ ان کی ایک اہل مستقل طور پر مکہ میں مقیم تھی، اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کا مستقل قیام گو اپنے وطن میں ہو؛ لیکن جب اس کی بیوی کا مستقل قیام دوسری جگہ ہوگا تو شوہر وہاں جا کر مقیم ہو جائے گا، **كما مر عن السراجية: إذا دخل المسافر بلدة له فيها أهل (أي مقيمة) صار مقيمًا نوى الإقامة أو لا.**

اور جن قائلین نے اس صورت میں شوہر کو مقیم نہیں مانا، جیسا کہ کبیری میں دوسرا قول مذکور ہے، انہوں نے اس پر نظر کی ہے کہ جب شوہر کا قیام زوجہ کے بلد میں نہیں رہتا اور نہ وہ اقامت کا وہاں قصد کرتا ہے تو پھر اس کو مقیم نہ کہنا چاہیے، مسافر ہی ماننا چاہیے اور حدیث عثمان رضی اللہ عنہ کو نیت اقامت پر حمل کرتے ہیں؛ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ مرد کا زوجہ کو مستقلاً کسی مقام پر رکھنا یہ عملاً اقامت ہے؛ **لأنه لايخلو عن نوع تعيش به وتأهل،** لہٰذا اس صورت میں نیت عدم اقامت کا اعتبار نہ ہوگا۔

لاسيما وقد تأيد بحديث عثمان رضی اللّٰہ عنه وأنه أتم بمكة مستدلا به مع أنه لم يقم بها ألبتة، فافهم.

فائدہ: حدیث عثمان رضی اللہ عنہ جس سے کبیری میں احتجاج کیا ہے، محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

قال الحافظ في الفتح: والأول وإن كان نقل وأخرجه أحمد والبيهقي من حديث عثمان رضی اللّٰہ عنه وأنه لما صلى بمنى أربع ركعات أنكر الناس عليه فقال: إني تأهلت بمكة لما قدمت وأني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من تأهل ببلدة فأنه يصلي صلاة مقيم فهٰذا الحديث لايصح؛ لأنه منقطع وفي رواية من لايحتج به، آه.(۴۷۰/۲)(۲)

وفي عمدة القاري: قلت: هٰذا منقطع أخرجه البيهقي من حديث عكرمة بن إبراهيم، وهو ضعيف عن ابن أبي ذباب عن أبيه، آه.(۵۳۳/۳)(۳)

---

(۱) غنية المستملي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ۵۴۴، انيس

(۲) فتح الباري، أبواب تصير الصلاة، باب يقصر اذا خرج من موضعه: ۶۶۴/۲، مكتبة الملك، رياض، انيس

(۳) عمدة القاري، باب الصلاة بمنٰى: ۱۲۹/۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت، انيس

قلت: لم ينسبه أحد إلى الكذب، قال النسائي: ضعيف وقال العقيلي: في حديثه اضطراب وقال النسائي في التمييز: ليس بثقة وقال يعقوب بن سفيان: منكر الحديث وقال البزار: لين الحديث، وقال أبو حامد الحاكم: ليس بالقوى، آه. (لسان الميزان، من اسمه عكرمة: ١٨١/٤ـ١٨٢)

ويظهر من التقريب وشرحه التدريب أن قولهم بالقوى يكتب حديثه أيضًا ولا يطرح بل يعتبر به. (ص: ١٢٦ـ١٢٧) فعكرمة هٰذا ليس ممن يترك حديثه وقال السيوطي في خطبة كنز العمال: وكل ما كان في مسند أحمد فهو مقبول فإن الضعف الذى فيه يقرب من الحسن، آه، والحديث رواه أحمد في مسنده: ٦٢/١، أو علة الانقطاع لاتضر عندنا. والله أعلم

۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۳۱۳/۲)

بیوی ایک ماہ کہیں اقامت اختیار کرے اور شوہر وہاں آئے تو وطن اقامت ہو جائے گا، یا نہیں:

سوال: زوجہ اگر کہیں ماہ کے لیے مقیم ہو جاوے، علاوہ وطن اصلی کے تو شوہر اس کا اگر وہاں آوے، جہاں زوجہ مقیم ہے تو کیا شوہر کے لیے بھی وطن اقامت ہو جاوے گا۔ شبہ یوں ہوا کہ خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ مولانا ظفر احمد صاحب نے میرٹھ کو صورت متذکرہ بالا میں وطن اقامت کا فتوی میرے لیے بھی دیا ہے، معلوم نہیں یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب

خواجہ صاحب نے جو مسئلہ بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے، یہ مطلق نہیں؛ بلکہ اس صورت میں ہے جب کہ وطن اقامت میں تنہا مرد کا قیام ہو اور اگر وطن اقامت میں مرد کا قیام مع اہل وعیال کے ہے تو تنہا مرد کے سفر اور دورہ سے وطن اقامت باطل نہیں ہوا؛ بلکہ وہاں اہل وعیال کا قیام حکماً اسی کا قیام ہوگا۔ پس اگر کوئی جگہ مرد کے لیے وطن اقامت نہ ہو؛ بلکہ صرف بیوی کا وطن اقامت ہو کہ وہ اپنی ضرورت سے بیس دن کو گئی ہو، وہاں مرد مسافر ہو کر جائے گا تو بیوی کے قیام سے مقیم نہ ہوگا۔ خواجہ صاحب کو میرٹھ کے متعلق فتویٰ اس وقت دیا گیا تھا جب کہ وہ میرٹھ میں ملازم تھے اور مع اہل وعیال کے مقیم تھے۔ فقط

۲۲/ جمادی الاول ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۳۳۷/۲)

زوجہ اور عقار کو ''وطنیت'' کا معیار بنانے پر فتح القدیر اور البحر الرائق کی عبارات کی تحقیق:

سوال: زید ایک عالم دین ہے، اس کے دو دینی مدارس ہیں:

(۱) ایک قدیمی دیہات میں، جہاں بیس تیس سال قیام پذیر ہے۔ اس کے نجی مکانات بھی ہیں اور مدرسہ مع مالہا وعلیہا ہے۔

(۲) عرصہ تین سال سے شہر میں بھی ایک مدرسہ قائم کر رکھا ہے، جس میں سلسلہ تعلیم جاری ہے اور زید کے زیر اہتمام وسرپرستی چل رہا ہے، زید کا شہر میں بھی اپنا نجی مکان ہے، جس میں وہ رہتا ہے اور اس کے عیال کے بعض افراد مثلاً بیٹے بہو وغیرہ بھی یہاں پر ہیں، خود زید حسب ضرورت دونوں جگہ قیام کرتا ہے، مدارس کے کام کے سلسلے میں جتنے دن شہر میں رہنے کی ضرورت پڑتی ہے، وہاں رہتا ہے، پھر دوسرے مدرسہ میں جتنا نجی، یا مدرسہ کا کام ہو، رہتا ہے؛ مگر اکثر وبیشتر سابقہ دیہاتی مکان میں قیام ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ زید کے دونوں ولادت گاہیں نہیں ہیں۔
کیا یہ دونوں جگہیں وطن اصلی شمار ہوں گی؟ اور جب بھی وہاں پہنچ جائے تو مقیم شمار ہوگا؟

(۱) **لأن بعضًا من عياله هنا وبعضا منه هنا.**

(۲) **ولأن له عقارًا ودورًا في كليهما.**

(۳) **ولأن له توطنا بلا ترجيح وامتياز حسب الضرورة بكليهما.**

یا ان میں سے ایک وطن اصلی شمار ہوگا بخلاف الآخر، مکانات وزمین پر وطن اصلی کا مدار معتبر ہے، یا زوجہ کی رہائش کی جگہ کو ترجیح ہے؟

فقہا کی بعض عبارات تنقیح طلب ہیں، مثلاً شامی نے وطن اصلی کی تعریف میں لکھا ہے:

"**الوطن الأصلي هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه (يبطل بمثله)**".

پھر تأهله کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**فإن ماتت زوجته في أحديهما وبقي له فيها دور وعقار قيل لايبقى وطنًا له إذا المعتبر الأهل دون الدار**".(۱)

وله دور في البلاد لاتبقى وطنا له.(۲)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دور وعقار کو بھی وطنیت اصلیہ میں دخل ہے۔

بہرحال مسئلہ منقح نہیں ہو رہا ہے۔ سوال کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد جو جواب ہو، مدلل اور باحوالہ ارشاد فرمائیں؟ (مولانا) حسین احمد شرودی کوئٹہ، بلوچستان)

الجواب

آپ نے رد المحتار سے دور اور عقار کے مسئلے میں جو عبارت نقل کی ہے، اس کے مطابق اس کے بارے میں دو قول

---

(۱) رد المحتار، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الاقامة: ۱۳۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) وطن أصلي هو مولد الانسان أو موضع تأهل به ومن قصده التعيش به لا الارتحال ولو تزوج المسافر في بلد لم ينو الاقامة فيه قيل يصير مقيماً وقليل لا. (فتح القدير، باب صلاة المسافر: ۴۱/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

ہیں اور یہی دو قول عالمگیریہ اور بحر(۱) میں بھی نقل کئے ہیں اور کوئی ترجیح، یا تطبیق نہیں دی، البتہ امداد الفتاویٰ میں حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے اس مسئلے پر جو گفتگو فرمائی ہے، اس سے حقیقت مسئلہ واضح ہوتی ہے۔ان کی عبارت یہ ہے:

''صورت مذکورہ میں دونوں قول ہیں اور یہی دونوں قول فتح القدیر اور البحر الرائق میں بھی نقل کئے ہیں اور بحر میں دونوں قول کی دلیلیں بھی نقل کی ہیں اور فتح القدیر میں دونوں کی تطبیق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور میرے نزدیک تطبیق ہی مختار ہے، چناں چہ اس صورت میں امام محمد کا قول ''**هٰذا حالي وأنا أرى القصر إن نوى ترك وطنه**'' نقل کر کے لکھا ہے:

إلا أن أبايوسف كان يتم بها لكنه يحمل علٰى أنه لم ينو ترك وطنه،آه. (۲)

خلاصہ تطبیق کا یہ ہوا کہ اگر اس دوسرے شہر میں پھر بطور وطن رہنے کا ارادہ نہیں ہے، جس طرح پہلے رہتا تھا، تب تو وطن نہ رہا، وہاں جا کر قصر کرے گا جب مسافت سفر طے کر کے آئے اور اگر اب بھی اسی طرح رہنے کا ارادہ ہے تو وہ بھی وطن ہے، پس اس شخص کے دو وطن ہو جاویں گے۔(امداد الفتاویٰ:۱/۳۶۴-۴۹۴)(۳)

اور اس مجموعہ سے احقر کی سمجھ میں جو بات آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں اصلی مدار مبتلی بہ کی نیت کا ہے اور زوجہ کا ہونا، یا ''دور وعقار'' کا ہونا اس نیت کی علامات ہیں، اصل مدار مسئلہ نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر آپ نے دیہات کے توطن کو چھوڑے بغیر شہر میں بھی بطور وطن رہنے کا اس طرح ارادہ کیا ہے کہ کبھی یہاں توطن رہے گا اور کبھی وہاں تو یہ دونوں مقامات آپ کے لیے وطن اصلی ہیں اور بحر کی ایک عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

''**هٰذا جواب واقعة ابتلينا بها وكثير من المسلمين المتوطنين فى البلاد ولهم دور وعقار فى القرىٰ البعيدة، منها يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم، فلابد من حفظها أنهما وطنان له، لايبطل أحدهما بالأخر**''.(۴)

ہاں اگر نیت شہر کے گھر کو وطن بنانے کی نہیں ہے؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کام کی غرض سے وہاں جانا ہوگا اور کام ختم ہوتے ہی اپنی اصلی جگہ واپس آجایا کریں گے تو پھر دیہات وطن اصلی اور شہر وطن اقامت ہوگا۔

هٰذا ما ظهر لي والعلم عند الله العليم الخبير والله سبحانه وتعالىٰ أعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ،۱۴/۱۱/۱۳۹۷ھ (فتویٰ نمبر:۲۵۳۵/۲۷،ہ)(فتاویٰ عثمانی:۱/۵۴۴-۵۴۷)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية: ۱/۱٤۲،طبع مكتبة رشيدية كوئته

البحر الرائق،باب المسافر: ۲/۱۳٦،طبع سعيد/ نیز دیکھئے غنية المستملي،ص: ٥٤٤،سهيل أكادمی لاهور

(۲) الكفاية شرح الهداية، كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر،مخطوطة،انيس

() البحر الرائق،باب المسافر: ۲/۱۳٦،ط:ايچ ايم سعيد/ وكذا فی فتح القدير: ۲/۱۸،ط:مكتبة رشيدية

فوجی قصر کریں، یا پوری پڑھیں:

سوال: یہاں پر تقریباً تین سو آدمی رہتے ہیں اور جو آدمی ہیں انگریزوں کے نوکر توپ خانہ وغیرہ میں ہیں اور افسروں کو بھی یہ معلوم نہیں کہ یہاں کتنی مدت رہنا ہوگا تو عصر وعشاوغیرہ کی نماز چار رکعت پڑھیں، یا دو رکعت؟ اگر دو رکعت کا حکم ہو اور چار رکعت پڑھ لیوے تو نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسی حالت میں چار رکعت ہی پڑھنی چاہیے؛ کیوں کہ اگر دو رکعت واجب ہوں اور چار پڑھ لی جاویں، بشرطیکہ درمیانی قعدہ کرلیا جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔(کذا فی کتب الفقه)(۱)

(فلو أتم مسافر إن قعد فی) القعدة (الأولٰی تم فرضه) ... (ومازاد نفل). (۲)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۶۰)

میدان جنگ کے سپاہی جن کو علم نہیں ہوتا، کیا کریں:

سوال: ہم لوگ میدان جنگ میں شامل ہیں؛ لیکن دس روز کہیں، بیس روز کہیں ٹھہرنا ہوتا ہے اور ہم کو پہلے سے کوئی اطلاع نہیں ہوتی، چاہے ایک روز میں گھر چلے آویں، چاہے دس برس تک نہ آویں۔ اس صورت میں نماز قصر پڑھے، یا نہ اور سنتیں بھی پڑھیں، یا کیا؟ اور جمعہ کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب

ایسی حالت میں نماز قصر ہی ادا کرنی چاہیے،(۳) اور سنتوں کا حکم یہ ہے کہ اگر حالت اطمینان میں ہوں، تو سنتوں کا ادا کرنا بہتر ہے، ورنہ ترک کردی جاویں۔

درمختار میں ہے کہ مسافر اگر حالت امن وقرار میں ہو تو سنتیں مؤکدہ پڑھے اور اگر امن وقرار نہ ہو تو نہ پڑھے اور امام ہندوانیؒ فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کی حالت میں سنتیں پڑھے اور چلنے کی حالت میں نہ پڑھے۔(کذا فی ردالمحتار)(۴)

(۱) لأنه اجتمع فی هٰذه الصلاة مایوجب الأربع ومایمنع فرجحنا مایوجب الأربع احتیاطًا.(رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۲/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) ولودخل مصرًا علٰی عزم أن یخرج غدًا أوبعد غد ولم ینو مدة الإقامة حتٰی بقی علٰی ذلک سنین قصر ... وإذا دخل العسکر أرض الحرب فنووا الإقامة بها قصروا وکذا إذا حاصروا فیها مدینة أوحصناً، إلخ.(الهدایة، باب صلاة المسافر: ۱۷۴/۱، ۱۷۵، مکتبه رحمانیه لاهور، ظفیر)

(۴) (ویأتی) المسافر (بالسنن) إن کان (فی حال أمن وقرار وإلا) فإن کان فی خوف وفرار (لا) یأتی بها هو المختار.(الدر المختار)

==

اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے، اگر کہیں موقعہ ملے اور جمعہ پڑھے تو اچھا ہے، ضروری نہیں ہے۔ اگر جمعہ پڑھ لیا تو ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے اور اگر جمعہ نہ پڑھا تو ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۸۶۔۴۸۷)

جب معلوم نہ ہو کہ کتنا قیام کرنا ہوگا:

سوال: ہم لوگ فیلڈ پر آئے ہوئے ہیں، ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ہم کو معلوم نہیں ہے کہ ہم اپنے قیام پر کتنی مدت ٹھیریں گے، یا کتنا سفر کریں گے؛ مگر اکثر سفر کی بابت معلوم ہے کہ دس پندرہ میل سے زیادہ نہیں چلتے۔ قیام کی بابت یہ ہے کہ اسی جگہ پر مہینہ قیام کریں، اسی جگہ سے دس دن کے بعد کوچ کر جائیں۔ غرض ہم لوگ اپنے اختیار میں نہیں، ایسی حالت میں قصر پڑھیں، یا پوری، جب کہ قیام، یا سفر کا کچھ حال معلوم نہیں؟

الجواب

ایسی حالت میں آپ لوگ نماز پوری پڑھا کریں؛ کیوں کہ یہ اصل ہے اور حکام کی نیت کا حال معلوم نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۵۰)

معلوم نہ ہو کہ کتنے دن قیام کرنا پڑے تو کیا کرے:

سوال: زید نے بکر کو حکم دیا کہ تم فیلڈ پر جاؤ اور مقام فیلڈ بصرہ قرار دیا؛ لیکن یہ یقین نہیں کہ پندرہ روز قیام ہوگا، یا کم، یا زیادہ؟ اور بعض لوگوں کو حکم ملتا ہے کہ تم اس مقام پر مستقل رہو گے اور کسی کو حکم ملتا ہے کہ تم کو جس جگہ سے مانگ آئے گی روانہ کیا جائے گا؛ لیکن پختہ طور پر کسی کو بھی یقین نہیں ہے کہ کتنے روز قیام ہوگا تو نماز قصر پڑھنی چاہیے، یا پوری؟

الجواب

ایسی حالت تردد میں نماز قصر پڑھنی چاہیے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۵۳)

== وفی الرد تحته: وقال الهندوانی رحمة اللّٰه علیه: الفعل حال النزول والترک حال السیر ... والأعدل ما قاله الهندوانی. (الدر المختار مع ردالمحتار، باب صلوٰة المسافر: ۲/۱۳۱، دار الفکر بیروت، انیس)

(۱) ولاتجب الجمعة علیٰ مسافر ... فإن حضروا فصلوا مع الناس أجزأهم عن فرض الوقت، إلخ. (الهدایة، باب الجمعة: ۱/۱۷۹، ظفیر)

(۲) (والمعتبر نیة المتبوع)؛ لأنه الأصل (لا التابع کامرة) ... (وعبد) ... (وجندی) ... (وأجیر) ... (ولابد من علم التابع بنیة المتبوع فلونویٰ المتبوع الإقامة ولم یعلم التابع فهو مسافر حتیٰ یعلم علی الأصح). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۳۔۱۳۴، ظفیر)

(أولم یکن مستقلاً برأیه)، الخ (أودخل بلدة ولم ینوها) أی مدة الإقامة (بل ترقب السفر) غداً أو بعده (لوبقی علیٰ ذلک) (سنین). (أیضًا: ۱/۷۳۸، ظفیر) (الدر المختار، باب صلاة المسافر: ۱/۱۴۶، دار الفکر بیروت، انیس)

فیلڈ اسٹاف ہیڈ کوارٹر میں قصر کرے، یا اتمام:

سوال: ایک شخص گیا ضلع کا باشندہ مان بھوم ضلع میں ملازم ہے، انسپکٹنگ مولوی کا عہدہ ہے، مہینہ میں بیس دن کم وبیش سفر میں مکاتب کے ملاحظہ کے لیے گذارنے پڑتے ہیں اور کم وبیش دس دن مسلسل، یا بہ تفاریق پرولیا میں (جو اس کا ہیڈ کوارٹر ہے) رہنا ہوتا ہے، اس کے دورہ کا علاقہ پورے ضلع بھر کا حلقہ ہے، جس کا فاصلہ مدت سفر ہے، ایسا شخص کب نماز میں قصر کرے اور کب اتمام؟ مفصل تحریر فرما کر مطمئن کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جب ہیڈ کوارٹر سے دورہ پر جائیں اور سفر کم از کم ۲۰/کوس کا ہو تو قصر پڑھنی چاہیے، جب تک سفر میں رہیں اور جب مقام اقامت پر واپس آئیں تو پھر پوری پڑھا کریں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۵/۱/۷/۱۳۴۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۶/۱-۴۷)

فوج کی پوسٹنگ کی تبدیلی کی بنا پر نماز قصر سے متعلق چند سوالات کے جوابات:

سوال (۱) شہر کے قریب فوجیوں کا کیمپ ہے، جب شہر میں اذان جمعہ ہو جاتی ہے تو وہاں اس کیمپ میں آواز سنائی دیتی ہے؛ مگر افسران بالا کی طرف سے حکم ہے کہ کوئی فوجی شہر میں جمعہ کے لیے نہ جائے، کیا اس صورت میں اس کیمپ میں نماز جمعہ درست ہوگی؟ یہ بات ہے کہ اس کیمپ میں مستقل کوئی مسجد نہیں ہے۔ پانچوں نمازیں ایک کمرہ میں پڑھتے ہیں، جو بوقت ضرورت خالی بھی کرنی پڑتی ہے، کیا ایسے کمرہ میں دیگر نمازیں جمعہ کے علاوہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــ

یہ کیمپ شہر سے کتنی دور ہے؟ کیا شہر کی عمارتوں اور اس کیمپ کے درمیان کچھ غیر آباد علاقہ ہے، جو شہر کا حصہ شمار نہ کیا جاتا ہو، اس کا جواب آنے پر اصل مسئلہ کا جواب دیا جا سکے گا۔

(۲) جو آفیسر اپنے ماتحت یونٹوں کی دیکھ بھال کے لیے دور جاتے ہیں؛ یعنی تقریباً اٹھائیس میل کی مسافت طے کرتے ہیں تو کیا یہ لوگ قصر کریں گے؟

الجواب ــــــــــــــ

اگر پوسٹ جس کی چیکنگ کے لیے جا رہا ہے، شہر کی آخری حدود سے اڑتالیس میل دور ہے تو قصر کر سکتا ہے۔

---

(۱) اس فتویٰ میں حضرت مولاناؒ نے ایسے ملازمین کے لیے ہیڈ کوارٹر کو وطن اقامت تسلیم کر لیا ہے کہ وہاں مستقل (یعنی پندرہ دنوں سے زائد) قیام کا ارادہ ہے؛ لیکن درمیان میں سفر پیش آ جائے تو اگر مسافت قصر کا سفر کیا گیا تو مسافر ہوگا، ورنہ نہیں۔ عام علما کی رائے میں اگر ہیڈ کوارٹر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو تو مقیم ہوگا، ورنہ ہیڈ کوارٹر میں بھی مسافر ہوگا اور مسافت قصر عام علما کے نزدیک ۴۸/میل ہے۔ مجاہد

(۳) ایک آفیسر فوجیوں کو لے کر جب دور دراز کے علاقوں میں جاتے ہیں، وہاں قیام کا کوئی پتہ نہیں ہوتا، جب کسی آفیسر سے دریافت کیا جاتا ہے تو بھی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں؛ کیوں کہ فوج میں قانون ہے کہ قیام کی حد کا کسی کو نہیں بتایا جاتا تو اس صورت میں قصر کیا جائے گا، یا نہیں؟

الجواب

مذکورہ صورت میں فوجیوں کو قصر کرنا چاہیے، جب تک پندرہ دن قیام کرنے کا عزم نہ ہو، قصر ہی کیا جائے، خواہ اس غیر یقینی حالت میں کئی مہینے گذر جائیں۔(۱)

(۴) اگر یہ چھوٹے چھوٹے یونٹوں والے سپاہی اور نوکر وغیرہ ہیڈ کوارٹر کو پندرہ دن سے کم مدت کے لیے گئے تو کیا یہ سپاہی قصر کریں گے، یا اتمام؟

الجواب

اگر یونٹ سے ہیڈ کوارٹر کے شہر کا فاصلہ اڑتالیس میل ہے تو قصر کریں گے۔

(۵) اگر ایک امام مسافر ہو اور کسی جگہ یہ جماعت پڑھاتا ہے تو مقتدی کی نیت اور امام کی نیت میں کچھ فرق ہوگا، یا نہیں؟ اگر امام ہیڈ کوارٹر کو جائے تو اس کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میں وہاں کتنا قیام کروں گا؟ اگر وہ امام وہاں نماز پڑھائے گا تو کیسے پڑھائے گا؟

الجواب

مسافر امام دو رکعتوں کی نیت کرے گا، اور مقتدی چار رکعتوں کی، پھر امام جب دو رکعتوں پر سلام پھیر دے تو مقتدی کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری کریں؛(۲) مگر اس میں قرآت نہ کریں؛ بلکہ جتنی دیر میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، اتنی دیر خاموش کھڑے رہ کر رکوع میں چلے جائیں، قصر کا مسئلہ وہی ہے، جو نمبر:۴ میں گذر گیا ہے۔فقط واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱۳۸۸/۲/۲۱ھ۔الجواب صحیح: بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔(فتاویٰ عثمانی:۱/۵۴۹-۵۵۱)

---

(۱) وفی الدر المختار: (ولابد من علم التابع بنية المتبوع فلو نوى المتبوع الاقامة ولم يعلم التابع فهو مسافر حتى يعلم على الأصح) وفي الفيض وبه يفتى كما في المحيط وغيره دفعًا للضرر عنه). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳٤/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) وفی الدر المختار: (وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده فإذا قام) المقيم (إلى الاتمام لايقرأ) ولا يسجد للسهو (في الأصح)؛ لأنه كاللاحق والقعدتان فرض عليه وقيل لا، قنية (وندب للإمام) ... وفي شرح الإرشاد ينبغي أن يخبرهم قبل شروعه وإلافبعد سلامه (أن يقول) بعد التسليمتين في الأصح (أتموا صلوٰتكم فاني مسافر، إلخ). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۹/۲-۱۳۰، دار الفكر بيروت، انيس)

ریل کے سفر میں پوری نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: دوسرے یہ کہ اگر قصر کرنے والا اس خیال سے کہ سفر ریل آرام کا ہے، قصر نہ کرے تو کیا وہ گنہ گار ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

قصر کرنا مسافر کو لازم ہے، خواہ ریل کا سفر آرام دہ ہے، پوری نماز پڑھنا درست نہیں۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۸۱)

ریل میں قصر کتنی مسافت میں کرے:

سوال: ریل کے سفر میں کتنی مسافت پر قصر کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر تین منزل پیادہ کا سفر ہو تو ریل میں بھی اس مسافت پر قصر کرنا چاہیے، مثلاً ۴۸ رمیل کا سفر ہو تو قصر درست ہے اور ضروری ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۹۰)

ریل کی مسافت کا حکم:

سوال: بعض علما ریل کی مسافت کو اونٹ کی رفتار پر قیاس کرتے ہیں؛ کیوں کہ دونوں خشکی میں چلتے ہیں اور بعض علما اسی مسافت کو اگنبوٹ کی مسافت پر محمول کرتے ہیں؛ کیوں کہ دونوں آگ سے چلتی ہیں۔ ان دونوں میں صحیح قول کون سا ہے اور حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

سفر بحری ہو یا بری، ہر ایک سفر میں سیر متوسط (درمیانی چال) کا اعتبار کیا جائے گا، دوسری اور رفتار معتبر نہ ہوگی۔ نیز تیز رفتاری اور سست رفتاری کا بھی اعتبار نہ ہوگا اور ریل چوں کہ خشکی کی سواری ہے؛ اس لیے اس میں سیر بری کا اعتبار ہوگا، سیر بحری کا نہیں۔ البحر الرائق میں ہے:

فی السراج الوهاج: إذا كانت المسافة ثلثة أيام بالسير المعتاد فسار إليها علىٰ البريد سيراً مسرعاً أوعلى الفرس جرياً حثيثاً فوصل في يومين قصر، انتهى، والمراد بسير البريد أن يكون بالإبل

---

(۱) والقصر لازم عندنا ... و هي تدل علىٰ أن الفرض ركعتان وأن الإتمام منكر ولو كان جائزًا لفعله عليه الصلاة والسلام مرة تعليمًا للجواز. (غنية المستملي، فصل صلاة المسافر: ١/٤٩٩، ظفير)

(۲) اعلم أن أقل مدة السفر عندنا مسافة ثلثة أيام من أقصر أيام السنة بالسير الوسط (إلىٰ قوله) وعامة المشائخ قدروها بالفراسخ، إلخ. (غنية المستملي، باب صلاة المسافر، ص: ٥٣٥، سهيل اكادمی لاهور، انيس)

ومشى الأقدام والمراد بالإبل إبل القافلة دون البريد وأما السير فى البحر فيعتبر مايليق بحاله وهو أن يكون مسافة ثلثة أيام فيه إذاكانت الرياح معتد لة وإن كانت تلك المسافة بحيث تقطع فى البر فى يوم كما فى الجبل يعتبر كونها من طريق الجبل بالسير الوسط ثلثة أيام و إن كانت تقطع من طريق السهل بيوم فالحاصل أنه تعتبر المدة من أى طريق أخذ فيه،انتهٰى. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۱۷)

اگر تین منزل کا سفر ریل سے کرے، کیا تب بھی قصر کرے:

سوال: ریل میں اگر تین منزل کا سفر کرے، تب بھی قصر نماز پڑھے، یا نہیں؟ یا اس کا یہ حکم نہیں؟

الجواب

قصر کرے۔

(بدست خاص، سوال: ٦٩) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۸)

ریلوے ملازم جو برابر سفر میں رہے، کیا کرے:

سوال: بندہ ریلوے ملازم ہے اور ہمیشہ سفر میں رہتا ہے، کسی جگہ دو دن، کسی جگہ چار دن اور کسی جگہ دو تین ماہ متواتر رہنے کا بھی اتفاق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں نماز پوری پڑھوں، یا قصر؟

الجواب

آپ جیسے سفر کرنے والے کے لیے جب کہ سفر تین منزل کا ہے، یا اس سے زیادہ ہو، یہ حکم ہے کہ اگر کسی جگہ پندرہ دن کے قیام کا، یا اس سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھیں، ورنہ قصر کرتے رہیں۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۸۵-۴۸۶)

کیا ریلوے کے ملازمین کو سفر ملازمت کے دوران قصر کرنا چاہیے:

سوال: جو ملازمان ریل خواہ وہ ریل کے چلانے والے ہیں، یا ہمراہ جانے والے، و نیز ملازمان محکمہ بندوبست و محکمہ نہر و ڈاک خانہ جات و مدرسہ ہائے سرکاری بحکم سرکار تین منزل، یا زیادہ سفر کرتے ہیں، نماز قصر کی اجازت ہے، یا نہیں؟

پھر جن ریل کے ملازموں کے واسطے حکم سفر جائے متعین سے ہر روز، یا تیسرے روز جاری ہوتا رہتا ہے، بعد واپسی بھی [ان کو] نماز قصر چاہیے، یا نماز حضر؟ پھر بعض ملازمین کے مبدا، یا منتہائے سفر، یا وسط سفر میں مقیم ہیں، وہاں پہنچ کر

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۲۲۸-۲۲۹، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ...(قاصدًا) ... (مسيرة ثلٰثة أيام ولياليها) ... (صلى الفرض الرباعى ركعتين) وجوبًا ... (حتٰى يدخل موضع مقامه) ... (أوينوى) ... (إقامة نصف شهر) حقيقة أوحكمًا. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۵، دار الفكر بيروت، انيس)

نماز کا کیا حکم ہے اور بعض کے اہل وعیال ہر سہ جائے مذکورہ میں نہیں ہیں، خود ملازم ہیں، کسی قدر مقیم رہ کر، پھر ہمراہ ریل چلے جاتے ہیں، ان کو کیا ارشاد ہے؟ سوریل کے اور محکمہ کے جو ملازم سفر بطور دورہ کے کرتے رہتے ہیں، ان کے واسطے حکماً ایک جا خاص دفتر کی متعین ہے، بعد واپسی بمقام دفتر بصورت ارادہ قیام کم از پندرہ روز، نماز قصر چاہیے، یا حضر؟ ان کل ملازموں کے واسطے حکم نماز مثل اہل خیمہ کے ہے، جن کا مسکن صحرا ہے، یا کچھ تفاوت ہے؟ فقط

الجواب

ملازمان ریل وغیرہ سب جب بہ عزم تین منزل کے سفر کے روانہ ہوں تو راہ میں قصر صلوٰۃ کا کریں گے اور جب کسی مکان میں جا کر ٹھہریں، اگر وہ جگہ جنگل ہے تو نیت اقامت ان کی قابل اعتبار کے نہیں اور جو وہاں آبادی ہے، جیسے مکانات اسٹیشن؛ مگر صورت گاؤں کی ہو جاتی ہے، اگر پندرہ روز کی نیت سے قیام کرے گا تو مقیم ہو کر اتمام صلوٰۃ کا کرے، ورنہ اس مقام پر بھی قصر ہی کرے، لہٰذا جو ملازم کہ دوسرے تیسرے روز پھر سفر پر جاتے ہیں، وہ مکان پر بھی قصر کیا کریں کہ مسافر ہیں اور جو ملازم کہ راہ میں مثلاً ان کا گھر واقع ہوتا ہے، اگر وہ وطن اسٹیشن سے علاحدہ ہے، مثلاً ایک دو کوس اور یہ ملازم بدون دخول وطن کے سفر کرتا ہے، وہ بھی مسافر ہے، قصر کرے اور جو اسٹیشن پر آبادی ہے اور اہل وعیال اس کے وہاں ساکن ہیں تو وہاں تک اگر چلنے کی جگہ سے تین منزل کے قدر ہے تو مسافر ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔

پھر اس وطن سے چل کر منتہیٰ مقصد تک کا بھی یہ ہی حال ہے اور واپس ہونے کا بھی یہ ہی قاعدہ ہے اور مبداء منتہا پر اگر وطن ہے تو وطن میں پہنچ کر بھی قصر نہ کرے گا؛ بلکہ اتمام صلوٰۃ کرے گا کہ سفر تمام ہو گیا ہے اور جس کا کہیں ہر سہ مواقع میں گھر نہیں، وہ برابر مسافر رہے گا اور جو شخص سب جگہ سفر کر کے ایک بلد خاص میں بہ محل دفتر قیام کرتا ہے، اگر اس کے عیال وہاں نہیں تو وہ وطن اقامت ہے، اگر وہاں پندرہ روز کی نیت سے اقامت کرے گا تو سفر نہ رہے گا، مقیم ہو جاوے گا، پھر جب وہاں سے سفر کر کے گیا، جب واپس آئے تو وہ وہاں مسافر ہے، اب جدید نیت قیام پندرہ روز کی کرے تو مقیم ہے، ورنہ مسافر ہے، کہ وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے۔ لوٹ کر آنے میں دوسری نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب ملازم اہل خیام کے حکم میں نہیں؛ کیوں کہ گھر اور عیال دوسری جگہ موجود ہیں کہ وہ ان کا وطن اصلی ہے، لہٰذا یہ ان سے جدا ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں، ص:۲۳۲-۲۳۳) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۹-۱۹۰)

گارڈ اور ڈرائیور قصر پڑھے گا یا پوری:

سوال: گارڈ لوگ اور ڈرائیور جو سفر کرتے ہیں، روزانہ دو سو میل چل کر آٹھ گھنٹہ آرام اور قیام کرتے ہیں، اس میں نماز قصر ادا کرے، یا اہل اخبیہ کی طرح پوری نماز پڑھیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ظاہر ہے کہ گارڈ وغیرہ جو روزانہ سفر کرتے ہیں، وہ قصر کریں گے اور اہل اخبیہ بھی اتمام اس وقت کرتے ہیں کہ نیت اقامت کریں اور گارڈ وغیرہ ظاہر ہے کہ نیت اقامت پندرہ روز کی نہیں کرتے۔(۱)

فی الدر المختار: (بخلاف أهل الأخبية) ... (نووها) فی المفازة فإنها تصح (فی الأصح). (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم: ۴/۴۵۵-۴۵۶)

ٹی، ٹی نماز میں قصر کرے گا، یا اتمام:

سوال: زید ریلوے میں ٹکٹ چیکر ہے اور اسے ڈیوٹی کے سلسلہ میں سو سو میل تک جانا پڑتا ہے، جہاں سے واپسی بیس بیس گھنٹے بعد ہوتی ہے، زید پوری نماز ادا کرتا ہے، زید چوں کہ ڈیوٹی کی نیت سے ڈیوٹی کرتا ہے، زید کی نیت سفر کی نہیں ہوتی؛ اس لیے مطلع فرمائیں کہ ایسی صورت میں نماز قصر ادا کی جائے، یا پوری، جیسا کہ زید کا عمل ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جب تک سفر کی نیت نہ ہو قصر نہیں، اتمام ضروری ہے، گرچہ ساری دنیا کا چکر لگائے، زید کا قول صحیح ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد یحییٰ قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۷۴-۴۷۵)

وہ گارڈ کالکا سے شملہ جاتا ہے، قصر کرے گا، یا نہیں:

سوال: ایک شخص ریلوے گارڈ ہے، ہر روز کالکا سے شملہ گاڑی لے کر جاتا ہے، ۶۰؍ میل کا فاصلہ ہے تو اس کو نماز

---

(۱) ولا يزال على حكم السفر حتى ينوى الإقامة فى بلدة أو قرية خمسة عشر يومًا أو أكثر. (الهداية، باب صلاة المسافر: ۱/۱۴۹، ظفير)

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۷، دار الفكر بيروت، ظفير

(۳) جواز قصر کے حکم کا مدار سفر پر ہے مقصد سفر پر نہیں، ریلوے اسٹاف ہو، یا جہاز میں کام کرنے والے جو مہینوں سمندر میں تیرتے رہتے ہیں سفر کا ارادہ تو کرتے ہیں، البتہ ان کا مقصد اپنے فرائض وڈیوٹی ادا کرنا ہوتا ہے، اس مقصد کی وجہ سے حکم میں فرق نہیں پڑے گا، لہٰذا اگر مسافت سفر، یا اس سے زائد جانے کے ارادہ سے نکلا تو وہ قصر کرے گا۔ حضرت تھانویؒ نے جہاز کے عملہ کے بارے میں قصر، یا اتمام کے حکم پر مفصل بحث کی ہے۔(دیکھئے: امداد الفتاوی: ۱/۵۷۹)[مجاہد]

"(من خرج من عمارة موضع إقامته)... (قاصدًا)... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)" (الدر المختار وفى الرد تحت (قوله قاصدًا) أشار به مع قوله خرج إلى أنه لو خرج ولم يقصد أو قصد ولم يخرج لايكون مسافرًا (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۲، دار الفكر بيروت، انيس)

پوری پڑھنی چاہیے، یا قصر؟ اگر قصر پڑھے تو پہلے سے جو پوری نماز پڑھی گئی، وہ ہوئی، یا نہیں؟ علاوہ ازیں حالت سفر میں سنتوں کا پڑھنا دشوار ہے، صرف ریل سے اتر کر فرض پڑھ سکتا ہے، چار منٹ کی مہلت ہوتی ہے اور انجن میں نماز کی جگہ اور گنجائش نہیں اور وہ شخص شملہ اور کالکا دونوں جگہ مسافر شمار ہوگا، یا کیا؟

الجواب

اس صورت میں نماز قصر پڑھنی چاہیے، (۱) اور اگر پہلے پوری نمازیں پڑھی گئیں اور درمیان کا قعدہ کیا گیا تھا تو وہ نمازیں ہوگئیں، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، (۲) اور سنتوں کی قضا بھی نہیں ہے، (۳) اور کالکا اور شملہ دونوں جگہ وہ مسافر ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۶۲)

ڈرائیور جو انجن پر دوڑتا رہتا ہے، قیام ایک جگہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رہتا، کیا کرے:

سوال: ایک ڈرائیور جو ریل گاڑی چلاتا ہے، اپنے ہیڈ کواٹر؛ یعنی مستقر سے روانہ ہوکر سومیل، یا کم وبیش دورہ کرتا ہے اور جب اپنی ڈیوٹی پوری کرلیتا ہے تو دوسرے مستقر پر جاکر کم ازکم بارہ گھنٹہ، یا چوبیس گھنٹہ آرام کرتا ہے، پھر چند گھنٹہ بعد دوسری گاڑی لے کر واپس ہوتا ہے، جب اپنے پہلے مستقر پر پہنچتا ہے تو یہاں بھی اس کو اتنے ہی قیام کا موقع ملتا ہے تو اس کو ہر دو جگہ قصر کرنا چاہیے، یا پوری نماز پڑھنی چاہیے؟

الجواب

اس کو دونوں جگہ نماز قصر پڑھنی چاہیے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۷۶)

---

(۱) ولایزال علیٰ حکم السفر حتیٰ ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یومًا أو أکثر وإن نویٰ أقل من ذلک قصر. (الهداية، باب صلاة المسافر: ۱/۱٤۹، ظفیر)

(۲) فإن صلی أربعاً وقعد فی الثانیة قدر التشهد أجزأته والأخریان نافلة ویصیر مسیئًا لتأخیر السلام. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، ظفیر)

(۳) (ولایقضیها إلابطریق التبعیة) لقضاء (فرضها قبل الزوال لابعده فی الأصح) ... (بخلاف سنة الظهر) وکذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت رکعة (یترکها) ویقتدی (ثم یأتی بها) علیٰ أنها سنة (فی وقته) أی الظهر. (الدر المختار)

وفی الرد تحته: فلا تقضی بعده لاتبعًا ولامقصودًا. (ردالمحتار، باب إدراک الفریضة: ۲/۵۷-۵۸، دار الفکر بیروت، انیس)

(۴) (من خرج من عمارة موضع إقامته) ... (قاصدًا) ... (مسیرة ثلٰثة أیام ولیالیها) ... (صلی الفرض الرباعی رکعتین) وجوبًا ... (فیقصر إن نویٰ) الإقامة (فی أقل منه) أی من نصف شهر. (الدر المختار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۵، دار الفکر بیروت، ظفیر)

ساٹھ میل سے ڈیڑھ سو میل تک گاڑی چلانے کے بعد چار روز پر گھر جائیں تو وہ قصر کریں، یا نہیں:

سوال: ملازمین ریلوے؛ یعنی انجن ڈرائیور وغیرہ جن کا کہ سفر تقریبا ساٹھ میل سے بغایۃ ڈیڑھ سو میل تک ہوتا ہے اور وہ لوگ دوسرے، یا تیسرے، یا چوتھے روز تک اپنے مکان پر واپس آجاتے ہیں، ایسی حالت میں قصر واجب ہے، یا نہیں؟

(المستفتی:۲۳۶۰، نبی احمد خاں (آگرہ) ۷ر جمادی الاول ۱۳۵۷ھ، م ۶ر جولائی ۱۹۳۸ء)

الجواب

ہاں حالت سفر میں وہ قصر کریں گے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۳۷۸/۳)

ریل ڈرائیور جو اڑتالیس میل گاڑی چلاتے ہیں، وہ قصر کریں، یا پوری نماز ادا کریں:

سوال: ہم لوگ انجن ڈرائیور کا کام کرتے ہیں، برہما ریلوے کے اندر اور ہم لوگوں کا کام ہمیشہ سفر کا ہے اور پانچ چھ روز کا سفر ہوتا ہے اور نوکری ہم لوگوں کی بارہ گھنٹے کی ہے، بارہ گھنٹے کام کرتے ہیں اور بارہ گھنٹے آرام سے سوتے ہیں، لمبے سفر کا یہ حال ہے، چھوٹا سفر بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے، وہاں پر ہم لوگوں کو ایک مکان ملا ہے سونے کے واسطے اور ایک باورچی خانہ ملا ہے کھانا بنانے کے واسطے، ہم لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔ اب ہم لوگ اس بات کے خواستگار ہیں کہ ایسی حالت میں ہم لوگ نماز قصر پڑھیں، یا پوری نماز پڑھیں؟ (المستفتی:۱۰۵۹، محمد رؤف صاحب، رنگون)

الجواب

اگر آپ لوگ ایکدم تین دن کے سفر یعنی ۴۸ میل جانے کی نیت سے سفر کرتے ہیں تو آپ مسافر ہیں،(۲) اور اگر نیت کرنا آپ کے اختیار میں نہیں تو آپ مسافر نہیں ہوں گے اور اس صورت میں پوری نماز پڑھیں گے،(۳) اور روزہ میں کوئی مشکل نہیں؛ کیوں کہ روزہ تو ہر حالت میں خواہ مقیم ہو یا مسافر) رکھنا جائز ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ (کفایت المفتی:۳۷۵/۳)

---

(۱) ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یوماً أو أکثر. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۳۹/۱، ط: سعید)

(۲) (ومن خرج من موضع اقامته) ... (قاصداً) ... (مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها) من اقصر أیام السنة ... (صلی الفرض الرباعی رکعتین). (الدرالمختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافرین: ۱۲۱/۲-۱۲۳، ط: سعید کراتشی)

(۳) (والمعتبر نیة المتبوع)؛ لأنه ... (لاالتابع کامرأة) ... (وعبد) ... (وأجیر). (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافرین: ۱۳۳/۲-۱۳۴، ط: سعید کراتشی)

ریل میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: بسواری ریل کھڑے ہوکر، یا بیٹھ کر نماز ادا کرنا چاہیے، اگر کھڑے ہوکر نماز ادا کی جاتی ہے تو چھت ریل کی سر پر لگتی ہے۔ دوم یہ کہ جو تختہ جانب پورب ہے اور جانب پچھّم کے تخت کے درمیان میں فاصلہ اس قدر ہے اور درمیان میں جگہ بھی خالی ہے کہ اندیشہ گرنے کا ہے۔ سوم یہ کہ بحالت قیام ریل اتر کر نماز ادا کرنے میں یہ خیال ہے کہ ریل روانہ ہوجائے گی اور مال کا بھی نقصان ہوگا اور خود بھی رہ جائیں گے تو ان حالات مذکورہ میں کس طرح پر نماز ادا کرے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

نماز پڑھنے کے لیے ریل سے اترنے کی کوئی حاجت نہیں ہے، اگر ریل مثل سریر موضوع علی الارض کے ہے تو ظاہر ہے اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔

(وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز)لو وافقة لتعليلهم بأنها كالسرير. (الدرالمختار)

وفي الرد تحت (قوله:لو وافقة) كذا قيده في شرح المنية ولم أره لغيره يعني إذا كانت العجلة على الأرض ولم يكن شيئ منها على الدابة وإنما لها حبل مثلا تجرها الدابة به تصح الصلٰوة عليها؛لأنها حينئذ كالسرير الموضوع على الأرض ومقتضٰى هٰذا التعليل أنها لو كانت سائرة في هٰذه الحالة لاتصح الصلاة عليها بلاعذر وفيه تأمل؛لأن جرها بالحبل وهي على الأرض لا تخرج به عن كونها على الأرض ويفيده عبارة التاتارخانية عن المحيط وهي لو صلٰى على العجلة إن كان طرفها على الدابة وهي تسير تجوز في حالة العذر لا في غيرها وإن لم يكن طرفها على الدابة جازت وهو بمنزلة الصلٰوة على السرير آه فقوله وإن لم يكن إلخ يفيد ماقلنا؛ لأنه راجع إلٰى أصل المسئلة وقد قيدها بقوله وهي تسير ولو كان الجواز مقيد ابعدم السير لقيده به فتأمل. (ردالمحتار: ۴۷۱/۱)(۱)

اور اگر مثل عجلہ محمولہ علی الدابۃ کے بھی مانی جاوے، تب بھی بوجہ عذر کے اترنے کی کوئی ضرورت نہیں اور عذر یہی ہے کہ چلتی ریل میں اتر نہیں سکتا، کھڑی ریل میں ریل کے چل دینے، یا مال کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔

(وأما الصلاة على العجلة إن كان طرف العجلة على الدابة وهي تسير أو لا) تسير (فهي صلاة على الدابة فتجوز في حالة العذر)المذكور في التيمم (لا في غيرها) ومن العذر المطروطين يغيب فيه الوجه وذهاب الرفقاء ودابة لاتركب إلا بعناء أو بمعين. (الدرالمختار)

وفي الرد تحت(قوله:المذكور في التيمم)بأن يخاف علٰى ماله أو نفسه أوتخاف المرأة من فاسق. (۳)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مطلب في القادر بقدرة غيره: ۲/۴۱-۴۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) اس عبارت سے ریل میں جواز تیمّم بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۳) رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مطلب في الصلاة على الدابة: ۲/۴۰،دار الفكر بيروت،انيس

اگر چہ یہ بھی امید ہو کہ نماز کے وقت رہنے تک مجھ کو اتر کر پڑھنا ممکن ہے، تب بھی ریل میں بہر حال پڑھنا جائز ہوگا؛ کیوں کہ عذر وقت شروع نماز کے معتبر ہے، اگر چہ آخر وقت میں زوال اس کا متوقع ہے۔

تنبیه: بقی شیء لم أرمن ذکره وهو أن المسافر إذا عجزعن النزول عن الدابة لعذرمن الأعذار المارة وکان علٰی رجاء زوال العذر قبل خروج الوقت کالمسافر مع رکب الحاج الشریف هل له أن یصلی العشاء مثلاً علی الدابة او المحمل فی أول الوقت إذاخاف من النزول أم یؤخرإلٰی وقت نزول الحجاج فی نصف اللیل لأجل الصلاة والذی یظهرلی الأول؛لأن المصلی إنما یکلف بالأرکان والشروط عند إرادة الصلاة والشروع فیها ولیس لذلک وقت خاص ولذا جاز له الصلاة بالتیمم أول الوقت وإن کان یرجو وجود الماء قبل خروجه وعللوه بأنه قد أداها بحسب قدرته الموجودة عندانعقاد سببها و هو ماااتصل به الأداء آه ومسألتنا کذلک. (۱)

البتہ ایسی صورت میں انتظار آخیر وقت مستحب تک مستحب ہوگا۔

(وندب لراجیه) رجاء قویًا (آخرالوقت) المستحب ولولم یؤخروصلٰی جازإن کان بینه وبین الماء میل وإلالا. (۲)

پس ہر گاہ معلوم ہوا کہ اترنے کی کچھ حاجت نہیں تو اگر قیام پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے، خواہ کسی شکل سے بیٹھے۔

(أووجد لقیامه المأشدیداً)...(صلی قاعدًا)...(کیف شاء)علی المذهب. (الدرالمختار: ۵۰۹)(۳)

(صلی الفرض فی فلک) جار(قاعدًا بلاعذرصح) لغلبة العجز(وأساء) وقالا لایصح إلا بعذروهو الأظهربرهان. (الدرالمختار، ص: ۵۱۲)(۴)

اور اگر رکوع وسجود بوجہ زیادتی فصل درمیان شرقی وغربی تختوں کے متعذر رہوں تو اشارہ سر سے رکوع وسجدہ کرے؛ لیکن معمولی دقت کو تعذر نہ سمجھا جائے اور سجدہ کو رکوع سے ذرا پست کرے۔

(وإن تعذر)...(أومأ)...(قاعدًا)...(ویجعل سجوده أخفض من رکوعه. (الدرالمختار: ۵۰۹)(۵)**واللہ اعلم**

۲۳رشوال ۱۳۰۴ھ (امداد: ۱/۳۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۶۵-۵۶۷)

---

(۱) رد المحتار، مطلب فی القادربقدرة الغیر: ۲/۴۱، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) الدر المختارعلٰی هامش رد المحتار، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۱۴۹، دار الفکر بیروت، انیس

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریل میں بھی انتظار پانی کا اخیر وقت مستحب تک بہتر ہے، ضروری نہیں۔

(۳) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب صلاة المریض: ۱/۹۶-۹۷، دار الفکر بیروت، انیس

(۴) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب صلاة المریض: ۲/۱۰۱، دار الفکر بیروت، انیس

(۵) الدر المختارعلٰی هامش رد المحتار، باب صلاة المریض: ۹۷-۹۸، دار الفکر بیروت، انیس

سوال: نماز ریل میں کس طرح پڑھنا چاہیے، میں بعض مرتبہ کھڑے ہوکر پڑھتا ہوں، اس طرح کہ ایک تختہ کی طرف کھڑا ہوتا ہوں اور دوسرے تختہ پر سجدہ کرتا ہوں۔ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ سجدہ میں گھٹنے پاؤں کے زمین میں نہیں لگتے ہیں، لہٰذا نماز نہیں ہوتی۔حدیث شریف میں ہے کہ سات چیزیں زمین میں بوقت سجدہ کے لگنا چاہیے، چناں چہ اول سات میں سے ایک گھٹنے بھی ہیں، اسی وجہ سے میت کے گھٹنوں میں کافور لگایا جاتا ہے، ان کی رائے میں اس طرح پڑھنا چاہیے کہ ایک تختہ پر بیٹھے مثل نماز پڑھنے والے کے اور دوسرے تختہ پر سجدہ کرے؛ مگر اس صورت میں قیام جو فرض ہے ترک ہوتا ہے، لہٰذا جناب کی کیا رائے ہے؟ کیا گھٹنے کا لگنا زمین میں بوقت سجدہ کے لازم ہے؟

الجواب

فی ردالمحتار: تظافرت الروايات عن أئمتنا بأن وضع اليدين والركبتين سنة ولم ترد رواية بأنه فرض. (۵۲۱/۱)(۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ زانو ٹکانا فرض نہیں؛ بلکہ واجب بھی نہیں،(۲) اور قیام فرض ہے۔پس آپ کا طریقہ صحیح ہے اور ان صاحب کا قول بالکل غلط ہے۔علاوہ مذکورہ بالا وجہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو خرابی انہوں نے قیام کی حالت میں بتلائی ہے؛ یعنی گھٹنوں کا سجدہ کی حالت میں زمین میں نہ لگنا وہی خرابی قعود کی حالت میں بھی ہے، فافہم۔واللہ اعلم

(امداد: ۷۹/۱)(امداد الفتاویٰ: ۵۶۷/۱-۵۶۸)

سوال: ریل کے سفر میں جو مواقع پیش آتے ہیں، وہ ذیل میں عرض کیے جاتے ہیں:

(۱) بحالتے کہ ریل چلتی ہوئی ہے اور بیٹھنے کی پڑی موافق رخ قبلہ نہیں ہے؛ یعنی شمال وجنوب ہے اور آئندہ اسٹیشن پہنچنے کے قبل وقت جاتا رہے گا، یا اسٹیشن پر اتر کر نماز ادا کرنا بوجہ قلت قیام ممکن نہ ہوگا تو ایک پڑی پر بیٹھ کر اور پاؤں لٹکا کر دوسری پڑی پر سجدہ کرنا اس طرح درست ہوگا، یا کیا؟ خواہ جماعت ہو، یا تنہائی۔

---

(۱) ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب فی اطالة الركوع للجائی: ۴۹۹/۱، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) متون میں عام طور پر یہی ہے، لیکن فتح القدیر، البحر الرائق، شامی وغیرہ میں ترجیح اس کو دی ہے کہ گھٹنوں کا ٹیکنا سجدہ میں واجب ہے۔

قال الشامی: واختار فی الفتح الوجوب؛ لأنه مقتضی الحديث مع المواظبة قال فی البحر وهو إن شاء الله تعالٰی أعدل الأقوال لموافقته الأصول انتهٰی (رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب فی التبليغ خلف الامام: ۴۷۶/۱، دار الفکر بیروت، انیس)

وقال فی موضع أخر قدمنا الخلاف فی أنه سنة أو فرض أو واجب وأن الأخير أعدل الأقوال، انتهٰی. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب فی إطالة الركوع للجائی: ۴۹۷/۱، دار الفکر بیروت، انیس)

لیکن ریل میں مذکورۂ سوال ضرورت میں جب کہ فرض قیام فوت ہونا لازم آتا ہو، اگر اس خاص حالت میں سنت کے قول کو ترجیح دے دی جاوے تو مضائقہ نہیں، جیسا کہ حضرت مصنف قدس سرہ نے کیا ہے۔واللہ اعلم (بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ)

الجواب

بیٹھنا بلا عذر درست نہیں، ایک پر کھڑ ہوا اور دوسری پر سجدہ کرے۔

۱۸/محرم ۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص:۶۲) (امداد الفتاویٰ: ۱/۵۶۷-۵۶۸)

چلتی ریل گاڑی پر نماز:

سوال: برریل گاڑی نماز فرض خواندن درحالت سیر او بدون عذر جائز است، یا نہ؟ بینوا توجروا۔(۱)

الجواب

جائز است۔

قال فی ردالمحتار شرح الدر المختار من باب الوتر والنوافل تحت (قوله: وإن لم یکن طرف العجلة علی الدابة): جاز لو واقفة، الخ: کذا قیده فی شرح المنية ولم أره لغیره یعنی إذا کانت العجلة علی الأرض ولم یکن شیء منها علی الدابة وإنما لها حبل مثلا تجرها الدابة به تصح الصلاة علیها؛ لأنها حینئذ کالسریر الموضوع علی الأرض ومقتضٰی هٰذا التعلیل أنها لو کانت سائرة فی هذه الحالة لاتصح الصلاة علیها بلاعذر، وفیه تأمل؛ لأن جرها بالحبل وهی علی الأرض لاتخرج به عن کونها علی الأرض ویفیده عبارة التاترخانیة عن المحیط: وهی لو صلی علی العجلة إن کان طرفها علی الدابة وهی تسیر تجوز فی حالة العذر لافی غیرها وإن لم یکن طرفها علی الدابة جازت وهو بمنزلة الصلاة علی السریر، انتهٰی.

(فقوله: وإن لم یکن طرفها، إلخ) یفید ماقلنا؛ لأنه راجع إلٰی أصل المسئلة وقد قیدها بقوله وهی تسیر ولو کان الجواز مقیدًا بعدم السیر لقیده به فتامل، انتهٰی. (۲)

أقول: وکذا یقید ما أفادنا السید قدس سره عن عبارة المحیط عبارة فتاویٰ قاضی خان وهی: أما الصلاة علی العجلة إن کان طرف العجلة علی الدابة وهی تسیر أو لاتسیر فهی صلاة

(۱) یہ سوال وجواب حضرت تھانوی قدس سرہ کے نہیں ہیں۔

حضرت تھانوی لکھتے ہیں: ''میرا ایک فتویٰ اس کے متعلق رسالہ الامداد، محرم ۱۳۳۵ھ میں صفحہ: ۳۸ پر چھپا تھا، اس کے متعلق ایک تحریر بہ شکل دوسوال وجواب آئی، جو ذیل میں منقول ہے اور اس کے ایک حاشیہ میں جو بھذا اظہر سے شروع ہوتا ہے، میری ایک عبارت معنون بہ ''رفع اشتباہ'' پر اعتراض بھی تھا، اس کا جواب مولوی حبیب احمد صاحب نے لکھ کر مجھ کو دکھلایا، جو اس پر آئی ہوئی ہے۔ س) تحریر کے بعد منقول ہے، اھ۔

(۲) رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فی القادر بقدرة الغیر: ۲/۴۱-۴۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ الهندیة، قبیل باب صلاة المریض: ۱/۱۷۱

على الدابة تجوز حالة العذر ولا تجوز في غيرها وان لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز وهى بمنزلة الصلاة على السرير، انتهىٰ. (٣)

المريض فلماجازت الصلاة على العجلة إذا لم يكن شيئ منها على الدابة وهى تسير أولا تسير بدون العذروكانت بمنزلة السريرفى الحالتين فبا لطريق الأولىٰ تجوزعلى المركب الدخانى الذى يجرى على الأرض حال كونه سائرًا بدون العذر، فظهرأن مافى غاية الأوطار: ٣٤٣/١، تحت قوله: وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز لوواقفة.

علمائے ہند مختلف ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ریل گاڑی چلتے میں نماز فرض وواجب درست نہیں اور بعضے درست کہتے ہیں، الخ۔

منشاء عدم اطلاع الفريقين والمولف ايضاعلى ماحققه السيد العلامة تحت القول المذكوركمانقلنا هٰذا واعترض (١)مفتى المصرعلىٰ قول السيد قدس سره وفيه تأمل؛لأن جرها إلخ حيث قال وهى وإن لم تخرج بالجربالحبل عن كونها على الأرض إلاأن هٰذاالقيد لابد منه إذ بدونه يفوته اتحادمكان الصلاة الذى هوشرط لصحتها إلابعذرإلخ ويقول العبد الضعيف أن هٰذا منه عجيب جدا فان مكان الصلوٰة فيمانحن فيه العجلة ولوح من ألواحها دون الأرض التى تحتها ألاترى أن الصلاة على السفينة السائرة جائزة واعتبارالعذرهنا؛لأنها لماكانت على الماء دون الأرض فكانت كالدابة لالعدم اتحاد مكان الصلاة فإن الحكم فى السفينة المربوطة بالشط إذاكانت على القرارمن الماء ولم يكن شيئ منها مستقرا على الأرض أيضاكذلك (بهذا(٢)ظهر أن كون السفينة على الماء والماء على الأرض ممالاينتج نتيجة تفيد حكما من الاحكام)، إن قيل: قد تقرر أن بعض الائمة إذاصرح بقيد وجب اتباعه.

قلت: هٰذاإذاكان من أهل الترجيح وابن أميرالحاج شارح المنية ليس من أهل الترجيح، (٣)بل هومن نقلة المذهب فكان عليه عز والقيد المذكورإلىٰ كتاب من الكتب المعتبرة ولعل إليه أشار السيد المحقق بقوله ولم أره لغيره، بقى هل يجب التوجه إلى القبلة كلما دارالمركب الدخانى عنها عند استفتاح الصلاة وفى خلال الصلاة؟ الظاهرنعم، فإن لم يمكنه يمكث عن الصلاة إلا إذاخاف فوت الوقت. هٰذا ماظهرلى والله تعالىٰ أعلم وعلمه أحكم (امداد الفتاویٰ: ۵۶۸/۱-۵۷۱)

---

(١) فى باب الوتر والنوافل

(٢) *قوسین کے درمیان جو عبارت ہے، اس میں سوال: ۵۱۶ کے جواب کے آخیر میں جو ''رفع اشتباہ ہے، اس پر اعتراض ہے اور اسی کا جواب مولانا حبیب احمد صاحب کے قلم سے آرہا ہے۔ سعید*

(٣) كذا فى الحموى شرح الأشباه من الفن الثالث فى أحكام الخنثىٰ

الجواب ـــــــــــ من المولوی حبیب أحمد

فی الدرالمختار: (المربوطة فی الشط) کالشط فی الأصح، آہ.

وقال فی ردالمحتار تحت (قوله المربوطة فی الشط) کالشط فلاتجوزالصلاة فیها قاعدًا اتفاقًا وظاهرما فی الهدایة وغیرها الجواز قائمًا مطلقًا أی استقرت علی الأرض أولاوصرح فی الإیضاح بمنعه فی الثانی حیث أمکنه الخروج إلحاقًالها بالدابة، نهر، واختاره فی المحیط والبدائع، بحر، وعزاه فی الامداد أیضًا إلٰی مجمع الروایات عن المصفی وجزم به فی نورالإیضاح وعلٰی هٰذاینبغی أن لاتجوزالصلاة فیها سائرة مع امکان الخروج إلی البروهٰذه المسئلة الناس عنها غافلون، شرح المنیة، آہ. (ص: ۷۹۷)(۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفینہ کے مثل دابہ ہونے میں اختلاف ہے، صاحب ہدایہ وغیرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو مثل دابہ نہیں سمجھتے اور اس میں نماز بلا عذر جائز ہے اور دیگر علما نے تصریح کی ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے اور اس میں نماز بلاعذر جائز نہیں اور راجح یہ ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھنا چاہیے کہ الامداد میں جو لکھا گیا ہے (رفع اشتباہ) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے؛ کیوں کہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے، آہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ظہور استقرار کی وجہ سے اس کو اگر مثل دابہ نہ کہا جاوے؛ بلکہ اس کو مثل سریر سمجھا جاوے تو گو یہ مرجوح ہے؛ مگر اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ ظاہر ہدایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، برخلاف ہوائی جہاز کے کہ وہاں یہ گنجائش نہیں۔

فاتضح فائدة هٰذا الکلام واندفع ما أورد علیه بقوله بهٰذا ظهرأن کون السفینة علی الماء و الماء علی الأرض ممالاینتج نتیجة تفید حکما من الأحکام، آہ.

التماس: اب ناظرین علما سے اس کی تنقید کر لیں۔ فقط

۴؍ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (ترجیح خامس، ص: ۹۲) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۵۶۸-۵۷۲)

ریل میں ہجوم کے وقت نماز کا حکم:

سوال: ریل میں ہجوم کی وجہ سے بیٹھنے کے لیے بھی جگہ نہ مل سکے تو نماز کیسے ادا کی جائے؟ نیز گاڑی کا رخ بدلنے کے ساتھ ساتھ خود کا بدلنا بھی ضروری ہے، پانی نہ ملنے کی صورت میں بعض اوقات طہارت کا ملہ نہیں رہتی، ایسی صورت میں قضا کرنا چاہیے، یا اسی حالت میں نماز ادا کرے؟

(۱) رد المحتار، باب صلاة المریض، مطلب فی الصلاة فی السفینة: ۲/۱۰۱، دار الفکر بیروت، انیس

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

جب تک بیٹھنے کی جگہ نہیں تو آخر وقت میں اشارہ سے نماز پڑھ لے، پھر جگہ ملنے پر اعادہ کرلے۔(۱) پانی نہ ہونے کے وقت تیمّم کرے، قضا نہ کرے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۶/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند،۱۶/۶/۱۳۸۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵۳۰/۷)

ٹرین وبس میں نماز پڑھنے کا طریقہ:

سوال: اگر ٹرین، یا بس میں نہ پانی میسر ہو، نہ رکوع وقیام کی گنجائش ہو تو تیمّم کر کے بیٹھے بیٹھے نماز ادا کی جاسکتی ہے، یا قضا کردی جائے، بعد میں پڑھی جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اگر ٹرین میں پانی نہ ہو اور رکوع وسجود کی بھی بھیڑ کی وجہ سے گنجائش نہ ہو اور یہ بھی توقع نہ ہو کہ وقت کے اندر اندر کسی اسٹیشن پر پہنچ جائے گی، جہاں پانی میسر آجائے گا اور نماز کے لیے جگہ بھی مل جائے گی تو تیمّم کر کے اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے، پھر پانی اور جگہ ملنے پر وضو کر کے پورے طریقے پر دوبارہ نماز پڑھ لی جائے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۵۳۱/۷)

---

(۱) مسافر لایقدر أن یصلی علی الأرض ... یصلی بالایماء إذا خاف فوت الوقت،آہ". (ردالمحتار،باب الوترو النوافل، مطلب فی القادر بقدرة الغیر: ۴۱/۲،سعید)

"الأسیر فی ید العدو إذا منعه الکافر عن الوضوء والصلاة یتیمم ویصلی بالإیماء، ثم یعید إذا خرج ... لأن هٰذا عذر جاء من قبل العباد،فلا یسقط فرض الوضوء عنه،فعلم منه أن العذر ان کا من قبل اللّٰه تعالٰی لا تجب الاعادة،و إن کا ن من قبل العبد وجبت الاعادة،آہ". (البحر الرائق، کتاب الطهارة،باب التیمم: ۲۴۸/۱، رشید)

(۲) (ومن عجز) ... (عن استعمال الماء) ... (لبعده) ...(میلا) ... (تیمم) لهٰذه الأعذار کلها". (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار،کتاب الطهارة،باب التیمم: ۲۳۲/۱-۲۳۶،سعید)

فمنها أن لایکون واجدا للماء قدرما یکفی لطهارته فی الصلاة التی تفوت إلی خلف وماهو من اجزاء ها لقوله تعالٰی:﴿فلم تجدوا ماء فتیمموا﴾[النساء: ۴۳]وغیر الکافی کالمعدوم، وهذا عندنا". (البحرالرائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۲۴۲/۱،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس)

(۳) وفی الخلاصة وفتاوی قاضی خان وغیرهما:الأسیر فی ید العدو إذا منعه الکافر عن الوضوء والصلاة، یتیمم ویصلی بالایماء،ثم یعید إذا خرج ...؛ لأن هٰذا عذر جاء من قبل العباد،فلایسقط فرض الوضوء عنه،فعلم منه ان العذر إن کان من قبل اللّٰه تعالٰی،لاتجب الإعادة،وإن کان من قبل العبد وجبت الإعادة.(البحرالرائق،باب التیمم: ۲۴۸/۱،دار الکتب العلمیة)

ریل میں نماز پڑھنے کا طریقہ:

سوال: سفر میں ریل گاڑی کے اندر قیام اور جہت قبلہ ضروری ہے، یا نہیں؟ کیا بیٹھ کر، یا جس طرف بھی منہ ہو، پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

قیام اور استقبال قبلہ پر قدرت کے باوجود ان دونوں میں سے کسی کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔ سفر میں ہو، یا حضر میں، ریل میں ہو، یا جہاز میں، سب کا یہی حکم ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۳۱-۵۳۲) ☆

اگر قیام ممکن ہو تو چلتی ٹرین میں نماز کا قیام فرض ہے:

سوال: چلتی ٹرین میں اگر نمازی نے کھڑے ہو کر تکبیر اولیٰ کہہ لی اور بقیہ نماز بیٹھ کر ادا کی تو قیام ادا ہو گیا، یا نہیں؟ اس سے نماز میں کوئی نقص تو واقع نہیں ہوا؟

---

(۱) ثم الشرط(هی) ستة ... والسادس(استقبال القبلة)حقيقة أوحكمًا كعاجز،والشرط حصوله لاطلبه، وهو شرط زائد للابتداء يسقط للعجز.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب شروط الصلاة: ١/٤٢٧،سعيد)

(ومنها القيام) ... (فی فرض) ... (لقادرعليه)وعلى السجود.(الدرالمختار،باب صفة الصلاة: ١/٤٤٥،سعيد)

☆ ریل گاڑی میں نماز کس طرح پڑھے؟ جبکہ پانی تک پہنچنے پر قادر نہ ہو:

سوال: بعض اوقات دوران سفر ریل گاڑی میں اتنا زیادہ رش ہوتا ہے کہ بیت الخلاء جانا تو درکنار ایک سیٹ سے دوسری سیٹ تک جانا دشوار ہو جاتا ہے تو ان حالات میں ایک تو آدمی کی وضو، یا طہارت تک پہنچ نہیں ہوتی۔ دوسرا یہ کہ نماز ادا کرنے کے لیے موزوں جگہ کا ملنا ناممکن ہوتا ہے اور خاص کر جبکہ گاڑی کا رخ کعبہ کی طرف ہو، یا کعبہ سے مخالف سمت (مثلاً کراچی آنے جانے والی ریل گاڑیاں)؛ کیوں کہ اس حالت میں اگر سیٹ پر جگہ مل بھی جائے تو نمازی سجدہ نہیں کر سکتا تو حضور! ان مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نماز کا وقت ہونے پر نمازی نماز کس طرح ادا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــ

ایسی مجبوری کی حالت کبھی شاذ و نادر ہی پیش آسکتی ہے، عام طور پر گاڑیوں میں رش تو ہوتا ہے، لیکن اگر ذرا ہمت سے کام لیا جائے تو آدمی کسی بڑے اسٹیشن پر نماز پڑھ سکتا ہے، بہر حال! اگر واقعی ایسی حالت پیش آجائے تو اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ نماز قضا کی جائے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ طہارت اور وضو حد امکان سے خارج ہو، یعنی نماز پڑھنا کسی طرح ممکن ہی نہ ہو۔ (والمحصور فاقد)الماء والتراب (الطهورين) بأن حبس فی مكان نجس ولايمكنه إخراج تراب مطهر وكذا العاجزعنهما لمرض (يؤخرها عنده وقالا يتشبه بالمصلين وجوباً.

وفی ردالمحتار: تحت (قوله يؤخرها عنده) لقوله عليه السلام: "لاصلاة إلا بطهور" إلخ.(الدر المختار مع ردالمحتار،باب التيمم: ١/٢٥٢،دار الفكر بيروت،انيس) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۰۱-۱۰۲)

الجواب ــــــــــــــــــــــ

اگر قیام ممکن ہوتو پوری نماز میں قیام فرض ہے۔(۱)(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۹۹)

کیا ریل میں سیٹ پر بیٹھ کر کسی طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں:

سوال: اخبار جہاں میں بعنوان کتاب وسنت کی روشنی میں، ایک مسئلہ لکھا ہے، جس کی عبارت یہ ہے:

''(سوال) اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ ریل گاڑی اور بسوں میں بوقت نماز نمازی لوگ سیٹ پر بیٹھ کر جس طرف بھی منہ ہو نماز پڑھ لیتے ہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟ (جواب) نماز ہو جاتی ہے''۔

اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے اور قیام بشرط قدرت فرض ہے،(۲) فرض اور شرط فوت ہو جانے سے نماز بھی نہیں ہوتی۔ اخبار جہان کا لکھا ہوا مسئلہ غلط ہے، ریل میں کھڑے ہو کر قبلہ رخ نماز پڑھنی چاہیے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۱۰۰)

ٹرین میں ازدحام کی وجہ سے بیٹھ کر نماز:

سوال: سفر میں ٹرین پر بھیڑ کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر ٹرین میں رش اور ازدحام زیادہ ہو، کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو اور نماز کا وقت ختم ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز ادا کر لی جائے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی، ۱۴۰۰/۳/۴ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۶۷)

---

(۱) ومنها القيام وهو فرض في صلاة الفرض والوتر (للقادر عليه). (الفتاویٰ الهندية،الباب الرابع في صفة الصلاة،الفصل الأول في فرائض الصلاة: ٦٩/١)

(۲) (ومنها القيام)وهوفرض في صلاة الفرض والوتر "للقادر عليه".(الفتاویٰ الهندية: ٦٩/١،كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة في الفصل الأول)

أيضًا: ثم الشرط(هي)ستة ... و السادس (إستقبال القلبة) حقيقة أوحكمًا كعاجز والشرط حصوله لا طلبة،وهو شرط زائد للابتلاء ويسقط للعجز. (الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار: ٤٢٧/١،باب شروط الصلاة)

أيضًا:ومن أراد أن يصلي في سفينة فرضًا أونفلاً فعليه أن يستقبل القبلة متٰى قدرعلٰى ذلك،وليس له أن يصلي إلٰى غير جهتها ... ومحل كل ذلك إذا خاف خروج الوقت قبل أن تصل السفينة أو القاطرة إلى المكان الذي يصلي فيه صلاة كاملة،ولا تجب عليه الإعادة،ومثل السفينة القطر البخارية البرية والطائرات الجوية ونحوها.(كتاب الفقه على المذاهب الأربعة للجزائري،مبحث صلاة الفرض في السفينة وعلى الدابة ونحوها: ١٨٧/١،دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (ومن تعذرعليه القيام)...(صلٰى قاعدا).(الدرالمختار،باب صلاة المريض: ٩٥/٢-٩٦،دار الفكر،انيس)

ٹرین میں بیٹھ کر نماز:

سوال: ٹرین میں کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھنی ضروری ہے، یا بیٹھ کر بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟
(سید عظمت علی، محبوب نگر)

الجواب

ٹرین اگر کسی جگہ رکی ہوئی ہو، تب بھی اس پر نماز پڑھنا درست ہے اور ایسی صورت میں اس پر کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھنا واجب ہوگا؛ کیوں کہ یہ زمین کے حکم میں ہے۔ چلتی ہوئی ٹرین میں بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ فقہا نے کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ (**ولو صلّٰی الفرض في فلک**) جارٍ (**قاعدًا بلاعذر صح**) **لغلبة العجز** (وأساء) **وقالالا يصح إلا بعذر وهو الأظهر**. (۱) لیکن بہتر ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنے پر قادر ہوتو کھڑے ہوکر ہی پڑھے کہ صاحبین کا مسلک یہی ہے اور بعض فقہا نے اسی کو ترجیح دیا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۷۷)

ریل وغیرہ میں محل سجدہ نہ ملنے کے وقت اشارے سے سجدے کا حکم:

سوال: پٹری بوجہ کثرت آدمیوں کے جگہ نہیں ہے کہ دوسری پٹری پر سجدہ ہوسکے، مثلا وہ لوگ دوسرے فرقہ کے ہیں، کہنے سے جگہ دیں، یا نہ دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؛ یعنی ان سے درخواست کی جاوے، یا نہ کی جاوے؟ اگر نہ کی جاوے، یا مانگنے سے بھی وہ لوگ جگہ نہ دیں، یا ایسی گنجائش ہی نہ ہوتو نماز اشارہ سے پڑھی جاوے، یا کیا؟

الجواب

درخواست کی جاوے اور جب جگہ نہ دیں تو تختہ کے نیچے نماز کا موقع نکالے، اگر کسی طرح ممکن نہ ہوتو پھر سجدہ اشارہ سے کرلے۔ (۲)

۱۸ محرم ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ: ۶۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۸۶)

---

(۱) **الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المريض: ۲/۱۰۱، دار الفكر بيروت، انيس**

(۲) اس مسئلہ میں اقوال فقہا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اشارہ سے نماز پڑھ لے؛ مگر پھر اس کا اعادہ لازم ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

في الخلاصة وفتاویٰ قاضي خان وغيرهما: الاسير في يدالعدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلي بالايماء ثم يعيد إذا خرج ... كالمحبوس؛ لأن طهارة التيمم لم تظهر في منع وجوب الاعادة ... فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالیٰ لاتجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (بحر: ۱/۱۴۹) (**البحر الرائق، باب التيمم: ۱/۲۴۸، دار الكتب العلمية بيروت، انيس**)

اسی طرح اگر ریل میں جگہ کم ہوتو اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھ لے؛ لیکن بعد میں اس کا اعادہ لازم ہوگا۔ بندہ محمد شفیع عفی عنہ

سفر کی حالت میں ریل کی سیٹی کی وجہ سے نماز توڑنے کا حکم:

سوال: کس مقدار کے نقصان پر فریضہ، یا نوافل، یا سنن کی نیت توڑ دینی چاہیے اور اگر بعد نیت کر لینے کے ریل سیٹی دیوے روانگی کی تو کیا کرے؟

الجواب

چار آنہ کے نقصان پر نماز کی نیت توڑ دینا درست ہے اور ریل کی سیٹی پر بھی نماز توڑ دینا درست ہے، اگر سفر نہ کرنے سے کچھ حرج ہو۔(۱)

(حوادث:۱،۲/ص:۲۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۵۶۴)

ریل وبس میں سفر کے چند ضروری مسائل:

سوال: مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں علماء دین کیا فرماتے ہیں:

عذر کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا:

(۱) کسی عذر کی وجہ سے نماز اپنے وقت سے مؤخر کی جاسکتی ہے، اگر کی جاسکتی ہے تو عذر کس انتہا کو پہونچا ہوا ہو کہ اس کو عذر کہا جائے؟

ریل میں بھیڑ کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا:

(۲) ایک شخص ریل میں ہے، ''تھرڈ کلاس'' میں سفر کر رہا ہے اور بھیڑ اتنی شدید ہے کہ عادۃً وعرفاً واقعی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرسکتا۔ ایسی حالت میں وہ نماز مؤخر کرسکتا ہے، یا نہیں؟

ریل میں استقبال ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے:

(۳) ریل میں ڈبے کے کئی کمرے ہوتے ہیں، اس میں تمام سیٹیں بنی رہتی ہیں، معمولی سی جگہ راستے کے لیے چھٹی رہتی ہے، ریل میں نماز پڑھنے کے لیے بڑی دشواری ہوتی ہے کہ کبھی کبھی سمت کے مطابق جگہ نہیں ملتی ہے، مثلاً

---

(۱) ۴/ آنہ سے مراد قدر درھم چاندی کی قیمت ہے۔

ویباح قطعها لنحو قتل حية وند دابة،وفور قدرٍ وضياع ما قيمته قدهم(الدر المختار وفی الرد قوله:ويباح قطعها أی ولو كانت فرضاً.(الدر المختار علىٰ رد المحتار،باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ٦٥٤/١،دار الفكر،انيس)

اور درھم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہے۔(اوزان شرعیہ،ص:۱۳) لہٰذا اتنی چاندی کی ہر زمانہ میں جو قیمت ہوگی وہی ۴ سے مراد ہوگی۔(سعید احمد پالنپوری)

ریل مشرق ومغرب کے رخ چلنے کے بجائے کچھ ترچھی سمت میں جارہی ہے،اس صورت میں صحیح طور پر جہت قبلہ کو پالینا ذرا مشکل ہوتا ہے تو اس حالت میں آیا اس کے لیے کوئی گنجائش ہے؟

چلتی ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا:

(۴)　چلتی ریل پر اگرچہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ممکن ہے؛ لیکن گرنے کا اندیشہ باقی رہتا ہے،اس صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

پلیٹ فارم پر نماز پڑھتے ہوئے ریل چل پڑے تو نماز توڑ دی جائے، یا نہیں:

(۵)　ریل سے اُتر کر پلیٹ فارم پر نماز پڑھ رہا تھا، نماز پوری ہوئی ۔۔۔نہیں تھی کہ ریل چل پڑی، نماز پوری کرتا ہے تو ریل جاتی ہے اور ریل پکڑتا ہے تو نماز جیسی اہم عبادت کا ابطال لازم آتا ہے۔ایسی حالت میں اس کو کیا کرنا چاہیے؟ اگر نماز توڑنا جائز ہے تو اس کو کیا چارہ ہے،جس حالت میں ہو،خواہ رکوع میں ہو، یا سجدہ میں ہو توڑ دے، یا اس کو کسی حد تک رکوع وسجدہ کرنا ضروری ہے؟

بس میں نماز کس طرح پڑھی جائے:

(۶)　بس میں یہ پریشانی خصوصاً پیش آتی ہے کہ وضو ہونے کے باوجود بھی نماز پڑھنے کی جگہ نہیں ملتی۔ایسی صورت میں کیا کرے؟ بیٹھا بیٹھا، یا کھڑا کھڑا نماز پڑھ لے؟

بس میں نماز پڑھنے کے لیے ایک امکانی صورت:

(۷)　بس اسٹاپوں پر بسیں رکتی ہیں؛ لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کب تک رکیں گی،کبھی فوراً دو چار منٹ کے بعد چل دیتی ہے،کبھی گھنٹوں بعد اتفاق سے جاتی ہے؛ لیکن آدمی ہر لمحہ اسی گومگو میں پڑا رہتا ہے اور آدمی اس خوف سے نہیں کرتا کہ کہیں میں ادھر اُتروں اور ادھر وہ گاڑی چل دے۔ایسی صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟ جب کہ اس کے لیے وضو کرنے کا مسئلہ بھی ہو اور نماز پڑھنے کا حکم بھی؟ یہ صورت امکانی نکالی جاتی ہے کہ کسی جگہ اُتر کر جلدی سے وضو کرلے اور کسی جگہ جلدی سے نماز پڑھ لے؛ لیکن یہ انتہائی بے اطمینانی اور بدسکونی کا عالم ہوتا ہے،جس پر عادۃً عمل محال کہا جاتا ہے۔بتلائیں کہ کیا حکم ہے؟

ریل میں لوگوں کو ہٹا کر نماز پڑھنا افضل ہے، یا بیٹھ کر:

(۸)　ریل میں طبیعت کبھی اس بات سے جھجکتی ہے کہ آس پاس کے لوگوں کو ہٹا کر نماز کی جگہ نکالی جائے، دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ میں کہوں اور کوئی انکار کر جائے تو کیا اس صورت میں نماز کو افضل حالت

سے چھوڑ کر ارذل حالت میں پڑھا جاسکتا ہے؟ یعنی سوال کے بعد جگہ نکالنے پر جس درجے کی نماز پڑھی جاسکتی تھی، اس سے کم درجہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے، مثلاً کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر؟

ریل میں تیمّم کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو کیا کیا جائے:

(۹) ریل پر ایک معذور سفر کر رہا ہے، ریل پر تو تیمّم کے لیے کوئی چیز مل نہیں سکتی، اگر ریل کے ڈبے کی زمین پختہ ہے بھی تو امکان نجاست غالب ہی نہیں؛ بلکہ اغلب ہے؛ اس لیے کہ وہ ۲۴ر گھنٹے جوتوں سے روندی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا وہ نماز کو مؤخر کرے؟

عین مغرب کے وقت اپنے وطن میں داخل ہونے والا عصر کی نماز دو رکعت پڑھے، یا چار:

(۱۰) ایک شخص عین سورج غروب ہونے کے وقت سفر سے واپس ہو کر اپنے وطن میں داخل ہوا، عصر کی نماز اب تک نہیں پڑھی تھی۔ اب اس پر دو رکعت قضا واجب ہے، یا چار رکعت؟

بڑے شہروں میں اپنے محلّہ سے نکلنے سے آدمی مسافر ہو جاتا ہے یا حدود شہر کو پار کر کے:

(۱۱) لکھنؤ، دہلی، بنارس، آلہ آباد، وغیرہ اس طرح کے شہر کوئی ایک دو کوس کے ہوتے نہیں؛ بلکہ ان کا سلسلہ کئی کئی کوسوں تک ہوتا ہے، ایسے مقامات میں آدمی کہاں سے مسافر شمار ہوگا، آیا اپنے محلے ہی سے نکلتے ہی مسافر ہو جائے گا، یا حدود شہر کو پار کرنے کے بعد مسافر شمار ہوگا؟ شہروں میں مسافرت کا معیار کیا ہے؟

ریل میں احتلام ہونے کی صورت میں غسل کے لیے کیا کیا جائے:

(۱۲) ریل میں بیت الخلا تو ہوتا ہے لیکن غسل خانہ نہیں ہوتا، اگر کسی کو رات میں احتلام ہو جائے تو کیا کرے؟ گرمی کا معاملہ کچھ اہون ہے لیکن سردی کا تو بہت کٹھن ہے۔ اگر کوئی ہمت کر کے بیت الخلاء میں نہانا بھی چاہے تو طبیعت کو ایک طرح کا انقباض ہوتا ہے اس لئے محل نجاست ہے دوسرے یہ کہ پانی اتنا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ سارا بدن شل ہو سکتا ہے، تیسرے یہ کہ دوران غسل میں پانی ختم ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس میں زیادہ پانی نہیں ہوتا ہے۔ ان مجبوریوں کے پیش نظر اس کو کیا کرنا چاہیے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب ـــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(۱) وقت مستحب سے مؤخر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ مکروہ وقت تک تاخیر نہ ہو۔(۱) سفر میں پانی نہ

(۱) (والمستحب) للرجل (الابتداء) في الفجر (باسفار والختم به) ... (إلا لحاج بمزدلفة) ... (وتأخير ==

ہوتو تیمّم اس کا بدل ہے؛ لیکن پانی ملنے کی توقع ہوتو مؤخر کرنا چاہیے۔(۱)

(۲) مؤخر کر کے قضا نہ کردے، انتہائی کوشش کے بعد جگہ نہ ملے تو اشارہ سے نماز پڑھ لے، پھر جگہ ملنے پر اعادہ کرلے۔(۲)

(۳) معمولی فرق ہو(شمال وجنوب کا فرق نہ ہو) تو گنجائش ہے۔(۳)

(۴) جوشخص اتنا ضعیف ہو کہ گرجانے کا ظن غالب ہو، وہ بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔(۴)

(۵) ریل کے چلے جانے کی وجہ سے اگر حرج قوی ہو تو ناتمام چھوڑ کر ریل میں سوار ہوجائے ، رکوع سجود کی اس حالت میں پابندی نہیں۔(۵)

(۶) نمبر:۲ کی صورت اختیار کرے۔(۶)

== ظهر الصيف) ... (مطلقًا) ... (وجمعة كظهر أصلاً واستحبابًا) ...(و) تأخير(عصر) ... (مالم يتغير ذكاء) بأن لاتحار العين فيها فى الأصح، (و) تاخير(عشاء إلىٰ ثلث الليل) ... (و) أخر(العصر الىٰ اصفرار ذكاء) ... (و)... (المغرب إلىٰ اشتياك النجوم): أى كثرتها(كره تحريمًا)الا بعذرٍ كسفرٍ.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة: ۳٦٦/۱-۳٦۹،سعيد)

”ولايفرط فى التأخير حتىٰ لاتقع صلاة فى وقت مكروه “.(ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم،مطلب فى الفرق بين الظن فغلبة الظن: ۲٤۹/۱، سعيد)

(۱) (وندب لراجيه)رجاء قويًا(آخر الوقت) المستحب،ولو لم يؤخر وتيمم وصلى،جاز إن كان بينه وبين الماء ميل،وإلالا“.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،كتاب الطهارة،باب التيمم: ۲٤۹/۱،سعيد)

(۲) وفى الخلاصة وغيرها:الأسير فى يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلوة، يتيمم ويصلى بالايماء، ثم يعيد إذا خرج“.(البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم:۲٤۸/۱،رشيدية)

(۳) ”كذا قال التفتازانى فى شرح الكشاف: ”فيعلم منه انه لو انحرف عن العين انحرافا لاتزول منه المقابلة بالكلية،جاز،ويؤيده ماقال فى الظهيرية:إذا تيامن أو تياسر ،تجوز؛لأن وجه الإنسان مقوس؛لأن عند التيامن أوالتياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة“.(ردالمحتار، باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة: ٤۲۸/۱،سعيد)

(۴) قال رحمه اللّٰه: ولو صلىٰ فى (فلك قاعدًا بلا عذر،صح) وهٰذا عند أبى حنيفة،وقالا:لايصح إلا من عذر؛ لأن القيام مقدور عليه فلا يجوز تركه وله أن الغالب فيه دوران الرأس وهو كالمتحقق لكن القيام أفضل؛لأن أبعد عن شبهة الخلاف، والخروج أفضل إن أمكنه ؛لأنه أسكن لقلبه.(تبيين الحقائق،باب صلاة المريض: ٤۹٥/۱، دارالكتب العلمية،بيروت)

(۵) ”رجل قام إلى الصلوة فسرق منه شئ قيمته درهم، له ان يقطع الصلوة ويطلب السارق سواء كانت فريضة أو تطوعًا؛ لأن الدرهم مال،امرأة تصلى ففار قدرها،جازلها قطع الصلاة لإصلاحها، وكذا المسافرإذا ندت دابته أوخاف الراعى علىٰ غنمه الذئب اهـ“(الفتاوىٰ الهندية،الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها،الفصل الثانى فيما يكره فى الصلاة،وما لا يكره ومما يتصل بذلك مسائل : ۱۰۹/۱،رشدية)

(۶) حوالہ نمبر:۲

(۷) ڈرائیور، یا کنڈکٹر سے دریافت کرلے کہ یہاں کتنے منٹ بس ٹھہرے گی، گومگو میں نہ رہے،(۱) پھر کسی جگہ وضو کرے، کسی جگہ نماز پڑھ لے اگرچہ سکون تام میسر نہ ہو، سکون تام تو کسی کسی کو میسر ہوتا ہے، جو حالت سکون کی سمجھی جاتی ہے اس میں بھی ذہن میں افکار کا ہجوم رہتا ہے اور سمندر کی طرح موجوں کا سلسلہ لگا رہتا ہے، اس کی وجہ سے نماز ترک کی نہیں جاسکتی، عین حالت جہاد میں بھی صلوۃ خوف مشروع ہے۔(۲)

(۸) یہ جھجھک بے محل ہے، قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء پہونچنے کے واسطے بھی بسا اوقات جگہ مانگنا پڑتی ہے، سوار ہونے، بیٹھنے، سامان رکھنے کے لیے بھی جگہ طلب کی جاتی ہے اور جھجھک محسوس نہیں کی جاتی، جگہ طلب کرلے اور کوشش کے باوجود کسی نے انکار کردیا اور قلب کو اذیت ہوئی تو اجر میں اضافہ ہوگا۔

(۹) وہ بھی مؤخر نہ کرے، ریل میں بعض دفعہ کھڑکیوں سے اتنا غبار آجاتا ہے کہ تیمّم کے لیے کافی ہوجاتا ہے، اگر وہاں کی مٹی یقیناً ناپاک ہے (موہوماً نہیں) اور پانی استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو (مرض کہ وجہ سے) تو آخر **فاقد الطهورين** کا مسئلہ بھی موجود ہے۔(۳)

(۱۰) اگر وقت عصر ختم ہونے پر وطن میں داخل ہوا تو قصر کرے گا، ورنہ اتمام کرے گا۔(۴)

(۱۱) محلّہ سے نہیں؛ بلکہ آبادی سے خارج ہونے پر مسافر شمار ہوگا۔(۵)

---

(۱) عن أبي الدرداء قال: أوصاني خليلي: "أن لاتشرك بالله شيئًا وإن قطعت وحرقت، ولا تترك صلاة مكتوبة متعمدًا، فمن تركها متعمدًا فقد برئت منه الذمة، ولاتشرب الخمر، فإنها مفتاح كل شر". (رواه ابن ماجة) (مشكوة المصابيح، الفصل الثالث: ۵۹/۱، قديمي) (سنن ابن ماجة، باب الصبر على البلاء، رقم الحديث: ۴۰۳۴، انيس)

(۲) قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ﴾ (سورة النساء، ۱۰۲)

(۳) (والمحصور وفاقد) الماء والتراب (الطهورين) بأن حبس في مكان نجس، ولايمكنه إخراج تراب مطهر، وكذا العاجز عنهما لمرض (يؤخرها عنده، وقالا: يتشبه) بالمصلين وجوبًا، فيركع ويسجد إن وجد مكانًا يابسا، وإلا يؤمي قائمًا، لم يعيد كالصوم، (به يفتى، وإليه صح رجوعه): أي الامام، كمافي الفيض. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب التيمم: ۲۵۲/۱_۲۵۳، سعيد)

(۴) (والمعتبر في تغيير الفرض آخر الوقت) وهو قدر مايسع التحريمة، (فإن كان) المكلف (في آخره مسافرًا، وجب ركعتان، وإلا فأربع)؛ لأنه (أي آخر الوقت) المعتبر في السببية عند عدم الأداء قبله. (الدرالمختار)

وفي الرد تحت "(قوله: وجب ركعتان): أي وإن كان في أوله مقيمًا وقوله: وإلا فأربع: أي وإن لم يكن في آخره مسافرًا بأن كان مقيمًا في آخره، فالواجب أربع. (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲، سعيد)

(۵) (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه، وإن لم يجاوز من الجانب الآخر... (قاصدا)... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها). (الدرالمختار)

==

(۱۲) طبعی انقباض تو نا قابل التفات ہے، اول اس جگہ پر پانی بہادے پھر تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر غسل کرے، ہاں اگر پانی اتنا ٹھنڈا ہے کہ بدن شل ہو جائے تو تیمّم کر لے، پھر جب قابل برداشت پانی مل جائے تو غسل کر لے۔(۱)
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۳۸-۵۴۴)

بس میں اشارہ سے نماز پڑھنا:

سوال: عموماً بس کے سفر میں نماز کا اہتمام نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ بس اپنے مقام پر اس وقت پہونچتی ہے، جب کہ نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں بس میں نماز پڑھنا بھی ناممکن ہے تو کیا ایسی شکل میں اشارہ سے نماز پڑھ لینا درست ہوگا، یا مؤخر کر دی جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

ایسی مجبوری کی حالت میں اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے، پھر منزل پر پہنچ کر اعادہ کر لے؛ کیوں کہ یہاں مانع من جہۃ العباد ہے:

"وفی الخلاصة وفتاویٰ قاضی خان وغيرهما: الاسير فی يد العدو إذا منعه الكافرعن الوضوء والصلاة،يتيمم ويصلی بالإيماء،ثم يعيد إذا خرج، .... لأن هٰذا عذر جاء من قبل العباد، فلا يسقط فرض الوضوء عنه،فعلم منه أن العذر إن كان من قبل اللّٰه تعالٰی،لاتجب الإعادة،وإن كان من قبل العبد،وجبت الإعادة" آه. (البحر الرائق: ۱/۲٤۸، والدرالمختار: ۱/۱۵٦، وشرح منية الكبير، ص: ۷۲) (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹/۷/۱۳۸۸ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۳۲-۵۳۳)

== وفی الرد تحت(قوله: من جانب خروج،إلخ) قال فی شرح المنية: فلا يصير مسافرًا قبل أن يفارق عمران ماخرج منه من الجانب الذی خرج،حتٰی لوكان ثمة محلة منفصلة عن المصروقد كانت متصلة به،لايصيرمسافرًا مالم يجاوزها.(رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱،سعيد)

(۱) (من عجز)(عن استعمال الماء) ... (لبعده) ... (ميلاً) ... (أولمرض) ... (أوبرد) يهلك الجنب أويمرضه ولوفی المصرإذا لم تكن له أجرة حمام ولامايدفئه تيمم لهذه الأعذاركلها.(الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب التيمم: ۱/۲۳۲-۲۳٤،سعيد)

(۲) البحرالرائق،باب التيمم: ۱/۲٤۸،رشيدية/ردالمحتار،باب التيمم: ۱/۲۳۵،سعيد/الحلبی الكبير، فصل فی التيمم، ص: ۷۵،سهيل اكادمی لاهور

ڈرائیور بس نہ روکے تو کیا سیٹ پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں:

سوال: بس میں سفر کرتے ہوئے اگر نماز کا وقت ہوجائے اور ڈرائیور بس نہ روکے کہ مجھے وقت مقررہ پر اگلی منزل پہنچنا ہے، ایسی صورت میں سیٹ پر بیٹھے ہوئے اشارے سے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بس پر بیٹھ کر نماز نہیں ہوتی، (۱) یا تو ڈرائیور سے پہلے طے کرلیا جائے کہ وہ نماز کے لیے بس کو کسی ایسی جگہ روک دے گا، جہاں وضو اور نماز ممکن ہو۔ یوں بھی ڈرائیور حضرات دوران سفر وقفہ ضرور کرتے ہیں، اس وقفے میں اگر نماز کا وقت ہوجائے تو نماز پڑھ لی جائے۔ بہرحال اگر بس میں بیٹھ کر نماز پڑھی تو اس لوٹانا ضروری ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۰۲/۴) ☆

چلتی کار میں نماز پڑھنا درست نہیں، مسجد پر روک کر پڑھیں:

سوال: ایک مرتبہ مجھے اور بھائی کو کام تھا، مغرب کی نماز میں بہت دیر تھی، پھر بھی میں نے بھائی سے پوچھا کہ کام میں کتنی دیر لگے گی؟ کہنے لگے کہ اذان سے پہلے گھر آجائیں گے؛ اس لیے ہم چلے گئے؛ لیکن وہاں پہنچ کر گھر ڈھونڈنے میں بہت دیر ہوگئی اور مغرب کی اذان ہوگئی، ہمارا گھر اس جگہ سے کافی دور تھا اور رش بھی بہت تھا؛ اس لیے نماز کے ٹائم تک گھر پہنچنا ناممکن تھا، میں نے بھائی سے کہا تو کہنے لگے چلتی کار میں نماز پڑھ لوں، میں نے کہا: نہ وضو ہے اور سمت بھی بار بار بدل رہی ہے تو میں کیسے پڑھوں گا؟ مگر وہ یہی کہتے رہے کہ نماز تو ہر حال میں پڑھنی ہے اور یہ تو مجبوری ہے، تم ایسے ہی پڑھ لو اور کار نہیں روکی۔ اب آپ بتائیں کہ کبھی ایسا موقع ہو اور ہم اس بات پر قادر نہیں کہ گاڑی رکواسکیں، جب کہ اندرون شہر ہی میں ہوں تو ہم کیا کردیں؟

---

(۱) (ومنها القيام) وهو فرض في صلاه الفرض والوتر "للقادر عليه". (الفتاویٰ الهندية: ۶۹/۱، الباب الرابع في صفة الصلاة في الفصل الأول)

☆ **نماز کے لیے بس روکنے والا ڈرائیور اگر نماز نہ پڑھے تو کیا حکم ہے:**

سوال: میں ڈرائیور ہوں، ہر نماز کے وقت گاڑی روکتا ہوں، اور لوگوں کو کہتا ہوں کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے، لوگو! نماز ادا کرلو۔ تقریباً ۵۰ مسافر ہوتے ہیں، کچھ مسافر نماز ادا نہیں کرتے، جتنے لوگ نماز پڑھتے ہیں ان کا مجھے بھی ثواب ملتا ہے، تو میرے ایک کے نماز نہ پڑھنے سے کوئی فرق نہیں ہوتا، مجھے تو ۵۰ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ماشاءاللہ! آپ کو تمام نماز پڑھنے والوں کے برابر ثواب ملے گا۔ (ان شاءاللہ) باقی اپنی نماز کسی صورت میں ترک نہ کریں؛ کیوں کہ وہ اپنی جگہ فرض ہے۔ (إن الصلاة كانت على المومنين كتبًا موقوتًا. (سورة النساء: ۱۰۳) أيضاً: عن أبي الدرداء قال: أوصاني خليلي: أن لا تشرك بالله شيئًا وإن قطعت وحرقت، ولا تترك صلاة مكتوبة معتمدًا، فمن تركها متعمدًا فقد برئت منه الذمة ولا تشرب الخمر فانها مفتاح كل شرٍ. (مشكاة المصابيح: ۵۹/۱، كتاب الصلاة، قديمى) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۰۲/۴-۱۰۳)

الجواب

کار میں بغیر وضو نماز کیسے ہوسکتی ہے؟(۱) آپ کسی مسجد کے پاس گاڑی روک کر آسانی سے نماز پڑھ سکتے تھے؛ مگر شاید آپ کے بھائی کو نماز کی اہمیت معلوم نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۱۰۳/۴)

گھوڑے پر نماز کا حکم:

سوال: اگر گھوڑے پر سوار ہے اور کوئی آدمی ساتھ نہیں اور نہ کوئی باندھنے کی چیز ہے اور خوف فرار بھی، یا رات ہو جانے کا خوف ہے تو نماز فرض گھوڑے پر پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

فی الدر المختار، باب النوافل: (فهي صلاة على الدابة فتجوز في حالة العذر) المذكور في التيمم ... وذهاب الرفقاء ودابة لاتركب إلا بعناء أو بمعين.

وفي ردالمحتار تحت (قوله: المذكور في التيمم): بأن يخاف علىٰ ماله أو نفسه، إلخ. (۲)

پس صورت مسئولہ میں جب اترنے سے گھوڑے کے بھاگ جانے کا خوف ہے اور رات ہو جانے سے جان کا اندیشہ ہے تو فرض نماز گھوڑے پر درست ہے۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہے کہ گھوڑے کے چلے جانے کا بہت غالب گمان ہو اور اگر ویسے ہی شبہ ہے تو گھوڑے پر نماز نہ پڑھے؛ بلکہ زمین پر اتر کر شروع کرے، پھر اگر گھوڑا بھاگنے کو ہو تو نماز قطع کر کے اس کو پکڑ لے۔

فی الدر المختار، آخر مکروهات الصلاة: ويباح قطعها لنحو قتل حية وند دابة وفور قدر وضياع ما قيمته درهم له أو لغيره، آه. (۳) والله تعالىٰ أعلم.

ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد: ۶۳/۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۵۷۳/۱-۵۷۴)

کجاوہ میں نماز کا حکم:

سوال: شغدف پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

فی الدر المختار: فهي صلاة على الدابة فتجوز في حالة العذر المذكور في التيمم (لا في غيرها) ومن

(۱) عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لاتقبل صلاة بغير طهور ولا صدقة من غلول. (سنن الترمذي: ۳/۱، كتاب الطهارة، طبع دهلي)

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۰/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۶۵۴/۱، دار الفكر بيروت، انيس

العذر المطروطين يغيب فيه الوجه وذهاب الرفقاء ودابة لاتركب إلا بعناء ... حتّٰی لوكان مع أمه مثلا في شقي محمل وإذا نزل لم تقدرتركب وحدها جازله أيضا كما أفاده في البحرفليحفظ،آه. (۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ شغدف میں بعذر فرض پڑھنا جائز ہے اور اگر اترنا اور قافلہ کی معیت سب سہل ہو تو شغدف میں پڑھنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

۲۰/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد:۱/۳۹) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۶۴)

بہلی میں نماز:

سوال: بہشتی زیور اختری:۲/۵۰ کھڑی ہوئی بہلی (۲) پر نماز پڑھنا ممنوع لکھا ہے، (۳) اس کی کیا وجہ ہے؟ صلوٰۃ علی الراحلۃ کی ممانعت تو اس صورت میں ہے، جب کہ محمل پوری طرح جانور کی پیٹھ پر ہی ہو۔ اگر کجاوہ کسی لاٹھی وغیرہ سے اس طرح ٹیک دیا جاوے کہ کجاوے کا سرا زمین سے اوپر ہو جائے تو اس صورت میں نورالایضاح وغیرہ میں جائز لکھا ہے۔ (۴) بہلی میں تو لاٹھی لگاؤ سے زیادہ کہیں زیادہ لگاؤ ہے، پھر اس میں کیوں جائز نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

قطع نظر دیگر بحث سے ایک بات یہ ہے کہ بہلی میں قیام ترک ہوتا ہے، اس میں اتنی جگہ نہیں ہوتی۔ (۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ:۷/۵۳۴)

مسافت قصر در سفر ہوائی جہاز:

سوال: اس زمانہ میں جو ہوائی جہاز ایجاد ہوا ہے، اس پر سفر کرنے میں رفتہ رفتہ ترقی ہو رہی ہے۔ اب سوال یہ ہے

---

(۱) **الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل:۲/ ۴۰-۴۱، دار الفكر، بيروت، انيس**

(۲) بیل گاڑی جس کو دو بیل چلاتے ہیں۔

(۳) چلتی ہوئی بہلی میں نماز پڑھنا درست نہیں اور اگر بہلی ٹھہرالی؛ لیکن جوا بیلوں کے کندھوں پر رکھا ہوا ہے، تب بھی اس پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے، بیل الگ کر کے نماز پڑھنا چاہیے۔ (بہشتی زیور، مسافرت کا بیان، حصہ دوم، ص:۱۶۰، دارالاشاعت کراچی)

(۴) **(والصلاة في المحمل) (على الدابة كالصلاة عليها)(سواء كانت سائرة أو واقفة،ولو)(جعل تحت المحمل خشبة) (حتّٰى بقي قراره):أي المحمل(إلى الأرض)(كان) (بمنزلة الأرض،فتصح الفريضة فيه قائماً) لا قاعداً بالركوع والسجود.(مراقي الفلاح علىٰ حاشية الطحطاوي،فصل في صلاة الفرض و الواجب على الدابة،ص:۴۰۸،قديمي)**

(۵) **من فرائضها ... (ومنها القيام) ... (لقادرعليه)وعلى السجود.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة:۱/ ۴۴۵،سعيد)**

کہ اس سفر کو علاوہ سفر بری و بحری کے ایک تیسری قسم سفر ہوائی کی قرار دینا چاہیے، یا سفر بری و بحری میں سے کسی ایک قسم میں داخل کرنا چاہیے؟ جس طرح سفر ریل کا حال ہے کہ جس شخص نے پیدل رفتار سے شب وروز کی مسافت کو بذریعہ ریل دوڈھائی گھنٹہ میں طے کرلیا ہے تو اس کو مسافر کا حکم دیا جاتا ہے تو ہوائی جہاز پر سفر کرنے میں کس مسافت پر قصر صلوٰۃ کا اعتبار کریں؛ یعنی تین شب وروز کی مسافت ہوائی جہاز کے اعتبار سے، یا درمیان میں اگر سمندر پڑتا ہو تو بحری جہاز کی تین شب وروز کی مسافت کا لحاظ کریں، یا خشکی پڑتی ہو تو تین شب وروز کی مسافت پیدل رفتار کے لحاظ سے اعتبار کریں؟

الجواب

قواعد سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں محاذاۃ کا اعتبار ہوگا؛ یعنی جتنا سفر بر کی محاذاۃ میں ہوا ہے، وہ سفر برّی کے حکم میں ہوگا اور جتنا بحر کی محاذاۃ میں ہوا ہے، وہ سفر بحری کے حکم میں ہوگا۔ شریعت میں اس کی نظیر بھی ہے کہ حج کے جو مواقیت (۱) ہیں، جو لوگ مواقیت سے دور دور گزرتے ہیں کہ مواقیت ان کے طریق میں نہیں پڑتے، وہاں مواقیت کی محاذاۃ کا اعتبار ہے؛ یعنی ان مواقیت کے محاذی مقامات ان مواقیت کے حکم میں ہیں۔ واللہ اعلم

۲۴ رمحرم ۱۳۵۱ھ (النور بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ، ص: ۷) (امداد الفتاویٰ: ۱/۵۹۱-۵۹۲)

سوال: ہوائی جہاز میں اگر کوئی سفر کرے تو کتنی مسافت میں نماز کا قصر کرنا چاہیے؟

الجواب

جس وقت احکام شرعیہ سفر کے متعلق موضوع ہوئے ہیں، اس وقت سفر فی البر والبحر والجبل واقع تھا، فی الہوا نہ تھا اور احکام تابع واقعات ہی کے ہوتے ہیں؛ اس لیے شریعت میں نصاً یہ مسکوت عنہ ہے؛ لیکن شریعت میں اس کی ایک نظیر وارد ہے، پس اس پر قیاس کر کے اس میں حکم دیا جاوے گا اور چوں کہ قیاس مظہر ہے نہ کی مثبت؛ اس لیے اس حکم کو بھی حکم وارد فی الشرع کہا جاوے گا، وہ نظیر یہ ہے کہ حج میں جو مواقیت متعدد ہیں، ان میں اہل نجد کے لیے قرن مقرر فرما دیا گیا ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ و بصرہ فتح ہوا تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ قرن ہماری راہ سے ہٹا ہوا ہے اور وہاں جانے میں مشقت ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کے محاذی مقام کو دیکھ لو، چناں چہ ذات عرق مقرر ہوا۔ (رواہ البخاری) (۲) اور گو اس باب میں احادیث مرفوعہ بھی ہیں؛ مگر اول تو وہ متکلم فیہا ہیں۔ دوسرے اس

---

(۱) عن نافع عبد اللّٰہ بن عمر قال: لما فتح ھٰذان المصران أتوا عمر فقالوا یا أمیر المؤمنین ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حد لأھل قرنا وھو جور عن طریقنا وانا ان أرد قرن شق علینا. قال فانظروا خذوھا من طریقکم فحدلھم ذات عرق. (الصحیح لبخاری، کتاب الحج، باب ذات عرق لأھل العراق: ۱/۲۰۷، قدیمی، انیس)

(۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا فُتِحَ هَذَانِ المِصْرَانِ أَتَوْا عُمَرَ، فَقَالُوا: يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّ لِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا، وَهُوَ جَوْرٌ عَنْ طَرِيقِنَا، وَإِنَّا إِنْ أَرَدْنَا قَرْنًا شَقَّ عَلَيْنَا، قَالَ: فَانْظُرُوا حَذْوَهَا مِنْ طَرِيقِكُمْ، فَحَدَّ لَهُمْ ذَاتَ عِرْقٍ. (صحیح البخاری، باب ذات عرق لأھل العراق، رقم الحدیث: ۱۵۳۱، انیس)

اجتہاد کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع نہ تھی تو اتنا تو ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اجتہاد سے کام کیا، چناں چہ اسی جواز اجتہاد کی بنا پر ہمارے فقہا نے فرمایا ہے کہ!

ومن كان في بحر أو بر لا يمر بواحد من المواقيت المذكورة فعليه أن يحرم إذا حاذیٰ آخرها ويعرف بالاجتهاد فعليه أن يجتهد فإن لم يكن بحيث يحادى فعلیٰ مرحلتين من مكة.(۱)

پس اسی طرح یہاں اس مسافت ہوائی کے محاذی کو دیکھیں کہ بحر ہے، یا برّ یا جبل اور اس محاذی کی مسافت قصر کو دیکھیں گے اور اسی کا اعتبار اس مسافت ہوائی میں کر کے اس کے موافق حکم دیں گے۔ احتیاطاً اس میں دوسرے علما سے بھی رجوع کر لیا جاوے۔

۷/ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس، ص:۱۰) (امداد الفتاویٰ: ۵۹۲/۱-۵۹۳)

جہاز وٹرین وغیرہ کے ملازم کے لیے نماز قصر کرنا:

سوال (۱) ایک شخص جہاز میں نوکر ہے، آج یہاں کل وہاں، ایسا شخص قصر پڑھے، یا پوری نماز؟ ایک شہر میں جاتا ہے، دو دن جہاز وہاں ٹھہرتا ہے، پھر وہاں سے لوٹتا ہے۔ غرض جہاز کی ہی نوکری ہے اور یہی کام ہے۔

(۲) موٹر میں سیر کرنے کے لیے سو پچاس میل تک جاتے ہیں اور چار پانچ گھنٹے میں جاتے اور اسی مقدار میں لوٹتے ہیں، راستے میں نماز کا وقت ہو گیا تو قصر پڑھیں، یا پوری؟ خواہ سیر کی غرض سے جائیں، یا کسی کام سے؟

الجواب

ان دونوں صورتوں میں قصر نماز پڑھنی چاہیے؛ کیوں کہ مسافت قصر کا ارادہ کر کے نکلنا قصر کے ثبوت کے لیے کافی ہے، (۲) خواہ وہ نکلنا دوامی طور پر ہو، یا گاہے گاہے اور خواہ ملازمت کے صیغے میں ہو، یا تجارت و سیاحت کے اور خواہ وہ مسافت کئی گھنٹے میں طے ہو جائے، جیسے کہ ریل اور موٹر وغیرہ کے ذریعے سے دنوں کی مسافت گھنٹوں میں طے ہو جاتی ہے۔ **وهٰذا كله ظاهر والله أعلم و علمه أتم و أحكم**

کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی: ۳۷۳/۳) ☆

---

(۱) فتح القدير، كتاب الحج، فصل في المواقيت: ۴۳۲/۲-۴۳۳، دار الكتب المعرفة بيروت، انيس

(۲) ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتیٰ يترخص برخصة المسافرين. (الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۳۹/۱، ط: ماجدية)

☆ **ہوائی جہاز کے اڑتے وقت اس میں نماز کا حکم:**

سوال: ہوائی جہاز میں جس وقت کہ وہ ہوا میں ہو، خواہ چلتا ہو، یا ٹھہرا ہو، اس میں نماز فرض جائز ہے، یا نہیں؟ ==

ہوائی جہاز کے اڑنے کے دوران، یا ہوا میں رُکے رہنے کے دوران نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: برہوائی جہاز درحالت طیران او یا وقوف او در ہوا سجدہ کردن یا نماز فرضے خواندن جائز است، یا نہ؟ بینوا توجروا۔

== الجواب

(ہوائی جہاز میں اڑان کے دوران ،فرض یا واجب نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ جب کہ کوئی عذر بھی نہ ہو اور نہ ہی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور نماز ادا بھی کامل کی جائے؛ یعنی رکوع سجدہ، قیام اور استقبال قبلہ کے ساتھ پڑھی جائے؟

حضرت رحمہ اللہ کا یہ فتوی عدم جواز کا ہے، لہذا کسی نے ہوائی جہاز میں نماز پڑھ لی تو اس کا اعادہ واجب ہوگا، عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے لیے ماتھے، یا چہرے کا زمین پر رکھنا شرط ہے، جو ہوائی جہاز میں ممکن نہیں (یہ واضح رہے کہ صلوۃ علی الدابہ پر یہ مسئلہ متفرع نہیں ہے، جیسا کہ خود حضرت ہی نے اسی جواب میں ارقام فرمایا ہے)

اب شبہ یہ رہتا ہے کہ دریائی جہاز میں تو نماز جائز ہے، حالاں کہ وہاں بھی مذکور شرط متحقق نہیں ہے۔ حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ پانی کا جہاز پانی کے واسطہ سے زمین پر مستقر ہے اور ہوائی جہاز ہوا کے واسطہ سے زمین پر مستقر نہیں ہے؛ کیوں کہ ہوا کا مادۂ رقیقہ ہوائی جہاز کے ثقل کا معاوق (روکنے والا) نہیں ہوسکتا۔

لیکن درحقیقت یہ فرق صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ پانی کا جہاز بھی پانی پر مستقر نہیں ہے، پانی بھی اپنی رقت کی وجہ سے پانی کے جہاز کے لیے معاوق نہیں ہوسکتا، ہم دیکھتے نہیں کہ معمولی وزن کا ڈھیلا بھی پانی پر رکھا جاتا ہے تو فوراً ڈوب جاتا ہے، پھر یہ ہزاروں ٹن کا جہاز پانی پر کیسے مستقر ہوسکتا ہے؟ درحقیقت پانی کے جہاز کو پانی پر ٹھہرانے والی چیز جہاز کی ایک مخصوص ہیئت پر بناوٹ ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ مستقبل میں ہوائی جہاز کی کوئی ایسی ہیئت ایجاد ہوجائے، جس کی وجہ سے وہ بھی ہوا پر رکا رہے۔

علاوہ بریں سجدہ میں پیشانی، یا چہرے کو زمین پر رکھنے کی شرط کوئی منصوص شرط نہیں ہے؛ بلکہ اہل لغت کے اقوال سے مستنبط کردہ ہے اور اہل لغت ظاہر ہے کہ اپنے گردوپیش کے احوال سامنے رکھ کر ہی لغات کے معانی بیان کرتے ہیں، پس یہ اتنی قوی دلیل نہیں ہوسکتی کہ مسئلہ کی بنیاد اس پر کھڑی کی جائے؛ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ جس طرح رکوع ایک خاص ہیئت کا نام ہے، اسی طرح سجدہ بھی ایک مخصوص ہیئت کا نام ہے اور اس کے تحقق کی صورتیں ہر مکان کے اعتبار سے جدا جدا ہوں گی۔

حضرت العلام جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ نے معارف السنن شرح ترمذی شریف (۳/۳۹۵-۳۹۷) (**أما الطيارات حالة طيرانها في جو السماء أو عند وقوفها في الفضاء فيصلي فيها قائما بركوع وسجود مستقبلاً للقبلة عند القدرة على القيام كما يمكن ذلك في الطيارات الكبيرة إذا خاف خروج الوقت قبل هبوطها الأرض وإن لم يخف فيؤخرها حتىٰ ينزل فيكون حكمها حكم المحل الموضوع علىٰ ظهر الدابة وان لم يمكنه القيام فيصلي ايماءً إلىٰ أى جهة توجهت به الطيارة. (معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة على الدابة حيث ما توجهت به: ۳/۴۹۵، انيس)** میں اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے، آپ کی رائے پہلے جواز نماز کی تھی، پھر عدم جواز کی ہوگئی، مفید اور قابل ملاحظہ بحث ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن جزیری نے کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (۱/۲۰۶) میں ہوائی جہاز کو پانی کے جہاز کے حکم میں رکھا ہے، موصوف لکھتے ہیں: **ومثل السفينة القطر البخارية والطائرات الجوية و نحوها، آه. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلاة، مبحث صلاة المريض في السفينة: ۱/۱۸۷، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)** ==

الجواب

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب قال العلامة القهستانی فی شرح مختصر الوقایة:والسجود لغة

== 　احقر کے ناقص خیال میں یہی رائے درست ہے، لہذا ہوائی جہاز میں اگر کامل نماز رکوع، سجدہ، قیام اور استقبال قبلہ کے ساتھ ادا کی جاوے تو نماز صحیح ہوجاوے گی اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم علمہ اتم واحکم (سعید احمد پالنپوری)

الجواب

فی ردالمحتار:هو(أی السجود) لغة الخضوع،قاموس،وفسره فی المغرب بوضع الجبهة فی الأرض وفی البحر:حقیقة السجود وضع بعض الوجه علی الأرض،إلخ.(١/٤٦٥)(رد المحتار،باب صفة الصلاة،مبحث الركن الأصلی والركن الزائد:١/٤٤٧،دار الفكر بیروت،انیس)

وفیه تحت قول الدرالمختار:(وأن یجد حجم الأرض)ما نصه: تفسیره أن الساجد لو بالغ لایتسفل رأسه أبلغ من ذلک فصح علی طنفسة وحصیروحنطة وشعیروسریروعجلة إن كانت علی الأرض لا علی ظهرحیوان كبساط مشدود بین أشجارإلخ.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب فی اطالة للجائی:١/٥٠٠،دار الفكر بیروت،انیس)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں وضع جبہہ، یا وضع وجہ ارض پر شرط ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز مستقر علی الأرض ہو، وہ بحکم ارض تبعاً ہے، دو شرط سے، ایک وجدان حجم بالتفسیر المذکور اور اسی واسطے بساط مشدود بین الاشجار پر جائز نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ چیز جاندار نہ ہو؛ کیوں کہ جاندار میں بوجہ متحرک بالارادہ ہونے کے ایک گونہ استقلال ہے، وہ مثل جمادات کے تابع للارض نہیں ہے؛ اس لیے حیوان پر بلا عذر جائز نہیں اور سریر وعجلہ وغیرہ میں تبعیت مع دونوں شرطوں کے پائی جاتی ہے، اس پر جائز ہے۔ پس یہاں چار چیزیں نکلیں: (۱) ارض (۲) سریر وعجلہ وغیرہ (۳) بساط مشدود ومثلہ (۴) حیوان اوّلین پر جائز ہے اور آخرین پر ناجائز، **إلا بعذر فی الحیوان.**

بعد اس تمہید کے سمجھنا چاہیے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز ارض تو ہے نہیں اور بساط مشدود بین الاشجار کی مثل بھی نہیں بوجہ تفاوت وجدان وعدم وجدان حجم کے اب دو احتمال رہ گئے: ایک یہ کہ مثل عجلہ کے ہو تو دوسرے یہ کہ مثل حیوان کے ہو تو ظاہراً مثل عجلہ کے معلوم ہوتا ہے کہ بواسطہ ہوائے مستقر علی الارض کے وہ بھی مستقر علی الارض ہے، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ ہوا پر مستقر ہے اور نہ ہوا ارض پر مستقر ہے، چناں چہ ہوا کا میلان الی المحیط ظاہر ہے تو وہ ارض پر کیسے مستقر ہے اور اتصال اور چیز ہے اور ہوا کا مادہ رقیقہ بھی جہاز کے ثقل کا معاوق نہیں ہوسکتا، چناں چہ اگر اس میں سے گیس نکل جاوے تو فوراً زمین پر گر پڑے، پس وہ حقیقتاً ارض پر غیر مستقر ہوا اور حیوان جو کہ حقیقتاً مستقر تھا؛ مگر حکماً مستقر نہ تھا، جب اس پر بلا عذر نماز جائز نہیں تو جہاز پر جو کہ حقیقۃً غیر مستقر ہے، کس طرح نماز جائز ہوگی؟ **إلا بعذر معتبر فی الصلاة علی الحیوان** ۔ حاصل جواب یہ نکلا کہ جن عذروں کے سبب اونٹ گھوڑے وغیرہ پر نماز جائز ہے، اگر وہی عذر پائے جاویں، مثلاً نزول میں خوف ہلاک وغیرہ ہو، یا نزول پر قادر نہ ہو (اور یہ عذر اخیر جہاز رانوں کے لیے جو کہ اس کے اتارنے، یا ٹھہرانے پر قادر ہیں، متحقق نہ ہوگا) تب تو اس پر نماز جائز ہے اور بدون ایسے عذر کے جائز نہیں۔ (رفع اشتباہ) رفع اشتباہ کے مضمون پر نقد اور اس کا جواب (بقلم مولانا حبیب احمد صاحب) پہلے سوال: ۴۹۹ کے آخر میں درج ہوا ہے۔ سعید احمد) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے؛ کیوں کہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے۔

تنبیه: یہ جواب قواعد سے لکھا گیا ہے، علماء سے امید ہے کہ اگر یہ جواب صحیح نہ ہو تو براہ نصح دین احقر مجیب کو مطلع فرماویں، سمجھنے کے بعد اپنے جواب سے رجوع کر کے اس کو شائع کردوں گا۔

۲۴/ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ: ۴۷) (امداد الفتاویٰ: ۱/ ۵۸۷-۵۹۰)

هو الخضوع وشرعًا وضع الجبهة على الأرض وغيرها،انتهٰى،وفى البحر شرح الكنز تحت قوله: وكره بأحدهما أو بكور عمامة،من فصل إذا أراد الدخول فى الصلاة فى أثناء ما بسطه: والأصل أنه كما تجوز السجدة على الأرض تجوز علىٰ ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه وتفسير وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ يتسفل رأسه أبلغ من ذلك انتهٰى،وفى الوقاية فى آخر باب صفة الصلاة: فإن سجد علىٰ كور عمامته أو فاضل ثوبه أو شيئ يجد حجمه و تستقر عليه الجبهة جاز وإن لم تستقر لا يجوز انتهٰى فالمركب الهوائى إن كان مركباً من أشياء صلبة بحيث تستقر عليه الجبهة ولا تتسفل بالتسفيل تجوز السجدة عليه والظاهر أنه ملحق بالدابة كالسفينة السائرة والموقوفة بالشط الغير المستقرة على الأرض فإنها ملحقة بالدابة كما يستفاد من رد المحتار قبيل سجدة التلاوة: فالصلاة المكتوبة على المركب الهوائى لاتجوز بدون العذر كما هو حكم الصلاة على الدابة والسفينة السائرة وهل يلزم التوجه إلى القبلة ههنا كما فى السفينة أو لا كما فى الدابة والظاهر أنه يلزم؛لأن المركب الهوائى بمنزلة البيت كالسفينة فإن لم يمكنه يمكث عن الصلاة إلا إذا خاف فوت الوقت لما تقرر من أن قبلة العاجز جهة قدرته (وما من حادثة إلا ولها ذكر فى كتاب من الكتب المعتبرة أما بعينها أو بذكر قاعدة كلية تشتملها) والله تعالىٰ أعلم

(ترجیح خامس:۹۲) (امداد الفتاویٰ:۱/۵۹۰-۵۹۱)

ہوائی جہاز میں بیٹھ کر نماز پڑھنا اور کھانے کی میز پر سجدہ کرنا:

سوال: ہوائی جہاز میں لوگ سیٹ پر بیٹھ کر کھانے کی ٹیبل پر سجدے کرتے ہیں، اس طرح نماز درست ہے؟

الجواب

جہاز میں بھی کھڑے ہو کر اور قبلہ رخ معلوم کر کے نماز پڑھنا ضروری ہے، سیٹ پر بیٹھ کر اور کھانے کی میز پر سجدہ کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۹۵)

---

(۱) ومنها القيام وهو فرض فى صلاة الفرض والوتر "للقادر عليه". (الفتاویٰ الهندية: ٦٩/١،الباب الرابع فى صفة الصلاة،الفصل الأول فرائض الصلاة)

أيضا: ثم (هى) ستة ...(و) السادس (استقبال القبلة) حقيقة أو حكمًا كعاجز والشرط حصوله لا طلبه،وهو شرط زائد للابتلاء يسقط للعجز. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة: ٤٢٧/١)

(ومنها القيام) ... (فى فرض) ... (لقادر عليه) وعلى السجود. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٤٤٥/١،دار الفكر بيروت،انيس)

جہاز میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: جہاز میں بغیر لرزش کے بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

چلتے ہوئے جہاز میں بلا عذر بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا بموجب قول راجح جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: **(صلی الفرض فی فلک) جارٍ (قاعدًا بلاعذر صح) لغلبة العجز (وأساء) وقالا: لایصح إلا بعذر وهو الأظهر.** (۱)

پس صاحبین کا قول جو راجح ہے، اس کے بموجب عدم جواز کا حکم ہے اور امام صاحب کا قول جواز صلوٰۃ غلبۂ عجز پر مرتب ہے؛ لیکن اس زمانہ میں کہ دخانی جہاز چلتے ہیں، ان میں یہ علت متحقق نہیں، لہذا بالاتفاق بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہ ہوا۔ فقط

حررہ خلیل احمد عفی عنہ (فتاویٰ مظاہر علوم: ۱/۹۷)

ہوائی جہاز میں نماز:

سوال: میں حج فرض ادا کر چکا ہوں اور آئندہ عمرہ، یا نفل حج کا ارادہ ہے، ہمارے یہاں افریقہ سے پانی کا جہاز جدہ تک نہیں چلتا، جس کی وجہ سے ہوائی جہاز میں سواری اختیار کرنا پڑتا ہے، اب دشواری یہ ہے کہ ہوائی جہاز میں دوران سفر دو، یا تین نمازیں آجاتی ہیں، علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ ہوائی جہاز میں نماز ادا نہیں ہوتی؛ اس لیے کہ نماز ادا کرنے کے لیے زمین ہونا شرط ہے تو لامحالہ نمازیں قضا ہوں گی تو کیا میرے لیے مناسب ہے کہ میں نفلی حج کے لئے سفر کروں؟

نوٹ: نماز فرض ہے اور میرا سفر نفلی حج، یا عمرہ کے لیے ہوگا۔

الجواب ــــــــــ حامدًا و مصلیًا

ہوائی جہاز میں نماز فرض ادا کرلیں، قضا نہ کریں، پھر زمین پر اگر اعادہ کرلیں تو اس میں ان علما کے رائے بھی محفوظ رہے گی، جو ہوائی جہاز میں نماز کو جائز نہیں فرماتے۔ (۲)

---

(۱) الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار، باب صلاة المریض: ۲/۱۰۱، دار الفكر بیروت، انیس

(۲) "ومن أراد أن یصلی فی سفینة فرضًا أو نفلاً، فعلیه أن یستقبل القبلة متٰی قدر علٰی ذلک، ولیس له أن یصلی إلٰی غیر جهتها، حتٰی لو دارت السفینة، وهو یصلی، وجب علیه أن یدور إلٰی جهة القبلة حیث دارت... ومحل كل ذلک إذا خاف خروج الوقت قبل أن تصل السفینة أو القاطرة إلٰی المكان الذی یصلی فیه صلاة كاملة، ولا تجب علیه الاعادة، مثل السفینة القطرة البخاریة البریة، والطائرات الجویة، و نحوها". (كتاب الفقه علی المذهب الأربعة، كتاب الصلاة، بحث صلاة الفرض فی السفینة وعلی الدابة ونحووها: ۱/۱۹۷، دارالفكر، بیروت)

(الاستعلام) کیا وہاں حج نفل، یا عمرہ کے لیے فوٹو لازم نہیں ہے؟ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۵/۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۳۳/۷)

پانی کے جہاز میں سفر حج کریں تو کیا قصر کریں گے:

سوال: کیا حج کا سفر بھی قصر کہلاتا ہے؟ پانی کے جہاز سے ہم سفر کریں تو نماز قصر کرنی ہوگی؟

الجواب

سفر کے دوران نماز قصر ہوگی۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۹۰/۴)

ملازمین جہاز کے لیے قصر، یا اتمام کا حکم:

سوال: جو لوگ آ گبوٹ جہاز میں نوکری کرتے ہیں اوران کا دائمی پیشہ یہی ہے، بعض ان میں سے ایسے ہیں، جو ہفتوں میں واپس جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو مہینوں میں واپس آتے ہیں اور بعض ایسے ہیں، جو برسوں میں واپس آتے ہیں، ان میں بعض آ گبوٹ تو ایسے ہیں، جو ایک ملک سے براہ راست دوسرے ملک کو چلے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں، جو ملک درملک شہر درشہر آدمیوں کو اتارتے چڑھاتے اور مال لیتے دیئے جاتے ہیں اور کہیں ہفتہ بھر کہیں اس سے کم وزیادہ ٹھیرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ لوگ ذی اختیار نہیں، جب تک کپتان مالک آ گبوٹ، یا اس کا قائم مقام ٹھہرے، تب تک یہ بھی ٹھہرتے ہیں، جب وہ چلے یہ بھی چلتے ہیں، آیا یہ لوگ مسافر ہیں، یا مقیم؟ اگر مسافر ہیں تو اپنی نمازوں کو قصر کریں اور روزہ افطار کریں، یا نہیں؟ فقط

الجواب

جہاز، گھر یعنی وطن کے حکم میں تو نہیں ہے، پس اس کا حکم کوئی جدا نہیں ہے، جو اور مسافر کا ہے، وہی اس کا یعنی یہ لوگ جب اپنے وطن اصلی، یا وطن اقامت سے (یعنی جہاں پندرہ روز کے قیام کا قصد ہو) چلتے ہیں، چلنے کے وقت دیکھنا چاہیے کہ کس قدر مسافت قطع کرنے کا ارادہ مصمم ہوتا ہے، اگر بقدر مسافت تین ایام کے (یعنی دریا میں اعتدال ہوا کی حالت میں کشتی (۲) تین دن میں جس قدر جاتی ہے ارادہ ہو تو قصر کرے گا اور اگر اس سے کم کا ہو نہ کرے گا۔ (هٰكذا فی كتب الفقه) والله أعلم

۹ر محرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۲۹) (امدادالفتاویٰ: ۱/ ۵۷۹-۵۸۰)

---

(۱) قال محمد رحمه الله: يقصر حين يخرج من مصره ويخلف دور المصر كذا في المحيط. (الهندية: ۱/ ۱۳۹، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر)

(۲) کشتی سے بادبانی کشتی مراد ہے، اسٹیمر مراد نہیں ہے۔ دیکھئے سوال: ۵۱۵ (سعید احمد)

سوال: ہمارے ہاں شہر مولمین میں بہت دور دراز ملکوں سے لوگ آتے ہیں اور کمائی کر کے لے جاتے ہیں۔اب ان کے پیشہ میں فرق ہے کوئی تو خشکی کے کام کرتا ہے، جیسے بزازی، لوہاری، درزی وغیرہ اور کوئی پانی کے کام کرنے والا ہے (جیسے شہر دہلی کے پورب کی طرف جمنا ندی بہتی ہے، ایسے ہمارے شہر مولمین کے داہنی طرف ایک ندی بہتی ہے، جو رفتہ رفتہ سمندر سے جا ملی ہے، جس کے سبب سے دوسرے ملکوں سے اور دوسرے شہروں سے ہمارے ہاں جہاز اور کشتی منور سوداگری کے آیا کرتے ہیں) یعنی کوئی تو ایسے جہاز کی نوکری کرتا ہے، جو دور دور شہروں سے تجارتی چیزیں لینے آیا کرتے ہیں اور کوئی چھوٹے چھوٹے جہازوں میں کام کرتا ہے، جو ایک پار سے لوگوں کو دوسری پار لے جاتے ہیں، یا ایک دن یا دو دن کے راستے پر مال لینے جایا کرتے ہیں، رات کے وقت ہمیشہ جہاز ہی میں لنگر انداز کر کے سو جاتے ہیں اور بعض تو ایسے ہیں جو چھوٹی چھوٹی کشتی چلاتے ہیں، بڑے بڑے جہازوں سے جو ندی کے بیچ میں لنگرا نداز ہوتے ہیں، مال نکال کر چھوٹی کشتیوں میں لاد کر کنارہ پر لاتے ہیں اور بعض کشتی والے اس پار کے لوگوں کو اس پار لے جاتے ہیں اور بعض کشتی والے دو تین روز کے راستہ میں بھی کرایہ لے کر جاتے ہیں، پھر وہاں سے شہر میں چلے آتے ہیں اور سب جہاز والوں کے لیے اور کشتی والوں کے لیے اپنی اپنی کشتی لنگر کرنے کو ایک جگہ مقرر ہے، وہاں آ کر رات کو لنگر کر کے اسی کشتی، یا جہاز میں سو جاتے ہیں، ان کے واسطے وطن اصلی اور وطن اقامت یہی ہے، یہ لوگ ایسے کچھ دن سفر کر کے کچھ کما کر کے پھر اپنے اپنے ملکوں کو چلے جاتے ہیں، شہر سے یا کنارہ سے ان کو کوئی سروکار نہیں، ہاں کوئی چیز خریدنے کو، یا کوئی کرایہ دیکھنے کنارہ پر، یا شہر میں آیا کرتے ہیں، ورنہ ہمیشہ ان کے رہنے سہنے کی جگہ وہ کشتی، یا جہاز ہے، یہ لوگ مسافر کہلاویں گے، یا مقیم؟ اس مسئلہ میں یہاں علما دو فریق ہو گئے، فریق اول یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب تک اپنا ملک چھوڑ کر رہیں گے (کشتی، یا جہاز میں) مسافر کہلائیں گے اور احکام سفر کے ان پر جاری ہوں گے؛ کیوں کہ ان کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، کشتی یا جہاز اقامت کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اور جس جگہ لنگر انداز ہوتے ہیں، وہ بھی کوئی نیت اقامت کرنے کے لائق جگہ نہیں ہے اور اگر شہر مولمین میں اقامت کی نیت کریں، یہ بھی نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ وہ شہر میں یعنی کنارہ پر خشکی میں نہیں رہتے، ہمیشہ دریا میں رہتے ہیں، یہ نیت ان کی کیوں کر صحیح ہوگی، پس یہ لوگ ہمیشہ مسافر ہیں، مقیم نہیں ہو سکتے اور فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ جب نیت اقامت کی کریں صحیح ہے، جب وہ ارادہ کریں ایک برس، یا دو برس اس شہر مولمین میں رہنے کا اور اسی شہر کے پتہ سے خط و کتابت ہوتی رہتی ہے اور وہ ندی جس میں وہ لوگ کشتی، یا جہاز رانی کرتے ہیں، شہر کے تحت میں ہے، جب یہ لوگ شہر کے قریب ندی میں لنگر انداز ہو کے رہتے ہیں، گویا شہر میں رہتے ہیں، گویا کہ ان کا وطن اقامت شہر مولمین ہے، جس پتہ سے ان کی خط و کتابت ہوتی رہتی ہے، پس نیت اقامت ان کی صحیح ہے، اگر چہ یہ لوگ جہاز، یا کشتی میں اکثر وقت رہیں، یہ لوگ مقیم ہیں، جب تک ملک جانے کا ارادہ کریں۔فقط، اب آرزو ہے کہ حضور اس مسئلہ کو کچھ دلیلوں کے ساتھ فیصلہ فرما کر سرفراز فرماویں؟

الجواب

فی الدرالمختار: (أوینوی) ... (إقامة نصف شهر) ... (بموضع) واحد (صالح لها) من مصر أوقرية أوصحراء دارنا وهومن أهل الأخبية (فيقصرإن نوٰی) الإقامة (فی أقل منه) أی من نصف شهر (أو)نوٰی فيه (لكن فی غيرصالح) كبحرأوجزيرة،الخ.

فی ردالمحتار(قوله: كبحر):قال فی المجتبٰی:والملاح مسافرإلا عند الحسن وسفينته أيضا ليست بوطن،آه،بحر،وظاهره ولوكان ماله وأهله معه فيها ثم رأيته صريحاً فی المعراج.(۸۳۳/۱)(۱)

وفی الدرالمختار: (بخلاف أهل الأخبية) كعرب وتركمان نووها فی المفازة فإنها تصح(فی الأصح)وبه يفتی إذا كان عندهم من الماء والكلاء مايكفيهم مدتها؛لأن الاقامة أصل.

فی ردالمحتارتحت(قوله: كعرب) المناسب قول غيره كأعراب لما فی المغرب العرب هم الذين استوطنوا المدن والقرىٰ العربية والأعراب أهل البدو ... (قوله؛لأن الاقامة أصل)علة لقوله فإنها تصح أی نيتهم الاقامة قال فی البحروظاهر كلام البدائع أن أهل الاخبية لايحتاجون إلٰی نية الاقامة فانه جعل المفاوزلهم كالأمصاروالقرٰی لأهلها،إلخ.(۸۳۵/۱)(۲)

فی الهندية:الصحيح ماذكرأنه يعتبرمجاوزة عمران المصرلاغيرالا إذاكان ثمة قرية أو قرٰی متصلة بربض المصرفحينئذٍ تعتبرمجاوزة القرى بخلاف القرية التی تكون متصلة بفناء المصر فإنه يقصرالصلاة وإن لم يجاوزتلك القرية،كذا فی المحيط.(۸۹/۱)(۳)

وفيها:و لايصيرمقيمًا بنية الإقامة فيها(أی فی السفينة)وكذلك صاحب السفينة والملاح إلا أن يكون السفينة بقرب من بلدته أوقريته فح يكون مقيمًا باقامته الاصلية كذا فی المحيط ... وفی العتابية ولوكان مسافرأوشرع فی الصلاة فی السفينة خارج المصرفجرت السفينة حتٰی دخل المصريتم أربعًا،كذا فی التتارخانية.(۹۲/۱)(۴)

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) کشتی، یا جہاز خود موضع صالح للا قامۃ نہیں، اگر چہ مال واہل بھی پاس ہوں، پس اس میں اقامت کی نیت کرنے سے مقیم نہ ہوگا، اگر اس کے قبل اس پر شرعا وصف مسافر کا صادق آچکا ہے تو وہ مسافر ہی رہے گا، البتہ اگر

---

(۱) الدر المختارمع رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۱۲۵/۲۔۱۲۶،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) الدر المختارمع ردالمحتار،باب صلاة المسافر: ۱۲۷/۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۳) الفتاویٰ الهندية،باب صلاة المسافر،الباب الخامس عشرفی صلاة المسافر: ۱۳۹/۱،انيس

(۴) الفتاوٰی الهندية،الباب الخامس عشرفی صلاة المسافر: ۱٤٤/۱،انيس

ابھی مسافر شرعاً نہیں ہوا تو اقامت اصلیہ سے وہ مقیم رہے گا، نہ کہ اقامت فی السفینہ سے، (۲) البتہ جس کشتی، یا جہاز پر لنگر انداز ہوتا ہے، وہ کنارہ اگر کسی شہر، یا قریہ سے متصل ہے؛ یعنی شہر سے وہاں تک سلسلہ آبادی کا متصلاً چلا آتا ہے، درمیان میں کھیت، یا باغ، یا کوئی بڑا میدان وجنگل حائل نہیں تو وہ کنارہ بھی حکم مصر میں ہوگا، اس صورت میں وہاں نیت اقامت کی معتبر ہو جاوے گی، کما فی المصر والقریۃ اور اگر اس طرح سے متصل نہیں ہے تو وہ حکم مصر میں نہ ہوگا اور وہاں نیت اقامت کی معتبر نہ ہوگی۔

كما في ردالمحتار: أراد بالعمارة ما يشمل بيوت الأخبية؛ لأن بها عمارة موضعها، قال في الإمداد: فيشترط مفارقتها ولو متفرقة ... يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الاقامة كربض المصر وهو ماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه في حكم المصر وكذا القرىٰ المتصلة بالربض في الصحيح بخلاف البساتين ولو متصلة بالبناء؛ لأنها ليست من البلدة ولو سكنها أهل البلدة وجميع السنة أو بعضها ولا يعتبر سكنى الحفظة وإلا كرة اتفاقاً، إمداد. (۸۱/۱)(۱)

ان ہی روایات سے دلائل قائلین **بكونها محلا صالحا للاقامة** کا جواب بھی نکل آیا کہ محض شہر کے تحت، یا تعلق میں ہونا اس کے لیے کافی نہیں، جب تک آبادی کا اتصال نہ ہو اور شاید کوئی اہل اخبیہ کی حالت سے اس پر استدلال کرنے لگے تو اہل اخبیہ کی حقیقت مذکورہ فی الروایات السابقہ کے معلوم ہونے کے بعد وہ استدلال بھی نہ رہے گا؛ کیوں کہ اہل اخبیہ کا تو کوئی گھر ہی نہیں ہوتا بخلاف ان کے۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ کشتی وجہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں، جب تک کہ اس کے کھڑے ہونے کا موقع آبادی سے متصل نہ ہو۔

۸/ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ: ۱۲) (امداد الفتاویٰ: ۱/۵۸۰-۵۸۴)

جہاز کے ملازمین کے لیے قصر کا حکم:

سوال: جہاز کے ملازمین میں سے بعض لوگ کہیں باہر نہیں جاتے ان میں سے بہت سے لوگ قصر پڑھتے ہیں، اور وہ یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ ہم لوگ جس کی نوکری کرتے ہیں نہ معلوم کب اس کی طرف سے ایسی خبر آجائے جس سے مسافت کی راہ کوچ کرنا پڑے، اور ہمارے جہاز کا پیندا یعنی نیچے کا حصہ مٹی سے یعنی کنارے سے ٹیک لگی نہیں ہوتی، اگر جہاز کا حصہ کنارے سے لگا ہو تو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اپنی کمپنی سے خبر کب صادر ہوگی، اس سے بھی واقف نہیں اور نہ کمپنی نے ایسا کہا کہ فلاں تاریخ کو تمہیں فلانی جگہ جانا ہوگا اور کمپنی کے دل میں کون سی بات گذرتی ہے اور کون سی بات گذرے گی، اس کا علم تو

---

(۱) رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس

اللہ تعالیٰ کو ہے اور اگر ایسا خیال ہے کہ ہر وقت آمد و رفت ہوئی تو بلا تردد نماز قصر پڑھنی چاہیے۔ اب یہ لوگ کہتے ہیں ہماری کمپنی کے اس رنگون کے علاوہ اور بھی بہت سی جگہ کارخانہ ہے، اس جگہ ایک دو بار گیا بھی تھا۔ اب کوئی متعین وقت جانے کے لیے نہیں اور نہ جانے کا ارادہ ہے؛ لیکن مالک کی کوئی خبر آئے گی کہ نہیں، اس کا علم تو خدا کو ہے۔

اب تیسری گزارش یہ ہے کہ ہم لوگ جہاز میں شب و روز رہتے ہیں اور اسی میں خورد نوش کا بھی انتظام ہے؛ بلکہ جہاز میں ہماری قیام گاہ ہے، اب اگر مالک کی طرف سے کوئی آرڈر ایسا آپڑے، جس سے مسافرت کی راہ طے کرنی پڑے تو اس حالت میں ہم لوگوں پر نماز قصر پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟ بشرطیکہ جہاز ہماری قیام گاہ ہے اور مع جہاز کے جگہ میں پہنچ جاؤں گا۔ سو اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟ اس مضمون پر خیال فرما کر نور ضیاء بخشئے اور کتاب کا حوالہ بھی ضرور دیجئے اور جو مضمون عربی میں ہو، اس کا ترجمہ اردو زبان میں تحریر کیجئے؟ اس مسئلہ کے بارے میں جہازی آدمیوں میں بڑا فساد برپا ہو رہا ہے، کوئی عالم کہتے ہیں کہ نماز قصر پڑھنی چاہیے اور کوئی اس کے برخلاف۔ اب ہم لوگ حیران ہو کر آپ کی طرف متوجہ ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

جو لوگ رنگون میں رہ کر قصر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم کو خبر نہیں کہ مالک جہاز کی طرف سے کب حکم آجاوے، اس کا حکم یہ ہے کہ شرع میں وہم و خیال کا اعتبار نہیں، ظن غالب کا اعتبار ہے۔ اگر ان کو کمپنی کی طرف سے حکم سفر آنے کا ظن غالب ہو، جس کا معیار یہ ہے کہ اکثر ہر مہینے میں ان کو حکم سفر آتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے کبھی ایسا موقع نہیں ملتا کہ اپنے ارادہ و اختیار سے دس پندرہ دن قیام کر سکیں، یہ حالت ہو تو ان کا رنگون میں قصر کرنا درست ہے، بشرطیکہ وہ ان کا وطن اصلی نہ ہو اور اگر ظب غالب نہیں، محض خیال و وہم ہی ہے کہ شاید حکم سفر آجائے تو اس کا اعتبار نہیں، اس صورت میں اگر یہ لوگ رنگون میں نیت اقامت کر لیں، یا ظن غالب سے کبھی یہ معلوم ہو کہ پندرہ دن تک ابھی کہیں دور جانا نہیں ہے تو مقیم ہو جائیں گے اور نماز پوری پڑھنا چاہیے اور گذشتہ ایام میں اگر کبھی ایسا ہوا ہو کہ ظن غالب سے پندرہ دن تک کہیں جانا ان کو متحقق نہ تھا، یا پندرہ دن ٹھیرنے کی نیت کر لی تھی اور ظن غالب سے نیت کے پورا ہونے کی امید تھی اور اس وقت میں غلطی سے یہ لوگ قصر کرتے رہے تو ان ایام کی نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

قال في الدر: (أو دخل بلدة ولم ينوها) أى مدة الإقامة (بل ترقب السفر) غدا أو بعده (ولو بقي) علىٰ ذلك (سنين) "يقصر" إلا أن يعلم تاخر القافلة نصف شهر كمامر، آه.(۱)

قلت اشارة إلىٰ قوله سابقاً (أو ينوى) ... (اقامة نصف شهر) حقيقة أو حكمًا لما في البزازية:

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۶/۲، دار الفكر بيروت، انيس

لو دخل الحاج الشام وعلم أنه لايخرج الامع القافلة فی نصف شوال أتم؛لأنه كناوی الاقامة،آہ. (۸۲۳/۱)(۱)

قلت:وقد تقررأن غلبة الظن فی حكم العلم شرعًا واللّٰہ أعلم

۳/ رجمادی الاول ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام:۳۲۹/۲)

کشتی اور جہاز پر رہنے والے قصر نماز پڑھیں:

سوال: جو جہاز خلیج میں رات کو کنارہ پر مربوط رہتے ہیں اور دن کو تین مرتبہ نصف ساعت کی مقدار میں اس پار سے اس پار کو آتے جاتے ہیں، آیا اس جہاز کے ملازمین نماز قصر کریں گے، یا پوری پڑھیں گے؟ اور وطن اصلی ان لوگوں کا تین روز کا فاصلہ ہے اور یہ لوگ جہاز ہی میں رہتے ہیں، کھانا پینا اور سونا جہاز ہی میں ہوتا ہے؟

الجواب

جو لوگ دور سے آ کر جہاز کی ملازمت کرتے ہیں، مثلاً تین دن کی مسافت، یا زیادہ طے کر کے آ کر جہاز میں ملازم ہو جاتے ہیں اور پھر برابر دریا میں جہاز چلاتے رہتے ہیں، کسی موضع صالح للإ قامۃ میں پندرہ دن کے قیام کی نیت سے قیام نہیں کرتے تو وہ مسافر ہیں، نماز قصر پڑھیں۔

درمختار میں ہے:

(فيقصر إن نوىٰ) الإقامة (فی أقل منه) أی من نصف شهر(أو)نوىٰ (فيه لكن فی غير صالح) كبحرأو جزيرة،إلخ.(الدرالمختار)

وفی الرد تحت(قوله:كبحر):قال فی المجتبىٰ:والملاح مسافرإلا عند الحسن وسفينته أيضاً ليست بوطن،آہ. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۴۷۵/۴-۴۷۶)

جہاز کا ملازم جسے معلوم نہیں کہ کہاں کتنے دن رہنا ہو، قصر کرے:

سوال: میں مال جہاز میں ملازم ہوں، جہاز ہمیشہ دور دراز ممالک میں پھرتا رہتا ہے، کبھی ایک جگہ دس پندرہ دن، مہینہ دو مہینہ کھڑا رہتا ہے، معلوم نہیں ہوتا کہ کب وہاں سے روانہ ہوگا اور بعض جہاز ایک مقام مقرر سے دوسرے مقام مقرر تک جاتا ہے اور ہم کو چھ، سات، یا نو دس مہینہ کے بعد، یا برس دو برس میں مکان جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو ایسی حالت میں نماز قصر پڑھنی چاہیے، یا پوری؟

---

(۱) الدر المختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر:۱۲۵/۲،دار الفكربيروت،انيس

(۲) ردالمحتار،باب صلاة المسافر:۱۲۵/۲-۱۲۶، ظفير

الجواب

اس صورت میں جب تک اپنے وطن میں پہنچا نہ ہو نماز کو برابر قصر کرنا چاہیے اور جب وطن پہنچو، اس وقت نماز پوری پڑھو اور جو جہاز مقرر جگہ سے مقرر جگہ تک جاتا ہے۔ اس کے ملازم کا بھی یہی حکم ہے کہ برابر بحالت سفر نماز قصر کرے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۶۳-۴۶۴)

جہاز کے ملازم کے احکام:

سوال (۱) بعض آدمی دور پردیس مثلاً رنگون وغیرہ جا کر ایسے جہازوں میں نوکری کرتے ہیں، جن کا اپنے شہر و بندر کے علاوہ دوسرے شہروں میں آنا جانا نہیں ہوتا؛ بلکہ اسی شہر میں ایک دوسرے جہازوں کی آمد ورفت کے لیے راستہ صاف کرنے کا کام کرتے ہیں۔

جو لوگ ہمیشہ گھاٹ پر رہا کرتے ہیں:

(۲) اور بعض لوگ ایسے جہازوں کی ملازمت کرتے ہیں، جو ہمیشہ گھاٹ ہی پر مربوط رہتے ہیں اور برابر اپنی جگہ پر ثابت رہتے ہیں۔

جو برابر سفر میں رہے:

(۳) بعض لوگ تجارتی جہازوں میں نوکر ہوتے ہیں، جن کا کام فقط انتقال من مصر الی مصر ہے، کہیں قیام کا اطمینان نہیں۔ ہاں کبھی کبھی شہر میں ماہ ڈیڑھ ماہ کا قیام بھی ہو جاتا ہے؛ لیکن ملازم اس بارے میں افسر کے تابع ہوتے ہیں؛ بلکہ ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ جہاز کب تک ٹھہرے گا اور کب چھوٹے گا۔

ان تینوں صورتوں میں ملازمین جہاز کو نماز قصر کرنی چاہیے، یا پوری پڑھنی چاہیے، یا کچھ فرق ہے باہم صورتوں میں؟

الجواب

(۱-۲) پہلی اور دوسری صورت میں وہ لوگ مقیم ہیں، پوری نماز پڑھیں گے؛ کیوں کہ جب وہ کسی شہر رنگون وغیرہ میں بغرض ملازمت گئے اور وہاں پندرہ دن، یا زیادہ کی اقامت کی نیت کی اور پھر ایسے جہازوں میں نوکری کر لی کہ جو سفر نہیں کرتے تو وہ مسافر نہیں ہوئے، لہٰذا پوری نماز پڑھیں گے۔

---

(۱) (أو دخل بلدة ولم ينوها) أي مدة الإقامة (بل ترقب السفر) غدًا أو بعده (ولو بقي) علىٰ ذلك (سنين). (الدر المختار) وفي الرد تحت (قوله: ولم ينوها) وكذا إذا نواها وهو مترقب للسفر كما في البحر؛ لأن حالته تنافي عزيمته. (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۶/۲، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۳) اور تیسری صورت میں وہ مسافر ہیں، نماز قصر کریں گے۔

پہلی دونوں صورتوں میں اتمام صلوٰۃ کی دلیل عبارت درمختار ہے:

(حتٰی یدخل موضع مقامه) ... (أوینوی) ... (إقامة نصف شهر) ... (بموضع) واحد (صالح لها) من مصر أو قرية، إلخ. (۱)

اور تیسرے مسئلہ کی دلیل یہ ہے:

(فيقصر إن نوٰى) الإقامة (فی أقل منه) أی من نصف شهر (أو) نوٰى (فيه لكن فی غير صالح كبحر أو جزيرة ... (أو لم يكن مستقلاً برأيه) كعبد وامرأة. (الدر المختار)

وفی الرد تحت (قوله: أو لم يكن مستقلاً برأيه) عطف علٰى قوله إن نوٰى أقل منه وصورته نوى التابع الإقامة ولم ينوها المتبوع أو لم يدر حاله فإنه لايتم. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۴۷-۴۴۸)

سمندری جہاز اگر بارہ میل کے اندر سفر کرتا ہے تو وہ شخص مقیم ہے:

سوال: جو آدمی سمندر میں ہمیشہ جہاز پر نوکری کرتے ہیں اور ان کے واسطے کوئی گھر مقرر نہیں ہے اور جہاز بارہ میل کے اندر اندر روزانہ دورہ کرتا ہے اور ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب ان کو اس جگہ سے بدل کر دوسری جگہ لے جاوے تو وہ نماز قصر پڑھیں گے، یا نہیں؟

الجواب

اگر بارہ میل کے اندر ہی دورہ رہتا ہے تو ہمیشہ مقیم ہیں، کبھی مسافر نہ ہوں گے، مسافر ہونے کے لیے ایک دم چھتیس میل کے سفر کا ارادہ کرنا ضروری ہے۔ (۳) فقط واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۳/۳۷۹)

الجواب

ازمولانا سید عمیم الاحسان صاحب مجددی، سنی دار الافتا، جامع مسجد ناخدا کلکتہ

ہو الموفق مجیب صاحب کو جواب میں غلط فہمی ہوگئی کہ انہوں نے دریا کو محل اقامت سمجھا، حالاں کہ دریا محلّہ اقامت نہیں۔ درمختار میں ہے: **(فيقصر إن نوٰى) الاقامة (فی أقل منه نصف شهر (أو) نوٰى فيه (ليكن فی**

(۱) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱/۱۲۴-۱۲۵، دار الفكر بيروت، ظفير

(۲) رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱/۱۲۵-۱۲۶، دار الفكر بيروت، ظفير

(۳) (من خرج من عمارة موضع اقامته) ... (قاصداً) ... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) من أقصر أيام السنة ... (صلى الفرض الرباعی ركعتين). (الدر المختار علٰى رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۲، ط: سعيد)

غیر مصالح) کبحر، انتھی. (۱) لہٰذا صحیح یہ ہے کہ جہاز پر نوکری کرنے والے ملاح وغیرہ جن کی رہائش بھی جہاز پر ہی ہوتی ہے، ہمیشہ قصر پڑھیں گے، خواہ بارہ میل کے اندر جہاز ہے، یا ایک ہی جگہ کچھ زیادہ مدت تک رہنے کا اتفاق ہو، جہاز کی روانگی کی تاریخ معلوم ہو، یا نہ ہو، چناں چہ ردالمختار، جلد: ا رص: ۷۴۷:

قال فی المجتبی: والملاح مسافر إلاعند الحسن وسفینته أیضاً لیست بوطن، آہ، بحر، وظاھرہ ولو کان مالہ وأھلہ معہ فیھا ثم رأیتہ صریحًا فی المعراج انتھی. (۲) **واللّٰہ أعلم**

کتبہ السید محمد عمیم الاحسان المجد دی عفا اللہ عنہ، ۲۹ ررمضان ۱۳۵۵ھ

جواب ــــــــــــــــــــ الجواب

از حضرت مفتی اعظمؒ

میرے جواب کا مدار تو اس امر پر تھا کہ جب تک مسافر قرار پا کر قصر کی شرط پوری نہ کرے، کوئی شخص نماز قصر نہیں پڑھ سکتا اور مسافر قرار پانے اور قصر کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ تین دن کی مسافت قطع کرنے کی یک دم نیت کرے، اگر یک دم تین دن کی مسافت قطع کرنے کی نیت نہ ہو تو چاہے ساری عمر چلتا رہے اور ساری دنیا کا سفر کر لے گا؛ مگر نہ وہ مسافر قرار پائے گا، نہ اس کے لیے قصر جائز ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے:

واما الثانی (أی شرط القصر) فھو أن یقصد مسیرۃ ثلاثۃ أیام فلو طاف الدنیا من غیر قصد إلیٰ قطع مسیرۃ ثلثۃ أیام لایترخص، انتھیٰ. (۳)

سوال میں بھی اس امر کی تصریح تھی کہ جن لوگوں کے متعلق سوال ہے، وہ سمندر میں روزانہ بارہ میل کے اندر سفر کرتے ہیں اور میں نے جواب میں بھی اس صورت کو صراحۃً ذکر کر دیا تھا کہ اگر بارہ میل کے اندر ہی دورہ رہتا ہے تو وہ ہمیشہ مقیم ہیں۔

جہازوں کے ملازم جو گودیوں میں کام کرتے ہیں اور جہازوں پر دس دس بارہ بارہ میل تک روزانہ آتے جاتے ہیں، وہ ملازمت کے وقت بھی مسافر ہوتے ہوں تو محل تعجب نہیں؛ لیکن ایسے ملازمین کی بڑی تعداد ایسی بھی ہوتی ہے، جو ملازمت ملنے کے وقت مسافر نہیں ہوتے، مثلاً کلکتہ کے باشندے، یا کلکتہ کے گرد ونواح (مسافت سفر کے اندر) کے باشندے کلکتہ کی گودی میں اگر ملازم ہوں اور ان کو ان جہازوں میں جو کنارے پر کھڑے ہوتے اور ہمیشہ کھڑے رہتے ہیں اور ملازمین کی رہائش کے لیے ہی استعمال کئے جاتے ہیں، جگہ دے دی گئی اور وہ اس میں رہنے لگے اور

---

(۱) الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار، باب صلاۃ المسافر: ۱۲۵/۲-۱۲۶، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) باب صلاۃ المسافر: ۱۲۵/۲، ط: سعید

(۳) البحر الرائق، باب المسافر: ۱۳۹/۲، ط: بیروت لبنان

جہازوں پر کام کرنے لگے اور روزانہ دس بارہ میل کے اندر جانے آنے لگے تو ایسے لوگ کسی وقت مسافر نہیں ہوئے، اوران کو ہمیشہ نماز پوری پڑھنی چاہیے اور تاوقتیکہ وہ کسی وقت یک دم تین دن کی مسافت کا قصد کر کے نہ چلیں، نہ مسافر ہوں گے اور نہ ان کو قصر پڑھنا جائز ہوگا۔ میرے جواب کا یہی مطلب تھا اور میں اسی کو صحیح سمجھتا ہوں؛ لیکن اگر مولانا عمیم الاحسان ان لوگوں کو بھی محض اس وجہ سے کہ وہ سمندر میں اور جہاز میں رہتے ہیں، بغیر اس کے کہ وہ مدت سفر کی نیت کر کے چلیں، مسافر قرار دیتے ہیں تو یہ بات میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ دریا کے کنارے کشتی میں رہنا حکم سفر لگانے کے لیے کافی نہیں ہے۔

وأشار المصنف إلٰی أن النية لابد أن تكون قبل الصلاة ولذا قال في التجنيس: إذا افتتح الصلاة في السفينة حال إقامته في طرف البحر فنقلها الريح وهو في السفينة ونوى السفر يتم صلاة المقيم عند أبي يوسف خلافًا لمحمد؛ لأنه اجتمع في هٰذه الصلاة ما يوجب الأربع وما يمنع فرجحنا ما يوجب الأربع احتياطاً. (۱)

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ محض کشتی میں چلا جانا کسی کو مسافر بنانے کے لیے کافی نہیں، ورنہ اس شخص پر جو کشتی میں نماز شروع کرے، قصر لازم ہوتا، خواہ مزید سفر کی نیت کرے، یا نہ کرے، حالاں کہ اس جزئیہ میں اس کی نیت سفر جو اثنائے نماز میں کی گئی، غیر معتبر قرار دے کر پوری نماز اس پر لازم کر دی گئی۔

اور تمام فقہا نے مسافر بننے کے لیے تین دن کی مسافت کا قصد کرنے کے بیان میں بھی مسافت فی البر و فی البحر دونوں کا ذکر کیا ہے۔

من جاوز بيوت مصره مريدا سيرا وسطاً ثلاثة أيام في بر أو بحر أو جبل، انتهى. (۲)

یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ کشتی میں جانا اور رہنا ہی مسافر بنانے کے لیے کافی نہیں، ورنہ سمندر میں تین دن کی مسافت کی شرط جواز قصر کے لیے نہ ہوتی۔ (مسودہ ناتمام) (کفایت المفتی: ۳/۳۷۹-۳۸۱)

وطن اصلی سے اگر کسی شہر میں اقامت کی، پھر کشتی یا جہاز میں ملازم ہو گیا تو کیا کرے:

سوال: بعض جہاز راں اور کشتی بان اپنے وطن اصلی سے آ کر شہر، یا گاؤں میں اولاً کسی جگہ بہ نیتِ اقامت مقیم ہو جاتے ہیں، پھر کچھ دنوں تلاش وکوشش کے بعد کسی جہاز، یا کشتی میں ملازم ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ بلانیتِ

(۱) البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۷، ط: دار الفکر بیروت، لبنان

(۲) قصر فرض الرباعي.

كنز الدقائق، باب صلاة المسافر، ص: ۱۸۷، دار البشار الاسلامية بيروت، انيس

اقامت کسی جگہ ٹھہر جاتے ہیں، بعدہ ملازم ہوکر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں ان پر قصر واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

جولوگ دور دراز مسافت سے آئے اور کسی جگہ انہوں نے نیتِ اقامت پانزدہ یوم نہ کی اور پھر ملازم جہاز وکشتی ہوکر سفر کرتے رہے، خواہ قلیل، یا کثیر وہ برابر مسافر ہی رہیں گے اور قصر کریں گے، **لعدم علة الإتمام** اور جولوگ کہیں مقیم تھے، یا باہر سے آ کر مقیم ہوگئے اور پھر تین دن کے سفر کے ارادہ سے نہیں نکلے، وہ پوری ہی نماز پڑھیں گے، قصر نہ کریں گے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۷ ۴۶)

کشتی کا محل اقامت کا لائق نہ ہونا:

سوال: زید آبی ملک میں ایک مسقّف کشتی میں مع اپنے نوکر چاکر واہل وعیال کے رہتا ہے اور جس گاؤں میں وعظ کرتا ہے، اس کے قریب دریا میں کشتی جالگا تا ہے، دن میں وعظ کر کے رات کو واپس کشتی میں آتا ہے اور کبھی کشتی سے باہر موضع میں بھی پانچ سات روز گزارتا ہے؛ مگر مقیم کشتی ہی میں رہتا ہے تو کیا اس صورت میں اہل اخبیہ میں داخل ہوکر پوری نماز پڑھے گا، یا قصر؟ مالا بدمنہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز پڑھے گا، (اور جو کہ ہمیشہ میدان میں رہا کرتے ہیں اور کسی جگہ اقامت نہیں کرتے ہیں؛ مگر دس پانچ روز تو ان لوگوں کو حکم ہے کہ ہمیشہ نماز اقامت کی پڑھیں قصر نہ کریں۔ ہاں! جس وقت یک بارگی ۴۸ رمیل چلنے کا ارادہ کریں تو اس وقت قصر پڑھیں) مگر اہل اخبیہ میں اور مقیم فی السفینۃ میں اتنا فرق ہے کہ اہل اخبیہ مثل کنجر بنجارے بدو کے ہمیشہ بیابان میں آبادی سے دور رہتے ہیں اور مقیم فی السفینہ کبھی قریب موضع کے متصل اور کبھی بفاصلہ ایک میل کبھی دو تین میل وعلیٰ ہٰذا تو پس اس میں وہ واعظ اور نوکر اس کے کیا قصر پڑھیں گے، یا کامل؟ عالمگیری میں متاخرین کا اس مسئلہ میں اختلاف بیان کیا ہے)۔

الجواب

قصر کرے گا۔

في الدر المختار: (فيقصر ان نوى) الاقامة (في أقل منه) أي من نصف شهر (أو) نوى فيه لكن في غير صالح كبحر، إلخ.

---

(۱) ولابد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين وإلالايترخص أبدًا ولوطاف الدنيا جميعها إلخ ولايزال على حكم السفرحتى ينوى الإقامة فى بلدة أوقرية خمسة عشريومًا أو أكثر. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر فى صلاة المسافر: ١/ ١٣٩، انيس)

وفی ردالمحتار تحته: قال فی المجتبی: والملاح مسافر إلا عند الحسن وسفينته أيضًا ليست بوطن آه بحر. وظاهره ولو كان ماله وأهله معه فيها ثم رأيته صريحا فی المعراج. (۱)

اور چوں کہ اہل بحر کا حکم مثل اہل اخبیہ کے نہیں، لہذا عالمگیری میں جو اہل اخبیہ کے باب میں اختلاف منقول ہے، یہاں اس سے کچھ تعلق نہیں۔

۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۹۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۵۷۴-۵۷۵)

جہاں جہاز دو تین ماہ رک جائے، وہاں اقامت کی نیت سے مقیم ہوگا، یا نہیں:

سوال (۱) بعض تجارتی جہاز دور دراز ملکوں سے آ کر کسی بندرگاہ میں دو تین ماہ تک مقیم ہو جاتے ہیں، ایسی حالت میں ان کے اہلکار نیت اقامت سے مقیم بن سکتے ہیں، یا نہیں؟

مال بوٹ کے ملازم مقیم نہیں:

(۲) بعض مال بوٹ اکثر بندرگاہوں کے پل پر بطور مال گودام کے ہمیشہ بندر ہتا ہے، اس کے اہل کار جو ممالک غیر کے باشندے ہوتے ہیں اور ہمیشہ اس میں بود و باش رکھتے ہیں، مقیم کہلائیں گے، یا مسافر؟

الجواب

(۱) شامی میں ہے:

والملاح مسافر الا عند الحسن وسفينته أيضاً، ليست بوطن آه (بحر) وظاهره ولو كان ماله وأهله معه فيها ثم رأيته صريحًا فی المعراج. (۲)

پس معلوم ہوا کہ وہ اہل کار مقیم نہ ہوں گے، مسافر ہی رہیں گے اور نماز قصر کریں گے۔

(۲) مسافر رہیں گے۔ (کما مر) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۴/۴۶۷-۴۶۸)

ملاح مقیم ہیں، یا مسافر:

سوال: ایک جماعت ملاحوں کی ہے، جس کا دستور ہے کہ کسی بڑی آبادی شہر کی پناہ میں بازار کے متصل ندی کے کنارے جگہ خرید لیتے ہیں، گورنمنٹ کو اس جگہ کا خراج ادا کرتے ہیں، ایک مکان خواہ کرایہ کا خواہ ذاتی لیتے ہیں، جس میں ان کا سردار اور سامان رہتا ہے، وہیں ان کی مسجد ہوتی ہے، جس میں نماز پنجگانہ جمعہ وعیدین پڑھتے ہیں، اگر کوئی

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۵-۱۲۶، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) ردالمحتار، باب صلاة المسافر (تحت قوله: كبحر): ۲/۱۲۶، دار الفكر بيروت، ظفير

مرجاتا ہے، اسی شہر میں دفن کفن کرتے ہیں اور ندی کے اندر کشتیاں باندھ دیتے ہیں، خود عموماً کشتیوں کے اندر رہتے ہیں اور آنے جانے والوں سے کرایہ لے کر کشتی میں بٹھلا کر آٹھ دس میل تک پہنچا دیتے ہیں اور اسی جگہ واپس آجاتے ہیں، خط وکتابت بھی مکان سے اسی پتہ سے آتی جاتی ہے، اسی طرح دو چار برس، یا زیادہ روزگار کر کے گھر واپس آتے ہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو شرعاً مقیم کا حکم دیا جائے گا، یا مسافر؟ اور نماز پوری ادا کریں، یا قصر کریں؟ یہاں پر علماء کا اختلاف ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

ایسے لوگ اگر پندرہ یوم اس جگہ پر ٹھہریں، وہ جگہ ان کے لیے وطن اقامت ہے، جب تک کم از کم تین یوم کی مسافت کی نیت سے وہاں سے نہیں چلیں گے، اس وقت تک اتمام کریں گے، قصر نہیں کریں گے،(۱) البتہ اگر کسی جگہ ان کو جانا ہو جو کم از کم تین یوم کی مسافت پر ہے، (یعنی کشتی ہوا معتدل ہونے کے وقت آرام کے ساتھ تین یوم میں وہاں پہنچتی ہے) تو یہ لوگ قصر کریں گے، اگر اتنی مسافت سے کم سفر کریں گے تو یہ شرعی سفر نہیں، اس میں قصر نہیں کریں گے۔

”وأقل مسافة تتغير فيها الأحكام مسيرة ثلاثة أيام، كذا في التبيين... والمعتبر في البحر ثلثة أيام في ريح مستوية، غير غالبة وولا ساكنة“. (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۷/۱۱/۱۳۵۳ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۵/ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۹/۷-۴۹۰)

بحری جہاز کا عملہ مسافر ہے، شہری بندرگاہ پر وہ مقیم بن سکتا ہے:

سوال: میں ایک بحری جہاز میں چیف انجینئر ہوں، زندگی کا بیشتر حصہ سمندروں میں سفر پر گزرتا ہے، مجھے اور میرے دوسرے ساتھیوں کو حسب عہدہ رہائش، خوراک کی جملہ ضروریات (مجوزہ قانون کے تحت) میسر ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ ہمیں بعض دفعہ لگاتار بغیر رکے دو دو ماہ تک سفر میں رہنا پڑتا ہے، چند دن کسی بندرگاہ پر رکے اور پھر سفر شروع ہو جاتا ہے، جہاز کسی بھی بندرگاہ پر پندرہ دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتا (بعض دفعہ ایک ماہ بھی رک جاتا ہے)۔ میں بفضلہٖ تعالیٰ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ باجماعت اور بعض دفعہ اکیلے جیسا بھی موقع ہو، اپنی نمازیں فقہ حنفی کے تحت اہل سنت والجماعت کے طریقے پر ادا کرتا ہوں۔ ہم سب اپنے آپ کو مسافر تصور نہیں کرتے؛ (کیوں کہ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کی کہ ہمیں رہائش وخوارک اور پرسکون ماحول حسب عہدہ میسر ہے۔) چند دن ہوئے ہمارے ایک نئے ساتھی

---

(۱) ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يومًا أو أكثر، كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۳۹/۱، رشيدية)

(۲) الفتاوى الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۳۸/۱-۱۳۹، رشيدية

نے جو کیپٹن کے عہدے پر فائز ہوکر ہمارے جہاز کے عملے میں آشامل ہوئے ہیں، ہماری نماز ادائیگی پر اعتراض کیا ہے اور اپنے اعتراض کے جواز میں ایک مولانا صاحب کا تحریری فتویٰ بھی دکھایا ہے، جس کا لب لباب یہ ہے کہ ''بحری جہازوں کے عملے اور کارکنوں کو اپنی نمازیں بحیثیت مسافر کے ادا کرنی چاہئیں؛ (یعنی اختصار کے ساتھ فرض نماز آدھی) بصورت دیگر وہ سنت نبوی کے منکر ہوں گے''۔ مولانا صاحب! آپ ہمیں مندرجہ بالا حالات کے تحت جو درج کئے گئے ہیں، شش وپنج سے نکالیں، کیا بحری جہاز کے عملے/کارکن کو پوری سہولتیں میسر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسافر تصور کرنا چاہیے؟ یا اپنی نمازیں مکمل طور پر ساکن کے تصور پر پڑھنی چاہئیں؟ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، مسافر کو اختصار کے ساتھ ادا کرنے کا حکم (سنت نبوی اور حکم خداوندی کے تحت) دیا جانا، سفر کی تکالیف اور مشکلات کی وجہ سے ہے۔ مولانا صاحب! اس بات کا کیا جواز ہے کہ مسافر سہولت کی خاطر فرض نماز تو اختصار کے ساتھ پڑھے، جب کہ بقیہ نماز کی سنتیں اور نوافل پورے ادا کرے؟ میرے عرض کرنے کا مدعا یہ ہے کہ مسافر کو اگر سہولت ہی لینی ہے تو صرف فرض نماز کے لیے کیوں، پوری نماز کے لیے کیوں نہیں؟ سنتیں اور نوافل پورے ادا کرنا اگر آسان ہوسکتا ہے تو فرض نماز پوری ادا کرنے میں کیا مشکل ہوسکتی ہے؟ حضرت! شریعت محمدی اور قرآن پاک کی روشنی میں دلائل کے ساتھ جواب دے کر ہمیں ذہنی کوفت اور پریشانی سے نجات دلائیں، اس سے بہتوں کا بھلا ہوگا؟

الجواب

آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ بحری جہاز کا عملہ تمام تر سہولتوں کے باوجود مسافر ہے،(۱) البتہ جہاز جب کسی شہر میں لنگر انداز ہو اور بندرگاہ شہر کا ایک حصہ تصور کی جاتی ہو اور اس جگہ پندرہ دن کا یا اس سے زیادہ رہنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز ادا کی جائے گی۔(۲) آپ کا یہ ارشاد بجا ہے کہ ''سفر میں نماز قصر کا حکم دیا جانا سفر کی تکالیف اور مشکلات

(۱) اور مسافر کو قصر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

عن عائشة أم المومنين رضی اللّٰه عنها قالت: فرض اللّٰه الصلاة حين فرضها ركعتين ركعتين فی الحضر والسفر، فأقرت صلاة السفر، وزيد فی صلاة الحضر. (صحيح البخاری: ۵۱/۱، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة فی الإسراء)

وقال عمران بن حصين: مارأيت النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يصلی فی السفر إلا ركعتين، وصلٰی بمكة ركعتين (شرح مختصر الطحاوی: ۹۳/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

(۲) عن ابن عباس رضی اللّٰه عنها قال: إن اللّٰه تعالٰی فرض الصلاة علٰی لسان نبيكم علی المسافر ركعتين وعلی المقيم أربعًا وفی الخوف ركعة (الصحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها: ۲۴۱/۱، قديمی)

ولايزال علٰی حكم السفرحتٰی ينوی الاقامة فی بلدة أو قرية خمسة عشريومًا أو أكثر. (الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۳۹/۱، صلاة المسافر)

کی وجہ سے ہے''۔لیکن چوں کہ سفر میں عموماً تکلیف ومشقت پیش آتی ہے؛اس لیے شریعت نے قصر کا مدار مسافت پر رکھا ہے، ورنہ لوگوں کو یہ فیصلہ کرنے میں دشواری پیش آتی کہ اس سفر میں تکلیف ومشقت ہے، یا نہیں؟ خلاصہ یہ کہ حکم کی اصل علت تو تکلیف ومشقت ہی ہے؛مگر اس کا کوئی پیمانہ مقرر کرنا مشکل تھا؛اس لیے شریعت نے احکام کا مدار خود تکالیف پر نہیں رکھا؛ بلکہ سفر پر رکھا، خواہ اس میں مشقت ہو، یا نہ ہو؛ اس لیے آپ لوگوں کو نماز قصر ہی کرنی ہوگی۔ قصر صرف فرض رکعات میں ہوتی ہے، سنتوں اور نفلوں میں نہیں؛ کیوں کہ سفر میں سنتیں، نفل کی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں اور ان کا پڑھنا اختیاری امر بن جاتا ہے؛(۱) تاہم اگر سفر میں فراغت واطمینان ہو تو سنن ونوافل ضرور پڑھنے چاہئیں؛مگر فرض نماز قصر ہی ہوگی، پوری پڑھنا جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۹۶/۴-۹۷)

بیڑے باندھنے والے جو دریا میں رہتے ہیں، قصر کریں، یا پوری نماز پڑھیں:

سوال: پنجاب کے آدمی جمنا وغیرہ دریا میں بیڑے باندھتے ہیں؛یعنی لکڑیاں کڑیاں ٹورو غیرہ جنگلوں میں سے باندھ کر دریا میں بہا کر دوسرے شہروں میں دریا کے راستہ سے لے جاتے ہیں اور غالباً نو مہینہ اسی سفر میں رہتے ہیں، کہیں دس روز کہیں بیس روز اور کہیں اس سے کم وزیادہ رہنا پڑتا ہے۔ دریا میں ان کا سفر ہوتا ہے، لکڑیوں پر بیٹھے چلے جاتے ہیں، جس جگہ لکڑیاں باندھتے ہیں، وہاں زیادہ قیام ہوتا ہے۔ دریا سے باہر آ کر کھانا وغیرہ پکا لیتے ہیں، ان کے لیے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور ان کو نماز قصر پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

ان کو نماز قصر کرنی چاہیے، جب کہ سفر ان کا تین منزل، یا اس سے زیادہ ہے اور نماز حتی الوسع وقت پر پڑھنی چاہیے اور بہتر ہو کہ جس طرح کھانے وغیرہ کی ضرورت سے کنارہ اتر کر یہ کام کرتے ہیں، اسی طرح نماز کے لیے ایسا کریں، (۲) اور ان کی کڑیوں اور تختوں وغیرہ مجتمعہ پر بھی چلتے ہوئے نماز پڑھنا درست ہے، جیسا کہ کشتی میں۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۴۵۷/۴)

---

(۱) قوله صلى الفرض الرباعي ركعتين)واحترزبالفرض عن السنن والوتروبالرباعي عن الفجر والمغرب (قوله وجوباً)فيكره الاتمام عندما.(رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۱۲۳/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

(ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا)بأن كان في خوف وفرار(لا)يأتي بها هو المختار.(الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱۳۱/۲،باب صلاة المسافر،طبع سعيد)

(۲) وإن نوى الإقامة أقل من خمسة عشريومًا قصر.(الفتاوى الهندية،الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۳۱/۱،ظفير)

(۳) أما الصلاة في السفينة فالمستحب أن يخرج من السفينة للفريضة إذا قدرعليه وإذا صلى قاعدًا في السفينة وهي تجرى مع القدرة على القيام تجوزالكراهة.(الفتاوى الهندية،الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۴۳/۱،ظفير)

ملاحوں کے لیے نماز قصر پڑھنے کی تحقیق، فناء مصر کی تعریف اور بندرگاہ پر نیت اقامت کا حکم:

سوال: تمہید مسائل ذیل، رسالہ الامداد ۱۳۳۴ھ کے جمادی الاولی کے نمبر میں ایک فتوی محررہ حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دام مجدہم، متعلق مسافر سفینہ کے شائع ہوا تھا، ایک صاحب نے رنگون سے اس پر کچھ شبہات مع اپنی تحقیق کے لکھ کر بھیجے۔ یہاں سے ان شبہات کا جواب اور اس تحقیق پر تنقید لکھی گئی، جو ذیل میں اس ترتیب سے منقول ہیں۔ اول خط، ثانیا وہ تحقیق بصورت فتوی، ثالثا وہ تنقید۔

خط آمدہ از رنگون ---

-------------------حضرت والا آپ کا فتوی مندرجہ رسالہ الامداد ماہ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ احقر گذرا، آپ نے جواب ارقام فرمایا ہے، اس کے متعلق عاجز کے ذہن میں چند شبہات پیدا ہو گئے ہیں، امید کہ آپ تشفی فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ ''کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے، جب تک کہ اس کے کھڑے ہونے کی جگہ موقع آبادی سے متصل نہ ہو''، یہ تو آپ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے؛ لیکن جب کشتی آبادی کے متصل کھڑی ہو تو نیت اقامت درست فرماتے ہیں۔ اب گذارش یہ ہے کہ آپ نے یہ حکم کہاں سے اخذ کیا ہے۔

(۱) اگر آپ نے فناء مصر پر قیاس کیا ہے تو قیاس مع الفارق معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ فناء مصر محل اقامت ہے، لہذا اس کو مصر کے ساتھ ملحق کر دیا گیا؛ لیکن جب کشتی و جہاز اقامت کی صلاحیت نہیں رکھنے اور دریا محل اقامت نہیں ہے تو آبادی کے قرب کی وجہ سے ان میں کیوں کر صلاحیت پیدا ہوگی،؟

(۲) اگر آپ نے فقہا کی تصریح اس بارے میں دیکھی ہے تو اس سے مطلع فرمائیے؛ تا کہ دفع خلجان ہو؟

(۳) اس بارے میں آپ نے جو عبارات فقہیہ تحریر فرمائی ہیں، ان سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ جب کشتی آبادی کے متصل ہو تو نیت اقامت درست ہے، ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ دریا کا کنارہ جب کہ سلسلہ آبادی کا وہاں تک متصل چلا گیا ہو، فناء مصر میں داخل ہے؛ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دریا بھی فناء مصر میں داخل ہے؟

(۴) جب مصر اور فناء مصر کے درمیان کوئی باغ، یا بڑا میدان، یا جنگل حائل ہو، اس وقت وہ مصر کے حکم سے خارج ہو جاتا ہے تو جہاز اور کشتی جو دریا میں لنگر انداز ہوتی ہے، اس میں بہ تبعیت مصر کیوں کر اقامت درست ہو سکتی ہے، حالاں کہ فناء مصر اور باغ اور میدان و جنگل کے درمیان قطعِ مسافت ہے، کوئی شے مانع نہیں ہے اور جہاز اور خشکی کے مابین پانی کا حصہ آمد و رفت سے مانع ہے اور بغیر حیلہ و علاج کے عبور عادۃ ناممکن ہے۔

(۵) جب یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ بحر وکشتی محل اقامت نہیں ہے تو جب تک اس کے خلاف فقہا کی کوئی تصریح نہ ملے، اس کے خلاف حکم دینا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

(۶) عالمگیری سے بحوالہ عنابیہ آپ نے جو عبارت نقل کی ہے، وہ تو اس شخص کے حق میں ہے کہ جو اپنے وطن اصلی سے سفر کرتا ہو، ظاہر ہے کہ کشتی لوٹنے کے بعد وہ اپنے وطن اصلی میں پہنچ گیا ہے۔ پس اس کی اقامت بسبب وطن اصلی کے ہے، فقط۔ فی الحقیقت یہاں ان لوگوں کے متعلق بحث ہے، جو مسافت بعیدہ سے آ کر یہاں کام کرتے ہیں، جو دریا کے متصل کسی قریہ، یا آبادی میں مقیم نہ ہوں، ان لوگوں کے متعلق نہیں ہے، جو کسی مصر، یا قریہ میں مقیم ہونے کے بعد جہاز میں ملازم ہوئے ہوں؛ کیوں کہ ان کی اقامت کی صحت وطن اصلی، یا وطن اقامت کی وجہ سے ہے، جس کی تفصیل فتوی میں جو اس کے ساتھ منسلک ہے موجود ہے۔

(۷) دریا فناء مصر میں شامل ہے کہ نہیں۔

(۸) البحر الرائق کی اس عبارت (**لأن نية الاقامة لاتصح في غيرهما فلا تصح في مفازة ولا جزيرة ولا سفينة**، آہ) (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر اور کشتی محل اقامت نہیں۔ شامی وغیرہ کی عبارت میں بھی بحر کو سفینہ پر عطف کیا گیا ہے، جس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کشتی اگر چہ کنارہ پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس میں اقامت درست نہیں ہے۔ بحر پر سفینہ کا عطف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں سے دو چیزیں مراد ہوں؛ کیوں کہ بحر میں بجز کشتی کے اقامت کی کوئی صورت نہیں، پس اس پر سفینہ کو عطف کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سفینہ سے یہ مراد ہو کہ جب وہ کنارہ پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس میں اقامت درست نہیں ہے، حقیقت سے مجاز کی طرف رجوع کرنا بدون قرینہ صارفہ کے صحیح نہیں ہے، فی الجملہ فقہا کی تصریحات سے مترشح ہوتا ہے کہ بحر اور سفینہ محل اقامت نہیں ہے، پس اس کے حکم کے خلاف حکم دینے کے لیے صریح دلیل کی ضرورت ہے۔ دست بستہ عرض ہے کہ ان شبہات کے دفعیہ کی طرف توجہ مبذول فرماویں؟ جناب کا وہ فتوی جو رسالہ الامداد ماہ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ میں مندرج ہے، دستیاب ہونے سے قبل میں نے یہ فتوی لکھا تھا، اگر قبل اس کے آپ کا فتوی ملتا تو بغیر جواب تحریر کئے محض شبہات کو آپ کی خدمت میں بھیج دینا، اب گذارش ہے کہ ازراہ نوازش جواب تحریر فرما کر تسکین فرمائیں؟

تحقیق صاحب خط:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین رحمکم اللہ تعالیٰ، ان جہاز رانوں اور کشتی بانوں کے حق میں کہ جن کے جہاز اور کشتی اپنے بنادر اور قرارگاہوں سے کہیں دور دراز فاصلہ اور مسافت طویلہ میں جاتے ہیں، جس سے مقدار مدت سفر

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب المسافر: ۲۳۲/۲، دار الکتب العلمية بيروت، انيس

قائم نہیں ہوتی؛ بلکہ اکثر مقامات قریبہ ومضافات غیر بعیدہ میں روزانہ دورہ کرتے رہتے ہیں اور عموماً رات کو بعد اختتام کام حسب معمول اپنی اپنی قرارگاہ میں آکر لنگرانداز ہوتے ہیں، مندرجہ بالا جہاز اور کشتی کے ملازمین اور اہل کار جو غیر ممالک کے باشندے ہوتے ہیں، انھیں جہاز اور کشتیوں میں رہتے ہیں، ان کا کھانا پینا سونا ودیگر حوائج ضروریہ کے لیے پورا انتظام جہاز اور کشتی ہی میں ہوتا ہے، تتبع واستقرا سے معلوم ہوتا ہے کہ سابق الذکر جہاز اور کشتی کے ملازمین واہل کار تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں: ایک وہ کہ اپنے وطن سے آکر شہر، یا گاؤں میں اولا کوئی جگہ اقامت کی نیت کر کے مقیم ہوجاتے ہیں، پھر کچھ دنوں کوشش تلاش کے بعد کسی جہاز، یا کشتی میں ملازم ہوجاتے ہیں۔ دوسرے وہ کہ وطن سے آکر بحیثیت ملازم قدیم براہ راست اپنی منصب پر مامور ہوجاتے ہیں اور انہیں کسی غیر جگہ پر اقامت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ تیسرے وہ کہ بہ جستجوئے ملازمت کسی شہر، یا گاؤں پر بلانیت اقامت تا حصول ملازمت ٹھہر جاتے ہیں اور بعدہ ملازم ہوکر کسی جہاز، یا کشتی میں جاکر اپنے کام میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو پوری نماز پڑھنی چاہیے، یا قصر؟ اس بارے میں حکم شرع کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ واللّٰہ الموفق للصواب

اول الذکر لوگوں کو پوری نماز ادا کرنی ہوگی؛ کیوں کہ بوجہ نیت اقامت وعدم موانع حکم سفر ان کا باطل ہوگیا اور وہ لوگ مقیم ہوگئے۔

لما فی الکبیر: ”ثم لایزال المسافر علیٰ حکم السفر حتیٰ یدخل وطنه أو ینوی إقامة خمسة عشر یومًا بموضع واحد من مصر أو قرية“. (۱) ”وفی البحر عن المجتبیٰ لایبطل السفر إلا بنية الاقامة“ اور ”دخول الوطن أو الرجوع قبل الثلاثة، آه“ (۲)

اگر چہ یہ لوگ جہاز ہی میں رہتے ہیں اور دوسرے کسی مسکن سے تعلق نہیں رکھتے ہیں؛ مگر بہ سبب اس کے کہ اقامت ان کی صحیح اور ثابت ہوگئی ہے، تاوقتیکہ مدت سفر کی مسافت میں نہ جائیں، اقامت ان کی باطل نہ ہوگی، وہ ہمیشہ مقیم کہلائیں گے۔ ہاں اگر کبھی تین دن، یا اس سے زیادہ کی مسافت میں سفر کریں تو وطن اقامت ان کا باطل ہوجائے گا، پھر بعد مراجعت بدون نیت اقامت کے مقیم نہیں ہوسکتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے:

”ووطن الاقامة یبطل بوطن الاقامة وبانشاء السفر وبالوطن الأصلی“. (۳)

وفی شرح الوقاية: وأما وطن الاقامة فإنه یبطل بوطن الاقامة إلیٰ قوله لم یبق الموضع الأول

(۱) الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ۵۳۹، انیس

(۲) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب المسافرین: ۱۳۱/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

(۳) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۴۲/۱، انیس

وطن الاقامة حتٰی لو دخله لایصیر مقیمًا إلابالنیة وکذا إن سا فرعنه،إلخ". فی الجملہ ان کا مقیم کہلانا از جہت صحت اقامت فی السفن کے نہیں ہے؛ بلکہ بسبب اس اقامت ثابتہ کے ہے، جو قبل ملازمت کسی شہر، یا گاؤں میں جولب دریا آباد ہیں، وقوع میں آئی ہے، کما یدل علیه ما فی الفتاویٰ الهندیة: **ولایصیر مقیمًا بنیة الاقامة فیها وکذلک صاحب السفینة والملاح إلا أن تکون السفینة بقرب من بلدته أوقریته فح یکون مقیماً باقامته الأصلیة،آه.** (۱)

دوسرے اور تیسرے قسم کے لوگوں کو تابقائے قیام فی السفن نماز قصر کرنی ہوگی؛ کیوں کہ قبل اس کے کہ وہ لوگ کسی جہاز، یا کشتی میں ملازم ہوں، شہر یا گاؤں میں کسی جگہ مقیم نہیں ہوئے؛ اس لیے مسافرت ان کی باطل نہیں ہوئی، جب تک نیت اقامت بمحل صالح اقامت ان سے وقوع میں نہ آئے، حکم سفر ان پر ہمیشہ جاری رہے گا، کما فی الوقایة: **ولو رخص تدوم وإن کان عاصیا فی سفره حتٰی یدخل بلده أوینوی اقامة نصف شهر ببلدة أوقریة خمسة عشر یومًا،إلخ.**

جہاز اور کشتی موضع صالح اقامت نہیں ہے، جو شرط ہے صحت اقامت کے لیے، لہذا اس میں نیت اقامت کرنے سے بھی اقامت شرعی ثابت نہیں ہوتی، بنابریں متذکرہ بالا تین قسم کے لوگوں میں سے قسم دوم وسوم کے ملازمین کا شمار ہمیشہ مسافرت ہی میں رہے گا؛ اس لیے ان کے حق میں صلوٰۃ رباعیہ میں قصر واجب ہے۔ درمختار میں ہے:

والحاصل أن شروط الإتمام ستة: النیة والمدة واستقلال الرائی وترک السیر واتحاد الموضع وصلاحیته،آه،وفی الهندیة: ونیة الاقامة إنما تؤثربخمس شرائط ترک السیر حتٰی لونوٰی الاقامة وهویسیر لم تصح وصلاحیة الموضع حتٰی لونوٰی الاقامة فی فی برأوبحر أو جزیرة لم یصح واتحاد الموضع والمدة والاستقلا ل بالرائی،آه. (۲)

مندرجہ بالا دلائل سے ثابت وروشن ہے کہ جہاز اور کشتی قابل اقامت اور صالح سکونت نہیں ہے؛ اس لیے نیت اقامۃ شرعاً اس میں صحیح نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص معہ اپنے اثاث البیت اور اہل وعیال کے جہاز، یا کشتی میں سکونت اختیار کر لے تو بھی وہ شخص شرعاً مقیم نہیں ہوسکتا ہے، بہ نسبت نیت اقامت کے۔ **کما فی الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح: (قوله: لا تصح نیة الاقامة فی مفازة)مثلها الجزیرة والبحر والسفینة والملاح مسافر وسفینته لیست بوطن إلا عند الحسن.** (۳)

---

(۱) الفتاوٰی الهندیة،کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱۴۴/۱،انیس

(۲) الفتاوٰی الهندیة،کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۳۹/۱،انیس

(۳) حاشیة الطحطاوی،کتاب الصلاة،باب صلاة المسافر،ص: ۴۲٦،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

وكما في رد المختار: قال في المجتبى والملاح مسافر إلا عند الحسن وسفينته أيضاً ليست بوطن، آه، بحر وظاهره ولو كان ماله وأهله معه فيها ثم رأيته صريحاً في المعراج، آه. (۱)وفي البحر: وقيد بالبلد والقرية؛ لأن نية الاقامة لاتصح في مفازة ولا جزيرة ولا بحر ولا سفينة، آه.

نوٹ: وہ لوگ جو قبل ملازمت جہاز کے کسی گاؤں، یا شہر میں مقیم ہو جاتے ہیں اور اقامت کی نیت کر لیتے ہیں اور بعد قیام ملازمت جہاز اختیار کر کے تین روز سے کم کی مسافت میں سفر کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو نماز پوری پڑھنی ہوگی، خواہ وہ جہاز ہی میں رہتے ہوں، البتہ اگر کبھی تین روز، یا اس سے زیادہ کی مسافت میں سفر کریں تو وطن اقامت ان کا باطل ہو جائے گا، بعد مراجعت بدون نیت اقامت کے مقیم نہیں ہو سکتے، جب تک جہاز میں رہیں نماز ... قصر کرنی ہوگی، جو لوگ وطن سے آ کر سیدھے جہاز میں قیام کرتے ہوں، یا پندرہ یوم سے کم کسی گاؤں، یا شہر میں بغیر نیت اقامت ٹھہر کر جہاز میں نوکری اختیار کر لیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے قصر واجب ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم

نمقہ محمد یعقوب غفرلہ

الكلام على الجواب المذكور إجمالا من جامع امداد الاحكام

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جہاز رانوں اور ملاحوں کے لیے بنادر اور قرار گاہیں متعین ہیں، جہاں وہ رات کو عموماً دورہ ختم کر کے لنگر انداز ہوتے ہیں، پس یہ بنادر ان لوگوں کے حق میں ایسے ہیں، جیسے ملازمان ریلوے کے لیے اسٹیشن تو اگر یہ بنادر کسی شہر، یا قریہ کے متصل ہیں، یا متصل نہیں؛ مگر حوائج بلد، یا قریہ کا تعلق اس سے ہے، تب تو یہ بمنزلہ فناء مصر، یا متعلقات قریہ ہونے کے موضع اقامت ہونے کے قابل ہیں اور اگر کسی مصر، یا قریہ کے متصل نہیں، نہ ان کے حوائج کا بنادر سے تعلق ہے تو چوں کہ اہل جہاز کے مصالح ان بنادر سے متعلق ہیں؛ اس لیے یہ ان کے حق بمنزلہ صحراء کے ہیں رعاۃ کے لیے، لہٰذا بنادر کو ان کے لیے موضع اقامت کہنا صحیح ہے، بشرطیکہ بنادر پر انھوں نے خیمے اور جھونپڑے وغیرہ قائم کر لیے ہوں، یا کوئی عمارت ان کی ضروریات کے واسطے بنی ہوئی ہو۔ پس یہ جہاز راں اور ملاح جس وقت بنادر پر پہونچیں گے مقیم ہوں گے، اور جب بنادر سے انتقال کریں گے تو اگر تین دن کی مسافت یا زیادہ کا قصد کریں تو وقت سیر سے مسافر ہو جائیں گے؛ (یعنی جبکہ اپنے بندر کے حد سے نکل جائیں) اور جب بندر پر واپس ہوں گے مقیم ہو جائیں گے، اس حکم میں تینوں قسم کے آدمی برابر ہیں، جن کا ذکر سوال میں ہے اور ان لوگوں کا کشتی میں رہنا مانع عن

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲۳۲/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲)

(۳)

الاقامۃ نہیں؛ کیوں کہ فقہا کے کلام سے یہ بات صراحۃ مفہوم ہوتی ہے کہ سفینہ جب موضع اقامت میں پہونچے تو راکب سفینہ مقیم ہوجائے گا اور یہ جوفقہا نے فرمایا ہے کہ سفینہ صالح للاقامۃ نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ سفینہ سائرہ محل اقامۃ نہیں؛ یعنی سفینہ سائرہ میں ۱۵، ۲۰؍ دن، یا زیادہ قیام کی نیت سے راکب مقیم نہ ہوگا۔

قال فی الهندية: ولايصير مقيما بنية الاقامة فيها وكذالک صاحب السفينة والملاح إلا أن تكون السفينة بقرب من بلدته أوقريته فحينئذ يكون مقيماً باقامته الأصلية كذا فی المحيط وفی الولوالجية افتتح الصلاة فی السفينة حال إقامته فی طرف البحر، فنقلتها الريح وهوفی السفينة فنوى السفر يتم صلاة المقيم عند أبی يوسف، وفی الحجة: الفتوی علٰی قول أبی يوسف احتياطا، وفی العتابية ولوكان مسافراًوشرع فی الصلاة فی السفينة خارج المصرفجرت السفينة حتٰی دخل المصرتيم أربعًا، آه. (۹۲/۱)(۱)

الكلام عليـــــــــــه تفصيلا

تـنـبـيــه: اس جگہ چند امور محتاج دلیل ہیں: (۱) یہ کہ جب بندر وساحل بحر متصل کسی شہر، یا قریہ کے ہوتو وہاں نیت اقامت جائز ہے، یا نہیں؟ اور وہ موضع صالح للاقامۃ ہے، یا نہیں؟ (۲) کشتی اور جہاز جب بندر پر کھڑا ہو اور بندر قریب شہر، یا قریہ کے ہے تو اس حالت میں خود کشتی، یا جہاز موضع اقامت ہے، یا نہیں؟ (۳) اگر بندر متصل شہر وقریہ کے نہیں، اس حالت میں اس کا صالح للاقامۃ ہونا کس دلیل سے ثابت ہے اور کیا وہ مطلقاً صالح للاقامۃ ہے، یا بندر پر خیمے اور جھونپڑے وغیرہ نصب کرنا بھی شرط ہے؟

جــواب اول: بندر جب متصل شہر وقریہ کے ہو، اس طرح کہ آبادی کا سلسلہ وہاں تک ممتد ہو، یا متصل نہ ہو؛ مگر آبادی والے وہاں کپڑے وغیرہ دھوتے ہوں، یا ان کے اور حوائج بندر سے متعلق ہوں، اس صورت میں بحکم فناء مصر وفناء قریہ کے ہے اور فناء مصر وفناء قریہ کا حکم وہی ہے، جو خود مصر وقریہ کا حکم ہے؛ اس لیے وہاں اقامت کی نیت درست ہوگی۔

قال فی الدر: أو فناء ه وهو ماحوله اتصل به أو لا، لأجل مصالحه، آه. قال الشامی: نص الأئمة علٰی أن الفناء ما أعد لدفن الموتی وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمی وغيرذلک وأی موضع يحد بمسافة يسع عساكر مصرويصلح ميدانا للخيل والفرسان ورمی النيل والبندق البارود واختبار المدافع وهٰذا يزيد علی فراسخ، آه.

(وفيه أيضا: اعتبر بعضهم (فی تعريف الفناء) قيد الاتصال وقد خطاء ه صاحب الذخيرة قائلاً: فعلٰی قول هٰذا القائل لاتجوزإقامة الجمعة ببخاری فی مصلی العيد؛ لأن بين المصلی وبين المصر

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۴۴/۱، انيس

مزارع ووقعت هٰذه المسئلة مرة وأفتىٰ بعض مشائخ زماننا بعدم الجواز ولكن هٰذا ليس بصواب فإن أحدا لم ينكر جواز صلاة العيد فى مصلى العيد ببخارىٰ لا من المتقدمين ولا من المتأخرين وكما أن المصر أوفناء ه شرط جواز الجمعة فهو شرط جواز صلاة العيد، آه. (۸۳۷/۱)(۱)

غرض فنا کے لیے اتصال آبادی بھی شرط نہیں؛ بلکہ اس کے متعلقات بلد وجبانہ مصر ہونا کافی ہے، اسی طرح قریہ کے متصلات میں شمار ہونا بس ہے اور یقیناً جب فنا بحکم مصر وقریہ ہے تو ان کی طرح یہ بھی ضرور صالح للا قامت ہوگا؛ کیوں کہ جمعہ اسی موضع میں جائز ہے، جو صالح للا قامت ہو، مفازہ وبریہ میں اتفاقاً جمعہ صحیح نہیں باقی، جواز قصر کے لیے محاذات فنا کا شرط نہ ہونا دوسری وجہ سے ہے، اس کا مبنی یہ نہیں کہ فناء صالح للا قامت نہیں۔

قال فى الكفاية: فإن قيل فناء المصر فى حق صلاة الجمعة والعيدين فى حكم المصر حتىٰ جازت فيه مع كون المصر شرطًا لجواز هٰذه الصلاة فكيف أعطى الفناء حكم غير المصر فى حق القصر للمسافر قلنا إنما يلحق بالمصر فيما كان من جوائج أهل المصر فلا يلحق الفناء بالمصر فى حق هٰذا الحكم، آه. (۱۹۵/۱)

پس صلاحیت نیت اقامت کے لیے فنا کی وہ تعریف لی جائے گی، جو صحت صلوٰۃ جمعہ کے لیے فناء مصر کی تعریف عند الحنفیہ ہے، یا فناء قریہ کی تعریف عند الشافعیہ ہے؛ کیوں کہ دونوں کے نزدیک صحت جمعہ کے لیے اس کا موضع صالح للا قامت ہونا شرط ہے اور وہ معنی فنا کے نہ لیے جائیں گے، جس کی مجاوزت سے قصر صحیح ہوجاتا ہے۔ فافہم

وفى الاملاء عن أبى يوسف إن نزلوا (عسكر المسلمين) بساتينهم وأكنافهم (أى البغاة) للمسلمين منعة صحت اقامتهم ولا يصح إذا نزلوا عليهم فى خيامهم. (البناية: ۹۶۸/۱)(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ بساتین بلد وجوانب بلد محل اقامۃ ہیں، حالاں کہ مسافر کو قصر کے لیے مجاوزت بساتین شرط نہیں، پس جب بندر سے مصالح مصر وقریہ کا تعلق ہو گو اتصال نہ ہو، وہ موضع صالح للا قامۃ ضرور ہوگا۔

جواب ــــــــــــــــ شق دوم

جب کشتی، یا جہاز بندر پر کھڑا ہو اور بندر فناء شہر، یا قریہ ہے تو اس صورت میں کشتی، یا جہاز کا بھی وہی حکم ہے، جو ساحل بحر کا حکم ہے، جس طرح ساحل بحر موضع صالح للا قامت ہے، اسی طرح کشتی، یا جہاز واقف ومشدود بالساحل بھی صالح للا قامت ہے۔

قال فى الدر: (والمربوطة فى الشط) كالشط فى الأصح، آه.

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس
(۲) البناية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲۵/۳، دار الفكر بيروت، انيس

قال الشامی: وإن كان الإمام فی سفينة واقفة والمقتدون على الشط فإن بينهما طريق أوقدر نهرعظيم لم يصح، بحر، آه. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر درمیان میں طریق وقدر نہر عظیم نہ ہوتو اقتدا صحیح ہے اور یقیناً اقتدا کے لیے اتحاد موضع امام ومقتدی شرط ہے۔ معلوم ہوا کہ سفینہ واقفہ مشدودہ بھی محل اقامت ضرور ہے، **لاتحاده بالساحل، فافهم.**

وفی العتابية: ولو كان مسافرًا شرع فی الصلاة فی السفينة خارج المصر فجرت السفينة حتٰی دخل المصر يتم أربعًا، آه. (۲)

قلت: ومعناه فجرت السفينة حتٰی دخل المصر وهوفيها؛ کیوں کہ صورت مفروضہ یہ ہے کہ وہ شخص نماز شروع کرنے کے وقت مسافر تھا اور نماز شروع کرنے کے بعد اثناء صلوٰۃ میں کشتی مصر میں پہونچ گئی تو یہ شخص کشتی کے اندر ہی مقیم ہوگیا، پس یہ احتمال نہیں ہوسکتا کہ وہ کشتی سے اتر کر شہر میں داخل ہوجائے تو مقیم ہوگا؛ کیوں کہ اثناء صلوٰۃ میں اس عمل کثیر کی کوئی گنجائش نہیں، پس ثابت ہوا کہ دریا کا وہ حصہ جو متصل بلد، یا داخل بلد ہو، وہ حکم بلد میں ہے اور کشتی کا اس موضع میں پہونچ جانا اقامت کے لیے سبب ہوسکتا ہے، پس اسی طرح جو لوگ بندر پر مقیم ہیں اور بندر بوجہ فناء مصر، یا فناء قریہ ہونے کے صالح للا قامت ہے تو جب وہ لوگ کشتی کے اندر بیٹھے ہوئے بندر پر پہونچ جائیں اور کشتی، یا جہاز بندر پر لنگر انداز ہوجائے تو یہ لوگ مقیم ہوجائیں گے؛ کیوں کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ سفینہ مشدودہ بالشط بحکم شط ہے۔

قال فی الهندية: وإذا وقف على الاطلال يقتدی بالإمام فی السفينة صح اقتداءه إلا أن يكون أمام الإمام، كذا فی المحيط، آه. (۱۹۲/۱)(۳)

الغرض سفینہ کی چار حالتیں ہیں: **واقف على الشط، واقف فی لجة البحر، سائر بقرب الشط، سائر فی لجة البحر (يعنی بعيد عن الشط)**، پس واقف علی الشط بحکم شط ہے اور جب شط صالح للا قامۃ ہو، سفینہ بھی صالح للا قامۃ ہے اور **واقف فی لجة البحر** بحکم بحر ہے، وہ **صالح لنية الاقامة** نہیں؛ یعنی انشاء قامت کا محل نہیں، گو بقائے اقامت کا محل ہوسکتا ہے۔ مثال: پہلے سے شہر، یا قریہ میں مقیم ہے اور کشتی میں سوار ہوکر نہ سفر کی نیت کی، نہ تین دن کی مسافت قطع کی، یہ شخص سفینہ واقفہ فی لجۃ البحر با قامت سابقہ مقیم رہے گا اور سائر بقرب الشط، یا بعیداً عن الشط بھی موضع انشاء اقامت نہیں، البتہ جو شخص پہلے سے مقیم علی الشط ہو، وہ کشتی میں بہ نیت سفر سوار ہوکر اس وقت مسافر ہوگا جب کہ سفینہ اس کے بندر کی حد سے نکل جاوے۔

قال فی البناية: وإن كان فی سفينة فحين يركبها (أی يصير مسافرًا بركوبها) إلا أن يكون فی

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، باب صلاة المريض: ۱۰۱/۱-۱۰۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲-۳) الفتاوٰی الهندية، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۴۴/۱، انيس

وسط المصر فيعتبر أن يجاوز البيوت،آه. (۱) قلت:فلما كان سير السفينة فى المصر لايكفى لابتداء سفر أهله بدون المجاوزة عن البيوت فكذا سيرها على الشط لايكفى لابتداء السفر لأهل الشط حتٰى يجاوز حدوده.فافهم

پس فقہا کا یہ قول''**فلا تصح نية الاقامة فى مفازة ولا بحر ولا سفينة،آه**'' اس میں اقامۃ فی البحر سے اقامت فی السفینۃ الواقفۃ فی لجۃ البحر مراد ہے، اگر یہ مان لیا جائے کہ بحر میں بجز سفینہ کے اقامت ممکن نہیں اور اقامت فی السفینہ سے مراد اقامت فی السفینہ السائرہ ہے؛ کیوں کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ سفینہ واقفہ علی الشط فقہا کے نزدیک بحکم الشط ہے، پس اس سے مطلقاً یہ سمجھنا کہ سفینہ کسی حال میں محل اقامت نہیں، غلط ہے۔علاوہ ازیں ہم کو یہ بھی تسلیم نہیں کہ اقامت فی البحر بدون اقامت فی السفینہ کے مقصود نہیں؛ بلکہ کرامت کے طور پر اقامت فی البحر بدون سفنیہ کے ہوسکتی ہے:**لأن بعض الأولياء يمشى علٰى وجه الماء ويقيم فى البحر أيامًا** اور فقہاء صور بعیدہ کا حکم بھی بیان فرمادیا کرتے ہیں، کمالا یخفی ، پس مجیب سلمہ کا یہ استدلال کہ عطف بحر علی السفینہ تغائر پر دلالت کرتا ہے اور بحر میں بجز سفینہ کے اقامۃ کی کوئی صورت نہیں، پس سفینہ سے مراد یہ ہے کہ جب وہ کنارے پر آبادی کے متصل کھڑی ہو، تب بھی اس میں اقامت درست نہیں، الخ، بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔دوسرے سفینہ سے سفینہ واقفہ علی الشط مراد لینا کیا یہ حقیقت کے موافق ہے؟ یقیناً یہ بھی مجاز ہے تو اس مجاز کا کیا قرینہ ہے، بخلاف اس کے کہ سفینہ سے سفینہ سائرہ اگر مراد لیا جائے تو یہ حقیقت کے قریب ہے؛ کیوں کہ متبادر اطلاق سفینہ سے باب مسافر میں یہی ہے. **فافهم حق الفهم**

جواب ———— شق سوم

اگر بندر فناء شہر وقریہ نہیں ہے، اس صورت میں ظاہر روایت پر وہ صالح للاقامۃ نہیں؛ مگر ابو یوسفؒ کے نزدیک صالح للاقامۃ ان لوگوں کے حق میں معلوم ہوتا ہے، جن کے حوائج وکاروبار بندر سے متعلق ہیں۔پس اگر جہاز راں وملاح وغیرہ کسی ایسے بندر پر جو فناء شہر، یا قریہ نہیں ہے، خیمے یا جھوپڑے ڈال لیں اور اس کو اپنی قرارگاہ ومرکز متعین کرلیں تو وہ ان کے لیے محل اقامت ہو جائے گا اور اگر خیمے وجھوپڑے کچھ نہیں ڈالے، اس صورت میں کسی کے نزدیک انشاء اقامت کے لیے صالح نہ ہوگا؛ یعنی جو سفر کر کے وہاں پہونچے، وہ اس حالت میں نیت اقامت سے مقیم نہ ہوگا اور جو پہلے سے مقیم ہو وہ باقامت سابقہ مقیم رہے گا، جب تک نیت سفر، یا قطع مسافت سفر سے اقامت سابقہ باطل نہ ہو۔

قال فى الكفاية: قوله:حتٰى ينو الاقامة فى بلدة أو قرية،إلٰى قوله:وهو الظاهر:أى الظاهر من الرواية وهٰذا احترازعما روى عن أبى يوسف أن الرعاة إذا نزلوا موضعًا كثير الكلاء والماء واتخذوا المخابز والمعالف والأوارى وضربوا الخيام ونووا الاقامة خمسة عشر يومًا والكلاء والماء يكفيهم لتلك المدة صاروا مقيمين وكذا التراک والأعراب،آه.

---

(۱) البناية،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر: ۱۶/۲،دار الفكر بيروت، انيس

تراکمہ واعراب جو کہ اہل خبا ہیں، جن کا مسکن کوئی متعین ہی نہیں ہوتا، ان کا حکم تو ظاہر ہے؛ مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رعاۃ کا بھی یہی حکم ہے، اگر وہ جنگل میں خیمے ڈال کر قیام کرلیں اور ظاہر ہے کہ رعاۃ کا مسکن کسی بلد، یا قریہ میں متعین ہوتا ہے؛ مگر چوں کہ بوجہ شغل رعی کے ان کے حوائج صحرا سے بہت متعلق ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کے حق میں بھی نیت اقامت فی الصحراء وہی حکم رکھتی ہے، جو اہل خبا کے حق میں، پس اسی طرح گو وہ بندر جو فناء مصر وقریہ نہ ہو، عام لوگوں کے لئے محل اقامت نہیں؛ مگر ملازمان جہاز وسفینہ وملاحین کے لیے محل اقامت ہوگا۔ اگر وہ وہاں خیمے وغیرہ قائم کرلیں، ورنہ نہیں اور چوں کہ اہل خبا کے مسئلہ میں قول ابو یوسف مفتی بہ ہے، پس احوط یہ ہے کہ مسئلہ رعاۃ میں بھی ان کا ہی قول لیا جائے؛ مگر ایسے ملازمان جہاز وملاح جوان بندروں پر مدت سفر سے آئے ہیں اور یہاں نیت اقامت کرنے سے مقیم ہوئے ہیں، ایسے لوگوں کے امام نہ بنیں، جو اقامت سابقہ فی بلد، یا اقامۃ فی قریۃ کی وجہ سے مقیم ہیں، (یا بندر ہی پر مقیم ہیں)؛ مگر ان کا وطن اصلی وہاں سے نزدیک ہے، مدت سفر کی مسافت پر نہیں؛ کیوں کہ یہ خلاف احتیاط ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ واحکم

۱۴/رجب ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۲/۳۱۵-۳۲۶)

بندھی ہوئی کشتی پر نماز کا حکم:

سوال: صلوٰۃ فی السفینہ میں فقہا کے بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے: مربوطہ غیر مستقرہ میں نماز بشرط امکان خروج ناجائز ہے اور بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے، بعض وقت کنارے پر مکان بھی موجود ہوتا ہے اور بعض جگہ آبادی بھی نہیں ہوتی تو دھوپ کی شدت، یا کسی جگہ کیچڑ ہو جاتا ہے تو خروج کا امکان تو ہوتا ہے؛ مگر بہ تکلیف وتکلف پس امکان سے کیا مراد لیا جاوے اور بعض اہل علم کو اکثر مربوطہ میں نماز پڑھتے دیکھا گیا، غالباً ان کا عمل ہدایہ وغیرہ کی روایت پر رہا ہو، اس میں قول فیصل کیا ہے؟ اور گنجائش کی جگہ کہاں تک ہے؟ اگر کوئی سفینہ مربوطہ مستقرہ علی الارض میں قائماً نماز ادا کرچکا ہے، یا اب کرتا ہے تو اس کی نماز بالکل ناجائز قابل اعادہ ہے، یا نہیں؟

الجواب

اختلافیات میں قول فیصل کون لکھے؛ اس لیے اتنا ہی سمجھنا چاہیے کہ جواز اوسع وارفق ہے اور منع احوط ہے، اگر کوئی احوط پر عمل کرے تو اعادہ میں قلیل تک احتیاط بہتر ہے، کثیر میں تکلیف مالا یطاق ہے اور امکان مقابل تعذر کا ہے اور تیسیر (۱) کو بھی شامل ہے۔

۲۳/ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۹۷) (امداد الفتاویٰ: ۱/۵۸۵-۵۸۶)

---

(۱) کذا فی الأصل والصحیح "تیسیر" یعنی لفظ "امکان" تعذر (دشواری) کا مقابل ہے، لہذا "مکان" کے معنی ہوئے دشواری نہ ہونا اور کبھی لفظ "امکان" کا اطلاق تیسیر (آسانی) پر بھی ہوتا ہے، لہذا "امکان" کے معنی ہوں گے آسانی ہونا۔

کشتی میں نماز پڑھنے کے متعلق عربی زبان میں ایک سوال اور اس کا جواب:

السوال: ما يقول العلماء الكرام والفقهاء العظام فى الصلاة فى السفينة هل يجوز مطلقًا أم فيه تفصيل؟بينوا توجروا.

الجواب

أقول:إن هٰذه المسئلة علٰى وجوه،فنذكر كلها مع أحكامه.

الوجه الأول:أن تكون السفينة مربوطة فى الشط فإن كانت مستقرة على الأرض بحيث اتصل أسفلها بها فالصلاة فيها جائزة قائمًا لا قاعداً؛لأنها فى حكم السريرعلٰى هٰذا التقدير والصلاة على السريرإنما تجوزقائمًا لا قاعدًا فكذا هٰذا وإن كانت غيرمستقرة على الأرض فإن أمكنه الخروج منها يجب عليها الخروج للصلاة لكونها فى حكم الدابة علٰى هذا التقديروإن لم يكن الخروج يصلى فيها قائمًا؛لأن الصلاة فيها علٰى هذا التقدير كالصلاة على الشط والصلاة على الشط لابد لها من القيام فكذا هٰذا.

الوجه الثانى:أن تكون مربوطة فى الوسط فإن استقرت على الأرض فهى فى حكم السرير يصلى فيها قائمًا وإن لم تستقر فإن أمكنه الخروج وهى ساكنة غيرمتحركة بالريح يصلى فيها قائـمًا؛لأن هٰذه الصورة كالواقفة على الشط وقد مرحكمها وإن كانت متحركة بالريح حركة شديدة تجوزالصلاة فيها قاعدًا أيضًا وإن لم يحصل له دوران الرأس بالقيام عند أبى حنيفة لكن على الإساء ة وعندهما لايجوزقاعداً وإن حصل دوران الرأس فيجوز قاعدًا بالاتفاق من غير إساء ة؛لأنها فى هٰذه الصورة فى حكم السفينة السائرة الآتى حكمها.

والوجه الثالث:أن تكون سائرة فى البحرفإن أمكنه الخروج منها بوجه يجب عليه الخروج إن لم يمكنه الخروج تجوز فيها الصلاة فإن حصل له دوران الرأس عند القيام يجوز قاعدًا بالاتفاق من غيرإساء ةوإن لم يحصل دوران الرأس فعندهما يجب عليه الخروج للصلاة لكونها فى حكم الدابة على هذاالتقديروإن لم يمكن الخروج يصلى فيها قائما؛لأن الصلاة فيها على هٰذا التقدير كا لصلاة على الشط والصلاة على الشط لابد من القيام فكذا هٰذا.

فى الدرالمختار:(صلى الفرض فى فلك) جار(قاعدًا بلاعذرصح) لغلبة العجزو(أساء) وقالا:لايصح إلا بعذروهوالأظهر،برهان(والمربوطة فى الشط كالشط) فى الأصح (والمربوطة بلجة البحرإن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة) ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت،انتهى بلفظه.(۱)

---

(۱) الدرالمختارعلٰى هامش ردالمحتار،باب صلاة المريض: ۱۰۱/۲-۱۰۲،دار الفكر بيروت،انيس

قال فی رد المحتار: (قوله: والموبوطة فی الشط كالشط) فلا تجوز الصلاة فيها قاعدًا اتفاقًا وظاهر ما فی الهداية وغيرها الجواز قائمًا مطلقا: أی استقرت على الأرض أولا، وصرح فی الإيضاح بمنعه فی الثانی حيث أمكنه الخروج الحاقا لها بالدابة،نهر،واختاره فی المحيط والبدائع،بحر،وكذا فی الإمداد أيضًا إلٰى مجمع الروايا ت عن المصفى وجزم به فی نور الإيضاح وعلٰى هٰذا ينبغی أن لاتجوز الصلاة فيها سائرة مع إمكان الخروج إلى البر وهٰذه المسئلة الناس عنها غافلون،شرح المنية،انتهٰى بعبارته.(۱)

فقد علم بذلک إن ما يفعله كثير من الناس حتٰى بعض الخواص أيضًا من ينتسبون إلى العلم إنهم يصلون فی السفن المربوطة فی الشط مع أنها غير مستقرة على الأرض وهم قادرون على الخروج منها وكذا يصلون فی السفن الجارية حالة السير وهم يستطيعون الخروج منها غلط عظيم نشاء من عدم تتبع كتب الفقه لابد لهم أن يخرجوا منها وإن استثقلوا الخروج فعليهم أن يوقفوها فی موضع تستقر على الأرض ثم يصلون قائمين فقط والله أعلم بالصواب وإليه المرجع والماب

حرره العبد الضعيف فيض الله عفی عنه،الجواب صحيح:عزيز الرحمن مفتی دار العلوم ديوبند،١٦/شعبان ١٣٤١ھ،الجواب صحيح:ظفر أحمد عفا عنه،خانقاه إمدادية تهانة بهون

قلت: أما اتصال أسفلها من الأرض فليس بشرط اتصال طرف منها بها يكفی كما يظهر من نور الإيضاح وحاشية للطحاوی ونصه:(فإن صلٰى)فی المربوطة بالشط (قائمًا وكان شیء من السفينة على قرار الأرض صحت الصلاة) بمنزلة الصلاة على السرير،آه.(ص:٢٣٨)(۲)

فقوله:شیء من السفينة يعمل الأسفل والمقدم وغيرهما سواء كان قليلاً أو كثيراً هٰذا.والله أعلم

أحقر ظفر أحمد،١٩/صفر ١٣٤٣ھ۔(امداد الاحکام:۳۲۸/۲)

مقتدی مسافر مقیم امام کے پیچھے کتنی رکعت کی نیت کرے:

سوال: امام مقیم ہے مقتدی مسافر تو کیا مقتدی چوگانہ نیت کرے، یا دوگانہ؟

الجواب

مسافر کو اقتدا مقیم کی جائز ہے اور مقتدی مسافر امام مقیم کی اتباع کی وجہ سے چار رکعت پڑھے گا اور چار ہی رکعت کی نیت کرے گا۔ درمختار میں ہے:

(۱) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة المريض:١٠١/٢-١٠٢،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) مراقی الفلاح علٰى حاشية الطحطاوی،فصل فی الصلاة فی السفينة،ص:٤٠٩،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

وأما اقتداء المسافر بالمقيم فيصح في الوقت ويتم لا بعده فيما يتغير. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۷۹)

مسافر کو مقیم امام کے پیچھے چار کی نیت کرنی چاہیے:

سوال: مسافر کو مقیم امام کے پیچھے نماز ظہر میں چار رکعت کی نیت کرنا چاہیے، یا دو رکعت کی اور جب کہ نماز ظہر میں مقیم کا دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا واجب ہے اور مسافر کا فرض ہے تو کس دلیل سے مسافر کی نماز مقیم کے پیچھے ہو جاتی ہے؟

الجواب

چار رکعت کی نیت کرنی چاہیے؛ کیوں کہ مسافر پر بھی باقتداء مقیم چار رکعت فرض ہو جاتی ہے اور قعدۂ اولیٰ (اس پر) فرض نہیں رہتا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۶۰)

مسافر اگر مقیم کے پیچھے پڑھ رہا ہے تو نماز پوری پڑھے:

سوال: مسبوق مسافر اگر مقیم امام کے پیچھے، آخر رکعت التحیات میں ملے تو جس وقت امام سلام پھیرے تو وہ مسبوق مسافر نماز اپنی پوری پڑھے، یا قصر کرے؟

الجواب

نماز پوری پڑھنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص:۵۲) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۹۱) ☆

(۱) الدرالمختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۰، دار الفكر بيروت، ظفير

(۲) وإن اقتدى المسافر بالمقيم في الوقت أتم أربعاً لأنه يتغير فرضه إلى أربع للتبعية. (الهداية، باب صلاة المسافر: ۱/۱۴۹، ظفير)

☆ **مقیم امام کے پیچھے مسافر پوری نماز پڑھے گا:**

حضرت نافع رحمہ اللہ کا بیان ہے: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (سفر میں) امام کے پیچھے چار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور تنہا پڑھتے تو دو پڑھتے''۔ (عن نافع: ''ان ابن عمر كان يصلي وراء الامام أربعاً فاذا صلى لنفسه صلى ركعتين''. (أخرجه المؤطا جامع الأصول: ۵/۵۰۸/ الموطأ، باب صلاة المسافر إذا كان إماماً أو كان وراء امام، وسنده صحيح. (إعلاء السنن: ۷/۲۷۴، وكذا في هامش جامع الأصول: ۵/۷۰۳)

موسیٰ بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''ہم لوگ مکہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے تو میں نے عرض کیا: ہم لوگ جب آپ کے ساتھ ہوتے (اور نماز پڑھتے) ہیں تو چار رکعت پڑھتے ہیں اور الگ ہوتے ہیں تو دو رکعت پڑھتے ہیں تو فرمایا: یہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے''۔ (عن موسى بن سلمة قال: ''كنا مع ابن عباس بمكة فقلت: انا اذا كنا معكم صلينا أربعاً واذا ارجعنا صلينا ركعتين فقال: تلك سنة أبي القاسم صلى الله عليه وسلم. (أخرجه أحمد في مسنده– إعلاء السنن: ۷/۲۸۳) (مسند أحمد: ۱/۲۱۶، وفي اعلاء السنن: ۷/۲۸۳، موسى بن سلمة من رجال مسلم، وبقية السند على شرط البخاري، ==

امام مقیم کی اقتدا جب مسافر تیسری رکعت میں کرے، پھر وہ کس طرح نماز پوری کرے:

سوال (۱) امام مقیم ہے، جب امام نے ظہر، یا عشا کی دو رکعت پڑھ لی، تب مسافر تیسری رکعت میں شامل ہوا۔ دو رکعت امام کی ہمراہ اخیر کی پڑھ کر۔ مسافر ہمراہ امام کے سلام پھیر دے، یا اور دو رکعت بھری پڑھ کر سلام پھیرے؟

امام مقیم کی جب مسافر اقتدا کرے تو چار کی نیت کرے، یا دو کی:

سوال: (۲) امام مقیم ہے، مسافر دو رکعت کی نیت کرے، یا چار کی؟

الجواب

(۱) دو رکعت اور پڑھے۔(۱)

(۲) چار کی۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴/۴۵۵)

مسافر مقیم کی اقتدا کیسے کرے:

سوال: مسافر اگر مقیم کی اقتدا کرتا ہے تو دو رکعت کی نیت کرے، یا چار کی؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ بغیر تعین رکعات مطلق فرض کی نیت کرے۔ (برجندی)

اور اگر کرے تو دو رکعت کی کرے۔ جامع الرموز میں ہے: ''**لو أراد نية العدد نوى ركعتين**'' انتہٰی.

نوٹ: صحیح مسلک یہ ہے کہ ایسے مسافر کو چار ہی رکعات کی نیت کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۱۷)

اگر مسافر مقیم کی اقتدا کرے:

سوال: چار رکعت والی نماز میں اگر مسافر قعدۂ اخیرہ میں کسی مقیم امام کی اقتدا کرے تو کیا مسافر کو پوری چار رکعت پڑھنی چاہیے، یا دو رکعت؟ (محمد سیف اللہ، بابا نگر)

الجواب

جو کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہے تو نماز کی نیت کرتے ہوئے یہ بھی ضروری ہے کہ اقتدا کی نیت کرے اور

== وحسنه النيموى فى آثار السنن: ٦٦/٢) وفى اعلاء السنن (٢٨٣/٧) ولعله لم يصححه لعنعته قتادة، وهو مدلس ولٰكنه صرف بالتحديث عند مسلم فزالت العلة و صح الحديث، أقول: روایت ونسائی میں بھی آئی ہے؛ مگر صرف اس قدر حصہ تنہا ہوں تو کیا کروں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دو رکعت پڑھو، ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (جامع الاصول: ۵/۷۰۷) ابن ابی شیبہ (۳/۲۹۵-۲۹۷، میں ابن مسعود وابن عباس وغیرہ کے آثار مذکور ہیں) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

(۱) إن اقتدى مسافر بمقيم أتم أربعاً. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس عشر فى صلاة المسافر: ١٣٣/١)

اقتدا کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ قیام، رکوع، سجدہ، تعداد رکعت اور دیگر اعمال نماز میں امام کی پیروی کرے؛ اس لیے مقیم پر امام کی اقتدا کرنے سے چار رکعت نماز لازم ہوگئی، گو وہ اخیر میں شامل ہوا ہو، چناں چہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"إن اقتدیٰ مسافر بمقیم أتم أربعًا". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۷۴-۴۷۵)

مقتدی مسافر کا امام مقیم کے اقتدا میں قصر کی نیت کرنا:

سوال: زید ایک شرعی مسافر ہے اور دوران سفر کسی مقام پر ظہر کی نماز کا وقت ہوجاتا ہے اور زید وہاں کے امام کے پیچھے جو کہ مقیم ہے، مسافر نہیں نماز پڑھتا ہے اور زید مسافر ہونے کی وجہ سے نیت قصر؛ یعنی دو فرضوں کی نیت کرتا ہے اور نماز مقیم امام کے ساتھ پوری پوری پڑھتا ہے چار فرض تو کیا نیت کے اس اختلاف سے زید کی نماز ہوجائے گی، یا نہیں؟ اور اگر زید کو معلوم ہے کہ امام مسافر ہے، نہ کہ مقیم تو کیا نیت کرے؟ اور زید (جو کہ مسافر ہے) اس کے لیے نیت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

مسافر نے دو رکعت کی نیت کرکے بھی اگر مقیم امام کے پیچھے چار رکعت صحیح طریقہ پر ادا کی ہے، تب بھی اس کی نماز درست ہوگئی، (۲) اگر امام کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ مسافر ہے یا مقیم ہے تو دو یا چار کی تعیین کی کوئی ضرورت نہیں، محض ظہر کی نیت کافی ہے، عدد رکعات کی تعیین نیت میں مسافر، یا مقیم کسی کے لیے بھی ضروری نہیں۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۵/۶/۲۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۲۸-۵۲۹)

مسافر مقتدی کا مسافر امام کے پیچھے چار رکعت کی نیت کرکے اقتدا کرنا:

سوال: ایک امام مسافر کو امامت کررہا ہے، دوسرے ایک مقتدی اور مسافر کو یہ معلوم نہیں کہ امام مسافر ہے، اس نے چار رکعت کی نیت کرلی، امام مسافر نے دوسرا سلام پھیر لیا تو اب بعد والا چار رکعت پوری کرے اور سلام پھیر دے جب کہ وہ بھی مسافر ہے؟

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۴۲، انیس

(۲) وإن اقتدیٰ مسافر بمقیم) یصلی رباعیة ولو فی التشهد الأخیر"، (مراقی الفلاح علیٰ حاشیة الطحطاوی، باب صلاة المسافر، ص: ۴۲۷، قدیمی)

(۳) (دون) تعیین (عدد رکعاته) لحصولها ضمنا فلا یضر الخطأ فی عددها (وینوی) المقتدی (المتابعة) لم یقل: أیضا؛ لأنه لو نویٰ الاقتداء بالإمام أو الشروع فی صلاة الإمام ولم یعین الصلاة صح فی الأصح". (الدر المختار)

وفی رد المحتار تحت (قوله: فلا یضر الخطأ فی عددها) ... "وفی الأشباه: الخطأ فیما لا یشترط له التعیین لا یضر کتعیین مکان الصلاة وزمانها وعدد الرکعات". (الدر المختار مع رد المحتار، باب شروط الصلا: ۱/۴۲۰، سعید)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

جس مقتدی مسافر کو امام مسافر کے ساتھ ایک رکعت ملی ہے، اس کو چاہیے کہ سلام امام کے بعد ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے، امام کا حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس نے چار رکعت کی نیت کر لی تھی، اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔(۱)
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۲/۳۰/ ۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۷/۷۔۵۲۸)

امام مسافر ہے، یا مقیم معلوم نہ ہو تو اقتدا کس طرح کریں:

سوال: ایک ہوٹل کے پاس عصر کی نماز با جماعت ہو رہی تھی، وہاں ہم سے پہلے ایک گاڑی بھی کھڑی تھی، شاید اسی کی سواریاں ہوں اور خیال نہ آیا کہ ہم پوچھ لیتے کہ امام مقیم ہے، یا مسافر؟ لہذا نیت باندھ لی اور دو رکعت امام کے ساتھ پالی، اب ہم امام کے ساتھ سلام پھیر لیں، یا چار پوری کریں؟ آئندہ ایسی صورت کا کیا علاج ہے؟ اور اس کا اعادہ اگر کرنا ہے تو کتنی رکعت کا کروں، جب کہ ہم مسافر تھے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

سوچ کر اندازہ کرنا چاہیے کہ یہ لوگ مسافر ہوں گے، یا مقیم؟ جس طرف دل مائل ہو، اس کے مطابق نماز کو پڑھ لیا جائے اور سلام پھیرنے کے بعد کسی سے پوچھ لیا جائے اور جو صورت حال سامنے آئے، اس پر عمل کیا جائے۔
(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۰۵/۴)

مسافر مقتدی جن کو دو رکعتیں ملیں، وہ سلام کے بعد دو رکعتیں کیسے پوری کریں:

سوال (۱) مسافر مقتدی کو ظہر، عصر، یا مغرب کی جماعت میں دو رکعتیں ملیں، امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ رکعتیں کیوں کر پوری کرے؟ ان میں سورہ فاتحہ پڑھے، یا نہیں؟

(۲) مغرب کی نماز سفر میں قصر پڑھی اور رات کو پونے گیارہ بجے اپنے گھر پہنچ گیا تو اس کو نماز قصر پڑھنی پڑے گی، یا وہ عشار کی پوری نماز پڑھے؟

(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

---

(۱) أنه إذا صلّٰى في مصر أو قرية ركعتين وهم لا يدرون حاله، فصلاتهم فاسدة وإن كانوا مسافرين؛ لأن الظاهر من حال من كان في موضع الإقامة أنه مقيم، والبناء على الظاهر واجب حتّٰى يتبين خلافه، أما إذا صلّٰى خارج المصر لا تفسد، ويجوز الأخذ بالظاهر وهو السفر في مثله والحاصل أنه يشترط العلم بحال الإمام إذا صلّٰى بهم ركعتين في موضع إقامة، وإلا فلا". (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۹/۲۔۱۳۰، سعيد)

الجواب ______________

(۱) ہاں دو رکعتیں بھری؛ یعنی سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھ کر نماز پوری کرے۔(۱)

(۲) مغرب کی نماز قصر نہیں ہے، اس کی تین رکعتیں مقیم اور مسافر دونوں کے لیے ہیں،(۲) اور جب عشا کے وقت سفر ختم ہو گیا تو عشا کی پوری نماز پڑھے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۷۷)

مقیم امام کی اقتدا کرنے والا مسافر وضو ٹوٹ جانے پر نماز کس طرح پوری کرے:

سوال: زید مسافر ہے، جس پر قصر واجب ہے، وہ مقامی امام کے پیچھے چار رکعت والی نماز پڑھ رہا ہے، چوتھی رکعت میں زید کا وضو ٹوٹ گیا، وہ نماز توڑ کر وضو کرنے چلا گیا، جب زید وضو کر کے مسجد میں گیا تو امام سلام پھیر کر نماز پوری کر چکا تھا تو اب زید نماز کس طرح پوری کرے گا؟

الجواب ______________ وباللّٰہ التوفیق

زید مسافر کا وضو مقیم امام کی اقتدا میں چوتھی رکعت میں ٹوٹ گیا اور پھر زید وضو کرنے چلا گیا، مذکورہ صورت میں اگر زید وضو کرنے مسجد کے باہر نہ گیا ہو اور نماز کے خلاف کوئی کام نہ کیا ہو تو نماز کی بنا کر لے اور صرف چوتھی رکعت پوری کرے اور اگر زید مسجد سے باہر وضو کرنے چلا گیا، یا نماز کے خلاف کوئی کام کر لیا تو اب زید قصر کرے گا، پوری نماز نہیں پڑھے گا؛ اس لیے کہ چار رکعت امام کی متابعت میں پڑھتا اور اس صورت میں متابعت باقی نہ رہی؛ بلکہ تنہا اپنی نماز پڑھ رہا ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۷۰-۴۷۱)

---

(۱) وأما اقتداء المسافر بالمقيم فيصح في الوقت ويتم، لا بعده فيما يتغير. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/ ۱۳۰، ط: سعيد)

(۲) واحترز بالفرض عن السنن والوتر وبالرباعي عن الفجر والمغرب. (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، سعيد)

(۳) عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما كان يصلي وراء الامام بمنیٰ فاذا صلیٰ لنفسه صلیٰ ركعتين. (المؤطا للامام مالك، باب صلاة المسافر اذا كان اماما أو وراء امام: ۱/۳۷۳، مكتبة البشریٰ باكستان، انيس)

(وإن اقتدى مسافر بمقيم في الوقت صحّ وأتمّ) هٰكذا روى عن ابن عباس وابن عمر ولأنه تبع لامامه فيتغير فرضه الى أربع كما يتغير بنية الاقامة لاتصال المغير بالسبب وهو الوقت وان أفسده يصلي ركعتين، لان لزوم الأربع للمتابعة وقد زالت بخلاف ما لو اقتدى به بنية النفل ثم أفسد حيث يلزمه الأربع لأنه بالشروع التزم صلاة الامام قصدًا وفي مسئلتنا ما لم يلتزم قصدًا وانما قصد اسقاط الفرض عن ذمته وتغير فرضه حكمًا للمتابعة وقد زالت''.
(تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/ ۲۱۳، مكتبة امداديه، ملتان، انيس)

مسافر مقتدی کی مقیم امام کے پیچھے نماز ٹوٹ گئی تو دوبارہ کتنی رکعتیں پڑھے:

سوال: کوئی مسافر، مقیم امام کی اقتدا میں چار فرض رکعت پڑھ رہا تھا کہ کسی وجہ سے نماز ٹوٹ گئی، جب امام نماز پڑھ کر سلام پھیر دے، بعد میں مسافر اکیلا نماز فاسد شدہ دوبارہ ادا کرے گا تو کتنی رکعت اس کو پڑھنی ہوں گی؟

الجواب

مقیم کی نماز پڑھے گا؛ یعنی پوری۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۹۴/۴)

امام کے ساتھ فاسد نماز کے اعادہ کے وقت قصر کا لازم ہونا:

سوال: مقتدی مسافر ہے امام مقیم ہے، مقتدی نے خیال کیا کہ ہم دو ہی رکعت کے بعد سلام پھیریں گے پس ایسا ہی کیا، بعد کو امام نے اس بات کو انکار کرنے سے وہ چہار رکعت پڑھ دیا۔(۲) معلوم کرنا یہ بات ہے کہ اس مقتدی کو فقط دو رکعت دوبارہ پڑھنی تھی، یا کہ امام کے پیچھے اقتدا کر کے تمام نہ کرنے سے چہار رکعت پڑھنا ٹھیک ہے؟ فقط

الجواب

فی الدر المختار: وأما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت ویتم لابعده فیما یتغیر.

وفی رد المحتار تحت (قوله: فیصح فی الوقت ویتم) أی سواء بقی الوقت أو خرج قبل إتمامها لتغیر فرضه بالتبعیة لاتصال المغیر بالسبب وهو الوقت ولو أفسده صلی رکعتین لزوال المغیر، آه. (۸۲۸/۱)(۳)

اس روایت سے دو امر معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسافر کو امام مقیم کے ساتھ نماز تمام کرنا چاہیے تھا۔ دوسرے یہ کہ جب وہ نماز فاسد ہوگئی تو تنہا پڑھنے کے وقت قصر کرنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم

۱۵ / جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۱۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۵۷۸/۱-۵۷۹)

امام مسافر کے پیچھے بھی مقیم مقتدی کو جماعت کی فضیلت ملتی ہے:

سوال: میں دھوراجی میں ایک ادارے میں زیر تعلیم ہوں، اس ادارے کے قریب ہی ایک مسجد ہے، جہاں میں ظہر کی نماز ادا کرتا ہوں، کچھ عرصہ قبل میں حسب معمول نماز ظہر ادا کرنے مسجد ہذا میں پہنچا تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی، وضو

---

(۱) **إذا اقتدیٰ المسافر بالمقیم فی الوقت صح ولزمه الإتمام ...لو اقتدیٰ به فی الوقت ثم خرج الوقت قبل تمامها؛ لأنه حین اقتدیٰ صار فرضه أربعا للتبعیة مع قبول الصلوة للتغیر وصار کالمقیم فی حق تلک الصلاة وصلاة المقیم لا تصیر رکعتین بخروج الوقت. (الحلبی الکبیر: ۵٤۲/۱، فصل فی صلاة المسافر، طبع لاهور)**

(۲) یعنی بعد میں امام کے بتانے پر اس نے دوبارہ نماز پوری پڑھی۔

(۳) **الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۳۰/۲، دار الکفر بیروت، انیس**

سے فارغ ہوا تو دوسری رکعت جاری تھی، قریب تھا کہ جماعت میں شامل ہوتا، امام نے دو رکعت کے بعد سلام پھیرلیا۔ دریافت کرنے پر پتہ یہ چلا کہ مسجد میں ایک پیر صاحب آئے ہوئے ہیں، جنہوں نے امامت کی، اعلان کیا گیا؛ کیوں کہ پیر صاحب سفر میں اس لیے انہوں نے چار فرض کے بجائے دو فرض پڑھائے، لہذا تمام نمازی چار رکعت فرض انفرادی طور پر دوبارہ ادا کریں۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ پیر صاحب سفر کے دوران کراچی میں مختصر قیام پر ہیں؛ اس لیے انہوں نے دو فرض پڑھے؛ لیکن مسجد کے نمازی تو مقامی ہیں۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ لوگ مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے جاتے ہیں، جس کی بڑی تاکید بھی آئی ہے، ان کی جماعتوں کی نماز یک مسافر پیر سے امامت کرا کے ضائع کرا دینا اور جماعت کی نماز کے فضائل سے محروم کر دینا قرآن وسنت کی رو سے کیا جائز ہے؟ نیز جماعت سے نماز نہ ادا کرنے کا وبال کس پر ہوگا، نمازی پر، پیر صاحب پر، یا مسجد کے منتظمین پر؟ میں اس کے بعد وہاں مسجد میں نماز پڑھنے نہیں گیا، بعد میں پتہ چلا کہ تین چار روز تک پانچوں وقت کی نمازیں پیر صاحب نے اسی طرح پڑھائیں۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں، اس سے بہت شک وشبہات ختم ہوں گے؟

الجواب

اگر امام مسافر ہو تو وہ دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے گا اور اس کے پیچھے جو مقتدی مقیم ہیں، وہ اٹھ کر اپنی دو رکعتیں پوری کرلیں گے۔ (۱) مقتدیوں کو چار فرض انفرادی طور پر ادا کرنے کی ضرورت نہیں اور مسافر کی امامت سے اس کی اقتدا کرنے والے مقیم مقتدیوں کو بھی جماعت کا ثواب پورا ملتا ہے؛ اس لیے آپ کا یہ سوال ہی بے محل ہے کہ جماعت سے نماز نہ پڑھنے کا وبال کس پر ہوگا؟ کیوں کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گئی؛ اس لیے ترک جماعت کے وبال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ جو مقتدی اپنی سستی کی وجہ سے آپ کی طرح دیر سے آئے اور جماعت سے محروم رہے، ان کا وبال خود انہی کی سستی پر ہے۔ آپ کا آئندہ کے لیے اس مسجد میں جانا ہی بند کر دینا بھی غلط تھا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۹۳/۴-۹۴)

مسافر جمعہ میں امام ہوسکتا ہے:

سوال: مسافر جمعہ میں امام ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

مسافر امام جمعہ ہوسکتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۸۹/۴)

---

(۱) (وصح اقتداء المقيم بالمسافر فى الوقت وبعده فإذا قام) المقيم (إلى الإتمام لا يقرأ) ولا يسجد للسهو (فى الأصح). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

وإن صلى المسافر بالمقيمين ركعتين سلم وأتم المقيمون صلاتهم وكذا فى الهداية وصاروا منفردين كالمسبوق إلا أنهم لا يقرؤن فى الأصح. (الفتاوىٰ الهندية: ۱۴۲/۱، الباب الخامس عشر فى صلاة المسافر)

(۲) ويجوز للمسافر والعبد والمريض أن يؤم فى الجمعة. (الهداية، باب الجمعة: ۱۴۹/۱، ظفير)

مسافر امام، مقتدی مقیم، کی نیتوں کا مسئلہ:

سوال: امام مسافر ہے اور دو رکعت کی نیت کرتا ہے، مقتدی مقیم ہیں، امام کی متابعت کی وجہ سے دو رکعت کی نیت کرے، یا چار کی نیت کرے؟ اس مسئلہ کو مشرح و مفصل زیب فرمائیے؟

الجواب

امام دو رکعت پڑھتا ہے؛ اس لیے وہ دو رکعت کی نیت کرے گا اور مقتدی چار رکعت کی نیت کرے؛ اس لیے کہ اس کے ذمہ چار واجب ہیں۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۵۸)

مقیم، مسافر کے پیچھے چار رکعت کی نیت کرے:

سوال: مقیم کو مسافر امام کے پیچھے مثلاً نماز عصر میں چار رکعت کی نیت کرنی چاہیے، یا دو رکعت کی؟

الجواب

چار رکعت کی نیت کرنی چاہیے، دو رکعت اپنی امام کے ساتھ اور دو بعد میں پڑھے گا۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۸۱-۴۸۲)

مقیم مقتدی، مسافر امام کے پیچھے نماز کس طرح پوری کرے گا:

سوال: امام مسافر ہے اور مقتدی مقیم ہیں اور چار رکعت کی نماز ہے، جب امام دو رکعت پوری کر چکا تو اس نے سلام پھیر دیا، اب مقتدی الحمد پڑھے، یا ساکت کھڑے ہو کر رکوع کرے؟

الجواب

جب امام مسافر ہے تو مقتدی بقیہ نماز کو بغیر قرأت وفاتحہ پڑھے، پوری کرے۔ (**وصح اقتداء المقیم بالمسافر فی الوقت وبعدہ فإذا قام)المقیم(إلی الإتمام لایقرأ).** (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۵۸)

مقتدی مقیم، جس نے مسافر کے پیچھے نماز پڑھی، اپنی نماز کس طرح پوری کرے:

سوال: اگر مسافر امام ہے اور مقیم مقتدی تو چار رکعت والی نماز میں، جب امام دو رکعت کے بعد سلام پھیرے تو مقیم جو اپنی دو رکعت پوری کریں۔ ان میں الحمد پڑھیں، یا نہیں؟

اور اگر کوئی ایسا عمل ہو جاوے، جس سے سجدہ [سہو] لازم ہو، ان دونوں رکعت باقی میں تو سجدہ سہو بھی کریں، یا نہیں؟

(۱-۲) (وصح اقتداء المقیم بالمسافر فی الوقت وبعدہ فإذا قام)المقیم (إلی الإتمام لایقرأ) ولایسجد للسهو(فی الأصح)؛ لأنه کاللاحق والقعدتان فرض علیه وقیل:لا.(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،باب صلاۃ المسافر: ۱/۱۲۹،ظفیر)

الجواب

چُپ رہے، کچھ نہ پڑھے اور سجدہ سہو بھی نہ کرے، وہ حکماً امام کے پیچھے ہیں۔ فقط

(بدست خاص، ص:۱۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۹۱)

مسافر امام نے نماز قصر پڑھائی تو مقیم بقیہ نماز کس طرح پوری کرے:

سوال (۱) امام مسافر ہے، اس نے قصر نماز پڑھی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو مقیم مقتدیوں کو بقیہ دو رکعت کس طرح پوری کرنی چاہیے، سورۂ فاتحہ پڑھے، یا خاموش رہے؟

(۲) سفر میں نماز قضا ہوگئی گھر پہنچ کر قصر کرنی چاہیے، یا پوری نماز پڑھنی چاہیے؟

(۳) سفر میں سنتیں پڑھنی لازمی، یا نہیں؟ اور سنت قصر پڑھے، یا پوری؟

(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب

(۱) مسافر امام کے مقتدی مقیم ہوں تو امام کے دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد وہ کھڑے ہو جائیں اور اپنی دو رکعتیں پوری کریں، ان رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھیں، خاموش کھڑے رہیں۔(۱)

(۲) سفر کی قضا نماز قصر ادا کرنی چاہیے۔(۲)

(۳) سفر میں سنتیں پڑھنی لازمی نہیں، (۳) اگر موقع ہو تو پڑھ لے، سنتوں میں قصر نہیں، چار رکعتوں کی نماز چار رکعتیں ہی پڑھے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ (کفایت المفتی:۳/۳۷۷-۳۷۸)

---

(۱) (وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده فإذا قام) المقيم (الى الاتمام لا يقرأ)ولا يسجد للسهو(في الأصح).(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر:۱۲۹/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

(۲) (والقضاء يحكى)أي يشابه (الأداء سفراً وحضراً)لأنه بعد ما تقرر لايتغير غيرأن المريض يقضي فائتة الصحة في بما قدر.(الدر المختار)

وفي الرد تحت (قوله:سفراً وحضراً)أي لو فائتته صلاة السفر وقضاها(لا)في الحضر يقضيها مقصورة كما لو أداها وكذا فائتة الحضر تقضى في السفر تامة.(رد المحتار،باب صلاة المريض:۱۳۵/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

(۳) سنت لازم نہیں ہوتی اس سے مراد تاکید ہے۔انیس

(۴) (ويأتي)المسافر(بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار،وإلا)بأن كان في خوف وفرار الإلخ.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة المسافر:۱۳۱/۲،ط:سعيد)

مسافر امام کی اقتدا کرنے والا مقیم بقیہ دو رکعت نماز کس طرح پوری کرے:

سوال: امام مسافر ہے اور مقتدی مقیم ہیں تو چار رکعت والی نماز میں اس امام نے قصر کرتے ہوئے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو اب مقتدی مقیم اپنی بقیہ دو رکعت نماز کس طرح پوری کریں گے؟ الحمد شریف پڑھیں گے، یا نہیں؟ یا بالکل خاموش کھڑے ہو کر رکوع وسجدہ کر کے اپنی نماز پوری کریں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اگر امام مسافر ہو اور مقتدی حضرات مقیم ہوں تو امام کے دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد وہ کھڑے ہو جائیں اور اپنی بقیہ دو رکعت بقدر فاتحہ خاموش کھڑے ہو کر پوری کریں، ان رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھیں گے؛ بلکہ چپ کھڑے رہ کر اپنی نماز پوری کریں گے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۲۲/۱۱/۱۴۱۳ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۷۰) ☆

(۱) (وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده فإذا قام) المقيم (إلى الاتمام لايقرأ) ...(في الأصح)؛لأنه كاللاحق.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۹،دارالفکر بيروت،انيس)

☆ **مسافر امام قصر کرے گا اور اس کا مقتدی مقیم پوری نماز پڑھے گا:**

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا اور فتح مکہ میں میں آپ کے ساتھ تھا، آپ وہاں اٹھارہ دن رہے اور دو ہی رکعت پڑھتے رہے، آپ نماز کے بعد فرمایا کرتے تھے: اے اہل شہر چار رکعت پڑھو، ہم لوگ تو مسافر ہیں''۔(عن عمران بن حصين: ''غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وشهدت معه الفتح فأقام بمكة ثماني عشرة ليلة لا يصلي الا ركعتين يقول: يا أهل البلد صلوا أربعاً فانا قوم سفر''.(رواه أبوداؤد،جامع الأصول: ۵/۷۰۲،أبوداؤد،باب متىٰ يتم المسافر،وفي هامشه: فيه علي بن زيد بن جدعان و هو ضعيف،وقال في إعلاء السنن (۷/۲۸٤): سكت عنه أبو داؤد،أقول: يشهد له حديث عمر وهو قوي و راجع لتخريجه هامش ابن أبي شيبة (۳/۲۹۷۔۲۹۸)وعلي بن زيد بن جدعان .من رجال الأربعة وروى عنه البخاري في الأدب المفرد ومسلم له مقروناً ولذا صحح له وحسن الترمذي (راجع باب ماجاء في التسليم اذا دخل بيته من أبواب الاستيذان وباب التقصير في الصلوات من أبواب السفر وباب ما ذكر في الالتفات في الصلوات من أبواب السفر وباب ما ذكر في الالتفات في الصلوات ومن أواخر أبواب الصلاة)

مدت قصر پندرہ دن ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، اس حدیث میں اٹھارہ دن کا معاملہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے سفر کا قصہ ہے، جس میں مکہ کا داخلہ جنگ کے ماحول میں ہوا تھا اور چند دن اس میں لگ گئے تھے؛ اس لیے باقاعدہ قیام کی مدت پندرہ دن سے کم ہوتی ہے۔(ملاحظہ ہو فتح الباری: ۲/۵۶۲، اعلاء السنن: ۷/۲۷۵، ومابعد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ تشریف لاتے تو اہل مکہ کو دو رکعت نماز پڑھاتے اور فرماتے: اے اہل مکہ تم نماز پوری کر لو؛ کیوں کہ ہم لوگ مسافر ہیں''۔(عن ابن عمر: ''أن عمر صلى للناس بمكة فلما انصرف قال: يا أهل مكة أتموا صلاتكم فانا قوم سفر''.(أخرجه الموطأ،جامع الأصول: ۵/۷۰۸،الموطا،باب صلاة المسافرين إذا كان إماماً، وفي هامش جامع الأصول(۵/۸۰): اسناده صحيح، أقول: وكذا قال الحافظ في الدراية: ۱/۲۳۱) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

مقیم مقتدی مسافر امام کے سلام کے بعد بقیہ دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھے گا، یا نہیں:

سوال: مسافر امام کے پیچھے اگر مقتدی مقیم نماز پڑھ رہا ہے تو جب امام نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا تو یہ چاروں پوری کرے گا۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ وہ بعد کی رکعتوں میں فاتحہ پڑھے، یا نہیں؟

الجواب

بعد کی دو رکعت میں کچھ نہ پڑھے؛ بلکہ خاموش کھڑا ہو کر رکوع کر دے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۸۸/۴)

امام قصر پڑھ رہا ہے تو مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے گا، یا نہیں:

سوال: امام اگر قصر پڑھ رہا ہے تو مقتدی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھے، یا نہ پڑھے؟

(المستفتی: ۹۷۷، محمد رفیع صاحب سوداگر (ضلع میدنی پور) یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ، مطابق ۲۵ر فروری ۱۹۳۶ء)

الجواب

مقتدی اپنی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، بقدر فاتحہ کے قیام کر کے رکوع کر لے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۳۷۳/۳-۳۷۴)

مقیم مقتدی، مسافر کے پیچھے نماز کی تکمیل میں، سورہ فاتحہ پڑھنے سے گنہ گار ہوں گے:

سوال: اگر مقیم مقتدی اپنی دو رکعت باقی کو ادا کریں اور ان میں الحمد پڑھیں تو وہ گنہ گار بھی ہوتے ہیں، یا نہیں؟ اور اگر الحمد بھی نہ پڑھیں اور مقدار الحمد [للہ] پڑھنے کے قیام بھی نہ کریں، تب بھی گنہ گار ہوتے ہیں، یا نہیں؟ اور ان کی نماز بھی ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

پڑھنے سے گنہ ہوگا، (۲) اور قیام قلیل کافی ہے، زیادہ قیام کی حاجت نہیں۔ فقط

(بدست خاص، ص: ۱۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۹۱)

(۱-۲)　(وصح اقتداء المقیم بالمسافر فی الوقت و بعده فإذا قام) المقیم (إلی الإتمام لایقرأ) ولایسجد للسهو (فی الأصح)؛ لأنه کاللاحق والقعدتان فرض علیه وقیل: لا. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۹/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲)　وقال الثوری والأوزاعی فی روایة وأبو حنیفة أبو یوسف ومحمد وأحمد فی روایة وعبدالله بن وهب والأشهب: لایقرأ المؤتم شیئًا من القرآن ولا بفاتحة الکتاب فی شئ من الصلاة وهو قول ابن المسیب وجماعة من التابعین وفقهاء الحجاز والشام علیٰ أنه لایقرأ معه فیما یجهر به وإن لم یسمعه ویقرأ فیما یسر فیه الإمام، آه. (عمدة القاری شرح البخاری، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم، دار إحیاء التراث العربی بیروت. انیس)

مسافر کی اقتدا کرنے والے مقیم کے ذمہ باقی نماز میں قرأت لازم نہ ہونے پر شبہ کا ازالہ:

سوال: جب کہ امام مقیم، یا مسافر سلام پھیر دیتا ہے تو باقی نماز رہنے والے مقتدیوں کو امام سے اور امام کو ان مقتدیوں سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا، چناں چہ سلام پھیرنے کے بعد امام جو چاہے سو کرے، امام کے فعل سے مقتدیوں کی باقی ماندہ نماز میں کچھ دخل اور اثر نہیں رکھتے اور جب کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کو اپنی باقی ماندہ نماز کی رکعتوں میں الحمد اور سورت پڑھنا لازم ہے اور حدیثوں میں وارد ہے کہ جس رکعت میں الحمد نہ پڑھی ہو، رکعت نہیں، گو یہ حدیث امام اور منفرد کے حق میں تکمیل نماز کے واسطے ہے؛ لیکن پھر کیا سبب کہ امام مسافر کے سلام پھیرنے کے بعد دو یا ایک رکعت باقی رہنے والا مقتدی اپنی باقی رکعتوں میں الحمد اور سورت نہ پڑھے اور تین یا چار رکعت رہنے والا مقتدی، یا کوئی رکعت نہ پانے والا قعدہ میں ملنے والا اپنی باقی رکعت میں الحمد اور سورت ضرور پڑھے، نہ پڑھنے والے کی نماز صحیح ہو جانے کی دلیل حدیث صحیح سے ارقام فرمایئے؟(۱)

الجواب

چوں کہ بعد سلام امام مسافر کے مقیم مقتدی لاحق ہے اور لاحق بمنزلۂ مؤتم ہے؛ اس لیے اس کے احکام مؤتم کے سے ہوں گے۔

في الدر المختار في أحكام اللاحق: وحكمه كمؤتم فلا يأتي بقراءة ولا سهو ولا يتغير فرضه بنية إقامة ويبدأ بقضاء مافاته عكس المسبوق، ثم يتابع إمامه إن أمكنه وإدراكه وإلا تابعه ثم صلى مانام فيه بلا قراءة ثم ماسبق به بها إن كان. (۲)

اور مؤتم کا قرأت نہ کرنا حدیث سے ثابت ہے اور لاحق کا مثل مؤتم ہونا قیاس صحیح سے ثابت ہے۔(۳)

یکم جمادی الاولی ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۵۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۵۸-۲۵۹)

جس مقیم نے مسافر امام کی اقتدا کی وہ بقیہ رکعتوں میں تسمیع کہے، یا تحمید:

سوال: مقیم نے مسافر کی اقتدا کی بعد میں اپنی رکعتوں میں صرف تحمید کہے، یا تسمیع، یا دونوں؟

---

(۱) خلاصۂ سوال: مسبوق پر قرأت ہے اور لاحق پر نہیں ہے، وجہ فرق کیا ہے امام کے سلام پھیرنے پر دونوں سے امام کا رابطہ ختم ہو جاتا ہے اور دونوں منفرد کی طرح ہو جاتے ہیں، لہٰذا دونوں پر قرأت ہونی چاہیے۔ انیس

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/۵۹۵، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مسبوق تو منفرد کے حکم میں ہے؛ لیکن لاحق مقتدی کے حکم میں ہے؛ اس لیے امام کی قرأت اول کے لیے کافی نہیں، ثانی کے لیے کافی ہے۔

الجواب

بظاہر تسمیع وتحمید ہر دو افضل ہیں۔(۱) فقط (فتاوی دار العلوم دیو بند:۲/۱۶۵)

جو مسافر امام تین رکعت پڑھ چکا ہو، اس کی اقتدا درست ہے، یا نہیں:

سوال: امام مسافر تین رکعت پڑھ چکا، چوتھی رکعت میں مقتدی شامل ہوا، وہ تین رکعت باقی کس قاعدہ سے پڑھے؟

الجواب

جب کہ امام مسافر ہے تو اس کو دو رکعت پڑھنی چاہیے تھی، اگر وہ سہواً چار رکعت پڑھ لے تو آخر کی دو رکعت اس کی نفل ہوئی، لہٰذا اقتدا اس کی مفترض کو چوتھی رکعت میں درست نہیں ہے اور نماز اس کی نہیں ہوئی۔(۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۳/۳۱۶)

مقیم نے مسافر امام کی ایک رکعت کے بعد اقتدا کی تو کس طرح نماز پوری پڑھے:

سوال: مقیم نے مسافر کی اقتدا، اس وقت کی کہ امام مسافر ایک رکعت پڑھا چکا تھا تو اب بعد سلام امام مسافر کے، مقیم کو کس طرح نماز پڑھنی چاہیے؟

الجواب

اول دو رکعت خالی پڑھے اور تیسری رکعت میں قرأت پڑھے۔(۳) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۴/۴۸۹)

اگر مقیم نے امام مسافر کے پیچھے ایک رکعت پڑھی، وہ باقی تین رکعات کس طرح پوری کرے:

سوال: اگر مسبوق مقیم نے ایک رکعت مسافر امام کے ساتھ پڑھی تو باقی اپنی تین رکعت کس طرح پڑھے، آیا ایک رکعت میں الحمد اور قرأت اور دو میں فقط الحمد پڑھے، یا کیا کرے؟

الجواب

ایک میں قرأت، دو بلا قرأت۔فقط

(بدست خاص، ص:۱۶) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۹۲)

---

(۱) (و) یکتفی (بالتحمید المؤتم) وأفضله "اللّٰهم ربنا ولك الحمد" ثم حذف الواو ثم حذف اللّٰهم فقط (ویجمع بینهما لو منفرداً) علی المعتمد یسمع رافعاً ویحمد مستویاً. (الدر المختار علی ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ٤٦٤/١، ظفیر)

(۲) وکذا لا یصح الاقتداء بمجنون) ... (و) لا (مفترض بمتنفل وبمفترض فرضاً آخر)؛ لأن اتحاد الصلاتین شرط عندنا. (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب الإمامة: ٥٧٨/١-٥٧٩، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۳) ولو اقتدی المقیم بالمسافر صح ...فإذا صلی المسافر رکعتین سلم ویقوم المقیم فیتم صلاته بغیر قراءة فی الأصح ... بخلاف المسبوق. (غنیة المستملی، باب صلاة المسافر : ٥٤٣/١، ظفیر)

اگر مقیم مسافر امام کے پیچھے التحیات میں شامل ہو تو، نماز کس طرح پوری کرے:

سوال: اگر مقیم مسبوق مسافر امام کے پیچھے التحیات میں شامل ہو تو وہ اپنی چاروں رکعت کس طرح پڑھے، آیا دو رکعت میں الحمد اور قرأت اور دو رکعت میں فقط الحمد پڑھے، یا کس طرح کرے؟

الجواب

جیسے مسبوق مقیم کا پڑھنا ہے، اسی طرح پڑھے۔ فقط

(بدست خاص، ص: ۱۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۹۱-۱۹۲)

مسبوق کی نماز مسافر امام کے پیچھے:

سوال: امام مسافر ہے، اگر التحیات میں کوئی مقتدی جس کو امام کا مسافر ہونا معلوم ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ مقتدی اپنی دونوں رکعت بھری پڑھے گا، یا خالی؟ اگر مقتدی مقیم ہے تو امام کے سلام کے بعد وہ مقتدی پہلی اپنی دو رکعت بھری پڑھے گا اور آخر کی دونوں خالی کیا؟

الجواب حامدًا و مصليًا

بھری پڑھے گا؛ کیوں کہ وہ اس وقت مسبوق ہے اور مسبوق منفرد کے حکم میں ہوتا ہے۔

المسبوق من لم يدرک الرکعة الأولٰى مع الامام وله أحكام كثيرة ... منهاإنه(أى المسبوق) منفردفيمايقضى، آه". (۱)

اور مقیم مقتدی صورت مسئولہ میں لاحق مسبوق ہے، لہٰذا سلام امام کے بعد اول دو رکعت بلاقرأت پڑھے گا اور پھر دو رکعت (۲) کے ساتھ۔

اللاحق يصلى على ترتيب صلوة الامام والمسبوق يقضى ماسبق به بعد فراغ الامام، آه". (۳)

اور بعض علما اس کے برعکس کا حکم فرماتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۵/۵/۷ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۲۴-۵۲۵)

---

(۱) الفتاوٰى الهندية، كتاب الصلاة: ۹۲/۱، الفصل السابع فى المسبوق واللاحق، رشيدية
(والمسبوق من سبقه الامام بها أوببعضها وهومنفرد) ... (فيما يقضيه). (الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار، باب الامامة، مطلب فيما لو أتى بالركوع أوالسجود أوبهما مع الامام: ۵۹۶/۱، سعيد)
(۲) نوٹ: قرأت کے ساتھ
(۳) ردالمحتار، باب الامامة، مطلب فيما لوأتى بالركوع او السجود أو بهما مع الامام: ۵۹۶/۱، سعيد

مقتدی مقیم مسبوق اپنی نماز کس طرح پوری کرے:

سوال: امام اگر مسافر ہو اور مقتدی مقیم ہو، مقتدی اپنی نماز پوری کرنے میں مسبوق کا حکم رکھتا ہے، یالاحق کا؛ یعنی لاحق کی طرح خاموش اپنی نماز پوری کرے گا، یا مسبوق کی طرح باقی میں قرأت کرے گا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

مقیم مقتدی جو کہ شروع سے مسافر امام کے ساتھ شریک ہے، وہ سلام امام کے بعد اپنی نماز کو لاحق کی طرح تمام کرے، اس میں قرأت نہ کرے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۹/۷)

مسافر امام کے پیچھے مسبوق مقیم کی اتمام صلوٰۃ کا طریقہ، نماز کے سجدہ کے فوت ہونے، مردہ بیوی کے چہرے کو شوہر کے دیکھنے اور نماز جنازہ میں سلام کے بھول جانے کے احکام:

سوال (۱) اگر نماز میں ایک سجدہ بھول جاوے تو کیا کرنا چاہیے۔

(۲) بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منھ دیکھ سکتا ہے، یا نہیں اور قبر میں اتار سکتا ہے، یا نہیں؟

(۳) اور مقیم نے مسافر کی اقتدا قعدۂ اخیرہ میں کی تو اب یہ مقیم مسبوق کس طریقہ سے نماز ادا کرے؟

(۴) اور معصوم بچے کی؛ یعنی نابالغ کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں سلام نہ پھیرا تو کیا اس میں نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

(۱) جب یاد آوے، اسی وقت ادا کرے، پھر جس رکن سے اس سجدہ میں آیا ہے، اسی کی طرف چلا جاوے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

فی ردالمحتار عن شرح المنية: لوترك سجدة من ركعة ثم تذكرها فيما بعدها من قيام أو ركوع أوسجود فإنه يقضيها ولايقضي مافعله قبل قضائها مماهو بعد ركعتها من قيام أوركوع أو سجود بل يلزمه سجود السهوفقط لكن اختلف في لزوم قضاء ما تذكرها فقضاها فيه ... ففي الهداية؛إنه لا تجب اعادته بل تستحب ... وفي الخانية أنه يعيد وإلا فسدت صلاته ... ومثله في الفتح ... والمعتمد ما في الهداية فقد جزم به في الكنزوغيره في آخرباب الاستخلاف وصرح في البحر بضعف مافي الخانية هٰذا،انتهى.(۳)

(۱) (وصح اقتداء المقيم بالمسافرفي الوقت وبعده فإذا قام)المقيم إلى الاتمام لا يقرأ)ولايسجد للسهو(في الاصح)؛ لانه كاللاحق والقعدتان فرض عليه وقيل:لا.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المسافر: ۱۲۹/۲،سعيد)

(۲) رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب كل شفع من النفل صلاة: ٤٦٢/١،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) دیکھ سکتا ہے۔

في الدرالمختار: (ويمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر إليها على الأصح)، منية. (۱)

اور قبر میں اتارنا جب محارم نہ ہوں، زوج کو درست ہے؛ **لأنه مس من حائل.**

(۳) یہ مقیم بعد سلام امام کے کھڑا ہو کر اول دو رکعت بلا فاتحہ پڑھے اوران دو رکعت میں اگر سہو ہو جاوے، سجدہ سہو بھی واجب ہے، بعد قعدہ کے پھر دو رکعت مع فاتحہ وسورت کے پڑھے اوران دو رکعت میں اگر سہو ہو جائے، سجدہ سہو کرے۔

(۴) **في الدرالمختار: صلاة الجنازة (وركنها) شيئان (التكبيرات) الأربع ... (والقيام) ... (وسنتها) ثلٰثة (التحميد والثناء والدعاء فيها).** (۲)

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مسلام پھیرنا فرض نہیں، لہٰذا نماز ہوگئی۔ فقط واللہ اعلم

۲۷؍شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد: ۱/۳۹) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۵۹۶-۵۹۷)

قصر کرنے والے امام نے نماز پوری پڑھ لی تو امام ومقتدی کی نماز ہوئی، یا نہیں:

سوال: ایک مسافر قصر پڑھنے والا نماز عشا کا امام ہوا اور بجائے قصر کے پوری چار رکعت نماز پڑھی، وہ نماز امام ومقتدی کی ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

امام اگر دو رکعت پر بیٹھ گیا ہے تو اس کی نماز ہوگئی اور مقتدیوں نے اگر اس کے ساتھ ساتھ نماز پوری کی تو ان کی نماز نہیں ہوئی، **كما في ردالمحتار:**

"فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل أي إذا قصدوا متابعته وأما لو نووا مفارقته ووافقوه صورة فلا فساد، أفاده الخير الرملي". (۳) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۸۱)

مسافر امام نے پوری نماز پڑھ لی تو مقتدی کی نماز ہوئی، یا نہیں:

سوال: مسافر امام نے سہواً پوری نماز پڑھ لی تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

مقتدیوں کی نماز فاسد ہوئی۔

---

(۱) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲/۱۹۸، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۰۹، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۰، دار الفكر بيروت، ظفير

ردالمحتار میں ہے:

ولو اقتدی مقیمون بمسافر و أتم بهم بلا نية إقامة و تابعوه فسدت صلاتهم لكونه متنفلاً في الأخريين. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۸۸، ۴۸۹)

مسافر پوری نماز پڑھا دے تو کیا حکم ہے:

سوال: میں مسافر تھا، میں نے ظہر کی نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھا دی تو یہ بتائیں کہ میری اور مقتدیوں کی نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں جو مقتدی مقیم تھے، ان کی نماز تو بہر حال نہیں ہوئی؛ اس لیے کہ آپ کی اخیر کی دو رکعت نفل ہوئی اور مقتدیوں کی فرض اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی ہے، جہاں تک آپ کی، یا دیگر مسافر مقتدیوں کی نماز کا تعلق ہے تو اگر آپ نے دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا تو آپ کی اور مقتدیوں کی بھی نماز نہیں ہوئی اور اگر دو رکعت پر قعدہ کر لیا اور بھول کر کھڑے ہو گئے اور چار رکعت پوری کر لی تو آپ پر سجدۂ سہو لازم تھا۔ اگر سجدۂ سہو کر لیا تو نماز ہو گئی، اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوئی۔ اگر نماز کا اعادہ نہیں کریں گے تو گنہگار ہوں گے، البتہ ایسی صورت میں نماز ظہر کی فرضیت آپ کے اور مسافر مقتدیوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اور اگر جان بوجھ کر نماز پوری کی تو گنہگار ہوئے اور سجدۂ سہو سے بھی کام نہیں چلے گا، نماز بہر حال واجب الاعادہ ہوگی۔ (۲)

"ولا يصلّي المفترض خلف المتنفل". (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۷۱-۴۷۲)

مسافر امام نے مقیم مقتدیوں کو پوری نماز پڑھا دی:

سوال: مسافر امام نے بھولے سے چار رکعت نماز پڑھا دی تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) رد المحتار، باب الامامة، قبيل مطلب في الألثغ: ۱/۵۸۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) (فلو أتمّ مسافر إن قعد في) القعدة (الأولى تمّ فرضه و) لكنّه (أساء) لو عامدًا لتأخير السلام ... (وما زاد نفل) ... (و إن لم يقعد بطل فرضه) وصار الكل نفلاً لترك القعدة المفروضة. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۸، دار الفكر بيروت)

(۳) الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۹

(يجب بعد سلام واحد عن يمينه فقط) ... (سجدتان و) ... (وتشهد وسلام) ... (بترك) متعلق بيجب (واجب) ... (سهوًا) فلاسجود في العمد. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۷۷-۸۰)

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر مسافر امام چار رکعت والی نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے مقیم مقتدیوں کی فرض نماز ادا نہ ہوگی، البتہ امام نے اگر قعدہ اولی کرلیا ہے تو خود اس کی اور مسافر مقتدیوں کی نماز اخیر میں سجدۂ سہو کرنے سے درست ہوجائے گی اور اگر سجدہ سہو کئے بغیر سلام پھیر دیا ہے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی اور وقت کے اندر اندر اعادہ کی زیادہ تاکید ہے اور وقت نکلنے کے بعد اتنی تاکید نہیں۔

فإن صلی أربعًا وقعد فی الثانیة قدر التشهد أجزأته والأخریان نافلة ویصیر شیئاً لتأخیر السلام وإن لم یقعد فی الثانیة قدرها بطلت، کذا فی الهدایة. (۱)

فلو أتم المقیمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل. (۲) فقط واللہ تعالی اعلم

(دینی مسائل اوران کا حل: ۹۷)

امام مسافر نے اتمام کرلیا تو کیا حکم ہے:

سوال: حضرت رائے پوری کے خلیفہ مولانا آزاد آئے ہوئے تھے، انہوں نے غلطی سے پوری نماز ظہر پڑھ دی، حالاں کہ وہ قصر کررہے تھے تو اب نماز ہوگی، یا نہیں؟ بعد میں انہوں نے اعلان بھی کردیا تھا۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

اگر دو رکعت پر قعدہ کرکے بھول کر کھڑے ہوگئے اور چار رکعت پوری کرلی تو فرض ادا ہوگیا، امام کا بھی اور مسافر مقتدیوں کا بھی؛ (۳) لیکن وقت کے اندر اعادہ لازم ہے اور وقت گزرنے جانے کے بعد اعادہ لازم نہیں، (۴) اور جو مقتدی مقیم تھے، ان کی نماز نہیں ہوئی، ان کو بہرصورت اعادہ لازم ہے وقت باقی ہو، یا ختم ہوگیا ہو، (۵) اگر دو رکعت پر

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، أیضا: کتاب المسائل: ۱/۵۲۶

(۲) رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱/۱۳۰، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) فلو أتم مسافر إن قعد فی) القعدة الأولٰی تم فرضه و) لکنه (أساء) لو عامدًا لتأخیر السلام وترک واجب القصر وواجب تکبیرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض. (الدر المختار)

فی الرد تحت (قوله: لتاخیر السلام) ...إذا صلی خامسة بعد القعود الأخیر، یضم إلیها سادسة، ویسجد للسهو، لترکه السلام ...ومسألتنا نظیر الأولٰی لا الثانیة، أفاده الرحمتی. (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۸، سعید)

(۴) والوجوب مقید بما إذا کان الوقت صالحا حتی أن من علیه السهو فی صلاة الصبح إذا لم یسجد حتی طلعت الشمس بعد السلام الأول، سقط عنه السجود. (الفتاویٰ الهندیة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/۱۲۵، رشیدیة)

(۵) (قوله: لم یصر مقیما) فلو أتم المقیمون صلاتهم معه، فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، ظهیریة: أی إذا قصدوا متابعته". (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۰، سعید)

قعدہ نہیں کیا تو فرض ادا نہیں ہوا، نہ امام کا نہ مقتدیوں کا، دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۱۱-۵۱۲)

مسافر امام قعدۂ اولیٰ سے اٹھ کر جب تیسری رکعت ملالے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوگی، یا نہیں:

سوال: مسافر امامت کرد بعد از قعدۂ اولیٰ کہ درحق او مفروض است برخاست در رکعت ثالث بسجدہ مقید کرد نماز جماعت مقیمین فاسد گرد، و یانہ؟ و در ردالمحتار "باب المسافر تحت قوله: لم يصر مقيماً" تحریری کند:

"فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، ظهيرية، أي إذا قصدوا متابعته أما لو نووا مفارقته ووافقوه صورة فلا فساد أفاده الخير الرملي". (۱)

وأيضاً قال صاحب "رد المحتار" در "منحة الخالق" حاشية البحر الرائق، باب المسافر:

"قال الرملي: يجب تقييده بما إذا لم ينووا مفارقته أما إذا نووا مفارقته لاتفسد صلٰوتهم وإن وافقوه في الإتمام صورة إذ لامانع من صحة مفارقته بعد إتمام فرضه، الخ". (۲)

دریں صورت چہ حکم است؟

الجواب

یہ مسئلہ ایسا ہی ہے، جیسا ردالمحتار اور البحر الرائق میں منقول ہے، قید مذکور ضروری ہے۔ فقط

(یعنی پیروی کی نیت سے اگر مقیم پوری کرے گا، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۵۹-۴۶۰)

امام مسافر نے قصداً چار پڑھی تو مقتدی کی نماز نہیں ہوئی:

سوال: امام مسافر نے بالقصد چار رکعت ظہر پڑھی اور جانتا ہے کہ قصر کرنا چاہیے تو مقتدی کی نماز ہوئی، یا نہیں؟ مقتدی کو بعد ختم نماز علم ہوا کہ قصداً چار پڑھی ہیں تو مقتدی کیا کرے اور امام کا کیا حکم ہے، دونوں حنفی ہیں؟ بینوا توجرا۔

الجواب

مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی اور امام کا فرض ادا ہو گیا، اگر قاعدہ درمیانی کر لیا تھا؛ مگر تاخیر واجب کی وجہ سے بصورت نہ کرنے سجدۂ سہو کے اعادہ واجب ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۵۱)

---

(۱) (وإن لم يقعد، بطل فرضه) وصار الكل نفلاً. (الدر المختار على ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۸، سعيد)

(۲) ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۰، ظفير

(۳) (فلو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولىٰ تم فرضه و) لكنه أساء ... (ومازاد نفل) كمصلي الفجر أربعاً (وإن لم يقعد بطل فرضه). (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۸، دار الفكر بيروت، انيس)==

قصر نماز سے متعلق چند اہم مسائل:

سوال (۱) ایک شخص لکھنؤ کا رہنے والا جو کافی عرصے سے؛ یعنی دس پندرہ سال سے دہلی میں رہتا ہے۔اب وہ دہلی سے کلکتہ جاتا ہے، وہاں جا کر وہ قصر نماز پڑھتا ہے، چار پانچ روز کے بعد صرف ایک روز کے لیے دہلی آتا ہے تو کیا اس کو دہلی میں نماز قصر پڑھنی چاہیے۔

(۲) جس پر قصر نماز واجب ہے، وہ شخص امام کی موجودگی میں نماز پڑھا سکتا ہے، یا نہیں؟ جب کہ اس نے اعلان نہ کیا ہو کہ میں مسافر ہوں اور دو رکعت پڑھ کر اس نے دونوں جانب سلام پھیرا اور مقتدیوں نے بھی سلام پھیر دیا اور آپس میں بات چیت کرنے لگے کہ دو رکعت ہوئی ہیں۔امام نے کہا کہ تم اپنی دو رکعت پوری کرلو میں مسافر ہوں، اس نیت سے مقتدیوں کی نماز بغیر سجدۂ سہو کے ہوگئی، یا نہیں؟

(۳) امام جو مقیم تھا، اس سے نمازیوں نے پوچھا کہ ہم نے سجدۂ سہو نہیں کیا، نماز ادا ہوگئی، یا نہیں؟ تو مسافر امام نے کہا کہ نماز ہوگئی سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔

(۴) زید جو کہ دہلی کا رہنے والا ہے، وہ کسی کام کی وجہ سے سہارنپور جاتا ہے اور وہاں اس نے بالکل نماز نہیں پڑھی، واپس دہلی آکر وہ اتنے آیام کی نماز جو سفر میں گزرے قصر پڑھے گا، یا پوری ادا کرے گا؟

(المستفتی: ۲۷۹۵، غیاث الدین دہلی، ۲۷/ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ)

الجواب

(۱) دہلی میں اگر اس نے وطن اختیار نہیں کیا، جب ایک روز کے لیے دہلی آئے گا تو قصر پڑھے گا۔(۱)

== مقتدی جو مقیم ہوں، ان کی نماز اس لیے نہیں ہوئی کہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے درست نہیں اور صورت مسئولہ میں امام کی بقیہ دو رکعتیں نفل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

(۱) کیوں کہ وطن اقامت سفر شروع کرنے سے باطل ہوجاتا ہے۔

ووطن الإقامة يبطل بوطن الإقامة وبإنشاء السفر، هكذا في التبيين. (الهندية، الباب الخامس عشر صلاة المسافر: ۱/۱۴۲، ط: سعيد)

وَالْأَصْلُ أَنَّ الْوَطَنَ الْأَصْلِيَّ يَبْطُلُ بِالْوَطَنِ الْأَصْلِيِّ دُونَ وَطَنِ الْإِقَامَةِ، وَإِنْشَاءُ السَّفَرِ وَهُوَ أَنْ يَخْرُجَ قَاصِدًا مَكَانًا يَصِلُ إِلَيْهِ فِي مُدَّةِ السَّفَرِ لِأَنَّ الشَّيْءَ إِنَّمَا يَبْطُلُ بِمَا فَوْقَهُ أَوْ مَا يُسَاوِيهِ وَلَيْسَ فَوْقَهُ شَيْءٌ فَيَبْطُلُ بِمَا يُسَاوِيهِ، أَلَا تَرَى أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْهِجْرَةِ عَدَّ نَفْسَهُ بِمَكَّةَ مِنَ الْمُسَافِرِينَ وَقَالَ: أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ، وَأَمَّا وَطَنُ الْإِقَامَةِ فَلَهُ مَا يُسَاوِيهِ وَمَا هُوَ فَوْقَهُ فَيَبْطُلُ بِكُلٍّ مِنْهُمَا وَبِإِنْشَاءِ السَّفَرِ أَيْضًا لِأَنَّهُ ضِدُّهُ، فَإِنْ قِيلَ: فَهُوَ ضِدٌّ لِلْوَطَنِ الْأَصْلِيِّ أَيْضًا فَلَمْ لَمْ يُبْطِلْهُ؟ فَالْجَوَابُ: أَنَّهُ لَمْ يُبْطِلْهُ بِالْأَثَرِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – كَانَ يَخْرُجُ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى الْغَزَوَاتِ وَلَمْ يُنْتَقَضْ وَطَنُهُ بِالْمَدِينَةِ حَيْثُ لَمْ يُجَدِّدْ نِيَّةَ الْإِقَامَةِ بَعْدَ الرُّجُوعِ. (العناية شرح الهداية، باب صلاة المسافر: ۲/۴۴، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) جن مقتدیوں نے سلام کے بعد باتیں نہیں کیں اور اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرلیا، ان کی نماز ہوگئی اور جنھوں نے باتیں کرلیں، ان کی نماز نہیں ہوئی۔(۱)

(۳) اگر مقتدیوں نے امام کے سلام کے تلفظ کے بعد سلام پھیرا تو ان کو سجدۂ سہو کرنا واجب تھا۔(۲)

(۴) سفر کی نماز حضر میں دو رکعت قضا کی جائیں۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۳۷۸-۳۷۹)

☆ ☆ ☆

---

(۱) (ويفسدها التكلم) هو النطق بحرفين أو حرف مفهم، إلخ. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۱۳، ط: سعيد)

حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَتَقَارَبَا فِي لَفْظِ الْحَدِيثِ، قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: بَيْنَا أَنَا أُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ، فَقُلْتُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ، فَقُلْتُ: وَاثُكْلَ أُمِّيَاهُ، مَا شَأْنُكُمْ؟ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ، فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى أَفْخَاذِهِمْ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي لَكِنِّي سَكَتُّ، فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي، مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ، فَوَاللهِ، مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي، قَالَ: »إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ،أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ، وَقَدْ جَاءَ اللهُ بِالْإِسْلَامِ، وَإِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَأْتُونَ الْكُهَّانَ، قَالَ: »فَلَا تَأْتِهِمْ« قَالَ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُونَ، قَالَ: ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُونَهُ فِي صُدُورِهِمْ، فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ – قَالَ ابْنُ الصَّبَّاحِ: فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ –قَالَ قُلْتُ: وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّونَ، قَالَ: كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ، فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ،قَالَ: وَكَانَتْ لِي جَارِيَةٌ تَرْعَى غَنَمًا لِي قِبَلَ أُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ، فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا الذِّيبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِهَا، وَأَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي آدَمَ، آسَفُ كَمَا يَأْسَفُونَ، لَكِنِّي صَكَكْتُهَا صَكَّةً، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذَلِكَ عَلَيَّ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا أُعْتِقُهَا؟ قَالَ: ائْتِنِي بِهَا،فَأَتَيْتُهُ بِهَا،فَقَالَ لَهَا:أَيْنَ اللّٰهُ؟قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ، قَالَ:مَنْ أَنَا؟قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، قَالَ:أَعْتِقْهَا،فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ. (صحيح لمسلم، باب تحريم الكلام في الصلاة، رقم الحديث: ۵۳۷، انيس)

(۲) فاذا سلم الامام قام إلى القضاء فان سلم فإن كان عامداً فسدت، وإلالا، ولاسجود عليه إن سلم سهوًا قبل الإمام أو معه وإن سلم بعده لزمه لكونه منفردًا إلخ. (رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۲، ط: سعيد)

(۳) (والقضاء يحكى) أى يشابه (الأداء سفرًا وحضراً) لأنه بعدما تقرر لايتغير غير أن المريض يقضى فائتة الصحة فى مرضه بما قدر وفى الرد تحت (قوله سفراً وحضراً) أى لو فاتته صلاة السفر وقضاها فى الحضر يقيضيها مقصورة تامة. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۵، دار الفكر بيروت، انيس)

معذور اور مریض کی نماز کے مسائل

شرعی معذور کی تعریف اور عذر کا معیار:

سوال: میری عمر ۴۹ رسال ہے بیس سال کی عمر میں میں نے نماز شروع کی، جن دنوں میں نے نماز شروع کی وہ میری گوناگوں امراض و بیماری کا زمانہ تھا، اس وقت مجھ کو ایک تکلیف یہ بھی تھی کہ میری ریح نہیں ٹھہرتی تھی؛ یعنی تکلیف کم و بیش لگی رہتی تھی، جس کے متعلق علماء حضرات سے دریافت کیا ہوگا، میرے ذہن میں ہے کہ انہوں نے فرمایا ہوگا کہ تم ریح کے معذور ہو، تم ہر وقت میں وضو کرو، لہٰذا میں اس طرح کرتا رہا۔

اب سے ایک ماہ بیشتر ایسے ہی کرتا رہا ہوں اور جو میرے ذمہ چھ سالوں کی قضا نمازیں تھیں، وہ بھی اس طرح ادا کرتا رہا ہوں اور سردیوں میں موزے بھی وقت کے اندر پہن لیا کرتا تھا۔ ایک دن بہشتی زیور میری نظر سے گذری تو وہاں مولانا صاحب نے تحریر فرمایا تھا کہ معذور آدمی اس وقت موزہ پہنے، جب کہ طہارت کامل میں ہو تو پہنے تو پھر وہ مسح کرسکتا ہے اور میں تو یہ سمجھتا رہا ہوں کہ وقت کے اندر میں پاک ہوں، اس طرح مجھ سے غلطی ہوچکی ہے اور متواتر کئی سالوں سے ہورہی ہے، پھر میں نے اپنے عذر ریاح کی تحقیق کی تو اس میں یہ معلوم ہوا کہ میں یہ تکلیف طہارت سے نماز ادا کرسکتا ہوں؛ یعنی پریشانی تو ہوتی ہے؛ مگر جان روکنے سے نماز ادا ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ تقریباً ایک ماہ میں صرف دو تین دفعہ نمازوں میں دو، دو وضو کرنے پڑے۔ اب کتاب نور الایضاح وغیرہ جب دیکھی تو اس میں معذور کے متعلق جو حکم ہے کہ ''پہلی مرتبہ اس کو اتنا وقت نہ ملے کہ وہ نماز پڑھ سکے'' مگر میری یہ حالت نہ تھی، تکلیف تو تھی؛ مگر اتنی شدید نہ تھی؛ بجبر وہ تکلیف میں نماز ادا کرسکتا تھا۔۔۔ میں معذور ہوں، یا نہیں؟

الجواب

''معذور'' ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ابتدا میں عذر کی کیفیت یہ ہو کہ ایک نماز بھی طہارت کے ساتھ نہ پڑھی جاسکے اور جتنی دیر میں وضو کر کے ایک فرض نماز پڑھی جائے، اتنی دیر تک ریح نہ رک سکے، (۱) چوں کہ آپ کی یہ کیفیت

(۱) (وصاحب عذرمن به سلس) بول لایمکنه إمساكه (أواستطلاق بطن أوانفلات ريح أواستحاضة) ... (إن استوعب عذره تمام وقت صلوة مفروضة)بأن لايجد فى جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلى فيه خاليًا عن الحدث ولو حكمًا...(وحكمه الوضوء) ...(لكل فرض)...(ثم يصلى)به (فيه فرضاً أونفلاً) ... (فإذا خرج الوقت بطل).(الدر المختارت علٰى هامش رد المحتار، كتاب الطهارة،قبيل باب الأنجاس: ۱/۳۰۵_۳۰۶،دارالفكر بيروت،انيس)

نہ تھی جیسا کہ آپ نے بیان فرمایا ہے؛ اس لیے آپ پر معذور کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ اب آپ کو چاہیے کہ گزشتہ سالوں کی نمازیں جس حد تک آپ کو قدرت ہو، قضا کرتے رہیں، باقی کے لیے توبہ واستغفار بھی کریں اور وصیت بھی لکھ کر دیں کہ آپ کے بعد آپ کے ترکہ سے چھوٹی ہوئی نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے؛ تاکہ جو نمازیں بوجہ عذر قضا نہ کی جاسکیں، ان کی تلافی فدیہ کے ذریعہ ہو جائے۔(۱)

موزوں پر مسح کے بارے میں مسئلہ یاد رکھئے کہ آپ اگر معذور ہوتے، تب بھی ایک دن ایک رات تک مسح کرنا آپ کے لیے اس وقت جائز ہوتا، جب کہ آپ نے حقیقی وضو کر کے واقعۃً باوضو ہونے کی حالت میں پہنا ہوتا اور اگر کوئی معذور ریح خارج ہونے کے بعد موزے پہنے تو وہ صرف وقت ختم ہونے تک مسح کر سکتا ہے، اس کے بعد نہیں۔

فی الدرالمختار: ”معذور فإنه یمسح فی الوقت فقط إلا إذا توضأ ولبس علی الانقطاع الصحیح“. (۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عفی عنہ، ۲۵/۱/۱۳۸۸ھ (فتویٰ نمبر: ۱۹/۱۶۴، الف) الجواب صحیح: بندہ محمد شفیع عفا عنہ (فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۵۵)

معذور کب شمار ہوگا:

سوال: میرا وضو نہیں رہتا، میں نے اخبار میں معذور کا مسئلہ پڑھا تھا، میں اس کی تھوڑی سی وضاحت چاہتا ہوں، میرا وضو زیادہ تر ہوا کے خارج ہونے کی وجہ سے ٹوٹتا ہے اور کبھی زیادہ وقت بھی برقرار رہتا ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ نماز اور قرآن کے لیے کیا کروں؟

---

(۱) قرآن کریم میں روزوں کا فدیہ بیان فرمایا گیا ہے؛ یعنی جو لوگ روزے رکھنے کی بالکل طاقت نہ رکھتے ہوں، نہ آئندہ ایسی طاقت پیدا ہونے کی امید ہو، ان کے لیے قرآن کریم نے حکم دیا ہے کہ وہ ایک روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائیں؛ لیکن نماز کے لیے قرآن کریم، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ایسا کوئی حکم مذکور نہیں ہے، البتہ امام محمد نے فرمایا ہے: جس شخص کی نمازیں قضا ہوگئی ہوں اور وہ انہیں ادا نہ کر رہا ہو، اسے چاہیے کہ وہ یہ وصیت کر دے کہ اگر میں یہ نمازیں ادا نہ کر پایا اور اسی حالت میں میرا انتقال ہوگیا تو میرے ترکے سے ان نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے اور وہ فدیہ بھی روزے کے فدیہ کے حساب سے؛ یعنی ایک نماز کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا (یا پونے دو سیر گندم، یا اس کی قیمت کا صدقہ) ادا کیا جائے۔ امام محمد نے یہ حکم احتیاط کے طور پر دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر چہ نمازوں کے فدیہ کا ذکر قرآن وسنت میں نہیں ہے؛ مگر روزے پر قیاس کر کے یہ حکم نکالا گیا ہے، لہٰذا امید ہے کہ ان شاء اللہ اس طرح انسان کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔ (دیکھئے ردالمحتار: ۱/۵۴۱)

لیکن یاد رہے کہ یہ وصیت ترکے کے ایک تہائی حصے تک نافذ ہوگی؛ یعنی اگر روزوں، یا نماز کا کل فدیہ اس کے کل مال کا ایک تہائی، یا اس سے کم ہو، تب تو ورثا کے ذمے واجب ہوگا کہ وہ فدیہ ادا کریں، اگر فدیہ کی مقدار ایک تہائی سے بڑھ گئی تو زائد مقدار میں وصیت پر عمل کرنا ورثا کے ذمے لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے روزے یا نماز کے فدیہ کی وصیت نہ کی تو ورثا کے ذمے ضروری نہیں ہے کہ وہ یہ فدیہ ادا کریں، البتہ عاقل وبالغ ورثا اپنے حصے میں سے رضا کارانہ طور پر فدیہ ادا کریں تو ان کا احسان ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان شاء اللہ مرحوم کو معاف فرما دیں گے۔

(۲) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب المسح علی الخفین: ۱/ ۲۷۱، دار الفکر بیروت، انیس

الجواب

نماز سے پہلے جب وضوکروتو اچھی طرح اطمینان کرلو؛ تاکہ نماز وضو کے ساتھ پڑھ سکو، بہرحال تم معذور نہیں ہو۔(۱)
(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۵۷۹)

جس شخص کا کان مسلسل بہتا ہو، وہ معذور شمار ہوگا:

سوال: میرا داہنا کان خراب ہے، جو اکثر بہتا رہتا ہے۔ میں روئی سے اچھی طرح صاف کر کے وضو کر لیتا ہوں اور نماز ادا کرتا ہوں۔ بعض دفعہ نماز کے بعد اگر کان میں انگلی ڈالوں تو انگلی کو پانی لگ جاتا ہے، اگر میں وضو کے بعد کان میں روئی رکھ لوں تو نماز ہوجائے گی؟ اگر نماز کے بعد روئی نکالوں اور اس کے ساتھ پانی لگا ہو تو نماز ہوگئی، یا دوبارہ پڑھوں، اگر روئی نہ رکھوں اور نماز ادا کر چکنے کے بعد انگلی کے ساتھ پانی لگ جائے تو نماز ہوجائے گی، یا نہیں؟

الجواب

کان اگر بہتا ہے تو آپ معذور ہیں، کان میں روئی رکھ لیا کریں اور وقت کے اندر جتنی چاہیں، فرض ونفل نمازیں پڑھتے رہیں، جب نئی نماز کا وقت داخل ہوجائے تو نیا وضو کرلیا کریں۔(۲)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۵۸۷)

پاخانے کے راستے سے کیڑے گرنے والے کی نماز اوراعتکاف درست ہے:

سوال: میرے پیٹ میں کیڑے ہیں، جو قضائے حاجت کے علاوہ بھی پاخانے کی جگہ سے جھڑتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں کہ آیا میں پاک ہوں، یا نہیں؟ برائے کرم آپ نماز، کپڑے، غسل اور وضو کے احکام واضح فرمائیں، نیز کیا میں اعتکاف بیٹھ سکتا ہوں؟

الجواب

ایسے آدمی کی نماز تو نہیں ہونی چاہیے، باقی مجبوری کی وجہ سے نماز اس کی ہوجائے گی، اعتکاف کرنا بھی صحیح ہے۔(۳)
واللہ تعالیٰ اعلم (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۵۸۷)

---

(۱) (وصاحب عذر من بل سلس) ... (رإن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة)بأن لايجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث.(الدرالمختارعلى هامش رد المحتارقبيل باب الأنجاس: ۳۰۵/۱،دارالفكر بيروت،انيس)

(۲) (وصاحب عذر) ... (وحكمه الوضوء) ... (لكل فرض) ...(ثم يصلي) به (فيه فرضاً ونفلاً) ... (فإذا خرج الوقت بطل).(الدرالمختارعلى هامش ر د المحتار،قبيل باب الأنجاس:۳۰۵/۱-۳۰۶،دار الفكر بيروت

(۳) لايجوزبناء القوى على الضعيف ... والطاهربصاحب العذرللأصل المذكور.(الحلبي الكبير،بحث: لايصح الاقتداء به:۵۱۶)

حکم سیلان زخمے کہ از خود پیدا کردہ شود، یا مثل زخمے ہست کہ بآفت سماویہ پیدا شود:

سوال: بندہ کے کمر میں بہت درد ہے اور درد کی وجہ سے پیٹھ میں پیٹھ کی ہموار سطح سے چار انگشت چوڑا ایک انگشت اونچا بڑی انگلی سے ہو گیا ہے، حالاں کہ وہ پھنسی بھی نہیں ہے اور نہ پکتا ہے اور کمر کے درد کی وجہ سے ایک بھرا ہوا لوٹا بھی اٹھانے میں سخت تکلیف ہوتی ہے، لہذا ہمارے یہاں کے لوگ مرض درد کے واسطے یہ علاج کرتے ہیں کہ نیم کے درخت کی ایک گولی لے کر گھٹنے کے تین انگشت نیچے؛ یعنی پنڈلی کے اعلی حصہ میں کاٹ کر زخم کر کے اس میں نیم کا درخت کی گولی رکھ دی جاتی ہے، اس کے اوپر تین انگشت چوڑا اور دو ہاتھ لمبا ایک کپڑا لپیٹ کر باندھ دیتے ہیں، نیم کی گولی کم از کم ڈیڑھ سال تک رکھی جاتی ہے، اس سے زیادہ بھی رکھتے ہیں، اس زخم سے ہمیشہ پیپ پانی اور خراب چیزیں نکلتی ہیں، بعضوں کے بہت بدبو ہوتی ہے اور بعضوں کے بدبو کم ہوتی ہے، بعضے احتیاطاً دھودیتے ہیں اور بعض نہیں دھوتے؛ مگر بندہ کے بدبو کم ہے، پس ہمارے پڑوسیوں کو دو تین آدمیوں کے استعمال سے مرض درد میں شفا ہو گئی ہے، خدا کے حکم سے اگر کہیں بدن میں زخم ہو گیا ہے، اس سے پیپ خون پانی وغیرہ نکلنے سے صحت صلوٰۃ کے لیے قدر درہم تک معاف ہے، اگر بعد وضو بھی وہ خون پیپ وغیرہ نکلے، نماز کے پورے وقت تک وضو باقی رہتا ہے، پس اس صورت بالا میں یعنی خود کردہ زخم کے پیپ پانی وغیرہ کا کیا حکم ہوگا؟ بندہ نے چار ماہ ہوئے استعمال کیا ہے، درد میں کچھ تخفیف معلوم ہوتی ہے۔

الجواب

اگر اس زخم میں روئی رکھنے، یا اوپر سے پٹی باندھنے، یا اور کسی طرح وقت صلوٰۃ میں سیلان بند ہو سکے اور سہولت کے ساتھ بند ہو سکے تو ان طرق سے نماز کے وقت سیلان کو روکنا چاہیے اور اگر بسہولت سیلان کو نہ روک سکے تو پھر یہ شخص معذور ہے اور اس کے لیے معذورین کا حکم ہے، اس میں خود کردہ اور خدا کردہ زخم برابر ہے، خود کردہ زخم بھی خدا ہی کا کیا ہوا ہے، خصوصا جب کہ بضرورت علاج کیا گیا ہے۔

قال في مراقي الفلاح: وجرح لايرقأ ولايمكن حبسه بحشو من غير مشقة ولابجلوس ... وفي حاشية الطحطاوي: أما إذا كان يمكنه رده بجلوس في الفرض ونحوه وجب رده به وخرج عن أن يكون صاحب عذر، آه. (۱)

اور اس زخم سے جو ناپاکی نکلتی ہے، اگر وہ قدر درہم، یا اس سے کم ہو، تب تو عفو ہے اور زائد ہو تو دھونا واجب ہے، بشرطیکہ دھونا مفید ہو کہ دھونے کے بعد دیر تک ناپاکی نہ لگتی ہو اور اگر دھونا مفید نہ ہو تو پھر جب تک عذر باقی رہے، اس کا دھونا بھی عفو ہے۔

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ۱۴۹، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

قال فی حاشیة مراقی الفلاح:وفی البدائع:یجب غسل الزائد عن الدرهم إن کان مفیداً بأن لایصیبه مرة بعد أخریٰ حتیٰ لولم یغسل؛وصلیٰ لایجزیه وإن لم یکن مفیدا لایجب مادام العذر قائماً وهو اختیار مشایخنا،آه.(ص:٨٦)(۱)

۲۲؍رجب ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام:۲؍۳۳۰)

کیا آنکھ اور کان سے نکلنے والے پانی سے وضو ٹوٹتا ہے:

سوال: رسالہ ''رکن دین'' میں بحوالہ ''غایۃ الاوطار'' لکھا ہے کہ ''درد کے ساتھ آنکھ، ناک، کان سے جو پانی برآمد ہو، وہ ناقض وضو ہے''۔

اور فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۵ میں ہے کہ ''آنکھ سے درد کے ساتھ جو ڈھیڈ نکلتی ہے، وہ ناقض وضو نہیں ہے''۔

تو آیا ڈھیڈ کا معنی نجس پانی ہے، یا کوئی اور چیز؟

(المستفتی: محمد صغیر خاں میانجی، مقام اوسیا، ضلع غازی پور، ۱۳۴۲/۵/۱۹ھ)

الجواب

آنکھ کان سے نکلنے والی چیز اگر پانی سے مختلف ہے؛ یعنی پیپ، یا کچھ لہو ہے، تو بہر حال ناقض ہے، خواہ درد ہو، یا نہ ہو اور اگر پانی ہے، اس میں کوئی رنگ، یا بدبو نہیں ہے، پانی کی طرح صاف شفاف ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ پانی بیماری سے نکلا، یا درد کے ساتھ نکلا تو ناقض ہے اور اگر بیماری سے نہیں نکلا، یا درد نہیں ہے تو ناقض نہیں ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی:۹؍۴۳۵-۴۳۶)

معذور کی نماز کس طرح ہوتی ہے:

سوال: جناب میں پیشاب کی بیماری میں مبتلا ہوں، پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہوں، اور قرآن مجید بھی بلا ناغہ پڑھتا ہوں، مسئلہ یہ ہے کہ میں جب بھی پیشاب کر کے اٹھوں، یا استنجا کر کے اٹھوں، پیشاب کے قطرے کپڑوں میں گر جاتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں گیس ٹربل کا مریض بھی ہوں اور منٹ منٹ بعد مجھے گیس بھی خارج ہو جاتی ہے۔ میں نے نماز کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ نماز میں ریح کو روکنا نہیں چاہیے اور استنجا کرنے کے بعد بھی پیشاب

(۱) حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح،قبیل باب الأنجاس والطهارة منها،ص:١٥٠،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۲) (کما) لاینقض(لو خرج من أذنه)ونحوها کعینه وثدیه (قیح)ونحوه کصدید وماء سرة وعین (لابوجع، وإن)خرج (به)أی بوجع (نقض)؛لأنه دلیل الجرح فدمن بعینه رمد أوعمش ناقض فإن استمر صار ذا عمر والناس عنه غافلون. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار،بحث فی نواقض الوضوء:١/ ١٤٧ـ١٤٨،دار الفکر بیروت،انیس)

گر جائے تو نماز کی کیا صورت ہوگی؟ یہ نماز معذور کی نماز ہوگی، یا نہیں؟ بعض اوقات شیطان حملہ کرتا ہے کہ ایسی صورت میں نماز نہ پڑھا کروں؛ مگر میں نماز چھوڑنا نہیں چاہتا۔ ہر نماز میں تازہ وضو کرتا ہوں، جمعہ کو دو دفعہ وضو کرتا ہوں، میری اس پریشانی کو دور کرکے مشکور فرمائیں، مہربانی ہوگی؟

الجواب

نماز تو آپ نہ چھوڑیں، آپ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شرعاً معذور ہیں، ہر نماز کے وقت کے لیے ایک دفعہ وضو کر لینا کافی ہے، نماز کے لیے کپڑا الگ رکھا کریں، اگر وہ نماز کے دوران ناپاک ہو جائے تو بعد میں اتنا حصہ دھولیا کریں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۷۸/۳-۵۷۹)

ذہنی معذور نماز کس طرح ادا کرے:

سوال: بوجہ فالج اور ذہنی بیماری جس میں میرا آدھا ذہن مفلوج ہو گیا تھا، بحمد اللہ کسی حد تک ٹھیک ہو گیا ہے؛ لیکن اس نے میری یادداشت پر یہ اثر چھوڑا ہے، کبھی تو نماز بالترتیب قیام، رکوع، سجدہ اور متن کے ساتھ یاد رہتی ہے، جب پڑھنے لگتا ہوں تو نہ صرف متن گڈ مڈ ہو جاتا ہے؛ یعنی آیتیں آگے پیچھے ہو جاتی ہیں؛ بلکہ غلط یاد آتی ہیں۔ تمام وقت شک میں مبتلا رہتا ہوں کہ کچھ غلط پڑھ گیا ہوں۔ دوبارہ، سہ بارہ صحیح پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں؛ لیکن پڑھنے کے بعد یاد آتا ہے کہ صحیح نہیں تھیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ نماز پڑھوں؛ لیکن اس ڈر سے نہیں پڑھتا کہ غلط پڑھنے کے گناہ سے نہ پڑھنے کا گناہ میری معذوری ہے، کیا ارکان نماز؛ یعنی قیام، سجدہ رکوع بغیر کچھ پڑھے بھی ادا کئے جاسکتے ہیں؟

یہ بھی بتاؤں کہ بیماری کی وجہ سے نماز باجماعت سے مکمل معذور ہوں، گھر میں بیٹھ کر نماز کے ارکان ادا کر سکتا ہوں، پڑھ نہیں سکتا، ویسے لوگوں کو شریعت کے مسئلے اردو میں نماز کی طرف راغب (خواہ لالچ دے کر) اور نمازیوں کی پابندی کی تلقین کرتا رہتا ہوں، خود بھی نیک کام کرتا رہتا ہوں اور دوسروں کو بھی ان کاموں پر عمل کی تاکید کرتا ہوں، میرے لیے کیا مناسب ہے؟

الجواب

آپ ذہنی طور پر چوں کہ معذور ہیں؛ اس لیے جس طرح بھی بن پڑتی ہے، نماز پڑھتے رہیے اور تقدیم و تاخیر سے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک ممکن ہے توجہ سے پڑھنے کی کوشش کیجئے، بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۸۲/۳-۵۸۳)

---

(۱) (وصاحب عذر من به سلس) بول لا يمكنه إمساكه (أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة)... (إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة) بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث (ولو حكمًا). (الدر المختار على هامش رد المحتار، قبيل باب الأنجاس: ۳۰۵/۱، دار الفكر بيروت)

اعرج کی نماز کا طریقہ:

سوال: ایک شخص معذور ہے؛ یعنی اس کا داہنا پاؤں خراب ہے اور وہ ٹوٹ گیا ہے اور کھڑا ہوکر نماز پڑھنے پر قادر بھی ہے؛ لیکن جب کھڑا ہوتا ہے تو جو پاؤں ٹوٹا ہوا ہے، اس کا انگوٹھا ہلتا رہتا ہے، اس پر بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں، کوئی تو کہتا ہے: نماز ہوتی ہی نہیں اور کوئی کہتا ہے کہ اگر نماز میں انگوٹھا ہل جائے تو نماز پوری نہیں ہوتی؛ بلکہ ناقص رہتی ہے، لہذا ان لوگوں کا اعتراض اس معذور کے حق میں باوجود قدرت علی القیام ہونے کے اور ارادۂ حصول زیادتی ثواب کے یہ اعتراض صحیح ہے، یا نہیں؟ اور اس طرح نماز پڑھنے کی شریعت اجازت دیتی ہے، یا نہیں؟ اور اگر اس طرح نماز پڑھے تو پوری ہوتی ہے، یا ناقص رہتی ہے، باوجودیکہ معذور ہے؟ مفصل جواب شافی تحریر فرما کر ممنون فرمائیں؟

(احقر عبدالرزاق، ۲۸/ربیع الاول ۱۳۵۶ھ)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر بلا عذر نفل کے علاوہ پڑھنا جائز نہیں؛(۱) بلکہ کھڑے ہوکر پڑھنا ضروری ہے۔ ہاں! اگر کوئی عذر ہو کہ جس سے کھڑا نہ ہوسکتا ہو، یا کھڑا ہونے سے کوئی دشواری پیش آتی ہو، مثلاً کوئی زخم ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے وہ بند رہتا ہے اور قیام سے وہ جاری رہتا ہے، یا قیام سے وہ قرأت نہیں کرسکتا، یا سجدہ نہیں کرسکتا، وغیرہ وغیرہ تو ایسی حالت میں اس کو چاہیے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور صورت مسئولہ میں اس قسم کا کوئی عذر نہیں، لہذا شخص مذکور کو بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے۔

”ومنها القيام) ... (في مرض)... (لقادرعليه) وعلى السجود،فلوقدرعلى دون السجود ندب إيماؤه قاعداً وكذا من يسيل جرحه لوسجد وقد يتحتم القعود وكمن يسلس جرحه إذا قام،أويسلسل بوله أو يبدوربع عورته أويضعف عن القراء ة أصلاً“. (۲)

---

(۱) عن أم سلمة رضى الله عنها قال: ما مات رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتىٰ كان من أكثر صلا ته قاعدًا إلا الفريضة وكان أحب العمل إليه أدومه و إن قلّ“(سنن النسائى،باب صلاة القاعد فى النافلة: ۲۴۴/۱-۲۴۵،قديمى)

”ويجوزأن يتنفل القادرعلى القيام قاعدًا بلاكراهة فى الأصح،كذا فى مجمع البحرين“. الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلوٰة،الباب التاسع فى النوافل: ۱۱۴/۱،رشيدية)

(۲) الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلوٰة باب صفة الصلاة: ۴۴۴/۱-۴۴۵،سعيد)

”ويفترض(القيام) وهوركن متفق عليه فى الفرائض والواجبات،وحد القيام أن يكون بحيث إذا مد يديه، لاينال ركبته وقوله فى غيرالنفل،إلخ“(مراقى الفلاح)(على الحاشية،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة وأركانها، ص: ۲۲۴،دار الكتب العلمية،بيروت)

==

ہاں! اس کی رعایت ضرور رکھنی چاہیے کہ پیر کا انگوٹھا ملنے سے کسی دوسرے کو اذیت نہ ہو۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۳/۱۳۵۶ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/ربیع الاول ۱۳۵۶ھ۔

== "قوله: ويفترض (القيام) علىٰ قادر عليه وعلى الركوع والسجود، ولايفوت بقيامه شرط طهارة مثلا، ولاقدرة القراءة، فلوتعسر على القيام، أو قدر عليه وعجز عن السجود، لايلزمه، لكنه يخير في الثانية بين الايماء قائمًا أو قاعدًا، كما لو كان معه جرح يسيل إذا سجد، فإنه يخير كذلك ولو كان بحيث لوقام سلس بوله أولوقام ينكشف من العورة ما يمنع الصلاة أوبعجزعن القراءة حال القيام وفي القعود، لايحصل شئ من ذلك، يجب القعود". (حاشية الطحطاوی، باب شروط الصلاة وركانها، ص: ۲۲٤، قديمی)

مسئلہ: نماز کو کسی حالت میں نہ چھوڑے، جب تک کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی وقت رہے کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہے اور جب کھڑا نہ ہوا جائے تو بیٹھ کر نماز پڑھے بیٹھے بیٹھے رکوع کرلے اور رکوع کر کے دونوں سجدے کرے اور رکوع کے لیئے اتنا جھکے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہو جائے۔

مسئلہ: اگر رکوع وسجدہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہو تو رکوع سجدہ کو اشاروں سے ادا کرے اور سجدے کے لیے رکوع سے زیادہ جھک جایا کرے۔

مسئلہ: سجدہ کرنے کے لئے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اس پر سجدہ کرنا بہتر نہیں، جب سجدے کی قدرت نہ تو بس اشارہ کرلیا کرے۔

مسئلہ: اگر کھڑا ہونے کی قوت تو ہے؛ لیکن کھڑا ہونے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے، یا بیماری بڑھ جانے کا ڈر ہے، تب بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے۔

مسئلہ: اگر کھڑا تو ہوسکتا ہے؛ لیکن رکوع وسجدہ نہیں کرسکتا ہے تو چاہے کھڑا ہو کر پڑھے اور رکوع وسجدہ اشارے سے ادا کرے اور چاہے بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع وسجدہ کو اشارہ سے ادا کرے؛ لیکن بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے۔

مسئلہ: اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہیں رہی تو پیچھے کوئی گاؤ تکیہ وغیرہ لگا کر اس طرح لیٹ جائے کہ سر خوب اونچا رہے؛ بلکہ قریب قریب بیٹھنے کے رہے اور پاؤں قبلہ کی طرف پھیلا لے اور اگر کچھ طاقت ہو تو قبلہ کی طرف پیر نہ پھیلائے؛ بلکہ گھٹنے کھڑے رکھے پھر سر کے اشارے سے نماز پڑھے اور سجدہ کا اشارہ زیادہ نیچا کرے اور اگر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگا کر بھی اس طرح نہ لیٹ سکے کہ سر اور سینہ وغیرہ اونچا رہے تو قبلے کی طرف پیر کر کے بالکل چت لیٹ جائے؛ لیکن سر کے نیچے کوئی اونچا تکیہ رکھ دیں کہ منہ قبلہ کی طرف ہو جائے، آسمان کی طرف نہ رہے، پھر سر کے اشارے سے نماز پڑھے، رکوع کا اشارہ کم کرے اور سجدہ کا اشارہ زیادہ کرے۔

مسئلہ: اگر چت نہ لیٹے بلکہ دائیں یا بائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹے اور سر کے اشارے سے رکوع وسجدہ کرے یہ بھی جائز ہے، لیکن چت لیٹ کر پڑھنا زیادہ اچھا ہے۔

مسئلہ: اگر سر سے اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہیں تو نماز بالکل نہ پڑھے، پھر اگر ایک دن رات سے زیادہ یہی حالت رہے تو نماز بالکل معاف ، اچھے ہونے کے بعد قضا پڑھنا واجب نہیں ہے، اگر ایک دن رات سے زیادہ یہ حالت نہیں رہی؛ بلکہ ایک دن رات میں پھر اشارے سے پڑھنے کی طاقت آ گئی یو اشارے ہی سے ان کی قضا پڑھے اور ارادہ نہ کرے کہ جب بالکل اچھا ہو جاؤں گا، تب پڑھوں گا کہ شاید مر گیا تو گنہ گار مرے گا۔

مسئلہ: اسی طرح اچھا خاصا آدمی بے ہوش ہو جائے تو اگر بے ہوشی ایک دن رات سے زیادہ نہ ہو تو قضا واجب ہے اور اگر ایک دن رات سے زیادہ ہوگئی تو قضا پڑھنا واجب نہیں۔

مسئلہ: جب نماز شروع کی اس وقت بھلا چنگا تھا، پھر جب تھوڑی نماز پڑھ چکا تو نماز ہی میں کوئی ایسی رگ چڑھ گئی کہ کھڑا نہ ہوسکا تو باقی نماز بیٹھ کر پڑھے، اگر رکوع وسجدہ کرسکے تو کرے نہیں تو رکوع وسجدہ کو سر کے اشارے سے ادا کرے اور اگر ایسا حال ہوگیا کہ بیٹھنے کی بھی قدرت نہیں تو اسی طرح لیٹ کر باقی نماز کو پورا کرے۔ ==

قصداً اگر انگوٹھا ہلاتا رہتا ہے تو یہ مکروہ ہے اور اگر ٹانگ ٹوٹنے کی وجہ سے خود ہلتا رہتا ہے تو اس سے کوئی نقصان نماز میں نہیں ہوتا، جو لوگ کہتے ہیں کہ انگوٹھا ہل جانے سے نماز نہیں ہوتی، وہ غلط کہتے ہیں۔ (۱) فقط

رشید احمد غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۶۰-۵۶۲)

== **مسئلہ:** بیماری کی وجہ سے تھوڑی نماز بیٹھ کر پڑھی اور رکوع کی جگہ رکوع اور سجدہ کی جگہ سجدہ کیا، پھر نماز میں ہی اچھا ہو گیا تو اسی نماز کو کھڑا ہو کر پورا کرے۔

مسئلہ: اگر بیماری کی وجہ سے کور، سجدہ کی قوت نہ تھی؛ اس لیے سر کے اشارے سے رکوع سجدہ کیا، پھر جب نماز پڑھ چکا تو ایسا ہو گیا کہ اب رکوع کر سکتا ہے تو اب یہ نماز جاتی رہی، اس کو پورا نہ کرے؛ بلکہ پھر سے پڑھے۔

مسئلہ: فالج گرا اور ایسا بیمار ہو گیا کہ پانی سے استنجا نہیں کر سکتا تو کپڑے، یا ڈھیلے سے صاف کر لے اور اسی طرح نماز پڑھے، اگر خود تیمّم نہ کر سکے تو دوسرا کرا دے، اگر ڈھیلے، یا کپڑے سے بھی صاف کرنے کی طاقت نہیں ہے تو بھی نماز قضا نہ کرے، اسی طرح نماز پڑھے، کسی اور کو اس کے بدن کا دیکھنا اور صاف کرنا درست نہیں، نہ ماں باپ کو، نہ لڑکا لڑکی کو، البتہ بیوی کو اپنے میاں اور میاں کو اپنی بیوی کا بدن دیکھنا درست ہے، اس کے سوا اور کو درست نہیں۔

مسئلہ: تندرستی کے زمانے میں کچھ نمازیں قضا ہو گئیں تھیں، پھر بیمار ہو گیا تو بیماری کے زمانے میں جس طرح نماز پڑھنے کی قوت ہو، ان کی قضا پڑھے، یہ انتظار نہ کرے کہ جب کھڑا ہونے کی قوت آئے پڑھوں، یا جب بیٹھنے لگوں اور رکوع سجدہ کرنے کی قوت آئے، تب پڑھوں؛ بلکہ فوراً پڑھے، دیر نہ کرے۔

مسئلہ: اگر بیمار کا بستر نجس ہے اور اس کے بدلے میں بہت تکلیف ہوگی تو اسی پر نماز پڑھ لینا درست ہے۔

مسئلہ: حکیم نے کسی کی آنکھ بنائی اور ہلنے جلنے سے منع کر دیا تو لیٹے لیٹے نماز پڑھتا رہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص قرأت کے طویل ہونے کے سبب سے کھڑے کھڑے تھک جائے اور تکلیف ہونے لگے تو اس کسی دیوار، یا درخت، یا لکڑی وغیرہ سے تکیہ لگا لینا مکروہ نہیں، تراویح کی نماز میں ضعیف اور بوڑھے لوگوں کو اکثر اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ (دین کی باتیں از مولانا اشرف علی تھانوی، انیس)

(۱) **عن یحیی بن أبی کثیر مرسلاً: ''إن اللّٰہ تعالٰی کرہ لکم ستا: العبث فی الصلاۃ، المن فی الصدقۃ... والرفث فی الصیام، والضحک عند القبور''.**

''قال الشیخ العثمانی رحمہ اللّٰہ تعالٰی: قال الشیخ: ودلت الأحادیث علی کراھۃ مطلق العبث؛ لأنھم لم یفرقوا بین عبث وعبث، فثبت کلا الجزئین من الباب، قلت: ودلالۃ الحدیث الرابع: (أی حدیث یحیٰ ابن أبی کثیر) علٰی کراھۃ مطلق العبث ظاھرۃ''. (إعلاء السنن، أبواب مکروھات الصلوۃ: ۵/۱۰۷، إدارۃ القرآن، کراچی)

یکرہ للمصلی سبعۃ وسبعون شیئا ... (کعبثہ بثوبہ وبدنہ) لأنہ ینافی الخشوع الذی ھو روح الصلاۃ، فکان مکروھًا، لقولہ تعالٰی: ﴿قد أفلح المؤمنون الذین ھم فی صلا تھم خاشعون﴾. وقولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: ''إن اللّٰہ تعالٰی کرہ لکم العبث فی الصلاۃ ... الحدیث.'' ورآی علیہ الصلاۃ والسلام رجلاً یعبث بلحیتہ فی الصلاۃ، فقال: ''لوخشع قلبہ، لخشعت جوارحہ''. والعبث عمل لا فائدۃ فیہ ولا حکمۃ تقتضیہ، والمراد بالعبث ھنا فعل مالیس من أفعال الصلاۃ؛ لأنہ ینافیھا''. (مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی مکروھات الصلاۃ، ص: ۳۴۵، قدیمی)

نماز کب معاف ہوتی ہے:

سوال: نماز کب معاف ہوتی ہے؟

الجواب

جب انسان مرض کی وجہ سے بالکل ہوش وحواس سے عاری ہوجائے اوراسی حال پر چوبیس گھنٹے سے زیادہ گزر جائیں، یا اتنا کمزور ہوجائے کہ سر سے صرف اشارہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہواوراسی حال پر ایک رات دن سے زیادہ ہوجائے توان نمازوں کی قضا بھی اس کے ذمے نہیں ہوتی۔(۱)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی:۴۹۳/۳)

عبادات کس شخص سے معاف ہیں:

سوال: بزرگوں میں سے کسی بزرگ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ خداوند پاک نے ان سے اپنے فرائض اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے سنتیں ان کی تکالیف اور ضعیفی کی بنا پر معاف کردیا تھا۔ اگر جناب والا کی نظر سے کسی کتاب میں یہ واقعہ گزرا ہوتو تحریر فرماویں؟

الجواب　حامدًا و مصليًا

خصوصیت سے یہ واقعہ تو مجھے کسی کتاب میں دیکھنا یاد نہیں؛ لیکن مسئلہ صحیح ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اتنا بیمار اور ضعیف ہے کہ نہ وضو کرسکتا ہے، نہ تیمّم، نہ کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتا ہے، نہ بیٹھ کر، نہ لیٹ کر، نہ رکوع کرسکتا ہے، نہ اشارہ، نہ روزہ رکھ سکتا ہے، نہ حج کرسکتا ہے اوراسی حالت میں کچھ مدت تک زندہ رہ کر مرجائے تو یہ سب عبادتیں اس سے معاف ہیں، کوئی فدیہ، یا وصیت بھی واجب نہیں۔ کتب فقہ نورالایضاح وغیرہ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔(۲) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۱/۶ھ، الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۱/۶ھ، الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۱/۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۴۵/۷)

---

(۱) (وإن تعذر الإيماء) برأسه (وكثرت الفوائت) بأن زادت على يوم وليلة (سقط القضاء عنه) وعليه الفتوىٰ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المريض: ۹۹/۲، ط: سعيد)

(۲) "إذا مات المريض ولم يقدر على الصلاة بالايماء (لايلزمه الايصاء بها وإن قلت". (نور الايضاح، باب صلاة المريض، فصل في إسقاط الصلاة والصوم: ص: ۱۰٤، سعيد)

"إذا مات المريض ولم يقدر على اداء الصلاة بالايماء) برأسه (لايلزمه الايصاء بها وإن قلت) بنقصها عن صلاة يوم و ليلة لما روينا لعدم قدرته على القضاء بإدراك زمن له على قول من يفسر قبول العذر بجواز التاخير، ==

مجنون کی نماز:

سوال: مجنون کے ذمہ سے نماز ساقط ہوجاتی ہے، یا نہیں؟

== ومن فسره بالسقوط ظاهر،(وكذا) حكم (الصوم) في شهر رمضان (إن أفطرفيه المسافر والمريض،وماتا قبل الاقامة) للمسافر (و) قبل(الصحة) للمريض لعدم إدراكهما عدة من أيام أخر،فلايلزمهما الايصاء به". (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب صلاة المريض، فصل في إسقاط الصلاة والصوم،ص:٤٣٦-٤٣٧،قديمي)

عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال :"يصلي المريض قائما، فإن نالته مشقة صلى جالسا، فان نالته مشقة صلى بايماء يؤمي برأسه ، فان نالته مشقة سبح". كما ذكرنا في المقدمة، فالحديث حسن، وفيه دلالة على سقوط الصلوة عن المريض إذا لم يستطع الايماء بالرأس ،فإن قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"فإن نالته مشقة سبح" ورد في مقابلة قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"صلى بإيماء"فلايجوز إراده الصلاة به بل المراد به الذكر وحده، فدل على ان مثل هذا المريض لا صلاة عليه،بل يذكر الله بقلبه ولسانه،وليس الذكر بواجب عليه اجماعا فالأمر للندب كما قال علماء نا". (إعلاء السنن، أبواب صلاة المريض:١٩٨/٧،إدارة القرآن، كراتشي)

"وإذا عجز المريض عن الإيماء بالرأس في ظاهر الرواية، يسقط عنه فرض الصلوة، ولايعتبر الايماء بالعينين و الحاجبين إلخ"(الفتاویٰ الهندية،الباب الرابع عشر في صلاة المريض:١٣٧/١،رشيدية)

قیام پر قدرت ہوتو کھڑے ہوکر، ورنہ بیٹھ کر اور یہ بھی نہ ہوسکے تو مریض اشارے سے نماز ادا کرے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے:

''مریض کھڑے ہوکر نماز پڑھے گا، اگر کھڑے ہونے میں اس کو مشقت ہوتو بیٹھ کر پڑھے گا اور اگر اس میں بھی مشقت ہوتو سر کے اشارے سے نماز پڑھے گا''۔(عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه و سلم قال:"يصلي المريض قائماً فان نالته مشقة صلىٰ جالساً،فان نالته مشقة صلىٰ بايماء يؤمي برأسه". (رواه الطبراني في الأوسط،إعلاء السنن: ١٤٧/٧/ مجمع الزوائد: ١٥٢/٢، باب صلاة المريض،وقال الهيثمي:لم يروه عن ابن جريج الأحلس بن محمد الضبعي ولم أجد من ترجمه،وبقية رجاله ثقات،وفي اعلاء السنن:١٤٧/٧ :المستور من القرون الثلاثة مقبول.وأقول:ان حديث عمران بن حصين الآتي يؤيده ويقويه في الجملة فلا محالة أن هٰذا الحديث حسن،كما قال صاحب الاعلاء)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ان کے استفسار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کھڑے ہوکر نماز پڑھو اگر کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو، یہ بھی نہ کرسکو، تو کروٹ کے بل لیٹ کر پڑھو''۔(عن عمران بن حصين قال:"كانت بي بواسيرفسألت النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلاة فقال:صل قائماً فان لم تستطع فقاعداً فان لم تستطع فعلىٰ جنب". (رواه البخاري،جامع الأصول: ٣١٢/٥)(البخاري، تقصير الصلاة،باب إذا لم يطق قاعداً صلىٰ علىٰ جنب) (احکام نماز احادیث وآثار،ص:۳۳۷)

اگر لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہوتو نماز کا مطالبہ نہیں؛ بلکہ تسبیح وغیرہ پر اکتفا کی جائے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ مریض کو اگر سر کے اشارے سے نماز پڑھنے میں مقشت ہوتو وہ تسبیح پر (اکتفا) کرے۔(عن ابن عباس في حديثه المتقدم من قولهٖ صلى الله عليه وسلم :"فان نالته مشقة صلىٰ بايماء يؤمي برأسه فان نالته مشقة سبح". (رواه الطبراني في الأوسط) ملاحظہ ہو حدیث،ص:۴۹۳) ==

الجواب

اگر جنون طویل ہو اور ایک دن ورات سے زیادہ وقت اسی جنون کی حالت میں گذر جائے تو اس کے ذمہ سے نماز ساقط ہو جاتی ہے۔عنایہ میں ہے:

”وحد الامتداد فی الصلاۃ أن یزید علٰی یوم ولیلۃ وفی الصوم باستغراق الشھر وفی الزکٰوۃ باستغراق الحول“انتھی. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۴۰)

بیہوشی کے بعد ہوش آئے تو نمازوں کے لیے کیا کرے:

سوال: اگر کوئی شخص کثرت مرض کی وجہ سے چوبیس گھنٹہ تک بیہوش رہے، بعد اس کے کبھی کبھی جب ہوش میں

== لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں چت لیٹنا (قبلہ رخ پیر کے ساتھ) اور قبلہ رخ کروٹ کے بل لیٹنا دونوں درست ہے،افضل چت لیٹنا ہے اگر قدرت ہو۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ اگر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکو تو کروٹ کے بل پڑھو۔(ملاحظہ ہو حدیث،ص:۴۹۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:”مریض چت لیٹ کر اس طرح نماز پڑھے کہ اس کے پیر قبلہ جانب ہوں“۔(عن ابن عمر قال:”یصلی المریض مستلقیاً علٰی قفاہ تلی قدماہ القبلۃ“.(رواہ الدارقطنی،اعلاء السنن: ۱۷۲/۷)سنن الدارقطنی، الوتر،باب صلاۃ المریض ومن رعف بہ) وفی اعلاء السنن: رجالہ ثقات، وفی ھامش الدارقطنی لمجدی بن منصور : إسنادہ صحیح)(احکام نماز احادیث وآثار،ص:۳۳۷-۳۳۸)

اشارے سے نماز ادا کرنے میں اشارہ صرف سر سے کیا جائے گا آنکھ وغیرہ سے نہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ارشاد نبوی یہ آیا ہے کہ اگر بیٹھ کر (رکوع کے ساتھ نماز میں) مشقت ہو تو سر سے اشارہ کرکے نماز پڑھے۔(ملاحظہ ہو حدیث،ص:۴۹۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی عیادت کو تشریف لے گئے، میں بھی اس کے ساتھ تھا،آپ نے اس کو دیکھا کہ وہ نماز میں سجدہ ایک تکیہ پر کر رہا ہے تو اس کو منع کیا اور فرمایا:”اگر زمین پر سجدہ کر سکو تو کرو، ورنہ اشارے سے کام لو،اور سجدے کے اشارے کو رکوع سے زیادہ جھکاؤ“۔(عن جابر بن عبد اللّٰہ قال:”عاد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مریضاً وأنا معہ فرآہ یصلی ویسجد علٰی وسادۃ فنھانا وقال:”ان استطعت أن تسجد علی الأرض فاسجد والا فأوم ایماء واجعل السجود اخفض من الرکوع“.(رواہ البزاز،اعلاء السنن :۱۷۸/۷، مجمع الزوائد:۱۵۱/۲، باب صلاۃ المریض) وفیہ : رجالہ رجال الصحیح،ونسبہ الحافظ فی الدرایۃ (۲۰۹/۱) إلی الزار والبیھقی وقال:رجالہ ثقات)

اس حدیث کے مرفوعاً ثبوت میں کچھ کلام ہے؛مگر اعلاء السنن (۱۷۸/۷و۱۷۹) میں اس پر محققانہ کلام کیا گیا ہے کہ اس کا رفع ثابت وراجح ہے۔(احکام نماز احادیث وآثار ص۳۳۸)

(۱) وَإِذَا كَانَ الْمُسْقِطُ الْحَرَجَ لَزِمَ اخْتِلَافُ الِامْتِدَادِ الْمُسْقِطِ فَقُدِّرَ فِي الصَّلَاةِ بِالزِّيَادَةِ عَلَى يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ بِصَيْرُورَةِ الصَّلَاةِ سِتًّا وَهُوَ أَقْيَسُ لَكِنَّهُمَا أَقَامَا الْوَقْتَ مُقَامَ الْوَاجِبِ كَمَا فِي الْمُسْتَحَاضَةِ وَفِي الصَّوْمِ بِاسْتِغْرَاقِ الشَّهْرِ لَيْلِهِ وَنَهَارِهِ وَفِي الزَّكَاةِ بِاسْتِغْرَاقِ الْحَوْلِ.(البحر الرائق،فصل فی عوارض الفطر فی رمضان: ۳۱۳/۲، دار الکتاب الإسلامی بیروت،انیس)

آوے تو بجز اشارہ کے نماز نہیں پڑھ سکتا، آیا نماز فائتہ کی قضا آوے گی، یا نہیں؟ اگر قضا آوے گی تو حالت مذکورہ میں اشارہ سے پڑھ لیوے تو کافی ہوگی، یا نہیں؟ اور چوبیس گھنٹہ سے زائد بیہوش رہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

درمختار، صلوٰۃ المریض میں ہے:

(ومن جنّ أوأغمی علیہ)... (یوماً ولیلةً قضی الخمس وإن زاد وقت صلاة) سادسةٍ (لا) للحرج،إلخ. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ چوبیس گھنٹہ سے زیادہ بیہوش رہا اور چھ نمازیں، یا اس سے زیادہ قضا ہوگئیں تو قضا لازم نہ ہوگی، بصورت لزوم قضا اگر بحالت مرض فوت شدہ نمازوں کو اشارہ سے پڑھ لے گا تو نماز ادا ہو جائے گی۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۳۹/۴)

---

(۱) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب صلاة المریض: ۲۰۲/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر

(۲) وإن تعذر القعود أومأ بالرکوع والسجود مستلقیاً علٰی ظهره وجعل رجلیه إلی القبلة، إلخ. (الفتاویٰ الهندیة کشوری، الباب الرابع عشر فی صلاة المریض: ۱۳۶/۱، ظفیر)

سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ جھک کر ہوگا اور سجدہ کے لئے کوئی چیز اٹھا کر سر سے نہ لگائی جائے گی:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض کو تکیہ پر سجدہ کرتے دیکھا تو فرمایا: ’’زمین پر سجدہ نہ کر سکو تو اشارہ کرو اور رکوع سے زیادہ کرو‘‘۔ (ملاحظہ ہو حدیث، ص: ۴۹۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد نبوی نقل کیا ہے: ’’تم میں سے جو آدمی سجدہ کر سکے وہ سجدہ کرے اور جو سجدہ نہ کر سکے وہ کسی چیز کو اٹھائے نہیں کہ اس پر سجدہ کرے، بلکہ رکوع وسجدے کا اشارہ کرے‘‘۔ (عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال: قال رسو اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ’’من استطاع منکم أن یسجد فلیسجد ومن لم یستطع فلا یرفع الٰی جهته شیئاً یسجد علیه ولکن رکوعه وسجوده یأمی ایماء‘‘. (رواه الطبرانی، اعلاء السنن: ۱۷۸/۷) الطبرانی فی الأوسط، مجمع الزوائد: ۱۵۳/۲، باب صلاة المریض، وفیه رجاله موثقون لیس فیهم کلام یضر)

بلکہ متعدد روایات میں کسی چیز پر سجدہ کرنے پر نکیر اور اس کا الگ کرنا و پھینکنا نقل کیا گیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۵۱/۲۔ ۱۵۲، باب صلاة المریض روی ذلک مرفوعاً وموقوفاً بأسانید معتبرة)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں بیٹھنے کی ہیئت وکیفیت:

بیٹھ کر نماز پڑھنے والا- خواہ کسی عذر کی وجہ سے فرض ادا کرے- یا بغیر عذر کے کوئی نفل ادا کرے، اگر مجبوری کی حالت ہے تو جو ہیئت وکیفیت ممکن ہو وہ اختیار کرے، ورنہ اس کو اختیار ہے کہ قعدہ کی ہیئت پر رہ کر نماز ادا کرے یا چہار زانو (پالتی مار کر) بیٹھے، البتہ افضل یہ ہے کہ قیام وقراءت کے مرحلے میں پالتی و چہار زانو کی ہیئت پر رہے، اس کے بعد ہیئت بدل لے۔ حضرت ابن عمر، حضرت عباس، حضرت انس رضی اللہ عنہم نیز متعدد اکابر تابعین سے قولاً وفعلاً اسی انداز میں نماز میں پڑھنا نقل کیا گیا ہے اور ابراہیم نخعی وسالم بن عبداللہ، سعید بن جبیر، ابن سیرین رحمہم اللہ سے خصوصیت سے قیام وقرأت کے مرحلے میں یہی نقل کیا گیا ہے اور بعد کے مرحلے میں ہیئت کا بدلنا منقول ہے۔ ==

مریض زندگی میں نماز کا فدیہ ادا کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کسی شخص کی نماز جاتی رہے اور کمزوری کی وجہ سے ادا نہ کرسکے تو اس کا کفارہ ادا کردیا جائے تو ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

زندگی میں کفارہ ادا نہیں ہوسکتا، (۱) جس طرح ہو، قضا پڑھے، کھڑا نہ ہوسکتا ہے تو بیٹھ کر، یا لیٹ کر جس طرح قدرت ہو پڑھے۔ (۲) اگر کسی طرح بھی نہ پڑھا تو مرنے کے وقت وصیت لازم ہے، ایک ثلث ترکہ میں سے فدیہ دیا جائے گا۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۷/۱۳۵۹ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی) (فتاویٰ محمودیہ: ۵۶۶/۷-۵۶۷)

== اور صحابہ میں حضرت انس سے بھی یہی منقول ہے۔ (ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۲/۴-۳۲۶) مذکورہ حضرات میں بعض سے اس ہیئت پر انکار بھی آیا ہے، مجموعی روایات و آثار کا تقاضا ہو تو اس میں بھی حرج نہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بعض آثار سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے (بخاری وغیرہ میں صراحۃً قعدہ کے حال میں تربع پر انکار آیا ہے۔ (ملاحظہ ہو جامع الأصول: ۴۰۷/۵)

بلکہ حضرت ابن مسعود جن سے اس کا انکار مروی ہے، ان سے عبد الرزاق نے اس قسم کی بات نقل کی ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا تربعاً نہ بیٹھے، ہاں بیٹھ کر نماز پڑھنے والا تربعاً بیٹھے۔ (مجمع الزوائد: ۱۹۸/۱ بحوالہ طبرانی فی الکبیر)

مولانا ظفر احمد نے اعلاء السنن (۱۸۰/۷-۱۸۲) میں کافی تفصیل کی ہے؛ مگر ترجیح ظاہر روایت کو دی ہے کہ قعدہ کی ہیئت میں نماز پڑھی جائے، جب کہ خود انہوں نے ایک ترجیحی قول امام صاحب وصاحبین تینوں کا (بحوالہ امام طحاوی المعتصر من المختصر: ۳۳/۱) تربع نقل کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ تربع سے متعلق جس کثرت وصراحت سے روایات وآثار ہیں وہ دوسری کسی شکل سے متعلق نہیں ہیں؛ اس لیے اس کا جواز تو ہے، استحسان سے بھی راجح معلوم ہوتا ہے، ائمہ ثلاثہ کے یہاں بھی راجح یہی ہے کہ تربعاً نماز ادا کی جائے۔ (فتح الباری: ۵۵۶/۲) اور یہ توافق وموافقت مزید مؤکد ومرجح ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تربعاً (چار زانو) نماز پڑھنا نقل کیا ہے۔ (عـــن عـائشة قـالـت: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي متربعاً. (رواه النسائي-جامع الأصول: ٣١٤/٥) سنن النسائي، قيام الـلـيـل، بـاب كيف صلاة القاعد-ورواه الحاكم المستدرك: ٢٥٨/١-٢٧٥) وصـحـحـه ووافقه الذهبي ورواه ابن حبان وابن خـزيمة وغيرهم-كما في- اعلاء السنن: ١٨٠/٧) وفي اعلاء السنن: ١٨٠/٧، ١٨١: قـال النسائي: لا أحسب هٰذا الحديث إلا خـطـأ؛ لٰكـن الـروايـة عـن ابن خزيمة والبيهقي متابعة فظهر أن لا خطأ، كما قال الحافظ في التلخيص: ٨٥/١) كيف وقد صحح اسناده في المعتصر من المختصر من مشكل الآثار: ٤٣/١)

أقـول: وهـو عند ابن خزيمة: ١٣٦/٢، بـاب الـتـربـع في الصلاة إذا صـلّـى الـمـرء جالساً، وفي هامشه: ٢٣٦/٢، قال الألباني: إسناده صحيح، وراجع السنن الكبرىٰ للبيهقي: ٣٠٥/٢) (احکام نماز احادیث وآثار، ص: ۳۴۰-۳۴۱)

(۱) ولـو فـدى عـن صـلاتـه فـي مرضه، لايصح بخلاف الصوم. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ٧٤/٢، سعيد) ==

مرض کی وجہ سے شراب کی پٹی باندھی گئی، تو نماز کیسے ادا کرے:

سوال: ایک شخص کے پیر میں زخم ہوگیا ... ڈاکٹر نے شراب کا پھایا باندھ دیا اور تاکید کر دی کہ اس کو کھولا نہ جاوے تو وہ اس پٹی کے بندھے ہونے پر نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب

وہ اسی حالت میں نماز پڑھ لیوے، نماز اس کی درست ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۴۰/۴)

بیماری کی وجہ سے اگر جنابت کا غسل نہ کرسکا:

سوال: ایک شخص کو بخار کی حالت میں احتلام ہوجائے اور وہ کپڑا بدل کر استنجا کر کے غسل کے بدلے تیمّم کر لے اور نماز کے وقت وضو کر کے نماز ادا کر لے تو نماز ہوجائے گی، یا نہیں؟ یا تندرست ہو کر دوبارہ ادا کرنی ہوگی؟

(المستفتی: محمد صغیر خاں میانجی، مقام اوسیا ضلع غازی پور)

== وفی الیتیمة: سئل الحسن بن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن الفدیة عن الصلوات فی مرض الموت، ھل یجوز؟ فقال: لا ". (الفتاویٰ الھندیة، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱۲۵/۱، رشیدیة)

(۲) قوله (تعذرعليه القيام أوخاف زياده المرض، صلى قاعداً يركع ويسجد) لقوله تعالىٰ: ﴿الذين يذكرون الله قيامًا وقعودا وعلىٰ جنوبهم﴾ (سورة آل عمران: ۱۹۱)

"قال ابن مسعود وجابر وابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم: والآية نزلت فی الصلاة: أی (قيامًا) إن قدروا (وقعودا) إن عجزوا عنه، (وعلىٰ جنوبهم) إن عجزوا عن القعود، لحديث عمران بن حصين رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه اخرجه الجماعة إلا مسلمًا: "قال: كانت بی بواسير، فسالت النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ عليه وسلم فقال صلی اللّٰہ تعالیٰ عليه وسلم عن الصلاة فقال: "صل قائمًا فإن لم تستطع فقاعدًا فإن لم تستطع فعلى جنبک". زاد النسائی: فإن لم تستطع فمستلقيا ﴿لايكلف الله نفسًا إلا وسعها﴾. (البحر الرائق، باب صلاة المريض: ۱۹۸/۲، رشيدية)

(۳) أويحمل الحديث بما عليه من الفرائض والوجبات كالحج و الزكاة والكفارات والوصية بها واجبة عندنا" (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا: ۳۳۰/۷، سعيد)

(ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصىٰ بالكفارة، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر) كالفطرة (وكذا حكم الوتر) و الصوم، وإنما يعطى (من ثلث ماله). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲-۷۳، دار الفكر بيروت، انيس)

"قوله: (وعليه صلوات فائتة، إلخ): أی بأن كان يقدر علىٰ أدائها ولو بالايماء، فيلزمه الايصاء بها، وإلا فلايلزمه"... (قوله: وإنما يعطى من ثلث ماله): أی فلو زادت الوصية على الثلث، لايلزم الولی اخراج الزائد إلا بإجازة الورثة" (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب اسقاط الصلاة عن الميت: ۷۲/۲، سعيد)

الجواب

اگر بیماری کی وجہ سے غسل کرنے میں مضرت کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرلے اور نماز کے وقت وضو کرکے نماز پڑھنا جائز ہے اور نماز ہو جائے گی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۴۳۶/۹)

اگر پاؤں ٹخنے سے کٹا ہوا ہو تو مصنوعی پاؤں کو دھونا ضروری نہیں:

سوال: میں ایک پیر سے معذور ہوں، وہ ایک حادثے میں ضائع ہو گیا تھا، میں مصنوعی ٹانگ لگا کر دفتر جاتا ہوں، دفتر میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں پیر کو کھول کر وضو کروں اور کسی جگہ بیٹھ کر نماز ادا کرسکوں، ایسی صورت میں تیمّم کرکے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرسکتا ہوں؟ اکثر شادی کی تقریبات، یا کسی کی موت پر اگر جاؤں تو وہاں بھی یہی مشکل پیش ہوتی ہے کہ نماز کس طرح ادا کروں؟ اس لیے مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں، جس سے نماز ادا کرسکوں؟

الجواب

ٹخنے کے اوپر سے اگر پاؤں کٹا ہوا ہے تو مصنوعی پاؤں کھولنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ اس پاؤں کا دھونا ساقط ہو چکا ہے۔(۲) اگر آپ بیٹھ کر سجدہ کرسکتے ہیں تو کرسی پر بیٹھ کر اشارہ کافی نہیں اور اگر رکوع اور سجدہ دونوں اشارے سے ادا کرتے ہیں تو کرسی پر بیٹھ کر اشارہ کرنا بھی صحیح ہے۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۵۸۰/۳)

معذور شخص کا وضو اور نماز:

سوال: میرے دادا تقریباً نوے سال کے ہیں اور شکر کے مریض ہیں، پیشاب بہت زیادہ آتا ہے، کبھی کبھی یوں ہی پیشاب خارج ہو جاتا ہے اور طہارت لینے کا بڑا مسئلہ ہے؛ کیوں کہ بار بار جسم صاف کرنا دشوار ہے تو کیا اس حالت میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟ (محمد عبدالمجیب، خیریت آباد)

---

(۱) ولو كان يجد الماء إلا أنه مريض فخاف إن استعمل الماء اشتد مرضه تيمم ...ولو خاف الجنب إن اغتسل أن يقتله البرد أويمرضه تيمم بالصعيد. (الهداية، كتاب الطهارة، باب التيمم: ٤٩/١، ط: شركة علمية لاهور)

(۲) والثالث غسل الرجلين ويدخل الكعبان فى الغسل عند علمائنا الثلاثة والكعب هو العظم الناتى فى الساق الذى يكون فوق القدم كذا فى المحيط ولو قطعت يده أورجله فلم يبق من المرفق والكعب شىء سقط الغسل ولو بقى وجب، كذا فى البحر الرائق. (الفتاوىٰ الهندية: ٥/١، كتاب الطهارة، الباب الأول)

(۳) (إذا عجز المريض عن القيام صلّى قاعداً يركع ويسجد) ... (فإن لم يستطع الركوع والسجود أومیٰ إيماء يعنى قاعداً لأنه وسع مثله. (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ١٤١/١، ثاقب بكڈپو، ديوبند)

الجواب

ایسے اعذار کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی، البتہ شریعت میں اس طرح کے معذور لوگوں کے لیے خصوصی رعایت ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر پیشاب کے قطرات ٹپکتے ہوں، یا پیشاب کی اتنی کثرت ہو کہ وضو کر کے نماز پڑھنے کے بعد بھی پیشاب سے بچا رہنا دشوار ہو تو وہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کرلیں اور اسی حالت میں نماز ادا کرلیں، جب تک کہ نماز کا وقت نہ گزر جائے اور پیشاب کے علاوہ کوئی اور ناقض وضو پیش نہ آجائے، وہ باوضو سمجھے جائیں گے اور ان کا نماز وغیرہ پڑھنا درست ہوگا۔(۱)

جہاں تک کپڑے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر نماز سے پہلے کپڑا تبدیل کرلیں اور نماز کے مکمل ہونے تک اس کے پاک رہنے کا اطمینان ہو تو نماز کے لیے مستقل کپڑا رکھیں، اور اگر پیشاب کے قطرات آنے کا اتنا غلبہ ہو کہ اس سے بچتے ہوئے نماز کا پورا کرنا بھی دشوار ہو تو پھر اسی کپڑے میں نماز ادا کرسکتے ہیں۔

”ولو كان المحل الذى أصابه ذلك الدم بحالٍ لو غسله يتنجس قبل الفراغ من الصلاة ثانيًا جاز له أن لايغسل هذا هو المختار“. (۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۶۶-۴۶۷)

پیشاب کی بیماری اور نماز بھول جانے والے کی نمازوں کا حکم:

سوال: میرے مرحوم والد صاحب نماز کے پابند تھے، آخری وقت میں بھی سخت بیماری کی حالت میں بھی انہوں نے نماز ترک نہیں کی، لیکن آخری عمر میں ان کو پیشاب کی تکلیف رہی، جس کی بناء پر آپریشن کروانا پڑا، جس کی وجہ سے ہر وقت پیشاب آتا رہتا، جس سے ان کے کپڑے اور بستر تک بھیگے رہتے، مگر وہ نماز کے وقت وضو کر کے بستر پر لیٹے لیٹے نماز ادا کرتے، ایسی حالت میں نماز کی ادائیگی کیسی ہے، کبھی کبھی جب وہ سوتے ہوتے تو ہم ان کے آرام اور بیماری کی خاطر ان کو نہیں جگاتے تھے، جس سے ان کی نماز قضا ہو جاتی، جس کا علم ان کو نہیں ہوتا تھا، اور نہ ہی ہم ان کو بعد میں خبر کرتے، ہمارا یہ عمل کیسا تھا؟

الجواب

اس حالت میں بھی ان پر نماز فرض تھی اور وہ جس طرح ادا کرتے تھے، صحیح تھی۔آپ لوگوں نے جو نمازیں قضا

---

(۱) دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۱/۴۱، باب أحكام المريض، إلخ

المستحاضة ومن به سلس البول أو استطلاق البطن ... يتوضؤن لوقت كل صلاة ويصلون بذلك الوضوء فى الوقت ما شاؤا من الفرائض والنوافل ... لها أن تصلى بذلك ما لم يسل أو تحدث حدثاً آخر، كذا فى التبيين. (الفتاویٰ الهندية، الباب السادس فى الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع فى أحكام الحيض: ۱/۴۱، انیس)

(۲) الكبيرى، بحث فى نواقض الوضوء: ص: ۱۱۸، دار الكتاب، ديوبند، انیس

کرائیں، ان کی وجہ سے آپ گنہگا ہوئے، ان نمازوں کا فدیہ ادا کردیا جائے۔ دن کی وتر سمیت چھ نمازیں اور ہر نماز کا صدقہ فطر کے برابر فدیہ ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۸۶/۳)

معذور اگر فجر کی اذان سے پہلے وضو کرلے تو کیا نماز پڑھ سکتا ہے:

سوال: اگر کوئی شخص معذور کے حکم میں ہو؛ (یعنی) ہر نماز کے لیے اسے نیا وضو کرنا پڑتا ہو، اس صورت میں فجر کی نماز میں صبح صادق شروع ہونے کے بعد فجر کی اذان سے پہلے اگر وضو کرلے تو نماز ہوجائے گی، یا نہیں؟

الجواب

فجر کا وقت ہوجائے تو اس کا وضو کرنا صحیح ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۷۹/۳)

بادی بواسیر والا ہر نماز کے لیے وضو کرلیا کرے:

سوال: بعض لوگوں کو بادی بواسیر کی شکایت ہوتی ہے اور باوضو ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو بے وضو محسوس کرتے ہیں؛ یعنی اگر وہ وضو بھی کریں تو پاخانے کے مقام پر وہ یوں محسوس کرتے ہیں، جیسے مقام پاخانے پر کیڑے وغیرہ حرکت کرتے ہوں، یا یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہوا خارج ہورہی ہے اور بعض اوقات یوں محسوس کرتے ہیں کہ گرمائش کی وجہ سے، یا پاخانے کے مقام پر پسینہ ہو، وہ یہ حالات ہمیشہ، یا بعض اوقات کبھی کبھار محسوس کرتے ہیں، لہٰذا تحریر کریں کہ اس کا وضو کیسے قائم رہ سکتا ہے اور کب تک، یا یہ صرف وہم ہے اور اس کی طرف توجہ نہ دی جائے؟

الجواب

یہ شخص ہر نماز کے لیے وضو کرلیا کرے۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۸۸/۳)

وضو اور تیمّم نہ کرسکے تو نماز اور تلاوت کیسے کرے:

سوال: میں نے آپ کے کالم میں پڑھا تھا کہ بغیر وضو کے قرآن پاک کو چھونا جائز نہیں؛ لیکن میں تو وضو کرہی نہیں سکتا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معذور کرکے چارپائی پر بٹھا دیا ہے، مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں چارپائی سے

---

(۱) (وفدية كل صلاة ولو وتراً) كما مر في قضاء الفوائت (كصوم يوم) على المذهب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۲۶/۲، أيضاً: ۷۳/۲، دار الفكر بيروت)

(۲) (حكمه الوضوء لكل فرض) ... (اللام للوقت كما في -لدلوك الشمس- قوله اللام للوقت أي فالمعنى لوقت كل صلاة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۰۶/۱، مطلب في أحكام المعذور، أيضا: ۳۰۵-۳۰۶، ط: أيم سعيد)

(۳) (وصاحب عذر) ... (وحكمه الوضوء) ... (لكل فرض) ... (ثم يصلي) به (فيه فرضاً ونفلاً). (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الطهارة: ۳۰۵/۱)

نیچے اُتر سکوں، مجھے ماں ہی نہلاتی ہے اور وہی پیشاب کرواتی ہے، مجھے قرآن پاک کی تلاوت کا بہت شوق ہے تو کیا میں بغیر وضو کے قرآن مجید کو چھو سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگر تم نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کے پڑھو اور اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے ہو تو لیٹ کر پڑھو؛ مگر میں تو نہ تیمّم کر سکتا ہوں، نہ وضو، نماز کس طرح پڑھوں؟ اگر بغیر وضو کے نماز پڑھی جا سکتی ہے تو آپ مجھے بتائیں؟

الجواب

کوئی دوسرا آدمی آپ کو وضو کرا دیا کرے،(۱) اور قرآن پاک کی تلاوت آپ بغیر وضو بھی کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے اوراق کسی کپڑے وغیرہ کے ساتھ الٹ لیا کریں۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۷۸/۳)

وضو، یا تیمّم کی طاقت نہ ہو تو نماز فرض ہے، یا نہیں:

سوال (۱) مریض میں اتنی قوت نہیں کہ خود وضو، یا تیمّم کر سکے تو اس پر نماز واجب ہے، یا نہیں؟

بعض وقت معاون موجود ہو اور بعض وقت نہیں تو کیا کرے:

(۲)　اس مریض کو بعض وقت کوئی تیمّم کرانے والا موجود ہوتا ہے اور بعض وقت نہیں تو اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

جب مریض میں قبلہ رخ ہونے کی طاقت نہ ہو کیا کرے:

(۳)　مریض خود قبلہ رخ نہیں ہو سکتا اور کوئی اس کے پاس بھی نہیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱-۳)　ان صورتوں میں دوسرے شخص سے اعانت وضو، یا تیمّم وغیرہ میں لے اور بلا وضو و تیمّم کے اور بلا استقبال قبلہ کے نماز نہ پڑھے اور نماز ان صورتوں میں ساقط نہیں ہوئی، جس طرح اور جس وقت میسر ہو، ادا یا قضا اس نماز کو پڑھے۔(۳)

(۱)　(وعدم بغيره)إلا لعذر،وأما استعانته عليه الصلاة والسلام بالمغيرة:فلتعليم الجواز.(الدر المختار)

وفي الشامية:وظاهر مافي شرح المنية انه لا كراهة اصلاً إذا كانت بطيب قلب ومحبة من المعين من غير تكليف من المتوضئ وعليه مشى في هدية ابن العماد.(ردالمحتار:۱۲۶/۱،مطلب في مباحث الإستعانة في الوضوء بالغير)

(۲)　المحدث إذا كان يقرأ القرآن بتقليب الأوراق بقلم أو سكين لا بأس به،كذا في الغرائب.(الفتاوىٰ الهندية:۲۱۷/۵،انيس)

ولا يجوز للمحدث والجنب مس المصحف إلا بغلافة.(الإختيار لتعليل المختار:۱۳/۱)

(۳)　نماز کے لیے چوں کہ وضو، یا تیمّم ضروری ہے، خواہ خود کرے، یا دوسروں کے ذریعہ۔　==

استقبال قبلہ بھی شرط ہے؛ مگر فقہا نے صراحت کی ہے کہ عاجز کے لیے جس جہت پر قدرت ہو، وہی کافی ہے۔

”ومريض صاحب فراش لايمكنه أن يحول وجهه وليس بحضرته أحد يوجهه يجزيه صلاته إلى حيثما شاء“، إلخ. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۳۵-۴۳۶)

معذور آدمی کا اپنے گھر پر جماعت کرنا:

سوال: میں اپنے مکان پر قرآن شریف سنا رہا ہوں اور عشاء کی فرض نماز باجماعت مکان پر پڑھتا ہوں، بوجہ سو سالہ ضعیفی کے کہ رات کے وقت سب کے ساتھ مسجد میں فرض نماز ادا نہیں کرسکتا؛ اس لیے ہم اپنے مکان پر ہی جماعت سے عشا کی نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اس میں کوئی اشکال تو نہیں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

معذوری کی وجہ سے آپ مسجد نہیں جاسکتے اور مکان پر ایک دو آدمی کو ساتھ لے کر جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں تو آپ کے لیے اس کی گنجائش ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۹/۱۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۶۵-۵۶۶)

== (أماالشرائط) المجمع عليها (فستة) ... (الطهارة من الحدث) ... (أماالطهارة من الحدث) قدمها لكونها أهم الشروط وآكدها حتى أنها لاتسقط بحال ولايجوز الصلاة بدونها أصلاً بخلاف غيرها من الشروط. (غنية المستملي، بحث في شرائط الصلاة، ص: ۱۳)

(۱) الفتاوىٰ الهندية كشوري، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۳، ظفير

ولو أن مريضا صاحب فراش لايمكن أن يحول وجهه وليس يحضر به أحد يوجهه تجريه صلاته إلى جهة ما توجه. (المحيط البرهاني، الفصل الرابع في فرائض الصلاة وسننها: ۱/۲۸۵، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: من سمع النداء فلم يمنعه من اتباعه عذر“. قالوا: وما العذر؟ قال: ”خوف أو مرض، لم يقبل منه الصلاة التي صلى“.

قال العلامة العثماني تحت هٰذا الحديث: ”قلت: كون الشيخ الكبير العاجز ملحقا بالمريض ظاهر لا يخفى“. (إعلاء السنن، أبواب الإمامة: ۴/۲۰۴، إدارة القرآن، كراتشي)

(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) ... (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج). (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الامامة: ۱/۵۵۲-۵۵۴، دار الفكر بيروت، انيس)

”قوله: (من غير حرج)... وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من اعذارها وكانت نيته حضورها لو لا العذر، يحصل له ثوابها، والظاهر أن المراد به العذر: المانع كالمرض والشيخوخة“. (ردالمحتار، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۵۵۴، سعيد)

”وتسقط الجماعة بالأعذار حتىٰ لا تجب على المريض... الشيخ الكبير العاجز“. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة: ۱/۸۳، رشيديه)

معذور کے لیے صف کے کنارہ پر ہونا ضروری نہیں:

سوال: اگر کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا اتفاق ہو تو اس صورت میں جماعت کے ساتھ صف کے درمیان بیٹھ کر نماز ادا کرنی زیادہ بہتر ہے، یا صف کے بیچ میں جگہ چھوڑ کر بالکل آخر صف کے کنارے پر بیٹھ کر پڑھنا اولیٰ ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

کنارہ پر ہونا ضروری نہیں درمیان صف میں بیٹھ کر بھی معذور آدمی نماز پڑھ سکتا ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۸/۳۰۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۶۴-۵۶۵)

مریض پر نماز کیوں معاف نہیں، جب کہ سرکاری ڈیوٹی سے ریٹائرڈ ہونے والے کو پنشن ملتی ہے:

سوال: ایک شبہ کا جدید ذہن کے مطابق جواب دینا ضروری ہے، مثلاً ایک صاحب کہتے ہیں کہ گورنمنٹ سرکار کا کوئی ملازم معذور ہو جائے تو اس کا سرکار کی جانب سے معاوضہ ملتا ہے اور ریٹائر ہو جائے تو پنشن ملتی ہے، یہ عجیب قانونِ خداوندی ہے کہ مریض کی نماز معاف نہیں اور معذور کو فدیہ کا حکم بھی ملتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

قانونِ خداوندی صحیح ہے، سائل کو معذور کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، نماز کے بارے میں قانون یہ ہے کہ جو

---

(۱) کنارے پر ہونے کی صورت میں، صف میں لوگ کم ہونے کی صورت میں خلل آئے گا، جب کہ صف کے خلا کا پر کرنا سنت مؤکدہ ہے، نیز درمیان صف میں خلا چھوڑ کر کنارہ پر نماز پڑھنے پر احادیث میں وعیدیں وارد ہوئی ہیں:

”عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما: أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قال:”من وصل صفا وصلہ اللّٰہ ومن قطع صفا قطعہ اللّٰہ عزوجل“(سنن النسائی، کتاب الإمامة،من وصل صفا: ۱/۱۳۱،قدیمی)

قال الشیخ العثمانی رحمہ اللّٰہ تعالٰی تحت ھٰذا الحدیث: ”وظاھر المذھب أن ”وصل الصف“بمعنی اکمال الأول فالأول سنة مؤکدة ،”وقطعہ“ بمعنی القیام فی صف خلف صف فیہ فرجة مکروہ“.(إعلاء السنن ،أبواب الإمامة،باب سنیة تسویة الصفوف،الخ: ۴/۳۵۶،إدارة القرآن، کراچی)

(ویصف الرجال)... وقال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم:”أقیموا الصفوف، وحاذوا بین المناکب، وسدوا الخلل، ولینوا بأیدیکم إخوانکم، لا یذروا فرجات للشیطان، من وصل صفا وصلہ اللّٰہ، ومن قطع قطعہ اللّٰہ “.(مراقی الفلاح علٰی حاشیة الطحطاوی،باب من ھو أحق بالاماماة،ص: ۳۰۶،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس).

”قولہ (وسدوا الخلل):أی الفرج. روی البزار بإسناد حسن عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:”من سد فرجة فی الصف،غفرلہ .... قولہ:”ومن قطع قطعہ اللّٰہ“المراد من قطع الصف کما فی المناوی أن یکون فیہ،فیخرج لغیر حاجة أو یأتی إلٰی صف ویترک بینہ وبین من فی الصف فرجة“.(حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة،باب من ھو أحق بالإمامة، ص: ۳۰۶-۳۰۷،قدیمی)

شخص کھڑا نہ ہوسکتا ہو، وہ بیٹھ کر پڑھے اور جو بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو، وہ سر کے اشارے سے پڑھے اور جو اشارہ بھی نہ کرسکتا ہو، وہ معذور ہے،(۱) اور اگر اس معذوری میں مرگیا تو اس کو آدھی پنشن نہیں ملے گی؛ بلکہ پوری تنخواہ ملے گی۔

اور روزے کے بارے میں یہ قانون ہے کہ جو شخص روزے پر قادر ہو، وہ روزہ رکھے اور جو روزے پر قادر نہ ہو، وہ اس کا بدل (فدیہ) ادا کردے،(۲) اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو وہ معذور ہے، اس سے مواخذہ نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کو پورا ثواب ملے گا۔(۳) سائل کی غلطی یہ ہے کہ اس نے مطلق مریض کو معذور سمجھ لیا، حالاں کہ مطلق مریض کسی گورنمنٹ کے قانون میں بھی معذور نہیں، معذور وہ ہے، جو تمام تر رعایتوں کے باوجود کام کرنے پر قادر نہ ہو اور قانونِ خداوندی میں معذور کو آدھی پنشن نہیں دی جاتی؛ بلکہ معذوری کے ایام کا پورا اجر وثواب دیا جاتا ہے۔(۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۱۹۴-۱۹۵)

جو اشارہ کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو، اس سے نماز معاف ہے:

سوال: اگر کوئی شخص بیمار ہو اور وہ نماز کے عوض میں فدیہ دے دے تو اس کی نماز معاف ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ جواب وضاحت سے تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر ہوش قائم ہو اور اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے تو پڑھ لیا کرے، ورنہ نماز معاف ہے۔

”وإن عجز المريض عن الإيماء بالرأس في ظاهر الرواية يسقط عنه فرض الصلاة ولايعتبر الإيماء بالعينين“. (۵) فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ غفر لہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان (خیر الفتاویٰ:۲/۲۷۱)

---

(۱) وإن عجز المريض عن القيام ... يصلّي قاعداً يركع ويسجد ... فإن لم يستطع الركوع والسجود ... أومٰى برأسه ... فإن لم يستطع الإيماء برأسه لا قاعداً ولا مستقيماً ولا مضطجعًا أخرت الصلاة.(الحلبي الكبير،ص:٢٦١، الثاني القيام،ط:سهيل اكادمي لاهور)

(۲) والشيخ الفاني الذي لا يقدرعلى الصيام يفطرويطعم لكلّ يوم مسكينًا كما يطعم في الكفارات.(الهداية، كتاب الصلاة:٢٠٢/١،باب ما يوجب القضاء والكفارة)

(۳) لونذرصوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة له أن يفطر ويطعم؛لأنه استيقن أن لا يقدر علىٰ قضائه فإن لم يقدرعلى الإطعام لعسرته يستغفر الله ويستقبله.(فتح القدير،كتاب الصوم،فصل في العوارض:٣٦٢/٢، دار الكتب العلمية،انيس)

(۴) عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس من عمل يوم إلاّ وهو يختم فإذا مرض المؤمن قالت الملائكة: يا ربّنا! عبدک فلان قد حبسته،فيقول الرب تعالى:اختموا له علىٰ مثل عمله حتى يبرأ أو يموت.(المستدرک للحاكم:٣٠٩/٤،كتاب الرقاق،رقم الحديث:٧٨٥٥)

(۵) الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض:١٣٧/١

ایسے وقت نماز چھوڑنے کا جواز، جب کہ اشارہ سے نماز مضر ہو اور طبیب نے منع کر رکھا ہو:

سوال: ایک آنکھ میں پانی اتر رہا ہے بنوانے کی حضور نے اجازت دی لیکن سنا ہے کہ تین دن ہسپتال میں چت لٹا یا جاتا ہے اور کسی طرح کی حرکت کا حکم نہیں ہوتا ہے فقط دودھ ملتا ہے تو نماز کے بارے میں حضور کا کیا حکم ہے؟

الجواب

فی الدرالمختار: (وإن تعذرالإیماء) برأسه (وکثرت الفوائت) بأن زادت علیٰ یوم ولیلة (سقط القضاء عنه) وإن کان یفهم فی ظاهرالروایة.(۱)

فی ردالمحتار: وقیل لایسقط القضاء بل تؤخرعنه إذاکان یعقل وصححه فی الهدایة.(۲)

وفی الدرالمختار: (ولم یؤم بعینه وقلبه وحاجبه) خلافا لزفر... أمره الطبیب بالاستلقاء لبزغ الماء من عینه صلیٰ بالإیماء لأن حرمة الأعضاء کحرمة النفس،وفی نفع المفتی والسائل: فلوکانت امرأة لواشتغلت بالصلاة یبکی ولدها بالجوع ویضرعلیه ضررًا غالبًا وإن أرضعته یفوت الوقت جازلها أن ترضعه وتؤخرالصلاة سی أی سیف سائلی شم أی شرف الأئمة المکی کذا فی القنیة باب من یبتلی بأمرین یختارأهونهما.(۳)

ان روایات سے مستفاد ہوا کہ اگر اشارۂ سر سے نماز پڑھنا مضر نہ ہو تو اشارہ سے پڑھنا واجب ہے اور اگر اشارہ بھی مضر ہو تو نماز کو قضا کر دینا بھی جائز ہے۔

۱۰؍محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۷) (امدادالفتاویٰ:۱/۵۵۲)

آنکھ بنوانے کی حالت میں نماز کس طرح پڑھے، جب کہ طبیب ہلنے کی اجازت نہیں دیتے:

سوال: آنکھ بنوانے کی صورت میں ممانعت طبیب کی وجہ سے وقت معینہ تک نماز کو مؤخر کرے یا ایماء کرے۔ اگر ایماء کرسکتا ہے تو کیسے، آیا زنخداں کو سینہ کی طرف خفیف مائل کرے اور سجدہ کے اشارہ میں اس سے کچھ اور زیادہ اور تکیہ سر کے نیچے کیسا ہونا چاہئے۔ بعض عبارات سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایماء کے واسطے شبیہ بالقعود ہونا چاہئے اور استلقاء بظاہر ایسے چت لیٹنے کو کہتے ہیں کہ تمام جسم بستر سے ملا ہوا ہو؟

الجواب

آنکھ بنوانے کی صورت میں بعد ممانعت طبیب اشارہ سے نماز پڑھے، مؤخر کرنا درست نہیں اور اگر مؤخر کی تو

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار،باب صلاة المریض:۲/۹۹،دار الفکر بیروت،انیس

(۲) رد المحتار،باب صلاة المریض:۲/۹۹،دار الفکر بیروت،انیس

(۳) الدرالمختارمع ردالمحتار،باب صلاة المریض:۲/۱۰۳،دارالفکر بیروت،انیس

استغفار کرے اور نماز کی قضا کرے اور اشارہ سے نماز پڑھنے کی صورت یہ ہے کہ چت لیٹے اور سر کے نیچے تکیہ رکھ لے، جیسا بھی تکیہ ہو، موٹا یا پتلا؛ لیکن اگر بڑے تکیہ کی اجازت طبیب دیوے تو یہ اچھا ہے کہ اس میں اشارہ رکوع وسجود کا اچھی طرح اور آسانی سے ہوگا اور اشارہ رکوع کا تھوڑا سا سر کو سینہ کی طرف جھکانے سے ادا ہو جائے گا اور سجدہ کا اشارہ اس سے کچھ زیادہ ہو۔ شامی میں اشارہ رکوع وسجود کی یہ تشریح کی ہے:

''أشار إلٰی أنه یکفیه أدنی الانحناء عن الرکوع''.(۱)

اور درمختار میں ہے: ''ویجعل سجوده أخفض من رکوعه''.(۲)

اس کا حاصل یہ ہے کہ رکوع کے لیے تھوڑا سا سر کا جھکانا کافی ہے اور سجدہ کے لیے اس سے کچھ زیادہ ہو، اگر کسی کو کچھ شبہ رہے تو اس نماز، یا ان نمازوں کا پھر اعادہ کرے، جن میں شبہ رہا، اشارہ میں سر کا کسی قدر حرکت دینا ضروری ہے، محض زنخداں کو سینہ کی طرف مائل کرنا کافی نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۱/۱-۲۹۲)

آنکھ بنوانے کی حالت میں نماز کس طرح ادا کی جائے:

سوال: آنکھ بنوانے کی حالت میں نماز کے متعلق مدرسہ سنبھل کے مدرسین میں باہمِ اختلاف ہوا، ایک کی رائے یہ ہے کہ ایما جائز ہی نہیں، جب تک شبیہ بالقعود نہ ہو، دوسرے کی رائے یہ ہوئی کہ بحالت استلقا ایما اس طور پر کرے کہ جب سر کی حرکت ممنوع ہے تو زنخداں کو سینہ کی طرف مائل کرے اور سجدہ کی حالت میں اس سے زیادہ، تأخر نماز جائز نہیں۔ مولوی کریم بخش صاحب اور مولوی نذیر احمد صاحب کے جوابات مولوی عبدالقیوم صاحب کی معرفت آپ کی خدمت میں بھیجے تھے، اب ان کو دو کارڈ بھیجے، جواب نہیں دیا۔ مولوی نذیر احمد صاحب کا جواب صاف شدہ مرسل خدمت ہے اور مولوی کریم بخش صاحب کا جواب اگر نہ پہنچا ہو تو مولوی عبدالقیوم سے لے لیجیے، ورنہ خلاصہ اس کا عرض کر دیا ہے کہ ایماء جائز بہ اشارۂ زنخداں؟

الجواب

عنایت نامہ پہنچا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب نے کوئی تحریر جہاں تک یاد ہے نہیں دی، ایک لفافہ حال ہی میں ۲/اپریل کو ملا، جس میں صرف مولوی نذیر احمد کا جواب آنکھ بنوانے والے کی نماز کے متعلق ہے۔ اس میں کچھ پتہ نہ تھا؛ اس لیے اس کو کہیں نہ بھیجا گیا۔ اب جناب کا خط پہنچا، اس میں بھی مولوی نذیر احمد کا جواب ہے۔ مولوی کریم بخش کا جواب نہیں دیکھا؛ مگر خلاصہ اس کا آپ کی تحریر سے واضح ہوا۔

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض: ۹۸/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر

(۲) الدرالمختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة المریض: ۹۸/۲، ظفیر

جواب صحیح وہی ہے، جو مولوی نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے، زنخداں کا اشارہ کافی نہیں، اشارہ سے نماز صحیح ہونے کے لیے اشارہ بالرأس اور حرکت رأس کی ضروری ہے؛ اس لیے تکیہ وغیرہ کی ضرورت فقہا لکھتے ہیں۔ پس اگر اشارہ زنخداں، یا اشارہ حاجب وعین سے نماز پڑھ لی تو اس کو اعادہ کرنا چاہیے، اس میں احتیاط بھی ہے؛ اس لیے اب زیادہ اس میں طول دینے کی اور بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۲۹۲/۱-۲۹۳)

آنکھیں بنوانے والا نماز کس طرح سے ادا کرے:

سوال: قرح چشم کے متعلق یہ دریافت کرنا ہے کہ ڈاکٹر بہت تاکید کرتے ہیں کہ سر کو ذرا بھی حرکت نہ ہو، نماز کی بابت کیا حکم ہوگا؟ قطعاً ادا نہ کرے اور اگر ادا کرے تو کیسے؟ سر کی حرکت کرنے کی قطعی ممانعت ہے، وضو کرے تو کس طور سے؟ یا تیمّم کرے تو کس طرح؟ اور اس کے بعد تین روز تک آنکھ پر پٹی بندھی رہتی ہے، اس حالت میں جو وضو کرے، یا کسی دوسری وجہ سے تیمّم کرے تو صرف جبڑہ پر مسح کرے، یا کل چہرہ پر؟ یعنی کل چہرہ کو نہ دھوئے، یا جو جلد جبڑہ سے علاحدہ ہے، اس کو ہاتھ سے تر کرے اس وجہ سے کہ دھو نہیں سکتا؟

الجواب

ردالمحتار میں ہے:

(قوله: وإن تعذر القعود) ولو حكماً كما لو قدر على القعود ولكن بزغ الطبيب الماء من عينيه و أمره بالاستلقاء أياماً أجزأه أن يستلقى ويؤمى؛ لأن حرمة الأعضاء كحرمة النفس، إلخ. (۲)

اس کا حاصل یہ ہے کہ قعود دشوار ہو، اگرچہ حکماً ہو، مثلاً یہ کہ بیٹھ سکتا ہے؛ لیکن ڈاکٹر نے اس کی آنکھ بنائی اور اس نے یہ کہا کہ چند دن چت لیٹا رہے تو اس کو یہ کافی ہے کہ چت لیٹا رہے اور اشارہ سے نماز پڑھے اور ظاہر ہے کہ اشارہ میں حرکت سر کی ضروری ہے، بدون اس کے نماز نہیں ہو سکتی اور ترک کرنا نماز کا بھی نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ عقل سالم ہے، بیہوشی نہیں ہے۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی نے جب آنکھ بنوائی تو اشارہ سے نماز پڑھتے رہے اور ڈاکٹر نے اجازت دے دی تھی اور بظاہر کچھ نقص نہ آیا تھا۔ پس اشارہ سر کی اجازت برائے نماز لینی چاہیے اور اگر اجازت نہ دے، تب بھی نماز چھوڑنی نہ چاہیے اور آنکھ پر جب پٹی ہو تو باقی چہرے کو دھوئے اور پٹی پر مسح کرے، (۳) اور اگر باقی چہرے کو دھونے سے تری کی

---

(۱) ويجعل سجوده أخفض من ركوعه) لزوماً ... (وإن تعذر الإيماء) برأسه (وكثرت الفوائت) ... (سقط القضاء عنه) ... (ولم يؤم بعينه وقلبه وحاجبه). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المريض: ۹۸/۲-۱۰۰، انيس)

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۹۹/۲، دار الفكر بيروت، ظفير

(۳) (وحكم مسح جبيرة) ... (وخرقة قرحة وموضع فصد) وكيٍّ (ونحو ذلک) كعصابة جراحة (كغسل لما تحتها) فيكون فرضاً ... (ويجمع) ... (معه) أى غسل الأخرى ... (و يترک) المسح كالغسل (إن ضر وإلا لايترک). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب المسح على الخفين: ۲۷۸/۱-۲۸۰، دار الفكر بيروت، ظفير)

سرایت آنکھوں کی طرف ہونے کا خوف ہواور وہ آنکھ کو مضر ہوتو کل چہرے پر بھی مسح درست ہے اور باقی اعضائے وضوکو دھونا اور اگر کسی عذر وجہ سے تیمّم کرے تو تیمّم موافق قاعدے کے کرے کہ ایک ضرب کے بعد چہرے پر جبڑے کے اوپر کو ہاتھ پھیرے اور دوسری ضرب میں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴۳۴، ۴۳۵)

آنکھ کے آپریشن میں نماز کا حکم:

سوال: آنکھ قدح (۱) کرانے میں حس وحرکت سر وغیرہ کی اجازت نہیں ہوتی، بستر پر پیشاب کرنا پڑتا ہے، بعض مرتبہ بدن وکپڑا پیشاب میں ملوث ہوجاتا ہے تو نماز قضا کرنا جائز ہے، یانہیں؟ یا کس طرح نماز ووضو وتیمّم ادا کرے، جب کہ سر تک کو حرکت نہیں دے سکتا؟ اور آدھے چہرہ تک پٹی لپٹی رہتی ہے، جس سے پورا تیمّم چہرہ کا بھی نہیں ہوسکتا ہے؟ جواب بحوالہ کتب معتبرہ مرحمت ہو؟

(کلف شاہ، حبیب اللہ، از خانقاہ مالک پور، ضلع پرتاب گڑھ، اودھ، ۱۴/ شوال ۵۴ھ)

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

اگر سر کی حرکت اور اشارہ کو بھی دیندار ماہر معالج منع کرتا ہے اور آنکھ کے لیے ایسی حالت میں مضر بتلاتا ہے تو نماز کو قضا کرنا درست ہے، آبرو یا آنکھ یا دل کے اشارہ سے نماز نہ پڑھے۔

وفي الدر المختار: ”ولم يؤم بعينه وقلبه وحاجبه“. (۲)

وفيه قبله: (وإن تعذر الايماء) برأسه (وكثرت الفوائت) بأن زادت علىٰ يوم وليلة، (سقط القضاء عنه) وإن كان يفهم في ظاهر الرواية، عليه الفتوىٰ. (۳)

---

(۱) قدح: چیرنا، پھاڑنا“۔ نور اللغات، تحت لفظ ”قدح“: ۳/۶۵۰، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۲/۱۰۰، سعيد

”عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ”يصلي المريض قائما، فإن نالته مشقة صلى جالسًا، فإن نالته مشقة صلى بإيماء يؤمي براسه، فان نالته مشقة، سبح“.

قال العلامة العثماني رحمه الله تعالىٰ: ”كما ذكرنا في المقدمة، فالحديث حسن وفيه دلالة على سقوط الصلوة عن المريض إذا لم يستطع الايماء بالراس، فإن قوله صلى الله عليه وسلم: ”فإن نالته مشقة سبح“. ورد في مقابلة قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”صلى بايماء“ فلايجوز إرادة الصلوة به بل المرابه الذكر وحده، فدل علىٰ أن مثل هٰذا المريض لا صلاة عليه بل يذكر الله بقلبه ولسانه، وليس الذكر بواجب عليه إجماعاً، فالأمر لندب كماقال علماء نا“. (إعلاء السنن، أبواب صلاة المريض: ۷/۱۹۸، إدارة القرآن كراتشي)

(۳) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۲/۹۹، دارالفكر بيروت

(وإذا عجز المريض عن الايماء بالراس في ظاهر الرواية يسقط عنه فرض الصلاة ولا يعتبر الايماء==

اگر اشارۂ سر سے نماز مضر نہ ہو تو اشارۂ سر سے نماز پڑھنا ضروری ہے۔(۱) اگر بستر ناپاک ہے اور اس کو بدل نہیں سکتا تو اس ناپاک ہی پر پڑھے۔(۲) وضو کی اجازت نہ ہو تو تیمّم سے ہی سہی، پٹی کے اوپر ہی مسح کر لے، اگر وضو کی اجازت ہو تو وضو کر لے اور پٹی کے اوپر مسح کر لے، باقی اعضا کو دھو لے۔(۳)

"أمره الطبيب بالاستلقاء لبزغ الماء من عينه، صلى بالإيماء؛ لأن حرمة الأعضاء كحرمة النفس، مريض تحته ثياب نجسة، وكلما بسط شيئا يتنجس من ساعته، صلى على حاله، وكذا لو لم يتنجس إلا أنه يلحقه مشقة بتحريكه". (الدرالمختار)(۴)

وفي ردالمحتار: (قوله: أمره الطبيب) أي المسلم الحاذق، كماذكره في الصوم. (۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

صحیح: عبداللطیف، ۳/ذی قعدہ/۱۳۵۴ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/۱۱/۱۳۵۴ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۵۴-۵۵۶)

== بالعينين والحاجبين، ثم إذا خف مرضه هل يلزمه القضاء ؟ اختلفوا فيه، قال بعضهم: إن زاد عجزه على يوم وليلة، لايلزمه القضاء، وإن كان دون ذلك يلزمه كما في الإغماء، و هو الأصح، والفتوىٰ عليه. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع عشرفي صلاة المريض: ۱/ ۱۳۷، رشيدية)

(۱-۲) عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: "يصلى المريض قائمًا، فإن نالته مشقة صلى جالسًا، فإن نالته مشقة صلى بإيماء يؤمى براسه، فإن نالته مشقة سبح". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب المريض: ۷/۱۹۸، إدارة القران)

"وإن تعذر القعود أومأبالركوع والسجود مستلقيًا علىٰ ظهره وجعل رجليه إلى القبلة". (الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع عشر في صلاة المريض: ۱/۱۳٦، رشيدية)

(۳) "(واستعماله) .... (اولمرض) يشتد او يمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم ولو بتحرک". (الدالمختار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۲۹-۲۳۳، سعيد)

"ولوكان يجد الماء إلا انه مريض يخاف إن استعمل الماء اشتد مرضه أو أبطا برؤه، يتيمم، لا فرق بين ان يشتد بالتحرک كالمشتكى من العرق المدنى الخ". (الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع في التيمم في الفصل الأول: ۱/۲۸، رشيدية)

"عن على رضى الله عنه قال: انكسر احدى زندى فسألت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأمرنى أن أمسح على الجبائر". (إعلاء السنن، كتاب الطهارة، باب المسح على العصابة والجبائر: ۱/۲۰۰، إدارة القرآن، كراتشى)

(ويمسح) نحو (مفتصد وجريح على كل عصابة)". (الدرالمختار، باب التيمم: ۱/۲۸۰، سعيد)

(۴) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، قبيل باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۳، دار الفكر بيروت، انيس

(۵) رد المحتار، باب صلاة المريض قبيل باب سجود التلاوة: ۲/ ۱۰۳، سعيد

"مريض تحته ثياب نجسة إن كان بحال لايبسط شيء إلا ويتنجس من ساعته، يصلى على حاله، وكذا إذا لم يتنجس الثانى لكن يلحقه زيادة مشقة بالتحويل". (الفتاوىٰ الهندية، باب صلاة المريض: ۱/۱۳۷، رشيدية)

ریاح کے مریض کو نماز میں ریاح خارج ہو جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر کسی شخص کو نفخ کا مرض ہو تو وہ تازہ وضو کر کے نماز ادا کر سکتا ہے اور اگر بحالت نماز ریح خارج ہو جاوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر وہ شخص شرعی معذور ہو چکا ہے؛ یعنی یہ مرض خروج ریح کا اس کو اس قدر زیادہ ہے کہ کسی وقت اس کو ایسی نوبت آ چکی ہے کہ تمام وقت نماز میں اس قدر مہلت اس کو اس مرض نے نہیں دی کہ وضو کر کے فرض وقت بدونِ اس عذر کے پڑھ سکا تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ ایک دفعہ وضو کر کے وقت کے اندر نماز پڑھ سکتا ہے، اگر چہ ریح نماز میں خارج ہوتی رہے۔ (درمختار)(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۴۱-۴۴۲)

گیس کے دباؤ سے پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہو تو نماز کا حکم:

سوال: میں گیس کا مریض ہوں، وضو کے بعد اکثر گیس کا دباؤ ہوتا ہے؛ لیکن ریح خارج نہیں ہوتی، جس سے پیٹ میں گڑاگڑاہٹ ہوتی رہتی ہے۔ کیا اس حالت میں نماز ادا ہو جاتی ہے؟

الجواب

معذوری کی حالت میں نماز ہو جائے گی۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۵۸۸)

گیس کے مریض کے لیے طواف وتراویح:

سوال: اگر ایک شخص کو گیس کا مرض ہو، وہ ایک دفعہ وضو کر کے طواف وتراویح کی بیس رکعت مکمل نہیں کر سکا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (م، الف، ناندیڑ)

الجواب

ایسا شخص جس کو ریاح کا اتنا غلبہ رہتا ہو کہ وضو کر کے نماز مکمل کرنے کے بقدر بھی باوضو نہیں رہ سکتا، فقہا کی اصلاح میں ''معذور'' ہے، وہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کر لے تو جب تک اس نماز کا وقت مکمل نہ ہو جائے اور

(۱-۲) (وصاحب عذر من به سلس) بول لايمكنه إمساكه (أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة) ... (إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة) بأن لايجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث (و لو حكماً) ... (وحكمه الوضوء) لاغسل ثوبه ونحوه (لكل فرض) ... (ثم يصلي) به (فيه فرضاً و نفلاً. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام المعذور: ۱/۳۰۵-۳۰۶، دار الفكر بيروت، ظفير)

خروج ریح کے علاوہ کوئی اور ناقض وضو پیش نہ آجائے، وہ باوضو ہی سمجھا جائے گا اور اسی حالت میں اس کے لیے طواف اور نماز تراویح کا ادا کرنا درست ہوگا۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۴۶۲/۲)

ریح کی مجبوری کے ساتھ جماعت میں شرکت:

سوال: تخلیق کے اعتبار سے انسانی زندگی میں پائخانہ پیشاب اور ریح وغیرہ کا بننا اور خارج ہونا فطری تقاضا ہے، ان کے اخراج کو روکنا طب کے اعتبار سے انتہائی مضر ہے، حتیٰ کہ اگر ریح کے روکنے سے اس کا رخ دل کی طرف ہو جائے تو حرکت قلب بند ہو جانے سے موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے روکنے سے نماز میں خلل بھی پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بھی جب رجوع قلب نہ ہو تو نماز باطل ہو سکتی ہے، لہٰذا جب خدا خود ارشاد فرماتا ہے کہ دین میں جبر نہیں تو پھر ہم کس طور پر اخراج کو روکنے سے اپنے آپ کو فطری تقاضوں پر ظلم کر کے مہلک امراض میں مبتلا ہونے کی دعوت دیتے ہیں، ان چیزوں کی تکمیل میں بھی تو مشیت کا ہاتھ ہے، علاوہ ازیں جس شخص کو ریح کے اخراج کا شدید عارضہ لاحق ہو تو پھر کب تک وضو کرتا رہے گا؟ نماز توڑتا رہے گا؟ چناں چہ اللہ تعالیٰ بحالت مجبوری معاف بھی کر سکتا ہے۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ ایسے شخص کو احتیاط سے کام لے کر آخری صف میں نماز ادا کرنا انتہائی مستحسن معلوم ہوتا ہے؛ تاکہ دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ پیدا ہو؟

الجواب

ایسا شخص جس کا وضو نہ ٹھہرتا ہو، معذور کہلاتا ہے۔ معذور بننے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس پر نماز کا پورا وقت اس حال میں گزر جائے کہ وہ پورے وقت میں فرض رکعتیں بھی بغیر عذر کے نہ پڑھ سکے اور جب ایک دفعہ معذور بن گیا ہو، معذور رہنے کے لیے یہ شرط ہے کہ پورے وقت میں اس کو کم سے کم ایک بار یہ عذر ضرور پیش آئے، اگر پورا وقت گزر گیا اور اس کو یہ عذر پیش نہیں آیا (مثلاً ریح صادر نہیں ہوئی) تو یہ شخص معذور نہیں رہا۔ معذور کا حکم یہ ہے کہ اس کے لیے ہر نماز کے وقت کے لیے ایک بار وضو کر لینا کافی ہے، اس عذر کی وجہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا اور جب وقت نکل جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اب دوسرے وقت کے لیے دوسرا وضو کرے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۵۸/۳)

امام کو ریاح کی بیماری ہو:

سوال: میرے ایک دوست حافظ قرآن ہیں، ہر سال ماہ رمضان میں بلا معاوضہ تراویح کی امامت کرتے ہیں،

---

(۱) (ومن به سلسل البول ... أو انفلات الريح أو رعاف دائم ... يتوضؤن لوقت كل صلاة ويصلون بذلك الوضوء في الوقت ما شاء وا من الفرائض والنوافل ... لها أن تصلى بذلك ما لم يسل أو تحدث حدثاً آخر. (الفتاویٰ الهندية، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع في أحكام الحيض، الخ: ٤١/١، انيس)

چند ماہ سے ان کو گیس کی بیماری ہوگئی ہے اور بار بار ان کا وضوٹوٹتا رہتا ہے، ایسی صورت میں ان کو تراویح کی امامت کرنی چاہیے، یا نہیں؟ اور اگر امامت کے درمیان وضوٹوٹ جائے تو کیا کریں؟ (عبدالجلیل، سکندر آباد)

الجواب

اگر ریاحی تکلیف کا اتنا غلبہ ہے کہ وضو برقرار رکھتے ہوئے تراویح کی نماز مکمل کرنا دشوار ہے تو اس کا حکم معذور شخص کا ہے، اگر وہ تنہا نماز پڑھیں اور بغیر خروج ریح کے نماز مکمل نہ ہو سکے تو ان کے لیے گنجائش ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے تازہ وضو کرلیں اور نماز مکمل کرلیں، خواہ درمیان میں اس کی نوبت آجائے، البتہ جو لوگ ایسے معذور نہ ہوں، ان کے لیے ان معذور حافظ صاحب کے پیچھے نماز ادا کرنا درست نہیں ہوگا، اگر وہ خروج ریح پیش آئے بغیر نماز پوری نہ کرسکیں۔

”وفسد اقتداء طاهر بصاحب العذر السمفوت للطهارة“.(۱)

اس لیے ان حافظ صاحب کو ایسی مجبوری کی صورت میں امامت سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۶۳)

بیٹھ کر نماز پڑھنا:

سوال: ایک شخص بیمار گھر سے خود چل کر مسجد آجاتا ہے اور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ زید اس کو منع کرتا ہے کہ باوجود قدرت قیام کے بیٹھ کر نماز درست نہ ہوگی۔ ہاں! نماز کھڑے ہو کر شروع کیا کرا ور بعد عاجزی کے بیٹھ جایا کر خواہ تو بعض نماز کو کھڑے ہو کر پڑھا کرے اور بعض کو بیٹھ کر پس قول زید کا صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

زید سچ کہتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۵۷-۳۵۸)

ضعف کی وجہ سے بیٹھ کر نماز درست ہے:

سوال: ایک شخص بہت ضعیف اور کمزور ہے، حواس ٹھیک نہیں رہتے، نمازِ پنجگانہ بیٹھ کر ادا کرتا ہے۔ اس کی نماز صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس قدر طاقت ہو، اسی کے موافق نماز ادا ہو جاوے گی، اگر قیام کی طاقت نہ ہو تو قعود سے اور اگر قعود کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز ادا کرنا صحیح ہے۔ (۲)

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۶۳۰، نیز دیکھیے: بدائع الصنائع: ۱/۳۵۰، الهداية: ۱/۱۲۶

(۲) (وإذا عجز المريض عن القيام صلى قاعدًا يركع ويسجد) ... (فإن لم يستطع الركوع و السجود ==

الغرض تکلیف بقدر وسعت ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (الآیة) (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۳۵-۴۳۶)

گاڑی اور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

(۲) سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین اس بارے میں کہ آل کل حرم شریف میں اور دیگر مساجد میں دیکھا جارہا ہے کہ بہت سے نمازی جن کے گھٹنوں، یا قدموں میں درد، یا کسی قسم کی تکلیف ہے وہ کرسی، یا گاڑی پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں، گاڑی میں چلے آتے ہیں اور گاڑی ہی کو صف میں لگا دیا جاتا ہے، اسی پر اشارے سے نماز پڑھ لیتے ہیں، کرسی پر نماز پڑھنے والے بعض تو اپنے سامنے کوئی ٹیبل رکھ لیتے ہیں اس پر سجدہ کر لیتے ہیں، ان سب صورتوں کا کیا حکم ہے؟ کیا زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت ہوتے ہوئے اس طرح گاڑی، یا کرسی پر بیٹھ کر نماز ہو جاتی ہے؟ اگر بیٹھ کر نماز پڑھیں تو آلتی پالتی مار کر دائیں بائیں ٹانگیں نکال کر رکوع سجدہ کر سکتے ہیں۔ دلائل فقہیہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں؟ (سائل: احقر خالد)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسمه تعالیٰ

گھٹنوں، یا قدموں میں معمولی تکلیف کی وجہ سے فرض نماز میں قیام کو ترک کر دینا اور بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ہاں! اگر تکلیف اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ آدمی کھڑے ہوتے ہی گر جاتا ہے، یا مرض کے بڑھ جانے، یا شفایابی میں دیر لگ جانے کا ظن غالب ہو، یا نا قابل برداشت تکلیف پہنچتی ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے؛ لیکن اگر تھوڑی دیر کے

== أومأ إيماء) يعني قاعدًا ... (وإن لم يستطع القعود استلقى على ظهره وجعل رجليه إلى القبلة. (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۱/۱٤۱، ثاقب بک ڈپو دیوبند، انیس)

عن عمران بن حصين قال: كانت بی بواسير فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة؟ فقال: صل قائما فإن لم تستطع فقاعدا فإن لم تستطع فعلى جنب. (صحيح البخاری، باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب، رقم الحديث: ۱۱۱۷/ سنن الترمذی، باب ماجاء ان صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، رقم الحديث: ۳۷۲/ سنن أبی داؤد شريف، باب في صلاة القاعد، رقم الحديث: ۹۵۲، انیس)

عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عاد مريضا فرأه يصلی على وسادة فأخذ فرمی بها فأخذ عودا ليصلی عليه فأخذه فرمی به و قال صل على الأرض ان استطعت و الا فأوم ايماء و اجعل سجودک أخفض من ركوعک. (السنن الكبرىٰ للبيهقی، باب الايماء بالركوع والسجود اذا عجز عنهما، رقم الحديث: ۳٦٦۹)

(۱) سورة البقرة: ۲۸٦

(۲) ''درج ذیل فتویٰ اگر چہ ہمارے دارالافتا سے جاری شدہ نہیں ہے؛ بلکہ دارالافتا جامعہ دارالعلوم کراچی سے جارہ شدہ ہے؛ مگر بینات میں ''مسائل واحکام'' کے زیر عنوان چھپنے کی وجہ سے شامل اشاعت کیا جارہا ہے اور یہ گویا دارالافتا کے فتاویٰ کی فہرست میں شامل کیا گیا''۔

لیے ہی کھڑے ہونے کی طاقت ہو، تب بھی اتنی دیت کھڑا ہونا فرض ہے، اگرچہ دیوار، یا لاٹھی وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگانی پڑے، اس صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اگر قیام پر قدرت ہو؛ مگر رکوع وسجدہ پر قدرت نہ ہوتو بیٹھ کر نماز پڑھنا اور اشارے کے ساتھ سجدہ کرنا جائز ہے؛ تاہم اس صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے، اسی طرح اگر رکوع وسجدہ کرنے کی طاقت ہوتو بیٹھ کر اشارے کے ساتھ رکوع وسجدہ کرنا جائز نہیں؛ بلکہ رکوع وسجدہ کرنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ہاں! اگر رکوع سجدہ کرنے کی بالکل طاقت نہ ہو تو اشارے کے ذریعہ سے رکوع سجدہ کیا جاسکتا ہے؛ لیکن سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ پست ہونا چاہیے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قیام پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں مریض کی لیے بنائی گئی گاڑی میں نماز پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ رکوع وسجدہ پر بھی قدرت نہ ہو، اگر قیام پر تو قدرت نہیں؛ مگر رکوع سجدہ پر قدرت ہے تو رکوع سجدہ کرنا فرض ہے، ایسی صورت میں اگر مذکورہ گاڑی کے سامنے ٹیبل وغیرہ رکھ کر سجدہ ادا ہوسکتا ہے تو اس میں نماز جائز ہے، ورنہ نہیں۔ عذر کی حالت میں آلتی پالتی مار کر، یا جیسے آسانی ہو، نماز پڑھنا جائز ہے، رکوع وسجدہ پر قدرت کی حالت میں بہرحال رکوع وسجدہ کرنا پڑے گا۔

في الدرالمختار: (من تعذرعليه القيام) أى كله (لمرض) حقيقي وحده أن يلحقه بالقيام ضرر به يفتى.

قال ابن عابدين ناقلاً عن البحر: التعذرالحقيقي بحيث لوقام سقط وفي الدر: أوبأن (خاف زيادته أوبطء برءه بقيامه أودوران رأسه أووجد لقيامه ألماً شديداً ... (صلّى قاعداً كيف شاء) على المذهب؛ لأن المرض أسقط عنه الأركان فالهيئات أولىٰ ... (بركوع وسجود وإن قدرعلىٰ بعض القيام) ولو متكئاً على عصا أوحائط (قام) لزوماً بقدرمايقدرولوقدرآية أوتكبيرة على المذهب؛ لأن البعض معتبربالكل (وإن تعذرا) ليس تعذرهما شرطاً بل تعذرالسجود كافٍ (لا القيام أومأ قاعداً) و هو أفضل من الإيماء قائماً لقربه من الأرض. (۱)

کتبہ: محمد طاہر مسعود

جواب صحیح ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ جب قیام پر قدرت نہ ہوتو زمین پر بیٹھ کر بھی نماز جائز ہے اور گاڑی پر بیٹھ کر بھی؛ لیکن دونوں صورتوں میں اگر سجدے پر قدرت ہوتو سجدہ کرنا ضروری ہوگا، خواہ زمین پر کرے، یا گاڑی کے سامنے کوئی تختہ، یا میز رکھ کر، جب اس طرح سجدے پر قدرت نہ ہو، تب اشارہ جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی، ۱۶/۴/۱۴۱۳ھ، بینات رجب ۱۴۱۳ھ۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۳۸۸-۳۹۰)

---

(۱) التنويرمع الدروالرد كتاب الصلاة، باب المريض: ۲/۹۵-۹۸، ط: ايچ أيم سعيد

موٹاپے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا:

سوال: عورتیں اپنی نماز بیٹھ کر پڑھیں، یا کھڑی ہوکر؟ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے نماز پوری ہوگی، یا نہیں؟ اگر کسی کو موٹاپے کا بوجھ ہو، جس سے اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو تو کیا کرے؟ (محمد عبدالحمید، بیدر)

الجواب

فرض اور واجب نماز میں قیام فرض ہے،(۱) یہ حکم مردوں کے لیے بھی ہے اور عورتوں کے لیے بھی؛ اس لیے عورتوں کو بھی کھڑے ہوکر ہی نماز ادا کرنی چاہیے، موٹاپا اگر اس درجہ کا ہو کہ کسی قدر مشقت کے ساتھ قیام کرسکتا ہو تو فرض نماز تو کھڑا ہوکر ہی ادا کرے، فرض نمازوں میں اسی شخص کے لیے بیٹھنے کی اجازت ہے، جو بیماری کی وجہ سے کھڑا نہ ہوسکتا ہو، اگر کھڑا ہوا تو بیماری میں اضافہ ہوجائے گا، یا صحت یاب ہونے میں تاخیر ہوگی، محض معمولی دشواری کی وجہ سے بیٹھ کر فرائض کا ادا کرنا درست نہیں، (۲) البتہ نوافل اور سنتیں بلا عذر بھی بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہیں؛ اس لیے موٹاپے کی وجہ سے سنتیں بیٹھ کر پڑھ لی جائیں، تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۶۴، ۴۶۵)

صف کے درمیان معذور کا بیٹھ کے نماز پڑھنا:

سوال: اذان دینے والا شخص امام کے پیچھے بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کرے، کیا یہ جائز ہے؟ واضح ہو کہ اس کی وجہ سے کاندھے کی جگہ خالی رہ جاتی ہے۔ (محمد احمد، وقار آباد)

الجواب

معذوروں کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے،(۳) اور ایسا شخص امام کے پیچھے بھی بیٹھ کر نماز ادا کرسکتا ہے، اس کا بیٹھنا کھڑے ہونے کے حکم میں ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۶۷)

---

(۱) و أما أركانها فستة منها: القيام... و قال الله تعالىٰ: ﴿ وقوموا لله قانتين ﴾ (البقرة : ۲۳۸) والمراد منه: لقيام في الصلاة". (بدائع الصنائع: ۱/۲۸۲)

(۲) (من تعذر عليه القيام) أى كله (لمرض) حقيقى وحده أن يلحقه باليقام ضرربه يفتى ... (أو) ...(خاف زيادته أو بطؤ برئه بقيامه أو دوران رأسه) ... (صلىٰ قاعداً ... (وان قدر علىٰ بعض القيام) ولو متكئا علىٰ وعصاأوحائط قام لزوماً بقدر ما يقدر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المريض: ۲/۹۵-۹۷، دارالفكر بيروت، انيس)

نیز دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱/۲۸٤، باب صلاة المريض

(۳) عن عمران بن حصين قال: سألت رسول الله صلى الله عليه و سلم عن صلاة المريض؟ فقال: صل قائمًا، فإن لم تستطع فقاعدًا، فإن لم تستطع فعلى جنب" (الجامع للترمذي، رقم الحديث: ۳۷۲، باب ماجاء أن صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم: ۱/۸٥، قديمی)

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے لیے رکوع کرنے کا طریقہ:

سوال: اگر آدمی معذور ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھے تو رکوع کے وقت سرین اٹھاوے یا نہیں۔

الجواب

قال الطحطاوی فی حاشیته: وفی الحموی: فإن رکع جالسا ینبغی أن تحاذی جبهته رکبتیه لیحصل الرکوع، آه، ولعل مراده انحناء الظهر عملا بالحقیقة لا أنه یبالغ فیه حتی یکون قریباً من السجود، آه. (ص: ۱۳۲)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بحالت جلوس رکوع کرتے ہوئے صرف اتنا ضروری ہے کہ پیشانی کو گھٹنوں کے مقابل کر دیا جائے، اس سے زیادہ جھکنے کی ضرورت نہیں، نہ سرین اٹھانے کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم

۱۸/شوال ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۳۱۵/۲)

پیر پھیلا کر نماز ادا کرنا:

سوال: زید کے ایک پاؤں میں آپریشن ہوا ہے، جس کی بنا پر اس کے دونوں پاؤں نہیں مڑتے اور وہ آفس میں ملازم ہے تو کیا مسجد میں دونوں پاؤں قبلہ رو پھیلا کر نماز اشارہ سے پڑھ سکتا ہے؟ اور آفس میں جہاں بیٹھنے کا نظم نہیں ہے، کرسی پر اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

هو المصوب

عذر کی صورت میں مسجد میں قبلہ رو پیر کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ رکوع وسجود پر وقادر نہیں ہے تو کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے بھی قبلہ رو نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۲)

تحریر: ساجد علی، تصویب: ناصر علی ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۸۹/۳)

---

(۱) حاشیة الطحطاوی فی باب شروط الصلاة، ص: ۲۲۹، دار الکتب العلمیة، بیروت، انیس

(۲) وإن عجز عن القیام والرکوع والسجود وقدر علی القعود یصلی قاعداً بإیماء ویجعل السجود أخفض من الرکوع، کذا فی فتاویٰ قاضیخان. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الرابع عشر فی صلاة المریض: ۱۳۶/۱)

قال علی: کل حال مستلقیا ومنحرفا فإذا استقبل القبلة وکان لایستطیع إلا ذلک فیومئ إیماء ویجعل سجوده اخفض من رکوعه. (مصنف عبد الرزاق، باب صلاة المریض: ۳۱۴/۲، رقم الحدیث: ۴۱٤٦، انیس)

ان ابن عمر کان یقول: إذا کان أحدکم مریضا فلم یستطع سجودا علی الأرض فلا یرفع إلی وجهه شیئا ولیجعل سجوده رکوعا ولیومئ برأسه. (مصنف عبدارزاق، باب المریض: ۳۱۵/۲، رقم الحدیث: ۴۱٤۸/السنن الکبریٰ للبیهقی، باب الایماء بالرکوع والسجود إذا عجز عنهما: ۴۳۵/۲، رقم الحدیث ۳٦۷۱، انیس)

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے کھڑے ہونے والے کی اقتدا درست ہے:

سوال: جو امام نماز بیٹھ کر پڑھاوے؛ مگر اس کو کچھ عذر تکلیف کا بھی ہے، جس سے وہ کھڑا نہیں ہو سکتا اور تمام کاروبار کھڑا ہو کر کرتا ہے تو نماز اس کی اور مقتدیوں کی درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر معذور ہے کہ کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر اس کی نماز درست ہے اور اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بھی درست ہے، (۱) اور اگر وہ ایسا معذور نہیں ہے؛ بلکہ کھڑا ہو کر نماز ادا کرنے پر قادر ہے تو اس کی نماز درست نہیں اور اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بھی صحیح نہ ہوگی۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۳۲/۴)

بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو کس طرح نماز پڑھے:

سوال: جو شخص ایسا لاغر ہو جائے کہ بیٹھ نہ سکے تو کس طرح نماز پڑھے اور سنن ونوافل بھی پڑھے، یا فرض ہی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جو شخص اشارہ سے بھی بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے، وہ لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے اور سنت نفل کا ادا کرنا ضروری نہیں ہے، اگر پڑھ سکے تو بہتر ہے، نہ پڑھے تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۴۰/۴)

فوطہ کے آپریشن کی وجہ سے نماز لیٹے لیٹے پڑھنا:

سوال: زید کے فوطے (۴) نیچے لٹک جاتے ہیں، جس کی وجہ سے کافی تکلیف ہوتی ہے، زید نے بہت علاج کرایا؛ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، اب زید کا ارادہ آپریشن کا ہے، البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ کروٹ وغیرہ نہیں بدل سکتا اور نہ ہی بیت الخلا جا سکتا ہے، لہٰذا ان دنوں کی نمازوں کو بعد میں قضا کرے، یا اسی حالت میں نماز پڑھا کرے؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

فوطے لٹک جانے کی وجہ سے جب آپریشن کرایا جائے اور اس میں کروٹ بدلنے، رکوع سجدہ کرنے سے زخم کو

---

(۱) ویصح اقتداء القائم بالقاعد الذی یرکع ویسجد لااقتداء الراکع والساجد بالمومی. (الفتاویٰ الهندية مصری، باب الإمامة، الفصل الثانی فی بیان من هو أحق بالامامة: ۸۵/۱، ظفیر)

(۲) (من فرائضها) التی لاتصح بدونها (التحریمة) ... ومنها القیام ... فی (فرض) ... (لقادرعلیه). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث القیام: ۴۴۲/۱-۴۴۵، ظفیر)

(۳) (وإن تعذرالقعود) ولوحکمًا (أومأ مستلقیا) علیٰ ظهره (ورجلاه نحو القبلة) ... (أوعلیٰ جنبه الأیمن أوالأیسرووجهه إلیها إلخ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المریض: ۹۹/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۴) فوطہ: ''بیضہ، خصیہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۳۹، ط: فیروز سنز لاہور)

نقصان پہونچے گا تو لیٹے لیٹے جس طرح ممکن ہو، اشارہ سے نماز ادا کرلے۔(۱) اگر استنجا کرنا بھی مضر ہو تو ویسے ہی پڑھ لے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۵/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۵/۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۵۸/۷-۵۵۹) ☆

اگر سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو:

سوال: ایک شخص دونوں پاؤں میں درد سے متاثر ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے؛ لیکن وہ سجدہ کی حالت میں ناک اور پیشانی زمین پر لگا نہیں سکتا، کیا اس کی نماز درست ہوگی؟ (تحسین الاسلام، پورنیہ)

الجواب

اگر تکلیف کی وجہ سے سجدہ نہیں کرسکتا تو اشارہ سے سجدہ کرلے، اگر رکوع اور سجدہ دونوں ہی اشارہ سے کرتا ہے تو اس کا خیال رکھے کہ سجدہ کی کیفیت میں بہ مقابلہ رکوع کے زیادہ پست اور جھکا ہوا ہو، چناں چہ فتاوی قاضی خان میں ہے:

"وإن عجزعن الركوع والسجود وقدرعلىٰ القعود يصلي قاعدًا بايماء، ويجعل السجود أخفض من الركوع". (۳) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۶۳-۴۶۴)

(۱) عن عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه قال: كانت بى بواسير، فسألت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الصلاة، فقال: "صل قائما، فإن لم تستطع، فعلى جنب... فإن لم تستطع فمستلقيا: (لايكلف الله نفسا إلا وسعها). (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب صلوة المريض: ۱۹۴/۷-۱۹۵، إدارة القرآن كراتشى)

"وإن لم يستطع القعود، استلقى على ظهره، وجعل رجليه إلى القبلة، وأومىٰ بالركوع والسجود، لقوله عليه الصلاة والسلام: يصلى المريض قائما، فإن لم يستطع فقاعدا، فإن لم يستطع فعلى قفاء يؤميه إيماء، فان لم يستطع فالله تعالىٰ أحق بقبول العذر منه". (الهداية، باب صلاة المريض: ۱۶۱/۱، مكتبه شركت علمية ملتان)

(۲) الرجل المريض إذا لم يكن له امرأة ولا أمة، وله ابن او أخ، وهو لايقدر على الوضوء فانه يوضيه ابنه أوأخوه غير الاستنجاء، فإنه لايمس فرجه، وسقط عنه الاستنجاء، كذا فى المحيط. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابع فى النجاسة، الفصل الثالث فى الاستنجاء: ۴۹/۱، انيس)

☆ رکوع وسجدہ پر قدرت کے باوجود کرسی پر نماز:

مسئلہ: بعض لوگ قیام پر قدرت نہیں رکھتے ہیں؛ لیکن زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ پر قادر ہوتے ہیں، پھر بھی کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں، جب کہ ان کا یہ خیال غلط ہے؛ کیوں کہ زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ پر قادر ہوتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا شرعاً درست نہیں ہے۔ (لما فى الشامية: بل يظهرلى أنه لو كان قادرا علىٰ وضع شئ على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يلزمه ذلك، لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقة ولايصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما. (رد المحتار، باب صلاة المريض: ۹۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس) / مافى بدائع الصنائع: وإن كان قادرا على القعود بركوع وسجود فصلى بالإيماء لايجزيه بالاتفاق. (۲۹۱/۱، الصلاة على الدأبة والسفينة) (اہم مسائل: ۶۸/۴)

(۳) الفتاوىٰ الخانية علىٰ هامش الفتاوى الهندية، باب صلاة المريض: ۱۷۱/۱

اشارہ سے سجدہ:

سوال: میں ایک پیر کا معذور ہوں، نماز میں سجدہ کے لیے سر کو زمین پر رکھ نہیں سکتا، ایسی صورت میں اگر سجدہ کے لیے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر سر کو اشارۃً تھوڑا جھکا لیا جائے تو کیا نماز ادا ہو جائے گی؟ (شیخ جمال، منگل ہاٹ)

الجواب ــــــــــــــــ

شریعت میں واقعی مجبوریوں کی پوری رعایت ہے؛ اسی لیے اگر کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر اور بیٹھنے پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح اگر زمین پر سر رکھنے کی قوت نہ ہو تو سر جھکا کر اشارہ سے بھی سجدہ کیا جاسکتا ہے۔طحطاوی میں ایک مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

"... ولو بعذر، بل معه يجب الايماء بالرأس". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۶۵-۴۶۶)

کیا معذوری کی صورت میں نماز اشارے سے جائز ہے:

سوال: گھٹنے کی تکلیف کی وجہ سے میں صحیح طرح نماز ادا نہیں کرسکتا، لہذا کرسی پر بیٹھ کر لکڑی وغیرہ رکھ کر، یا صرف اشارے کے ذریعے سجدہ کرسکتا ہوں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

معذوری کی صورت میں اس کی اجازت ہے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۵۸۷)

کمر کی تکلیف میں اشارہ سے سجدہ کرنا:

سوال: اگر کسی کے کمر میں تکلیف اور درد ہو تو وہ نماز میں سجدہ کبھی تو اشارہ سے کرتی ہو اور کبھی پورا سجدہ سر زمین پر ٹیک کر؛ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں نماز پڑھ رہی ہوتی ہوں اور میری کمر میں تکلیف ہوتی ہے، اگر نماز کی پہلی رکعت مین سجدہ اشارہ سے کرلیا، بعد میں دوسری رکعت میں تکلیف کم محسوس ہوئی تو پورا سجدہ کرلیا، پھر تیسری رکعت میں درد ہوا، پھر اشارہ سے سجدہ کرلیا اور چوتھی میں پورا کرلیا تو اب بدرجہ مجبوری اور عذر کے ایسا کیا تو نماز ہو جائے گی؟ یا اب ایسا کرنے میں کوئی حرج ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ باللّٰہ التوفیق

سجدہ چوں کہ فرض ہے، اس لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ با قاعدہ سجدہ کے ساتھ نماز پڑھی جائے اور اشارہ پر

(۱) حاشية الطحطاوي، باب شروط الصلاة، ص: ۲۳۰، دار الكتب العلمية، بيروت، انيس

(۲) إن المريض لو قدر على القيام دون الركوع والسجود فإنه يخير بين القيام والقعود. (البحر الرائق: ۱/۲۹۲)

اکتفانہ کیا جائے، البتہ اگر سجدہ میں جانے کی بالکل استطاعت (طاقت) نہ رہے، یا سجدہ کی وجہ سے نا قابل تحمل تکلیف کا اندیشہ ہوتو سجدہ کے بجائے دوسری رکعت میں باقاعدہ سجدہ کرلیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(ولو كان) قد أدى بعضها (مؤميا) فقدر علىٰ ركوع والسجود ولو قاعدًا (لا)يبنى لما فيه من بناء التقوى على الضعيف. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (دینی مسائل اوران کا حل:۸۸-۸۹)

ریل میں بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کا موقع نہ ہو:

سوال: اگر کسی شخص کو ریل میں بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کا موقع نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــ باللّٰه التوفيق

اگر کوئی شخص ٹرین میں سخت بھیڑ کی وجہ سے سجدہ پر قدر نہ ہو تو اسے چاہیے کہ اگر وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھ لے اور پھر بعد میں اسے دہرائے۔

راكب السفية إذا لم يجد موضعا للسجود للزحمة ...،يصلى بالايماء إذا خاف فوت الوقت. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (دینی مسائل اوران کا حل:۸۸)

مجبور سجدہ کے لیے آگے کوئی چیز رکھ سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: مریض، یا حاملہ جو سجدہ پر قادر نہ ہو تو آگے کوئی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرنا درست ہے، یا نہیں؟ یا اشارہ کر کے سجدہ کرے؟

الجواب ــــــــــــــــ

جو مریض سجدہ نہ کر سکے وہ اشارہ کرے، سجدہ کے لیے آگے کوئی چیز نہ رکھے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۹۶/۱)

کوئی شئے اوپر اٹھا کر سجدہ کرنا:

سوال: مریض اگر رکوع وسجود پر قادر نہیں اور دوسرے لوگ کوئی چیز اٹھا کر اس کی پیشانی کے قریب لے جائیں، تاکہ وہ مریض اس پر اپنا سر رکھ دے۔ کیا اس صورت میں سجدہ ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟

---

(۱) مراقی الفلاح على الحاشية فى باب صلاة المريض،ص:٤٣٥،دار الكتب العلمية،بيروت،انيس

(۲) رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مطلب فى القادر بقدرة غيره:٤١/١،دار الفكر بيروت، انيس

(۳) (وإن تعذرا) ليس تعذرهما شرطاً بل تعذر السجود كافٍ (لاالقيام أومأ) ... (قاعدًا) ...ويجعل سجوده أخفض من ركوعه لزوماً ولايرفع إلىٰ وجهه شيئاً يسجد عليه فإنه يكره تحريماً.(الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب صلاة المريض:٩٧/٢-٩٨،دار الفكر بيروت)

الجواب

اگر مریض نے اپنے سر کو معمولی سی بھی جنبش اور حرکت دے لی اور قدرے انحنا (جھکنا) پایا گیا تو سجدہ ادا ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔ محمود بن الیاس شرح نقایہ میں فرماتے ہیں:

ولا يرفع إليه شيء للسجود عليه فإن فعل ذلك هو يخفض رأسه للركوع والسجود جاز بالإيماء لا بوضع الرأس علٰى ذلك الشيء وإن لم يخفض رأسه لكن يوضع شيء علٰى جبهة لم يجز، انتهٰى. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۴۰)

تکیہ پر سجدہ کرنا:

سوال: اگر کسی عذر کی وجہ سے مقام سجدہ کو بلند کرنے کی غرض سے تکیہ رکھ کر سجدہ کر لے تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے۔ کفایہ میں ہے:

ولو وضع بين يديه وسائد فألصق جبهته عليها ووجد أوفى الانحناء جاز عن ذلك الإيماء وإلا فلا، انتهٰى. (۱)

اور محمود بن الیاس کی شرح نقایہ میں ہے:

فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وهو يسجد عليها جاز، انتهٰى. (۲) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۴۰)

قطرے کی شکایت والی عورت نماز کس طرح پڑھے:

سوال: مجھے قطرے کی شکایت ہے، جو حد سے بڑھ چکی ہے۔ یہاں تک کہ میں چار فرض بھی پاکیزگی سے نہیں پڑھ پاتی ہوں، میں نماز تو پڑھتی ہوں؛ لیکن اس بیماری کی وجہ سے بددلی ہو جاتی ہے اور پابندی نہیں ہو پاتی۔ مجھے یہ بتائیں کہ خدا کے ہاں میری کتنی گرفت ہے، نادم بھی ہوں، خوفزدہ بھی ہوں، آخرت کی طرف سے فکرمند بھی ہوں؟

الجواب

آپ شلوار بدل لیا کریں، یا پیشاب جہاں لگا ہو اس کو دھو لیا کریں، اگر وضو نہیں ٹھہرتا تو پرواہ نہ کریں، اسی طرح

---

(۱) كذا في درر الحكام شرح غرر الحكام، باب صلاة المريض: ۱۲۸/۱، دار إحياء الكتب العربية بيروت، انيس

(۲) البناية شرح الهداية، كيفية صلاة المريض: ۶۳۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

عن الحسن عن أمه قالت: رأيت أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم تسجد على وسادة من أدم من رمد بها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب من وضع وسادة على الأرض فسجد عليها، رقم الحديث: ۳۶۷۴، انيس)

نماز پڑھتی رہیں، ہر نماز کے وقت کے لیے ایک بار وضو کرلیا کریں، جب تک وقت باقی رہے گا، آپ کا وضو قائم سمجھا جائے گا، وقت ختم ہو جائے گا تو دوبارہ وضو کرلیا کریں اور جو نمازیں قضاء ہوگئی ہیں، ان کو بھی ادا کرلیں۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۸۴/۳)

لیکوریا کے مرض والی عورت نماز کس طرح ادا کرے:

سوال: آج کل خواتین میں لیکوریا کی بیماری عام ہے اور تقریباً سو میں سے اسی، پچاسی فیصد خواتین اسی بیماری میں مبتلا ہیں، آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں نماز انہی کپڑوں میں پڑھ لینی چاہیے، یا پھر کپڑے بدلنا ہوں گے؟ نجاست اگر کپڑے پر ہو اور اسے دھولیں، تب انہی کپڑوں سے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ نماز پڑھتے وقت اگر نجاست خارج ہو جائے تو نماز لوٹانا ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

اس مرض میں خارج ہونے والا پانی ناپاک ہوتا ہے،(۲) جو کپڑا اس سے آلودہ ہو جائے، اس میں نماز نہ پڑھی جائے، البتہ کپڑے کے ناپاک حصے کو دھو کر پاک کرلیا جائے تو اس میں نماز درست ہے۔

جہاں تک نماز لوٹانے کا تعلق ہے، اس کے لیے معذور کا مسئلہ سمجھ لینا چاہیے، جس شخص کا کسی مرض کی وجہ سے وضو نہ ٹھہرتا ہو، وہ معذور کہلاتا ہے، ایک شرط معذور بننے کے لیے ہے اور ایک معذور رہنے کے لیے معذور بننے کے لیے شرط یہ ہے کہ نماز کے پورے وقت میں اس کو اتنی مہلت نہ ملے کہ وہ طہارت کے ساتھ نماز پڑھ سکے،(۳) ایسے شخص کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت ایک بار وضو کرلیا کرے، جب تک وہ وقت باقی ہے، اس خاص عذر کی وجہ سے اس کا وضو ساقط نہیں ہوگا، جب وقت نکل جائے تو دوبارہ وضو کرے، جب کوئی شخص ایک بار معذور بن جائے تو اس کے معذور رہنے کی حد یہ ہے کہ وقت کے اندر اس کو کم از کم ایک بار یہ عذر پیش آئے، اگر پورا وقت گزر گیا اور اس کو یہ عذر پیش نہیں آیا تو یہ معذور نہیں ہے۔

---

(۱) وحكمه الوضوء ...لكل فرض ...(ثم يصلي) به (فيه فرضاً ونفلاً)... (فإذا خرج الوقت بطل)(وضوء ه).(الدر المختار مع التنوير،كتاب الطهارة: ۳۰۵/۱، باب الحيض،طبع ايچ ايم سعيد)

(۲) ومن رأى باطن الفرج فإنه نجس قطعاً ككل خارج من الباطن كالماء الخارج مع الولد أوقبيله،آه.(رد المحتار، كتاب الطهارة:۳۱۳/۱ ،باب الانجاس،طبع ايچ ايم سعيد)

(۳) (وصاحب عذر) ... (إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة) بأن لايجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه ... في حق الزوال يشترط استيعاب الانقطاع) تمام الوقت.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،كتاب الطهارة،باب الحيض: ۳۰۵/۱ ،دارالفكر بيروت.انيس)

پس جن خواتین کو ایام سے پاک ہونے کے بعد لیکوریا کی اتنی شدت ہو کہ وہ پورے وقت کے اندر طہارت کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتیں، ان پر معذور کا حکم جاری ہوگا اور ان کو ہر نماز کے وقت ایک بار وضو کر لینا کافی ہوگا؛ لیکن اگر اتنی شدت نہ ہو تو وہ معذور نہیں۔ اگر وضو کے بعد نماز سے پہلے، یا نماز کے اندر پانی خارج ہو جائے تو ان کو دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۵۸۱/۳)

رحم میں دوا رکھ کر نماز پڑھنا:

سوال: اگر حالت بیماری میں عورتوں کو جو دوا اندر رکھانی پڑتی ہے، اس حالت میں نماز کو ادا کرے، یا قضا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اسی حالت میں نماز پڑھ لے، قضا نہ کرے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۹/۷/۱۹ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی (فتاویٰ محمودیہ:۵۶۳/۷)

عورت بوقت ولادت نماز کس طرح پڑھے:

سوال: عورت حالتِ دردزہ میں باوجودیکہ ہوش وحواس درست ہوں اور بظاہر بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو؛ مگر رطوبت خون وغیرہ جاری ہو اور بچہ کا کچھ حصہ جسم سے نکلنا باقی ہو اور نماز کا وقت ہو اور وہ محض آدابِ طہارت، یا حرمت نماز کا، یا یہ خیال کر کے کہ تمام جسم خون آلودہ ہوگا، نماز نہ پڑھے تو گناہ گار ہوگی، یا نہیں؟ اور نماز پڑھے، یا نہ پڑھے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ایسی حالت میں اگر وقت نماز کے نکلنے کا اندیشہ ہو تو وہ عورت وضو کر کے اگر ہو سکے، ورنہ تیمّم کر کے نماز ادا کرے اور اس خون کا خیال نہ کرے؛ کیوں کہ وہ دم استحاضہ ہے، مانع عن الصلوٰۃ نہیں ہے۔

---

(۱) (ومن به سلس البول) أی عدم استمساكه (والمستحاضة) وكذا من به الرعاف الدائم وانفلات الريح أو استطلاق البطن يتوضئون لو قت كل صلاة فيصلون بذالک الوضوء فی الوقت ما شاؤا من الفرائض والنوافل ... فأذا خرج الوقت بطل وضوء هم وكان عليهم استيناف الوضوء لصلاة أخرىٰ،إلخ.(الحلبی الكبير ،فی بحث نواقض الوضوء،ص:۱۱۶_۱۱۷،دار الكتاب ديوبند،انيس)

(۲) إذا خاف الرجل خروج البول فحشا إحليله بقطنة،ولو لا القطنة يخرج منه البول، فلابأس به ، ولا ينتقض حتى يظهر البول على القطنة ، كذا فی فتاویٰ قاضی خان". (الفتاویٰ الهندية،الفصل الخامس فی نواقض الوضوء:۱۰/۱،رشيدية)

شامی میں ہے:

ولولم تصل تکون عاصيةً لربها،الخ. (۱)

اورشرح منیہ میں ہے:

فلايجوزلها تفويت الصلاة،الخ. (۲)

(امرأة خرج رأس ولدها وخافت فوت الوقت توضأت إن قدرت وإلا تيممت وجعلت رأس ولدها فى قدرأوحفيرة وصلت قاعدة بركوع وسجود فإن لم تستطعهما تؤمى إيماءً أى تصلى بحسب طاقتها ولاتفوت الصلاة عن وقتها؛لأنها لم تصرنفساء بخروج بعض الولد ما لم ترالدم بعد خروج الولد كله والدم الذى تراه فى حالة الولادة قبل خروج الولد استحاضة لاتمنع الصلاة فكانت مكلفة بقدروسعها فلايجوزلها تفويت الصلاة عن وقتها إلَّا أن عجزت بالكلية، كما فى سائرالمرضٰى. (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۴۴۱)

معذورشخص کی امامت اوراذان:

سوال: کوئی شخص جونامرد ہو، کیاامامت کرسکتا ہے؟ یاایسے شخص کومؤذن مقررکیاجاسکتا ہے؟

(محمد جہانگیرالدین طالب، باغ امجدالدولہ)

الجواب

ہرعاقل، بالغ ،مسلمان امامت کرسکتا ہے،(۴) البتہ عورت اورمخنث مردوں کے امام نہیں ہوسکتے،(۵) نامرد شخص سوائے اس کے کہ اس کی بیوی فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے۔بقیہ تمام احکام میں صحت مندمردوں ہی کی طرح ہے،لہٰذا اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں اوروہ اذان بھی دے سکتا ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۲/۲۶۵)

معذورکی نمازوامامت:

سوال(الف) میں ایک مرض میں عرصۂ دراز سے مبتلا ہوں اوروہ ہے کثرت ریاح کاخروج، ہر۲،۳/منٹ پرخروج ریاح ہوتارہتاہےتوکیامیں فجر کے وضو سے نمازاشراق اورتلاوت قرآن پاک کرسکتا ہوں؟ یعنی ہواکوروک کررکھوں اورباوضورہوں؟

(۱) رد المحتار،باب الحيض،مطلب فى حكم وطئ المستحاضة: ۱/۲۹۹،دار الفكر بيروت،انيس
(۲) الحلبى الكبير،فى بحث صلاة المريض،ص: ۲۳٤،دار الكتاب ديوبند،انيس
(۳) غنية المستملى شرح المنية فى بحث صلاة المريض: ص: ۲۳٤،دار الفكر بيروت، ظفير
(۴) بدائع الصنائع: ۱/۳۸٦
(۵) الفتاوى الهندية: ۱/۸٥

(ب) جس گاؤں میں رہتا ہوں اس میں معمولی پڑھے لکھے لوگ ہیں، اکثر قرأت نماز میں غلط پڑھتے ہیں، اعضائے وضو خشک رہ جاتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کے پیچھے میری نماز درست ہوگی، یا نہیں؟ اگر نہیں تو پنجگانہ نماز کی امامت کرسکتا ہوں، یا نہیں؟ یعنی جب تک امامت کروں، ہوا کو زبردستی روکے رکھوں، اگر نہیں کرسکتا تو گھر میں نماز ادا کروں؟ نیز اس حالت میں نماز تراویح کی امامت صحیح ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(الف) جو شخص شرعاً معذور ہے اس کو ہر وقت کی نماز کے لیے وضو ضروری ہے، پھر وقت ختم ہونے سے اس کا وضو باقی نہیں رہے گا۔ فجر کا وضو سورج نکلنے سے ختم ہو جائے گا۔(۱) اشراق کے لیے علاحدہ وضو کی ضرورت ہوگی، پھر اس وضو سے نوافل اور تلاوت کی اجازت ہوگی، حتیٰ کہ ظہر کے لیے بھی جدید وضو کی ضرورت نہیں ہوگی، اِلا یہ کہ اس عذر کے علاوہ کوئی اور حدث پیش آجائے۔(۲)

(ب) اگر امام کی طہارت کامل نہ ہو، اعضائے وضو خشک رہ جائیں، یا نماز میں قرأت کی غلطی سے فساد آجائے اور امام اصلاح نہ کرے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہیں اور صاحب عذر بھی امامت نہیں کرسکتا،(۳) لہٰذا تنہا نماز

---

(۱) عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها، سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن المستحاضة قال:"تدع الصلاة أیامها ثم تغتسل غسلا واحدا،ثم تتوضأ عند کل صلاة".

قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی رحمه اللّٰہ تعالیٰ:"عند بالکسر والفتح والضم ثلث لغات ... والمراد به الوقت الشرعی للصلاة کما هو المتبادر".(إعلاء السنن، الحیض والنفاس والاستحاضة: ۲۶۰/۱،إدارة القرآن، کراتشی)

"المستحاضة ومن به سلس البول أو استطلاق البطن أو انفلات الریح أو رعاف دائم أو جرح لا یرقأ، یتوضؤن لوقت کل صلوٰة،ویصلون بذلک الوضوء فی الوقت ماشاء وا من الفرائض والنوافل، ...."ویبطل الوضوء عند خروج وقت المفروضة بالحدث السابق".(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطهارة، الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس و الاستحاضة: ۴۱/۱،رشیدیة)

(۲) عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت:اعتکفت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم امراة من أزواجه مستحاضة،فکانت تری الحمرة والصفرة،فربما وضعنا الطست تحتها وهی تصلی.(صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب اعتکاف المستحاضة : ۲۷۳/۱،قدیمی)

(فإذا خرج الوقت، بطل):أی ظهر حدثه السابق،حتیٰ لو توضا علی الانقطاع ودام إلیٰ خروجه،لم یبطل ما لم یطرأ حدث آخر أو یسیل کمسألة مسح خفه،وأفاد أنه توضأ بعد الطلوع ولو لعید أوضحی،لم یبطل إلا بخروج وقت الظهر.(الدرالمختار، کتاب الطهارة،باب الحیض: ۳۰۶/۱،سعید)

(۳) وفی المبسوط (و یؤم القوم اقرؤهم لکتاب اللّٰہ وأعلمهم بالسنة وأفضلهم ورعًا وأکبرهم سنًا لحدیث أبن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال: یؤم القوم اقرؤهم لکتاب اللّٰہ تعالیٰ ==

پڑھنے میں وہ شرعا معذور ہے، ترک جماعت کی وعید میں وہ نہیں آئے گا،(۱) اسی طرح نماز تراویح بھی درست نہیں ہوئی، ایسی حالت میں تراویح بھی تنہا پڑھی جائے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۰/۱۱/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵۴۸/۷-۵۵۰)

معذور کی امامت وخطبہ کا حکم:

سوال: جامع مسجد اعظم گڑھ کے امام قاری محمد عمر صاحب کے پیر میں درد رہتا ہے، جس کی وجہ سے عرصہ سے وہ خطبہ بھی بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور پہلی رکعت پر کھڑے ہوکر چند آیتیں پڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور پوری نماز بیٹھ کر پڑھاتے ہیں، بہت سے لوگوں کو اعتراض ہے کہ جب دوسرے اشخاص مل سکتے ہیں، جو نماز پڑھا سکیں تو کیوں ایسے امام صاحب سے نماز پڑھوائی جائے، جو معذور ہیں؟ مہربانی فرما کر اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں کہ اولیٰ کیا ہے؟ اور اس طرح لوگوں کی نماز میں کوئی خرابی تو نہیں ہوگی؟

== فإن كانوا سواء فأعلمهم بالسنة،فان كانوا سواء فأقدمهم هجرة ،... والأصح أن الأعلم بالسنة إذا كان يعلم من القرآن مقدار ما تجوزبه الصلاة فهو أولٰى ؛لأن القراء ة يحتاج اليها فى ركن واحد،والعلم يحتاج إليه فى جميع الصلاة،والخطا المفسد للصلاة فى القراء ة لا يعرف إلا بالعلم.(المسوط للسرخسى: ۷٤/۱،انيس)

وقال الطحطاوى:" وشروط صحة الإمامة للرجال الاصحاء ستة أشياء ... (والقراء ة) بحفظ آية تصح بها الصلاة على الخلاف والسادس(السلامة من الأعذار) فإن المعذور صلا ته ضرورية، فلايصح اقتداء غيره به (كالرعاف الدائم (وانفلات الريح) ... والسلامة (من فقد شرط كطهارة) فإن عدمها بحمل خبث،لا يعفى لاتصح إمامته لطاهر".(مراقى الفلاح شرح نورالأيضاح،كتاب الصلوٰة،باب الإمامة،ص:۲۸۷-۲۸۹،قديمى)

(۱) "عن ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما قال:قال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم:"من سمع النداء فلم يمنعه من اتباعه عذرقالوا:وما العذر؟قال:"خوف أومرض،لم يقبل منه الصلوه التى صلى".

قال الشيخ ظفرأحمد العثمانى رحمه اللّٰه:"قوله: عن ابن عباس رضى اللّٰه تعالٰى ... قلت : دل علٰى كون الخوف والمرض عذراً".(إعلاء السنن،أبواب الإمامة،باب الأعذار فى ترك الجماعة:۲۰٤/٤،إدارة القرآن،كراتشى)

(۲) وفى المبسوط (ويؤم القوم أقرؤهم لكتاب اللّٰه وأعلمهم بالسنة وأفضلهم ورعاً وأكبرهم سناً لحديث ابن مسعود رضى اللّٰه تعالٰى عنه أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يؤم القوم اقرؤهم لكتاب اللّٰه تعالٰى فإن كانوا سواء فاعلمهم بالسنة ، فإن كانوا سواء فأقدمهم هجرة ، ... والأصح أن الأعلم بالسنة إذاكان يعلم من القرآن مقدارما تجوزبه الصلاة فهوأولٰى؛لأن القراء ة يحتاج إليها فى ركن واحد،والعلم يحتاج إليه فى جميع،والخطاالمفسد للصلاة فى القراء ة لايعرف إلا بالعلم".(مراقى الفلاح)

وقال الطحطاوى:" وشروط صحة الإمامة للرجال الاصحاء ستة أشياء ... (والقراء ة) بحفظ آية تصح بها الصلاة على الخلاف والسادس (السلامة من الأعذار) فإن المعذور صلاته ضرورية، فلايصح اقتداء غير به كالرعاف الدائم (وانفلات رياح)... والسلامة (من فقد شرط كطهارة) فإن عدمها بحمل خبث،لا يعفى لاتصح إمامته لطاهر".(مراقى الفلاح شرح نورالأيضاح،كتاب الصلوٰة،باب الإمامة،ص:۲۸۷-۲۸۹،قديمى)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

بیٹھ کر خطبہ دینا جائز ہے؛ لیکن خلاف سنت ہے۔

(وأما سنتها فخمسة عشر) ... وثانيها القيام،هٰكذا فى البحر الرائق،ولو خطب قاعداً أومضطجعاً جاز،هٰكذا فى فتاوىٰ قاضى خان".(۱)

اسی طرح معذور کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا اور پڑھانا بھی جائز ہے، نیز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کے لیے ان کی اقتدا بھی جائز ہے۔

"ويصح اقتداء القائم بالقاعد الذى يركع ويسجد لا اقتداء الراكع والساجد بالمومى،هٰكذا فى فتاوىٰ قاضى خان".(۲)

تاہم بہتر یہ ہے کہ ایسا امام رکھا جائے، جو کھڑا ہو کر خطبہ دے اور نماز پڑھائے۔ موجودہ خطیب صاحب کو چاہیے کہ خوشی سے ممبر چھوڑ دیں؛ تاکہ اختلاف وانتشار نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ:۴/۷۰-۷۱)

نیم اعرج کی امامت کا حکم:

سوال: زید معذور ہے؛ یعنی ایک پیر کا اتنا لنگڑا ہے کہ وہ اگر کسی چیز کا سہارا لے کر چلتا ہے تو بہ آسانی منزل مقصود طے کر لیتا ہے اور اگر کسی چیز کا سہارا لے کر نہیں چلتا ہے تو اس میں کچھ پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں اور یہ بھی ہے کہ جب وہ راستہ چلتا ہے تو پیران کا زمین پر؛ یعنی ٹیکتا ہوا چلتا ہے، جیسا کہ کچھ حصہ زمین پر پڑتا ہے اور کچھ حصہ زمین سے الگ رہتا ہے۔ اب ان صورتوں میں زید کی پیش امامی کرنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

"وكذا أعرج يقوم ببعض قدمه فالاقتداء بغيره أولىٰ".(۳)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ لنگڑا کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نماز ہو جائے گی؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے آدمی کو امام بنایا جائے، جس کے دونوں پاؤں صحیح ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ:۴/۷۱)

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ١٤٦/١

(۲) الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الفصل الثالث فى بيان من يصلح اماماً لغيره: ٨٥/١

(۳) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الامامة،مطلب فى امامة الأمرد: ٥٦٢/١،و عالمگیری: ٨٥/١

عیب دار آدمی کو امام بنانا کیسا ہے:

محترمی ! سلام مسنون

سوال (۱) کیا نماز کی امامت عیب دار آدمی نہیں کرسکتا ہے؟ کیا نامرد آدمی کو عیب دار کہا جاسکتا ہے؟

(۲) اگر ہاں تو کیا ایسا آدمی امامت کرسکتا ہے؟ ابو محمد خان

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

طبعی، یا شرعی کوئی بھی ایسا عیب جس سے اکثر لوگوں کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کراہت ہو، ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہیے، امام ایسا ہو جو باعث تکثیر جماعت ہو، ایسا امام جو باعث تقلیل جماعت ہو، شرعاً مطلوب نہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ:۴/۷۸)

بہرے گونگے اور ان کے علاوہ کی امامت سے متعلق چند مسائل:

سوال (۱) میں بہرا اور گونگا بھی ہوں، میری امامت جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) ایک صاحب جو کبھی کبھی امامت کرتے ہیں، بیشتر نماز میں نہیں پہونچتے؛ کیوں کہ ان پر کھیتی کی ذمہ داری ہے، جب نماز پڑھتے پڑھاتے ہیں تو بڑی عجلت سے پڑھتے ہیں، جس سے میرے ذہن میں کدورت محسوس ہوتی ہے۔ اس کا مسئلہ کیا ہے؟

(۳) ایک صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں پڑھا لکھا ہوں؛ مگر ’’أشهد أن لا ‘‘ کی جگہ ’’أشهدوا ‘‘ کہتے ہیں، جو اذان واقامت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان صاحب سے میں مشکوک ہوں کہ ان کی تلاوت صحیح نہیں ہوتی، ان حضرات کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

(۴) ایک نمازی ایک پیر سے معذور، جب کوئی امامت کے قابل نہیں ہوتا، یہ بھی نماز پڑھا دیتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا، یا نہیں؟ برائے کرام جواب سے نوازیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

صورت مسئولہ میں بہرے امام کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً جائز و درست ہے؛ لیکن اگر وہ بہرا امام ساتھ ساتھ گونگا بھی ہے تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا ازروئے شرع صحیح و درست نہیں۔

---

(۱) (قوله: وكره إمامة العبد والأعرابى والفاسق والمبتدع والأعمى وولد الزنا)... أماالكراهة فمبنية علىٰ قلة الناس رغبة الناس فى الإقتداء بهؤلاء فيؤدى إلىٰ تقليل الجماعة المطلوب تكثيرها تكثيرًا للآجر. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۶۹، دارالكتاب الإسلامى، انيس)

لایصح اقتداء القاری بالأمی ولا بالأخرس،الخ (۱)

(۲)　اطمینان وسکون اور خشوع وخضوع نماز کا ایک اہم جز ہے؛ لہٰذا شخص مذکور کے لیے ضروری ہے کہ وہ اطمینان وسکون سے نماز پڑھائے؛ تاکہ ارکان نماز کے ترک ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اگر شخص مذکور کو اطمینان حاصل نہ ہو تو اسے امامت کرانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔(۲)

(۳)　اعلم واقرأ شخص کو امام بنانا افضل ہے۔

(الأعلم بأحکام الصلاۃ) ... فقط صحۃً وفساداً ... (ثم الأحسن تلاوۃً) وتجویداً (للقراءۃ).(۳)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں شخص مذکور اگر نماز میں قرأت کے اندر ایسی غلطی کرتا ہے، جو مفسد صلوٰۃ ہے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی؛ لیکن اگر وہ ایسی غلطی ہے، جو نماز کے فساد کا موجب نہیں ہے تو اس کی نماز درست ہے؛ لیکن ایسے شخص کو امام بنانے سے اجتناب کیا جائے؛ تاکہ اس سے کوئی غلطی مفسد صلوٰۃ نہ ہو جائے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کی جگہ پر دوسرے صحیح پڑھنے والے شخص کو امام بنایا جائے۔

(و)لا(غیر الألثغ) ... (علی الأصح) ... فلا یؤم ... الامثله ولاتصح صلاته اذا أمکنه الاقتداء بمن یحسنه.وفی ردالمحتار:وفی الظهیرة: وإمامة الألثغ لغیره تجوز وقیل لاوظاهره اعتماد هم الصحة ... ینبغی له أن لایؤم غیره.(الدرالمختار: ۳۹۳/۱)(۴)

---

(۱)　فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصلاۃ،فصل فیمن یصح الاقتداء به وفیمن لایصح : ۸۹/۱

(۲)　عن أبی هریرة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلی ثم جاء فسلم علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فرد رسول الله صلی الله علیه وسلم علیه السلام،وقال:ارجع فصل فإنک لم تصل، فرجع الرجل فصلی کماکان صلی،ثم جاء إلی النبی صلی الله علیه وسلم فسلم علیه،فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلیک السلام،ثم قال:ارجع فصل فإنک لم تصل،حتی فعل ذلک ثلاث مرارٍ،فقال الرجل:والذی بعثک بالحق ما أحسن غیر هذا فعلمنی؟قال:إذا قمت إلی الصلاة فکبر ثم اقرأ ماتیسر معک من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً ثم ارفع حتی تعتدل قائماً ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم اجلس حتی تطمئن جالساً ثم افعل ذلک فی صلاتک کلها،قال القعنبی عن سعید بن أبی سعید المقبری عن أبی هریرة وقال فی آخره:فإذا فعلت هذا فقد تمت صلاتک وما انتقصت من هذا شیئاً فإنما انتقصته من صلاتک وقال فیه:إذا قمت إلی الصلاة فأسبغ الوضوء.(سنن أبی داؤد،باب صلاة من لایقیم صلبه فی الرکوع والسجود (ح:۸۵٦)انیس)

(و تعدیل الأرکان)أی تسکین الجوارح قدرتسبیحة فی الرکوع والسجود،وکذا فی الرفع منهما علیٰ ما اختاره الکمال.(الدرالمختارعلیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،واجبات الصلاة: ٤٦٤/١،سعید)

مقتضی الدلیل وجوب الطمأنینة فی الأربعة ووجوب نفس الرفع من الرکوع والجلوس بین السجدتین للمواظبة علی ذلک کله وللأمر فی حدیث المسیء صلاته.(البحرالرائق،صفة الصلاة: ٣١٧/١، دارالکتب الإسلامی.انیس)

(۳)　الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار،باب الامامة: ۵۵۷/۱،دار الفکر بیروت،انیس

(۴)　الدر المختارمع رد المحتار،باب الامامة : ۵۸۲/۱،دار الفکر بیروت،انیس

(۴)　لنگڑے کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً جائز و درست ہے؛ لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی صحیح سالم موجود ہے تو اس کو امام بنانا بہتر ہے۔

كذلك أعرج يقوم ببعض قدمه فالاقتداء بغيره أولى. (ردالمحتار: ۳۷۸/۱) (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ: ۶/ ۶۷-۶۸)

پیشاب کا قطرہ ٹپکتا ہے، امامت کرے، یا نہیں:

سوال:　اگر کسی آدمی کو کسی وقت پیشاب کا قطرہ آتا ہو تو وہ امامت کرسکتا ہے؟

الجواب ______________ حامدًا و مصلیاً

شرعی عذر کی تعریف: ایسا عذر مثلاً پیشاب کا آنا جو ایک نماز کے پورے وقت میں اس طرح پایا جائے کہ وضو اور نماز کے بقدر بھی بند نہ ہو اور دوسرے وقت میں بھی یہ عذر موجود ہو تو یہ عذر شرعی ہے اور ایسا شخص معذور ہے۔

لہٰذا اگر آدمی معذور شرعی نہیں ہے تو جس وقت پیشاب کا قطرہ نہ آئے، اس وقت امامت کرسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(ولا طاهر بمعذور) هٰذا (إذا قارن الوضوء الحدث أو طرأ عليه) بعده (وصح لو توضأ على الانقطاع). (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ: ۶/ ۷۷-۷۷)

نماز پڑھاتے وقت مجھے معلوم تھا کہ مذی یا پیشاب کا قطرہ کپڑوں پر لگا ہو رہے تو نماز ہو جائے گی:

سوال:　جہاں میں نوکری کرتا تھا آفس میں، وہاں میں نماز بھی پڑھاتا تھا، تو مجھے قطروں کی بیماری ہے، تو ایک مرتبہ میں نے نماز پڑھائی مجھے معلوم تھا کہ قطرہ پیشاب کا یا مذی کپڑوں پر لگا ہوا ہے، لیکن میں نے استنجا اور وضو کیا تھا، لیکن کپڑا نہیں دھو سکا تھا، اور اسی حالت میں، میں نے نماز پڑھائی تو کیا نماز ہوگئی؟ اور اگر نہیں ہوئی تو اب کیا کرنا ہوگا۔ اور جنہوں نے میرے پیچھے نماز پڑھی تھی ان کی نماز کا کیا ہوگا۔ اور اب تو میں نے وہ آفس بھی چھوڑ دیا ہے۔

الجواب ______________

نجاست کا پھیلاؤ اگر ایک روپیہ (جس کی تصویر ایک روپے کے نوٹ پر چھپی ہوئی ہے) کے برابر ہو، یا اس سے کم

---

(۱)　رد المحتار، باب الامامة، مطلب في امامة الأمرد: ۵٦٢/۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲)　الدرالمختار على هامش رد المحتار، باب الامامة: ۵۸۷/۱، دارالفكر بيروت، انيس

ہوتو نماز ہوگئی، ورنہ نہیں ہوئی۔ غالب یہ ہے کہ قطرے کا پھیلاؤ اس سے کم ہوگا۔(۱) اگر دل مطمئن نہ ہوتو وہاں نماز کے وقت اعلان کردیا جائے کہ فلاں دن کی فلاں نماز جو میں نے پڑھائی تھی، اس میں کچھ غلطی ہوگئی، جو حضرات اس نماز میں شریک تھے، وہ اپنی نماز لوٹا لیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۵۸۴)

صاحب جریان کی نماز وامامت:

سوال: احقر مدت سے مرض جریان میں مبتلا ہے، اکثر اوقات بدون دفق وشہوت کے مذی کی قسم کی کوئی چیز نکل کر کبھی مخرج کے منہ پر رہتی ہے اور کبھی مخرج سے تعدی کرکے کچھ پھیل جاتا ہے؛ مگر چمڑے سے الگ ہوکر ساقط نہیں ہوتی، کبھی کپڑے پر بھی لگ جاتی ہے اور اکثر اوقات نماز میں بھی مذکورہ حالت ہوجاتی ہے، بعض وقت دوتین دفعہ نماز دہرانے تک یہی حالت رہتی ہے اور بعض وقت نہیں رہتی۔ اب سوال یہ ہے کہ نماز دہراؤں، یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کبھی مجبوراً امام بننا پڑتا ہے کہ جماعت میں عوام ہوتے ہیں، جن کی قرأت صحیح نہیں ہے اور بعض کی قرأت صحیح ہے؛ مگر مسائل سے اچھی طرح واقف نہیں اور بعض کے طہارت وغیرہ کے مسائل پر عمل نہیں ہے، چال چلن لباس، وغیرہ شریعت کے موافق نہیں ہے اور اگر کبھی جاننے والا آدمی موجود بھی ہے تو وہ امام نہیں ہوتا تو حالت مذکورہ میں احقر کو امام بننا درست ہوگا، یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی کیا کروں؟ فقط　　　　(المستفتی: عزیزالرحمٰن عفی عنہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

اس چیز کے ناقض وضو ہونے میں شک نہیں؛ لیکن اس کی نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ شرعاً آپ کو معذور کہا جاسکے تو اس وقت آپ کے لیے یہ حکم ہوگا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا آپ کو ضروری ہوگا اور اس وضو سے فرض، نفل سب پڑھ سکتے ہیں، پھر جب نماز کا وقت خارج ہوگا تو یہ خروج وقت آپ کے حق میں ناقض وضو ہوگا عذر ناقص نہ ہوگا۔

شرعاً معذور وہ شخص ہے کہ جس پر نماز کا ایک مکمل وقت اسی حالت میں گزر جائے کہ اس میں وہ عذر برابر ملحق رہے اور اتنی دیر کے لیے بھی بند نہ ہو کہ جن میں وہ وضو کرکے اس وقت فرض نماز ادا کرسکے، جب ایک نماز کا مکمل وقت اسی حالت میں گزر گیا تو یہ شخص شرعا معذور ہوگا، اس کے بعد ہر نماز کے مکمل وقت میں اس عذر کا متحقق ہونا ضروری نہیں، بلکہ مکمل وقت میں کم از کم ایک مرتبہ اس عذر کا پایا جانا کافی ہے، پھر اگر کسی نماز کا مکمل وقت ایسی حالت میں گزر گیا کہ ایک مرتبہ بھی عذر نہ پایا گیا تو یہ شخص شرعا معذور نہیں رہے گا۔

اب آپ اپنی حالت خود ملاحظہ کرلیں، آپ شرعا معذور ہیں، یا نہیں؟ اگر ہیں تو یہ خروج مذی آپ کے حق میں

---

(۱) وقدر الدرهم ومادونه من النجس المغلظ كا لدم والبول والخمر وخرء الدجاج وبول الحمار جازت الصلاة معه وإن زاد لم تجز. (الهداية، كتاب الطهارة، باب الأنجاس وتطهيرها: ۵۸/۱، ثاقب بكدپو، ديوبند، انيس)

ناقض نہیں، لہذا اس کی وجہ سے نماز کا اعادہ بھی درست نہیں۔ آپ معذور نہیں تو یہ خروج مذی ناقض وضو ہے، اگر نماز میں خروج ہو جائے تو وضو اور نماز دونوں کا اعادہ لازم ہے۔(۱)

معذور کی امام درست نہیں، جب آپ معذور ہوں تو آپ ہرگز امام نہ بنیں، جو امام احسن حال ہو، اس کی اقتدا کرلیں اور جب معذور نہ ہوں تو پھر امام بننے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ لیکن اگر ایسی حالت میں خروج مذی ہوگیا تو نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۹/۶۲ ۱۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/رمضان ۱۳۶۲ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۵۰-۵۵۲)

☆ ☆ ☆

---

(۱) عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: جاء ت فاطمة بنت أبى حبيش رضى الله تعالىٰ عنهاإلى النبى صلى الله عليه وسلم فقالت: يارسول الله !إنى امرأة استحاض فلا أطهر،أفادع الصلوه قال:"لا،إنما ذلك عرق وليس بالحيضة،اجتنبى الصلوة أيام محيضك،ثم اغتسلى وتوضئ لكل صلوة وإن قطرالدم على الحصير". (إعلاء السنن، باب،إن المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلاة: ۱/۳٦۹ـ ۳۷۰، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى، باكستان)

عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: اعتكفت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة من أزواجه مستحاضة، فكانت ترى الحمرة والصفرة، فربما وضعنا الطست تحتها وهى تصلى". (صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب اعتكاف المستحاضة: ۱/۲۷۳، قديمى)

شرط ثبوت العذر ابتداء أن يستوعب استمراره وقت الصلوٰة كاملاً، وهوالأظهر كالانقطاع، لايثبت ما لم يستوعب الوقت كله، حتىٰ لو سال دمها فى بعض وقت الصلاة فتوضأت وصلت ثم خرج الوقت ودخل وقت صلوٰة أخرىٰ و انقطع دمها فيه، أعادت تلك الصلوٰة لعدم الاستيعاب. وإن لم ينقطع فى وقت الصلوٰة الثانية حتىٰ خرج، لاتعيدها لوجود استيعاب الوقت. وشرط بقائه أن لايمضى عليه وقت فرض إلا والحدث الذى ابتلى به يوجد فيه". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، احكام المعذور: ۱/٤۰ـ٤۱، رشيدية)

(۲) وشروط صحة الإمامة للرجال الاصحاء ستة أشياء ... والسادس: (السلامة من الأعذار) فإن المعذور صلاته ضرورية، فلا يصح اقتداء غيره به (كالرعاف) الدائم (وانفلات الريح) إلخ". (مراقى الفلاح، باب الإمامة، ص: ۲۷۸ـ۲۸۸، قديمى)

جمعہ کی فضیلت

جمعہ کا دن سب سے افضل ہے:

سوال: جمعہ کا دن سب سے افضل ہے، اس بارے میں مختصر؛ لیکن جامع طور پر بتائیے؟

الجواب

ہفتہ کے دنوں میں جمعہ کا دن سب سے افضل ہے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه أدخل الجنة وفيه أخرج منها ولا تقوم الساعة الا فی يوم الجمعة. (۱)

اور سال کے دنوں میں عرفہ کا دن سب سے افضل ہے اور عرفہ جمعہ کے دن ہو تو نورٌ علیٰ نور ہے، ایسا دن افضل الایام شمار ہوگا۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۰۸/۴)

(۱) سنن الترمذی، أبواب الجمعة، باب فضل يوم الجمعة: ۱۱۰/۱-۱۱۱، قديمی، انيس

(۲) عن عمار بن أبی عمار قال: قرأ ابن عباس ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتی ورضيت لكم الاسلام ديناً﴾ وعنده يهودی فقال: لو أنزلت هٰذه الآية علينا لاتخذنا يومها عيداً، فقال ابن عباس فانها نزلت فی يوم عيدين فی يوم الجمعة ويوم عرفة. (الجامع للترمذی، أبواب التفسير ومن سورة المائدة: ۱۳۴/۲، قديمی، انيس)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کو نماز سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں اور اسی واسطے کسی عبادت کی اس قدر سخت تاکید اور فضیلت شریعتِ صافیہ میں وارد نہیں ہوئی۔ شریعت نے ہفتے میں ایک دن ایسا مقرر فرمایا ہے، جس میں مختلف محلوں اور گاؤں کے مسلمان آپس میں جمع ہو کر اس عبادت کو ادا کریں اور چوں کہ جمعہ کا دن تمام دنوں میں افضل واشرف تھا، لہٰذا یہ تخصیص اسی دن کے لیے کی گئی ہے۔

جمعہ کے فضائل: (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو ضرور قبول ہو۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے سفر السعادت میں دو قولوں کو ترجیح دی: (۱) یہ کہ وہ ساعت خطبہ پڑھنے کے وقت سے نماز کے ختم ہونے تک ہے۔ (۲) یہ کہ وہ ساعت اخیر دن میں ہے اور دوسرے قول کو ایک جماعتِ کثیرہ نے اختیار کیا ہے اور بہت سی احادیث صحیحہ اس کی مؤید ہیں۔ شیخ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت فاطمہؓ جمعہ کے دن کسی خادمہ کو حکم دیتی تھیں کہ جب جمعہ کا دن ختم ہونے لگے تو ان کو خبر دے؛ تاکہ وہ اس وقت ذکر ودعا میں مشغول ہو جائیں۔ (۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ دن افضل ہے، اس دن کثرت سے مجھ پر درود شریف پڑھا کرو، وہ اسی دن میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر کیسے پیش کیا جاتا ہے، حالاں کہ بعد وفات آپ کی ہڈیاں بھی نہ ہوں گی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے زمین پر انبیاء علیہم السلام کا بدن حرام کر دیا ہے۔ (ماخوذ: دین کی باتیں از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی)

اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو سید الایام بنایا ہے:

سوال: جمعہ مبارک روز کی اہمیت اور فضیلت کیا ہے؟ ذرا تفصیل سے لکھئے؟ الحمد للہ ہم تو مسلمان ہیں، جمعہ کی اہمیت اور فضیلت مانتے ہیں؛ لیکن ہم لوگوں کی بد قسمتی یہ ہے کہ اپنے مذہب کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتے۔ ہمارے ایک ساتھی سے ایک کمپنی میں ایک سکھ نے پوچھ لیا کہ آپ لوگ جمعہ کے دن چھٹی کیوں کرتے ہو؟ تو ہمارے ساتھی کے پاس کوئی تاریخی جواب نہیں تھا تو ہم بہت شرمندہ ہوگئے۔

الجواب ــــــــــــــــ

جمعہ کے دن کی فضیلت یہ ہے کہ یہ دن ہفتے کے سارے دنوں کا سردار ہے۔(۱) ایک حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر دن جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا۔ اسی دن ان کو جنت سے نکالا (اور دنیا میں) بھیجا گیا اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: خيريوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه أدخل الجنة وفيه أخرج منها ولا تقوم الساعة إلا يوم الجمعة. (رواه مسلم)(۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن ان کی وفات ہوئی۔(۳)

بہت سی احادیث میں یہ مضمون ہے کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اس پر بندۂ مؤمن جو دُعا کرے، وہ قبول ہوتی ہے۔(۴)

جمعہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھنے کا حکم آیا ہے۔(۵)

یہ تمام احادیث مشکوۃ شریف میں ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میں جمعہ کی فضیلت آئی ہے۔ اس سکھ

---

(۱) عن أبی لبابة رضی الله عنه قال: قال النبی صلی الله عليه وسلم: إن يوم الجمعة سيد الأيام، الخ. (مشكاة المصابيح، باب الجمعة، الفصل الثالث، ص: ۱۲۰)

(۲) الصحيح لمسلم، فصل فی فضيلة يوم الجمعة علٰی باقی الأيام: ۲۸۲/۱، قديمی، أنيس

(۳) عن أبی هريرة رضی الله عنه أنه قال: خرجت إلی الطور، قال رسول الله صلی الله عليه و سلم: خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه أهبط وفيه تيب عليه وفيه مات وفيه تقوم الساعة، الخ. (الموطأ للامام مالك، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی الساعة التی فی يوم الجمعة: ۲۷۰/۱-۲۷۱، كراچی، انيس)

(۴) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ان فی الجمعة لساعة لا يوفقها مسلم قائم يصلی يسال الله فيهاخير إلا أعطاها إياه. (الصحيح لمسلم، فصل فی ذكر الساعة التی تقبل فيها دعوة: ۲۸۱/۱، قديمی، انيس)

(۵) عن أبی الدرداء رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: أكثروا الصلاة علٰی يوم الجمعة فإنه مشهود، الخ. (مشكٰوة، كتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثالث، ص: ۱۲۱، طبع قديمی)

نے جو سوال کیا تھا، اس کا جواب یہ تھا کہ یوں تو ہمارے مذہب میں کسی دن کی بھی چھٹی کرنا ضروری نہیں؛ لیکن اگر ہفتے میں ایک دن چھٹی کرنی ہو تو اس کے لیے جمعہ کے دن سے بہتر کوئی دن نہیں؛ کیوں کہ یہودی ہفتے کے دن کو معظم سمجھتے ہیں اور اس دن چھٹی کرتے ہیں۔ عیسائی اتوار کو لائق تعظیم جانتے ہیں اور اس دن چھٹی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو جمعہ کے افضل ترین دن کی نعمت عطا فرمائی ہے اور اس کو سید الایام بنایا ہے؛ اس لیے یہ دن اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو عبادت کے لیے مخصوص کر دیا جائے اور اس دن عام کاروبار نہ ہو۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۰۸/۴-۱۰۹) ☆

☆ جمعہ کی اہمیت:

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(۱) عن سلمان الفارسی رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم: "من اغتسل یوم الجمعة وتطهر بما استطاع من طهر ثم ادهن أومس من طیب ثم راح فلم یفرق بین إثنین فصلٰی ما کتب له ثم إذا خرج الإمام أنصت غفرله ما بینه وبین الجمعة الأخرٰی. (صحیح البخاری، باب لا یفرق بین اثنین یوم الجمعة، الخ: ۱۲٤/۱، قدیمی)

(حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اچھی طرح پاک وصاف ہوا (یعنی مونچھ، داڑھی، ناخن وغیرہ بنوائے) پھر تیل لگایا (یعنی سر داڑھی کے بال وغیرہ سنوارے)، یا کوئی خوشبو لگائی، پھر چلا اور دو شخصوں کے درمیان جدائی نہ پیدا کی اور جتنی نماز مقدر میں تھی پڑھی، پھر جب امام نکلا چپ رہا تو اس کو جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک اس کے لیے معافی ہوگئی۔)

(۲) عن أبی هریرة رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "من توضأ فأحسن الوضوء ثم أتی الجمعة فاستمع وأنصت غفرله ما بینه وبین الجمعة وزیادة ثلٰثة أیام ومن مس الحصٰی فقد لغا. (الصحیح لمسلم، فصل من اغتسل أو توضأ وأتی الجمعة وصلٰی ما قدر له، الخ: ۲۸۳/۱)

(اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ کو آیا اور غور سے سنا اور چپ رہا تو اس دن سے لے کر دوسرے جمعہ تک بلکہ تین دن یا اور زیادہ کے گناہ اس کے بخش دئے گئے اور جس نے کنکری کو چھوا اس نے لغو کام کیا) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل، ص: ۴۶۴-۴۶۵)

جمعہ کے دن مکروہ چیزیں اور متفرق احکام:

(۱) مسجد میں کسی کی گردن پھلانگ کر آگے جانا حرام ہے۔

(۲) جمعہ وغیرہ میں کسی کو ہٹا کر بیٹھنا حرام ہے۔

(۳) جگہ لینے کے لئے کوئی جائے نماز وغیرہ کسی جگہ رکھ دے تو دوسرا اس جگہ نہ بیٹھے۔

(۴) کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا تین صورتوں میں جائز ہے۔

(۵) جہاں جمعہ فرض ہو، وہاں سے اذان اول کے بعد جمعہ پڑھے بغیر سفر کرنا، یا ایسی جگہ جانا جہاں جمعہ فرض نہیں ہے مکروہ ہے۔ **(والصحیح أنه یکره السفر بعد الزوال قبل أن یصلیها ولا یکره قبل الزوال. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱٦۲/۲، دار الفکر بیروت)**

(٦) اگر وقت میں گنجائش ہے اور کچھ ضرورت ہے تو قبل نماز جمعہ وعظ کہنا مکروہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۹۸/۵)

(۷) ایسی آبادی جہاں مصر کی تعریف صادق نہ آئے (یعنی جہاں جمعہ فرض نہ ہو) وہاں جمعہ پڑھنا مسقط ظہر نہیں ہے، ظہر پڑھنا لازم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۳۷/۵)

(۸) ایک مسجد میں جمعہ کی دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸۱/۵)

(۹) جمعہ پڑھنے کے بعد دوسری جگہ خطبہ پڑھ سکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۳۸/۴) ==

عیداور جمعہ اکٹھے ہوجائیں تو ایک ہی غسل کافی ہے:

سوال: مشہور ہے کہ عید کی نماز کے لیے نہانا سنت ہے اور ایسے ہی جمعہ کے لیے نہانا بھی سنت ہے۔ اگر دونوں ایک ہی دن جمع ہوجائیں تو ہر ایک نماز کے لیے الگ غسل کیا جائے، یا ایک ہی غسل کافی ہے؟

الجواب

ایک ہی غسل کافی ہے، ہر دو کے لیے الگ الگ غسل کا تکلف نہ کریں۔

"ویکفی غسل واحد لعید وجمعة اجتمعا"، آه. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (خیر الفتاویٰ: ۶۷/۳)

== (۱۰) امام جب منبر پر چڑھے تو لوگوں کو سلام نہ کرے۔ (إذا صعد الخطيب المنبر لا يسلم على القوم عندنا. (مرقاة المفاتيح، باب الخطبة والصلاة: ۹۶/۵)

جمعہ کے دن مستحب چیزیں:

(۱) جمعہ کی نماز پڑھنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ تیل لگائے، خوشبو استعمال کرے، جو کپڑے ہوں، ان میں سب سے اچھا کپڑا پہنے، سفید کپڑا مستحب ہے، صف اول میں بیٹھے۔ (ویستحب لمن حضر صلاة الجمعة أن یدهن ویمس طیباً ان وجده ویلبس أحسن ثیابه ان کان وتستحب الثیاب البیض ویجلس فی الصف الأول. (الفتاویٰ الهندیة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱۴۹/۱)

(۲) اپنی شکل وصورت اچھی بنائے، ناخن تراشے، مونچھ کترے، بغل کے بال صاف کرے، خوشبو استعمال کرے، غسل کرے، یہ مسنون ہے۔

(۳) جمعہ کے دن اور رات میں سورۂ کہف پڑھے، مسجدوں میں پڑھنے کے لیے یہ شرط ہے کہ آواز بلند کرنے سے مسجد کی حرمت میں خلل، یا تشویش نہ ہو۔

(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھے، زیادہ دعا کرے۔

(۵) مقتدی جمعہ ادا کرنے کی جگہ جلدی جائے، سکون ووقار کے ساتھ جائے۔

(۶) دوسرے اوقات کی بہ نسبت جمعہ کے دن نیکیاں ستر گنا بڑھ جاتی ہیں۔ (فإن الصلاة من أفضل العبادات وهي فيها أفضل من غيرها لاختصاصها بتضاعف الحسنات الى سبعين علىٰ سائر الأوقات. (مرقاة المفاتيح، باب الجمعة: ۳۰/۵، دار الفكر بيروت)

(۷) جمعہ کو درود شریف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کر کے پیش کی جاتی ہے؛ اس لیے کثرت سے پڑھنا چاہیے، ایک ہزار مرتبہ پڑھنا کثرت سے پڑھنا ہے۔ (بحوالہ)

(۸) جمعہ سے پہلے غسل اور ناخن تراشے کا عمل حدیث کے موافق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق ہے۔

(ماخوذ از فتاویٰ دار العلوم: ۸۰/۵)

(۱۰) جمعہ کے دن غسل جنابت صبح کیا تو غسل مسنون کے لیے یہی کافی ہے، دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ صفائی کا جمعرات کے دن غسل کرنے سے حاصل ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۵۱/۴)

(۱۱) (جہاں جمعہ فرض نہیں ہے وہاں) گاؤں والوں کو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا ضروری نہیں ہے، چاہے شہر کتنا ہی نزدیک کیوں نہ ہو، اگر بہ سہولت کوئی شخص جا سکے تو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا ثواب کا کام ہے، اگر نہ جائے تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۹۶/۵)

(۱۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے تین زینے تھے، (شامی: ۵۵۲/۱) جس پر بھی رہے، سنت ادا ہو جائے گی۔

(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل، ص: ۴۹۴-۴۹۵)

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الطهارة فی بحث سنن الغسل: ۱۶۹/۱، دار الفكر بيروت

غسلِ جمعہ یوم جمعہ کے لیے ہے، یا نماز جمعہ کے لیے:

سوال: غسل جمعہ کے بارے میں احادیث مختلف ہیں۔ کیا جمعہ کے دن غسل کرنا یہ صلوٰۃ جمعہ کے لیے سنت ہے، یا مطلقاً یوم جمعہ کے لیے سنت ہے؟ ائمہ کا کیا اختلاف ہے؟

الجواب

صحیح یہ ہے کہ یہ غسل جمعہ کے لیے ہے۔

فی السعاية اختلفوا فی ذلک علیٰ قولين الأول أنه اليوم ... والثانی وهو الصحيح عند الجمهور وهو قول أبی يوسف، کما فی البداية وغيره أنه للصلاة لا اليوم، ثم قال: وفی مختارات النوازل والمحيط وفتاویٰ قاضی خان أنه لو اغتسل بعد الصلاة ولا يعتبر بالاتفاق.(۱)

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ اگر غسل کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی تو یقیناً سنت حاصل ہوگئی اور اگر وضوٹوٹ گیا۔ جدید وضو کر کے نماز ادا کی تو بھی یہ غسل کافی سمجھا جائے گا۔

"**فالأولیٰ عندی الأجزاء وإن تخلل الحدث**". (۱۵۶/۱)(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان (خیر الفتاویٰ: ۶۷/۳)

ضرورت ہو تو جمعہ کی نماز میں بھی قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں:

سوال: "قنوت نازلہ" کا پڑھنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صبح کے علاوہ کسی دوسری نماز میں بھی جائز ہے، یا نہیں؟ جمعہ کی نماز میں پڑھے، یا نہ؟ اور پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا اور آمین بالجہر کہنا کیسا ہے؟

الجواب

"قنوت نازلہ" صبح کے علاوہ دوسری جہری نمازوں میں حتی کہ جمعہ میں بھی پڑھنا جائز ہے۔

کمافی الدر المختار: (ولا يقنت لغيره) إلا النازلة فيقنت الإمام فی الجهرية وقيل فی الکل.(۳)

البتہ امام کا ہاتھ اٹھانا اور لوگوں سے اٹھوانا اور زور سے آمین کہلوانا ٹھیک نہیں، امام جہر سے پڑھے اور مقتدی آہستہ آمین کہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عبداللہ غفرلہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان، ۱۳۷۰/۱۲/۳۰ھ۔ الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۶۹/۳)

ناخن وغیرہ کاٹنے کے لیے جمعہ کا دن افضل ہے:

سوال: ناخن کاٹنا، ایسے ہی جسم کے دیگر غیر ضروری بال صاف کرنے کے لیے کون سا دن افضل ہے؟

(۱) أوجز المسالک إلیٰ موطأ الإمام مالک، باب الجمعة: ۳۳۱/۱، المکتبة العلمية سهارنفور، انيس

(۲) رد المحتار، قبيل مطلب يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة: ۱۶۹/۱، دار الفکر بيروت، انيس

(۳) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۱۱/۲، دار الفکر بيروت، انيس

الجواب

یہ تمام امور ہفتہ میں کسی ایک دن مستحب ہیں، البتہ ان کے لیے جمعہ کا دن افضل ہے، کچھ تاخیر کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن چالیس دن سے تجاوز کرنا گناہ ہے۔

وفی استحسان القهستانی عن الزاهدی یستحب أن یقلم أظفاره و یقص شاربه ویحلق عانته وینظف بدنه فی کل أسبوع مرةً یوم الجمعة أفضل ثم فی خمسة عشر یوماً والزائد علی الأربعین أثم،آه. (۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۸۷/۳)

جمعہ کے دن بال نماز جمعہ سے پہلے ترشوائیں، یا بعد میں:

سوال: شامی میں ہے:

”**ویکره تقلیم الأظفار وقص الشارب فی یوم الجمعة قبل الصلاة**“. (۲)

کیا مفتی بہ قول یہی ہے کہ نماز جمعہ سے قبل ناخن تراشنا اور حجامت بنوانا مکروہ ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب

شامی، جلد: ۵، کتاب الحظر والاباحۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول مرجوع ہے۔ ناخن وغیرہ اور بال ترشوانا جمعہ سے پہلے ہو۔

(قوله: وکونه بعد الصلاة أفضل،آه)أی لتناوله برکة الصلاة وهومخالف لماذکره قریباً فی الحدیث،آه. (ص: ۲۶۸) (۳)

طحطاوی میں تصریح ہے کہ بال کٹوانا اور ناخن کاٹنا جمعہ سے پہلے سنت ہے۔

وظاهرالأحادیث یدل علیٰ أن القلم قبل الصلاة،فمافی بعض الکتب أنه بعدها لیشهد له بالصلاة لایعول علیه لأنه تعلیل فی مقابلة النص،آه. (الطحطاوی، ص: ۲۸۶) (۴) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۰۲/۳)

جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھنے کا فائدہ:

سوال: اکثر لوگوں کا معمول ہے کہ جمعہ کے دن سورہ کہف کا اہتمام کرتے ہیں، کیا شریعت میں اس کا ثبوت ہے؟

---

(۱) حاشیة الطحطاوی،باب الجمعة،ص: ۵۲۴،دار الکتب العلمیة،بیروت،انیس

(۲) رد المحتار،مطلب اذا شرک فی عبادته فالعبرة للأغلب: ۱۶۳/۲،دار الفکر بیروت،انیس

(۳) رد المحتار،کتاب الحظر والاباحة،فصل فی البیع: ۴۰۵/۶،دار الفکر بیروت، انیس

(۴) حاشیة الطحطاوی،باب الجمعة،ص: ۵۲۵،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

الجواب

حدیث پاک میں ہے: جو جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھے گا تو دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لیے نور چمکتا رہے گا۔ علامہ طیبی علیہ الرحمہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ چمک دل میں ہوگی، یا قبر میں، یا حشر میں۔

عن أبی سعید الخدری أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من قرأ سورة الکهف فی یو م الجمعة أضاء له من النورما بین الجمعتین. (رواہ البیہقی)(۱)

(**قوله: أضاء له فی قلبه أوفی قبره أویوم حشره، آه.** (حاشیة المشکاة: ۱۸۹/۱)(۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۴/۳/۱۸ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۸۸/۳)

جمعہ کے دن کثرت درود کی مقدار:

سوال: حدیث میں جو آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"**أولی الناس بی یوم القمیة أکثر هم علی الصلاة**". (۳)

کیا اس کثرت کی کوئی مقدار متعین ہے؟ اس کثرت سے کیا مراد ہے؟

الجواب

یوں تو درود پاک ایسی بابرکت چیز ہے کہ جتنا بھی پڑھا جائے، کم ہے؛ لیکن علامہ سخاویؒ نے قوت القلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم از کم مقدار تین سو مرتبہ ہے۔ (فضائل درود، ص: ۶۹۵) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۱۱/۷/۱۱ھ (خیر الفتاویٰ: ۱۰۵/۳)

جمعہ کے بعد بھی تکبیر تشریق پڑھی جائیں:

سوال: ایام تشریق میں جمعہ کی نماز کے بعد بھی تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

جمعہ کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں۔

"**ویکبرون عقیب الجمعة**" آه. (۴)

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۰۹/۳)

---

(۱) مشکاة المصابیح، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث: ۱۸۹/۱، قدیمی/السنن الصغریٰ، باب فضل الجمعة، رقم الحدیث: ۶۰۶/السنن الکبریٰ، باب مایؤمر به فی لیلة الجمعة ویومها من الفضائل، رقم الحدیث: ۵۹۹۶، انیس

(۲) مرقاة المفاتیح، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث: ۱۴۸۹/۴، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) سنن الترمذی، باب ماجاء فی فضل الصلاة علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، رقم الحدیث: ۴۸۴، انیس

(۴) خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلوٰة، الفصل الرابع والعشرون فی صلاة العیدین: ۲۱۶/۱

جمعہ کی نماز کے بعد سوال کرنے کا حکم:

سوال: بعض سائلین جمعہ کی نماز کے فوراً بعد سوال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا ان سائلین کو کچھ دینا جائز ہے، یا ان کو سوال سے روکا جائے؟

الجواب

سائل اگر واقعی ضرورت مند ہو، پیشہ ور نہ ہو اور کسی مجبوری کے تحت سوال کر کر رہا ہو اور نمازیوں کو پریشان نہ کرے، مانگنے میں حد سے تجاوز نہ کرے تو سوال کی گنجائش ہے اور دینا بھی درست ہے۔

المختار أن السائل إذا كان لايمر بين يدى المصلى ولايتخطى رقاب الناس ولايسئل الحافاً بل لأمرٍ لا بد منه فلا بأس بالسوال والاعطاء. (۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴/۱۱/۱۴۰۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۹۸/۳)

کیا جمعہ کے دن قبرستان جانا درست ہے:

سوال: بعض لوگوں کا معمول یہ ہے کہ جمعہ کے دن قبرستان جانے کا اہتمام کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب

بہ نیت عبرت جمعہ کے دن قبرستان جانا مندوب ہے۔

(قوله: وبزيادة القبور) أى لابأس بها، بل تندب، كما فى البحر عن المجتبى، فكان ينبغى التصريح به للأمر بها فى الحديث المذكور، كما فى الإمداد وتزار فى كل أسبوع، كمافى مختارات النوازل، قال فى شرح لباب المناسك إلاأن الأفضل يوم الجمعة والسبت والإثنين والخميس، فقد قال محمد بن واسع: الموتى يعلمون بزوارهم يوم الجمعة ويوماً قبله ويوماًبعده، فتحصّل أن يوم الجمعة أفضل، آه. (۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۱/۳/۱۴۰۹ھ (خیر الفتاویٰ: ۹۵/۳)

جمعہ کے دن کافر کو عذاب قبر ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: کیا جیسے مسلمانوں کو جمعہ کے دن اور رات قبر کا عذاب نہیں ہوتا۔ کیا ایسے ہی کافر کو بھی جمعہ کے دن قبر میں عذاب نہیں ہوتا؟

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فى الصدقة على السوال المسجد: ۱٦٤/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فى زيارة القبور: ۲٤۲/۲، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس

الجواب

کافر کو باقی ایام میں عذاب قبر ہوگا، البتہ جمعہ کا دن اور رمضان میں اس سے عذاب قبر اٹھالیا جاتا ہے۔

قال أهل السنة والجماعة:"عذاب القبر حق وسوال منكر ونكير وضغطة القبر حق لكن إن كان كافرًا فعذابه يدوم إلٰى يوم القيامة ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان". (۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۶/۲/۶ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۸۸/۳)

شب جمعہ، جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کو عذابِ قبر نہیں ہوگا:

سوال: کیا جو ماہ رمضان، یا محرم، یا جمعہ کے دن فوت ہو جائے، اس سے نہ حساب ہوگا، نہ اسے عذاب قبر ہوتا ہے۔ اگر ہے تو کیا حد ہے؟ آخری جملہ کی وضاحت؛ یعنی ماہ رمضان اور محرم ان دونوں میں مرنے والے سے عذاب قبر اگر موقوف ہے تو آیا اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے؟ اگر ہے تو کیا اس کے لیے حقوق العباد سے سبکدوش ہونا بھی شرط ہے، یا یہ کہ دنیا میں جس قدر جی چاہے، حقوق غصب کرتا رہے اور نہ خود دے اور نہ ورا ث دیں؛ مگر متذکرہ بالا دونوں اور مہینوں میں مرجائے تو اسے عذاب قبر نہ ہوگا؟

الجواب

عذاب قبر کے معاف ہونے کی بشارت جمعہ کے دن، یا رات میں مرنے والے کے لیے آئی ہے اور ایسے ہی رمضان میں مرنے والے کے لیے بھی ہے؛ مگر عشرہ محرم میں مرنے والے کے لیے بشارت نہیں؛ لیکن حقوق العباد وغیرہ اس سے معاف نہیں ہوں گے، ان کی ادائیگی بہر حال ضروری ہے، یا صاحب حق سے معاف کرایا جائے۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه اللّٰه فتنة القبر".

قال القاري في شرح المشكاة: فتنة القبرٰى سواله وعذابه وهويحتمل الإطلاق والتيقيد والأول هوالأولٰى بالنسبة إلٰى فضل المولى، آه. (۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

(خیر الفتاویٰ:۱۰۶/۳)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، قبيل باب العيدين: ۱٦٥/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) مرقاة المفاتيح، باب وجوب الجمعة، الفصل الثاني: ۱۰۲۱/۲، دار الفكر بيروت

والحديث رواه الإمام أحمد بن حنبل في مسنده، مسند عبداللّٰه بن عمرو بن العاص، رقم الحديث: ٦٥٨٢، والترمذي في سننه، باب ماجاء فيمن مات يوم الجمعة، رقم الحديث: ۱۰۷٤/۱، الطيورات الجزء السابق: ٦٥٤/۲، رقم الحديث: ٥٩٦، مكتب أضواء السلف الرياض، انيس

جمعہ کی رات کو مرنے والے کی تدفین کو جمعہ تک مؤخر کرنا:

سوال: کوئی شخص جمعہ کی رات کو فوت ہو گیا تو نماز جنازہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کے بعد تک تاخیر کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

سنت یہ ہے کہ تدفین میں جلدی کی جائے، اتنی دیر تک تدفین کو روکے رکھنا خلاف سنت ہے؛ لہٰذا جتنے حاضرین جمع ہوں، مل کر جنازہ پڑھ لیں۔ ہاں! اگر تدفین میں مشغولیت کی وجہ سے جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر جمعہ کے بعد جنازہ پڑھ لیں۔

(وكره تاخير صلاته ودفنه ليصلى عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة) إلا إذا خيف فوتها بسبب دفنه،آه. (الدر المختار)

(قوله:إلا إذا خيف،إلخ) فيؤخر الدفن وتقدم صلاة العيد علىٰ صلاة الجنازة والجنازه على الخطبة،آه. (۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ،۱۰/۹/۱۳۹۸ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۱۱۲/۳)

☆ ☆ ☆

(۱) رد المحتار،باب صلاة الجنائز،مطلب فى حمل الميت:۲۳۲/۲،دار الفكر بيروت،انيس

عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:أسرعوا بالجنازة فإن تک صالحة فخير تقدمونها وإن تک سوى ذلک فشر تضعونه عن رقابكم.(صحيح البخارى،باب السرعة بالجنازة،رقم الحديث:۱۳۱۵/صحيح لمسلم،باب الإسراع بالجنازة،رقم الحديث:۹٤٤،انيس)

نماز جمعہ کی فرضیت

نمازِ جمعہ فرض عین ہے:

سوال: کیا جمعہ کی نماز فرض ہے؟ بعض حضرات اسے واجب بھی کہتے ہیں؟ (محمد اعجاز احمد، ایرہ گڈا)

الجواب

محقق علما کی رائے یہی ہے کہ جمعہ مستقل فرض عین ہے اور چوں کہ قرآن مجید اور حدیث متواتر سے اس کا ثبوت ہے؛ اس لیے جمعہ کا انکار کفر ہے۔

"**الجمعة (هي فرض) عين (يكفر جاحدها) لثبوتها بالدليل القطعي**". (۱)

ویسے واضح ہو کہ فرض اور واجب میں عملی لزوم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، جیسے فرض کا ادا کرنا لازم وضروری ہے، اسی طرح واجب کا ادا کرنا بھی واجب وضروری ہے، فرق صرف دو باتوں میں ہے: ایک تو ذریعۂ ثبوت میں اور دوسرے یہ کہ اس کے انکار کا کیا حکم ہے؟ فرض کا ثبوت یقینی دلیل سے ہوتا ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور واجب کا ثبوت نسبتاً کم درجہ کی دلیل سے ہوتا ہے اور اس کا انکار کفر نہیں، البتہ فسق ہے، ورنہ عملی اعتبار سے دونوں ہی کا کرنا ضروری ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۶۹/۳)

فرضیت جمعہ:

(از تتمہ)

ھو الموفق اس امر میں اتفاق ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظّمہ میں ہجرت سے پہلے جمعہ ادا کرنے کی نوبت نہیں آئی اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ اسلام میں پہلا جمعہ جو ادا کیا گیا، وہ ہجرت نبویہ کے بعد مدینہ منورہ میں ادا کیا گیا، اختلاف اس میں ہے کہ جمعہ کی فرضیت کہاں ہوئی؟ آیا مکہ معظّمہ میں، یا ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "فرضیت جمعہ کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے، اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ مدینہ میں آیت ﴿**إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة**﴾ کے نزول سے ہوئی"، چناں چہ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں:

واختلف فی وقت فرضيتها، فالأكثر علىٰ أنها فرضت بالمدينة، وهو مقتضىٰ ما تقدم أن

---

(۱) **الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۶/۳، دار الفكر بيروت، انيس**

فرضيتها بالآية المذكورة وهي مدنية،انتهى. (۱)

اوراس عبارت سے کچھ پہلے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:

واستدلال البخاری بهذه الآية على فرضية الجمعة سبقه إليه الشافعي في الأم وكذا حديث أبي هريرة رضي الله عنه ثم قال فالتنزيل ثم السنة يدلان علىٰ ايجابها. (۲)

اور علما کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ جمعہ کی فرضیت ہجرت سے قبل مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی،جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شیخ ابوحامد رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے:

وقال الشيخ أبو حامد: فرضت بمكة وهو غريب. (۳)

اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان میں اور شیخ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح منہاج میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔(كذا في آثار السنن)

اور قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:

وذلک أن الجمعة فرضت على النبي صلى الله عليه وسلم وهو بمكة قبل الهجرة كما أخرجه الطبراني عن ابن عباس فلم يتمكن من اقامتها هنالک من أجل الكفار فلماهاجرمن هاجر من أصحابه الى المدينة كتب اليهم يأمرهم أن يجمعوا فجمعوا،انتهىٰ. (نيل الأوطار)(۴)

اور علامہ شہاب الدین قلیوبی شافعی رحمہ اللہ حاشیہ شرح منہاج الطالبین میں لکھتے ہیں:

(قوله:وفرضت بمكة) ونقل عن الحافظ ابن حجر أنها فرضت بالمدينة.أقول:ويمكن حمله علىٰ أنها فرضت عليه صلى الله عليه وسلم وعلىٰ أصحابه بالمدينة بمعنى أنه استقر وجوبها عليهم لزوال العذر الذي كان قائماً بهم.و الحاصل أنه طلب فعلها بمكة،لكن عالم يتفق لهم فعلها للعذرلم يوجد رط الوجوب ووجد بالمدينة فكأنهم لم يخاطبوا بها الا فيها. (۵)

قاضی شوکانی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس روایت کو طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری وا لتلخیص الحبیر میں اس روایت کو دارقطنی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے،ہم تلخیص سے اس کو نقل کرتے ہیں:

---

(۱) فتح الباری،باب فرض الجمعة لقوله تعالىٰ:إذا نودی للصلاة:۲٥٦/۲،مكتبة دار السلام الرياض،انيس

(۲) فتح الباری،كتاب الصلاة،باب فرض الجمعة:٤٥٦/۲،مكتبة دار السلام الرياض،انيس

(۳) فتح الباری،كتاب الصلاة،باب فرض الجمعة:٤٥٦/۲،مكتبة دارالسلام،انيس

(۴) نيل الأوطار،باب انعقاد الجمعة بأربعين:۲۸۳/۳،انيس

() حاشية شرح المنهاج،باب صلاة الجمعة:۲۸۳/۲، دارالكتب العلمية،بيروت،انيس

وأول من اقامها بالمدينة قبل الهجرةأسعد بن زرارة بقرية علىٰ ميل من المدينة.(نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج،باب الجمعة:۲۸٤/۲،دار الكتب العلمية،بيروت،انيس)

روی الدار قطنی من طریق المغیرة بن عبدالرحمن عن مالک عن الزهری عن عبید اللّٰہ عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال: أذن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الجمعة قبل أن یهاجر ولم یستطع أن یجمع بمکة فکتب الیٰ مصعب بن عمیر ... أما بعد فانظر الیوم الذی تجهر الیهود بالزبور فاجمعوا نساء کم وأبناء کم فاذا مال النهار عن شطره عند الزوال من یوم الجمعة فتقربوا الی اللّٰہ برکعتین قال فهو أول من جمع حتیٰ قدم النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم المدینة فجمع عند الزوال من الظهر و أظهر ذلک، انتهیٰ. (التلخیص)(۱)

اسی طرح جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں اس حدیث کو بحوالہ دار قطنی نقل کیا ہے۔ درمنثور کی روایت میں بجائے لفظ ''عندالزوال'' کے ''بعدالزوال'' ہے اور باقی تمام الفاظ یکساں ہیں، اس حدیث میں لفظ ''اذن'' بمعنی اذن واجازت کے نہیں ہے؛ بلکہ بمعنی علم ومعرفت کے ہے اور صیغۂ معروف ہے، مجہول نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اس لفظ کو اذن بمعنی اجازت سے لے کر اور صیغۂ مجہول قرار دے کر اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں جمعہ کی اجازت دی گئی، یہ ترجمہ حدیث کے سیاق وسباق اور واقعات کے موافق نہیں ہے؛ بلکہ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو مکہ ہی میں ہجرت سے پہلے جان پہچان لیا تھا، (یعنی یہ کہ جمعہ وہ دن ہے، جس میں ہم کو مجتمع ہو کر عبادت کرنے کا حکم ہے، یا جو ہمارے لیے خدا تعالیٰ نے فرض کیا ہے)؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس علم کے مکہ معظّمہ میں جمعہ ادا نہ کر سکے تو آپ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا (مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں لوگوں کی تعلیم کے لیے پہلے بھیج دیا تھا) کہ دیکھو اس دن کا خیال رکھو، جس دن یہود زبور کو پکار پکار کر پڑھتے ہیں، تم اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو اور جب جمعہ کے دن زوال ہو جائے تو خدا کے لیے دو رکعتیں تقرباً ادا کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پس مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں آنے سے پہلے جمعہ ادا کیا ہے، یہ جمعہ انہوں نے زوال کے بعد ظہر کے وقت میں پڑھا اور کھلم کھلا پڑھا، انتہی۔ لفظ اذن کا ترجمہ ہم نے ''علم معرفت'' کیا ہے، یہی حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ انہوں نے فتح الباری میں فرمایا ہے:

''ولا یمنع ذلک أن یکون النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم علمه بالوحی وهو بمکة فلم یتمکن من اقامتها ثم فقد ورد فیه حدیث ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما عند الدارقطنی ولذلک جمع بهم أول ما قدم المدینة، کماحکاه ابن اسحٰق وغیره'' انتهیٰ. (۲)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے اذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ ''**علم النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم**'' کیا ہے اور یہی راجح اور اوفق باللغۃ وبالواقعات ہے۔

---

(۱) التلخیص الحبیر، کتاب الجمعة: ۱۳۹/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

(۲) فتح الباری، باب فرض الجمعة لقوله تعالیٰ: إذا نودی للصلاة: ۴۵۸/۲، دار السلام الریاض، انیس

اس کے بعد جان پہچان لینے سے مراد اس کی فرضیت جان لینا ہے، یا اور کچھ؟ اس کے لیے یہ روایت کافی ہے:

عن أبی هریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: نحن الآخرون ونحن السابقون یوم القیامۃ بعد أن کل أمۃ أوتیت الکتاب من قبلنا وأوتینا من بعدھم، ثم ھٰذا الیوم الذی کتبہ اللّٰہ علینا ھدانا اللّٰہ لہ فالناس لنا فیہ تبع الیھود غداً والنصاریٰ بعد غداً. (۱)

(یعنی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم دنیا میں آنے کے لحاظ سے تو پچھلے ہیں؛ مگر قیامت میں ثواب کے لحاظ سے مقدم ہوں گے۔ ہاں! ہر امت کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں سب کے بعد عنایت ہوئی، پھر یہ (جمعہ کا) دن وہ ہے، جو خدا نے ہمارے اوپر فرض کیا اور ہم کو اس کی ہدایت فرمادی ہے۔)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے:

''ثم ھٰذا یومھم الذی فرض علیھم فاختلفوا فیہ فھدانا اللّٰہ لہ'' انتھیٰ. (۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وفی الحدیث دلیل علی فرضیۃ الجمعۃ کما قال النووی لقولہ فرض علیھم فھدانا اللّٰہ لہ، فإن التقدیر فرض علیھم وعلینا فضلوا وھدینا. (۳)

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو بخاری ومسلم کی حدیث ہے یہ ثابت ہوگیا کہ جمعہ کی مخصوص عبادت یہود ونصاریٰ پر بھی فرض تھی اور ہم پر بھی؛ مگر جمعہ کا نام لے کر ان کو بتلایا نہ گیا تھا، (وہذا علی القول الراجح) تعیین ان کے اجتہاد پر چھوڑ دی گئی تھی۔ یہود نے اپنے اجتہاد سے یوم السبت کو اور نصاریٰ نے اپنے اجتہاد سے یوم الاحد کو اختیار کیا اور اصل دن؛ یعنی یوم جمعہ سے جو مقصود تھا، بھٹک کر اس کی فضیلت سے محروم رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس یوم مقصود کی ہدایت فرمادی، ہم نے اس کو معلوم کرلیا اور اس کے فضل وثواب سے متمتع ہوگئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ یہی یوم جمعہ وہ دن ہے، جس کے اندر اجتماعی عبادت امم سابقہ پر بھی فرض کی گئی تھی؛ یعنی حضرت حق تعالیٰ کی جانب سے فرضیت کا حکم اسی دن کے لیے مقصود تھا اور یہی دن امت محمدیہ کے لیے بھی متعین تھا؛ یعنی جمعہ کی فرضیت علم خداوندی میں پہلے ہی سے تھی؛ مگر حق تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کے امتحان وابتلا کے لیے اور امت محمدیہ کی تکریم کے واسطے امم سابقہ کو تعیین سے مطلع نہ فرمایا؛ بلکہ ان کے اجتہاد پر چھوڑ دیا اور وہ اجتہاد میں غلطی کرکے محروم رہ گئے اور امت محمدیہ کو اس کی تعیین کی ہدایت فرمادی۔ حدیث کے لفظ ''فھدانا اللّٰہ لہ'' میں ''ھدی'' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے اور لفظ نا ضمیر جمع متکلم میں امت محمدیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب داخل ہیں اور اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے ہم کو اس دن کی تعیین کی ہدایت کردی، جو ہمارے لیے فرض کیا گیا تھا۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، فصل فی فضیلۃ یوم الجمعۃ علی باقی الأیام: ۲۸۲/۱، قدیمی، انیس

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب فرض الجمعۃ: ۱۲۰/۱، قدیمی، انیس

(۳) فتح الباری، قولہ باب فرض الجمعۃ لقولہ تعالیٰ: اذا نودی للصلاۃ: ۴۵/۲، دار السلام الریاض، انیس

اب ہدایت کی صورت کیا ہوئی؟ آیا یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے اجتہاد سے اسے معلوم کرلیا، یا حضرت حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے بتادیا؟ ھدانا اللّٰہ دونوں معنی کو محتمل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قوله: فهدانا اللّٰه له يحتمل أن يراد بأن نص لنا عليه، وأن يراد الهداية اليه بالاجتهاد. (۱)

یعنی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہدایت سے یہ ہو کہ خدا تعالیٰ نے اس دن کی تصریح کر کے بتادیا کہ جمعہ کی عبادت تم پر فرض ہے اور ممکن ہے کہ ہدایت سے مطلب یہ ہو کہ صحابۂ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو تعیین جمعہ تک پہنچادیا ہو۔

اس احتمال کی تائید میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ روایتیں ذکر فرمائی ہیں:

"روى عبدالرزاق باسناد صحيح عن محمد بن سيرين قال جمع أهل المدينة قبل أن يقدمها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقبل أن تنزل الجمعة فقالت الأنصار أن لليهود يوماً يجتمعون فيه كل سبعة أيام وللنصارىٰ كذلك فهلم فلنجعل يوماً نجتمع فيه فنذكر اللّٰه تعالىٰ ونصلي ونشكره فجعلوه يوم العروبة واجتمعوا الىٰ أسعد بن زراره فصلىٰ بهم يومئذٍ وأنزل اللّٰه تعالىٰ بعد ذلك ﴿اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة﴾" (الآية) (فتح الباری) (۲)

اس کے بعد اسی کی تائید میں ایک دوسری روایت ذکر فرمائی اور اس کو حسن فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

"أخرج أحمدؒ وأبوداؤد وابن ماجة صححه ابن خزيمة وغيرواحد من حديث كعب بن مالك قال: كان أول من صلى بنا الجمعة قبل مقدم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المدينة اسعد بن زرارة. (الحديث) (فتح الباری) (۳) (مسودہ ناتمام حضرت مفتی اعظمؒ)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۱۹۶-۲۰۱) ☆

(۱-۳) فتح الباری، باب فرض الجمعة لقوله تعالىٰ: اذا نودى للصلاة: ۲/۴۵۸، دار السلام، ریاض، انیس

☆ **جمعہ کی شرعی حیثیت:**

جمعہ کی نماز فرض عین ہے۔ (الفتاوىٰ الهندية، باب الجمعة: ۱/۱۴۴)

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يـأيها الذين اٰمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلىٰ اللّٰه وذروا البيع ذٰلكم خيرلكم إن كنتم تعلمون﴾ (سورة الجمعة: ۹) (اے ایمان والو! جب جمعہ کی اذان دی جائے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے کے لیے بہتر ہے، اگر تم کو علم ہو۔)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(الف) عن جابر بن عبد اللّٰه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من ترك الجمعة ثلٰث مرارمن غير عذرٍ طبع اللّٰه علىٰ قلبه. (مسند أحمد: ۲۲/۴۲۲، انیس) (جس نے بغیر ضرورت تین جمعہ چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دل پر مہر لگادیا۔) ==

نماز جمعہ چھوڑنے سے متعلق حدیث:

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ پانچ مرتبہ نمازِ جمعہ قضا ہو جائے تو وہ مسلمان نہیں رہتا؟ (حیدر علی جواد، دیگلور)

الجواب

غالبًا یہ بات روایت میں نہیں آئی ہے، البتہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عن أبي قتادة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ترك الجمعة ثلاث مرات من غير ضرورة طبع على قلبه". (۱)

(جس نے تین دفعہ بلا ضرورت جمعہ چھوڑ دیا، اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔)

دل پر مہر لگ جانے سے مراد یہ ہے کہ اس سے خیر کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۶۷-۶۸)

==　(ب)عن عبد الله أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لقومٍ يتخلفون عن الجمعة: لقد هممت أن آمر رجلاً يصلي بالناس ثم أحرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم رواه مسلم" (الصحيح لمسلم، باب فضل صلاة الجماعة: ۲۳۲/۱، قديمي، انيس) (اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کرلیا کہ کسی کو حکم دوں کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں جو لوگ جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں، ان پر ان کے گھروں کو جلا دوں۔)

(ج)عن جابر أن رسول صلى الله عليه وسلم قال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة يوم الجمعة إلا مريض أو مسافر أو امرأة أو صبي أو مملوك فمن استغنىٰ بلهو أو تجارة استغنىٰ الله عنه والله غني حميد. (سنن الدارقطني، باب من تجب عليه الجمعة: ۳/۲، انيس) (جس کا ایمان اللہ اور آخرت پر ہے، اس پر جمعہ کے دن جمعہ فرض ہے، سوائے بیمار، مسافر، عورت، بچہ یا غلام کے، پس جو لہو ولعب، یا تجارت کی وجہ سے بے پروائی کرے، اللہ کو اس شخص کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور اللہ تو بے نیاز و سراپا حمد وثنا والے ہیں ہی (کوئی نام لے، یا نہ لے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ایسا شخص خود ہی بدنصیب و بدانجام ہے۔)

۳۔(الف) ان تصریحات کی بنا پر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے اور آیتِ جمعہ نازل ہونے سے پہلے مدینہ والوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یہودیوں کا ایک دن مقرر ہے، جن میں وہ ہر سات دنوں پر جمعہ ہوتے ہیں اور نصاریٰ بھی کرتے ہیں تو ہمیں بھی ایک دن مقرر کرنا چاہیے، جس میں اللہ تعالیٰ کو یاد کریں، نماز پڑھیں، اس کا شکر ادا کریں، اس کام کے لیے انہوں نے عروبہ کا دن مقرر کیا، سب لوگ سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے، انہوں نے ان لوگوں کو اس دن دو رکعت نماز پڑھائی اور نصیحت کی، پس لوگوں نے اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیت بالا: ﴿إذا نودي للصلوٰة يوم الجمعة﴾ (الآية) نازل فرمائی، پھر جب اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنی سالم بن عوف کے محلّہ میں جمعہ ادا کی گئی اور آپ نے وادی کی مسجد میں اس کو ادا کیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کے اندر یہ پہلا جمعہ ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح:۳/۲۳۰) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ص۴۶۵-۴۶۷)

(۱)　مجمع الزوائد، باب فيمن ترك الجمعة: ۴۲۰/۲، انيس

امام ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ نے بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث اپنی جامع میں ذکر کی ہیں:

محمد بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونًا بها طبع الله علىٰ قلبه" (الجامع للترمذي، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱۱۲/۱، رقم الحديث: ۵۰۰، قديمي، انيس / نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۱۰۵۲، باب التشديد في ترك الجمعة)

بلاعذر تارک جمعہ کا حکم:

سوال: جس بستی میں جامع مسجد موجود ہو اور شرعاً وہاں جمعہ بھی ادا ہوتا ہو، ایسی جگہ بلاعذر ترک جمعہ کر کے ظہر ادا کرنے سے نماز ادا ہوگی، یا نہیں؟

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــــ و باللّٰه التوفيق

جن بستیوں میں جامع مسجد موجود ہوں اور شرعی طور پر بوجہ پائے جانے شرائط جمعہ کے جمعہ ادا ہو جاتا ہو، ایسی جگہ بلاعذر ترک جمعہ صریح فسق ہے۔ متواتر بلاعذر تین جمعہ چھوڑنے والے کو حدیث میں منافق فرمایا گیا ہے، جمعہ چھوڑ کر ادا کرنے سے ترک فریضہ جمعہ کا گناہ ہوگا۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ أتم وأحکم (مرغوب الفتاویٰ:۱۰۶/۳)

محض نفسانیت کی وجہ سے جمعہ کی جماعت سے گریز:

سوال: ایک عالم جو باجازت پیش امام صاحب کے جمعہ اور بشرط موجودگی پنج وقتی بھی پڑھایا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک جمعہ میں دیر کر کے آئے، جب تک پیش امام نے خطبہ شروع کر دیا تھا تو وہ دروازہ سے آواز پیش امام سن کر واپس چلے گئے تو کیا ایسے عالم کے پیچھے نماز درست ہے اور ایسے عالم کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــ و باللّٰه التوفيق

صورت مسئولہ میں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ عالم مذکور جامع مسجد کے دروازہ سے خطبہ کی آواز سننے کے باوجود کیوں واپس ہو گئے، اس کی کیا وجہ ہوئی؟ اس وقت تک ان پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے، ممکن ہے کہ کوئی شرعی وجہ ہو اور اس صورت میں ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ہاں! اگر محض نفسانیت وتکبر کی بنا پر واپس گئے ہوں تو البتہ عنداللہ وہ مجرم اور گنہگار ہوں گے۔ بہر حال ان کے پیچھے نماز ناجائز نہیں ہوگی اور ان سے اس حرکت کی بنا پر رنجش اور فتنہ وفساد نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ مسلمانوں کے درمیان ایسے اختلاف کو فتنہ وفساد کا ذریعہ بنانا بدترین گناہ ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان، ۱۳۵۳/۴/۲۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۵۳/۲-۲۵۴)

---

(۱) (هی فرض) ... آكد من الظهر" (الدرالمختار) وفی ردالمحتار: "ومن صلی الظهر يوم الجمعة فی منزله ولاعذر له كره وجازت صلاته ... قوله: (آكد من الظهر) أی لأنه وردفيها من التهديد ما لم يرد فی الظهر من ذلك قوله صلی اللّٰه عليه وسلم". (من ترك الجمعة، ثلاث مرات من غير ضرورة طبع اللّٰه علیٰ قلبه) رواه أحمد و الحاكم وصححه. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳٦/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: "من ترك الجمعة من غير ضرورة كتب منافقًا فی كتاب لا يمحی ولا يبدل. وفی بعض الروايات "ثلاثاً" رواه الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ. (مشكاة، باب وجوبها (أی الجمعة) الفصل الثالث، ص: ۱۲۱)

"من ترك ثلاث جمعات من غير عذر كتب من المنافقين" ... وفی رواية: "من ترك الجمعة ثلاث جمع متواليات فقد نبذ الإسلام وراء ظهره". قال الهيثمی رجاله رجال الصحيح. (فيض القدير: ۱۳٤/٦، رقم الحديث: ۸٥۹۰)

(۲) وَلاَ تَنَازَعُوا فَتَفشَلُوا وَتَذهَبَ رِيحُكُم وَاصبِرُوا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (سوره انفال: ٤٦)

اوور ٹائم کی خاطر جمعہ کی نماز چھوڑنا سخت گنا ہے:

سوال: گزارش یہ ہے کہ میں جس جگہ کام کرتا ہوں، اکثر جمعہ کے دن اوور ٹائم لگتا ہے، کمپنی کی مسجد میں کوئی اِمام نہیں آتے، سب کمپنی کے آدمی کام کرتے ہیں، کوئی جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں جاتا، سب کام ختم کر کے گھر جانے کی سوچتے ہیں، ایسے میں، میں جمعہ کی نماز باہر جا کر پڑھوں، یا اسے قضا پڑھوں؟

الجواب

وہاں جمعہ اگر نہیں ہوتا تو کسی اور جامع مسجد میں چلے جایا کیجئے، جمعہ چھوڑنا تو بہت بڑا گنا ہے، تین جمعے چھوڑ دینے سے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔

محمد بن عمرو قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونا بها طبع اللّٰه علىٰ قلبه. (۱)

محض معمولی لالچ کی خاطر اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ضعفِ ایمان کی علامت اور بے عقلی بات ہے۔ کمپنی کے اربابِ حل وعقد کو چاہیے کہ جمعہ کی نماز کے لیے چھٹی کر دیا کریں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴/۱۱۰-۱۱۱)

ترک جمعہ کا گناہ:

سوال: جو شخص مسلسل تین جمعہ میں نماز ادا نہیں کرتا، کیا اس کے گھر سے خیر وبرکت اٹھالی جاتی ہے؟ کیوں کہ ایک صاحب جمعہ کو مسجد میں نماز ادا نہیں کرتے؛ بلکہ گھر میں ہی نماز ادا کرتے ہیں۔ (ایکس، وائی، زیڈ)

الجواب

بلا عذر جمعہ چھوڑ دینا بہت ہی گناہ اور محرومی کی بات ہے، مسند احمد میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من ترك الجمعة ثلاث مرات من غير ضرورة طبع علىٰ قلبه". (۲)

(جس نے تین دفعہ بلاضرورت جمعہ چھوڑ دیا، اس کے دل پر مہر لگادی جاتی ہے۔)

اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا دل منافقوں کا سا ہو جاتا ہے۔ بیماری، شدید بارش، دشمن کا خوف اور بینائی سے محرومی ان اعذار میں سے ہے، جن کی وجہ سے فقہا نے ترکِ جمعہ کی اجازت دی ہے۔ (۳) اگر ان صاحب کو اس طرح کے اعذار نہ ہوں تو انہیں سمجھائیے کہ وہ ایسی ناشائستہ حرکت سے باز آئیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۶۸-۶۹)

---

(۱) الجامع للترمذي، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة م غير عذرٍ: ۱/ قديمي، انيس

(۲) مجمع الزوائد، باب فيمن جاء من ترك الجمعة: ۲/۲۰ ٤، انيس (نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۱۰۵۲)

(۳) الدر المختار: ۲/ ٤ ۲-۲۸

شرائط جمعہ اوراس کے مسائل

شہر کی تعریف:

سوال: ادائے نماز جمعہ کے لیے شہر ہونا شرط ہے تو شہر کی تعریف کیا ہوگی؟

الجواب

شہر کی تعریف میں اختلاف ہے۔

(۱) جس جگہ ہر پیشہ کے آدمی موجود ہوں اوراسی پیشہ سے اپنی گذراوقات کرتے رہیں، کسی دوسرے پیشہ کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے، وہ شہر ہے۔

برجندی مضمرات میں بیان کرتے ہیں:

"قال بعضهم: هو أن يعيش كل محترف بتحرفه إلٰى من غير أن يحتاج إلٰى حرفة أخرىٰ" إنتهٰى.

ابوالمکارم اپنی شرح میں فرماتے ہیں:

"وقال بعضهم: هو من يعيش فيه كل صانع بصنعه" إنتهٰى.

(۲) شہر وہ جگہ کہلاتی ہے کہ وہاں ہر دن ایک بچہ پیدا ہوتا ہو اور ایک آدمی مرجاتا ہو۔

(۳) شہر وہ جگہ ہے کہ جس کی آبادی کا شمار مشکل ہو۔

برجندی بیان کرتے ہیں:

"وفي كنز العباد: وقال بعضهم: هو أن يولد فيه كل يوم ولد ويموت إنسان، وقال بعضهم: هو أن لايعرف أهله إلّا كلفة ومشقة" إنتهٰى.

(۴) جس کی آبادی دس ہزار انسانوں پر مشتمل ہو۔ (شرح ابی المکارم)(۱)

(۵) شہر وہ آبادی ہے کہ اس میں قاضی اور مفتی ہوں اوراحکام نافذ کرسکتے ہوں، شرح ابی المکارم میں ہے:

"وقال قاضي خان: لايكون الموضع مصراً إلا أن يكون فيه مفتٍ وقاض يقيم الحدود وينفذ الأحكام" إنتهٰى. (۲)

---

(۱)

(۲) الفتاویٰ قاضي خان، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱۷۴/۱، انیس

(۶) بلخی کا مسلک مختار ہے کہ بڑی سے بڑی مسجد میں اگر پوری آبادی نہ آسکے تو وہ شہر ہوگا۔ (کذافی الہدایۃ)(۱)

(۷) بحر العلوم مولانا عبد العلی ارکان میں فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار مولانا نظام الدین کے نزدیک شہر وہ آبادی ہے کہ جہاں انسان کی تمام ضروریات مہیا ہوں؛ یعنی کھانے پینے اور پہننے وغیرہ کی اشیا کی بیع وفروخت ہوتی ہو اور بقدر ضرورت ہر قسم کے اہلِ صنعت وحرفت بھی موجود ہوں۔ (۲)

چوں کہ شہر کی تعریف میں اختلاف کثیر ہے، اگر کسی آبادی کے شہر ہونے میں شبہ ہو تو احتیاط کا تقاضہ ہے کہ نماز جمعہ کے بعد چار رکعت اس نیت کے ساتھ پڑھے:

’’نويت أن أصلى اٰخر الظهر الذى أدركت وقته ولم يسقط بعد عنّى‘‘.

اور ہر ایک رکعت میں فاتحہ کے ساتھ سورہ بھی پڑھے۔ صغیری میں ہے:

وعن الإختلاف فى المصر قالوا: فى كل موضع وقع الشك فى جواز الجمعة ينبغى أن يصلى أربع ركعات بنية آخر الظهر ادركت وقته ولم يسقط بعد عنى، إنتهٰى.

اور دوسری جگہ ہے:

ينبغى أن يقرأ السورة مع الفاتحة فى الأربع التى بنية آخر الظهر وقع فرضاً فالسورة لاتضر وإن كان نفلاً فقرأةالسورة واجبة، إنتهٰى ملخصاً وهٰكذا فى الهندية. (۳)

عیدین اور جمعہ کا حکم بالکل یکساں ہے؛ کیوں کہ دونوں میں مصر اور شہر کا ہونا شرط ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۲-۲۲۳)

مصر کی صحیح تعریف کیا ہے:

سوال: عندالاحناف وجوب جمعہ کے لیے مصر تو یقیناً شرط ہے؛ لیکن چوں کہ تعریف مصر میں اختلاف عظیم ہے، لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ تعریف معتبر ومفتی بہ کون سی ہے اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ مدلل بیان فرماویں۔

وہ قریہ جس کی آبادی ۱۲۰۰ر یقیناً ہے اور پانچ مساجد بھی ہیں اور تمام حوائج اہل قریہ بھی دستیاب ہوتی ہیں اور صاحب ہدایہ کی تعریف ہٰذا ’’وعنه أنهم اذا اجتمعوا فى أكبر مساجدهم لم يسعهم‘‘ (۴) کا بعینہ مصداق ہے اور

---

(۱) وفى رواية عن الإمام أبى يوسف المصر موضع يبلغ المقيمون فيه عدداً لا يسع أكبر مساجده إياهم، فى الهداية هو إخيار البلخى وبه أفتىٰ إكثر المشائخ لما رؤا فساد أهل الزمان. (رسائل الأركان، شرائط الجمعة، ص: ١١٤، المطبع اليوسفى، انيس)

(۲) وكان مطلع الأسرار أبى قدس سره يفتى بأن المصر موضع يندفع فيه حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعاماً والكسوة الضرورية وأن يكون هناك أهل حرف يحتاج إليهم كثيراً لاأدرى أكان هذا من إجتهاده قدس سره أو وجد رواية. (رسائل الأركان، شرائط الجمعة، ص: ١١٤، المطبع اليوسفى، انيس)

(۳) الفتاوىٰ الهندية، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ١/١٤٥، دارالفكر بيروت، انيس

(۴) الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١/١٤٨، مكتبة رشيدية سهارنپور، انيس

صاحب شرح وقایہ کی عبارت ہٰذا ’’ولایسع اکبر مساجدہ أھلہ مصریۃ‘‘ بھی انطباق ہے۔علاوہ بریں چوں کہ قریہ مذکور میں شریف اہل علم آباد ہیں، ان کی وجہ سے گردونواح کے اہل دیہات برائے شرکت جمعہ جمع ہوتے ہیں اور خوب مجمع ہوجاتا ہے، لہٰذا بیان فرمائیے کہ قریہ مذکورہ میں بنا برتعریف صاحب ہدایہ وشرح وقایہ جمعہ جائز ہے، یانہ؟ ناجائز ہونے کی صورت میں دلیل اعراض عن التعریفین وماخذ قول مفتی بہ تحریر فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں؟

الجواب

مصر کی یہ تعریف ’’وھو ما لایسع أکبر مساجد أھل المکلفین بھا‘‘منقوضہ ہے۔صحیح یہ ہے کہ عرفاً وہ بستی شہر، یا قصبہ کہلائی جانے کی مستحق ہواور قریہ کبیرہ جومثل قصبہ کے ہواورضروریات مردماں وہاں ملتی ہوں، وہ بھی بحکم مصر ہے۔شامی میں ہے:

’’وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ التی فیھا أسواق ... وفیما ذکرنا إشارۃ إلیٰ أنہ لاتجوزفی الصغیرۃ التی لیس فیھا قاض ومنبر وخطیب،الخ.(شامی)(۱)

وفی باب العیدین من الدرالمختارعن القنیۃ:صلاۃ العید فی القریٰ تکرہ وتحریماً أی أنہ اشتغال بمالایصح؛لأن المصر شرط الصحۃ.(۲)

شامی میں ہے:

’’ومثلہ الجمعۃ،الخ‘‘.(۳)

پس معلوم ہوا کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں ہے،حالاں کہ تعریف ’’**مالا یسع أکبرمساجدہ،الخ**‘‘ بہت سے قریوں پرصادق آتی ہے؛اس لیےشامی نے اس تعریف کے ذیل میں نقل فرمایاہے:

’’قولہ:مالا یسع ھٰذا یصدق علیٰ کثیرمن القریٰ،الخ‘‘.

اوراس تعریف پر یہ بھی نقض کیا گیا ہے کہ حرمین شریفین کی مسجد حرام اورمسجد نبوی اس تعریف سے خارج ہوئی جاتی ہیں؛ کیوں کہ وہاں مالایسع صادق نہیں آتا؛ بلکہ ان مساجد میں وہاں کے رہنے والوں سے بہت زیادہ وسعت ہے،**کذا فی شرح المنیہ،الخ.** (۴)فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۱۵۹/۵-۱۶۰)

---

(۱) ردالمختار،باب الجمعۃ:۱۳۸/۲،دار الفکر بیروت،انیس

(۲) الدرالمختارعلیٰ ھامش رد المحتار،باب العیدین:۱۶۷/۲ ،دار الفکر بیروت،انیس

(۳) رد المحتار،باب العیدین،مطلب فی الفأل والطیرۃ:۱۶۷/۲،دار الفکر بیروت،ظفیر

(۴) والفصل فی ذٰلک أن مکۃ والمدنیۃ مصرأن تقام بھما الجمعۃ من زمنہ علیہ الصلاۃ والسلام إلیٰ الیوم فکل موضع کان مثل أحدھما فھومصر...حتیٰ التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتاخرین کصاحب المختار،والوقایۃ وغیرھما: وھوما لواجتمع فی أکبر مساجدہ لایسعھم فانہ منقوض مھما إذ کل مسجد بھما یسع أھلہ وزیادۃ، الخ.(غنیۃ المستملی،فصل فی صلاۃ الجمعۃ،فی بحث شرط الأداء،ص:۴۷۳-۴۷۴،انیس)

جمعہ کے واسطے مصر کی شرط:

سوال: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾(۱) اور حدیث''عن طارق بن شهاب عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الجمعة حق واجب علیٰ کل مسلم فی جماعة إلاعلیٰ أربعة: عبد مملوک أو امرأة أو صبی أو مریض''(۲) دوسری حدیث:''عن جابر أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر فعلیه الجمعة یوم الجمعة إلامریض أو مسافر أو امرأة أو صبی أو مملوک'' (۳) موافق مطلب آیت کریمہ اور ہر دو حدیث کے سوائے ان کے جن کو شارع نے استثنا کیا ہے۔ نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے، یا فقط شہر والوں پر؟

الجواب

جس طرح احادیث مذکورۂ سوال بعض کے استثنا کی دلیل ہیں، اسی طرح اہل قریٰ کے استثنا کی دوسری شرعی دلیل بھی موجود ہے، پس وہ بھی مستثنیٰ ہوئی؛ اس لیے صرف اہل مصر پر فرض رہی۔ تحقیق اس کی مشبع ومبسوط وکافی ''رسالہ اوثق العریٰ'' میں اور تدقیق اس کی ''رسالہ احسن القریٰ'' میں موجود ہے۔

۶ رمحرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۲۷) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۶۷۴)

سوال: گزشتہ خط میں اس مضمون کو لکھا تھا کہ کہاں پر جمعہ وعیدین درست ہے اور کہاں پر نہیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس جگہ تقریبا چار ہزار کی کل مردم شماری ہو؛ یعنی چھوٹے بڑے کافر مسلمان سب ملا کر اور بازار بھی ہو، وہاں جمعہ وعیدین درست ہے اور جہاں یہ شرطیں نہ ہوں درست نہیں، اب عرض کرتا ہوں کہ آپ اس مضمون کو کون کون سی کتاب سے فرماتے ہیں بتلا دیجئے ''الدرالمختار وتنویرالابصار والبحرالرائق کی یہ تحریر کہ ''(المصر هو ومالا یسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها) وعلیه فتویٰ أکثر الفقهاء''.(۴)

''عن أبی یوسف: أنه إذا اجتمعوا فی أکبر مساجدهم الصلوات الخمس لم یسعهم وعلیه الفتویٰ لأکثر الفقهاء'' کیوں معتبر نہیں؟

الجواب

میرا ماٰخذ علامہ شامی کی نقل ہے خود امام صاحب سے:''هو بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق''.(۵)

(۱) سورة الجمعة:۹

(۲) سنن أبی داؤد، باب الجمعة للملوک والمرأة، رقم الحدیث:۱۰۶۷، انیس

(۳) سنن الدارقطنی، باب من تجب علیه الجمعة: ۲/۳، رقم الحدیث: ۱۰۷۶، انیس

(۴) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، دار الفکر بیروت، انیس

(۵) عن أبی حنیفة أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه.(رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، دار الفکر بیروت، انیس)

اور بلدہ ایک امر عرفی ہے، خود امام صاحب کا قاعدہ ہے کہ جس میں تجدید شرعی نہ ہو رائے مبتلی بہ پر اس کا مدار ہوتا ہے اور جس طرح آب کثیر میں دہ دردہ انتظام کے لیے مقرر کیا گیا، اس طرح یہاں انتظام کے لیے حکمائے تمدن یعنی حکام وقت کی عرف واصطلاح کا اعتبار ہوگا اور وہ چار ہزار آدمی کی آبادی کو قصبہ کہتے ہیں اور قصبہ بتصریح فقہاء حکم مصر میں ہے اور یہ تعریف ''هو مالا یسمع، الخ'' حدتام نہیں، رسم ناقص ہے، اس وقت یہ حالت امصار کی تھی۔ فقط

۱۰ر شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۳٦) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/٦٧٤-٦٧٥) ☆

☆ تعریف قریہ کبیرہ:

سوال: ایک بڑی ضروری بات قابل گزارش ہے، جس سے سخت تشویش رہتی ہے کہ احقر کا مکان ایک موضع میں ہے، جس کو عرفاً دیہات ہی کہتے ہیں، گو اس کی آبادی تین چار ہزار کی ہے، احقر کو معلوم تحقیقاً یہی تھا کہ جس کو قصبہ، یا شہر کہتے ہوں، اسی میں جمعہ فرض ہے، اسی بنا پر اس دفعہ مکان گیا تو جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوا، لوگ چوں کہ مانتے ہیں؛ اس لیے زیادہ الجھتے نہیں، البتہ دریافت کیا، ان کو نرمی سے سمجھا دیا اور کہہ دیا کہ میں آپ لوگوں کو منع نہیں کرتا۔ ہاں مجھے خود معذور سمجھیں؛ مگر درمختار میں قریہ کبیرہ کو بھی داخل حکم قصبہ، یا شہر لکھا ہے، اب سخت تردد ہے کہ صغیرہ کبیرہ کا معیار کیا ہے؟ نیز قریہ خواہ کبیرہ ہو، یا صغیرہ، اس کو نص مصر جامع کے ہوتے ہوئے کیسے حکم دیا گیا؟ اب مشکل یہ ہوئی کہ احقر اپنے مکان پر کیا کرے، تمام ہندو مسلمان مل کر کم از کم تین ہزار سے زیادہ ہوں گے، نیز دوکان بھی پچیس تیس گھر موجود ہیں، ہر قسم کی ضروری چیزیں ملتی ہیں، البتہ کوئی تھانہ وغیرہ نہیں ہے، احقر کو سخت پریشانی ہے کہ خدا جانے کیا فرض ہے؟ جمعہ چھوڑتے ہوئے پڑھتے ہوئے دونوں میں مشکل معلوم ہوتی ہے، براہ شفقت جناب ہی اس کے متعلق دو چار حرف لکھئے تو تشفی ہو جاتی؟

الجواب

میں قریہ کبیرہ کے معنی قصبہ کے سمجھتا ہوں، قرینہ اس کا یہ ہے کہ فقہاء قریہ کبیرہ کی صفت میں ''التي فیها أسواق'' بڑھاتے ہیں، گویا یہ تفسیر ہے اور یہ شان قصبہ کی ہوتی ہے اور عرف میں مصر قصبہ کو بھی کہتے ہیں۔

(تتمہ خامسہ: ۴۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/٦٧٢)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع کی آبادی تخمیناً چار ہزار (۴۰۰۰) کی ہے، ضرورت کی ساری چیزیں حتی کہ دوائیں بھی مل جاتی ہیں، ڈاکخانہ ہے، سرکاری مدرسہ ہے، پہلے تحصیلداری بھی تھی، اب اٹھ کر دوسری جگہ چلی گئی، ہفتہ میں دو مرتبہ بازار بھی لگتا ہے، بازار میں اس بارہ دکانیں ایسی ہیں، جو مستقل طور سے روزمرہ کھلی رہتی ہیں، جن میں سے مسلسل پانچ چھ ایک طرف ہیں اور پانچ چھ دوسری طرف درمیان میں دس بارہ قدم کا فاصلہ ہے اور یہ دوکانیں بازار کے نام سے موسوم ہیں، سابق یعنی شاہی زمانہ میں یہاں قلعہ بھی تھا، جس کے آثار اب تک کثرت سے موجود ہیں، باوجود نمازیوں کی قلت کے ہر جمعہ میں کم وبیش سو آدمی ہو جاتے ہیں اور رمضان شریف میں اس سے زیادہ، قاضی وملا کے خاندان کے لوگ بھی ہیں، ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے زمانہ میں کوئی بڑی جگہ تھی، لہٰذا یہاں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس کی موجودہ حالت مقتضی ہے جواز جمعہ کو، آبادی بھی چھوٹے قصبات کی سی ہے اور حوائج ضروریہ کی مستقل دوکانیں بھی ہیں، جو عرف میں بازار کہلاتا ہے اور تحقیق شرط مصر کا مدار عرف ہی پر ہے، علی الاصح اور اس سے قطع نظر کر کے بھی جب آثار وقرائن قویہ سے اس کی حالت ماضیہ مصر جیسی تھی تو بعض آثار مصریہ کا باقی رہنا بھی (جیسا کہ چار ہزار کی آبادی مصریہ کا اثر اعظم ہے) صحت جمعہ کے لیے کافی ہے، **دلیله مافي شرح السیر الکبیر** (۳/۸۱): **فلاتصیر دار السلام إلا بانقطاع ید أهل الحرب عنها من کل وجه وهٰذا لأن ما کان ثابتا فإنه یبقی ببقاء بعض آثاره ولا یرتفع إلا باعتراض معنی هو مثله أو فوقه، اه. قلت: وشمل هذا الکلي الجزئي المتکلم فیه،** البتہ چوں کہ ایسے امور میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے؛ اس لیے فاعلین وتارکین اس اختلاف کو حد معارضہ وتشویش تک نہ پہنچا دیں۔

۱۷ر محرم ۱۳۵۳ھ (النور جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/٦٧٣)

سوال: درباۂ مصر وشہر فقہائے تعریفات فرمودہ اند ومرجع ہر یک کثرت مردمان معلوم نماید؛ لیکن تعداد کثرت معلوم نگردد فلا جرم در اداء جمعہ اختلافات دفع نگردد تعداد کثرت تعیین فرمودہ دہند یا دلائل فقہاء پس ہر جاء موافق فرمودہ کثرت یافتہ شود جمعہ قائم کردہ شود واگرنہ ترک کردہ شود اگر عرفا واصطلاحا ہر جارا کہ شہر گویند آں راا ختیار کردہ شود دربعض وہ چناں کثرت مردمان است کہ ہم برابر قصبہ کبیرہ گردد؛ لیکن نامش دونہادہ اند الغرض تعیین کثرت از دلیل فقہاء لازم وضروری امر است۔ فقط (۱)

الجواب

عددے معین دریں باب از نظرم نگزشتہ وکتب ہم نزدم اندک است، لہذا قول فیصل نتوانم گفت آرے نظر برعرف واصطلاح حکما وحکام تمدن ایں ملک کے آبادی چہار ہزار مردم را قصبہ می شمارند مع نظر برقول فقہاء التی فیھا اسواق درتعریف قریہ کبیرہ کہ صالح اقامت جمعہ است معمول خود درفتویٰ چنیں کردہ ام کہ ہر جاکہ ہر دو شرط یافتہ شود اجازت اقامت جمعہ میدہم وزیادہ ازیں تحقیق نیست۔ (۲)

۱۷ر شوال ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ: ۲۱) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۶۶۹-۶۷۰)

جمعہ کہاں جائز ہے، مصر کی تعریف کیا ہے اور سرہند میں جمعہ کا کیا حکم ہے:

سوال: مذہب حنفیہ کے نزدیک جمعہ کہاں پر جائز ہے؟ مصر کس کو کہتے ہیں اور کیا شرائط ہیں؟ مجدد الف ثانیؒ جہاں پر مدفون ہیں، وہاں پر جمعہ پڑھا ہے، آیا جمعہ وہاں پر جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

مذہب حنفیہ کا جو تمام کتب فقہ حنفیہ میں مذکور یہ ہے کہ جمعہ کے ادا ہونے اور واجب ہونے کے لیے مصر شرط ہے اور مصر کہتے ہیں شہر کو اور قصبہ اور بڑا قریہ بھی حکم شہر میں ہے۔ (کذافی الشامی)

---

(۱) خلاصۂ سوال: مصر کی حضرات فقہاء نے کئی تعریفیں کی ہیں، جن کا حاصل ''کثرت آبادی'' معلوم ہوتا ہے؛ لیکن کثرت کی تعداد معلوم نہیں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اداء جمعہ میں جو اختلاف ہو رہا ہے، وہ ختم نہیں ہوتا۔ آپ دلائل فقہیہ سے کثرت کی تحدید وتعیین فرمادیں؛ تاکہ جہاں جناب کی تعیین کے مطابق کثرت ہو، وہاں جمعہ قائم کردیا جاوے، ورنہ ترک کردیا جاوے۔ اگر عرف واصطلاح کا لحاظ کیا جاوے کہ لوگ جسے شہر کہیں (وہی شہر ہو تو) بعض دیہاتوں میں لوگوں کی اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ وہ بڑے قصبہ کے برابر ہوتے ہیں؛ لیکن نام ان کا بھی دیہات ہی ہوتا ہے۔ الغرض کثرت کی تعیین دلیل فقہی سے کرنا لازم وضروری ہے۔ سعید

(۲) ترجمۂ جواب: اس سلسلہ میں معین عدد میری نظر سے نہیں گزرا ہے اور میرے پاس کتابیں بھی کم ہیں، لہذا قول فیصل نہیں کہہ سکتا۔ ہاں عرف اور اس ملک کے حکما وحکام تمدن کی اصطلاح کے پیش نظر کہ وہ چار ہزار کی آبادی کو قصبہ شمار کرتے ہیں اور فقہا کے ارشاد: ''التی فیھا اسواق'' جو اس قریہ کبیرہ کی تعریف میں کہا گیا ہے، جہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، ملحوظ رکھ کر فتویٰ دینے میں اپنا معمول یہ کرلیا ہے کہ جہاں جہاں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں، وہاں اقامت جمعہ کی اجازت دے دیتا ہوں اور اس سے زیادہ تحقیق نہیں ہے۔ سعید

پس خلاصہ یہ ہے کہ چھوٹے قریہ میں جمعہ نہیں ہوتا، وہاں ظہر باجماعت پڑھنی چاہیے اور بڑے قریہ اور قصبہ اور شہر، یا متعلقات شہر میں جمعہ پڑھنا چاہیے، وہاں احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں ہے۔

جس جگہ مزار حضرت مجدد الف ثانی صاحب کا ہے، وہ متعلق شہر سرہند کے ہے، لہٰذا وہاں جمعہ درست ہے۔ اگر گاؤں چھوٹا ہو اور دکانیں وغیرہ وہاں نہ ہوں تو جمعہ نہ پڑھنا چاہیے اور اگر دوکانیں بازار وہاں موجود ہیں تو جمعہ پڑھنا چاہیے۔

مکرر آں کہ اگر حضرت مجدد صاحبؒ نے بالتصریح وبالتخصیص موضع مذکور میں جمعہ جائز فرمایا ہے تو وہاں جمعہ پڑھنا چاہیے؛ کیوں کہ ضرور ہے کہ اس وقت وہان شرائط جمعہ پائی گئی ہوں گی۔ اب جمعہ چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷۹/۵)

مصر کی مفتی بہ تعریف کیا ہے اور ہندوستان میں جمعہ جائز ہے، یانہیں:

سوال: جمعہ اور عیدین کی نماز گاؤں میں جائز ہے، یانہیں؟ اور مصر کی تعریف کون سی مفتیٰ بہ ہے اور مسلمان قاضی، یا والی کی شرط کے متعلق کیا فتوی ہے؟ اور بلادِ ہند میں جمعہ واجب ہے، یانہیں؟ جس بستی میں آٹھ ہزار گھر ہوں، وہ گاؤں ہے، یا شہر؟ بر تقدیر جواز جمعہ احتیاط الظہر کی ضرورت ہے، یانہیں؟

الجواب

گاؤں اگر بڑا ہو، مثل قصبہ کے اور اس میں بازار اور دوکانیں ہوں تو اس میں عندالحنفیہ جمعہ وعیدین کی نماز درست ہے اور فرض ہے اور اگر چھوٹا ہے تو اس میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں ہے، **کمافی ردالمحتار، باب الجمعة:**

"وتقع فرضاً في القصبات والقریٰ الكبيرة التي فيها أسواق ... وفيما ذكرنا إشارة إلٰى أنه لا تجوز في الصغيرة" الخ. (۱)

اور مصر کی تعریف میں اختلاف ہے، جو کہ کتب فقہ میں مذکور ہے، اس کا فیصلہ بھی شامی کی عبارت مذکورہ سے ہو گیا ہے کہ قصبہ اور بڑا قریہ شرعاً مصر ہے اور چھوٹا گاؤں مصر نہیں ہے۔ زیادہ تفصیل مصر کے بارے میں کتب فقہ میں ملاحظہ فرماویں اور شامی میں یہ تصریح ہے کہ وہ بلاد جن میں کفار کا تسلط ہے، ان میں جمعہ صحیح ہے اور امام مسلمین کا نہ ہونا باعث عدم جواز جمعہ نہیں ہے؛ بلکہ مسلمان اپنا امام مقرر کر لیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں، **كذافي الشامي**. (۲)

اور جس بستی میں آٹھ ہزار گھر ہیں، یا آٹھ سات ہزار آدمی آباد ہیں، وہ قصبہ اور شہر ہے اور وہاں بلا شبہ نماز جمعہ ادا ہوتی ہے، احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں ہے۔

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً اهـ. (ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب: ۱٤٤/۲، ظفير)

مصر کی جو تعریف شرح وقایہ وغیرہ میں نقل کی گئی ہے: ''**أنهم اذا اجتمعوا فی أکبر مساجد هم لم یسعهم**'' یا ''**مالا یسع فی أکبر مساجده أهل مصر**'' یہ صحیح نہیں ہے، علامہ شامی نے صراحت کی ہے: ''**قوله: (مالایسع، الخ) هٰذا یصدق علٰی کثیر من القریٰ**''. (۱) یعنی اگر اس تعریف کو صحیح مان لیا جائے تو بہت سے چھوٹے دیہاتوں اور گاؤں پر بھی یہ تعریف صادق آئے گی، حالاں کہ ان میں جمعہ درست نہیں ہے، پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس تعریف کی بنیاد پر حرمین شریفین کی مسجد حرام اور مسجد نبوی اس تعریف سے خارج ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ وہاں ''**مالایسع**'' (جس میں سارا شہر نہ سما سکے) صادق نہیں آتا؛ اس لیے کہ ان مسجدوں میں وہاں کے رہنے والوں سے بہت زیادہ گنجائش ہے، چناں چہ شرح المنیہ میں ''**حتٰی التعریف الذی اختاره جماعة من المتأخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرهما: وهو ما لو اجتمع أهله فی أکبر مساجده لایسعهم فإنه منقوض بهما إذ مسجد کل منهما یسع أهله وزیادة.** (۲) اس لیے متاخرین کی تعریف صحیح نہیں کہی جا سکتی، تعریف ایسی جامع ہو جو ہر طرح درست رہے۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۶۶/۵-۱۶۷)

جواب سوالات متعلق اختلافات در تعریف مصر:

سوال: ایک شرذمہ قلیلہ اور فرقۂ شاذۃ کا دعویٰ یہ ہے کہ عمل داری نصاریٰ میں جیسے بھارت کے ہندوستان وبنگالہ میں خواہ عرفی شہر ہو، یا قصبہ وقریہ کبیرہ، کہیں جمعہ کی نماز صحیح نہیں اور پڑھنے والے مخطی اور مغالطہ میں ہیں اور ان کا مستدل یہ ہے کہ صحت جمعہ کے لیے مصر شرط ہے اور مصر کی تعریف ظاہر روایۃ میں یہ ہے: ''**المصر کل موضع له أمیر وقاض، آه**''. جس سے صاف ہو جاتا ہے کہ امیر وقاضی کے بغیر مصر نہیں ہو سکتا، خواہ کتنی بڑی آبادی ہو، چناں چہ قاضی خاں کی عبارت ہمارے دعوے کو صاف طور سے واضح کر دیتی ہے؛ کیوں کہ قاضی خان میں حصر کے ساتھ لکھا گیا: ''**ولا یکون الموضع مصراً فی ظاهر الروایة إلا أن یکون فیه مفتٍ وقاض، آه**''. (۴) اور نیز مالابد منہ کی عبارت بھی اس مدعا پر صاف دلیل ہے، حیث قال: ''یکے مصر یعنی شہر یکے در آن امیر وقاضی باشد'' اور اکبر مساجد والا قول اولاً اس کا مصداق مکہ معظّمہ بھی نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے کہ وہاں کے سب مصلی حرم شریف میں سما جاتے

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) غنیة المستملی، فصل فی الجمعة فی بحث شرط الأداء، ص: ۴۷۴، انیس

(۳) صاحب درمختار نے متاخرین کی تعریف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وظاهر المذهب أنه کل موضع له أمیر وقاض یقدر علٰی إقامة الحدود، کما حررناه فیما علقنا علٰی الملتقی. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲-۱۳۸، دار الفکر بیروت، انیس)

وفی الرد: (قوله: ظاهر المذهب، الخ) قال فی شرح المنیة: والحد الصحیح ما اختاره صاحب الهدایة أنه الذی له أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود، الخ. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۴) فتاویٰ قاضی خان، باب صلاة الجمعة: ۱۷۴/۱، انیس

ہیں، علاوہ بریں اکبر مساجد کی کوئی تعیین نہیں، سو بعض چھوٹی بستی باعتبار صغر مسجد مصر کہلا سکتی ہے اور بعض بڑی بستی بھی کبر مسجد کی تقدیر پر گاؤں کہلائے گی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ظاہر روایت کے مقابلے اس کی کوئی ہستی ہی نہیں؛ کیوں کہ بنا بر قواعد فقہیہ ظاہر روایت ہمیشہ مطلقا ماخوذ بہا ہوتی ہے اوراس کی مخالف جانب مرجوح اور عمل بالمرجوح خرق الاجماع ہے اور نیز اکبر مساجد کے قول پر جن فقیہوں نے فتویٰ دیا، ان میں سے ایک تن بھی اصحاب ترجیح اور ارباب تصحیح میں سے نہیں ہے، لہذا ساقط عن الاعتبار ہے اور صاحب ہدایہ جو اصحاب ترجیح میں انہوں نے بھی ظاہر روایت والے قول ہی کو ترجیح دی حیث قال: ''والأول إختيار الكرخي والثاني إختيار البلخي''؛ اس لیے کہ نقل اقوال میں ماھو المذکور اولا ان کا مختار ہوتا ہے، چناں چہ ان کے مصطلحات سے واقف کار بخوبی واقف ہیں اور مختار کرخی، مختار بلخی سے یوں بھی بدرجہا مختار ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ بینہما تفاوت فی المراتب بسیار ہے اور بلاد کفار میں جمعہ پڑھنے کی جو صورت معراج الدرایہ میں بیان کی گئی ہے، اس میں بھی شرط یہ ہے کہ مسلمان والی مسلم کا التماس کر کے والی مسلم مقرر کریں اور پھر بتراضی مسلمین ایک قاضی بھی معین ہو اور ہمارے دیار میں یہ بھی نہیں۔ بہر حال شہر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ میں جواز جمعہ کی بابت اذن حاکم ضروری ٹھہرا اور نیز جمعہ کی صحت کے لیے سلطان ایک جداگانہ مستقل شرط ہے، یہ بھی نہیں۔ علاوہ بریں اذن عام جو ایک تیسری شرط ہے، صحت جمعہ کے لیے اس کا وجود بھی متعلقات سلطان میں سے تھا، واذ لیس فلیس، لہذا بھارت میں جمعہ قائم کرنا شروط ثلاثہ کے خلاف پر کمر باندھنا ہے؛ بلکہ فقہ حنفیہ کی سخت مخالفت کرنی ہے۔ پس بحسب فقہ حنفیہ عمل داری نصاریٰ میں جو کہ اکثر کی رائے کے بموجب دار الحرب ہے، جواز جمعہ کی صحیح دلیلیں بیان فرما کر تعین کے شبہات کے کافی وشافی جواب عنایت فرماویں؟

الجواب

فی البناية شرح الهداية للعينی(۹۸۳/۱):(قوله:والمصر الجامع،الخ)قداختلفوا فيه فعن أبی حنيفة هوما يجتمع فيه مرافق أهله دنيا ودينا وعن أبی يوسف كل موضع فيه أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهومصر تجب علٰى أهله الجمعة وهٰكذاروى الحسن عن أبی حنيفة فی كتاب صلاته،وفيه أيضاً:قال سفيان الثوری:المصرالجامع ما يعده الناس مصراً عند ذكر الأمصارالمطلقة كبخاری وسمرقند، وقال الكرخی:المصرالجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام وهواختيارالزمخشری وعن أبی عبد الله البلخی أنه قال:أحسن ما سمعت إذا اجتمعوا فی أكبرمساجدهم لم يسعوا فيه فهو مصرجامع وعن أبی حنيفة هو بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق ويرجع الناس إليه فی ما وقعت لهم من الحوادث،آه.(۱)

وفی الهداية فی علة اشتراط السلطان:لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة فی التقدم

(۱)　البناية فی شرح الهداية،باب الجمعة:۵۱/۳ـ۵۲،دار الفكر بيروت،انيس

والتقديم وقد تقع فى غيره فلابد منه تتميما لأمرها.(١)

وفى ردالمحتارعن التحفة بعد نقل تعريف أبى حنيفة و هٰذا هوالأصح اهـ الا أن صاحب الهداية ترك ذكرالسكك والرساتيق؛لأن الغالب أن الأمير والقاضى الذى شأنه القدرة علىٰ تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لايكون إلا فى بلد كذلك،آه.(٢)

وفى الدرالمختار:(ونصب العامة) الخطيب (غير معتبر مع وجود من ذكر أما مع عدمهم فيجوز) للضرورة ... السابع (الإذن العام)من الامام.

وفى ردالمحتار:(قوله:من الامام) قيد به بالنظر إلى المثال الآتى وإلا فالمراد الإذن من مقيمها،لما فى البرجندى من أنه لو أغلق جماعة باب الجامع وصلوا فيه الجمعة لاتجوز اسمٰعيل،آه.(٣)

مجموعۂ روایات بالا سے امور ذیل مستفاد ہوئے :

(اول) مصر کی تعریف ائمہ سے مختلف عبارات میں منقول ہے اور اصل کلام ائمہ میں عدم تعارض ہے؛إلاأن يتعذر ،پس اس کی صورت یہی ہے کہ ان سب تعریفات کو معنوں واحد کے عنوانات کہا جاوے،جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جو عرفاً شہر کہا جاوے،وہ شہر ہے اور وجود قضاۃ وغیرہ سب امارات ہیں،بس اس بناپر ہندوستان میں صدہا امصار ہیں اور قصبات بھی امصار میں داخل ہیں؛ کیوں کہ عوام اپنے محاورات میں ان کو بھی شہر کہتے ہیں،محاورہ میں فرق کرنا یہ عادت خواص کی ہے۔

(دوم) سلطان کا اشتراط معلل ہے قطع تنازع کے ساتھ،پس اگر عامۂ مسلمین مل کر کسی پر اتفاق کرلیں،گووہ حاکم نہ ہو تو کافی ہے،البتہ امام کے ہوتے ہوئے عامہ کا مقرر کرلینا کافی نہیں۔

(سوم) اذن عام میں امام شرط نہیں،پس ہندوستان میں بہت سے مواقع میں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں؛اس لیے بلاشبہ جمعہ صحیح ہے،یہ تو رفع ہے سلب کلی کا جو کہتے ہیں کہ جمعہ کہیں جائز نہیں،باقی رفع سلب کلی سے تحقیق ایجاب کلی کا لازم نہیں کہ ہر جگہ جمعہ کو صحیح کہیں؛ بلکہ صرف ایجاب جزئی لازم ہے کہ جہاں یہ شرائط مع دیگر شرائط کے پائے جاویں گے،وہاں جمعہ صحیح ہے والافلا (ورنہ نہیں)۔

۱۱/رجب المرجب ۱۳۵۲ھ (النور،ص:۸،جمادی الاخریٰ ۵۳ھ)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۶۹۶-۶۹۹)

تعریف مصر میں رفع اختلاف کے متعلق ایک سوال کا جواب:

سوال: جناب کی اکثر تصانیف سے ثابت ہوتا ہے کہ مصر کی تعریف میں جو اقوال منقول ہیں،وہ تحدید حقیقی کے

(١) الهداية،باب صلاة الجمعة: ٨٢/١،دارإحياء التراث العربى بيروت،انيس

(٢) رد المحتار،باب الجمعة: ٦/٣،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(٣) الدر المختار مع رد المحتار،باب الجمعة: ١٤/٣-٢٥،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

لیےنہیں ؛ بلکہ رسم ناقص ہیں اور احسن القریٰ ص:۶۳ و ۲۰۷ میں اس کے خلاف مصرح ہے، نیز اگر درحقیقت یہ رسوم ہوئیں تو فقہا کے بعض تعریفوں کو مزیف اور بعض کو صحیح و مرجح قرار دینے کا کیا مطلب ہوگا ؟ مثلا علامہ حلبی کبیری، ص:۵۰۷ پر ''مالا یسع أکبر مساجده،الخ'' کو غیر صحیح فرماتے ہیں،لعدم صدقہ علی الحرمین، اگر رسم مراد ہوتی تو اس تعلیل کی کیا توجیہ؟ طحطاوی، ص:۲۳۹ میں اس تعریف کو غیر صحیح کہا ہے، درمختار و شرح وقایہ میں اسی تعریف کو مفتی بہ ٹھہرایا ہے، لظهور التوانی اور شامی میں اس کی تائید میں چند اقوال نقل کئے ہیں، ہدایہ میں امام صاحب سے مصر کی تعریف ''فیه سکک وأسواق ووالٍ،الخ'' منقول ہے اور یہی ظاہر المذہب ہے، کبیری، ص:۵۰۷ میں اسی کو ترجیح ہے اور ظاہر الروایۃ کہا ہے اور شامی، ص:۵۳ میں بھی ظاہر الروایۃ کو ترجیح دی ہے۔ نیز اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ تعریف ''مالا یسع،الخ'' اکثر قری پر بھی صادق آ جاتی ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں تعریفوں کا مآل ایک نہیں، ورنہ اس تعریف کے صدق کی تخصیص چہ معنی؟

(۲) والی جس قریہ میں چلا جائے، وہ مصر ہو جاتا ہے، کما ہو مصرح فی الفقہ ، یہ قریہ کس تعریف کے بموجب مصر کہلائے گی؟

(۳) اگر سب تعریفیں عرفی ہیں تو موجودہ عرف میں مصر کی جامع مانع تعریف کیا ہوگی؟ بعض اطراف میں تو چھوٹی چھوٹی بستیوں کو بھی شہر کہتے ہیں، ان کا عرف معتبر ہوگا، یا نہیں؟ ایسی تحدید فرمائیں کہ محل تجمیع وتقید عند الاختلاف صاحب مختار ہو جائے؟

الجواب

مولانا دام مجدہم کا مطلب اس سے یہ ہے کہ جمعہ کی حد حقیقی موافق اصطلاح میزانیین مراد فقہا نہیں ؛ بلکہ وہ جو کچھ بیان فرمارہے ہیں، رسوم ہیں۔جن کا مبنی یہ ہے کہ وہ اس موضع میں جمعہ کی اجازت دینا چاہتے ہیں، جو کہ اور مدینہ کی اس حالت کے موافق ہو،جس حالت پر یہ دونوں بلدان مکرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے اور ظاہر ہے کہ اس معیار کو حد حقیقی کے ساتھ بیان کرنا دشوار ہے؛ کیوں کہ اختلاف امصار سے اس معیار کا مصداق مختلف ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ مفہوم بھی فی نفسہ کلی نہیں،جس کو حد کلی سے بیان کر دیا جائے؛ بلکہ جزئی ہے، اور مفہوم جزئی کو جب کلی کیا جائے گا تو لامحالہ وہ رسم ہی ہوگی؛ لیکن رسم سے رسم فقہی مراد ہے، نہ کہ رسم عرفی محض۔ پس اب مولانا کے ارشاد اور احسن القری کی عبارت میں کوئی تخالف نہیں۔

قال الحلبي في شرح المنية: والفصل في ذلک أن مكة والمدينة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه صلى الله عليه وسلم إلى اليوم لكل موضع كان مثل أحد هما فهو مصر، فكل تفسير لا يصدق علىٰ أحدهما فهو غير معتبر، آه. (ص:۵۱۱)(۱)

(۱) الحلبی الکبیر، فصل فی الجمعة، ص: ٤٧٣، انیس

اور فقہاء کا بعض رسوم کو مزیف کرنا اسی پر مبنی ہے کہ بعض اس معیار میں جامع اور مانع ہیں اور بعض نہیں۔

یہ قریہ بموجب تعریف منقول از امام ابوحنیفہ مصر ہو جائے گا؛(۱) کیوں کہ جب وہاں والی ہوگا تو اس کا عملہ ومحکمہ وعدالت وفوج بھی ساتھ ہوگا، جس سے اسواق ورساتیق کا تحقیق خود بخود ہو جائے گا اور ان کا تحقق نہ بھی ہوگا تو یقیناً اس وقت امصار کبیرہ قریبہ اس قریہ کے تابع ہو جائیں گے، جہاں والی موجود ہے کہ اوامر ونواہی میں اہل امصار اس قریہ کی طرف رجوع کریں گے اور جب چند قریٰ کی تبعیت سے مصر مصر ہو جاتا ہے تو امصار کی تبعیت سے قریہ مصر کیوں نہ ہوگا، اس صورت میں اس گاؤں کو اقرب مصر الیہا کا جزو اعظم اور اس مصر کو اس کے تابع ماننے کی وجہ سے مصر کہا جائے گا اور نزول والی فی القریہ کے وقت اقرب مصر کا اس قریہ کا تابع ہو جانا مشاہدہ ہے، بشرطیکہ والی من حیث الولایہ نزول کرلے کہ یہی مراد فقہا ہے، خفیہ گشت وجاسوسی کے طور پر نزول کرے۔

یہ تو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ فقہا کا یہ مطلب نہیں کہ مصریت وقرویت کا مدار محض عرف عام وراوئے اہل عرف پر ہے؛ بلکہ اس کے لیے ان کے نزدیک معیار شرعی ضروری ہے، جس کو وہ مختلف عبارات سے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ اختلاف زمان سے اس معیار کا مصداق مختلف ہو جاتا ہے۔

پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ اصل معیار مصر تو مکہ ومدینہ کی حالت موجودہ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس معیار کی احسن تفسیر وہ ہے، جو امام صاحب سے خود منقول ہے اور آج کل اس تعریف کا مصداق ہندوستان میں ہمارے نزدیک ہر وہ موضع ہے، جس کی آبادی قریب چار ہزار کے ہو، یا اس سے زیادہ اور وہاں ایسا بازار موجود ہو، جس میں تیس چالیس دوکانیں متصل یک جا ہوں (کہ بازار اسی کا نام ہے، متفرق دکانوں کو جن میں فصل کثیر ہو، بازار نہیں کہا جاتا) اور اس بازار میں ضروریات روزمرہ دستیاب ہوتی ہوں کہ پارچہ کی دکان بھی ہو، جوتہ کی بھی، عطار کی بھی، دودھ، گھی، غلہ وغیرہ کی بھی اور وہاں ڈاکٹر، یا حکیم بھی ہو، معمار ومستری بھی ہو اور وہاں ڈاک خانہ بھی ہو اور پولیس کا تھانہ، یا چوکی بھی ہو اور اس میں مختلف محلے مختلف ناموں سے موسوم ہوں، جس میں یہ شرائط موجود ہوں، وہاں جمعہ صحیح ہوگا، ورنہ نہیں.

قلت: أقمت البوليس مقام الوالی لرجوع الناس إليه فی الحوادث. واللہ اعلم

۸/رمضان ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۴۷۷)

تعریف مصر:

سوال: آج کل کے زمانہ میں کس قسم کی جگہ شرعاً شہر کہلائے گی؟

---

(۱) عن أبی حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكک وأسواق ورساتيق وفيها والٍ يقدر علی الانصاف، الخ. (حلبی كبيری، كتاب الصلوٰة، كتاب الصلاة، فصل فی الجمعة، ص: ٤٧٤، انيس

الجواب

جہاں تین چار ہزار کی آبادی ہواور بازار متصل ہو، جس میں ضروریات روزمرہ شب دستیاب ہوتی ہوں اوراس آبادی کے متعلق اس کے توابع میں کچھ دیہات بھی ہوں۔

۱۰ر شوال ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۲/۳۸۴)

گاؤں اورقصبہ کی تعریف:

سوال: حنفیہ کے نزدیک ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یانہیں؟ جس کی تعریف حسب ذیل ہے: آبادی ۱۹۴۸ ہے، جس میں مسلمان مختلف قومیں آباد ہیں: شیخ، مغل، پٹھان، زمیندار راجپوت نومسلم، لوہار، بڑھئی، نائی، دھوبی، قصائی، تیلی، منہیار، درزی، تیرگر، ڈوم، خرادی، نداف، جولاہا، سقہ، عطار، پنساری، بزاز وغیرہ وغیرہ، وسط گاؤں میں مسلسل دوطرفہ تقریباً چالیس دکانیں، ایک ڈاکخانہ ہے، ایک ہی مسجد ہے مع حوض نہایت عالیشان ہے، پہلے سے جمعہ ہوتا آیا ہے، اب اختلاف ہوا ہے۔

الجواب

اصل یہ ہے کہ گاؤں میں جمعہ صحیح نہیں اورشہر وقصبات میں صحیح ہے، قصبہ کی تعریف ہمارے عرف میں یہ ہے کہ جہاں آبادی چار ہزار کے قریب، یااس سے زیادہ ہواور ایسا بازار موجود ہو، جس میں دکانیں چالیس پچاس متصل ہوں اور بازارروزانہ لگتا ہواوراس بازار میں ضروریات روزمرہ کی ملتی ہوں، مثلا جوتہ کی دوکان بھی ہواور کپڑے کی بھی، عطار کی بھی ہو، بزاز کی بھی، غلہ کی بھی اور دودھ گھی کی بھی اور وہاں ڈاکٹر، یا حکیم بھی ہوں، معمار ومستری بھی ہوں وغیرہ وغیرہ اور وہاں ڈاکخانہ بھی ہواور پولیس کا تھانہ، یاچوکی بھی ہواوراس میں مختلف محلے مختلف ناموں سے موسوم ہوں۔ پس جس بستی میں یہ شرط موجود ہوں گے، وہاں جمعہ صحیح ہوگا، ورنہ نہ ہوگا۔

قال فی رد المحتار: عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علٰی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث وهٰذا هو الأصح، آه. (۱)

قلت: أقمت البولیس وقیامه مقام الوالی لرجوع الناس الیه فی الحوادث والرساتیق المحلات والقریٰ التابعة لها.

وقال فی غنیة المستملی: والفصل فی ذلک أن مکة والمدینة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه علیه الصلاة والسلام إلی الیوم فکل موضع کان مثل أحد هما فهو مصر فکل تفسیر لایصدق علٰی أحدهما فهو غیر معتبر، ثم صح الروایة التی ذکرناها عن الإمام، وقال قاضی خان: والاعتماد علٰی

(۱)　رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، دار الفکر بیروت، انیس

ماروی عن أبی حنیفة کل موضع بلغت أبنیته أبنیة منٰی وفیه مفتی وقاض فهو مصر جامع، وعن محمد أن کل موضع مصره الامام فهو مصر حتٰی أنه لو بعث إلٰی قریة نائبا لإقامة الحدود والقیاس تصیر مصراً فإذا عزله تلحق بالقری ووجه ذلک ماصح أنه کان لعثمان عبداً أسوداً أمیراً علی الربذة یصلی خلفه أبو وعشرة من الصحابة الجمعة وغیرها،ذکره ابن حزم فی المحلی،آه.(ص:۵۱۱-۵۱۲)

الامام اذا منع أهل المصر أن یجمعوا لم یجمعوا کما أن له یمصر موضعاً کان له أن ینهاهم، قال الفقیه أبو جعفر: هٰذا إذا نها هم مجتهداً لسبب من الأسباب وأراد أن یخرج ذلک الموضع من أن یکون مصراً أما إذا نهاهم متعنتا وإضراراً بهم فلهم أن یجمعوا علٰی رجل یصلی بهم الجمعة وأو أن إماما مصر مصراً ثم نفر الناس عنه لخوف عدو وما أشبه ذلک تم عادوا إلیه فإنهم لایجتمعون إلا باذن مستأنف من الإمام.(۱)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مصر مصر ہونے کے بعد جب تک کہ امام اس کو مصریت سے نہ نکالے ،مصر باقی رہتا ہے؛ مگر یہ کہ اس کے کل باشندے وہاں سے بھاگ جائیں تو از سرنو اذن امام کی ضرورت ہے اور جہاں امام نہ ہو، وہاں عامۃ الناس بجائے امام کے ہیں، پس جو بستی ایک دفعہ قصبہ ہو چکی اور وہاں جمعہ قائم ہو چکا تو جب تک وہاں پر آثار قصبہ کے مثلا بازار اور عمارات کی ہیئت باقی ہوگی، وہ قصبہ رہے گا، جب تک کہ عرف عام اس کو قصبہ ہونے سے نہ نکالے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قصبہ ہونے کے لیے ابنیہ وعمارات کی خاص ہیئت کو بھی دخل ہے۔ واللہ اعلم

۲۶/ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام:۲/۳۷۱)

مصر کی تعریف:

سوال: قریہ کبیرہ کی کیا تحدید ہے کہ وہاں صلوٰۃ جمعہ واجب ہے؟ قریہ صغیرہ وکبیرہ نہایت اشتباہ ہے، تشفی بخشئے؟

الجواب

مصر کی علامت ہر زمانہ میں مختلف ہوئی ہے، آج کل علامات یہ ہیں کہ تین چار ہزار کی آبادی ہو، بازار ہو، جس میں سب ضروریات ملتی ہوں اور وہ بازار مستقل ہو، ہفتہ وار لگنا کافی نہیں اور ڈاک خانہ وغیرہ ہو۔

۸/ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام:۲/۳۷۳)

جمعہ کے بارے میں چند سوالات کے جوابات:

سوال(۱) مصر ازروئے شریعت کسے کہتے ہیں، جس میں جمعہ کا جواز اور صحت ہو؟ اور دیہات میں جمعہ ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

(۲) ”أن القریة الکبیرة فی حکم المصر“ قریہ کبیرہ کسے کہتے ہیں، جو مصر کا حکم رکھتا ہو؟

(۱) خلاصة الفتاویٰ،الفصل الثالث و العشرون فی صلاة الجمعة: ۱۰۸/۱،اشرفی بک ڈپو دیوبند،انیس

(۳) ” **لا جمعة إلا فی مصر جامع**“ کا کیا مطلب ہے؟اور”**أن القریة الکبیرة**“ کے مقابلے میں اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

(۴) ” **مالا یسع الناس أکبر مساجده**“ کا کیا مطلب ہے؟ مساجد صیغہ منتہی الجموع کا ہے،اگر ایک ہی مسجد ہوتو اس پر مصداق ہوگا، یانہیں؟

(المستفتی:۹۳۹،سلیمان کریم (پالن پور)،۲۸/صفر ۱۳۵۵ھ،مطابق ۲۰/مئی ۱۹۳۶ء)

الجواب

حنفیہ کے اصول کے بموجب دیہات میں اقامت جمعہ درست نہیں،(۱) مصر ہونا جواز جمعہ کے لیے شرط ہے؛(۲) لیکن مصر کی تعریفیں مختلف اور متعدد منقول ہیں،اس مسئلے میں زیادہ سختی کا موقع نہیں ہے اوراس زمانے کے مصالح عامہ مہمہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ اقامت جمعہ کو نہ روکا جائے تو بہتر ہے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ مدت دراز سے جمعہ قائم ہو،اس کو روکنا بہت سے مفاسد عظیمہ کا موجب ہوتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۴۲)

مصر کی تعریف میں امام ابوحنیفہؒ کا قول متروک اورامام ابو یوسفؒ کے قول پرفتویٰ:

سوال: ایک گاؤں جس کی کل آبادی دوسوپچھتر گھر اور بارہ سواسی آدمیوں پر مشتمل ہے، نیز چند دکانیں بھی موجود ہیں،جن سے معمولی نمک مرچ وغیرہ کی ضرورتوں کا انصرام ہوجاتا ہے وبس،کیااس گاؤں میں بجوائے اصول مقررہ مذہب حنفی جمعہ پڑھنا جائز ہے،یانہیں؟اورکیا اتنی آبادی پر تفسیر مصر حسب اصول فقہاء حنفیہ (کثرہم اللہ تعالیٰ) صادق آتی ہے، یانہیں؟اوراتنی آبادی میں اگر جمعہ کی نماز ادا کی جائے تو ظہر ساقط ہوجائے گی،یاذمہ باقی رہے گی؟مصر یاقریۂ کبیرہ کی وہ تعریف مع مذہب حنفی کے اصول مقررہ کے موافق جمہور فقہاء حنفیہ کے نزدیک مسلم ہو،تحریر فرمائی جائے؟صورت مسئولہ بالا میں محض امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب درکار ہے۔امت کے کسی دوسرے محقق کی تحقیق کی بناپر رخصت اورگنجائش مقصود نہیں۔علم فقہ کے مشہور معتبر متن قدوری میں ہے:”**لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی المصر ولاتجوز فی القریٰ**“. (۳) یعنی جمعہ کی نماز مصر جامع میں،یا مصلی مصر میں درست ہےاورگاؤں میں درست نہیں ہوتی ،کیامذہب حنفیہ کےاصول مقررہ کے موافق صحیح ہےاورہم مقلدین مذہب حنفیہ کواس پر عمل کرنالازم ہے، یانہیں؟

(المستفتی:۲۷۰۷،شبیر احمد صاحب نوح (گوڑگانوں) ۲۰/صفر ۱۳۶۱ھ،۹/مارچ ۱۹۴۲ء)

---

(۱) فی ما ذکرنا اشارة الیٰ أنه لاتجوزفی الصغیرة التی لیس فیها قاض منبر وخطیب،کمافی المضمرات.(رد الحتار،باب الجمعة:۱۳۸/۲،دار الفکربیروت،انیس)

(۲) ویشترط لصحتها سبعة اشیاء :الاول المصر،الخ.(الدر المختار، باب الجمعة:۱۳۷/۲،ط:سعید)

(۳) مختصر القدوری،کتاب الصلاة،باب الجمعة،ص:۱۲۰،قدیمی، انیس

الجواب

یہ صحیح ہے کہ حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ نماز جمعہ کے لیے مصر شرط ہے، گاؤں میں نماز جمعہ نہیں ہوتی؛ لیکن مصر کی تعریف میں جو تدریجی تنزل فقہا ومشائخ حنفیہ کرتے رہے ہیں، وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ پہلے ظاہر روایت کی بنا پر مصر کی تعریف یہ تھی کہ مصر وہ مقام ہے کہ جہاں امیر اسلام ہو اور حدود شرعیہ کی تنفیذ اور احکام اسلام کا اجرا ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر اس تعریف کا اعتبار کیا جائے تو آج دہلی، لاہور اور ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے شہر میں بھی جمعہ جائز نہیں؛ کیوں کہ اس تعریف کے بموجب کوئی شہر مصر نہیں؛ اس لیے فقہاء کرام نے امام ابو یوسفؒ کی دوسری تعریف ”**ما لایسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها**“ (۱) کو معتبر اور معمول اور مفتی بہ بنالیا، اور فقہاء کا خود اقرار ہے کہ یہ تعریف بہت سے قریٰ پر صادق آتی ہے، ”**وهذا یصدق علیٰ کثیر من القریٰ**“. (۲) پس اگر مسئول عنہ موضع پر یہ تعریف صادق آتی ہو کہ اس میں کم از کم دو مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں موضع کے مکلفین بالجمعہ نہ سما سکیں تو اس میں مذہب حنفی مفتی بہ کے موافق نماز جمعہ جائز ہے، (۳) اور امام ابو حنیفہ کے قول اور ان سے جو تعریف مصر مروی ہے، اس کے موافق تو دہلی ولاہور میں بھی جائز نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۱/۳-۲۵۲)

مصر کی تعریف ”مالا یسع أکبر مساجده“ بھی معتبر ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۹ر جون ۱۹۳۶ء)

سوال: مصر کی مختلف تعریفوں میں سے کیا یہ بھی صحیح ہے کہ جس جگہ کم از کم دو مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں وہاں کے مسلمان مکلّف نہ سما سکیں تو وہ شہر ہے؟

الجواب

ہاں یہ تعریف بھی ”**مالایسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها**“ (۴) بہت سے فقہائے عظام کے نزدیک معتبر اور مفتیٰ بہ ہے اس لئے اس کے موافق عمل کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۸/۳)

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، انیس

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، انیس

(۳) المصر هو مالا یسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها) وعلیه الفتویٰ أکثر الفقهاء ... وظاهر المذهب أنه کل موضع له أمیر و قاض یقدر علیٰ اقامة الحدود. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲-۱۳۸، ط: سعید)

(۴) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۵) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعید

قریۂ کبیرہ نماز جمعہ کا جواز اور مصالح عامۂ اسلامیہ کا خیال:

سوال: یہاں جمعہ کی نماز کی وجہ سے دو پارٹیاں قائم ہوچکی ہیں اور آپس میں جنگ وجدال رہتا ہے اور ایک ہی مسجد میں بیک وقت دو جماعتیں ہوتی ہیں۔ تارکین جمعہ کے استدلالات حسب ذیل ہیں:

اول یہ کہ قریہ کبیرہ حقیقت میں گاؤں ہے اور ان کے زیادہ تر استدلالات وہ ہیں، جن کو العدل گوجرانولہ سے مولوی میرک شاہ کشمیری سے نقل کا ہے۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ قریہ کبیرہ سے ہمیشہ قصبات ہی مراد ہوتے ہیں اور مصر سے ضلع مراد ہوتا ہے، قریہ کبیرہ سے فقہا کی مراد وہ قصبہ ہوتا ہے، جس پر مصر کی تعریف صادق آتی ہو اور جو در حقیقت ایک چھوٹا سا شہر ہی ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر بڑے گاؤں میں جمعہ کی تمام شرائط بھی بالفرض موجود ہوں؛ تاہم جب تک وہ گاؤں ہے، اس میں جمعہ نہیں ہوسکتا، انتہیٰ وغیر ذلک طویل۔

فریق ثانی اپنے استدلال میں فتاویٰ اکابر امت پیش کرتے ہیں اور ان کا یہ بھی استدلال ہے کہ قریہ کبیرہ ظاہر ہے کہ مافوق القریۃ الصغیرۃ ومادون المصر ہو اور اگر مادون المصر نہ ہو تو وہ عین مصر ہے، فہوالمراد، لہذا قصبات کو القریۃ الکبیرۃ میں داخل کرنا اور مصر سے خارج کرنا صریح غلطی ہے؛ اس لیے کہ عرف عام میں سب ڈویژن کو قصبہ کہا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سب ڈویژن کو عرف عام میں شہر اور مصر کہا جاتا ہے، لہٰذا تمہارا استدلال عجیب ہے کہ کہیں تو عرف عام کو لیتے ہو اور کہیں من گھڑت تقریر کرتے ہو۔

علاوہ ازیں مجوزین کے مدنظر اصلاح بین المسلمین ہے؛ تاکہ جہاں تک ہوسکے، آپس میں تشتت وافتراق تضلیل وتفسیق نہ ہو۔

"والجماعة الثانية فی وقت واحد وفی المسجد الواحد علٰی سبيل الدوام والاستمرار وغير ذلک كثيراً من المفسدات".

اور العدل کا اتنی بڑی جماعت کو جو تمام ہندوستان میں بلا استثنا ہوتی ہے، اس کو تارک صلوٰۃ بنا کر **عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: من ترک الصلاة متعمداً فقد كفر"** (الحدیث)(۱) کا مستحق قرار دینا یہ سب ظاہر ہے کہ أشد ہیں **"الجمعة فی القرية الكبيرة"** سے **"الفتنة أشد من القتل"**.

(المستفتی: ۹۳۴، مولوی محمد اسماعیل (کٹک) ۲۷/صفر ۱۳۵۵ھ، م ۱۹ مئی/۱۹۳۶ء)

---

(۱) الترغیب والترهيب، كتاب الصلاة، الترغیب فی الأذان وماجاء فی فضله: ۲۱۵/۱، انیس

(۲)

(۳)

الجواب

قریہ کبیرہ جس پر مصر کی کوئی تعریف بھی صادق آجائے، مثلا: ''**مالایسع أکبر مساجده أهله المكلفين بها**''. اس میں اقامت جمعہ جائز ہے اور اگر کوئی تعریف بھی صادق نہ آئے، جب بھی اس مسئلے میں حنفیہ کے لیے مصالح عامہ اسلامیہ کے لحاظ سے شوافع کے مسلک پر عمل کر لینا جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۴۰/۳-۲۴۱)

مصر کی صحیح اور معتبر تعریف:

سوال: جمعہ کے لیے جو مصر کی شرط ہے فقہانے تو مصر کی مختلف تعریفیں کی ہیں، مصر کی معتبر اور محقق تعریف تحریر فرمائیں؟ مصر کی تعریف مقرر ہونے کے بعد یہ چیز بھی قابل دریافت ہے کہ مصر کے رہنے والے سب کے سب، یا اکثر لوگ مسلمان ہوں، یا مثلا: ایک شہر ایسا ہے کہ سب کے سب رہنے والے کفار ہیں، مسلمان کے دس پندرہ گھر ہیں، کیا یہ لوگ بھی وہاں جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

(المستفتی:۷۵۰، مولوی سراج الدین (ضلع ملتان) ۱۸/ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ، م ۱۲/فروری ۱۹۳۶ء)

الجواب

فی حد ذاتہ تحقق مصریت کے لیے تمام آبادی کا مسلمان ہونا، یا اکثر کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، البتہ ظاہر روایت کی تعریف کی بنا پر وہاں حکومت اسلامیہ قائم ہونی شرط ہے۔ شرطیت مصر میں فقہانے بہت تنزل کر لیا ہے، حتی کہ ''**مالایسع أکبر مساجده أهله المكلفين بها**'' تک اتر آئے اور اس تعریف پر خالص کافر حکومت کے شہر، مثلا لندن وغیرہ بھی مصر میں داخل ہو جاتے ہیں، نیز بہت سے دیہات بھی مصر میں شامل ہو جاتے ہیں۔(۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۳۹/۳-۲۴۰)

جواب سوال متعلق اختلافات در تعریف مصر:

سوال: ایک چھوٹا گاؤں ہے، جس کو ہر شخص گاؤں کہتا ہے کوئی بھی شہر، یا قصبہ کہتا ہے، اس میں تین مسجدیں ہیں اور اگر وہاں کے رہنے والے وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں تو وہاں جمعہ قائم کرنا بحسب روایت ذیل کے صحیح ہوگا، یا نہیں؟ درمختار میں ہے: ''**المصر وهو مالايسع أكبر مساجد أهله، الخ**'' یا علاوہ اس تعریف کے کوئی اور قید بھی ہے تو بیان فرمادیں؟

(۱-۲) **المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء ... وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض يقدر علىٰ اقامة الحدود. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲-۱۳۸، دار الفكر بيروت، سعيد)**

(۳)

تتمہ سوال قول البدیع ،ص:۱۳،س:۶ میں ہے کہ یہ اختلاف عنوان ہے، نہ مضمون اور علامہ شامی نے تحت قول درمختار یہ لکھا ہے: ''قولہ مالا یسع ،الخ'' ھٰذا یصدق علٰی کثیر من قریٰ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری تعریفیں ان اکثر قریٰ پر صادق نہیں آتیں تو اگر مابین اس تعریف اور دوسری تعریفوں کے تباین نہیں ہے تو عموم وخصوص ضروری ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ اختلاف معنوں میں بھی ہے، نہ فقط عنوان اس کا تصفیہ فرمادیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

ان تعریفات میں احتمال دونوں ہیں: اختلاف عنوان واختلاف معنوں تو شامی، یا طحطاوی کا اختلاف معنوں سمجھنا دوسروں پر حجت نہیں؛ کیوں کہ یہ ایک توجیہ ہے فتویٰ اور حکم نہیں ہے، وہ تطبیق کے قائل نہ ہوں گے،ہم تطبیق کے قائل ہیں۔ رہا یہ کہ عدم قول بالتطبیق کے بعد ان کا فتویٰ کیا ہے؟ یہ الگ بات ہے اور بعد التی اوالتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ احقر کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ مصر کی تعریف فقہائے حنفیہ میں مختلف نہیں ہے،سو اگر کسی مصنف ومحشی کے نزدیک مختلف فیہ ہو تو ہم کو کیا مضر ہوا، ہم اس مختلف فیہ میں بدلیل ایک کو ترجیح دیں گے۔

۱۳/ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ :۲۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۹۱-۶۹۲)

جمعہ کہاں جائز ہے:

سوال: دس پانچ آدمی مل کر دس بارہ کوس کے فاصلہ پر کسی کام کو گئے اور اس عرصہ میں جمعہ کا دن آ گیا، وہاں پر ان کو جمعہ پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز جمعہ کے وجوب واداکے لیے مصر، یا فناء مصر شرط ہے؛ یعنی شہر، یا قصبہ، یا بڑے قریہ میں جمعہ ہوسکتا ہے، چھوٹے گاؤں اور جنگل میں جہاں کچھ آبادی نہ ہو، جمعہ نہیں ہوتا، البتہ وہ جنگل قریب شہر، یا قصبہ سے ہو کہ وہ فناء مصر میں داخل ہو، اس میں جمعہ ہوسکتا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۵/۱۵۱)

---

(۱) ویشترط لصحتها...(المصر)...(أو فناء ه).(الدر المختار)

(تقع (الجمعة) فرضاً في القصبات و القریٰ الکبیرة التي فیها أسواق... وفیما ذکرنا إشارة إلٰی أنه لا تجوز في الصغیرة التي لیس فیها قاض ومنبر وخطیب.(ردالمحتار، باب الجمعة: ۱/۱۳۷-۱۳۸،دار الفکر بیروت،انیس)

☆ طریق احتیاط بوقت وقوع فتنہ از ترک جمعہ از قریہ:

سوال: یہاں مبتدعین کا از حد زور ہے، چناں چہ شدت بدعت کی یہ حالت ہے کہ ہر کام میں ایک نئی ہی صورت پیدا کر رکھی ہے، میرے رفع سبابہ سے بھی بہت کچھ ناک بھول چڑھاتے ہیں، چوں کہ یہ ایک گاؤں ہے؛ اس لیے یہاں جمعہ جائز نہیں اور یہ لوگ پڑھتے ہیں، میں نہیں پڑھتا؛ اس لیے انہوں نے مجھے غیر مقلد قرار دیا ہے، ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ منافرت اور مخالفت نازک صورت اختیار کرلے، دعا فرمادیں کہ خداوند کریم اس فرقہ کے مکائد سے مامون رکھیں، نیز مجھے جمعہ پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ==

حکم خواندن جمعہ حنفیہ رادرقریٰ باختیار مذہب شافعیہ:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ دربعض دیار بہ ہرقریہ نماز جمعہ می گزارند خواہ دروشمار مردماں ومکانان کثیر باشد یانہ؟ وگروہے از علمائے احناف می گویند کہ گرچہ بمذہب مادرقریٰ جمعہ روانیست؛ مگر مایاں دریں مسئلہ پر مسلک ائمہ دیگراں عمل می نمائیم قول اوشاں چہ چگونہ است واگر کسے از احناف درقریٰ صلوٰۃ جمعہ اداکند پس از ذمہ اش نماز ظہراوساقط خواہد شد یانے؟ جوابے صافی مدلل تحریر فرمایند۔(۱)

الجواب

عدم صحت جمعہ درقریٰ عندالاحناف ظاہراست وآنانکہ بر برمذہب شافعیہ می گزارند وظاہراست کہ ایشاں سائر فرائض صلوٰۃ کہ نزد شافعیہ ثابت اند بعمل نمی آرند مثل قرأۃ خلف الامام وہمچنیں رعایت عدد مصلیین کہ عندالشافعیہ معتبر ست بجانمی آرند، پس جمعہ ابناں نہ عندالحنفیہ درست شد لعدم قول الحنفیہ بالجمعۃ فی القریٰ ونہ عندالشافعیہ درست باشد لعدم شرائط صحۃ الصلوٰۃ وایں تلفیق می گویند کہ فقہاء آں راباطل گفتہ، فافہم۔(۲)

۹/ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ:۱۶) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۶۸۸-۶۸۹)

تحقیق عدم صحت قیاس جواز جمعہ درقریٰ باجتماع مسلمانان براماے برجمعہ درقریٰ بحکم سلطان:

سوال: امدادالفتاویٰ جلداول میں جو مسئلہ درباره جواز جمعہ فی القریٰ بامر سلطان مذکور ہے، اس میں مجھ کو اشکال ہوا ہے۔عبارت امدادالفتاویٰ یہ ہے: درملک افغانستان ایں قاعدہ است کہ بفرمائش امیر صاحب خلداللہ تعالیٰ ملکہ بتحریک بعض عالم درقریٰ جمعہ قائم می کنند وبرائے چار پنج قریہ یک خطیب ازطرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ را

==

الجواب

اگر فتنہ ناقابل تحمل کا احتمال قوی ہو، مقتدی بن کر جمعہ پڑھ لیجئے، پھر منفرداً ظہر پڑھ لیجئے۔

(تتمہ خامسہ:۴۶) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۶۸۷-۶۸۸)

(۱) ترجمۂ سوال: بعض علاقوں میں ہرگاؤں میں نماز جمعہ پڑھتے ہیں، خواہ وہاں لوگوں کی اور مکانات کی کثرت ہو، یا نہ ہو؟ علماء احناف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اگرچہ ہمارے مذہب میں گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے؛ لیکن ہم اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں، ان حضرات کا یہ کہنا کیسا ہے؟ اور اگر کوئی حنفی گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کے ذمہ سے ظہر کی نماز ساقط ہوگی، یا نہیں؟ (س)

(۲) ترجمۂ جواب: دیہاتوں میں احناف کے نزدیک جمعہ کا صحیح نہ ہونا ظاہر وباہر ہے اور جو لوگ مذہب شافعیؒ کے پیش نظر پڑھتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ لوگ نماز کے وہ تمام فرائض جو امام شافعیؒ کے نزدیک ثابت ہیں بجانہیں لائے، جیسے قرأت خلف الامام اور نماز جمعہ کی صحت کے لیے نمازیوں کی جو تعداد ان کے یہاں معتبر ہے، اس کی رعایت بھی نہیں کرتے تو ان کا جمعہ نہ احناف کے نزدیک درست ہوتا ہے؛ اس لیے کہ احناف گاؤں میں جمعہ کے قائل ہی نہیں ہیں اور نہ شافعیہ کے نزدیک درست ہوتا ہے؛ کیوں کہ ان کے یہاں جو صحت کے شرائط ہیں، وہ نہیں پائے جاتے اور اس کا نام تلفیق ہے، جسے فقہا باطل کہتے ہیں۔فافہم (س)

از اشتراط مصر مغنی می پندارند، دریں علاقہ اگر کدام یکجا بجمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکار می کند گاہے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد درصورت مذکورہ دورکعت جمعہ از ظہر خلف می شود یانہ، درتاخیر ازاں بعذر وحیلہ آثم خواہد شد ، یانہ؟

الجواب

قال الشامی: قال أبوالقاسم: هٰذا بلاخلاف إذا أذن الوالی أوالقاضی ... لوصلوا فی القریٰ لزمهم أداء الظهر وهٰذا اذا لم يتصل به حكم فإن فی فتویٰ الديناری إذا بنیٰ مسجد فی الرستاق يأمر الامام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً. (۱)

پس درصورت مسئولہ جمعہ صحیح است؛ لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط است۔

قال الشامی: لايبقىٰ إلی اليوم إلا إذا أذن بعد موت السلطان الآذِنِ بذلک إلا أذن به أيضاً سلطان زماننا نصره اللّٰه تعالىٰ. (۲) واللہ اعلم

اشکال اس میں مجھ کو یہ ہے کہ جب از روئے فقہ بڑے شہروں میں بھی اذن بادشاہ جمعہ کے لیے شرط ہے تو اگر وہاں بادشاہ کسی عناد وغیرہ کے سبب اذن جمعہ کا نہ دیوے، یا بادشاہ غیر مسلم ہو تو مسلمین آپس میں اتفاق کر کے ایک کو امام بنا کر جمعہ ادا کر لیویں۔ پس صورت مذکورہ امداد الفتاویٰ سے لازم آتا ہے کہ فقط بادشاہ کا امر برائے جمعہ ضروری ہے، شہر ہو یا نہ ہو، لہذا جب شہر میں بغیر اذن بادشاہ کے بھی اتفاق قوم سے جمعہ ہو جاتا ہے تو گاؤں میں بھی بغیر اذن بادشاہ کے، (کیوں کہ اس وقت خصوص مسلم بادشاہ نہیں ہے) اگر قوم اتفاق کر کے جمعہ پڑھ لیں تو اس میں جواز کی گنجائش ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ فقہ میں اتفاق قوم کو اذن بادشاہ کے قائم مقام کیا گیا تو جیسا اذن بادشاہ سے صورت مذکورہ میں گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے، ایسا ہی اب اس زمانہ میں اتفاق قوم سے گاؤں میں جمعہ ہونا چاہیے، بس یہی اشکال ہے، جواب تحریر فرما کر اشکال دفع فرمادیں۔ فقط

الجواب عن الاشکال

اقامت جمعہ فی القریٰ باذن السلطان کا مبنیٰ یہ مسئلہ ہے کہ فصل مجتہد فیہ؛ یعنی مسائل مختلف فیہا کے ساتھ جب امر سلطان، یا قضائے قاضی ملاقی ہوتا ہے تو پھر مامور کو اس مسئلہ میں اپنے مجتہد کی تقلید ترک کر دینا واجب ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس امر میں جماعت مسلمین قائم مقام سلطان کے نہیں، چناں چہ اگر جماعۃ مسلمین کسی مسئلہ میں ترک تقلید کا امر کریں، وہاں ترک تقلید جائز نہیں اور نیابت جماعت کی مناب سلطان کے صرف امور انتظامیہ میں ہے، سو چوں کہ جمعہ کے لیے وجود سلطان کا مقصوداً شرط نہیں، صرف رفع نزاع فی التقدیم والتقدم ہے، چناں چہ ہدایہ میں مصرح ہے اور یہ امر انتظامی ہے اس میں جماعت قائم مقام امام کے ہو جاوے گی، پس ایک امر کا قیاس دوسرے پر مع الفارق ہے۔

۳۰/رمضان ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ: ٦٤) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/٦٨٩-٦٩٠)

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی جواز استنابة الخطیب: ۱٤۲/۲، دار الفکر بیروت، انیس

رفع شبہ عدم نفاذ حکم سلطان در ادائے جمعہ بقریہ وقتے کہ آں سلطان حنفی باشد:

سوال: جب سلطان اور والی مقلد امام ابوحنیفہ ہوں تو ان کو اپنے امام کے مذہب کے خلاف کسی مبنی پر اذان اقامت جمعہ فی القریٰ کی گنجائش ہوگی، کما فی الدر المختار: وأما المقلد فلا ینفذ قضاء ہ بخلاف مذھبه أصلاً کما فی القنیة قلت ولاسیما فی زماننا. (۱)اور اگر خلاف مذہب امامؒ کے، یا شافعی مذہب وغیرہ ہونے کی وجہ سے اذن اقامت جمعہ فی القریٰ دیں تو مقلد حنفیہ کے لیے بھی یہی اذن صحت جمعہ فی القریٰ کافی ہوگا، یا نہ؟

الجواب

یہ الگ بات ہے کہ خود سلطان وغیرہ کے لیے یہ فعل کس حالت میں کیسا ہے؟ اس حکم کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ اگر سلطان ایسا کرے تو اس کا اثر کیا ہوگا؟ سو اثر اس کا صحت جمعہ ہے اور اس اثر کو قبول کرنا خود اتباع ہے مذہب حنفی کا، گو وہ سلطان کا مذہب کے موافق کسی خاص حالت میں نہ ہو اور درمختار کی عبارت اس کے معارض نہیں؛ کیوں کہ مراد اس سے وہ مقلد ہے، جس کو سلطان نے تولیت کے وقت قضاء بخلاف مذہبہ سے منع کر دیا صراحۃً یا دلالۃً، ورنہ اگر سلطان اس کا اذن دے دے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور سلطان پر چوں کہ کوئی والی نہیں ہوتا، اس کا اذن مطلقاً نافذ ہے۔

۱۳/ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ :۷۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۹۱)

شرط بودن در جواز جمعہ بقریہ آنکہ دراں قریہ نزد مجتہد آخر جمعہ صحیح باشد:

سوال: وہ کون سے قریٰ ہیں، جن میں اذن سے صحت جمعہ ہوتی ہے علی العموم، خواہ دس بارہ گھر ہی ہوں، یا ان کی کوئی تخصیص ہے؟

الجواب

صرف ایک تخصیص ہے؛ یعنی وہ قریہ ایسا ہو، جہاں کسی نہ کسی مجتہد کے نزدیک جمعہ صحیح ہوتا ہو اور یہ امر مذاہب اربعہ کی کتب دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ مبنی اس فرع کا یہ اصل ہے: "الحکم إذا لاقیٰ فصلا مجتھداً فیه نفذ".

۱۳/ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ :۷۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۹۱)

جس کی مسجد میں وہاں کے باشندے سما نہ سکے، وہاں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جن مقاموں پر اسلامی آبادی کو اتنی وسعت ہو کہ وہاں کی بڑی مسجد میں سب مسلمان سما نہ سکیں، (عام اس سے کہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد دوسرے مقاموں کی چھوٹی سے چھوٹی مسجد ہو اور اس مقام پر لفظ گاؤں ہی کیوں نہ اطلاق کیا جاتا ہو) ایسے مقام کو بقول اُصح

(۱) الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار، فی المقدمة: ۱/۷۵-۷۶، دار الفکر بیروت، انیس

”المصر مالایسع أکبر مساجد أهله“ کے مصر شرعی کہا جاوے گا اور جمعہ وہاں درست ہوگا، یا نہیں؟ فنا مصر کی تعریف اوراس کی مسافت کیا ہے اور مصر اور فناء مصر کے خارج کے باشندوں پر جمعہ واجب ہے، یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

(من مخلص الرحمٰن موضع حافظ پور ڈاکخانہ منہروی ضلع ڈھاکہ)

حامداً و مصلیاً: مصر کی تعریف میں جو اقوال مذکور ہیں، ان میں سے کوئی حد مصر نہیں، جو اس شان کی ہو کہ ”**کل ما صدق علیه الحد صدق علیه (الحدود) وبالعکس أی کل ماصدق علیه (المحدود) صدق علیه الحد**“ بلکہ وہ سب تعریفیں رسوم ہیں؛ کیوں کہ حد کا تعدد محال ہے اور رسوم کا جائز۔ مصر کی تفسیر میں جو فقہا نے مختلف تعریفیں بیان فرمائی ہیں، اس میں بغور ملاحظہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اختلافات اختلاف عنوان ہے نہ اختلاف معنوں؛ یعنی الفاظ کا بیان جدا جدا ہے اور مصداق سب کا ایک ہے، سب لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے جو علامات کہ بصری پائی جاتی تھیں، بیان کردی ہیں، زمانہ اول میں امصار میں اکثر اوقات حدود اور قصاص ہوتا تھا اور فیصل خصومات کے لیے قاضی ہوتا تھا، دیہات میں یہ امور نہ تھے، جیسے آج کل کچہری فوجداری منصفی وغیرہ دیہاتوں میں نہیں ہوتی ہے؛ اس لیے اگلے لوگوں نے یہی علامات بیان کیں، پھر جب زمانہ میں تغیر ہوا تو وہ علامات زائل ہوگئیں اور مختلف تعریفیں لوگوں نے کیں؛ بلکہ ایک نہ ایک شخص سے کئی کئی تعریفیں فقہ کی کتابوں میں مروی ہیں اور یہ تعریف **المصر مالا یسع أکبر مساجد ه أهله** بھی اسی بناء صحیح ہے جب کہ اس کو رسم ناقص اور علامت کہا جاوے اور اگر حد کہا جاوے تو اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مکہ اور مدینہ مصر نہ رہے اور ان دونوں جگہ میں جمعہ درست نہ ہو؛ کیوں کہ موسم حج میں تمام دنیا کے حجاج جمع ہوتے ہیں، پھر بھی مسجد خالی رہتی ہے تو لایسع کہاں ہوا؛ بلکہ یسع صادق آگیا اور جو تعریف مکہ مدینہ پر صادق نہ آوے، وہ صحیح نہیں، جیسا کہ کبیری میں ہے:

”**اختلفوا فی تفسیر المصر اختلافاً کثیراً والفصل فی ذلک أن مکة والمدینة مصران تقام بهما الجمع من زمنه علیه الصلاة والسلام إلی الیوم فکل موضع کان مثل أحدهما فهو مصر وکل تفسیر لایصدق علٰی أحدهما فهو غیر معتبر حتیٰ التعریف الذی اختاره جماعة من المتأخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرهما وهوما لو اجتمع أهله فی أکبر مساجده لایسعهم، فإنه منقوض بهما إذ مسجد کل منهما یسع أهله زیادة و لم یعلم أن مکة والمدینة کانت فی زمن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أوالصحابة أکبر مما هی الآن ولا أن مسجدهما کان أصغر مما هو الآن فلایعتبر هٰذا التعریف**“.

اس سے بعد فرماتے ہیں:

”**والحد الصحیح ما اختاره صاحب الهدایة أنه الذی له أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم**

الحدود وتزييف صدر الشريعة له عند اعتذاره عن صاحب الوقاية حيث اختار الحد المتقدم ذكره لظهور التوانى فى أحكام الشرع سيما فى إقامة الحدود فى الأمصار مزيف". (۱)

اور جواس تعریف میں اقامت حدود کی قید لگائی ہے،ان کی مراد قدرت اقامت حدود ہے، نہ کہ اجراء حدود بالفعل، كما فى الشامى :"بأن المراد القدرة على إقامة الحدو". وہاں تعریف مذکور؛یعنی"المصر مالايسع،الخ" کی صحت کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جب اس کورسم ناقص اورعلامات مصر کہا جاوے؛ کیوں کہ مصر میں اکثر متعدد مساجد ہوا کرتی ہیں اورایک اکبر مساجد بھی ایسی ہوتی ہے،وہاں کے لوگ اس میں سمانہ سکیں، یہ علامات وعوارض سے ہیں نہ کہ حقیقت مصر؛ تا کہ لازم آوے کہ ان کے ارتفاع سے وہ بلادمصر نہ رہے؛ بلکہ مصراور قریہ ہونے کا مدار عرف پر ہے کہ عرف میں جو آبادی بڑی ہو،اس قدر کہ لوگ اسے شہر، یا قصبہ کہتے ہوں اوروہ بڑا قریہ جومشابہ قصبہ کے ہوااور وہاں بازاراوردکانیں اور مسلمان کثرت سے ہوں اوراس شان کی ہو کہ اطلاق کے وقت اگر چہ فلاں گاؤں، یا باز ار سے موسوم کرتے ہیں؛لیکن اگرکوئی اس کوشہر کہہ دے تواس کوتسلیم کرتے ہیں اورکوئی اس کورداورتکذیب نہیں کرتے ہیں۔خلاصہ یہ کہ آبادی کےعلاوہ جہاں بازاراوردوکانیں ہوں اورخریدوفروخت کے لیے کہیں باہر دوسری جگہ نہ جانا پڑتا ہو،ایسی آبادی کوقریہ کبیرہ اورمصرشرعی کہتے ہیں،عرف بھی اس کے مصر ہونے کا انکارنہیں کرتا ہے،ایسی آبادی میں جمعہ جائز ہے، كما فى الشامي:"وتقع فرضاً فى القصبات والقرىٰ التى فيها أسواق"اور جوگاؤں اس شان کا نہ ہو،اس پر لفظ شہر اطلاق کرنے سے ہرخواص وعام رد کرتے ہوں اوروہ قائل اگر اس پر اصرار کرے تو کذاب اشرار ومجنون فیدوای کہہ کر دفع کرتا ہوایسی آبادی کوعرفاً وشرعاً گاؤں کہتے ہیں،ایسے گاؤں میں اگر اکبر مساجد ہوتو اتفاقی امر ہے،اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ازروئے مذہب حنفیہ نماز جمعہ اورعیدین ایسے گاؤں میں ناجائز اورمکروہ تحریمی ہے، كما فى القنية:"صلاة العيد فى القرىٰ تكره تحريما"اورشامی میں ہے:"(قوله:صلاة العيد،الخ):ومثله الجمعة"، یعنی عیدین کی طرح نماز جمعہ بھی مکروہ تحریمی ہے،فناء مصر کی تعریف یہ ہے جس موضع سے مصر کے باشندوں کے مصالح واغراض متعلق ہوں،کسی مقداراورمسافت کی تحدید نہیں ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں:

"والتعريف أحسن من التحديد؛لأنه لايوجد ذلك فى كل مصر وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره.بيانه أن التقدير بغلوة أوميل لايصح فى مثل مصر لأن القرافة الترب التى تلى باب النصر يزيد كل منهما علىٰ فرسخ من كل جانب،نعم هوممكن لمثل بولاق فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق علىٰ ماصدق عليه بأنه المعد لمصالح المصر فقد نص الأئمة علىٰ أن الفناء ما أعد لدفن الموتىٰ وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمي وغيرذلك". (۲)

---

(۱) الحلبى الكبير ،فصل فى جماعة الجمعة،ص:۵۵۰،انيس

(۲) رد المحتار،باب الجمعة،قبيل مطلب فى صحة الجمعة بمسجد المرجة والصالحية:۱۳۹/۲،دار الفكربيروت،انيس

مصر اور فناء مصر کے باہر کے باشندوں پر جمعہ واجب نہیں، جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے:

"ومن كان مقيماً في عمران المصر وأطرافه وليس بين ذلك الموضع وبين المصر فرجة فعليه الجمعة ولو كان بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة من المزارع والمراعي نحو القلع بنجار الاجمعة علىٰ أهل ذلك الموضع وان كان النداء يبلغهم والغلوة والميل والأميال ليس بشئي هٰكذا روى الفقيه أبو جعفر عن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما اللّٰه تعالىٰ وهو اختيار شمس الأئمة الحلواني". (۱) واللّٰه أعلم وعلمه أتم

تصحيح الجواب ———— من صاحب الفتاویٰ

نعم التحقيق ونعم التطبيق في الجزء الأول يعني في ما يتعلق بتعريف المصر وأما الجزء الثاني أي وجوب الجمعة أو عدم وجوبها علىٰ أهل الفناء فمختلف فيه ونقل هٰذا الاختلاف ومع تصحيح بعضها في ردالمحتار (۱/ ۸۵۲)، ولم يحضرني إلى الآن التنقيح فيه لكن يلتقص بالقلب وجوبها عليهم. واللہ اعلم

۱۲/ شوال ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ: ۹۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۶۹۳-۶۹۶)

شرائط جمعہ کیا ہیں:

سوال: شرائط نماز جمعہ کیا ہیں؟ کیا ایسے گاؤں میں جہاں پچاس ساٹھ گھر مسلمان آباد ہوں اور مسجد قریب بھر جاتی ہو۔ نماز جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۰۱۹، ایم عمر صاحب انصاری مقام باگھاڈاک خانہ تھاوی ضلع سارن، ۳/ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ، ۲۴/ جون ۱۹۳۶ء)

الجواب ————

جس مسجد میں قدیم الایام سے جمعہ ہوتا ہو اور وہاں ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہوں، وہاں جمعہ قائم رکھنا جائز ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۴۳)

لاجمعة ولاتشريق، الخ سے کیا مراد ہے؟ نفی وجوب، یا نفی استحباب:

سوال: "**لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع**" اس نفی سے کیا نفی وجوب مراد ہے، یا نفی استحباب؟ اگر نفی وجوب ہے تو کس قانون سے؟

(المستفتی: ۹۵۷، مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور) ۴/ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، م ۲۶/ ۶/ ۱۹۳۶ء)

---

(۱) فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الصلوٰة، باب الجمعة: ۱/ ۱۷٤، انيس

(۲) وعبارة القهستاني: "تقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق". (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۸، ط: سعيد)

الجواب______________

"لاجمعة ولا تشريق،الخ" حنفیہ نے اس میں "لا" سے نفی صحت مراد لی ہے؛مگر محتمل ہے کہ نفی وجوب مراد ہو۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۴۲/۳)

حکم نماز جمعہ بر کاشتکاران بادیہ نشیمن:

سوال: جولوگ جنگل میں کھیت وغیرہ پر رہتے ہیں اور بعض کے وہاں سے آنے میں نقصان مال کا خوف ہے اور بعض کے آنے میں کچھ نقصان بھی نہیں تو ان میں سے ترک جمعہ سے کون فریق گنہگار اور کون نہیں؟ اور جب کہ اذان جمعہ کی آواز بعض کو آتی ہے اور بعض کو نہیں آتی۔فقط والسلام

الجواب______________

جس کو جمعہ اور جماعت کی نماز میں شریک ہونے سے کھیت، یا مال کے نقصان کا خوف ہو، مثلا غلہ کاٹ کر کھلیان میں ڈال رکھا ہے اور چوری ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں جمعہ و جماعت کے ترک سے گناہ نہ ہوگا۔

قال في الدر: وخوف علىٰ ماله.

قال الشامي: أي من لص ونحوه إذا لم يمكنه غلق الدكان أو البيت مثلاً ومنه خوفه علىٰ تلف طعام في قدر أوخبز في تنور،تأمل،آه.(۵۸۱/۱)(۲)

اور جس کو کھیت سے مسجد تک آنے میں نقصان کا اندیشہ نہیں، اس کو جمعہ کا ترک کرنا جائز نہیں، گناہ ہوگا۔باقی اوقات کی جماعت کا ترک کھیت پر رہنے والوں کو اس وقت نا جائز ہے، جب کہ کھیت آبادی سے متصل ہو اور جو آبادی سے اتنا دور ہو کہ اذان کی آواز وہاں تک نہ پہونچتی ہو، نیز وہاں سے آبادی میں آنا اور واپس جانا موجب کلفت وحرج ہو تو اس صورت میں کھیت والوں پر مسجد میں آنا واجب نہیں، کھیت ہی پر جماعت کرلیں اور جماعت نہ کرسکیں تو تنہا پڑھ لینا ہی جائز ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لينتهين رجال ممن حول المسجد لا يشهدون العشاء الآخرة في الجمع أو لأحرقن حول بيوتهم بحزم الحطب.(۳)

عن صفوان بن أمية قال: كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ... فقام عرفة بن نهيك

---

(۱) عن علي رضي الله عنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلوٰة فطرٍ ولا أضحىٰ الا في مصر جامع أو مدينة عظيمة.(مصنف ابن أبي شيبة،،من كان يرى الجمعة في القرىٰ وغيرها:۱۰۱/۲،انيس)

لاتصح الجمعة إلا في مصرجامع أو مصلى المصر.(الهداية،باب الجمعة:۱۴۸/۱،ثاقب بک دپو ديوبند، انيس)

(۲) رد المحتار،باب الامامة،مطلب في تكرار الجماعة في المسجد:۵۵۶/۱،دار الفكر بيروت،انيس

(۳) مسند الإمام أحمد،مسند أبي هريرة رضي الله عنه:۲۹۲/۲،انيس

التميمي فقال: يا رسول الله! إني وأهل بيتي مرزقون من هٰذا الصيد ولنا فيه بركة وهو مشغلة عن ذكر اللّٰه وعن الصلاة في جماعة، وبنا إليه حاجة أفتحله أم تحرمه؟ فقال: أحله لأن الله عزوجل قد أحله، نعم العمل، واللّٰه أولٰى بالعذر، قد كانت للّٰه قبلي رسل كلهم يصطاد أويطلب الصيد ويكفيك من الصلاة في جماعة إذا غبت عنها في طلب الرزق، حبك الجماعة وأهلها وحبك ذكر اللّٰه وأهله، ويبتغ علٰى نفسك وعيالك حلالاً، فإن ذلك جهاد في سبيل الله واعلم أن عون اللّٰه في صالح التجارة. (۱)

وفيه بشربن نميرمتروك، آه. (۱/۱٦۱)(۲)

قلت: ولكنه مؤيد بالنصوص المصرحة بنفي الحرج عن الائمة. واللّٰه أعلم

۱۵/شعبان۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام:۳۶۹/۲)

چرواہے پر نماز جمعہ فرض ہے، یانہیں:

سوال: ایک شخص اپنا ریوڑ بھیڑ بکری چرارہاہے اور جمعہ کا روز ہے تو فرمائیے کہ اس پر نماز جمعہ فرض ہے، یا کہ ظہر کی؟

الجواب

اگر یہ شخص فناء مصر میں بکریاں چرارہاہے تو اس پر جمعہ میں آنا واجب ہے اور بکریاں کو اپنے ساتھ واپس لے آئے، بعد جمعہ کے پھر لے جائے اور اگر فناء مصر سے اتنا دور ہے کہ شہر سے میل بھر کا فاصلہ ہوجائے تو اس صورت میں اس سے جمعہ ساقط ہے، ظہر کی نماز پڑھ لے، بشرطیکہ وہ شہر سے قبل زوال کے نکل گیا ہو۔

في نور الإيضاح: صلاة الجمعة فرض عين علٰى من اجتمع فيه سبعة شرائط ... الإقامة في مصرٍ أو فيما هو داخل في حد الإقامة بها (أي بالمصر) في الأصح.

وقال محشيه: (فيما) أي الاقامة في محل هو داخل في حد الاقامة بالمصر وهو المكان الذى من فارقه بنية السفر يصير مسافراً ومن وصل اليه يصير مقيماً كربض المصروفناء ه الذى لم ينفصل عنه بغلوة، ولا يجب علٰى من كان خارجه ولو سمع النداء من البصر، الخ. (۳) واللہ اعلم

۲۷/شوال۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام:۳۷۰/۲)

جیل میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شہر کے جیل خانے میں کثرت سے مسلمان قیدی ہوں اور گورنمنٹ کی طرف سے جیل کے اندر

(۱) المعجم الكبير، ما أسند صفوان بن أمية: ۸/۱۵، انيس

(۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب ماجاء في الصيد، ۲۹/٤، مكتبة القدسي القاهرة، انيس

(۳) نورالإيضاح مع الحاشية، باب الجمعة، ص: ۲۹۲-۲۹۳، انيس

کسی مقررجگہ میں نماز پڑھنے کی اجازت مل جائے اور باہر کے کسی مولوی صاحب کو جمعہ پڑھانے کی اجازت مل جائے تواس صورت میں قیدخانہ میں جمعہ جائز ہے، یا کہ نہیں،؟

الجواب

صحت صلوٰۃ جمعہ کے شرائط میں سے اذن عام بھی ہےاورصورت مذکورہ فی السوال میں وہ مفقود ہے،لہٰذا جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار: فلا یضرغلق باب القلعة لعدوأولعادة قد یمه؛لأن الأذن العام مقرر لأهلهٖ وغلقه لمنع العدوولا المصلی،نعم لولم یغلق لکان أحسن،کما فی مجمع الأنهرمعزیاً لشرح عیون المذاهب،قال:وهٰذا أولٰی مما فی البحر والمنح فلیحفظ.

وقال الشامی:(قوله؛لأن الاذن العام مقررلأهله) أی لأهل القلعة؛لأن هما فی معنی الحصن والأحسن عود الضمیرإلی المصرالمفهوم عن المقام؛لأنه لایکفی الإذن لأهل الحصن فقط بل الشرط الإذن للجماعات کلها،کما مرعن البدائع.(قوله:وغلقه لمنع العدو،الخ) أی أن الإذن هنا موجود قبل غلق الباب لکل من أراد الصلاة والذی یضرانما هومنع المصلین لامنع العدو. (قوله:لکان أحسن)لأنه أبعد عن الشبهة؛لأن الظاهراشتراط الأذان وقت الصلاة لا قبلها؛لأن النداء للاشتهار،کما مروهم یغلقون الباب وقت النداء أوقبیله،الخ. (۸۵۱/۱)(۱)

اورشامی کافی کی عبارت ہے"**لأن اشتراط السلطان للتحرزعن تفویتها علی الناس وذالایحصل إلا بإذن العام**". کے بعد جوکہاہے:

قلت:وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد أما لوتعددت فلا؛لأنه لایتحقق التفویت،کما أفاده التعلیل،تأمل.(۲)

اس سے معلوم ہوتاہے کہ علامہ شامی کے نزدیک جیل خانہ میں جمعہ ناجائز ہے، جب کہ اس شہرمیں دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتاہو؛لیکن تحریرمختارمیں قول مذکورپرلکھتے ہیں:

"لایلزم من انتفاء العلة انتفاء المعلول علة أخریٰ اقتضت العموم علیٰ أن ما تقدم عن البدائع المعین بطلان المدلول".(۱۱۲/۱)

ونیزالبحرالرائق(۱۵۱/۲) میں ہے:

"فلوأمر انسانا یجمع بهم فی الجامع وهوفی مسجد آخر جاز لأهل الجامع دون أهل الا اذا علم الناس بذلک".

---

(۱) الدرالمختارمع رد المحتار،باب الجمعة:۲۵/۳_۲۶،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة،قبیل مطلب فی شروط وجوب الجمعة:۱۵۳/۲،دار الفکر بیروت،انیس

(۳) البحر الرائق،باب صلاة الجمعة:۲۶٤/۲،دار الکتب العلمیة،بیروت،انیس

اس سے بھی ظاہراً یہی معلوم ہوا کہ بدون اذن عام کسی حال میں جمعہ صحیح نہیں، پس جیل خانہ میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیے اور اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر بھی چوں کہ نمازیوں کو عام اجازت نہیں؛ اس لیے اسٹیشن پر بھی باوجود مصر، یا فناء مصر ہونے کے جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح: ان شاء اللہ تعالی، ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۲۱/ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد الاحکام: ۲/۱۷-۳۷۲)

شہر، یا قصبہ میں جمعہ پڑھ کر شام تک واپس آسکتے ہوں تو ایسے گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہے، یا نہیں:

سوال: جو دیہات شہر، یا قصبہ سے اتنی دور ہوں کہ اہل دیہات جمعہ کی نماز پڑھ کر شہر، یا قصبہ سے اپنے مکان پر شام تک واپس چلے جاویں تو ان اہل دیہات پر جمعہ فرض ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس قصبہ اور گاؤں میں کھیتوں وغیرہ کا فصل ہو اور وہ قصبہ سے جدا سمجھا جاتا ہو تو اس گاؤں کے باشندوں پر جمعہ فرض نہیں، گو ایک دو ہی میل کا فصل ہو اور اگر فصل درمیاں میں نہیں؛ بلکہ قصبہ کی آبادی گاؤں تک متصل چلی گئی ہو تو گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہوگا

۲۳/رجب ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۳۷۵)

دو ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ کا حکم:

سوال: ایک موضع ہے جس میں چار مسجدیں ہیں اور اس میں بہت سے قسم کے لوگ ہیں اور بعض ضرورت کی چیزوں کی دوکانیں بھی ہیں؛ مگر ترتیب بازار اور شہر کی نہیں، جیسا دیہاتوں میں دوکان رکھنے کا دستور ہے، موضع خود ایک بڑا موضع ہے، اس کے علاوہ چھ موضعے اور رچھوٹے چھوٹے موضع مذکور کے متعلق ہیں، سب موضعوں کی مع اس بڑے موضع کے مردم شماری غالباً دو ہزار کی ہے، آیا ایسی جگہ یعنی اس بڑے موضع میں باعتبار مذہب حنفیہ جمعہ ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس موضع میں بحالت مذکور جمعہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ (امداد الاحکام: ۲/۳۳۸)

غیر عربی میں خطبہ دینے کے سلسلے میں امداد الفتاویٰ اور بہشتی گوہر کی عبارتوں میں تطبیق:

سوال: بہشتی گوہر میں ہے کہ خطبہ علاوہ خطبہ عربی کے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور فتاوی اشرفیہ حصہ اول میں ہے کہ عربی کے علاوہ دوسری زبان میں بھی جائز ہے، اور اسی پر فتوی ہے، صحیح کونسی عبارت ہے؟

الجواب

قال في الدر: (كما صح لو شرع بغير عربية) أي لسان كان ... وشرطاً عجزه وعلى هذا

الخلاف الخطبة وجميع أذكار الصلاة، آه. (۱)يعني غير القراءة فان العجز شرط فيها اجماعاً كما نص عليه فى الدر فيما بعد قال الشامي(قوله وشرطاً عجزه)أى عن التكبير بالعربية والمعتمد قوله ... لكن سيأتى كراهة الدعاء بالأعجمية، آه. (۲)

وفيه: (۱/ ۵٤٤)والظاهر أن الصحة عنده لاتنفى الكراهة، آه. (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک قرأت کے علاوہ بقیہ اذکار جن میں خطبہ بھی داخل ہے بلا عجز کے بھی جائز ہیں، اور صاحبین کے نزدیک اگر عربی سے عاجز ہوتو جائز ورنہ نہیں، اور طحطاوی نے امام صاحبؒ کے قول کو معتمد قرار دیا ہے، مگر فضل دعاء میں علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک جواز صحت کراہت کے منافی نہیں، پس قادر بالعربی کے لئے خطبہ عجمی میں جائز مگر مکروہ ہے، یہی صحیح ہے، پس بہشتی گوہر اور فتاوی اشرفیہ کی عبارت میں منافات نہیں، فتاوی میں جواز سے مراد صحت ہے، وہوالمعتمد کما قال الامام مگر صحت کراہت کے منافی نہیں

۲۷ ؍ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۳۳۸-۳۳۹)

گاؤں میں جمعہ صحیح نہ ہونے کا بیان:

سوال: چند مسئلے حسب ذیل ہیں، امید کہ جواب باصواب عطا فرمایا جائے۔

اولاً یہ کہ وہ کون سی دلیل در بارہ جواز جمعہ فی القریٰ حضرات شوافع وحنابلہ وغیرہم کی ہے، جس کی وجہ سے بجز امام ابوحنیفہ کے یہاں تک کہ غالباً ان کے شاگردوں کا بھی یہی مذہب ہے کہ ہر قریہ صغیرہ وکبیرہ میں جمعہ بلا دغدغہ وخرخشہ ہوسکتا ہے اور یہ شرائط جو جماعت کے شافعیہ اور مالکیہ وغیرہ کے نزدیک لگائی گئی ہیں کہ چالیس پچاس سے کم اگر آدمی ہوں تو جمعہ نہیں ہوسکتا۔ یہ تعداد کس حدیث سے ثابت کرتے ہیں اور اگر کوئی حنفی المذہب علی الخصوص مسئلہ جمعہ میں شافعیہ وغیرہ کے مسئلہ پر متفق ہوکر وجوب جمعہ فی القریٰ کا عام اس سے کہ صغیرہ ہو، یا کبیرہ قائل ہو اور ادا بھی کرے تو کیا عند اللہ ماخوذ وآثم ہوگا، یا نہیں؟ اور حنفیہ کے نزدیک کوئی ایسی دلیل دیکھی نہیں جاتی، جس سے صریح ممانعت ادائے جمعہ فی القری کی پائی جائے اور ادھر ایک حدیث غالباً صحیح بخاری کی ہے، مجھے بخوبی یاد نہیں، وہ یہ کہ ”الجمعة على كل مسلم وقرية“. بہرحال آپ تو ضرور واقف ہوں گے، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں اپنی دلیل میں اسی کو پیش فرما کر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک جس جگہ جماعت کثیر ہو، جمعہ پڑھنا چاہیے، اگرچہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو اور دوسرے اس وقت دور آخر میں جناب مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے اپنی رسالہ فیوض قاسمیہ میں بہت بسط کے ساتھ غالباً تین ورق تک ایک خط کے جواب میں بعبارت فارسی جمعہ کی ادائیگی کے لیے ایک پرزور تقریر

---

(۱) الدرالمختار على رد المحتار، باب صفة الصلاة، فروع كبر غير عالم بتكبير امامه: ۱/ ٤٨٣-٤٨٤، دار الفكر، انيس

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب قرأ بالفارسية: ۱/ ٤٨٤، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب فى الدعاء بغير العربية: ۱/ ۵۲۱، دار الفكر بيروت، انيس

فرمائی ہے، جس میں حنفیہ کو متعصب کا لفظ بھی فرمایا ہے اور انھوں نے گاؤں کے لوگوں کی رائے سے امام بنا کر جمعہ پڑھنے اور ادا ہونے کے لیے فرمایا ہے، آپ کے علوم ظاہری و باطنی سے غالبًا ہر کس و ناکس اور نہ کہ ذی علم واقف نہ ہو۔ (ملاحظہ فرمایئے فیوض قاسمی) اور ایسی ہی تقریر مولانا مولوی بحر العلوم صاحب لکھنوی نے بھی ایک چھوٹے سے رسالہ غالبًا ارکان اربعہ میں عربی الفاظ کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، مجھے عبارت بخوبی یاد نہیں، غرضیکہ بہت سے احناف کا یہ مذہب ہے کہ جمعہ دیہات میں ہونا چاہیے اور پڑھتے بھی ہیں۔ ان علماء کو میں کہتا ہوں، جن کی گنتی اہل علم کے نزدیک بڑے ہونے کی کی جاتی ہے اور پھر بھی تعریف مصر میں بہت بڑا اختلاف ہے اور اس وقت بعض شرائط بھی نہیں پائے جاتے تو جب چھ شرائط میں سے کوئی مفقود ہو تو پھر جمعہ کا وجوب اور ادائے جمعہ کے کیا معنی؟ چناں چہ بادشاہ، یا نائب بادشاہ کا من جملہ شرائط میں سے ایک شرط وجوب ادا کے لیے ضروری ہے؛ مگر ہندستان بھر میں بالکل یہ شرط عنقاء صفت ہے، پھر اس کے نہ پائے جانے پر جمعہ جو لوگ شہروں میں ادا کرتے ہیں تو کیا جمعہ ادا ہو جاتا ہے، غالبًا اسی وجہ سے لوگوں نے احتیاط الظہر کے مسئلہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے؛ مگر قریب قریب ہر ایک میں خدشہ لازم آتا ہے اور دلائل ایک نہ ایک وجہ سے جروح پذیر ہیں، بہر حال للہ فلہ در بارہ تحقیق جمعہ فی القریٰ و تحقیق شرائط و تعریف مصر کسی براہین قاطعہ وساطعہ کے ساتھ تحریر فرمایئے؛ تاکہ چاہ شکوک سے نکل کر کنارہ یقین پر فائز المرام ہوں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کے لیے مصر شرط ہے، امام صاحب اور صاحبین سب اس میں متفق ہیں، باقی ائمہ کا اختلاف ہے، پس سائل کا یہ کہنا ''یہاں تک کہ غالبا ان کے شاگردوں کا بھی یہی مذہب ہے کہ ہر قریہ صغیرہ وکبیرہ میں جمعہ بلا دغدغہ وخرخشہ ہوسکتا ہے، الخ'' بالکل غلط ہے، صاحبین قریہ صغیرہ وکبیرہ میں جمعہ کو ہرگز جائز نہیں کہتے، حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

روی عبدالرزاق فی مصنفه: أخبرنا معمر عن أبی اسحٰق عن الحارث عن علی رضی اللّٰه عنه قال: لا جمعة و لا تشریق إلا فی مصر جامع. (۱)

(فإن قلت فیه) عن الشعبی أنه قال: الحارث الأعور و کان کذابا، وقال منصور ومغیرة عن ابراهیم: أن الحارث اتهم ... وقال الدوری عن ابن معین الحارث قد سمع من ابن مسعود لیس به بأس وقال عثمان الدارمی عن ابن معین: ثقة، ... وقال ابن ابی خیثمة: قیل لیحیی یحتج بالحارث؟ فقال: مازال المحدثون یقبلون حدیثه وقال ابن عبد البر فی کتاب العلم له: لما حکی عن ابراهیم أنه کذب الحارث أظن الشعبی عوقب بقوله فی الحارث کذاب ولم یبن من الحارث کذبه وإنما نقم علیه افراطه فی حب علی ... وقال ابن شاهین فی الثقات: قال أحمد

---

(۱) مصنف عبدالرزاق، کتاب الجمعة، باب القریٰ الصغار: ۱٦٧/۳، انیس

بن صالح المصری: الحارث الأعور ثقة ما أحفظه وما أحسن ما روی عن علی وأثنٰی علیه،قیل له: فقد قال الشعبی: کان یکذب؟قال: لم یکن یکذب فی الحدیث إنما کان کذبه فی رأیه وقرات بخط الذهبی فی المیزان والنسائی مع تعنته فی الرجال قد احتج به والجمهورعلی توهینه مع روایتهم لحدیثه فی الأبواب وهٰذا الشعبی یکذبه ثم یروی عنه والظاهرأنه یکذب حکایاته لافی الحدیث،آه.(۱)

فظهر بذلک ان الحارث لیس ممن اجمع علی ضعفه بل هومختلف فیه وثقه بعضهم والاختلاف فی التوفیق لا یضر فإن رجال الصحیحین أیضاً لا یخلون من کلام.

قال فی عمدة القاری:وروی أیضاً بسند صحیح حدثنا جریرعن منصورعن طلحة عن سعد بن عبیدة عن أبی عبد الرحمن أنه قال: قال علی رضی اللّٰه عنه: لاجمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع،آه.(۲۶٤/۳)(۲)

وفی الدرایة لابن حجروروی عبد الرزاق عن علی موقوفا: لا تشریق ولاجمعة إلا فی مصر جامع،وإسناده صحیح ،آه.(۱۳۱)(۳)

اس تحقیق سے یہ امرواضح ہوگیا کہ اس حدیث کے دوطریق صحیح ہیں اورایک طریق میں حارث اعور ہے، وہ بھی اگر صحیح نہیں توحسن ضرور ہے اورایک طریق ”عن أبی اسحٰق عن الحارث عن علی قال: لاجمعة ولا تشریق ولاصلاة فطرولا أضحی إلا فی مصرجامع أومدینة عظیمة،آه“.(نصب الرایة: ۳۱۳/۱)(۴)

وفیه: الحجاج بن ارطاة مختلف فیه،کما فی التهذیب التهذیب:عن عیسی بن یونس قال: کان الحجاج بن ارطاة لا یحضر الجماعة فقیل له فی ذلک،فقال: احضرمسجدکم حتٰی یزاحمنی فیه الحمالون والبقالون،قال الساجی:کان مدلساً صدوقاً سیء الحفظ لیس بحجة فی الفروع والأحکام وقال ابن خزیمة:لا احتج به إلا،فیما قال ”أنا وسمعت“وقال ابن سعد:کان شریفاً وکان ضعیفاً فی الحدیث وقال أبو أحمد الحاکم:لیس بالقوی عندهم وقال البزار:کان حافظاً مدلساً وکان معجبا بنفسه وکان شعبة یثنی علیه ولا أعلم لم یروعنه یعنی ممن لقیه إلا عبد اللّٰه بن إدریس.(۵)

وقال ابن القیم فی زاد المعاد: وفیه الحجاج بن أرطاة وحدیثه لاینز ل عن درجة الحسن مالم ینفرد بشیء أویخالف الثقات،آه.(۶)

---

(۱) تهذیب التهذیب،حرف الحاء،من اسمه الحارث: ۱٤۵/۲-۱٤۷،دائرة المعارف النظامیة الهند،انیس
(۲) عمدة القاری،باب الجمعة فی القرٰی والمدن: ۱۸۸/٦،دارإحیاء التراث العربی بیروت،انیس
(۳) الدرایة فی تخریج أحادیث الهدایة،باب الجمعة: ۲۱٤/۱،دارالمعرفة بیروت،انیس
(۴) نصب الرأیة،باب صلاة الجمعة: ۱۹۵/۲،مؤسسة الریان،انیس
(۵) تهذیب التهذیب فی بحث حروف الحاء،من اسمه حجاج: ۱۹۸/۲،المعارف النظامیة،انیس
(۶) زاد المعاد فی هدٰی خیرالعباد،حج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قارناً: ۱۰٦/۲،مؤسسة الرسالة،انیس

قلت: وهٰذا ليس مما تفر دبه واقفه الثقات فی معنی مارواه فهو حسن، وفی عمدة الرعاية: وصححه ابن حزم فی المحلی،آه.(۱)

رہا یہ اعتراض کہ یہ حدیث موقوف ہے، مرفوع نہیں۔اس کا جواب اصول حدیث جاننے والے پر ظاہر ہے کہ قول صحابی ''مالا يدرک بالقياس'' میں حکماً مرفوع ہوتا ہے، قال السيوطی فی تدريب الراوی: ومن المرفوع أيضاً ماجاء عن الصحابی ومثله لايقال من قبل الرای ولامجال للاجتهاد فيه فيحمل على السماع، جزم به الرازی فی المحصول وغير واحد من أئمة الحديث، آه. (۲) اورظاہر ہے کہ صحت جمعہ وفطر واضحیٰ کے لیے حضرت علیؓ کا ایک ایسی شرط لگانا جو دوسری نمازوں کے لیے نہیں ہے، محض رائے اور قیاس سے ممکن نہیں۔پس یہ بھی قاعدہ محدثین پر مرفوع میں داخل ہے۔

دوسری دلیل حنفیہ کی یہ ''أخرج البخاری عن عروة عن عائشة رضی الله عنها زوج النبی صلی الله عليه و سلم قالت: كان الناس ينتابون الجمعة) من منازلهم والعوالی فيأتون فی الغبار يصيبهم الغبار و العرق فيخرج منهم العرق فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم انسان منهم وهو عندی فقال النبی صلی الله عليه وسلم لوأنكم تطهرتم ليومكم هٰذا''. (الحديث) (۳) اس میں صحابہ کرام کا نماز جمعہ پر واجب نہیں ہے اور نہ گاؤں میں جمعہ ادا ہوتا ہے، ورنہ جو لوگ عوالی میں رہتے تھے، ان کو وہیں ادائے جمعہ کا حکم ہوتا، یا ان سب کو مدینہ آنا واجب ہوتا، حالاں کہ عوالی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی وقت، کسی جگہ کبھی جمعہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اور تیسری دلیل حنفیہ کی یہ ہے کہ حضرات صحابہ نے فتح بلاد کے ساتھ منابر اور مساجد جامعہ کی تعمیر امصار میں ہی کی تھی، کسی گاؤں میں ہرگز صحابہؓ نے منبر اور جامع مسجد تعمیر نہیں کی، اگر ایسا ہوتا تو اس کی ضرور احادیث میں کوئی اصل ملتی، ومن ادعی فعليه البيان، قال المحقق ابن الهمام فی الفتح: أنه لم ينقل عن الصحابة أنهم حين فتحوا البلاد واشتغلوا بنصب المنابر والجمع إلافی الأمصار دون القرىٰ ولو كان لنقل ولو أحاد، آه.(۴) لہٰذا ان دلائل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ کے پاس اس مسئلہ میں دلیل نقلی صحیح وعقلی قوی موجود ہے، پس کسی حنفی المذہب کو چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا اور یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ ادھر (یعنی امام شافعیؒ وغیرہ کی طرف ایک حدیث غالباً صحیح بخاری کی ہے، مجھے بخوبی یاد نہیں، وہ یہ ہے: ''الجمعة علىٰ كل مسلم وقرية'' سو یہ الفاظ کسی حدیث کے نہیں، سائل کو حدیث نبوی کی نقل میں اٹکل پچو لکھنے سے احتراز واجب تھا، بدون خود

(۱) عمدة ارعاية علىٰ شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲٤۰/۱، انيس

(۲) تدريب الراوی، النوع السابع الموقوف: ۲۱۲/۱، دارطيبة، انيس

(۳) صحيح البخاری، باب من أين توتی الجمعة وعلی من تجب: ۱۲۳/۱، رقم الحديث: ۹۰۲، قديمی، انيس

(۴) فتح القدير على الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۵۰/۲، دار الكتب العلمية، بيروت، انيس

الفاظ دیکھے ہوئے، یا کسی عالم سے پوچھے ہوئے غلط سلط الفاظ لکھنا اس کو جائز نہ تھا۔ بخاری میں جو حدیث شافعی وغیرہ کی دلیل ہے، وہ یہ ہے: **عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین۔**(۱) اس سے بعض ائمہ نے جواز جمعہ فی القریٰ پر استدلال کیا ہے؛ مگر اس استدلال کا تمام ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے جواثی کا گاؤں ہونا ثابت کیا ہے، حالاں کہ اب تک یہ بات ثابت نہیں ہوسکی، جن لوگوں نے جواثی کو گاؤں کہا ہے، ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ بعض روایات میں اس کی نسبت قریہ من البحرین کا لفظ آیا ہے؛ لیکن یہ دلیل کافی نہیں؛ کیوں کہ اول تو ولفظ قریہ کا اطلاق لغت عرب میں عام ہے، شہر کو بھی قریہ کہہ دیتے ہیں، چناں چہ خود قرآن میں ہے: ﴿**وقالوا لولا نزل هٰذا القرآن علٰی رجل من القریتین عظیم**﴾ مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں قریتین سے مکہ وطائف مراد ہیں، پس ممکن ہے کہ جواثی شہر ہو، جس کو معنی لغوی عام کی بنا پر قریہ کہہ دیا ہو اور اس احتمال کی تائید ان اقوال سے ہوتی ہے:

''**حکی ابن التین عن الشیخ أبی الحسن أنها مدینة. وفی الصحاح للجوهری والبلدان للزمخشری: جواثی حصن من البحرین، وقال أبوعبید البکری: هی مدینة بالبحرین لعبد القیس.** (عینی علی البخاری: ۲۶۳/۱)(۲)

ان اقوال سے جواثی کا شہر ہونا معلوم ہوتا ہے، پس دیگر ائمہ کا استدلال ساقط ہے، اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ جواثی گاؤں ہی تھا اور وہاں صحابہؓ نے جمعہ پڑھا تو پھر بھی اس حدیث سے استدلال کرنا اس پر موقوف ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے اس فعل کی اطلاع بھی ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، حالاں کہ اطلاع نبوی کا ثبوت اب تک کوئی نہیں ملا، پس ایسی کمزور دلیل سے جمعہ کا جواز گاؤں میں ثابت نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز پنجوقتہ نماز کی طرح ہر جگہ جائز نہیں، چناں چہ جنگل بیابان میں جواز جمعہ کا کوئی قائل نہیں؛ بلکہ ہر ایک امام نے کچھ نہ کچھ شرط جواز جمعہ کے لیے ضرور لگائی ہے، شہر میں جواز جمعہ پر سب کا اجماع ہے اور گاؤں میں جائز ہونے کے لیے کوئی شافی دلیل ان کے پاس نہیں ہے؛ اس لیے محض مشکوک دلائل سے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہوسکتا۔ باقی سائل نے حجۃ اللہ البالغہ اور فیوض قاسمیہ وارکان اربعہ کی عبارات کا جو حوالہ دیا ہے، سوان کتابوں کی عبارات اس کو نقل کرنا چاہیے تھیں، یہ کتابیں میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ باقی محض سائل کا لکھ دینا کافی نہیں؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ اس نے سمجھنے میں غلطی کی ہو، جیسا کہ حدیث بخاری کی نقل میں اس نے پہلے غلطی کی ہے اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ سائل کو معلوم ہونا چاہیے کہ شاہ ولی اللہ صاحب ومولانا قاسم صاحب

---

(۱)　صحیح البخاری، باب الجمعة فی القری والمدن، رقم الحدیث: ۸۹۲، انیس

(۲)　عمدة القاری فی شرح صحیح البخاری، باب الجمعة فی القریٰ و المدن: ۱۸۷/۶، دارإحیاء التراث، انیس

ومولانا بحرالعلوم کوہم امام شافعیؒ وامام مالک وامام احمد بن حنبلؒ کی خاک پا کے برابر بھی نہیں سمجھتے تو جب ہم نے اس مسئلہ میں ان ائمہ ثلاثہ کےقول کے خلاف ابوحنیفہ کا قول اختیار کیا ہے؛ کیوں کہ روایۃً ودرایۃً ان کا قول ہمارے نزدیک صحیح ہےتو ہم ان متاخرین کےقول کواس کے مقابلہ میں کب تسلیم کر سکتے ہیں،ان کے اقوال کوائمہ اربعہ کے اقوال سے کیا نسبت ہے، کچھ نہیں۔ اگران کی تحقیق امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہے، ہوا کرے،ہم نے ان کی تقلید کا التزام نہیں کیا ہے۔ بعد میں فیوض قاسمیہ کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سائل نے مولانا قاسم العلوم کا مطلب بالکل نہیں سمجھا۔ مولانا قاسم العلوم کی عبارت کا مطلب سمجھنے کے لیے بڑی عقل کی ضرورت ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ سائل نے مولانا کی کس عبارت سے یہ مطلب سمجھا ہے کہ جمعہ کے لیے مصرواذن سلطان وغیرہ شرط نہیں۔ وہ اس عبارت کو پھر لکھے، پھر جواب دیا جائے گا۔ رہا مصر کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہونا ،سو یہ اختلاف عنوان کا ہے، حقیقت کا اختلاف نہیں۔ مراد سب کی ایک ہے؛ یعنی اتنی بڑی بستی جہاں انسانی تمام ضروریات مل جاتی ہوں؛ لیکن ہر زمانے میں ایسی بستیوں کی مختلف علامتیں رہی ہیں؛ اس لیے فقہا کی عبارات میں مختلف الفاظ وارد ہوگئے، جیسے ہم کسی سے یوں کہیں کہ مسلمانوں کی علامت یہ ہے کہ ان کی داڑھی لمبی اور مونچھیں کتری ہوئی ہوں اور نماز پڑھتے ہوں۔ ایک زمانہ ایسا آیا کہ مسلمانوں نے ان کاموں میں سستی کردی ، پھر کسی نے یہ تعریف کی کہ جن کے کرتے لمبے پائجامے ٹخنوں سے اوپر ہوں، کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں نے یہ وضع بھی ترک کردی تو اب یہ تعریف کی کہ جوڑکی ٹوپی پہنتے ہوں تو اب ان مختلف تعبیروں کے بدلنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمانوں کی حقیقت بدل گئی نہیں، حقیقت ایک ہی ہے؛ لیکن ہر زمانہ کے اعتبار سے ان کی علامت جدا ہوگئی ،اسی طرح شہر کے معنی سب لوگ جانتے ہیں، گواس کی علامتیں ہر زمانہ میں جدا ہوں۔

رہا اذن سلطان، یا سلطان کا شرط ہونا،سواس کے متعلق حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اذن سلطان اگر متعذر ہو تو عام مسلمان جس کو امام وخطیب مقرر کرلیں جائز ہے۔

قال في الدر:(ونصب العامة) الخطيب(غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز)للضرورة،آه.

قال الشامي تحته:فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً،آه.(۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اذن سلطان کی شرط موجودگی سلطان میں ہے اوراگر سلطان نہ ہوتو یہ شرط نہیں اور درحقیقت اذن سلطان کی شرط بھی شرط مصر کے تابع ہے، اصل شرط مصر ہے؛ لیکن چوں کہ سلطان کو یہ اختیار ہے کہ اگروہ چاہے تو کسی مصلحت کی وجہ سے گاؤں کو شہر بنا دے، یا شہر کو گاؤں بنادے تو سلطان کے ہوتے

(۱) الدر المختار مع رد المحتار،باب الجمعة:۱٤/۳،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

ہوئے ،اس کے اذن کی ضرورت اس لیے ہے؛ تا کہ معلوم ہوجائے کہ سلطان کا ارادہ اس شہر کو شہر باقی رکھنے کا ہے، گاؤں بنانے کا ارادہ نہیں ہے، فافہم ۔ باقی تفصیل اس مسئلہ کی رسالہ **القول البدیع** مؤلفہ حکیم الامتؒ واحسن القری ،مؤلفہ شیخ العالم دیوبندی قدس سرہ میں ملے گی ۔اس فتوی میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ۔(امدادالاحکام:۲/۳۳۹)

وہ کارخانہ جوشہر سے متصل ہو،اس میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: جس دفتر میں خادم کام کرتا ہے، وہ شہر سے قریباً تین میل کے فاصلے پر ہے اوراس علاقے کو مغلپورہ کہتے ہیں اس کا ڈاکخانہ وتھانہ اور پولس بھی شہر سے علاحدہ ہے اور چنگی کی حد سے بھی باہر ہے اور نہ ہی یہ گاؤں کی صورت میں ہے ؛ بلکہ یہ ایک بڑا دفتر ہیں اوراس کے ساتھ ہی جو کارخانے بنے ہوئے ہیں، جہاں دی کو بائیس تئیس ہزار آدمی کام کرتے ہیں اور رات کو سوائے ان چوکیداروں کے جو پہرہ پر مقرر ہیں اور کوئی نہیں ہوتا، دفتر کے ادھر ادھر جگہ جگہ انگریزوں کی کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں، جو اس دفتر اور کارخانوں میں ملازم ہیں کوٹھیاں بھی ایک جگہ نہیں ؛ بلکہ تھوڑی تھوڑی (دس پانچ) کئی جگہ بنی ہوئی ہیں، گویا کہ دفتر نہ شہر کے حکم میں ہے اور نہ گاؤں کے، یہاں کے ملازمیں جمعہ کے دن کسی ایک کو مقرر کر کے دفتر میں ہی جمعہ پڑھ لیتے ہیں، آیا یہ جمعہ ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو خادم کو قریباً عرصہ تین سال کا ہوگیا ہے کہ انہی میں شامل ہوکر جمعہ پڑھ لیتا ہے، اتنے عرصہ کی ظہر کی نمازیں قضا پڑھ لے، یا نہیں؟ اور چوں کہ خادم گاؤں سے آتا ہے؛ اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خادم پر جمعہ واجب نہیں ہے کہ دفتر کو ہر حال میں چھوڑ کر شہر میں جا کر جمعہ پڑھے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

قال فی الدر :(أوفناءہ) بکسر الفاء (وھوما)حولہ (اتصل بہ) أولا ،حررہ ابن الکمال وغیرہ لأجل مصالحہ) کدفن الموتی ورکض الخیل والمختار للفتویٰ تقدیرہ بفرسخ،آہ.(۱)

قال الشامی:أقول وبہ ظھر صحتھا فی تکیۃ السلطان سلیم بمرجۃ دمشق وکذا فی مسجدہ بصالحیۃ دمشق فإنھا من فناء دمشق بما فیھا من التربۃ بسفح الجبل وإن انفصلت عنہ بمزارع لکنھا قریبۃ؛لأنھا علیٰ ثلث فرسخ من البلدۃ وإن اعتبر ت قریۃ مستقلۃ فھی مصر علیٰ تعریف المصنف،آہ.(۱/۸۳۷)(۲)

قواعد سے مغلپورہ لاہور کا فنا معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے جو لوگ مغلپورہ میں رہتی ہیں، ان پر جمعہ فرض ہے، لہذا آپ نے جس قدر جمعے وہاں پڑھے ہیں، وہ صحیح ہیں، آئندہ بھی پڑھتے رہنا چاہیے؛ لیکن مزید احتیاط کے لیے جمعہ کے بعد چار سنتوں میں سنتوں کی نیت کے بجائے چار رکعت فرض ظہر کی نیت کر لی جائے؛ تا کہ فرض بالیقین ذمہ سے ادا ہوجائے ؛ مگر جہلا کو اس کی تعلیم نہ کی جائے ، وہ اس میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں ۔ واللہ اعلم

---

(۱) الدر المختار علیٰ ھامش ردالمحتار، کتاب الصلاۃ،باب الجمعۃ:۳/۷،انیس

(۲) رد المحتار،باب الجمعۃ،مطلب فی صحۃ الجمعۃ بمسجد المرجۃ:۳/۸،مکتبۃ زکریا دیوبند،انیس

جزوسوال (۱)　　اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ، کا فتوی متعلق ظہر احتیاطی دیکھ کر ایک اور بھی شبہ پڑ گیا ہے کہ اس صورت میں لاہور میں کہیں بھی جمعہ صحیح نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ علاحدہ پڑھا جاتا ہے، حالاں کہ اگر بادشاہی مسجد میں تمام شہر کے لوگ آ کر جمعہ پڑھیں، تب بھی سما جاویں اور فتوی اس پر ہے کہ شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جاوے۔

الجواب

نہیں، فتوی اس پر ہے کہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے، لہذا لاہور شہر کے سب جمعے صحیح ہیں۔

جزوسوال (۲)　　کیا کتاب تنبیہ الغافلین کوئی معتبر کتاب ہے اور اگر خادم اس کا مطالعہ کرلے تو اجازت ہے؟

الجواب

اس کتاب کا مصنف کون ہے، مصنف کا نام معلوم ہونے پر جواب دیا جاسکتا ہے۔ (امدادالاحکام: ۲/۲۵۳-۲۵۴)

گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے ظہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی:

سوال:　اگر کوئی شخص گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرے تو اس کے ذمہ سے ظہر ساقط ہو جائے گی، یا نہیں؟ اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرنے سے ظہر ساقط نہیں ہوتی اور ایسا کرنا درمختار میں مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ (۱) فقط
(فتاویٰ دارالعلوم: ۵/۱۵۱-۱۵۲)

شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک احاطہ ہے اس میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال:　ایک احاطہ بارہ میل ہے اور اس سے ایک میل کے فاصلہ پر شہر آباد ہے تو اس احاطہ میں جمعہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ احاطہ شہر کے فنا میں سے شمار ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۵۵)

---

(۱)　وفيماذكرنا إشارة الٰى أنه لا تجوز(الجمعة) فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب ... ألاترىٰ أن فى الجواهر: لوصلوا فى القرىٰ (الصغيرة) لزمهم أداء الظهر. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۳/۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)
وفى القنية صلاة العيد فى القرىٰ تكره تحريماً؛ لأنه اشتغال بمالا يصح. (الدر المختار)
(قوله: صلاة العيد) ومثله الجمعة. (ردالمحتار، باب العيدين: ۳/٤٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲)　(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول (المصر ...) ... (أوفناءه) بكسر الفاء (وهو ما) حوله (اتصل به) أو لا، كماحرره ابن الكمال وغيره (لأجل مصالحه) كدفن الموتىٰ، الخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۳/۵-۷، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

صوبہ بنگال کے دیہاتوں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ماقولکم رحمہم اللہ دریں مسئلہ کہ فی اعمال درصوبہ بنگال جم غفیر درد یہات نماز جمعہ ادا می کنند صرف بایں وجہ کہ ازایام ماضیہ ہرخاص وعام نماز جمعہ بایں چنیں قریہ ادا کردہ می آیندوگروہ ازعلمائے حنفیہ آں دیار می گویند کہ نزدامام ابوحنیفہ اگر چہ دردیہات نماز جمعہ روانیست؛مگر بایں مسئلہ بتقلید امام شافعی درقریہ نماز جمعہ می گزاریم، پس قول ایں شاں چہ گونہ است ونماز جمعہ ہرخاص وعام وگروہے موصوفان ازعلمائے کرام اداشود، یانہ؟ برمسلک حنفیہ جواب مدلل تحریر فرمایند؟

الجواب

جمعہ باتفاق حنفیہ مخصوص بمصر است درقری جائز نیست، **كذا في الهداية: صلاة الجمعة لا تصح إلا في مصر جامع أومصلى المصر ولاتجوز في القرى.** (۱) ومنقول ازامام ابوحنیفہ دربیان مصرایں است کہ بازار وکوچہا وحاکم نافذ کنندہ حدود داشتہ باشد، کذا فی المواہب للطرابلسی؛مگر چوں کہ تسلط کفار غالب شدوحاکم اسلام مفقود شد پس تحقق شرط حاکم نافذ کنندہ مفقود شد، پس اگر قریٰ مسئول عنہا بازار وکوچہا می دارند پس بموجب روایت مذکورہ جمعہ واعیاد آنجا بوجود شرائط دیگراں ہابلاشبہ روااست۔(۲)

وظاہراست کسانے کہ نماز جمعہ دردیہات بتقلید شافعیہ ادا می کنند درنماز پنجگانہ وشرائط تعداد ودیگر مسائل برمسلک شافعیہ عمل نمی کنند ایں راتلفیق می گویند وتلفیق نزدفقہا باطل است، پس قول بعض علمائے حنفیہ درباره جواز صلوٰۃ جمعہ دردیہات بتقلید شافعیہ ہرگز صحیح ودرست نیست ونماز جمعہ اوشاں نزدحنفیہ صحیح نمی شود ونہ نزدشافعیہ پس گناہ ترک نماز ظہر وقیام جمعہ بصورت عدم جواز او بروئے لازم می آید۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم:۱۵۵/۵-۱۵۶)

بنگال میں جہاں آبادیاں ملی ہوئی ہیں جمعہ جائز نہیں:

سوال: بملک بنگال موضعات متصل واقع اندوازقدیم الایام دراں مواضع جمعہ نمی خوانند کنوں بعض ملایاں بنگال گویند کہ دریں دیار بلاشک جمعہ جائزاست، مردماں منتظر فتویٰ ہستند؟

الجواب

درقریہ صغیرہ عندالحنفیہ جمعہ واجب نیست وادا نمی شود۔

(۱) الهداية،باب صلاة الجمعة: ۱٤۸/۱،ثاقب بک دبو دیوبند،ظفیر

(۲) قوله صلى الله عليه وسلم: لاجمعة ولا تشريق إلا في مصرجامع وما روينا من قول علي رضي الله عنه وقال حذيفة: ليس على أهل القرىٰ جمعة وإنما الجمعة علىٰ أهل الأمصارمثل المدائن ولأن للمدينة قرىً كثيرة ولم ينقل إلينا أنه صلى الله عليه وسلم أمرهم بإقامة الجمعة فيها. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة: ۲۱۷/۱، المطبعة الكبرىٰ الأميرية بولاق،انيس)

كمـا فـي ردالـمـحتار المعروف بالشامي: وفي ما ذكرنا إشارة الٰى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليـس فيهـا قـاض ومـنبـر وخـطيب، كما في المضمرات والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة ألاترٰى أن في الجواهر لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر، الخ. (۱)

وفي باب العيدين من الدر المختار: وفي القنية: صلاة العيد في القرىٰ تكره تحريماً.

قال في الشامي: (قوله: صلاة العيد) ومثله الجمعة. (۲)

وازیں روایات معلوم شد کہ در قری صغیرہ جمعہ صحیح نیست وادا ظہر لازم است وجمعہ ادا کردند در قریہ مکروہ تحریمی است ودر دیہات بنگال، چناں چہ حال آنہا معلوم شدہ قریہ صغیرہ است بہیچ وجہ جمعہ درآنہا صحیح نیست۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۵۶/۵-۱۵۷)

گاؤں میں جمعہ کا حکم:

سوال: ایک چھوٹا سا گاؤں تقریبا ۱۰۰/ یا ۲۰۰/ گھروں کی آبادی ہے اوراس گاؤں کی جو مسجد ہے، اس کے اندر جمعہ کے روز اس قدر آدمی آتے ہیں کہ تمام مسجد بھر کر اور آدمی باہر باقی رہ جاتے ہیں، آیا اس گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے، یا کہ نہیں؟ اوراگر جمعہ ہوجاتا ہے تو پھر احتیاط الظہر ان کو پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟ اوراسی طرح ایک گاؤں کل ۱۵/ گھروں کی آبادی ہے، اس میں بھی جمعہ ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

درسرے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوتا، صرف ظہر پڑھنی چاہیے اور پوری تحقیق کسی محقق عالم کو گاؤں دکھلانے سے ہوسکتی ہے۔

۱۹/ رمضان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۳۶۱/۲)

اس جزیرہ میں جمعہ کا حکم جو متعدد مواضع پر مشتمل ہو:

سوال: اس احقر کا وطن ایک جزیرہ میں ہے، جس کا نام ہانیہ ہے اوراس کے چاروں طرف دریا ہے، موسم سرما میں وہ جزیرہ خشک رہتا ہے اور برسات میں دریا اور بارش کے پانی سے اکثر جزیرہ غرقاب ہوجاتا ہے، اس میں ایک سرکاری راستہ ہے، جو جانب شمال میں لب دریا سے جنوب کی طرف قریب بیس میل تک گیا ہے، جو برسات میں اکثر وہ راستہ کیچڑ اور پانی سے بھرا رہتا ہے، لوگوں کی آمد ورفت برسات اسی راستہ پر سے ہوتی ہے، اس میں لوگوں کے مکانات علاحدہ ہیں، بعض دو تین مکانات ایک دوسرے سے متصل ہیں اور متصل بھی اس طرح پر کہ ایک مکان سے دوسرے مکان تک باغیچہ کا فاصلہ ہوتا ہے۔ ہندرستان کے قصبہ اور گاؤں کے گھر جو ایک دوسرے سے متصل ہیں، ایسا

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۷/۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، باب العيدين: ٤٦/٣، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير

نہیں ہے۔ ہاں ایک جگہ کے دوتین گھر، البتہ ایک دوسرے کے متصل ہیں اور بعض جگہ ایک مکان سے دوسرے مکان تک ایک کانی سے دو کانی تک کا فاصلہ ہوتا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ اس جزیرہ کی آبادی طولاً قریب پچیس میل اور عرضاً قریب پندرہ میل کے ہوگی اور بعض نہریں اس طرح پر ہیں کہ دریا کے ایک طرف سے نکال کر دوسری طرف پہنچایا ہے اور ان نہروں کے ایک طرف سے دوسری طرف پار ہونے کے لیے پل موجود ہیں اور یہ بھی واضح ہو کہ اس جزیرہ میں مختلف مواضع ہیں، ان مواضع میں متعدد مسجدیں ہیں، مجموعہ مسجدیں اس جزیرہ کے قریب تین سو کے ہوں گی، اس میں لوگ جمعہ پڑھتے ہیں اور بعض مسجد میں مصلی تیس بعض میں پچاس اور بعض میں ایک سو ہوتے ہیں اور بعض مسجد میں جانے کے لیے برسات میں کپڑے بھیگنے کی نوبت پہنچتی ہے اور ایک مسجد کا فاصلہ دوسری مسجد سے اس قدر ہے کہ اگر ایک مسجد میں آذان دی جاتی ہے تو دوسری مسجد تک بخوبی جاتی ہے اور یہ بھی واضح ہو کہ ان مسجدوں میں فقط جمعہ کے دن گرام کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور پنجگانہ نماز کی جماعت بعض مسجد میں ہوتی ہی نہیں اور بعض مسجد میں ہوتی بھی ہے تو جس جس دروازے پر مسجد ہے، اس مکان کے چار پانچ آدمی حاضر ہوتے ہیں اور بس اور یہ بھی معلوم رہے کہ اس جزیرہ میں ہندو مسلمان، عورت مرد لڑکا قریب ایک لاکھ کے رہتے ہیں، اس میں ایک آفس ہے، جس میں دیوان عدالت اور فوجداری موجود ہے اور گرامین اس آفس سے بہت دور دور ہیں۔ اب دریافت طلب حضور معدن النور سے یہ ہے کہ آیا اس جزیرہ میں حنفی مذہب کے موافق جمعہ پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ جو لوگ اس میں جمعہ پڑھتے ہیں، احتیاط ظہران پر پڑھنا لازم ہے، یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس میں جمعہ نہ پڑھے تو موافق مذہب حنفی کے عند اللہ اس کا مواخذہ ہوگا، یا نہیں؟ اور اس جگہ میں جو شخص جمعہ نہیں پڑھتا ہے، اس کو سب وشتم کرنا اور اس پر لعن طعن کرنا، مواکلت ومجالست اس سے نہ کرنا اور اس کو جہنمی وغیرہ کہنا شرعاً کیسا ہے؟ احقر مدت سے اس مسئلہ میں متردد ہے، حضور از روئے مہربانی جو کچھ رائے عالی اس باب میں ہو تحریر فرما کر کمترین کو سرفراز فرمائیں اور عند اللہ ماجو ہوں۔

تنقیح ہر ہر موضوع کے جدا جدا حالات نہیں لکھے کہ آبادی کتنی ہے اور بازار مستقل ہے، یا نہیں؟

جواب تنقیح: واضح رہے کہ بعض موضع کی آبادی قریب ایک میل اور بعض قریب نصف میل کے ہوتی ہے اور یہ مواضع ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں، حد فاصل بعض جگہ راستے ہوتے ہیں اور بعض جگہ چھوٹی چھوٹی نہریں ہوتی ہیں اور موسم سرما میں وہ نہریں خشک رہتی ہیں اور برسات میں پانی رہتا ہے، ایک طرف سے دوسری طرف جانے کے لیے پل ہوتے ہیں اور چھوٹی کشتیوں کی آمد ورفت بھی ہوتی ہے اور بعض مواضع میں مکانات تیس چالیس پچاس سو تک، یا اس سے کچھ کم وبیش ہوتے ہیں اور مکانات ان مواضع کے فرادی فرادی ہوتے ہیں اور ان موضع میں بعض جگہ ایک بازار ہوتا ہے۔ ہفتہ میں ان مواضع کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ تین چار بجے سے لوگوں کی آمد شروع ہوتی ہے اور رات کے آٹھ سات بجے تک رہتے ہیں اور ہر ہر موضع میں دوتین مسجدیں ہوتی ہیں کہ لوگ اس میں جمعہ پڑھتے ہیں،

ایسی جگہوں میں جمعہ پڑھنا موافق مذہب حنفی کے کیسا ہے؟ اور نہ پڑھنے والے کے لیے کیا حکم ہوسکتا ہے؟ اس احقر کو فقط رائے عالی معلوم کرنا مقصود ہے، کسی سے لڑنا جھگڑنا ہرگز مقصود نہیں، جو کچھ رائے عالی ہو، تحریر فرما کر اپنے خاص دستخط سے سرفراز فرمائیں اور یہ بھی واضح رہے کہ دو مکانوں کے درمیان جو زمین ہوتی ہے، اس میں زراعت کرتے ہیں۔

الجواب

سارے جزیرے کو تو ایک شہر نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ یہ ایک پرگنہ ہے، جو متعدد مواضع پر مشتمل ہے۔ پس ان مواضع میں سے جس موضع کی شان یہ ہو کہ اس میں تین چار ہزار، یا اس سے زیادہ کی آبادی ہو اور بازار بھی رزانہ لگتا ہو، جس میں ضرورت کی سب چیزیں ملتی ہوں، جیسا کپڑا، جوتا، غلہ گوشت ترکاری، دوا، دودھ وغیرہ اس میں تو جمعہ جائز ہے اور جس کی آبادی تو اس مقدار کو پہنچتی ہو؛ مگر ضروریات سب وہاں نہ ملتی ہوں، نہ بازار روزانہ لگتا ہو، وہاں جمعہ جائز نہیں اور جس جگہ جواز جمعہ میں تردد ہو، وہاں جمعہ نہ پڑھیں، ظہر پڑھیں۔ واللہ اعلم

۴ / ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۳۶۳/۲)

قریہ صغیرہ میں جمعہ نہ ہونا:

سوال: ایک گاؤں میں تخمینا چالیس گھر ہیں اور اس گاؤں میں فقط ایک ہی مسجد ہے اور وہ مسجد کی جگہ سرکار کی جانب سے وقف ہے اور پنجگانہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور وہ مسجد اس قسم کی ہے کہ اگر فقط اس محلّہ کے مصلی لوگ حاضر ہوجائیں تو مسجد بھر جاتی ہے اور اس گاؤں میں سرکار کی طرف سے حاکم مقرر ہے وہ سرکار کے قانون کے مطابق انصاف کرتے ہیں اور اس گاؤں کے پورب کی طرف تخمیناً ایک میل کے فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے، اس میں بھی اسی نوے گھر ہوں گے اور اس کے اتر کی طرف پاؤ میل فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے، اس میں بھی تخمیناً تیس گھر ہیں اور تینوں سے کسی میں بھی بازار نہیں ہے؛ بلکہ تین میل فاصلہ پر بازار موجود ہے تو اس گاؤں میں جمعہ کے نماز درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

گاؤں مذکور قریہ صغیرہ ہے؛ اس لیے مذہب حنفی کے موافق اس میں جمعہ درست نہیں۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۷۰/۱-۶۷۱)

حکم جمعہ در قریٰ بنگال:

تمہید: بندہ کو ذی قعدہ ۱۳۲۷ھ میں اتفاق سفر ڈھاکہ کا ہوا، ایک ماہ بعد واپس آیا، اس اثنا میں قصداً جا کر بعض دیہات کو دیکھا اور نیز وہاں کے فہیم اور ذی علم باشندوں سے بھی تحقیق کیا، بعض دیہات کو اسٹیمر پر سے دیکھا اور بھی اور بعض احباب اہل ملک سے جو کہ ہم سفر تھے، اس کی حالت بھی سنی، اس مجموعہ سے جو مستفاد ہوا، س کو بطور کلیہ کے لکھتا

ہوں؛ تا کہ اس سے قریٰ بنگال میں سے ہر جگہ کا حکم صحت وعدم صحت جمعہ جو عند الحنفیہ ہے، معلوم ہو جاوے، وھی ھذہ:

اگر ایک قریہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں تین چار ہزار کی مردم شماری ہے اور اس میں ضروری حوائج کے لیے بازار بھی ہے، وہاں جمعہ بلا تکلف جائز ہے اور اگر ایک قریہ اتنا بڑا نہیں ہے؛ مگر اس کے قریب دوسرا قریہ بھی ہے کہ مجموعہ دونوں کا اس سابق ایک کے مثل ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اس دوسرے قریہ کو پہلے قریہ سے کیسا اتصال ہے؟ اگر ایسا اتصال ہو کہ دیکھنے والے کو اگر یہ نہ بتلا دیا جاوے کہ فلاں جگہ سے دوسرا قریہ شروع ہوا ہے تو دونوں کو ایک ہی سمجھے، ایسے اتصال سے ان دونوں کو متحد سمجھا جائے گا اور اس مجموعہ میں وہ دو پہلی قیدیں دیکھی جاویں گی اور ان کے تحقیق کی صورت میں جمعہ صحیح ہوگا اور اگر ایسا اتصال نہیں ہے، گو زیادہ فصل بھی نہ ہو تو دونوں کو جدا جدا سمجھا جاوے گا اور جب کہ ہر واحد صغیرہ ہے تو جمعہ کسی میں صحیح نہ ہوگا اور وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض قریٰ متصل چلے گئے؛ مگر مجموعہ سے دائرہ کی صورت بنتی ہے اور اس محیط کے درمیان میں بہت جگہ غیر آباد ہے، جس میں کاشت وباغ وغیرہ ہے اور بازار کسی ایک حصہ میں نہیں؛ بلکہ منتقل ہوتا رہتا ہے، سو عند التامل مجھ کو ان کا حکم بھی مثل واحد کے معلوم ہوتا ہے، البتہ اگر ایک قریہ سے دوسرے قریہ میں مفازہ قطع کر کے جاویں اور مفازہ مسافت قصر ہو تو قصر واجب ہو جاوے گا۔ (۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۷۱-۶۷۲)

حضرت قاسم العلوم اور مسئلہ جمعہ:

سوال: حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ قیام صلوٰۃ جمعہ فی القری کو جائز ہونے کا محقق ومصدق ارشاد فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو: ''واگر کسی در دیہی جمعہ قائم کند دست گریبانش نہ زنند کہ اول ایں شرط مصر بودن ظنی، الخ''، حالاں کہ یہ جمہور کے خلاف ہے۔ تطبیق کی کیا صورت ہے؟

الجواب

حنفیہ کا مذہب معلوم ومعروف ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ان کے نزدیک جمعہ کے لیے مصر شرط ہے اور تحقیق اس کی اور دلائل قویہ اوثق العری واحسن القری میں... موجود ہیں، ان کتابوں کو دیکھا جاوے۔ باقی حضرت مولانا نانوتویؒ کا یہ فرمانا: ''دست وگریبانش نہ زنند، الخ'' اس وجہ سے ہے، چوں کہ یہ مسئلے ما بین الائمہ مختلف فیہا ہے اور دلائل ظنیہ پر مبنی ہے؛ اس لیے جمعہ فی القریٰ قائم کرنے والے سے لڑائی جھگڑا اور طعن وتشنیع نہ کریں کہ فروعی اختلافات میں محققین کا یہی مسلک ہوتا ہے کہ نزاع وجدال اس میں مناسب نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۱۶۰-۱۶۱)

چھوٹی آبادی میں جمعہ جائز نہیں:

سوال: در قریہ ہندواڑہ کل نو ومکان از قوم زمینداراں واقع است، در چنیں قریہ جمعہ ممنوع است، یا نہ؟

---

(۱) اس کے بعد وہاں کے علما کی تحریرات سے قدرے تردد ہو گیا، جس کے بعد یہ معمول کر لیا کہ وہاں کے جمعہ کے باب میں لکھ دیا جاتا ہے کہ وہاں کے علما سے پوچھنا بہتر ہے۔ منہ

الجواب

درشامی ازقہستانی آوردہ:''وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ التی فیها أسواق (إلٰی أن قال) وفیما ذکرنا إشارۃ الٰی أنه لا تجوزفی الصغیرۃ التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب''.(۱)

ازیں عبارت واضح گردیدہ کہ درقریہ مذکورہ کہ کل نودمکان دراں است جمعہ ادانمی شود کہ ایں چنیں قریہ قریہ صغیرہ است، نہ قریہ کبیرہ، ونہ قصبہ...ھذا ماعلیه المحققو ن.(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۱/۵)

بڑے قصبہ میں جمعہ جائز ہے:

سوال: ضلع ہزارہ میں ایک موضع موسوم بہ شنکیاری ہے،جس میں چار مسجد ہیں اور بازار ہیں،تقریباًاسی دوکانیں ہیں اورتھانہ ڈاکخانہ وغیرہ معمولی محکمات بھی ہیں، بڑے بڑے حکام کے اترنے کی جگہ ہے اور یہاں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔ایک صاحب موضع مذکورہ میں نمازادا کرنے سے مانع ہیں،ایسے قریہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا کیاحکم ہے؟

الجواب

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قصبات اورقریہ کبیرہ میں نماز جمعہ فرض ہے اورادا ہوتی ہے اور یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ چھوٹے قریہ میں باتفاق علماء حنفیہ جمعہ نہیں ہوتا؛ بلکہ چھوٹے قریہ میں جمعہ پڑھنا گویانفل کو جماعت کثیرہ کے ساتھ بتداعی ادا کرنا ہے، جو باتفاق فقہاءمکروہ ہے اورقریہ کا چھوٹا بڑا ہونا مشاہدہ سے اور کثرت وقلت آبادی سے معلوم ہوتا ہے،جس قریہ میں تین چار ہزار آدمی آباد ہوں گے،ظاہراً وہ قریہ کبیرہ بحکم قصبہ ہوسکتا ہے اوراس سے کم آبادی ہوتو وہ قریہ صغیرہ کہلائے گا۔شامی میں قہستانی سے منقول ہے:

''وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ التی فیها أسواق(إلٰی أن قال) وفیما ذکرنا اشارۃ الٰی أنه لا تجوزفی الصغیرۃ التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب،الخ''.(شامی،باب الجمعة)(۲)

وفی باب العیدین من الدرالمختار:صلاۃ العید فی القریٰ تکرہ تحریماً أی لأنه اشتغال بما لایصح.

قال فی الشامی:(قوله:صلاۃ العید)ومثله الجمعة.(۳)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۱/۵-۱۶۲)

بازاروں کے آس پاس کے مستقل گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یانہیں:

سوال: موضع چھوٹا متصل بازارکمتول کے واقع ہے اور بازار کی آبادی تین چار ہزار سے کم نہیں ہے،ضرورت کی تمام چیزیں ملتی ہیں،آیا موضع مذکورہ فناء مصرقرار دیا جاسکتا ہے،یانہیں؟ قرب وجوار کے مسلمان وہاں جاکر جمعہ ادا کریں،یااپنے اپنے موضع میں پڑھیں؟اوراہل قریہ اپنے موضع میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں،یانہیں؟

(۱-۲)　ردالمحتار،باب الجمعة:۶/۳-۷،مکتبة زکریادیوبند،انیس

(۳)　رد المحتار،باب العیدین:۱۶۷/۲،دار الفکر بیروت،ظفیر

الجواب

جب کہ وہ موضع مستقل نام سے مشہور ہے اور شہر کے اغراض کے لیے نہیں ہے تو وہ فناء مصر نہیں ہے۔

فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق علىٰ ما صدق عليه بأنه المعد لمصالح المصر فقد نص الأئمة علىٰ أن الفناء ما أعد لدفن الموتىٰ وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمي وغير ذلك،الخ. (۱)

قرب وجوار میں جو دیہات صغیرہ ہیں، وہاں کے باشندے اپنے اپنے دیہات میں ظہر پڑھیں، وہاں جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے، (۲) البتہ اگر شہر میں جائیں تو وہاں جمعہ پڑھیں۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۳/۵-۱۶۴)

کیا دیہات والوں کو جمعہ کے لئے شہر آنا ضروری ہے:

سوال: دیہات والوں کو جمعہ کے لیے شہر میں آنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اور اگر نہ آویں تو آثم ہوں گے، یا نہ؟

الجواب

شہر کے قرب وجوار کے دیہات والوں کو جمعہ کے لیے شہر میں آنا ضروری نہیں ہے اور نہ آنے سے وہ آثم نہ ہوں گے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۴/۵)

مذکورہ عبارتوں کا مطلب کیا ہے:

سوال: **"اختلفوا في تفسير المصر،قال في النهاية:اختلفوا فيه فعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ:هو ما يجتمع فيه مرافق أهله".**

اس عبارت کا مطلب کیا ہے؟

"وعن أبي حنيفة رضي الله عنه:هو بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق".

ان عبارات کا مطلب تحریر فرمائیں؟

---

(۱) رد المحتار،باب الجمعة: ۸/۳،مكتبة زكريا ديوبند،ظفير

(۲) وفيما ذكرنا إشارة الىٰ أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر ... ألاترىٰ أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر.(ردالمحتار،باب الجمعة: ۷/۳،مكتبة زكريا ديوبند)

و في الخانية المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لا جمعة عليه وإن بلغه النداء.(رد المحتار،باب الجمعة،مطلب في شروط وجوب الجمعة: ۲۷/۳،مكتبة زكريا ديوبند،ظفير)

(۳-۴) وشرط لافتراضها(أي الجمعة) ... في غيره الا ما استثنىٰ بقوله (فان كان يسمع النداء) ...ثم ظاهر رواية اصحابنا لاتجب الاّ علىٰ من يسكن المصر أو ما تيصل به فلا تجب علىٰ أهل السواد ولو قريباً وهٰذا أصح ماقيل فيه.(ردالمحتار، باب الجمعة،مطلب في شروط وجوب الجمعة: ۲۷/۳،مكتبة زكريا،ديوبند،انيس)

الجواب

جو کچھ عبارات مختلفہ مصر کی تعریف میں وارد ہیں، حال ان کا ایک ہے، وہ یہ کہ مصر بڑے شہر کو کہا جاتا ہے، جس میں بازار ودوکانیں ہوں اور ضروریات ملتی ہوں، وغیرہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۵/۳)

چھوٹی بستی میں کسی مصلحت کی وجہ سے جمعہ جائز ہے:

سوال: ایک بستی میں لوگ جمعہ کا شوق رکھتے ہیں؛ مگر مذہب امام اعظم کی وجہ سے نماز ظہر ہی مثل دیگر ایام کے فرض عین تصور کرکے باجماعت ادا کرتے ہیں۔اب تردد یہ ہورہا ہے کہ آٹھویں دن لوگ جمعہ کے خیال سے جمع ہوجاتے ہیں اور مسائل وغیرہ سے مستفیض ہوتے ہیں۔آیا اگر اس لحاظ ومفاد دین کو مدنظر رکھ کر جمعہ ادا کریں تو ظہر ذمہ سے ساقط ہوجاوے گی،اس موضع کی آبادی چارسو کی ہے اوراس کے متصل دوسرا قریہ ہے،جس کی آبادی دوہزار کی ہے؟

الجواب

حنفیہ کوامام ابوحنیفہ کی تقلید کرنی چاہیے،اپنے امام کے مذہب کے موافق قریہ صغیرہ میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیے،ظہر باجماعت ادا کرنی چاہیے اوروہ قریہ جس میں چارسوآدمی آباد ہیں،قریہ صغیرہ ہے اوردوسری بستی جواس کے قریب ہے، جس میں دوہزار آدمی آباد ہیں،اس کی وجہ سے وہ قریہ صغیرہ قریہ کبیرہ نہ ہوگا۔

شامی جلداول باب الجمعہ میں ہے:

’’وفيما ذكرنا إشارة الٰى أنه لا تجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما فى المضمرات،الخ‘‘. (ردالمحتار: ۵۳۷/۱)(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۴/۵)

گاؤں میں جمعہ جائز ہے،یانہیں:

سوال: جمعہ گاؤں میں جائز ہے،یانہیں؟ شرائط جواز وعدم جواز کیا ہیں؟ جس گاؤں میں عید ہوتی ہو، وہاں جمعہ جائز ہے،یانہیں؟ جمعہ اور عید کی شرطوں میں کچھ فرق ہے،یانہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟ جس گاؤں کی آبادی ساڑھے چارسو کے قریب ہواور مالیت لاکھ کے قریب ہواورکل مذاہب کے باشندے ہوں؛ مگر مسلمان زیادہ ہوں، خانگی ضروریات کی چیزیں سب مل سکتی ہوں،ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے،یانہیں؟ آیت وحدیث کے مطابق مطلع فرمائیں۔مصر کا حال اور یہ کہ مصر کتنی آبادی کو کہتے ہیں؟ مصر کی شرطیں کیا کیا ہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں؟

الجواب

اس چھوٹے گاؤں میں جس کی آبادی ایک دوہزار آدمیوں کی بھی نہ ہو،عندالحنفیہ جمعہ جائز نہیں ہے۔ جمعہ کی ادا اور وجوب کے لیے عندالحنفیہ مصر کی شرط ہے اور مصر شہر اور قصبہ کو کہتے ہیں، جہاں بازار اورکوچے اور ہر قسم کی دوکانیں

(۱) ردالمحتار،باب الجمعة:۷/۳،مکتبة زکریا دیوبند،ظفیر

ہوں اور بڑے قریہ کو بھی حکم مصر کا دیا گیا ہے؛ مگر صورت مسئولہ میں جس گاؤں کا ذکر ہے کہ اس میں صرف ساڑھے چار سو آدمی کی آبادی ہے، وہ چھوٹا گاؤں ہے، اس میں جمعہ درست نہیں ہے اور جس گاؤں میں جمعہ درست نہیں، وہاں عید بھی درست نہیں ہے۔ شرائط وجوب واداء جمعہ اور عید کے ایک ہیں، کچھ فرق نہیں ہے، ہکذا فی الدر المختار وغیرہ۔ پس وہاں عید کی نماز بھی نہ پڑھنی چاہیے اور نہ جمعہ پڑھنا چاہیے۔ ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہیے۔ حنفیہ کا مذہب یہی ہے، جیسا کہ جملہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ فقط

قال العلامة الشامي ناقلاً عن القهستاني: وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق (إلىٰ أن قال) وفيما ذكرنا إشارة إلى أنها لاتجوز في الصغيرة. (شامی)(۱)

وقال في الدر المختار: (تجب صلاتهما) في الأصح (علىٰ من تجب عليه الجمعة) بشرائطها المتقدمة، الخ. (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۷۳/۵-۱۷۴)

جمعہ در قریہ:

سوال: در قریہ صغیرہ نماز جمعہ جائز است، یا نہ؟ ودراں جا کہ سلطان، یا نائب سلطان نہ باشد، جمعہ رواست، یا نہ؟ وتعریف قریہ بیان فرمایند؟

الجواب

در قریہ صغیرہ بمذہب امام ابوحنیفہؒ اقامت جمعہ درست نیست وتحقیق وتفصیل آں بکتب فقہ وغیرہ مبسوط است از آنجا دریابند ودر قریہ کبیرہ کہ اسواق وکوچہا دراں باشند جمعہ ادا می شود، کما صرح بہ الشامی۔ ودر تعریف ہماں قول معتبر ست کہ اسواق وکوچہا دراں باشند وعادت مقام حکام باشد، ودر حقیقت تعریف شہر وقریہ حاجت بیان ندارد آنچہ عرفاً آں را شہر نامند شہر است وآنچہ آنرا قریہ وانند قریہ است اما ایں قدر ہست کہ قصبہ وقریہ کبیرہ ہم حکم مصر دارد واقامت جمعہ دراں جائز است۔ اگر سلطان، یا نائب سلطان نباشد درامصار جمعہ واجب است، کما صرح بہ الشامی۔ درانجا مسلمین امام معین ومقرر سازند اینہم کافی است۔ شامی جلد اول باب جمعہ را باید: ''دید ودر امصار وقصبات وقریہ کبیرہ کہ اقامت جمعہ دراں ہا واجب است حاجت احتیاط الظہر نیست'' وصاحب در مختار از بحر فتوی عدم جواز احتیاط الظہر نقل فرمودہ است، ہماں احوط است۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۷۴/۵)

بحث جمعہ در سوال وجواب:

سوال: علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ضلع ارکان میں جانب غربی جنوبی میں ایک محکمہ ہے اور شرقی شمال

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر، بيروت

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب العيدين: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

جانب میں ایک بلند پہاڑ ہے اور تمام بستیاں اس طرح واقع ہیں کہ ہر ایک بستی دوسری بستی سے علاحدہ علاحدہ ہے۔ بستیوں کے درمیان نصف کوس، پون کوس، ایک کوس، ڈیڑھ کوس کا فاصلہ ہے اور کہیں باغات کا فاصلہ ہے، ہر ایک بستی میں مردم شماری دو ہزار، ڈیڑھ ہزار اور اس سے کم وبیش ہوتی اور اس محکمہ کے بعض حصوں میں منصفی، تھانہ، ڈاکخانہ، بازار، مدرسہ عربیہ، اسکول سرکاری ہوتے ہیں؛ مگر بازار دائمی نہیں ہے۔ اب گزارش یہ ہے کہ اتحاد منصفی کی وجہ سے کل محکمہ متحد کہلا سکتا ہے، یا نہیں؟ اگر متحد ہے، ہر بستی میں جمعہ جائز ہے، یا کسی ایک خاص حصہ میں جائز ہوگا؟ اگر جائز نہ ہو تو کیوں نہ ہو، جب کہ صاحب درمختار نے مصر کی جو تعریف کی ہے، وہ تعریف یقیناً صادق آتی ہے اور اگر اس تعریف کو تسلیم نہ کیا جائے تو شامی وغیرہ نے جو تعریف کی ہے، وہ تعریف کیوں قابل تسلیم ہوا اور ائمہ ثلٰثہ کے مذہب کے مطابق جواز جمعہ کا فتویٰ حنفی المذہب ضرورت کی وجہ سے دے سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

أقول وبالله التوفيق: مذہب حنفی جمعہ کے بارے میں یہ ہے کہ مصر؛ یعنی شہر میں واجب ہوتا ہے، قریہ صغیرہ میں واجب نہیں ہوتا اور قصبہ اور قریہ کبیرہ بھی جس میں بازار و دوکانیں وغیرہ ہوں، مصر کے حکم میں ہے، وہاں بھی جمعہ درست ہے، کما صرح بہ الشامی۔ پس علاحدہ علاحدہ بستیاں جن کے درمیان باغات وغیرہ کا فاصلہ ہے اور ان کے نام علاحدہ علاحدہ ہیں، وہ سب قریہ صغیرہ ہیں، ان میں جمعہ درست نہیں ہے اور منصفی کے اتحاد کی وجہ سے یہ سب قریے ایک بستی کے حکم میں نہیں ہو سکتے، البتہ ان میں جو جگہ اور بستی ایسی ہو کہ اس میں آبادی کم از کم دو ہزار آدمیوں کی ہو اور اس میں بازار و دوکانیں ہوں اور عرفاً وہ شہر، یا قصبہ، یا بڑا گاؤں سمجھا جاتا ہو، اس میں جمعہ صحیح ہے۔ صاحب درمختار کی تعریف "**المصر هو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها**" بے شک اوسع ہے اور اس کی نسبت شامی نے لکھا ہے: "**هذا صدق على كثير من القرىٰ**"؛ مگر یہ تعریف ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے، نیز یہ مخدوش ہے؛ اس لیے کہ چھوٹی بستی اور قریہ صغیرہ پر بھی کبھی صادق آسکتی ہے اور کبھی بڑے شہر پر بھی صادق نہیں آتی، جیسا کہ صاحب شرح منیہ نے فرمایا کہ حرمین شریفین پر یہ تعریف صادق نہیں آتی؛ کیوں کہ وہاں "**ما لا يسع**" کا اطلاق نہیں آسکتا؛ بلکہ ہمیشہ مسجدیں خالی وفارغ رہ جاتی ہیں۔ بہر حال با ایں ہمہ جس جگہ درمختار کی یہ تعریف صادق آجائے اور بہت سے فقہا کے فتاویٰ کی بنا پر اس جگہ جمعہ کر لیا جائے تو گنجائش ہے، **کما في الدر المختار: عليه فتوىٰ أكثر الفقهاء.** فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۷۵/۵-۱۷۶)

دیہاتوں میں جمعہ:

سوال: اکثر مسلمان این دیار بقری سکونت می دارند۔ ہر قریہ دوسہ ہزار مردماں می باشند؛ مگر در ہر مسجد جامع زاید از بست وبست وپنج حاضر نمی شود، چہ دریں دیار مسجد جامع در یک قریہ متعدد است، درچنیں قریہ نماز جمعہ گذاردن باید،

یانہ؟ احتیاطاً ظہر خاتم، یانہ؟ اکثر قریہ ہا متصل است، اگر بنام فرق نگشتے یک قریہ گفتہ می شد، درچنیں حال ایں چنیں قری متصل رایک موضع شمارم، یا متعدد؟

الجواب

اگرقریہ کبیرہ ہوتو نماز جمعہ اس میں درست ہے۔شامی میں قہستانی سے منقول ہے:

”وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق“.(۱)

اوراحتیاط الظہر وہاں جائز نہیں ہے اوراگر قریہ صغیرہ ہےتو جمعہ وہاں نہ پڑھیں،ظہر باجماعت ادا کریں،نام کے بدلنے سے قریہ علاحدہ ہوجاتا ہے۔فقط

کتبہ رشید احمد بلند شہر، الجواب صحیح: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۷۷۔۱۷۸)

حکم جمعہ درآبادی ہائے متفرق الاجزاء:

سوال: ایک بستی میں قریب تین چار سو مسلمان مرد بالغ عاقل اورقریب تین سو مرد بالغ کافر مقیم ہیں،اس میں ایک بازار، جس میں اشیائے ضروریہ ہمیشہ موجود رہتی ہے اور منصفی تھانہ،ڈاکخانہ،تارخانہ،شفاخانہ سب موجود ہیں، اب یہ بستی شہر کہلاسکتی ہے، یانہیں؟ اگر قریہ مانا جاوے تو ان مقیم مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے، یانہیں؟ اگر فرض نہ تو وہاں جمعہ ادا کرنے سے صلوٰۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی، یانہیں؟

(۲) ہمارے ملک برہما کی بستیوں میں کہیں کہیں تو مسلمان مرد مکلّف ہزار دوہزار تک مقیم ہیں؛مگر ایسی بستی بہت کم ہیں اورادنیٰ درجہ میں بعضے قریہ میں دس بیس تک بھی موجود ہیں اور جہاں سو دوسو چارسو یا پانچ سو مرد مکلّف مقیم ہیں، ایسی بستیاں بہت ہیں،بعضے قریہ میں سات آٹھ سو تک بھی مقیم ہیں،اب ان بستیوں میں سے کوئی بستی بحکم شہر ہوسکتی ہے، یانہیں؟ اگر سب کو قریہ مانا جاوے تو ان بستیوں کے مقیموں پر جمعہ فرض ہے، یانہیں؟ اگر فرض نہیں ہے تو ان قریوں میں سے اگر کسی میں جمعہ ادا کیا جاوے تو ان کے ذمہ سے صلوٰۃ ظہر ساقط ہوگی، یانہیں؟ اگر بڑے بڑے قریہ میں جمعہ صحیح ہوتو ان بستیوں میں سے کون سی بڑی کہلاوے گی؟

(۳) بعض قریہ زراعت وغیرہ کی وجہ سے فقط میل آدھ میل کے فاصلہ پر بسا ہے،آپس میں ہر ایک کا نام بھی جدا جدا ہے؛مگر اطراف میں دونوں ایک ہی نام سے مشہور ہیں،اب کیا دونوں کو علاحدہ علاحدہ قریہ مانیں گے، یا دونوں کو ملاکر ایک بڑی بستی مانی کی جاوے گی؟ ان سب سوالوں کے جواب مفصل اور مدلل سے ہم نابینا کی رہنمائی فرمائیں؟

الجواب

عبارت سوال سے توان آبادیوں کی صورت وحالت اچھی طرح ذہن میں نہیں آئی،البتہ ایک دوست سے جو اس

(۱) رد المحتار،باب الجمعة: ۶/۳ ،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

نواح کے رہنے والے ہیں، تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ گو آبادی وہاں کی متفرق حصے ہو کر بستی ہے اور ہر حصہ کا نام بھی جدا ہے، لیکن تاہم کئی کئی حصے مل کر ان سب کا مجموعہ ایک نام سے مشہور ہے اور وہ حصہ پارہ کہلاتے ہیں، مثلاً دولت پور عرف میں ایک آبادی کا نام ہے، جس میں چھوٹے چھوٹے کئی حصے ہیں اور ہر حصہ بھی جدا نام سے موسوم ہے؛ لیکن جس حصہ میں کوئی مسافر جانا چاہتا ہو پوچھنے پر بجائے اس حصہ کے نام کے یہ کہتا ہے کہ دولت پور جاؤں گا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ پارے بجائے محلوں کے ہیں اور مجموعہ ان پاروں کا ایک آبادی ہے۔ گو ان کے اندر باہم کسی قدر فصل بھی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ ایک آبادی کے اجزا میں کچھ فصل ہونا اس آبادی کے واحد ہونے کے منافی نہیں، جیسے عموماً جن شہروں کے متعلق انگریزی چھاؤنیاں ہیں، ان کی یہی حالت ہے اور بعض امصار وقصبات کی بلا چھاؤنی بھی خود یہ حالت ہے، جیسے شاہ جہاں پور اور بعض قصبات ضلع سہارنپور ومظفرنگر کے کہ ان کی متفرق آبادی کے مختلف حصے ہیں اور درمیان میں میدان اور کھیت اور باغ فاصل ہیں؛ مگر جدا جدا آبادی نہیں سمجھی جاتی۔ سو ہمارے ان اضلاع میں جیسے بعض آبادیوں کی حالت ہے، اس نواح میں کل، یا اکثر آبادیاں ایسی ہی ہیں، یہ حالت تو وہاں کی کل آبادیوں میں امر مشترک ہے، پھر باہم ان میں ایک تفاوت یہ ہے کہ ان ہی مجموعی آبادیوں میں سے بعض میں تو تھانہ ڈاکخانہ، منصفی وغیرہ ہے، گو اس مجموعہ کے کسی خاص حصہ و پارہ میں سہی ایسے مجموعہ آبادی کو محکمہ کہتے ہیں اور بعض میں یہ چیزیں نہیں اور ان بعضوں کے رہنے والوں کو جب کوئی حاجت تھانہ، ڈاکخانہ وغیرہ کے متعلق واقع ہوتی ہے تو وہ ان محکموں میں جاتے ہیں اور ایک ایک محکمہ کے متعلق ایسی ایسی بہت آبادیاں ہوتی ہیں اور ایسی آبادیوں کو گاؤں کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ پس اس حکایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اول قسم کا مجموعہ جو کہ وہاں محکمہ کہلاتا ہے، مصر ہے اور عرفاً لفظ محکمہ لفظ مصر کا مرادف ہے اور دوسری قسم کا مجموعہ قریہ ہے، پس اس بنا پر مجموعہ آبادی قسم اول میں جمعہ صحیح ہے اور مجموعہ آبادی قسم ثانی میں جمعہ درست نہیں۔ اب مستفتی صاحب اپنی صورت مسئول عنہا کو اس قاعدہ پر خود منطبق کر کے اس کے موافق جواب سمجھ لیں۔ پس جہاں جمعہ صحیح ہوگا، وہاں نماز ظہر ساقط ہو جاوے گی اور جہاں جمعہ صحیح نہیں، نماز ظہر فرض رہے گی اور اشتراط مصر کی روایات سے تمام متون وشروع وفتاویٰ مذہب حنفی کے مملو ومشحون ہیں۔ واللہ اعلم

۶ رشوال ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۵۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۱۴-۶۱۶)

جواز جمعہ در قصبات:

سوال: زید کہتا ہے کہ ہندوستان کے قصبوں میں جمعہ وعیدین حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں؛ کیوں کہ جمعہ وعیدین کے لیے مصر (شہر) ہونا شرط ہے اور قصبے کسی طرح شہر نہیں، نہ عرف عام میں، نہ اور کسی عرف میں۔ حدیث وفقہ حنفیہ میں دو لفظ آئے ہیں: یا مصر (شہر) کا لفظ، یا قریہ (گاؤں) کا لفظ، قصبہ کا لفظ کہیں نہیں آیا ہے، قصبے میں دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت سے تو اس شہر، یا مشابہ شہر کہہ سکتے ہیں۔ دوسری حیثیت سے گاؤں، یا گاؤں کے مشابہ کہہ سکتے ہیں۔ کھینچ

کھانچ کے شہر میں داخل کرتے ہیں؛مگر یہ صحیح نہیں؛ بلکہ اسے قریہ (گاؤں) میں داخل کرنا چاہیے، چیز ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتی ہے،اعلیٰ کا ارذل کے تابع ہونے میں کچھ شک نہیں؛ بلکہ یقینی ہوتا ہے اوراعلیٰ کے تابع کرنے میں بے احتیاطی ہے؛اس لیے قصبوں میں جمعہ وعیدین کومنع کرنا چاہیے،زید کا یہ کہنا کیسا ہے؟

(۲) شہراور قصبے اورگاؤں کی کیا تعریف ہے؟ان کی تعریفوں میں رقبے اورآبادی کوبھی دخل ہے، یانہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جہاں کا اتنا رقبہ ہو،اتنی آبادی ہوتو گاؤں ہے اور جہاں کا اتنا رقبہ اتنی آبادی ہو، وہ قصبہ اور جہاں کا اتنا رقبہ اوراتنی آبادی ہو، وہ شہر ہےاور رقبےاورآبادی کی مقدار معین کرتے ہیں؛مگراس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ تھوڑے رقبےاورتھوڑی آبادی گھٹ بڑھ جانے سے تعریفوں میں فرق نہ آئے گا۔خلاصہ یہ ہے کہ جامع مانع تعریف نہیں بتاتے، جوتعریف بتاتے ہیں وہ ٹوٹ جاتی ہے، یہ تو ہرحنفی جانتا ہے کہ ہمارے مذہب کی رو سے گاؤں میں جمعہ وعیدین جائز نہیں؛مگر گاؤں کی جامع تعریف نہ جاننے سے اورتعریف میں رقبے اورآبادی کوداخل سمجھ کرعمل کرنے سے اکثر غلط واختلاف وتنازع پیدا ہے؛اس لیے جامع مانع تعریف کی اشدضرورت ہے، جولوگ تعریفوں میں معین رقبےاور معین آبادی کوداخل سمجھتے ہیں،ان کا استناد کسی حدیث ودرایت فقہ سے ہے، یانہیں؟

(۳) ایک مقام عرف عام میں قصبہ دوسرا گاؤں کہا اور سمجھا جاتا ہے؛لیکن یہ قصبہ اپنے رقبہ، یااپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا چھوٹا ہے کہ اس کوگاؤں سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیااس قصبہ میں جمعہ وعیدین سے منع کریں گے؟علی ہذا القیاس وہ گاؤں اپنے رقبے، یااپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا بڑا ہے کہ اس کوقصبہ سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیااس گاؤں میں جمعہ وعیدین کی اجازت دیں گے؟

(۴) ضلع سلطان پور ملک اودھ میں مسافر خانہ ایک مقام ہے،اگراس کی آبادی پرنظر ڈالی جائے توایک چھوٹا گاؤں ہے؛مگر یہ عرف عام میں قصبہ بولا اور لکھا جاتا ہےاورعرف عام ہی کے لحاظ سے غالباً سرکاری کاغذوں میں بھی قصبہ لکھا جاتا ہے،اس کی حیثیت یہ ہے کہ یہاں پختہ سڑک ہے،سواری کو یکے ملتے ہیں،بازار ہے، جوروزمرہ کی ضروری اشیا دیتا ہے،آبادی سے باہر ہفتے میں غالباً دوبار بڑا بازار لگتا ہے،جس میں باہر کی خرید وفروخت کرنے والے آتے ہیں،تیل کا کارخانہ ہے،ڈاکخانہ اور بہت بڑا ڈاکخانہ ہے؛یعنی برانچ پوسٹ آفس نہیں ہے،سرکاری ہاسپٹل (شفاخانہ) ہے،سرکاری اسکول ہے؛مگرآبادی کی کمی سے مڈل کلاس تک خواندگی نہیں ہے، جیسے عام طور پرقصبوں میں ہوتی ہے،درجہ سوم تک خواندگی ہے، جیسے دیہات میں ہوتی ہے، تھانہ (پولیس اسٹیشن) ہے،کانجی ہاؤس ہے، تحصیل کی کچہری ہے،منصفی کی کچہری ہے،تحصیل کا خزانہ الگ ہے،ڈاکخانہ کے متعلق سیونگ بنک الگ ہے،ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے،جس میں حکام انگریزی آکر ٹھہرتے ہیں اور مقامی حکام کے لیے علاحدہ پختہ سرکاری مکان بنے ہوئے ہیں، پختہ تالاب ہے،مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے متعدد سرائے ہیں،دومسجدیں ہیں،ایک میں جمعہ ہوتا ہے،آبادی

کے باہر عیدگاہ بنی ہوتی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے قصبہ میں جو باتیں آج کل عرف عام وعرف سرکار انگریزی کے لحاظ سے ہوتی ہیں، وہ سب بحیثیت مجموعی یہاں بدرجۂ اتم موجود ہیں تو کیا آبادی کی کمی پر لحاظ کرکے اور اس کو قریہ اور گاؤں قرار دے کر یہاں جمعہ وعیدین سے لوگوں کو منع کرنا چاہیے، یا عرف عام ومؤیدات عرف عام پر لحاظ کرکے جمعہ وعیدین کی اجازت دینا چاہیے؟

(۵)　اگر کوئی شہر، یا قصبہ کسی وجہ سے بالکل خالی ہوجاوے اور کوئی آدمی وہاں نہ رہ جاوے، اب اتفاق سے چند مسافر، یا مقیم وہاں آئیں اور جمعہ، یا عیدین پڑھیں تو جمعہ عیدین پڑھنا صحیح ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

(۱)　**فی ردالمحتار عن القهستاني: "وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق"،** اھ. (۸۳۶/۱)(۱)

یہ روایت صریح ہے قصبات کے محل جمعہ وعیدین ہونے میں اور مانع کے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قصبہ عرف عام میں شہر نہ ہونا غیر مسلم ہے، ہم نے خود اہل عرف کو دیکھا ہے کہ کسی قصبہ کے گردونواح کے دیہاتی لوگ جب مطلق شہر بولتے ہیں تو وہی قصبہ مراد ہوتا ہے اور قصبہ کے آنے جانے کو شہر کا آنا جانا محاورات میں بولتے ہیں۔پس فقہ اور حدیث میں جو لفظ مصر آیا ہے، وہ اس کو بھی شامل ہوا۔آگے تمام تقریر اس پر متفرع ہے، اصل کے جواب سے فرع کا جواب بھی ہوگیا۔

(۲)　خود صاحب مذہب سے مصر کی یہ تعریف منقول ہے: **"إنه بلدة كبيرة فيها سلك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم"،** الخ اور جس قدر تعریفیں فقہا نے کی ہیں، سب کا مرجع ومآل یہی ہے کہ سب عنوانات مختلفہ ہیں، معنون واحد کے اور اس سے زیادہ جامع مانع تعریف جس سے تحدید تام ہوجاوے، امور غیر مقدرہ فی النص میں خود امام صاحب کے مسلک کے خلاف ہے؛ **لأنه زيادة في الدين.** باقی رہی ضرورت رفع نزاع، سو مثل دیگر غیر مقدرہ کے اس میں بھی تردد کے وقت اغلب رائے مبتلیٰ بہ اور وقت تعارض آرا کے عدول ثقات کا قول معتمد ومعتبر ہوگا اور جس کو نزاع ہی مقصود ہو، اس کے لیے تعریف جامع مانع بھی کافی نہیں۔

(۳)　تعریف بالا سے ظاہراً یہ مستفاد ہوتا ہے کہ رقبہ کی کم متصل؛ یعنی مقدار، یا آبادی کی کم منفصل؛ یعنی شمار پر اس کا مدار نہیں؛ بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے، **كما نقل في الجواب عن السوال الأول من تقييد القرىٰ بالتي فيها سلك وأسواق،** اس بنا پر اگر ہیئت آبادی کی مثل شہر وقصبہ کے ہے محل جمعہ کہیں گے، ورنہ گاؤں سمجھیں گے، فاعتبر ہذا۔

(۴)　عبارت سوال سے جو صورت اس مقام کی ذہن میں آتی ہے، اس کے اعتبار سے اس کو قصبہ کے حکم میں سمجھنا ارجح ہے، وقد مر في الجواب عن السوال الثالث اعتبار هيئة العمارة لا المقدار ونحوه۔ واللہ اعلم

(۱)　رد المحتار، باب الجمعة: ٦/٣، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۵) لأنه وإن لم يعتبر حد خاص من العمارة لكن يشترط نفس العمارة، كما في الدر المختار وجازت الجمعة بمنى في الموسم ...(قوله:ووجود الأسواق والسكك).(۱)

ولما مر في الجواب من السوال الثاني من قوله:وفيها والٍ،الخ،فدل علىٰ اشتراط وجود الناس فيها الحاكم و المحكومين وهٰذا ظاهر جداً. واللہ اعلم وعلمہ اتمّ واحکم

۱۶/ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد:۱/۵۹) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۱۶-۶۱۹)

جواز جمعہ در قریۂ کبیرہ:

سوال: بڑا قریہ کہ جس میں چار سو، یا ہزار دو ہزار، تین ہزار آدمی رہتے ہوں اور سوائے قتل وقصاص وقطع ید کے جملہ احکام شرع شریف کے بجالاتے ہیں اور امور متنازعہ میں علمائے وقت کی جانب رجوع کرتے ہیں، موافق شرع شریف کے عمل درآمد کرتے ہیں اور اس موضع میں مدرسہ علوم دینیہ کا موجود ہے اور بازار بھی موجود ہے، جن میں اکثر حوائج وضروریات کی اشیا ہر وقت ملتی ہیں، اس موضع میں گورغریبان، یا معین کوئی قبرستان نہیں ہے، بلکہ مردہ کو اپنے اپنے باغیچہ میں دفن کرتے ہیں۔ غرض اکثر موضع ایسے ہیں، جن میں بازار موجود ہیں اور جس میں بازار نہیں ہے، اس میں بازار والے موضع میں صرف آدھ میل کا فاصلہ ہے، چار پانچ موضع مل کر مجموعہ کا ایک نام ہے اور یہ مواضع بمنزلہ محلات شہر کے ہیں، ان میں زیادہ فاصلہ نہیں؛ لیکن ایام برسات میں دو تین مہینے کشتی کی ضرورت پڑتی ہے اور مہینوں میں مثل ہندوستان کے بلا کشتی کے پھرتے ہیں۔ پس اگر ایسے بڑے قریہ میں جمعہ وعیدین قائم کرلیں، عند الشرع صحیح ہوگا، یا نہیں؟ جواب مع حوالۂ کتب تحریر فرمائے۔

الجواب

یہ مذہب حنفی میں مصرح ومتفق علیہ ہے کہ مصر شرائط جمعہ سے ہے اور اہل فتاویٰ نے قصبات وقریٰ کبیرہ کا حکم مصر میں فرمایا ہے، **كما في ردالمحتار:وعن القهستاني وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق ... لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما في المضمرات.(۲)**

رہا یہ کہ مصر اور قصبہ اور قریہ کبیرہ کی کیا حقیقت ہے؟ سو مصر کے باب میں خود صاحب مذہب کا جو قول ہے، اس کو علامہ شامی نے تحفہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ ”**عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق لها رساتيق وفيها والٍ يقدر علىٰ إنصاف المظلوم من الظالم ... وهٰذا هو الأصح.**(۳) اور قصبات اور قریٰ

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة:۱٤٤/۲،دار الفكر بيروت،انيس

خلاصۂ جواب: یہ ہے کہ صورت مسئولہ (یعنی: ۵) میں جمعہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں آبادی کی کوئی خاص حد تو مقرر نہیں ہے؛ لیکن نفس آبادی کا وہاں ہونا ضروری ہے، پس جب صورت مسئولہ میں وہاں آبادی نہیں رہتی تو وہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم (سعید)

(۲) رد المحتار،باب الجمعة:۶/۳-۷،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۳) رد المحتار،باب الجمعة:۵/۳-۶، مكتبة زكريا ديوبند،انيس

کبیرہ کی تعریف اوپر کی عبارت سے مفہوم ہوتی ہے، جس کا حاصل لفظ اسواق وقاضی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آبادی مصر کی سی ہو اوراس میں حاکم بھی ہو، پس جو قریٰ سوال میں مذکور ہیں، وہ نہ مصر ہیں، نہ قصبہ، نہ قریہ کبیرہ، لہٰذا وہاں جمعہ صحیح نہیں، البتہ اگر کوئی آبادی ایسی ہو کہ اہل عرف اس کے مجموعہ اجزا کو باوجود کسی قدر فصل کے ایک آبادی سمجھتے ہوں، وہاں مجموعہ کا اعتبار کیا جاوے گا؛ لیکن صرف ایک نام ہونا کافی نہیں؛ کیوں کہ ضلع وقسمت(۱) کا نام بھی ایک ہی ہوتا ہے؛ بلکہ وحدت تسمیہ کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ اس کو ایک آبادی سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم

۲۷رمحرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ:۱۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۱۹-۶۲۱)

سوال: جناب مولانا صاحب السلام علیکم

بعد سلام کے عرض ہے کہ موضع ساران ضلع میرٹھ کا ایک قریہ ہے اوراس میں جاٹ مسلمان رہتے ہیں اور ہر چہار جانب اس کے دیگر دیہات میں جاٹ ہندو رہتے ہیں، پانچ پانچ چار چار کوس کوئی گاؤں مسلمانوں کا نہیں ہے، اس گاؤں ساران میں تین مسجدیں ہیں اور قدیم سے اس جگہ جمعہ اور عیدین نماز ہوتی ہے؛ مگر دیہات قرب وجوار کے مسلمان جو بطور رعیت کے رہتے ہیں، وہ ہمیشہ عیدین کی نماز یہاں آکر پڑھتے ہیں۔ یپنے اپنے قربانی کے جانور یہاں لاکر ذبح کرتے ہیں؛ کیوں کہ یہ موضع بطور مرکز کے ہے، درمیان دائرہ کے یعنی ہر چہار جانب ہندو اور یہاں مسلمان ہیں، مردم شماری یہاں کی تین ہزار سو ہے، بائیس دوکانیں مہاجنان کی ہیں، مدرسہ سرکاری بھی قائم ہے اور خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب یہاں من جانب سرکار واسطے انفسال مقدمات کے منصف مقرر ہیں اور پیش امام سید ساکن گنگرو باپ دادا سے امامت کراتے چلے آتے ہیں، بیس تیس؛ بلکہ زیادہ ناظرہ خواں دو حافظ قرآن خواں اور دس بیس آدمی منشی وحکیم وغیرہ یہاں موجود ہیں، قدیم سے یہاں جمعہ ہوتا ہے؛ لیکن جب سے یہ چرچا ہوا کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا، دیہات گردونواح کے نمازی نہیں آتے اور یہاں کے بھی اکثر سستی کرتے ہیں اور مسجد اس قدر بڑی ہو کہ شاید دس بیس قصبوں میں نہ نکلے اور پنج گانہ نمازی سو، سوا سو جمع ہو جاتے ہیں اور مولوی مظفر حسین صاحب بھی یہاں تشریف لائے، ایک دو دفعہ تو انہوں نے بھی یہاں جمعہ پڑھا، اب دیگر علما یہاں آتے رہے اور وہ بھی نماز جمعہ پڑھتے رہے اور اب بھی جمعہ ہوتا ہے؛ مگر برادری کے دو گروہ ہو گئے ہیں، ایک ابھی پڑھتا ہے اور ایک انکار کرتا ہے، لہٰذا یہ پرچۂ قرطاس حضور کی خدمت میں ارسال کر کے امیدوار ہیں کہ جواب اس کا مفصل ومشرح تحریر فرما کر بھیج دیں کہ یہاں جمعہ ہوتا ہے، یہ درست ہے، یا نہیں؟ فقط

الجواب

یہ مسئلہ تو صحیح ہے کہ دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز مذہب حنفی میں درست نہیں؛ مگر مراد ان دیہات سے وہ قریے

(۱) قسمت کے معنی ضلع اور صوبہ دونوں ہیں اور یہاں دونوں صحیح ہو سکتے ہیں۔

ہیں، جن کی حالت قصبہ کی سی نہ ہو اور جن کی حالت قصبات کی سی ہو، اس کا حکم مثل قصبات وامصار کے ہے اور موضعا سارا ان کی جو حالت سوال میں لکھی ہے کہ مردم شماری تین ہزار تین سو کی ہے، وغیرہ وغیرہ، اس حالت کے اعتبار سے وہ حکم میں قصبہ کے ہے، جس کو فقہا نے قریہ کبیرہ سے تعبیر کر کے جمعہ وعیدین کو صحیح کہا ہے، اس بنا پر موضع مذکور میں عیدین وجمعہ درست ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ: اشرف علی، ۱۰/ذی قعدہ ۱۳۲۷ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۲۱-۶۲۲)

اس جواب کے لکھنے کے بعد جس کی نقل اوپر موجود ہے، احقر نے خود موضع ساران کو دیکھا، تحقیق سے معلوم ہوا کہ مردم شماری میں تعداد مندرجہ سوال بالا سے اور بھی اضافہ ہوا ہے اور دو کانیں بھی زیادہ ثابت ہوئیں ؛ یعنی قریب چالس کے، البتہ متصل نہیں ہیں اور باقی حالات جو سوال میں مذکور ہیں، سب صحیح محقق ہوئے۔ اس کے بعد روایات فقہیہ کی طرف رجوع کیا، مصر کے بارے میں اقوال بکثرت ہیں، بعض میں افراط ہے، بعض میں تفریط، بعض اعدل واوسط ہیں اور وہی احق بالقبول ہیں اور ہر حال میں موضع مذکور اعدل الاقاویل پر مصر ہیں تو داخل نہیں؛ لیکن فقہا کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ قصبات وقریٰ کبیرہ بھی حکم مصر میں ہیں، چناں چہ ردالمحتار (۸۳۶/۱) میں مصرح ہے:

وعبارة القهستاني: وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق ... لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، آه. (۱)

اور نظر بر حالت مذکورۂ سوال ومحققہ بعد السوال موضع مذکورہ قریٰ کبیرہ میں ضرور داخل معلوم ہوتا ہے اور کبیرہ وصغیرہ میں ما بہ الفرق اگر آبادی کی مقدار لی جاوے تو اس کا مدار عرف پر ہوگا اور عرف کے تتبع سے معلوم ہوا کہ حکام وقت جو کہ حکمائے تمدن بھی ہیں، چار ہزار کی آبادی کو قصبہ میں شمار کرتے ہیں اور چار ہزار کے قریب بوجہ معتبر نہ ہونے کسر کے حکم میں چار ہزار کے ہے۔ پس موضع مذکور اگر قصبہ نہیں ہے تو قریۂ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں اور مؤید اس کی وہ حکایت ہے، جو بعض احباب سا کنان بڑوت سے جو کہ موضع مذکور میں بلاتی ہوئے مسموع ہوئی کہ باغپت کے تحصیلدار سے معلوم ہوا کہ سرکار کا ارادہ چند مواضع کو قصبات میں شمار کرنے کا ہے اور بعض جگہ اس کا انتظام بھی شروع ہوگیا ہے، من جملہ ان کے موضع مذکور بھی ہے اور اگر ما بہ الفرق وہ صفات لی جاویں، جو روایت مرقومہ میں کبیرہ صغیرہ کی صفت میں وارد ہیں؛ یعنی اسواق وحاکم وخطیب ومنبر کا ہونا نہ ہونا تو بھی موضع مذکور قریٰ کبیرہ میں داخل ہے؛ کیوں کہ اسواق بقرینہ مقام اسم جنس ہے، جو واحد کو بھی شامل ہے، سواتنی دوکانوں سے ایک سوق کا مہیا ہوجانا متیقن ہے۔ اب صرف شبہ عدم اتصال سے ہوسکتا ہے، سوتأمل کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوق کے اشتراط کا حاصل یہ ہے کہ ہر دو وقت کے حوائج ضروری میں وہاں کے سکان دوسرے مصر کے محتاج نہ ہوں، سو اس غرض کے حصول میں اتصال وانفصال برابر ہے، چناں چہ مولانا بحر العلوم نے رسالۂ ارکان اربعہ میں اپنے والد قدس سرہ کا قول جو نقل کیا، اس سے اس کی تائید ہوتی ہے ، حیث قال:

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۶/۳-۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

”وكان مطلع الأسرارأبی قدس سره يفتی بأن المصرموضع يندفع حاجة الإنسا ن الضرورية من الأكل بأن يكون هناک من يبيع طعاما والكسوة الضرورية وأن يكون هناک أهل حرف يحتاج إليهم كثيراً“، آه.(١١٤)(١)

وأيضاً يؤيده ما فی المضمرات فی تعريف المصر هو أن يعيش كل محترف بحرفته من سنة إلٰی سنة من غير أن يحتاج إلی حرفة اخرى. (مجموع الفتاویٰ المولانا عبد الحی: ٦٢/٣)

اسی طرح حاکم کا ہونا عام ہے کہ بڑا ہو، یا چھوٹا ہو، سوموضع مذکور میں منصف کے مقرر ہونے سے یہ امر بھی حاصل ہے اور منبر اور خطیب کا ہونا تو خود فرع ہے حالت مذکورہ کی کہ ایسی جگہ عادۃً خطیب ومنبر ہوتا ہی ہے ونیز چند صاحبوں سے مسموع ہوا کہ کسی وقت میں جب کہ یہاں افغان آباد تھے، بارہ تیرہ ہزار کی مردم شماری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ درمیان میں کوئی زمانہ پرانی محض کا اس پر نہیں گزرا۔ پس اس وقت تو صحت ایسی حالت نہ ہو کہ بالیقین جمعہ غیر صحیح ہو، اس وقت تک بحکم استصحاب حال صحت مذکورہ کو باقی سمجھیں گے اور ایسی حالت کا تخلل نہ درمیان میں ثابت ہوا اور نہ اب ہے۔ پس حالت اشتباہ میں بھی جانب صحت کی راجح ہوگی ونیز ترک جمعہ سے جو آثار وہاں واقع ہوئے، یا متوقع ہیں، مثل ترک کردینے جوار کے بعض لوگوں کے نماز کو اور مثل نااتفاقی باہمی کے، جس سے ان لوگوں کے مساعی متعلقہ اصلاح الرسوم میں ضعف قوی پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے، ان کا مقتضا بھی یہی ہے کہ اگر جواز جمعہ کی بقول مرجوح بھی گنجائش ہوتو حکم جواز کا کردیا جاوے۔ ہاں! اگر عدم صحت متیقن ہوتی تو دوسری بات تھی؛ مگر عدم صحت درجہ یقین میں نہیں، غایت مافی الباب حالت اشتباہ کی ہے، کما یظھر بالامعان اور اگر اشتباہ کو کوئی قوی سمجھا جاوے تو ظہر احتیاطی کا بھی امر کردیا جاوئے۔ بعد تحریر تقریر ہذا اسلام نگر ضلع سہارنپور سے فیض محمد خان صاحب ابن حاجی محمد یسین خانصاحب کا میرے خط کے جواب میں خط آیا، انہوں نے وہاں کی مردم شماری تین ہزار تین سو چھ آدمی لکھی ہے اور دکانیں ۱۹ بطور مختلف اور حضر مولانا گنگوہی کی اجازت واسطے جماعت نماز جمعہ کے لکھی ہے، جس کی روایت اپنے والد دیگر اشخاص سے لکھی ہے، اس سے بھی تائید فتویٰ ہذا کی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ: محمد اشرف علی، ۱۱؍صفر ۱۳۲۸ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۲۱/۱-۶۲۴)

اس پر مولانا صدیق احمد صاحب کاندھلوی کا والا نامہ آیا، جو ذیل میں منقول ہے:

ملجائے نیازمندان جناب مولانا صاحب مدظلہ العالی از بندۂ ناچیز صدیق احمد عفی عنہ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معروض خدمت فیض درجت ایں کہ والا نامہ شرف صدور لاکر باعث افتخار رہوا، بندہ نے چاہا کہ فتویٰ عالیہ کو فی الفور ساران روانہ کردے؛ لیکن کوئی آدمی نہیں ملا اور نیز بندہ بڑوت چلا گیا تھا، کل لفافہ ملا؛ لیکن بندہ کو آپ کی تحقیق کے

(۱) رسائل الأركان، شرائط الجمعة، ص: ١١٤، المطبع اليوسفی، انيس

بعد چند خلجان فقہا کے کلام میں لاحق ہوگئے؛ اس لیے مؤدبانہ ان کی استکشاف کا مستدعی ہے۔ اولاً ارشاد ہے کہ موضع ساران اگر قصبہ نہیں ہے تو قریۂ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔ آپ نے شامی میں "وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیھاأسواق" کا حاشیہ لکھا ہے: "القصبات جمع قصبة وھی القریة فیکون عطف القریٰ علیه عطف تفسیر". (۱) جب کہ فقہا کے نزدیک قصبہ اور قریہ کبیرہ ایک چیز ہے یہ تفرقہ کیوں کیا جاتا ہے؟ اگر یہ غرض ہے کہ ہمارے عرف میں قصبہ نہیں تو یہ امر خارج از مبحث ہے، آبادی کی مقدار کو قصبہ یا قریۂ کبیرہ کی تحقیق میں اگر دخل ہے تو اس وجہ سے ہے کہ تتبع سے معلوم ہوا کہ اس مقدار میں شروط مصریت کا تحقق غالباً ہوجاتا ہے؛ یعنی چار ہزار سے زائد میں وجود سکک واسواق وابینہ مثل ابینہ منیٰ قائم ہوجاتا ہے اور فقہائے سابقین سے بھی یہ تخمین وتتبع منقول ہے، چناں چہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "لانسلم أنھا أی جواثٰی قریة بل ھی مدینة کماحکینا علی البکری وغیرہ حتٰی قیل کان یسکن فیھا فوق أربعة آلاف نفس والقریة لاتکو ن کذلک" (۲) یعنی چار ہزار سے زائد میں مقدار قریہ نہیں ہوتی؛ بلکہ قصبہ، یا شہر ہوتی ہے اور حکام وقت کے عرف کا مقتضی بھی یہی ہے کہ چار ہزار سے کم قصبہ نہیں بنانے تو عرف شرعی اور عرف حکمائے تمدن کے اعتبار سے چار ہزار سے کم ہرگز قصبہ، یا قریہ کبیرہ نہ ہوا اور چوں کہ عدد مذکور حد محدود ہے تو کسر کالعدم نہ سمجھی جاوے گی اور حضرت خان صاحب کی حکایت غپ شپ سمجھئے، وہ ہرگز قابل التفات نہیں۔ باقی رہا اسواق وسکک وانبیہ منی، سو بندۂ ناچیز کے خیال میں یہ امور قریٰ کبیرہ صغیرہ میں فارق ومابہ الامتیاز ہوئے ہیں، ملاحظہ فرمائے شیخ کمال الدین ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے:

"وقد وقع الشک فی بعض قریٰ مصرمما لیس فیھا والٍ وقاض نازلان بھا،بل لھا قاض یسمی قاضی الناحیة وھو قاضی یولی الکورة بأصلھا فیأتی القریة أحیاناً ووالٍ کذلک ھل ھو مصر نظراً إلٰی أن لھا والیاً أولا نظراً إلٰی عدمھا بھا والذی یظھر اعتبار کونھما مقیمین بھا وإلا لم تکن قریة أصلًا إذ کل قریة مشمولة بحکم". (۳)

قال فی النھر: مقتضیٰ اشتراط أن تبلغ أبینتھا أبینة مِنٰی وکذا ما مرعن الإمام من اشتراط أن یکون لھا سکک وأسواق عدم تمصرھا ولو کانا مقیمین بھا ویوافقه مامر عن الخلاصة أی من قوله الخلیفة اذسافر وھو فی القریٰ لیس له أن مجمع بالناس سیاتی ما یؤیدہ أیضاً انتھٰی،قلت ینبغی حمل کلام ھٰذا الامام المحقق علی القریة المستوفیة بقیة الشروط؛لأنه أجل من أن یخفی علیه مثل ذلک. (حاشیة البحر لابن عابدین)(۴)

---

(۱) رد المحتار مع الحاشیة،باب الجمعة: ۱۳۸/۲،دار الفکر بیروت،انیس
(۲) عمدة القاری،باب الجمعة فی القریٰ والمدن: ۵۳/۲،دارالفکر بیروت،انیس
(۳) فتح القدیر،،باب الجمعة: ۵۱/۲،دار الکتب العلمیة،بیروت،انیس
(۴) منحة الخالق علی البحر الرائق،صلاة الجمعة بمنٰی وعرفات: ۱۵۳/۲،دارالکتاب الإسلامی بیروت،انیس

حاصل کلام یہ ہے کہ محقق ابن الہمام کے کلام کا تبادر یہ ہے کہ قاضی اور والی اگر مقیم قریہ ہوں گے تو مصر اصطلاحی محقق ہو جائے گا، صاحب نہر اعتراض کیا کہ یہ غلط ہے وجود ابنیہ مثل منی اور سکک اور اسواق کا وجود تحقق مصر اصلاحی میں ضروری ہے، چناں چہ اگر بادشاہ سفر کر کے مقیم قریہ ہو تو نماز جمعہ نہیں پڑھ سکتا ہے۔صاحب رد المحتار نے اعتراض تسلیم کر کے عذر کر دیا کہ محقق کا کلام قریہ مستوفیہ شروط پر محمول ہے تو معلوم ہوا کہ مصر اصطلاحی کا تحقق وجود سکک واسواق وابنیہ مثل منی پر موقوف ہے اور جب کہ مصر کا تحقق سکک واسواق وابنیہ پر موقوف ہے تو کم از کم ہر مصر میں تین کوچے اور تین بازار ہونے چاہئیں اور عرف میں بازار اماکین مجتمعہ مسلسلہ کا نام ہے؛ لیکن مجمع البحار میں ہے: ’’**السوق سميت بها لأن التجارة تجلب إليها وتساق المبيعات نحوها**‘‘ یعنی اس لیے سوق نام ہوا کہ تجار اس کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور اموال مبیعہ اس کی طرف لائے جاتے ہیں اور حد مصر میں بازار اس کا نام ہے کہ کثرت تجار و کثرت امتعہ خواہ متصل ہوں، خواہ منفصل مگر کم سے کم تین جگہ بھیڑ بھڑ کا ہو، علامہ عینی (عمدۃ القاری جلد سوم، ص:۲۶۳) شعر امراء القیس کو استدلال میں لائے ہیں: ’’ **{ورحنا كأنا من جواثیٰ عيشة. نعالی النعاج بين عدل ومحقب} يريد كأنا من تجار جواثیٰ لكثرة ما معهم من الصيد وأراد كثرة أمتعة تجار جواثی. قلت: كثرة الأمتعة تدل غالباً على كثرة التجار وكثرة التجار تدل علىٰ أن جواثی مدينة قطعا، انتهیٰ**‘‘. (۱) تو انصاف کی ضرورت ہے کہ قریہ ساران میں کہاں بھیڑ بھڑ کا تجار کی ہے اور کس جگہ کثرت ہے اور دکاکین متفرقہ کا مقامات متفرقہ بلا کثرت امتعہ وتجار کون سے بازار پر محمول کریں؟ عرفی یا شرعی، میرا خیال ہے ہے کہ بازار اصلاً نہیں؛ مگر چوں کہ ہر قریہ میں بقدر جماعت سکان دو چار دکانیں ہوا کرتی ہیں اور ان دکانوں سے وہ قریہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا، اسی قسم کی سمجھئے اور مصر مصطلح میں جو بازار ہے، وہ اہل سوق اور اہل تجارت بنانے کے لیے ہے، جو خواص امصار وقصبات سے ہے، جس کے اتصاف سے ہے اہل قری معریٰ ہیں، غالباً یہی وجہ ہوگی کہ نماز کے باب میں جہاں کہیں امر کیا ہے، جیسے ﴿**أقم الصلاة لدلوك الشمس**﴾ (۲) اور ﴿**أقم الصلاة طرفی النهار**﴾ وغیرہ، اس میں تجارت وغیرہ سے کچھ تعرض نہیں کیا اور اطلاق رکھا اور خاص جمعہ میں اہل اسواق اور اہل تجارت کو خاصۃً خطاب فرمایا ہے، ﴿**يا أيها الذين آمنوا اذا نودی للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الىٰ ذكر الله وذروا البيع**﴾ (۳) اور آگے ﴿**واذ ارأو تجارة أو لهوا انفضوا إليها**﴾ اور حاصل کلام والد مرحوم بحر العلوم یہ ہے کہ مصر وہ ہے کہ جس میں جمیع ما یحتاج ملتی ہو، بندہ کو تجربہ صحیحہ مکررہ سے معلوم ہو چکا کہ ما یحتاج اس قریہ میں نہیں ملتی، کیا سونف کا سنی ہے، وہ بھی ٹیکری سے لاتے ہیں اور وہ جوامیر کی جگہ منصف مقرر کیا ہے، **قال في رد**

(۱) عمدة القاری، باب الجمعة فی القریٰ والمدن: ۱۸۷/۶، دار إحياء التراث العربی بيروت، انيس
(۲) سورة الاسراء: ۷۸، انيس
(۳) سورة الجمعة: ۹، انيس

المحتار: ثم المرار من الأمير من يجرس الناس ويمنع المفسدين ويقوى أحكام الشرع، كذا في الرقائق، انتهى. (۱) اوران حضرات کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ بیس روپے کا دعویٰ مع سود ڈگری کر دیتے ہیں اوروہ جو کہا جاتا ہے زمانۂ افغان میں بارہ تیرہ ہزار کی آبادی تھی، اول تو دعویٰ بلا دلیل ہے، علاوہ ازیں'' وجازت الجمعة بمنى في الموسم فقط لوجود الخليفة أو أمير الحجاز أو العراق أو مكة ووجود الأسواق والسكك". (الدرالمختار)"أي فلا يصح في منٰى في غير أيام اجتماع الحاج وفيها لفقد بعض الشروط". (ردالمحتار) (۲) یہاں استصحاب حال کا محل نہیں؛ بلکہ ارتفاع الحکم بارتفاع العلۃ ہے؛ یعنی جو جواز جمعہ کی علت مفقود ہوئی اورعدم جواز یقینی ہوگیا، اليقين لايزول بالشك کا محل نہیں رہا؛ بلکہ اليقين لايزول إلا باليقين کا محل ہے اور جو حضرت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت افتاء جواز جمعہ کیا گیا، وہ محض افترا ہے، مجھ کو یقینی معلوم ہے کہ حضرت قدس سرہ چار ہزار سے زائد پر فتویٰ دیتے تھے، لاغیر اور جو کچھ مفاسد جواز جمعہ کے فتویٰ سے لاحق ہوتے ہیں، علما کو ان کا لحاظ ضروری ہے، نفل کی جماعت تداعی کے ساتھ بدعت اور مکروہ تنزیہی ہے اور ظہر جو اصل فریضۂ وقت ہے، اس کا ترک، یا جماعت کا ترک لازم آتا ہے۔ اب بندہ منتظر ہے کہ ان مضائق سے میری خلاصی فرمادیں؟ بینوا توجروا۔ (راقم بندہ صدیق احمد از کاندھلہ)

الجواب ـــــــــــــــــــ عن المكتوب السابق

بخدمت مولانا المخدوم المکرّم دامت برکاتہم از احقر اشرف علی عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ارشادات عالیہ کے بعد کچھ عرض کرنا بلا شبہ سوادب سے خالی نہیں؛ لیکن جناب کا اذن اول رقیمہ کریمہ اور امراس کے آخر میں حامل اظہار مافی الضمیر ہو، ارجاعفو کے ساتھ یہ بھی التماس ہے کہ اس معروضہ پر اگر اور کچھ ارشاد ہو تو بدیں سبب کہ مکرر عرض کرنے کی میری ہمت نہیں، مجھ کو اطلاع کی بھی حاجت نہیں ہے؛ بلکہ اس سے احسن بشرطیکہ طبع حسامی کو ناگوار نہ ہو، یہ ہے کہ قلمبند فرماکر مع دیگر تحریرات سابقہ متعلقہ شقین کے دیوبند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مدظلہم کی خدمت میں، یا سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دام فیوضہم کے پاس ارسال فرمادی جاویں اور اگر مصلحت ہو تو دونوں شق کے مضامین کی محض نقل بلا اظہار نام صاحب مضمون بھیج دی جائے؛ تاکہ وہ حضرات اپنی رائے آزادی سے ظاہر فرماسکیں اور اگر حکم ہو تو وہاں بھیجنے کی خدمت کو میں انجام دیدوں، پھر اگر باحتمال بعید احقر کے موافق ہو، تب بھی اس کے مقتضا پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر جناب کے موافق ہو تو میں اس پر عمل ضرور کروں گا اور اگر وہاں بھیجنے کی ضرورت نہ ہو تو میں آخری رائے کا اعلان، یا اس کے موافق فتویٰ نہ دوں گا۔ اب مدعا عرض کرتا ہوں، یہ

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب في نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة: ۱٤٤/۲، دار الفكر بيروت، انيس

ارشاد کہ حاشیہ لکھا ہے، الخ، حاشیہ میں نے نہیں دیکھا ہے، معلوم نہیں محشی کون ہیں اور علی تقدیر التسلیم صرف تسامح عنوان میں ہوگا، معنوں پر نظر کر کیوں کہہ دیا جاوے گا کہ یہ قصبہ وقریہ کبیرہ ہے باعتبار حقیقت کے گو باعتبار تسمیہ کے نہ ہو اور عمدۃ القاری کے قول ''والقرية لاتكون كذلك'' سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اتنی آبادی کو قریہ نہ کہیں کے: مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے کم قصبہ نہ کہیں گے، چوں کہ جواثی میں اتفاق سے چار ہزار سے زیادہ آبادی نہ تھی؛ اس لیے کلام میں اسی عدد کا ذکر آ گیا اور ہر حال میں عدد مذکور چوں کہ منصوص شرعی نہیں، لہذا تحدید حقیقی نہ کہیں گے، محض تخمین کہیں گے، جس میں کسر کی کمی بیشی غیر معتبر ہوتی ہے اور یہ صحیح ہے کہ تمصر میں وجود سکک اسواق وابنیہ مثل منیٰ کو دخل ہے؛ لیکن قریہ معہودہ میں سکک کا وجود تو ظاہر ہے اور ابنیہ بھی ہیں اور کثرت سے ہیں، رہا منی کی حد کو پہنچنا، سو خود ابنیہ منیٰ ہی کا عدد معلوم نہیں کہ نفی اثبات میں مماثلت کا دعویٰ ہو سکے، غالباً مقصود مثال سے کثرت معتد بہا ہے، سو وہ حاصل ہے، رہے اسواق سو میرے نزدیک اشتراط سوق کی جو بنا ہے کہ وہ لوگ دوسرے مصر کے غالب حوائج میں محتاج نہ ہوں، اس پر نظر کر کے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جمعیت اسواق کی عدد کے لیے نہیں؛ بلکہ جنسیت کے لیے ہے، ورنہ تین بازار تو بعض قصبات میں بھی نہیں اور اس بنا پر اتصال جوانیب کا شرط نہیں معلوم ہوتا، رہا مجمع کا قول سو وہ وجہ تسمیہ سے ہے، جس کی غرض محض مناسبت مصحح الاطلاق کا بیان کرنا ہوتا ہے، نہ کہ اس کا مدار حکم وجوداً ویقیناً ہوتا ہے، جیسا کہ سفر کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے: ''لأنه يسفر أي يكشف عن أخلاق الرجال'' اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اگر کوئی سفر کاشف نہ ہو تو اس پر احکام سفر قصر وغیرہ مرتب نہ ہوں گے، پھر بعد تسلیم تجار وامتعہ عام ہے، قدر ضروری وزائد علیہ کا البتہ کالعدم ہے اور عینی کا قول: ''وكثرة التجار تدل على أن جواثى، الخ، اسلتزم الكثرة للمدينة'' کو بتلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ انتفاء ملزوم ملتزم نہیں ہے انتفاء لازم کو اور بعض اوقات مایحتاج الیہ کا نہ ملنا یہ بسا اوقات ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے، جن کا قصبہ ہونا مسلم ومتفق علیہ ہے، اسی طرح ایسا امیر نہ ہونا بعض ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے، جن کا قصبہ ہونا مسلم ومتفق علیہ ہے، جلال آباد لوہاری میں پولیس کا افسر تک نہیں، صرف چوکیدار رہتے ہیں؛ مگر چوں کہ یہ صرف امارات ہیں؛ اس لیے ان کا فقدان مضر نہیں اور استصحاب کا حکم اس تقدیر پر کیا تھا کہ بعد قریہ کبیرہ ثابت ہونے کے یقینی صغیرہ ہونا متخلل نہ ہوا ہو، گو کسرہ ہونا نہ ہونا مشتبہ ہو، اگر کبیرہ ہونا مظنون بھی نہ ہو؛ تاہم مشتبہ ضرور ہے، اس سے اليقين لايزول بالشک کا یہ محل ہوسکتا ہے، باقی اتنی آبادی کا ثبوت شہرت، یا کاغذ اہل قریہ کے پاس ہوگا، مجھ کو تحقیق نہیں اور اگر نہ بھی ہو تو محض تائید تھی مدار حکم نہیں اور اسلام نگر میں فتویٰ صحت کا افترا ہرگز نہیں، حاجی محمد یسین خاں نہایت ثقہ آدمی ہیں اور مولانا کے نہایت جاں نثار اور فرماں بردار ومخصوصین میں سے ہیں، ان سے میں نے بھی سنا ہے اور مولانا کا فتویٰ چار ہزار سے کم پر نہ ہونا باعتبار خاص حالات کے ہوگا، جہاں دوسرے امارات بھی مرجح قریہ ہونے کے ہوں، حاجی جی اب مدینہ طیبہ میں ہیں؛ مگر خط منگایا جاسکتا ہے اور غالباً

اسلام نگر میں اور بھی ثقہ راوی اس کے مشاہد موجود ہوں گے اور فیض محمد خاں مقیم بڑوت سے میں نے مکرر اس حکایت کی تحقیق کو کہا ہے، دوسرے یہ بھی محض تائید تھی اور مفاسد جواز جمعہ فی القریٰ کے سب مسلم ہیں؛ مگر جب کہ یقین ہو، عدم جواز جمعہ کا اور موضع معہود میں اسی میں کلام ہے۔ والسلام مع الاکرام خیر ختام

کتبہ: محمد اشرف علی، ۲۵/صفر ۱۳۲۸ھ

اس کے بعد پھر ایک بار مراجعت مکاتبت کی ہوئی، جس کی نقل محفوظ نہیں، جس کے بعد خود اس احقر کو اپنے جواب میں تردد ہو گیا اور عمل میں مولانا صدیق احمد صاحب کے ساتھ میں نے موافقت کی۔ فقط

(ترجیح ثانی: ۱۷۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۲۴-۶۳۰)

حکم جمعہ در قریٰ باذن سلطان اسلام:

سوال: در ملک افغانستان ایں قاعدہ است کو بفرمائش امیر صاحب خلد اللہ تعالیٰ ملکہ بہ تعریف بہ تحریک بعض عالم درقریٰ جمعہ قائم می کنند و برائے چار پنج قریہ یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ راز اشتراط مصر مغنی می پندارند دریں علاوہ اگر کدام یکے بجمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکار می کنند گاہے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد درصورت مذکورہ دو رکعت جمعہ از ظہر خلف می شود دیا نہ در تاخیر از ن بعذر و حیلہ آثم خواہد شد، یا نہ؟ (۱)

الجواب

قال الشامي: قال أبو القاسم: هٰذا بلا خلاف اذا أذن الوالي أو القاضي ... لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر وهٰذه إذا لم يتصل به حكم فإن في فتاوىٰ الديناري: إذا بنىٰ مسجد في الرستاق بأمر الامام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً. (۱) پس درصورت مسئولہ جمعہ صحیح است؛ لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر سالہ غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط ست۔ **قال الشامي: لايبقىٰ إلى اليوم الإذن بعدموت السلطان الآذن بذلك إلاإذا أذن به أيضا سلطان زماننا نصره الله.** (ص: ۸۴۰) (۳) واللہ اعلم

۲۰/محرم ۱۳۳۲ھ (امداد: ۱/۶۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۳۲)

---

(۱) افغانستان میں صورت یہ ہے کہ بعض علماء کی تحریک اور امیر کے حکم سے دیہاتوں میں جمعہ قائم کرتے ہیں اور چار پانچ دیہاتوں کے لیے بادشاہ کی طرف سے ایک خطیب مقرر ہوتا ہے، بادشاہ کی اجازت کی صورت میں ''مصر'' کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے اور اس علاقہ میں اگر کوئی جمعہ میں حاضر نہ ہو تو خطیب صاحب نکیر کرتے ہیں اور کبھی حاکم تک شکایت کی نوبت بھی آجاتی ہے، اندریں صورت جمعہ کی دو رکعتیں ظہر کے قائم ہو جائیں گے، یا نہ؟ اور اگر کوئی عذر و حیلہ کر کے ایسے جمعہ میں شریک نہ ہو تو گنہگار ہوگا، یا نہ؟ (سعید احمد)

(۲) ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس

قال الشامي ......صورت مسئولہ میں جمعہ صحیح ہے؛ لیکن جب حکومت بدلے (یعنی بادشاہ بدلے)، تب نئے امیر کی اجازت شرط ہوگی، امیر سابق کی اجازت کافی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

(نوٹ) اس جواب پر ایک شبہ اور اس کا جواب سوال: ۶۱۰ پر آرہا ہے۔ نیز اس سلسلہ میں سوال: ۶۲۱ بھی ملاحظہ فرمایا جاوے۔ (سعید)

(۳) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب: ۱۴۲/۲، دار الفکر بیروت، انیس

حکم جمعہ آبادی متصل شہر:

سوال: مدت سے اس بات میں شک ہے کہ جمعہ ہمارے محلّہ میں جو کہ شہرالہ آباد سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور بالکل دیہات ہے اور ہم لوگوں کو تمام اشیاء ضروری استعمال کی شہر ہی سے لانا پڑتا ہے، جائز ہے، یانہیں؟ اور پھر لوگ جو چار رکعت بعد نماز جمعہ کے پڑھ لیتے ہیں، یہ کیسا ہے کہ چناں چہ میں بھی ایک بزرگ کے کہنے سے اپنے محلّہ میں بعد ادائے جمعہ چار رکعت فرض بھی پڑھ سکتا ہوں، امید ہے کہ جواب شافی سے مطلع فرمائیں؟

الجواب

فی الدرالمختار: (أو فناء ه)... (وهوما) حوله (اتصل به) أولا، كماحرره ابن الكمال وغيره (لأجل مصالحه) كدفن الموتیٰ وركض الخيل وفی ردالمحتار وان اعتبرت قرية مستقلة فهی مصر علیٰ تعريف المصنف. (۱)

ان روایات سے مفہوم ہوا کہ اگر یہ مقام جس کی نسبت سوال ہے، مستقل آبادی شمار کی جاتی ہے، تب تو بوجہ قریہ ہونے کے اس میں جمعہ جائز نہیں اور اگر مستقل آبادی نہیں سمجھی جاتی؛ بلکہ شہر کے متعلق قراردی جاتی ہے اور شہر کے مصالح عاملہ میں سے متعلق ہیں، جیسے گھوڑ دوڑ چاند ماری اور لشکر کا پڑاؤ اور گورستان ومثل تو اس میں جمعہ جائز ہے اور ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴؍ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد: ۱/۱۷) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۶۳۴)

جواب مصالح جمعہ درقریٰ:

سوال: جن گاؤں اور قریوں میں سوسو، پچاس پچاس نمازی ہوں، ان کا جمعہ قائم کرنا عظمت اور وقعت ہے، اس کے ادا کرنے سے اور پنج گانہ نماز سے ثابت ہے کہ ان کو جمعہ کی عظمت اور وقعت ہے، اس کے ادا کرنے سے اور پنج گانہ نماز کا بھی شوق رہتا ہے، ورنہ کسل اور سستی ہو جاتی ہے، حتی کہ نمازیں چھوڑ دیتے ہیں، ایسی حالت میں ان کو اگر کوئی منع کرے تو مطلب ہے، یا مخطی اور ایسے وقت پر حنفیہ کو مذہب شافعی جواز جمعہ فی القریٰ اور گاؤں پر عمل کرنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار نواقض الوضوء: لكن يندب للخروج من الخلاف لاسيما للامام لكن بشرط عدم لزوم ارتكاب مكروه مذهبه. (۲)

وفی ردالمحتارفی بعض المسائل: لوافتی به (أی بمذهب مالک) فی موضع الضرورة، الخ. (۳)

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸-۱۳۹، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، نواقض الوضوء: ۱/۱۴۷، دارالفكربيروت، انيس

(۳) ردالمحتار، فرع: أبق بعد البيع قبل القبض: ۴/۲۹۵، دارالفكر بيروت، انيس

ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا، یا تو اس وقت جائز ہے، جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں، یہ حد ضرورت کو نہیں پہنچیں؛ کیوں کہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگے اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے، سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔ اول نفل کی جماعت، دوم نوافل نہار میں جہراً، سوم غیر لازم کا التزام، چہارم ترک جماعت فرض ظہر، پنجم اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ کہ حرام اور فسق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مصر شرائط جواز جمعہ سے ہے، شرائط وجوب سے نہیں، یہ احتمال بھی دفع ہو گیا کہ اگر واجب نہیں تو جائز ہو جاوے گا، لہٰذا صورت مسئولہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

۱۶/ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۸۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۴۰-۶۴۱)

جمعہ وعیدین اس گاؤں میں جس کے بہت قریب دوسرا گاؤں ہے اور دونوں مل کر قصبہ کے برابر ہیں:

سوال: ایک گاؤں جس کی آبادی قریب ایک ہزار آدمی کے ہے اور اس کے اتنے قریب ایک دوسرا گاؤں ہے کہ اس بستی کی اذان کی آواز اس گاؤں میں جاتی ہے اور اس گاؤں اور دوسرے گاؤں کو ملا کر آبادی قریب چار، یا پانچ ہزار کے آدمی ہیں؛ بلکہ زائد ہوں؛ لیکن رقبہ وڈاکخانہ بعض بستی کا علاحدہ ہے اور بعض گاؤں میں کافر بستے ہیں، مسلمان نہیں ہیں۔ ان سب تقادیر پر جمعہ وعیدین ہر گاؤں والے الگ الگ پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ اس کے جواز کا شبہ فقہا کے ایک جزئی سے ہوتا ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسافر دو گاؤں میں اقامت کی نیت کر لے اور دونوں گاؤں اتنے قریب ہوں کہ ایک گاؤں کی اذان کی آواز دوسرے گاؤں میں جاتی ہے تو وہ مسافر حد قصر سے خارج ہو جاوئے گا، مثلاً ایک گاؤں میں دس یوم کی اقامت کی نیت کی اور دوسرے گاؤں میں پانچ دن کی؛ لیکن چوں کہ یہ دونوں قریب بہت ہیں کہ اذان کی آواز جاتی ہے؛ اس لیے اس پر قصر جائز نہ ہوگا تو اس جزئی سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہا نے دونوں گاؤں کو متحد قرار دیا ہے تو باب قصر میں متحد قرار دے کر اس پر قصر کو ناجائز کیا، اسی طرح باب جمعہ میں بھی متحد قرار دیا جاوے، اگر یہاں پر قرار نہ دیا جاوے تو دونوں میں ما بہ الفرق کیا ہے اور بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ جس گاؤں کی آبادی تین، یا چار ہزار ہو، وہاں جمعہ جائز ہے۔ ان دونوں تردیدوں میں بہت بڑا فرق ہے تو اگر صرف تین ہزار آبادی میں جمعہ جائز ہے تو چار ہزار کی قید کیسی؟ اور اگر کسی گاؤں میں صرف تین ہزار کی آبادی ہو اور حوائج ضروریہ کی چیزیں نہیں ملتیں تو کیا اس گاؤں میں جمعہ وغیرہ جائز ہوگا اور اگر کوئی گاؤں ایسا ہو کہ وہاں تمام حوائج ضروریہ کی چیزیں ملتی ہیں؛ لیکن آبادی تین چار ہزار سے کم ہے تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا؟ تو رفع حوائج اور تین ہزار آبادی دونوں شرط ہیں، یا احدہما، لاعلی التعیین؟ یہ جواب مع حوالۂ کتب تحریر ہو۔ فقط

الجواب

قصر وعدم قصر کا مدار تو بالاتفاق اتحاد موضعین پر ہے اور وجوب جمعہ وعدم وجوب کے مدار میں اختلاف ہے، بعض اقوال میں اتحاد موضعین پر ہے اور سماع اذان وعدم سماع کا اس میں کوئی دخل نہیں، جس کے کلام سے اس کے ساتھ تحدید مفہوم ہوتی ہے، مقصود اس سے محض تمثیل کے طور پر امارت کا بیان کرنا ہے اور بعض اقوال میں عدم لحوق مشقت پر، چناں چہ روایات ذیل شاہد ہیں:

فی الدر المختار، باب صلاة المسافر: ''أو كان أحدهما تبعاً للآخر بحيث تجب الجمعة علٰى ساكنه للاتحاد حكماً''. (الدر المختار)

فی ردالمحتار: (قوله: أو كان أحدهما تبعاً للآخر) كالقرية التی قربت من المصر بحيث يسمع النداء علٰى مايأتی فی الجمعة وفی البحر: لو كان الموضعان من مصر واحد أو قرية واحدة فإنها صحيحة؛ لأنهما متحدان حكما، ألاترٰى أنه لو خرج إليه مسافراً لم يقصر، آه. (۸۲٤/۱)

وفی الدرالمختار، باب صلاة الجمعة: وأما المنفصل عنه (أی عن المصر) فإن كان يسمع النداء تجب عليه عند محمد وبه يفتی، كذا فی الملتقی وقدمنا عن الولوالجية تقديره بفرسخ ورجح فی البحر إعتبار عوده لبيته بلاكلفة. (الدر المختار)

وفی ردالمحتار: (تحت قوله: ورجح فی البحر) وصحح فی مواهب الرحمٰن قول أبی يوسف بوجوبها علٰى من كان داخل حداً لإقامة أی الذی من فارقه يصير مسافر أو إذا وصل إليه يصير مقيماً وعلله فی شرحه المسمٰى بالبرهان بأن وجوبها مختص بأهل المصر والخارج عن هٰذا الحد ليس أهله، آه.

وفيه بعد سطر عن الخانية: المقيم فی موضع من أطراف المصر... إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لاجمعة عليه وإن بلغه النداء ... (ثم قال بعد تصحيح هٰذا القول و ترجيحه): وينبغی تقييد ما فی الخانية والتاترخانية بما إذا لم يكن فی فناء المصر لمامر أنها تصح إقامتها فی الفناء ولو منفصلاً بمزارع فإذا صحت فی الفناء؛ لأنه ملحق بالمصر يجب علٰى من كان فيه أن يصليها؛ لأنه من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان. (۲)

پس قول اول پر ان دونوں موضعوں کو دیکھا جاوے گا کہ عرفاً دونوں مستقل سمجھے جاتے ہیں، یا متحد؟ پہلی صورت میں تو عدم صحت جمعہ ظاہر ہے اور دوسری صورت میں صرف اتحاد کافی نہیں۔ غایۃ مافی الباب دونوں مل کر ایک قریہ ہوجاوے گا؛ مگر جس قریہ کبیرہ میں جمعہ کو جائز کہا گیا ہے، اس کی تفسیر ''**التی فيها أسواق**'' سے کی گئی ہے۔ (کمافی

---

(۱) ردالمحتار: ۱۲٦/۲، باب صلاة المسافر، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب فی شروط وجوب الجمعة: ۱٥۳/۲، دارالفكر بيروت، انيس

ردالمحتار، الجلد الاول، ص:۸۳۶) (۱) جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت اس کی قصبات کی سی ہو، اگر یہ شان ہو تو جمعہ درصورت اتحاد ہما عرفاً جائز ہو جاوے گا، والا فلا (ورنہ نہیں) اور قول ثانی پر یعنی جب کہ مدار وجوب جمعہ کا عدم لحوق مشقت پر ہو ،وجوب جمعہ کا دونوں موضعوں کے اتحاد کو مستلزم نہ ہونا اور بھی ظاہر ہے؛ کیوں کہ اس تقدیر پر جمعہ من آواہ الدلیل پر واجب ہے اور یقیناً وہ موضع مصر سے متحد نہیں اور خود وہاں جمعہ جائز نہیں اور بہشتی گوہر اصل میں کتاب علم الفقہ کا ملخص ہے، اگر یہ مسئلہ اس میں ہے تو مجھ کو یاد نہیں کہ تلخیص کے وقت اس پر نظر پڑی ہے، یا نہیں؟ بہرحال اس میں جو کچھ لکھا ہو، اس کو اس وقت کی تحریر پر منطبق کرنا چاہیے، اگر انطباق نہ ہو تو میری رائے یہی ہے، جو اس وقت لکھ رہا ہوں کہ کوئی تعداد خاص تحدید کے لیے نہیں؛ بلکہ امارت ہے اور اصل مدار مصر، یا قصبہ، یا قریہ کبیرہ بالمعنی المذکورہ کا ہوتا ہے۔

۱۸/رمضان ۱۳۲۷ھ

بعد تحریر جواب ہذا ایک ثقہ مشاہد سے معلوم ہوا کہ جن قریوں کی نسبت سوال ہے، وہ باہم اتنے متقارب نہیں ہیں کہ ان کو متحد و متصل کہہ سکیں تو جواب اور بھی اظہر ہے کہ پھر احتمال ہی صحت جمعہ کا نہیں۔

۲۰/رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ:۱۹) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۶۶-۶۶۹)

فناء مصر میں نماز جمعہ کی ایک صورت کا حکم:

سوال (الف) سلیم سرائے ایک بستی ہے کہ جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اس سے متصل اور بھی بستیاں ہیں، من جملہ ان کے میرا موضع بھی ہے (موضع ہروارہ)؛ مگر اور بستیوں میں اور اس میں یہ فرق ہے کہ وہ بالکل ہی متصل ہیں، ایک مکان بھی فصل نہیں اور میرا موضع قریباً دو بیگہ کے فصل سے ہے، یا زیادہ سے زیادہ اتنا جیسا کہ خانقاہ شریف تھانہ بھون سے عیدگاہ ہے؛ لیکن یہ موضع حقیقتاً گاؤں ہے، اس میں کوئی علامت مصر کی، یا کثرت آبادی نہیں، تقریباً پانچ سو کی آبادی ہے، پس اس صورت میں اس موضع میں نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

(ب) شہر سے جو سڑک بیرون شہر کو جاتی ہے، اس پر اکثر اینٹوں کے بھٹے اور چونہ کی بھٹیاں سڑک کے کنارہ آبادی شہر سے تین چار میل تک برابر ہوتے ہیں تو جہاں تک یہ بھٹے ہیں، یہ فنا مصر میں داخل ہیں، یا نہیں؟

(ج) اگر یہ فناء مصر میں داخل ہے تو وہ مواضعات جو بالکل ان بھٹوں سے متصل اور محاذی ہیں، کیا ان میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے؟

الجواب

اگر ایسا اتصال ہو کہ دیکھنے والا اس گاؤں کو سلیم سرائے کا ایک محلّہ سمجھے اور عام لوگ بستی سلیم سرائے کو اور ان سب بستیوں کو ایک ہی بستی سمجھتے ہوں تو ہروارہ میں صحیح ہے، ورنہ نہیں اور پورا فیصلہ کسی مفتی کو موقع کا معائنہ کرا کر ہوسکتا ہو۔

(۱) ردالمحتار: ۱۳۸/۲، باب الجمعة

(۲)　فقہا نے فناء بلد کو بحکم بلد اس لیے فرمایا ہے کہ اس سے مصالح اہل بلد کے متعلق ہوتی ہیں اور اہل بلد سے مراد عام اہل بلد ہیں، نہ خاص اور فناء بلد کی مثال میں میدان گھوڑ دوڑ اور غلہ گاہنے کے میدان، قبرستان، عیدگاہ، موضع تبریض تو ایسے ہیں جن سے عام اہل بلد کا تعلق ظاہر ہے؛ مگر گھوڑ دوڑ کے میدان اور غلہ گاہنے کے میدان سے عام اہل بلد کا تعلق نہیں، صرف گھوڑے سواروں اور کاشتکاوروں کو تعلق ہے؛ مگر اس لحاظ سے کہ دیکھنے والے گھوڑے والوں کے سوا بھی ہوتے ہیں، اسی طرح غلہ کاٹنے کے وقت کاشتکاروں زمینداروں کو مزدوروں کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور مزدوری پیشہ لوگ ہر شہر میں زیادہ ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کو بھی فقہا نے مصالح عامہ میں داخل کرلیا ہے، اسی لیے میرے نزدیک اینٹوں اور چونہ کے بھٹوں کو بھی مصالح اہل بلد میں داخل سمجھنا چاہیے، گو بظاہر ان سے تعلق بھٹہ لگانے والوں ہی کو ہے؛ مگر درحقیقت مزدوری پیشہ لوگوں کو بھی تعلق ہے؛ اس لیے میں اس کو بھی فناء مصر کے حکم میں سمجھتا ہوں؛ مگر چوں کہ یہ میرا قیاس ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس مسئلہ میں تحقیق تھانہ بھون سے بھی کرلی جائے۔

ہاں۔

المجیب: ظفر احمد عفا اللہ عنہ از رنگون، ۱۵/ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۳۹۹-۴۰۰)

الجواب ــــــــــــــــــ من الخانقاه الامدادية

جواب سوال اول صحیح ہے، كما هو المصرح في البحر حيث قال: "واختلفوا فيما يكون من توابع المصر في حق وجوب الجمعة علىٰ أهله فاختار في الخلاصة والخانية أنه الموضع المعد لمصالح المصر متصل به ومن كان مقيماً في عمران المصر وأطرافه وليس بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة فعليه الجمعة ولو كان بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة من مزارع أو مراع كا لقلع ببخارى لا جمعة علىٰ أهل ذلك الموضع وإن سمعوا النداء. (۱۴۱/۱)

سوال دوم کے جواب میں غور کیا گیا اور حضرت مدظلہ العالی سے بھی دریافت کیا، یہی طے ہوا کہ محض بھٹوں کی وجہ سے کوئی جگہ فناء مصر نہیں بن سکتی، بھٹے زائد سے نظیر ہیں کھیتی کی اور فنا میں داخل نہیں، جیسا کہ روایت مذکورہ بالا سے واضح ہے۔

ونیز علامہ شامیؒ نے فرمایا ہے:

(والمختار للفتوىٰ تقديره بفرسخ) أقول وبه ظهر صحتها في تكية السلطان سليم بمرجة دمشق وكذا في مسجده بصالحية دمشق فإنها من فناء دمشق بما فيها من التربة بسفح الجبل وإن انفصلت عن دمشق بمزارع لكنها قريبة؛ لأنها علىٰ ثلث فرسخ من البلدة. (۸۳۷/۱)(۱)

اور كما حرره ابن الكمال کے تحت میں تحریر فرمایا ہے:

"واعتبر بعضهم قيد الاتصال وقد خطأه صاحب الذخيرة قائلاً فعلىٰ قول هٰذا القائل لاتجوز

(۱)　رد المحتار، باب الجمعة، مطلب في صحة الجمعة، الخ: ۱۳۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس

إقامة الجمعة ببخاریٰ فی مصلی العید لأن بین المصلی وبین المصرمزارع ووقعت هٰذه المسئلة مرة وأفتیٰ بعض مشائخ زماننا بعدم الجواز ولکن هٰذا لیس بصواب فإن أحدا لم ینکر جوار صلاة العید فی مصلی العید ببخاری لامن المتقدمین ولامن المتأخرین وکما أن المصر أو فناء ه شرط جواز الجمعة فهو شرط جواز صلاة العید،آه. (۱)

ان دونوں عبارتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی فناء میں داخل نہیں، کما لا یخفی۔ دراصل فناوہ ہے، جو آبادی؛ یعنی سکونت کی ضروریات سے ہو؛ کیوں کہ کچھ ضروریات اہل بلد کی میں پوری نہیں ہوسکتیں وسعت نہ ہونے وغیرہ کی وجہ سے؛ اس لیے آبادی سے باہر ان ضروریات کے لیے جگہ مقرر کی جاتی ہے اور اس جگہ کو ایک قسم کی آبادی سمجھا جاتا ہے، لہٰذا وہ ملحق بالبلد ہوکر اقامت بالسکنی ہوں، سب ضروریات مراد نہیں، ورنہ تمام کھیت باغات اور لکڑیوں کے جنگل وغیرہ کا فناء میں داخل ہونا لازم آتا ہے، ولا قائل بہ۔

تیسرا نمبر متفرع ہے نمبر دوم پر؛ اس لیے اس میں بھی ہمیں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، تھانہ بھون، ۱۵/ جمادی الاخری ۱۳۵۱ھ (امداد الاحکام: ۴۰۱/۲)

جمعہ فی القری سے متعلق مذہب امام اعظم کی تحقیق از حبیب احمد کیرانوی:

سوال: نافہم غیر مقلدین اور ان کے متبعین نے جمعہ فی القری کے باب میں امام المجتہدین کو نشانۂ ملامت بنا رکھا ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں امام صاحب کے اجتہاد کی حقیقت اغیار تو کیا خود ان کے اتباع بھی کما حقہ نہیں سمجھے، سو ان کے اجتہاد کی حقیقت جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور ان شاء اللہ صحیح بھی ہوگی، یہ ہے کہ جمعہ کے روز اصالۃً ظہر فرض ہے اور جمعہ اس کا قائم مقام، بس جس صورت میں جمعہ کی صحت یقینی ہے، اس صورت میں وہ قائم مقام ظہر ہوکر مسقط فرض ظہر ہوکر یقیناً ہوسکے گا اور جس صورت میں اس کی صحت مشتبہ ہے، اس صورت میں وہ قائم مقام ظہر اور مسقط فرض ظہر نہ ہوگا، اب امام صاحب نے دیکھا کہ صحت جمعہ فی المدن مع وجود الامام او نائبہ مجمع علیہ ہے؛ اس لیے یہ جمعہ ضرور قائم مقام فرض ظہر اور مسقط ظہر ہے اور صحت جمعہ فی القری، یا فی المدن بلا امام، یا نائب امام مشتبہ ہے؛ اس لیے انہوں نے فرمایا کہ یہ جمعہ مسقط فرض نہیں ہے اور جب وہ مسقط فرض نہیں تو جائز بھی نہیں؛ **لأن الجمعة الغیر المسقطة للظهر لم یعرف مشروعیتها**، پس یہ مبنی ہے ان کے اس حکم کا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور نہ ان شہروں میں جن میں امام، یا نائب امام نہ ہو۔ سو یہ بات ایسی نہ تھی کہ امام الائمہ کو نشانہ ملامت بنایا جاتا؛ بلکہ درحقیقت اپنی اس وقت فہم اور کمال تورع واحتیاط پر آفرین کے مستحق تھے؛ مگر خدا برا کرے جہالت اور تعصب کا کہ انہوں نے امام صاحب کے کمالات کو عیوب بنا دیا؛ لیکن اگر ہم اس وقت فہم سے بھی قطع نظر کریں اور صرف آثار ہی کو پیش نظر

(۱) رد المحتار، باب الجمعة، قبیل مطلب فی صحة الجمعة، الخ: ۱۳۹/۲، دار الفکر بیروت، انیس

رکھیں، تب بھی امام صاحب ہی کا پلہ بھاری نظر آتا ہے؛ کیوں کہ حضرت علیؓ اور حضرت حذیفہؓ کی روایات سے نہایت صحت اور صفائی کے ساتھ اشتراط امصار ومدن ظاہر ہے، برخلاف اس کے جو آثار ان کے مقابلہ میں پیش کئے جاتے ہیں، ان سے عدم اشتراط اس صفائی کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا، مثلا وہ جواثی والی روایت سے استدلال کرتے ہیں؛ لیکن اس میں قریہ کا لفظ محل کلام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد گاؤں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق بستی ہے، چناں چہ تمام قرآن میں یہ لفظ مطلق بستی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، لہذا یہ روایت وضاحت میں حضرت علیؓ وحذیفہؓ کے برابر نہیں۔

اسی طرح وہ "**الجمعة واجب على كل مسلم**" سے استدلال کرتے ہیں؛ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس کے معنی واجب بشرائط ہیں، لہذا یہ روایت بھی مفید مدعا نہیں۔ نیز وہ حضرت عمرؓ کے قول "**جمعوا أينما كنتم**" سے استدلال کرتے ہیں؛ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس میں خطاب ولاۃ کو ہے، نہ کہ عوام کو۔ نیز اس میں اتنا عوام مراد نہیں، جتنا کہ وہ مراد لیتے ہیں؛ کیوں کہ مجتہدین کے نزدیک صحاریٰ وبحار وغیرہ مستثنیٰ ہیں اور غیر مقلدین کے نزدیک اراضی مغصوبہ ومقامات نجر وغیرہ مستثنیٰ ہیں۔ پس جب کہ یہ لفظ اپنے عموم پر باقی نہیں ہے تو اس کے عموم سے استدلال صحیح نہیں۔ پس جب کہ یہ اور اسی قسم کی روایات وضاحت میں حضرت علیؓ وحذیفہؓ کی روایات کو ترجیح ہوگی؛ کیوں کہ جو لوگ اشتراط مصر کے قائل ہیں، ان کے قول کا مبنی عدم علم بالدلیل ہے اور جو لوگ اشتراط کے قائل نہیں، ان کے قول کا مبنی عدم علم بالدلیل ہے، ﴿**وهل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون**﴾ (۱) اور اگر ترجیح بھی ثابت نہ ہو تو غایت درجہ مساوی ہوں گی اور مساوات کی صورت میں صحت وعدم صحت جمعہ مشکوک ہو جائے گی اور اس سے فرض ظہر ساقط نہ ہوگا اور جب فرض ظہر ساقط نہ ہوا تو یہ جمعہ مشروع نہ ہوگا، **لأن الجمعة ما شرعت إلا مسقطة لفرض الظهر وهٰذه ليست بمسقطة فلا تكون مشروطة** اور اگر بالفرض مخالفین ہی کے دلائل کو ترجیح ہو، حالاں کہ ایسا نہیں ہے تو غایت مافی الباب یہ کہ گاؤں میں جمعہ فرض ظنی ہوگا اور اس لیے وہ فرض قطعی؛ یعنی ظہر کے قائم مقام نہ ہو سکے گا، وہوالمدعی۔

پس اس مقدمہ میں تو فیصلہ امام صاحب کے موافق رہا۔ اب رہا دوسرا مقدمہ؛ یعنی اشتراط امام، یا نائب امام کا مسئلہ، سو حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث مرفوع اور حضرت ابو ہریرہؓ وحضرت عمرؓ کا سوال وجواب اور مولی سعید بن العاص اور حضرت ابن عمرؓ کے سوال وجواب اور عمر بن عبد العزیز کا عدی بن عدی کو حکم، یہ تمام امور دلیل اشتراط ہیں اور نافین اشتراط کے پاس کوئی دلیل نفی اشتراط پر نہیں اور اگر ہو بھی تو پھر اس میں یہی بحث ہے کہ اشتراط مبنی ہے علم بدلیل الاشتراط پر اور نفی کا مبنی عدم علم بالاشتراط ہے، ﴿**وهل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون**﴾ (۲) اور اگر ہم تعارض بھی مان لیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ عدم امام، یا نائب کی صورت میں صحت جمعہ مشکوک ہوگی اور بصورت رجحان دلائل مخالفین جمعہ بدون امام فرض ظنی ہوگا، جس کو واجب کہتے ہیں اور واجب فرض قطعی کے قائم مقام نہ ہو سکے گا، پس یہ مقدمہ بھی امام صاحبؒ کے موافق طے ہوا اور ثابت ہوا کہ امام صاحب کا مسلک ہر طرح صحیح ہے اور ہرگز قابل اعتراض نہیں۔

(۱-۲) سورۃ الزمر: ۹، انیس

یہ گفتگو تو اغیار متعلق تھی اب ہم کچھ اتباع امام صاحبؒ کے متعلق لکھنا چاہتے ہیں، اچھا سنئے، امام صاحبؒ نے دلائل کے ذریعہ سے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا صحت جمعہ کے لیے دو شرطیں لگائی تھیں: اول مصر اور دوسری امام، یا نائب امام اور یہ دونوں مستقل اور علاحدہ شرطیں تھیں؛ لیکن غیر مقلدین نے اپنے اجتہاد سے دونوں شرطوں کو حذف کر دیا؛ کیوں کہ انہوں نے کہا کہ امام، یا نائب کی شرط محض انتظامی ہے اور یہ شرط صرف اس لیے لگائی گئی ہے؛ تاکہ تقدیم وتقدم میں تنازع نہ ہو، اب اگر یہ مقصد کسی اور طریق سے پورا ہو جائے تو پھر امام، یا نائب امام کی ضرورت نہیں۔

نیز انہوں نے کہا کہ اگر امام کسی گاؤں میں موجود ہو تو وہاں وہ اقامت جمعہ کر سکتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مصر کی شرط فی نفسہ ضروری نہیں؛ بلکہ اس لیے ہے کہ عادۃً امام، یا نائب امام شہر ہی میں موجود ہوتا ہے، پس اگر امام کسی گاؤں میں موجود ہو تو وہ بھی حکماً شہر ہے، پس جب کہ نہ مصر مقصود بالذات ہوا اور نہ امام، یا نائب امام؛ بلکہ شہر مطلوب ہوا امام، یا نائب امام کے لیے اور امام مطلوب ہوا انتظام کے لیے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر گاؤں میں تنازع کا اندیشہ نہ ہو، جیسا کہ آج کل ہے تو اس میں جمعہ جائز ہے اور اگر کسی شہر میں اندیشہ فساد ہو، جیسا کہ اس وقت ہوتا ہے، جب کہ شہروں میں ہندو مسلم فساد، یا کوئی دوسرا ہڑ بونگ ہو تو وہاں جمعہ جائز نہیں، لفوات الشرط وہو الانتظام؛ لیکن غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر امام کا یہی مطلب ہوتا جو یہ غیر مقلدین بیان کرتے ہیں تو ان کو مصر اور امام، یا نائب امام کی علاحدہ شرطیں لگانے کی ضرورت نہ تھی؛ بلکہ صرف شرط امن عن التنازع کافی تھی اور جب کہ انہوں نے یہ شرط نہیں کی؛ بلکہ مصر کو علاحدہ شرط کیا اور امام، یا نائب کو الگ تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں شرطیں فی نفسہ مطلوب ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر شہر میں امام، یا نائب امام نہ ہو، جیسا کہ ہندرستان میں تو جمعہ جائز نہیں لفوات الشرط الثانی اور اگر گاؤں میں امام ہو تو وہاں بھی جمعہ جائز نہیں، لفوات شرط الاول اور اگر گاؤں میں امام، یا نائب امام نہ ہو، تب بھی جمعہ جائز نہیں لفوات الشرطین۔ پس ثابت ہوا کہ امام صاحبؒ کے مذہب کو غیر مقلدین تو کیا، خود مقلدین بھی نہیں سمجھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کے مذہب کے موافق ہندوستان میں نہ شہروں میں جمعہ صحیح ہے اور نہ گاؤں میں اور دوسرے ائمہ کے نزدیک شہروں میں بھی صحیح ہے اور گاؤں میں بھی اور چوں کہ اس وقت رواج عام کی وجہ سے امام صاحبؒ کے مذہب پر عمل ناممکن ہے اور اس کی دعوت دینے میں شدید فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لیے موجودہ رواج کو جائز قرار دیا جائے گا اور یوں کہا جاوے گا کہ ہم بضرورت دوسرے ائمہ مجتہدین کے مذہب پر جمعہ پڑھتے ہیں اور جب کہ مقلدین خود دوسرے ائمہ کے مذہب پر عمل کر رہے ہیں تو جو لوگ دوسرے ائمہ کے مذہب کے موافق گاؤں میں جمعہ پڑھتے ہیں، ان پر تشدد نہ کرنا چاہیے۔ ہاں! اگر کوئی امام صاحب پر طعن کرے، اس کا جواب ضرور دیا جاوے۔

نیز چوں کہ موجودہ جمعے دوسرے ائمہ کے مذہب پر صحیح ہیں؛ اس لیے ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں۔ ہاں! اگر کوئی امام صاحبؒ کے خلاف سے بچنے کے لیے پڑھ لے تو مضائقہ نہیں؛ لیکن اس پر زور دینے کی ضرورت نہیں اور غیر مقلدین کا فرض ہے کہ وہ امام صاحبؒ کے مقلدوں کو اپنے مسلک کے اختیار کرنے پر مجبور نہ کریں؛ کیوں کہ اگر

ان کے حق اجتہاد تسلیم کرلیا جاوے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ان کو کسی امام کی تقلید پر مجبور نہ کیا جاسکے گا؛ لیکن ان کو یہ حق کسی طرح نہیں کہ وہ دوسروں کو اپنی تقلید کے لیے مجبور کریں۔ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ فتنہ کے مواقع پر خود اپنے اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے، نہ یہ کہ وہ اپنے اجتہاد کی اس طرح تبلیغ کریں، جس سے شدید سے شدید فتن کا صرف خطرہ ہی نہ ہو؛ بلکہ ان کا مشاہدہ ہورہا ہے، خدا کے لیے امت مرحومہ پر رحم کرو اور اپنے اجتہادات کو بشرطیکہ ان کو اجتہادات کہا جاسکے، اجتہادات ہی کی حد میں رکھو اور ان کو وحی قطعی کا مرتبہ نہ دو۔ امید ہے کہ آپ میرے مخلصانہ مشورہ پر غور کر کے اس کی قدر کریں گے. **{وما أريد إلا الاصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله}**

الجواب ـــــــــ از خانقاہ امدادیہ ملاحظہ فرمودہ حضرت اقدس دام مجدہم

أقول وبالله التوفيق: اشتراط مصر وسلطان پر جو استدلال کیا ہے، وہ بظاہر بہت عمدہ ہے اور احقر نے بہت روز ہوئے کسی کے کلام میں دیکھا بھی ہے؛ مگر غور کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے دونوں مقدموں پر کلام ہوسکتا ہے۔ پہلا مقدمہ؛ یعنی جمعہ کے روز اصالۃً ظہر فرض ہے اور جمعہ اس کا قائم مقام، یہ امام صاحبؒ اور امام ابی یوسفؒ کے قول پر تو صحیح ہے؛ مگر امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ اصل ہے اور ظہر بدل اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے:

”لا أدرى ما أصل فرض الوقت فى هٰذا اليوم ولكن يسقط الفرض عنه بأداء الظهر أو الجمعة يعنى أن أصل الفرض أحدهما لابعينه ويتعين بفعله“. (۳۳/۲)(۱)

اور مختلف فیہ مقدمہ سے خصم پر حجت قائم نہیں ہوسکتی، البتہ فی نفسہ اثبات مذہب کے لیے یہ مقدمہ کار آمد تھا، اگر دوسرا مقدمہ مخدوش نہ ہوتا؛ لیکن دوسرے مقدمہ میں یہ شبہ ہے کہ کچھ شرائط جمعہ ایسے بھی ہیں، جو دیگر ائمہ نے لیے ہیں؛ مگر امام صاحبؒ نے نہیں لیے، مثلاً تعداد جماعت میں اختلاف ہے، امام صاحب نے تین مقتدی ہونا کافی سمجھا ہے، حالاں کہ دوسرے ائمہ اس پر متفق نہیں۔ پس اس تقریر سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کا قول تعداد جماعت کے بارے میں معتبر نہ ہو؛ کیوں کہ وہ مجتمع علیہ نہیں۔ اسی طرح تعدد جمعہ مختلف فیہ ہے، اس تقریر پر تعدد جمعہ کو شرط کہنا ضروری ہے، حالاں کہ امام صاحب علیہ الرحمۃ کا مذہب صحیح جو متون معتبرہ میں موجود ہے، اس کی بنا پر تعدد جمعہ علی الاطلاق درست ہے۔

اس کے بعد آثار میں سے اثر علی وحذیفہ رضی اللہ عنہما کو ترجیح کی وجہ جو بیان کی ہے، وہ بالکل صحیح ہے؛ مگر معارضہ تسلیم کرنے کی صورت میں جو یہ لکھا ہے: جو لوگ اشتراط کے قائل ہیں، ان کے قول کا مبنی علم بالدلیل ہے اور جو لوگ قائل نہیں، ان کے قول کا مبنی عدم بہ علم بالدلیل ہے، یہ محل تأمل ہے؛ کیوں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر مسئلہ میں مثبت شرطیت وقائل فرضیت کا قول معتبر ہو، حالاں کہ ایسا نہیں، مثلاً فاتحہ خلف الامام کو جو حضرات فرض کہتے ہیں، اس تقریر پر ان کے قول کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ درحقیقت ہر دو فریق علم رکھتے ہیں تمام دلائل کا؛ مگر ایک فریق اس دلیل کو کافی خیال کرتا ہے، دوسرا کسی وجہ سے اس کو ناکافی قرار دیتا ہے۔ واللہ اعلم

(۱) الجوهرة النيرة، باب الجمعة: ۱۰۹/۱، مكتبة حقانية ملتان، انيس

اور بعدازاں جمعہ ظنی الثبوت کواس بنا پر جو رد کیا ہے کہ وہ فرض قطعی؛ یعنی ظہر کے قائم مقام نہ ہو سکے گا، اس میں بھی کلام ہے، اول تو اس لیے کہ یوم جمعہ میں ظہر کا اصل ہونا قطعی نہیں: لکونہ مختلفا فیہ، دوسرے اس لیے کہ امام صاحبؒ کے قول پر بھی تو بعض جگہ ظنی جائز ہے، جس کی دو مثالیں اوپر گذر چکیں، پھر وہ مسقط وقائم مقام ظہر کیسے ہو جاتا ہے۔

یہ گفتگو تو تقریر استدلال کے متعلق تھی، اب دوسرے جزو کی بابت عرض ہے، وہ یہ کہ وہ فقہا مقلدین پر جو ترک کا شبہ کیا گیا ہے، وہ مبنی ہے اس پر کہ تمصر قریہ بوجود الا مام او نائبہ اور نیز نصب الخطیب من العامہ للضرورہ کو تخریج فقہاء سمجھا گیا ہے، حالاں کہ ایسا نہیں؛ بلکہ پہلا مسئلہ خود جامع صغیر میں موجود، نصه هٰذا:

”في الجمعة بمنٰى إن كان الإمام أمير الحجاز أو كان الخليفة مسافراً جمع وإن كان غير الخليفة وغير أمير الحجاز وهو مسافر فلا جمعة فيها وقال محمد: لا جمعة بمنٰى ولا جمعة بعرفات في قولهم جميعا، آه. (۱)

اور دوسرا مسئلہ امام محمد سے منقول ہے، کما صرح بہ فی المبسوط (۳۴/۲) اور شیخین کا اس میں کسی نے اختلاف بیان نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اتفاق ہوگا، یا کم از کم اختلاف کی نوبت نہ آئی ہوگی؛ یعنی امام صاحب کے وقت میں یہ مسئلہ مسکوت عنہ رہا ہو، بعد میں بوقت ضرورت امام محمدؒ نے ظاہر فرمایا ہوگا اور شیخینؒ سے جو امام، یا اس کے نائب کی ضرورت اقامت جمعہ کے لیے اطلاق کے ساتھ مروی ہے، وہ اطلاق اس روایت محمدؒ کے معارض نہیں؛ کیوں کہ اطلاق کو بلاضرورت کے ساتھ مقید کر سکتے ہیں اور جہاں کوئی والی نہیں، وہاں ضرورت ہے؛ اس لیے اس کا حکم جدا ہو جانا بعید نہیں، اسی واسطے درمختار نے کہا ہے:

”(نصب العامة) الخطيب (غير معتبر مع وجود من ذكر) أما مع عدمهم فيجوز للضرورة“. (۲)

اس میں دونوں روایتوں کی رعایت موجود ہے اور یہی تفصیل قرینِ قیاس ہے؛ کیوں کہ حکام وولاۃ کی موجودگی میں عوام کو اس قسم کا اختیار دینا بالکل نامناسب ہے اور جب حکام نہیں تو ان کو خود اپنا انتظام کرنا لابدی ہے، **كما لا يخفى بعد أدنىٰ تأمل.**

بہر حال یہ مسئلہ بھی مشائخ وفقہائے متاخرین کی تخریج نہیں، پس ان پر اجتہاد و ترک تقلید کا الزام نہیں ہو سکتا، البتہ نفس مسئلہ پر اشکال متوجہ رہا، جو باعث ہوا تھا الزام کا، سو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے مسئلہ کو بھی تمصر قریہ بالا امام کو عام سمجھ کر اشکال پیش آیا، حالاں کہ فقہاء کرام کے کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ہر قریہ اس حکم میں نہیں؛ بلکہ وہی قریہ ہے، جس میں دوسری اوصاف شہریت بھی ہوں، چناں چہ درمختار میں ہے:

(وجازت) الجمعة (بمنى في الموسم) فقط لوجود الخليفة أو أمير الحجاز أو العراق او مكة

(۱) الجامع الصغير وشرحه النافع الكبير، باب صلاة الجمعة: ۱۱۲/۱، عالم الكتب بيروت، انيس

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۳/۲، دارالفكر بيروت، بيروت

ووجود الأسواق والسكك وكذا كل أبنية نزل بها الخليفة.(۱)

اس میں صرف خلیفہ وغیرہ کے وجود کو کافی نہیں کہا؛ بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وجود اسواق وسکک کو بھی اس میں دخل ہے اوراس سے زیادہ صریح فتح القدیر میں ہے:

"**بخلاف ما إذا كان المحل غير صالح للتمصير فلذا قالوا إذا سافر الخليفة فليس له أن يجمع فى القرىٰ كالبراری**"، آہ. (۲/ ۲٦)(۲)

اورتمصر قریہ کے لیے وجود سلطان کے ساتھ قابل تمصیر کی قید معلوم ہونے کے بعد وہ اشکال کسی طرح واقع نہیں ہوسکتا، جواس تحقیق میں فاضل محقق دام فضلہم نے وارد کیا ہے۔اس مختصر عرض سے واضح ہو گیا کہ بلاد ہندوغیرہ کے شہروں میں جمعہ پڑھنا عین مذہب احناف کے مطابق ہے،اس میں دوسرے ائمہ کا مذہب حنفیہ نے ہرگز اختیار نہیں کیا، ورنہ دوسرے شرائط ضروریہ کی رعایت کا حکم بھی دیا جاتا،مثلا چالیس مقتدی کا قابل امامت ہونا؛ کیوں کہ مذہب غیر اختیار کرنے کے واسطے استجماع شرائط لازم ہے اور جب یہ واضح ہو گیا تو معلوم ہو گیا کہ جمعہ فی القری کی ممانعت میں ڈھیلا ہونے کا مشورہ قابل قبول نہیں۔ایک بات قابل گزارش یہ بھی ہے کہ ترک جمعہ میں کوئی تکلیف اورحرج پیش نہیں آتا، جو مسوغ ہے خروج عن المذہب کا؛اس لیے اگر مذہب حنفیہ میں امصار ہند کی بھی گنجائش نہیں کہ گوامصار ہند میں مذہب غیر لینے کی نوبت نہ آئی ہو؛مگر جمعہ فی القری میں لی لیا جاوے۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم،از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون،۱۰ / ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۴۰۹)

آبادی متفرقہ متصلہ کے مجموعہ میں وجوب جمعہ کی ایک صورت کا حکم:

سوال: موضع بسی ایسی بستی ہے کہ جوتقریباً ساڑھے تین سو برس سے آباد ہے اور پٹھانوں کی آبادی ہے، بفضلہٖ اس بستی نے اتنی ترقی کی ہے کہ اس کے اندر سے گیارہ موضع اور جداگانہ پٹھانوں نے آباد کئے،جس کو قریبا تین سو برس کا زمانہ ہو چکا ہے اوران مواضعات کے اسماء جداگانہ کاغذات سرکاری میں درج ہیں اورعوام الناس میں مشہور ہیں اورموضع بسی سے مواضعات پلڑہ وپلڑی قریب قریب ایک ایک فرلانگ کے فاصلہ پرآباد ہیں اور یہ ہر دو مواضعات بسی ہی میں سے جدا ہوکرآباد ہوئے ہیں؛ بلکہ پلڑی میں دوہزار کی مردم شماری خود ہے اوراس میں سے ایک اور گاؤں تھوڑی عرصہ سے جدا ہوکرآباد ہوا ہے، جو نیا گاؤں کے نام سے مشہور ہے،جس کی مردم شماری پانچ سو کی ہے ونیز دیگر مواضعات آدم پورکمال پورقریب ایک میل کے فاصلہ سے موضع بسی کے آباد ہیں اور یہ بھی ۳،۴۔اسی موضع بسی کے اندر سے نکل کرآباد ہوئے ہیں،موضع بسی میں مستقل بازار دوکان پرچون وحلوائی وبزاز وقصائی ولوہار بھی موجود ہیں، اورجس وقت یہاں بسی میں اذان ہوتی ہے تو مواضعات پلڑہ وپلڑی میں بخوبی آواز پہونچتی ہے اوراس بسی میں ایک

(۱)　الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة: ۲/ ۱٤٤،دارالفكر بيروت،انيس

(۲)　فتح القدير،باب الجمعة: ۲/ ٥۳،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

بازار ہفتہ وار بھی لگتا ہے، جس میں مویشیاں اور دوکان قرب وجوار کی آتی ہیں، مثلا حلوائی بزاز، قصاب جولحم فروخت کرتے ہیں اور بکر قصاب وسبزی و پنساری لوہے کی چیزیں، لکڑی کی چیزیں بساتی جوتوں والے، تیل غلہ، گھی، برتن رنگی، ہوئی، کھالیں، وبلا رنگی ہوئی، مسلمان بھٹیار کی دکان، ہندوؤں کا کھانا، پان والوں کی دکانیں، سوت سناروں کی دکانیں جن پر بنا بنایا زیور ملتا ہے، پٹوولی؛ یعنی زیور ملنے والوں کی دوکانیں اور س موضع میں ایک سرپنچ من جانب گورنمنٹ اہل ہنود بھی مقرر ہے، جو مقدمہ طے کرتا ہے اور مردم شماری اس وقت سات سو کے قریب ہے، البتہ موضع پلڑی کی مردم شماری دو ہزار ہے اور پلڑہ کی مردم شماری پانچ سو ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جیسے اس موضع بسی میں قدیم الایام سے جمعہ ونماز عیدین ہوتی چلی آرہی ہیں، کیا یہ جائز ہیں؟ اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ قصبہ شاہ پور موضع بستی سے ایک میل کے فاصلہ پر آباد ہے اور وہاں جمعہ ہوتا ہے، مردم شماری قصبہ قریباً چار ہزار کی ہے، بمقابلہ قصبہ مذکور موضع بسی میں نماز عیدین وجمعہ ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

۱۸/شوال ۱۳۴۸ھ

تنقیح: مجھ سے جس وقت میں بسی گیا تھا، زبانی یہ بھی کہا گیا تھا کہ موضع بسی کے حدود میں پلڑی کے مکانات کا سلسلہ آ گیا ہے، اسی طرح بستی کے مکانات سے ایک جانب میں پلڑہ کے مکانات کا سلسلہ مل گیا ہے، سوال میں یہ بات ظاہر نہیں کی گئی، اگر یہ صحیح ہے تو اس کو ظاہر کرنا چاہیے۔

مجھ سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ جس جگہ بسی کا مدرسہ ہے، وہ موضع ہے پلڑی کا حصہ ہے اور اس کو بھی عرفاً پلڑی میں شمار کیا جاتا ہے اور سرکاری کاغذات میں مدرسہ بسی کا کہلاتا ہے، اس کو بھی سوال میں ظاہر نہیں کیا گیا۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۴/شوال ۱۳۴۸ھ

جواب تنقیح: حضرت مفتی دین شرع متین گزارش بابت تنقیح یہ ہے کہ فی الواقع موضع بسی کے حدود میں پلڑی کی آبادی کئی بیگھہ بڑھ گئی ہے اور اب بوجہ اس کے بڑھنی بند ہوگئی ہے کہ بسی کی جانب اب تالاب ہے اور وہ رکاوٹ تعمیر مکانات پیدا کر رہا ہے، یہ تالاب بسی کی آبادی کے پچاس قدم فاصلہ پر پلڑی کی جانب واقع ہے اور پلڑی کی آبادی بسی سے نہیں ملی؛ بلکہ خود بسی کی آبادی پلڑہ کے گوٹرہ سے اور کچھ صحرا پلڑا سے مل گئی ہے اور گوٹرہ کا بھی آبادی کے کاغذات سے تعلق ہوتا ہے۔

موضع بسی میں کوئی مدرسہ سرکاری واسلامیہ نہیں ہے، البتہ پہلے جس کو عرصہ پانچ ماہ کا ہوا، اسلامی تعلیم ایک معلم بچوں کو... دیا کرتے تھے، باقی موضع پلڑہ میں مدرسہ سرکاری درجہ تین تک مقرر ہے اور موضع پلڑی میں سے جو مزرعہ نکل کر آباد ہوا ہے، جس کا نام نیا گاؤں عرف گوکل گڈھ ہے، اس میں ایک مدرسہ مڈل جماعت تک سرکاری کھلا ہوا ہے اور خود پلڑی میں مدرسہ امدادی قائم تھا؛ مگر اب نہیں ہے، ور نیا گاؤں پلڑی ہی کا مزرعہ ہے، باقی نئے گاؤں کے نام کوئی صحرائی نہیں ہے۔ نیا گاؤں جو ہے، اس میں ایک کارخانہ کولھوا یکھ پیڑنے کا بھی ہے، جہاں چرخیال کثرت

سے ملتی ہیں اور دیگر حلوائی اور پنساری ولوہے کی دوکان بھی ہے، پلڑے میں بھی مستقل بازار ہے۔ پنساری، بزازہ وپرچون ولوہار، اناج وغلہ وجولاہے کی دوکان جو کہ کپڑا بنتا ہے، موجود ہے۔

الجواب

میرے نزدیک بسی اور پلڑہ پلڑی کا مجموعہ ایک ہی بستی ہے بوجہ اتصال حسی کے، گوکسی وجہ سے نام الگ الگ ہوں؛ اس لیے میں ان تینوں کو ایک گاؤں قرار دے کر ان میں جمعہ جائز سمجھتا ہوں۔ واللہ اعلم

۵/ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ (امدادالاحکام:۲/۴۱۱)

گاؤں میں جمعہ کا حکم:

سوال: زید ایک گاؤں کا باشندہ ہے، گاؤں کے دیگر مسلمان اس کی دینی معلومات اور علمی قابلیت کی وجہ سے اس کو اپنے مقابلہ میں بمنزلہ عالم کے سمجھتے ہیں اور وہ حضرت والا کا معتقد ہے، اس کے گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین ہوا کرتی ہے، زید کبھی گاؤں میں حاضر رہتا ہے تو وہی نماز جمعہ وعیدین پڑھایا کرتا تھا، کچھ عرصہ سے زید نے حضرت والا کا یہ فتوی دیکھ کر کہ گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین درست نہیں، نماز جمعہ وعیدین پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا ہے؛ مگر بخیال فتنہ دوسروں کو پڑھنے سے منع نہیں کرتا ہے اور وہ لوگ برابر پڑھا کرتے ہیں؛ مگر ان کو یہ امر نا گوار گذرتا ہے کہ زید سا شخص جو علم دین سے نسبۃً زیادہ واقفیت رکھتا ہے، نماز جمعہ وعیدین کیوں نہیں پڑھتا و پڑھاتا ہے، بعض لوگ زید کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ نماز پڑھائے؛ کیوں کہ قرب وجوار میں کے دیہات کے لوگ بھی نماز عیدین کو اس کے گاؤں میں آیا کرتے ہیں، ورنہ یہ لوگ آنا بند کر دیں گے اور دوسرے بھی جو کم از کم جمعہ، یا عیدین کی نماز پڑھا کرتے ہیں، وہ بھی چھوڑ دیں گے، پس ایسی صورت میں نماز جمعہ یا عیدین زید کا نہ پڑھنا اور نہ پڑھانا شرعا کیسا ہے: کیوں کہ زید اپنے پیشوا (یعنی حضرت والا کے) کے فتوے کے خلاف عمل کرنا نہیں چاہتا ہے۔

(۲) یا لوگوں کے اصرار، یا انتشار کے خیال سے زید کو بھی نماز جمعہ وعیدین پڑھنا و پڑھانا چاہیے؟

الجواب

اگر اس گاؤں کی آبادی تین چار ہزار سے کم ہے اور وہاں تمام ضروریات معاش نہیں ملتیں تو وہاں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں۔ پس اس صورت میں زید کو وہاں جمعہ وعیدین نہ پڑھنا چاہیے اور جو لوگ پڑھتے ہیں، ان سے منازعت اور جھگڑا بھی نہ کرنا چاہیے۔ ہاں نرمی سے عقلا کو سمجھا دیا جاوے کہ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں؛ اس لیے میں نہیں پڑھ سکتا اور میری خواہش یہ ہے کہ آپ لوگ بھی نہ پڑھیں؛ تا کہ گناہ سے بچ جائیں، آئندہ تم کو اپنے فعل کا اختیار ہے اور اگر نرمی سے کہنے میں بھی فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس سے بھی احتراز کیا جائے، صرف اپنی عمل کو درست کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

۲۶/ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ (امدادالاحکام:۲/۴۱۱-۴۱۲)

دیہات میں نماز جمعہ:

سوال (۱) زید کہتا ہے میرے موضع فلاں میں جمعہ کی نماز جائز ہے؛ کیوں کہ یہاں مسلمان بھی کافی تعداد میں یعنی ڈیڑھ سو تک موجود رہتے ہیں اور نماز پانچ وقتی میں بھی دس گیارہ تک پہنچ جاتے ہیں اور اشیاء ضروریہ بھی ملتی ہیں؛ کیوں کہ یہاں بفضلہٖ تعالیٰ بعض اہل حرف بھی موجود ہیں، جیسے تمبولی، دھنیا، کمہار، چمار، بنیا، حلوائی، کنجڑا، بڑھی (جو بعض اوقات لوہاری کا کام بھی کرلیتا ہے)، سنار، حجام، تیلی، مالی رہتے ہیں۔

بکر کہتا ہے کہ یہاں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ شرائط نماز جمعہ میں سے مصر ہے اور مصر کی تعریفیں بہت سی ہیں، من جملہ اس کے: "**المصر موضع يندفع فيه حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعاما أوالكسوة الضرورية وأن يكون هناك أهل حرف**" ہے، اس پر بعض حضرات نے فتویٰ بھی دیا ہے؛ لیکن بعض لوگوں نے دوسری وجہ سے قدح کیا ہے، جیسا کہ مولانا مولوی بحر العلوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "رسائل الارکان" میں اور سب سے اچھی تعریف یہ ہے: "**المصر موضع يبلغ المقيمون فيه عدداً لاتسع أكبر مساجدهم**" اور یہی ہدایہ میں ہے اور شرح وقایہ میں بھی دوسری عبارت میں یہی ہے اور اس پر اکثر حنفیہ حضرات نے فتویٰ بھی دیا ہے، جیسا کہ مولانا بحر العلوم صاحب نے اپنی کتاب مذکور ہی میں اپنے قول "**أفتٰى به أكثر المشائخ**" کے ساتھ فرمایا ہے اور اس تعریف کی بنا پر نماز جمعہ واقعتاً جائز یہاں نہ ہوگی؛ کیوں کہ مقیم اتنے نہیں ہوتے ہیں کہ کسی مسجد سے فاضل ہوں؛ اس لیے کہ بعض موقع پر یہاں کے جمیع باشندے مسلمان جمع ہوتے ہیں؛ لیکن مسجد پر نہیں ہوتی۔ ہاں بچوں سے پُر ہوجاتی ہے تو کیا دونوں کا کہنا باطل ہے، یا صرف بکر کا اور بکر نے جو کہا وہ اپنے دل سے، یا واقعہ ہے اور واقعہ ہے تو کیا قول مرجوح ہے، یا قول راجح؟ یا جو کچھ زید نے کہا، وہ واہی ہے یا واقعی ہے، بہر صورت تحقیق مسئلہ فرما کر یہ فرمائیں کہ کس کا کہنا باطل ہے مع دلائل بحوالہ کتب فقہ حنفیہ ونقل عبارت؛ تاکہ خصم کے لیے حجت ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) دیہاتوں میں نماز جمعہ کے جواز وفرضیت میں علماء ہند صدیوں سے مختلف الخیال ہیں، عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ سلطان ہند کے زمانہ میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا۔

ملا جیون صاحب نے "تفسیرات احمدیہ" میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے علما کے تین گروہ ہیں:

ایک یہ ہے کہ ہر گاؤں میں نماز جمعہ کو جائز سمجھتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور لوگوں کو پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ جو دیہاتوں میں جمعہ اگر ہو تو خود پڑھتے ہیں؛ لیکن دیہاتوں میں پڑھنے کا عام حکم نہیں دیتے ہیں اور تیسرا گروہ وہ

ہے، جو دیہاتوں میں نماز جمعہ کو حرام کہتا ہے اور لوگوں کو منع کرتا ہے اور یہ تمام گروہ علماء احناف ہی کے ہیں۔(۱)

ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لیے بالغ مرد کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے قائل ہیں، صرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں تو پڑھنا چاہیے، ''حجۃ اللہ البالغۃ'' وغیرہ میں انہوں نے بوضاحت لکھا ہے۔(۲) عوام الناس کے لیے دلائل بیکار ہیں، اہل علم خود تحقیق کر سکتے ہیں، یا اگر استفتا کے ذریعہ سے مزید تحقیق مقصود ہو تو پھر دو بدو اطمینان سے گفتگو میں تحقیق ہوسکتی ہے، مراسلات سے انشراح قلب مشکل ہے، بہرحال اگر نماز جمعہ کسی دیہات میں ہوتی ہو اور کچھ لوگ نہیں پڑھتے ہوں تو ان پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور اختلاف شدید کر کے کوئی فتنہ فساد نہیں پیدا کرنا چاہیے۔ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا﴾ (۳) کو پیش نظر رکھ کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرنی چاہیے، ہماری جو کچھ رائے اس مسئلہ میں ہے، وہ میں نے لکھ دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۳۴۶/۱۱/۴ھ۔

(۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ موضع ملکی، ضلع پورنیہ جس کی آبادی تقریباً پچاس گھر کی ہے،

---

(۱) تفسیرات احمدیہ میں سورہ جمعہ کی تفسیر کی ذیل میں جو بحث ملاجیونؒ نے کی ہے، اس میں مذکور الصدر تفصیل نہیں، البتہ مصر کی تعریف کے بارے میں اختلاف اور حضور سلطان ضروری ہے، یا اذن سلطان کافی ہے؟ اس مسئلہ پر علماء کی رایوں کا اختلاف اور نتیجتاً عمل کے اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے۔

كـذلک يشترط لصحة أدائها ستة أخرى: المصر أو فناؤه والسلطان أو نائبه ... وقد طال الكلام فى زماننا بين أيدى الأنام فى وجدان الشرطين الأولين لأن فى معنى المصر اختلافا فقيل فيه أمير وفيه قاضٍ ينفذ الأحكام ويقيم الحدود و قيل ما لا يسع أكبر مساجده أهله، والمعنى الأول لا يوجد إلا نادرًا وإن كان المعنى الثانى المختار منهما يوجد فى أكثر المواضع وفى السلطان أو نائبه لا ندرى شرط الحضور أم يكفى الإذن وإن كان كلام صاحب الكشاف يشير إلى أنه يجب الإذن عند عدم الحضور، ولهذا افترقوا فرقا مختلفا فقليل منهم من تركوا الجمعة أصلا وطائفة اكتفوا بها فقط وبعضهم أدو الظهر فى منزلهم ثم سعوا إلى الجمعة وأكثرهم داموا على أدائها أولا علما منهم بأنها من أكبر شعائر الإسلام والتزموا بعدها أداء الظهر لكثرة الشكوک فى شأنها وغلبة الأوهام وإن كان لا يجوز الجمع بين الفرضين عند أهل الإسلام (التفسيرات الأحمدية، سورة الجمعة، ص: ٤٧٧، مكتبة أشرفية، ديوبند، انيس)

(۲) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے چالیس کی شرط نہیں لگائی ہے، البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اہل بادیہ پر جمعہ نہیں۔ ہاں اگر اتنے لوگ وہاں آباد ہوجائیں، جس کی وجہ سے اس پر قریہ کا اطلاق ہوسکے تو وہاں جمعہ واجب ہوگا، شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''(أقول): وذلک لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين فى البلد، وجب أن ينظر إلٰى تمدن وجماعة والأصح عندى أنه يكفى أقل ما يقال فيه: قرية لما روى من طرق شتى يقوى بعضها بعضا ''خمسة لا جمعة عليهم'' وعد منهم أهل البادية، قال صلى الله عليه وسلم: ''الجمعة على الخمسين رجلاً'' (أقول:) الخمسون يتقرى بهم قرية وقال صلى الله عليه وسلم: ''الجمعة واجبة علىٰ كل قرية. (حجة الله البالغة، باب الجمعة: ١١٥/٢، مجاهد)

(۳) سورة الجاثية: ١٥، انيس

ضرورت کی چیزوں کی لیے یہاں کے باشندے چارکوس دوڑتے ہیں تو ان کو بازار ملتاہے،جس سے خرید تے ہیں، ایسی بستی میں نماز جمعہ وعیدین برابر ہوتی ہے۔ یہ جائز ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۲) اس موضع میں جمعہ وعیدین اگر جاری ہے تو پڑھنا چاہیے؛ لیکن ضلع پورنیہ میں جو یہ دستور ہے کہ ایک بستی میں چندٹولے ہوتے ہیں اور ہرٹولہ میں نماز جمعہ ہوتی ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ بحسن وخوبی سمجھا کر نماز جمعہ ایک ہی جگہ بڑی جماعت سے پڑھی جائے ،اگر مسجد کے اندر گنجائش نہ ہوتو لوگ مسجد کے باہر پڑھیں،اسی طرح عیدین بھی یکجا ہوکر میدان میں پڑھیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ،۱۱/۵/۱۳۴۵ھ۔

(۳) ضلع گیا علاقہ رفیع گنج میں ایک بستی قاسمہ ہے، جوتقریباسوگھر کی آبادی پر مشتمل ہونے کے علاوہ لب دریا اورسڑک کے کنارہ پر واقع ہے، یہاں ڈاک خانہ اور بازار بھی ہے،ضروت کے مطابق چیزیں میسر آجاتی ہیں، بازار میں ایک مسجد ہے،جس میں عرصہ چھ سال سے جمعہ ہوتا ہے، دیگر مواضعات سے بھی کچھ لوگ آکر اس میں شریک ہوجاتے ہیں؛ اس لیے بعض ہمدردان قوم نے دیہات کی ابتر حالت دیکھ کراور جمعیت کی ضرورت سمجھ کر اس امر کی کوشش کی کہ آس پاس والے مواضعات سے بھی لوگ آکر نماز جمعہ میں شریک ہوں؛ تاکہ شیرازۂ اسلام محکم ومضبوط ہواور قرب وجار کے مسلمانوں میں ایک اتحادی قوت پیدا ہوجائے اور جو باہمی تنازعات ومناقشات ایک موضع کے مسلمان سے دوسرے موضع کے مسلمانوں میں ہیں، وہ بھی وعظ ونصائح کے ذریعہ بآسانی سلجھاکر ”والصلح خیر“ کی شاہراہ پرسب کولے آئیں، چناں چہ اس کے متعلق تقریریں کی گئیں اور قرب وجوار کے مسلمانوں کو نماز جمعہ میں شرکت کی دعوت دی گئی تو بعض ناعاقبت اندیش حضرات نے مسلمانوں کواس مصلحت آمیز جمعہ سے باز رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی اور کر رہے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ قاسمہ میں نماز جمعہ ناجائز ہے؛ اس لیے ہم اور ہمارے حلقۂ بگوش نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوسکتے اورحتی الامکان ہم اوروں کو بھی اس سے روکیں گے۔اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا واقعی موضع مذکور میں جمعہ ناجائز ہے؟ اور کیا یہاں کی جماعت مذکورہ بالا مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی ختم کردی جائے؟ اور جمعہ موقوف کردیا جائے؟ علمائے پھلواری شریف سے عموماً اور اعلیٰ حضرت حضرت امیرشریعت ثانی مدظلہ العالی سے خصوصاً استدعا ہے کہ اس کا جواب باصواب از روئے شرع شریف مفصل تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں اورسفینۂ اسلام کی موجودہ ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کراس کی ناخدائی فرماکر ڈوبتے ہوئے مسلمانوں کوساحل مرادتک پہونچائیں؟

(۱) جس طرح یہ فقہی مسائل عوامی نزاع اور فساد کی بنیاد بن گئے ہیں اوران مسائل کی بنیاد پر مار پیٹ، گروہ بندی، مقدمہ بازی، ہتک حرمت مسلم جیسے مفاسد پیدا ہورہے ہیں، ان کے پیش نظر اور ”الفتنة أشد من القتل“ کی حکمت شرعیہ کوسامنے رکھتے ہوئے حضرت مولاناؒ اس طرح کے مجتہد فیہ مسائل میں ایسے فتاویٰ دیتے تھے؛ تاکہ کسی بھی قیمت پران فروعی مسائل کی وجہ سے امت کا اجتماعی شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے۔مجاہد

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۳) صورت مذکورۃ الصدر میں بمقام قاسمہ مسجد میں نماز جمعہ محققین حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے اور میں بحیثیت قائم مقام امیر شریعت اجازت دیتا ہوں کہ مسلمانان قاسمہ ومسلمانان اطرف قاسمہ وہاں نماز جمعہ پڑھا کریں، اطراف کے وہاں تک کے لوگ آئیں، جو قریب تر ہوں اور جن کو آنے جانے میں سہولت ہو، ہماری اس تحریری اجازت کے بعداب کوئی ذی علم اختلاف نہیں کرے گا؛ کیوں کہ ان کو معلوم ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہا میں حکم حاکم اختلاف کو رفع کر دیتا ہے، جو حکم حاکم دیتا ہے، وہی سب کے لیے قابل عمل ہوتا ہے اور نماز جمعہ کی بابت تو خاص تصریح ہے کہ جب امیر کسی چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ قائم کردے تو سب کو پڑھنا چاہیے۔(۱) جو عالم دین اختلاف کریں، ان کو یہ دکھا دیا جائے، یا ہمارے پاس ان کو بھیج دیا جائے، ان شاءاللہ وہ سمجھ جائیں گے، ورنہ جس مقام کی بابت سوال ہے، وہاں تو بلا اختلاف جمعہ جائز ہے۔ بہر حال نماز جمعہ پڑھی جائے اور بعد نماز جمعہ تمام مصلّیوں سے اسلامی احوال اور قوت اور کفار کی شرارت وزور پر غور کیا جائے اور سب لوگ رہیں اور سب کو تاکید کی جائے کہ ہر شخص رہے اور نقیب سردار کو اطلاع دیتے رہیں۔ دفتر امارت شرعیہ میں بھی ہر واقعہ کی اطلاع دی جائے، گیا کے دفتر میں بھی اور کسی حال میں بھی آپس میں اختلاف وجھگڑا نہ ہونے دیں، جو لوگ جمعہ نہ پڑھیں، ان پر زبردستی نہ کی جائے اور جو عالم اختلاف کریں، ان کی شان میں بھی کوئی خلاف تہذیب بات نہ کہی جائے، ان سے کہا جائے کہ وہ مجھ سے آکر ملیں اور اپنی تشفی کرلیں، خط وکتابت میں زیادہ وقت صرف ہوگا۔ **هذا ما علمني ربي وهداني سواء السبيل فإليه الإنابة وعليه التعويل.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۲۰/۱۰/۱۳۴۴ھ۔

(۴) منڈل شاہی جہاں چالیس گھر مسلمانوں کی آبادی ہے، وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے، عیدین وجمعہ وہاں ہوتا ہے، مگر چکر دھر کے پیش امام مولوی افضال حسین صاحب یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہیں ہے، اب حضور کیا فرماتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۴) علماء حنفیہ کا اختلاف ہے، میرے نزدیک حق یہ ہے کہ چالیس گھر مسلمانوں کی مستقل آبادی جہاں ہو،

---

(۱) وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق قال أبو القاسم هٰذا بلاخلاف اذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة لأن هٰذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه وفيما ذكرنا اشارة الىٰ أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة ألا ترىٰ أن في الجواهر لوصلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر وهٰذا اذا لم يتصل به حكم فان في فتاوىٰ الديناري اذا بنىٰ مسجد في الرستاق بأمر الامام فهو أمر بالجمعة اتفاقا.(رد المحتار،باب الجمعة: ۱۳۸/۲،دارالفكر بيروت،انيس)

(قوله:واذا اتصل به الحكم،الخ) قد علمت أن عبارة القهستاني صريحة في أن مجرد الأمر رافع للخلاف بناء علىٰ أن مجرد أمره حكم.(رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۸/۲،دارالفكر،بيروت،انيس)

وہاں جمعہ وعیدین جائز ہے اور میں حکم دیتا ہوں کہ ایسی بستی میں جمعہ قائم کیا جائے، میرے اس حکم کے بعد علمائے حنفیہ کا اختلاف بھی اٹھ جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۲/۲۵/۱۳۴۴ھ۔

(۵)　تیس برس سے ہم لوگ اپنی بستی کی مسجد میں نماز جمعہ برابر پڑھا کرتے تھے، بہار شریف کے ایک مولانا نے آ کر کہا کہ یہاں نماز جمعہ ناجائز ہے؛ اس لیے لوگوں نے چھوڑ دیا، صرف ہم تین آدمی پڑھا کرتے ہیں، یہ نماز جائز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۵)　اگر آپ کی بستی میں مستقل آبادی ہو، چالیس کے انداز بالغ مسلمان مرد رہتے ہوں تو نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں، بالخصوص جب کہ وہاں نماز جمعہ برابر سے ہوتی آئی ہے، لہذا آپ لوگ پڑھیے اور جماعت کو بڑھایئے، اطراف سے بھی مسلمانوں کو بلا کر جماعت بڑھایئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۲/۲۵/۱۳۴۴ھ۔

(۶)　گزارش خدمت ہے کہ علما کا اختلاف قوم کی گمراہی، دین کی بربادی کے لیے کچھ کم نہیں ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج ہر دیہات میں جمعہ قائم ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کو اٹھا سکے؛ کیوں کہ ایک اٹھائے گا تو دوسرا اس کو قائم کرنے کے لیے تیار ہے، چناں چہ موضع اکٹیر میں بھی کچھ عرصہ سے جمعہ قائم ہے اور بعد قیام جمعہ بستی کی حالت بیان کر کے فتویٰ بھی منگائے گئے اور بالاتفاق سبھوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا؛ لیکن اس پر بھی لوگوں نے جمعہ قائم رکھا اور یہ ہمت اسی سبب سے ہوئی کہ بعض علما تشریف لائے اور بے چوں و چرا نماز جمعہ میں شریک ہوئے، ان کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں گئی؛ کیوں کہ جمعہ کے ساتھ ساتھ ظہر بھی ساقط نہیں ہوتا ہے تو میں نے ایک استفتا مدرسہ شمس الہدیٰ میں مولانا محمد سہول صاحب کی خدمت میں بھیجا، وہ استفتا یہ ہے:

(نقل استفتا) ایسے دیہات میں جمعہ قائم کرنا درست ہے، یا نہیں؟ جس میں مسلمانوں کی آبادی تیس گھر کی ہو اور ایک چھوٹی مسجد ہے، جس میں پانچوں وقت باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے، نمازی کی تعداد پنج گانہ میں دس پانچ اور جمعہ میں پندرہ سولہ رہتی ہے، اس کی ایک صف میں سولہ سترہ آدمی آسکتے ہیں، اس بستی میں تین دکانیں بھی ہیں، دونوں میں نمک مرچ (جو عموما دیہات میں دیہاتی ضرورتوں کے لیے ہوتی ہے) اور تیسری میں علاوہ ازیں غلہ بھی بکتا ہے، اگر جمعہ ایسی بستی میں درست نہیں ہے تو اٹھا دینا چاہیے، یا اس کے قائم رکھنے کی کوئی صورت ہے، اگر کوئی صورت ہو تو بحوالہ کتب حنفی تحریر فرمائیں؟

اس کا جواب یہ آیا (نقل جواب): ’’مذکورہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے، اٹھا دینا چاہیے۔ ہاں اگر اہل دیہات

جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ امیر شریعت صوبہ بہار کی خدمت میں دیہات کی آبادی وغیرہ بیان کر کے درخواست کریں، اگر وہ جمعہ قائم کرنے کا حکم دیں تو جمعہ جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔

وفی القهستانی :إذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق إذن بالجمعة اتفاقاً علیٰ ما قاله السرخسی. (۱)

قال الشامی تعلیقًا علیٰ قولهٖ (وفی القهستانی): وفیما ذکرنا إشارة إلیٰ أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب، کما فی المضمرات والظاهر أنه أرید به الکراهة لکراهة النفل بالجماعة ألا تریٰ أن فی الجواهر لو صلوا فی القریٰ لزمهم أداء الظهر وهٰذا إذا لم یتصل به حکم. (۲)

حررہ محمد ابراہیم احمد آبادی (فاضل)، الجواب صحیح: محمد سہول عفی عنہ۔ الجواب صحیح: اصغر حسین عفی عنہ الباری‘‘۔

اس جواب سے کامیابی نظر آنے لگی اور بہت مسرت ہوئی کہ گمراہوں کی ہدایت کی ایک راہ نکل آئی۔

اب حضور والا سے درخواست ہے کہ مسلمانوں کی حالت پر نظر کرتے ہوئے ان کے فساد کو صلاح اور خرابی کو خوبی، بربادی کو کامیابی بنانے کے لیے موضع اکٹیر میں جمعہ قائم رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے؛ تاکہ وہ عمر بھر کے ظہر سے سبکدوش ہو جائیں، ورنہ عمر بھر کا ظہر ان کے سر پر رہے گا۔

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۶)　موضع اکٹیر مذکور الصدور میں مشائخ وائمۂ حنفیہ کے اصول وفروع ومصالح امت کو پیش نظر رکھ کر اقامت جمعہ کی، میں بحیثیت نائب امیر شریعت اجازت دیتا ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد، ۲۱؍صفر ۱۳۴۷ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۶۲،۵۴/۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے دیہات میں نماز جمعہ کے جواز کا فتویٰ:

سوال:　موضع سرسہدہ میں ایک مسجد ہے، نمازیوں کی تعداد بحیثیت آبادی گویا قلیل ہے، یہاں کے سابق امراء نماز اور جماعت کے پابند تھے، وہ انتقال کر گئے، اب کے نوجوان جو قیام بھی یہاں کم رکھتے ہیں، ان کو مسجد میں نماز سے تعلق نہیں ہے؛ اس لیے نماز با جماعت پنجگانہ کی پابندی نہیں ہے؛ مگر نماز جمعہ کی ہوتی ہے، ایسی حالت میں یہاں نماز جمعہ پڑھی جائے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱)　دیہات میں جمعہ کی بابت جو فتویٰ امارت سے بارہا بھیجا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور بالغ مرد جماعت کے لئے کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہو سکتی ہے، چناں چہ حضرت شاہ ولی اللہ

---

(۱)　الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲)　رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس

محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں تو پڑھنا چاہیے،''حجۃ اللہ البالغہ ومسوّیٰ'' وغیرہ میں بوضاحت لکھا ہے۔(۱) بہر حال اگر نماز جمعہ کسی دیہات میں ہوتی ہو اور کچھ لوگ نہیں پڑھتے ہوں تو ان پر اصرار نہیں کرنا چاہیے؛ تاکہ فتنہ وفساد نہ پیدا ہو۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ،۲۶/۳/۱۳۴۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۶۲/۱-۶۳)

جمعہ کی نماز فرض ہے:

سوال(۱) جمعہ کی نماز فرض ہے، یا واجب؟ مع الدلیل تحریر فرمائیں۔

شہر کی تعریف کیا ہے:

(۲) شہر کی تعریف کیا ہے؟ اگر کسی گاؤں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو تو قائم رکھنا چاہیے، یا توڑ دینا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) جمعہ کی نماز فرض ہے،(۲) فرضیت قرآن سے ثابت ہے۔(۳) حدیث سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کی نماز شہر میں مرد عاقل بالغ آزاد پر فرض ہے،عورت بچے غلام پاگل پر فرض نہیں۔(۴)

(۲) شہر کی تعریف متقدمین کے نزدیک یہ ہے کہ جہاں مفتی،قاضی ہوں،مقدمات فیصل ہوتے ہوں،متأخرین کے نزدیک وہ بڑی آبادی بھی ہے، جہاں روزمرہ کے معمولی ضروریات زندگی کی تمام چیزیں مل جاتی ہوں،چھوٹی بستیوں میں جہاں چند آدمیوں کی جماعت ہوتی ہو،جمعہ پڑھنے سے فرضیت ظہر ساقط نہیں ہوگی۔(۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی،۸/۷/۱۳۴۹ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۳۵/۲)

---

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جمعہ کی بحث میں لکھا ہے کہ ایسی آبادی میں جمعہ ہوسکتا ہے جسے کم سے کم ''قریہ'' کہا جاسکے اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میرے نزدیک ''قریہ'' ہونے کے لئے کم سے کم پچاس افراد کا وہاں مقیم ہونا ضروری ہے: **والأصح عندی أنه یکفی أقل مایقال فیه قریة ... (أقول)الخمسون یتقری بهم قریة.(حجة اللّٰه البالغة،باب الجمعة:۱۱۵/۲،مکتبة حجاز دیوبند،مجاهد)**

(۲) **(هی فرض) عین (یکفر جاحدها) لثبوتها بالدلیل القطعة.(الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار،باب الجمعة:۱۳۶/۲، دارالفکر بیروت،انیس)**

(۳) **﴿یٰأیّها الّذِینَ آمَنُوا اِذَا نُودِیَ لِلصَّلاَة مِن یَّومِ الجُمُعَةِ فَاسعَوا اِلٰی ذِکرِ اللّٰهِ وَذَرُوا البَیعَ﴾(الجمعة:۹،انیس)**

(۴) **عن طارق بن شهاب قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الجمعة حق واجب علٰی کل مسلم فی جماعة إلا أربعة:عبد مملوک أو امرأة أو صبی أو مریض. (رواه أبو داؤد)(مشکوة المصابیح:۱۲۱/۱)(سنن أبی داؤد، باب الجمعة للمملوک والمرأة:۱۵۹/۱-۱۶۰، مکتبة حقانیة،قدیمی)**

(۵) **قال فی شرح المنیة:والحدّ الصحیح ما اختاره صاحب الهدایة أنه الذی له أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود ... فی التحفة عن أبی حنیفة أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علٰی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث.(ردالمحتار:۵/۳-۶)==**

چھوٹی بستی میں جمعہ:

سوال: (۱) موضع ساہی ۲۵رگھر مسلمانوں سے آباد ہے، جس میں موجودہ آدمیوں کی تعداد دس بارہ ہے۔
(۲) قبل دس، بارہ سال سے جمعہ کی نماز اس بستی میں ہوتی تھی۔
(۳) اس طرف قریب آٹھ، نو ماہ سے نماز جمعہ ترک ہے، جس کی وجہ نمازیوں کی کمی اور کبھی امام کی غیر حاضری۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

موضع ساہی میں جب کہ نماز جمعہ عرصہ سے متروک ہے تو پھر دوبارہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ ظہر کی نماز پڑھا کریں اور نمازی بنانے کی اور جماعت بڑھانے کی برابر کوشش کی جائے، چھوٹی بستی میں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۰/۸/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۴۹/۲)

بڑی بستی میں جمعہ:

سوال: موضع ڈمرانواں، بہار شریف سے چارکوس پر جانب مشرق واقع ہے، وہاں ایک ایسی مسجد پختہ ہے، جس میں بستی کے اگر کل مسلمان جمع ہوں تو گنجائش ہو جائے۔ ضروریات زندگی کی حسب ذیل چیزیں بلا پریشانی ہر وقت مل جاتی ہیں، مثلاً اشیاء خوردونوش، کپڑا و ادویات۔ بستی میں ڈاکخانہ ہے، چار دوکان بنیوں کی، دو دوکان حلوائی کی، تین دوکان تنبولیوں کی، تین دوکان درزیوں کی، چق، حجام، سبزی فروش، بڑھی، قصاب، کمہار آباد ہیں۔ ایک معمولی پرچون کی دوکان ہے، جس میں کپڑا بھی بکتا ہے، ایک سند یافتہ طبیب بھی ہیں، ان کا مطب بھی ہے۔ یہ بستی تقریباً ڈیڑھ میل مربع کے اندر آباد ہے، جس میں ہنود بھی آباد ہیں، مسلمانان ڈیڑھ سو گھر ہیں، جس میں تین سو مرد مسلمان بالغ آباد ہیں؛ مگر مستقل قیام اسّی مرد کا رہتا ہے، بقیہ باہر رہتے ہیں۔ اس بستی میں آج تک نماز جمعہ نہیں ہوئی ہے، نماز پنج گانہ مسجد میں ہوتی ہے، جس میں تقریباً دس آمیوں کی جماعت ہوتی ہے۔ پس ان سب صورتوں کے ہوتے ہوئے ایسی بستی میں نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اس بستی میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے اور مسلمانوں کو پڑھنا چاہیے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۹/۱۱/۱۳۴۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۴۹/۲-۲۵۰)

== وفيما ذكرنا اشارة الٰى أنه لاتجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما فى المضمرات. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۱) وفيما ذكرنا اشارة الى أنه لا تجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما فى المضمرات. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) وتقع فرضًا فى القصبات والقرىٰ الكبيرة التى فيها أسواق (ردالمحتار: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

جمعہ فی القریٰ کا مسئلہ:

سوال: جس دیہات میں سو گھر مسلمان ہوں اور چار پانچ اردو، فارسی، عربی جانتے ہوں، وہاں جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دیہات میں جمعہ پڑھنے کے متعلق اختلاف ہے، چھوٹے دیہات میں امام اعظم (ابوحنیفہ) رحمۃ اللہ علیہ نماز جمعہ کو جائز نہیں فرماتے۔آپ کی بستی میں اگر سو گھر مسلمان کے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں بھی ملتی ہیں تو وہاں نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۵۰) ☆

---

(۱) اصل یہ ہے کہ اہل بادیہ وہ آبادی ہے، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہتی ہے، ان کے لیے نماز جمعہ نہیں۔رہے وہ لوگ جو کسی بستی میں آباد ہیں اور وہ بستی ایک مستقل آبادی کی حیثیت رکھتی ہے انہیں ''قریہ'' کہا جاتا ہے، قریہ کی بھی دو صورتیں ہیں: قریۂ صغیرہ چھوٹی بستی، چھوٹا گاؤں، قریۂ کبیرہ، بڑی بستی، پھر آبادی زائد ہو اور وہاں ایک حد تک شہریت اور مرکزیت بھی پیدا ہوگئی ہو تو اسے قصبہ کہتے ہیں اور باضابطہ شہر ہو تو اسے مصر کہتے ہیں۔وجوب جمعہ کے سلسلہ میں سبھی ائمہ نے کوئی نہ کوئی قید لگائی ہے۔کسی نے مصر کی، کسی نے قریۂ کبیرہ کی، کسی نے تعداد مصلیین کی وغیرہ وغیرہ۔مصر کی تعریف میں بھی علما وفقہا کے الفاظ مختلف ہیں۔ان سب چیزوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر، یا قریہ اس طرح کی اصطلاحات کو عرف پر محمول کیا جانا چاہیے، جو مختلف زمانوں، مختلف مکان اور مختلف بلاد کے اعتبار سے متغیر ہوتا رہتا ہے۔پس جس مقام کو کسی علاقہ میں عرفاً شہر شمار کیا جاتا ہے، وہ مصر ہے اور جس کو بڑی بستی شمار کیا جاتا ہے، وہ قریۂ کبیرہ، یا قصبہ ہے اور جس کو چھوٹا گاؤں مانا جاتا ہے، وہ قریۂ صغیرہ ہے، وجوب اور جواز جمعہ کے لیے ایک درجہ مدنیت ضروری ہے۔مصر کی تعریفات میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، دراصل وہ علامات ہیں، ان تعریفات کو جامع مانع حد نہیں سمجھنا چاہیے۔اصول بھی یہی ہے کہ شرع نے اگر کوئی اصطلاح استعمال کی ہو اور اس کی تعریف خود بیان نہ کی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس لفظ کو یا تو اس کے لغوی معنی پر محمول کیا جائے، یا عرفی مفہوم پر۔بہر حال تمام اقوال اور تفصیلات کو سامنے رکھ کر قول فیصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصر وقصبات میں وجوب جمعہ میں کوئی شک نہیں۔اگر کوئی قریہ اس علاقہ کے عرف میں قریۂ کبیرہ شمار کیا جائے تو وہاں بھی جمعہ کی نماز ادا کی جائے اور بہر حال مسئلہ مجتہد فیہ ہے؛ اس لیے نہ دیہاتوں میں جمعہ پڑھنے پر جمعہ نہ پڑھنے والے اور جمعہ نہیں پڑھنے والوں پر جمعہ پڑھنے والے نکیر کریں اور نہ آپس میں فرقہ بندی کریں۔مجاہد

☆ **نماز جمعہ واجب ہونے کی شرطیں:**

(۱) مقیم ہونا، پس مسافر پر نمازِ جمعہ واجب نہیں۔

(۲) صحیح ہونا مریض پر نماز جمعہ واجب نہیں، جو مرض جامع مسجد تک پاپیادہ جانے سے مانع ہو، اسی کا اعتبار ہے، بڑھاپے کی وجہ سے اگر کوئی شخص کمزور ہوگیا ہو کہ مسجد تک نہ جاسکے، یا نابینا ہو، یہ سب لوگ مریض سمجھے جائیں گے اور نماز جمعہ ان پر واجب نہیں۔

(۵) جماعت کے ترک کرنے کے لیے جو عذر اوپر بیان ہو چکے ہیں، ان سے خالی ہونا، اگر ان عذروں میں سے کوئی عذر موجود ہو تو نماز جمعہ واجب نہ ہوگی، اگر کوئی شخص باوجود نہ پائے جانے ان شرطوں کے نماز جمعہ پڑھے تو نماز ہوجائے گی؛ یعنی ظہر کا فرض اس کے ذمہ سے اتر جائے گا، مثلاً کوئی مسافر، یا کوئی عورت نماز جمعہ پڑھے۔

جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں:

(۱) مصر؛ یعنی شہر یا قصبہ، پس گاؤں، یا جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں، البتہ جس گاؤں کی آبادی قصبہ کے برابر ہو، ==

عیدگاہ میں نماز جمعہ:

سوال: نماز جمعہ عیدگاہ میں پڑھ سکتے ہیں، یانہیں؟ اگرنہیں تو کیوں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نماز جمعہ ہراس مقام میں پڑھنا جائز ہے، جہاں داخلہ کی عام اجازت ہو؛اس لیے عیدگاہ میں بھی جائز ہے؛(۱) لیکن برابر پڑھنا خلاف سنت ہوگا؛ کیوں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ مسجد میں پڑھی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی،۱۲/۹/۱۳۷۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۵۲-۲۵۳)

مکان میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: کسی خاص آدمی کے مکان میں (جہاں ہرخاص وعام بلااذن پہونچ سکتے ہیں) جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جس جگہ کسی ایک شخص کوبھی نماز کے لیے جانے سے نہ روکا جائے،اس جگہ نماز جمعہ جائز ودرست ہے۔(۲) فقہ کی تمام کتابوں میں اس مسئلہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی،۲۷/۱۱/۱۳۷۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۵۳)

== مثلاً تین چار ہزار آدمی ہوں،وہاں جمعہ درست نہیں ہے۔

(۲) ظہر کا وقت،پس ظہر سے پہلے اور ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد نماز جمعہ درست نہیں،حتیٰ کہ اگرنماز جمعہ پڑھنے کی حالت میں وقت جاتا رہے تو نماز فاسد ہوجائے گی،اگرچہ قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد کے ہوچکا ہواوراسی وجہ سے نماز جمعہ قضا نہیں پڑھی جاتی۔

(۳) خطبہ؛یعنی لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔

(۴) خطبہ کا نماز سے پہلے ہونا اگرنماز کے بعد خطبہ پڑھا جائے تو نماز نہ ہوگی۔

(۵) خطبہ کا نماز ظہر کے اندر ہونا پس وقت کے آنے سے پہلے اگر خطبہ پڑھا جائے تو نماز نہ ہوگی۔

(۶) عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ پڑھنا،پس کسی خاص مقام میں چھپ کرنماز جمعہ پڑھنا درست نہیں،اگرکسی ایسے مقام میں نماز جمعہ پڑھی جائے،جہاں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو،یا جمعہ کو مسجد کے دروازے بند کرلیے جائیں تو نماز نہ ہوگی۔(ماخوذ:دین کی باتیں ازمولانا اشرف علی تھانویؒ)

(۱) (ویشترط لصحتها) سبعة أشياء ... (و)السابع (الاذن العام).(الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار،باب الجمعة:۲/۱۳۷-۱۵۱،دار الفکر بیروت،انیس)

(۲) اذن عام ضروری ہے؛مگرایک شہر،یا قصبہ میں ایک جگہ سے زائد جمعہ ہوتا ہوتو جائز ہے،انیس بشرطیکہ وجوب جمعہ کی دیگر شرطیں موجود ہوں۔[مجاہد]

(ویشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: (المصر) ... (و) السابع (الاذن العام).(الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار،باب الجمعة:۲/۱۳۷-۱۵۱،دار الفکر بیروت، انیس)

چھوٹی اور بڑی بستی میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: آدھ میل کی دوری پر دو بستیاں ہیں اور دونوں بستیوں میں مسجد کی دیوار پختہ ہے، ازیں قبل ایک ہی مسجد میں دونوں بستیوں کے لوگ نماز جمعہ ادا کرتے تھے، اب لوگوں کی بھی آبادی کثیر ہوگئی ہے اور لوگ دوسری بستی میں بھی نماز جمعہ ادا کرنے لگے ہیں، ایک مقامی عالم ناجائز بتاتے ہیں اور ایک دوسرے مقامی عالم اس کو جائز بتاتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر بستی چھوٹی اور دیہات ہے تو نہ یہاں جمعہ ہے اور نہ وہاں۔ ایسی چھوٹی بستیوں میں ظہر ادا کرنی چاہیے اور اگر دونوں بستیاں ''قریۂ کبیرہ'' شمار ہوتی ہیں اور وہاں کچھ شہریت کے آثار ہیں تو وہاں جمعہ درست ہے اور دونوں جگہ جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہد الاسلام القاسمی، ۱۰ر شوال ۱۳۹۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۹۸/۲)

جیل خانہ میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: جیل خانہ، یا فیکٹری وغیرہ میں نماز جمعہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جیل خانہ، یا فیکٹری میں نماز جمعہ کی ادائیگی صحیح ہے، یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علما کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض علما جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک نماز جمعہ کی ادائیگی صحیح ہوگی اور بعض کے نزدیک صحیح نہیں ہوگی، جو لوگ عدم صحت کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ صحت ادائیگی جمعہ کے لیے ''اذن عام'' شرط ہے، جو جیل خانہ، یا فیکٹری میں نہیں پائی جاتی ہے اور جو لوگ صحت جمعہ کے قائل ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ''اذن عام'' کی شرط اس وقت ہے، جب کہ پورے شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ قائم ہو، وہاں پر اگر اذن عام نہ ہو تو کچھ لوگوں کی نماز فوت ہو جائے گی؛ لیکن اگر کسی شہر میں مختلف جگہ جمعہ کی نماز قائم ہو تو وہاں پر ''اذن عام'' شرط نہ ہوگا؛ اس لیے کہ وہاں پر دوسری جگہ جا کر جمعہ کی نماز پڑھ لینا ممکن ہے، جس سے تفویت جمعہ لازم نہیں آئے گی۔ علامہ شامی کی عبارت سے یہ مسئلہ بالکل منقح ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو، شامی کی عبارت: ''**قلت وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعدّدت فلا، لأنه لا يتحقق التفويت، كما أفاده التعليل، تأمل**''. (۲)

---

(۱) اگر جمعہ پہلے سے ہو رہا ہے تو بند نہ کیا جائے، نماز جمعہ ادا ہو جائے گی۔ انیس

وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق ... ذكرنا إشارة إلىٰ أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كمافي المضمرات. (ردالمختار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دارالفكر بيروت، انيس)

(۲) ردالمحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب في شروط وجوب الجمعة: ۱۵۲/۲، دارالفكر بيروت، انيس

نیز جیل خانہ، یا فیکٹری کا دروازہ بند کرنے کا مقصد دشمن کو اندر داخل ہونے، یا قیدی کو نکل کر بھاگنے سے روکنا ہوتا ہے، نہ کہ نمازیوں کو نماز سے روکنا اور مذکورہ مقصد کے لیے دروازہ کا بند ہونا صحت ادائیگی جمعہ کے لیے مضر نہیں ہے، جیسا کہ صاحب درمختار اور علامہ شامی دونوں نے اس کی وضاحت کی ہے۔(۱)

مفتی ظفیر الدین صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ جیل خانہ میں، یا فیکٹری میں نماز جمعہ پڑھ لی جائے تو نماز صحیح ہوگی۔فتاوی دارالعلوم جلد پنجم، باب العیدین: ۲۱۱/۵ پر بہت اچھی بحث کی ہے، ملاحظہ کرلیا جائے۔(۲)

احقر کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ اگر جیل خانہ، یا فیکٹری میں جمعہ کی نماز ادا کرلی جائے تو نماز شرعاً صحیح و درست ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۲۷/۱۰/۱۴۱۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۹۸/۲-۵۰۰)

شہر سے متصل فیکٹری کے میدان میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: بی، اے، آر، سی نام کی ایک کمپنی ہے، مذکورہ کمپنی میں تقریباً ۲۰/ہزار آدمی کام کرتے ہیں، جن میں سے چالیس، یا پچاس مسلمان ہیں، نیز یہ کمپنی شہر میں نہیں؛ بلکہ شہر کے متصل ہے۔شب و روز کمپنی میں کام ہوتا ہے، جو لوگ صبح کو کام کرنے کے لیے جاتے ہیں، وہ شام کو آجاتے ہیں اور جو شام کو جاتے ہیں، وہ صبح آجاتے ہیں۔مذکورہ کمپنی میں مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے ایک میدان متعین کرلیا ہے، حالاں کہ اس جگہ پر پنج وقتہ نماز ادا نہیں کی جاتی ہے، صرف نماز جمعہ کمپنی میں کام کرنے والے مسلمان جمع ہوکر ادا کرتے ہیں تو کیا مذکورہ صورت میں مذکورہ مقام پر نماز جمعہ ادا ہوجائے گی۔نیز اگر جمعہ ادا نہیں ہوا تو ایسی جگہ پر نماز پڑھنے والوں کے ذمہ اس دن کی ظہر کی نماز باقی رہے گی، یا ظہر کی نماز ساقط ہوجائے گی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جمعہ کی نماز مصر، فناء مصر، قصبہ اور قریۂ کبیرہ (بڑی بستی) میں شرعاً صحیح و درست ہے اور چھوٹی بستی میں نماز جمعہ عندالاحناف صحیح نہیں۔

’’وتقع فرضًا فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق ... وفیما ذکرنا إشارة إلٰی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب، کما فی المضمرات‘‘.(۳)

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة، قبیل مطلب فی شروط وجوب الجمعة: ۱۵۲/۲، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) ’’اذن عام‘‘ کی شرط چوں کہ نہیں پائی جاتی ہے؛ اس لیے بعض لوگوں کو رجحان عدم جواز ہے؛ لیکن خاکسار کا ذاتی رجحان جواز کی طرف ہے، موجودہ دورہ میں جب کہ ایک شہر میں تعدد جمعہ کے جواز پر فتوی اور عمل دونوں ہے، ’’اذن عام‘‘ کی شرط محض لغو ہے۔درمختار اور شامی میں جو بحث مذکور ہے، اس سے بھی جواز ہی ثابت ہوتا ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیو بند: ۲۱۱/۵)

(۳) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس

علماوفقہا کی تصریحات اس باب میں موجود ہیں کہ مصر، قصبہ، قریۂ کبیرہ اور قریۂ صغیرہ کی تعریف عرف پر مبنی ہے، جہاں جس جگہ کو مصر کہتے ہوں، وہ مصر ہے، قصبہ کہتے ہوں قصبہ ہے، قریۂ کبیرہ کہتے ہوں قریۂ کبیرہ ہے، جس کو قریۂ صغیرہ سمجھتے ہوں، وہ قریۂ صغیرہ ہے۔ حضرت مولانا مجاہدالاسلام صاحب قاسمی قاضی شریعت بہار واڑیسہ نے اپنی کتاب ''چنداہم فقہی مسائل بدلتے ہوئے حالات میں'' بڑی تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہی ہے کہ فناء مصر اس جگہ کو کہتے ہیں، جو شہر کے مصالح اور ضروریات کے لیے تیار کی گئی ہوں، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان، فوجی کیمپ اور آج کے زمانہ میں ایرپورٹ اور بس اسٹینڈ وغیرہ۔

''المعد لمصالح المصر، فقد نص الأئمة علٰی أن الفناء ما أعد لدفن الموتٰی وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمٰی وغيرذلك''. (۱)

آپ کے سوال میں یہ لکھا گیا ہے کہ یہ کمپنی شہر سے متصل ہے اور شب وروز اس میں ہزاروں آدمی کام کرتے ہیں، اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کمپنی ایسی جگہ قائم ہے، جو شہر سے ملحق ہے اور فناء مصر کا درجہ رکھتی ہے؛ اس لیے اس میں جمعہ کی نماز شرعاً صحیح ودرست ہے اور سب کے ذمہ سے فرض ساقط ہوجاتا ہے اور اگر یہ کمپنی شہر سے دور کسی چھوٹے گاؤں میں واقع ہے تو اصولاً ایسی جگہ جمعہ قائم نہیں کیا جانا چاہیے؛ لیکن علما وفقہا نے یہ صراحت کردی ہے کہ جس جگہ وجوب جمعہ کے شرائط نہیں پائے جاتے ہوں، اگر وہاں جمعہ زمانۂ قدیم سے قائم ہو اور اس کو روکنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو روکنا نہیں چاہیے، چوں کہ وہ لوگ فرض سمجھ کر پڑھتے ہیں؛ اس لیے ان کے ذمہ سے فرض ساقط ہوجائے گا اور ایسی صورت میں مذہب غیر پر عمل کرلینا جائز ہوگا۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ''کفایت المفتی''، میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد لازمہ عمل بمذہب الغیر کے لیے وجہ جواز ہیں''۔ (کفایت المفتی: ۱۹۳/۳)

لہٰذا مذکورہ کمپنی اگر کسی چھوٹے گاؤں میں واقع ہے؛ لیکن جمعہ کچھ عرصہ سے قائم ہے اور اس کو روکنے میں باہمی اختلاف وفساد کا اندیشہ بھی ہے، تب بھی اس کو روکا نہ جائے، حسب تصریحات علما وفقہا ان شا اللہ تعالیٰ ان کے ذمہ سے بھی فرض ساقط ہوجائے گا۔ واضح رہے کہ صحت جمعہ کے لیے مسجد اور نماز پنجگانہ قائم ہونا شرط نہیں ہے، میدان میں بھی ضرورۃً جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۰/محرم ۱۴۱۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۵۰۰/۲-۵۰۱)

گاؤں میں نماز جمعہ:

سوال: ہم ایسے گاؤں میں رہتے ہیں، جس میں نہ بازار ہے، نہ کوچے ہیں، نہ اسٹیشن ہے اور نہ وہاں کوئی عدالت ہے، ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں جائز ہے تو یہاں جمعۃ الوداع اور عید جائز ہے، یا نہیں؟

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب فی صحة الجمعة: ۱۳۹/۲، دارالفكر بيروت، انيس

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ایسے گاؤں میں جہاں نہ بازار ہے، نہ کوچے ہیں، نہ وہاں کوئی عدالت ہے، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، حنفیہ کے نزدیک وہاں جمعہ درست نہیں؛ کیوں کہ جمعہ کے ادا کے لیے مصر شرط ہے، قریہ میں جمعہ ادا نہیں ہوتا اور نہ ظہر ذمہ سے ساقط ہوتی ہے، اگر زمانہ قدیم سے وہاں جمعہ ہوتا آرہا ہے تو خیر، ورنہ نئے طریقہ پر جمعہ قائم نہ کریں، حنفیہ کی حجت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مشہور اثر ہے: ”**عن علی رضی اللّٰہ عنه قال: لاجمعة ولا تشریق ولاصلاۃ فطر ولا أضحٰی إلاّ فی مصر جامع أومدینة عظیمة**“۔(۱)

جب جمعہ درست نہیں تو جمعۃ الوداع اور عید کا بھی وہی حکم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹/جمادی الاخری ۱۳۸۹ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۵۰۲)

کیمپ میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: میں دوسال سے سعودی عرب میں ملازمت کے سلسلہ میں مقیم ہوں، جہاں ہم لوگ رہتے ہیں، قریب میں کوئی آبادی نہیں ہے، صرف ملازمت پیشہ لوگ کمپنی کے کیمپ میں رہتے ہیں، اس کیمپ میں ہندوستانی، پاکستانی، مصری، سوڈانی مسلمانوں کی تعداد تقریباً چارسو ہوگی، کیمپ کے اندر مسجد اور دوسری تمام سہولتیں ہیں، مسجد میں لوگ پنج وقتہ نماز ادا کرتے ہیں، جمعہ کے دن دوسرے سعودی لوگ بھی یہاں آکر نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ ہم لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہوتی اور دوسری نماز بھی قصر کرکے پڑھا کریں۔کیا یہ درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

حضرت امام ابوحنیفہ کے مسلک میں جمعہ کے واجب ہونے کے لیے جہاں اور شرطیں ہیں، وہاں ایک شرط یہ بھی ہے کہ مصر، یا فناء مصر ہو، گاؤں جو چھوٹا ہو، اسی طرح جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں، ظہر پڑھنا ضروری ہے۔(۲)

مذکورہ صورت میں چوں کہ آپ حضرات کا کیمپ آبادی سے کافی دور ہے اور قریب میں کوئی آبادی بھی نہیں ہے، اس لیے امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق آپ لوگوں پر وہاں جمعہ فرض نہیں، البتہ آپ لوگوں کا ارادہ وہاں پندرہ دن، یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ہو تو نماز قصر نہیں کرسکتے، پوری نماز ادا کرنی ہوگی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۶/۱/۱۴۰۴ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۵۰۲-۵۰۳)

---

(۱) مصنف ابن أبی شیبة، من قال: لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع، رقم الحدیث: ۵۰۵۹، انیس
لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر. (فتح القدر: ۲/۴۵۷، سلسلة الأحادیث الضعیفة، ص: ۹۱۷)
لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا أضحی. (نصب الرأیة: ۲/۱۹۵، مؤسسة الریان، انیس)

(۲) (ویشترط لصحتها) سبعة أشیاء: الأول: (المصر) ... (أو فناؤه). (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷-۱۳۸، دارالفکر بیروت، انیس)

(۳) (من خرج من عمارة موضع إقامته)... (قاصداً)... (مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها)... (حتی یدخل موضع مقامه) ==

جمعہ کے دن عید آجائے تو بھی جمعہ ساقط نہیں ہوگا:

سوال: اگر جمعہ کے دن عید آجائے تو جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، انہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگر عید اور جمعہ دونوں ایک دن جمع ہو جائیں تو عید کے ساتھ ساتھ جمعہ کی نماز بھی واجب الادا ہے، جن روایات سے جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت معلوم ہوتی ہے، ان کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ رخصت دیہات والوں کے لیے تھی، جن لوگوں پر جمعہ واجب ہی نہیں تھا، مدینہ والوں کے لیے یہ رخصت نہیں تھی، چناں چہ حضرت عثمان غنیؓ کے اثر سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، حضرت عثمان غنیؓ نے عید کے دن لوگوں سے خطاب فرمایا کہ اے لوگو! آج کے دن تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہو گئیں تو دیہات والوں میں سے جو لوگ جمعہ تک یہاں ٹھہرنا چاہیں، وہ ٹھہر سکتے ہیں (اور جمعہ پڑھ سکتے ہیں) اور جو لوگ اپنے گھر جانا چاہیں، وہ جا سکتے ہیں، میری طرف سے اجازت ہے۔(۱)

دوسرا جواب یہ ہے کہ زید بن ارقمؓ کی روایت میں (جس سے قائلین رخصت استدلال کرتے ہیں) ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے، چناں چہ علامہ زیلعی اور مصنف عبدالرزاق نے ابن المنذر اور ابن القطان اور ذھبی نے میزان میں کہا ہے کہ ایاس بن ابی رملہ مجہول راوی ہے؛ اس لیے یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔(دیکھئے: بذل المجہود)(۲)

لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ جمعہ کا پڑھنا واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۹/۳/۱۴۱۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۵۰۳-۵۰۴) ☆

== ... (أو ينوى) ... (إقامة نصف شهر). (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۵، دار الفكر بيروت، انيس)

(۱) فقال أبو عبيد ثم شهدت مع عثمان بن عفان وكان ذلک يوم الجمعة فصلى قبل الخطبة ثم خطب فقال يا أيها الناس أن هذا يوم قد اجتمع لكم فيه عيدان فمن أحب أن ينتظر الجمعة من أهل العوالى فلينتظر ومن أحب أن يرجع فقد أذنت له. (الصحيح للبخارى، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحى وما يتزود منها: ۲/۸۳۵، قديمى)

(۲) وقال ابن المنذر: مجهول، قال ابن القطان: هو كما قال ... قال الذهبى فى الميزان فى ترجمة أياس بن أبى رملة فى حديث زيد بن أرقم حين سأله معاوية قال ابن المنذر: لا يثبت هذا فإن أياساً مجهول". (بذل المجهود، أبواب الجمعة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد: ۶/۵۴)

☆ **چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا حکم:**

سوال: چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

چھوٹے گاؤں جن کی آبادی تقریباً ڈھائی تین ہزار سے کم ہو، ان میں جمعہ کسی طرح جائز نہیں۔ ==

بڑے گاؤں میں جمعہ اور فناء کا حکم:

سوال: صلوٰۃ جمعہ قریۂ کبیرہ میں جائز ہے، یانہیں؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے اور فنا میں بھی جائز ہے، یا نہیں؟ اورآس پاس کے چھوٹے مواضعات فناء مصر میں داخل ہیں، یانہیں؟

الجواب

بڑے گاؤں میں جمعہ جائز ہےاوراس کے فنا میں بھی؛لیکن اس کے آس پاس جو چھوٹے گاؤں ہیں، وہ اس بڑے گاؤں کے فنا میں داخل نہیں؛ بلکہ جداگانہ بستیاں ہیں؛اس لیے وہاں جمعہ جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ فناء مصر وہ جگہ کہلاتی ہے، جو مصالح مصر مثل عیدگاہ، یا جانوروں کی چراگاہ وغیرہ کے لیے چھوڑی جاتی ہے، دوسری بستیاں فنا نہیں کہلا سکتی اور بڑے گاؤں اور قصبات میں جمعہ کا جواز اسی بات پر مبنی ہے کہ وہ مصر کے حکم میں ہیں اور تعریف مشہور بڑے گاؤں کی یہ ہے کہ جس میں بازار اور گلی کوچے ہوں اور تمام ضروریات ہمیشہ وہاں ملتی ہوں۔

ویدل علیٰ ما قلنا ما فی الشامی عند القهستاني:"وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق".(۱)

وفی الدر المختار:"(وهو) یعنی الفناء ماحوله ... (لأجل مصالحه) کدفن الموتیٰ ورکض الخیل".(ردالمحتار: ۱/ ۵۳۷)(۲)واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین:۲/۳۳۷)

چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں:

سوال: ایک مولوی صاحب واعظ اپنے وعظ میں اعلان فرماتے ہیں کہ جمعہ فقط انہیں لوگوں پر فرض اور واجب ہے کہ جس جگہ جمعہ ہوتا ہےاور جس جگہ جمعہ نہیں ہوتا ہے، نہ اذان جمعہ، ان لوگوں پر فرض، نہ واجب جمعہ سوائے قصبوں شہروں کے جائز نہیں ہےاور جو دیہات شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر ہیں، وہاں جمعہ کے اذان کی آواز نہ آتی ہے، جمعہ فرض نہیں ہے۔آیا یہ درست ہے، یانہیں؟

الجواب

مولوی صاحب نے واعظ صحیح فرمایا، چھوٹے گاؤں والوں پر جمعہ فرض وواجب نہیں؛ بلکہ صرف اس جگہ کے باشندوں پر فرض ہے، جہاں جمعہ ہوسکتا ہے۔(کذا فی عامة کتب الحنفیة)(امداد المفتین: ۲/۳۳۸)☆

== جمعہ کے روز آپ کو ایسے گاؤں سے باہر چلے جانا مصلحت ہےاوراگر رہنا کسی وجہ سے ضروری ہواور عدم شرکت میں کسی سخت فتنہ کا ڈر ہو اجس کو آپ برداشت نہ کرسکیں تو پھر شرکت کرلینا جائز ہے۔(افتاء علی مذہب الشافعی) لیکن اس صورت میں آپ کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کرنا چاہیے؛ تاکہ امام شافعی کے مذہب کے موافق جمعہ صحیح ہوجائے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (امداد المفتین:۲/۳۳۷)

(۱) رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۸/۲،دار الفکر بیروت،انیس

(۲) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۸/۲-۱۳۹،دار الفکر بیروت،انیس ==

گاؤں میں جمعہ کے متعلق حضرت نانوتویؒ کا ایک مکتوب اوراس کی وضاحت:

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حضرت مولانا موصوف قدس سرہم کا مکتوب گرامی بزبان فارسی در بارہ بعض احکام جمعہ فیوض قاسمی میں طبع ہوا تھا، جس کو بعض حضرات نے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کر دیا ہے، اس مکتوب کے بعض الفاظ

==☆ گاؤں میں جواز جمعہ کے لئے وعظ کا حیلہ قابل التفات نہیں:

سوال: موضع کمہڑہ کی آبادی مع ہندو مسلم ۱۳۷۳ر آدمی کی ہے۔نصف مسلمان اور نصف ہندو ہیں، پانچ دکانیں پرچون اور حلوائی کی ہیں، جس پر نمک مرچ وغیرہ بھی مل سکتا ہے اور بزازوں پنساری کی کوئی دکان نہیں، نہ ضروریات دستیاب ہوتیں ہیں اور دو مسجد اور عیدگاہ ہے، جو عرصہ پینتیس ۳۵ر سال سے ایک ویران مسجد کی بنائی ہے ونیز نماز عیدین اس میں پڑھتے ہیں اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ یہ موضع کسی وقت بڑا شہر تھا، بعض جگہ سرائے کے نام سے مشہور ہیں اور اب سوائے نام کے کوئی نشان باقی نہیں؛ بلکہ وہاں پر کاشت ہوتی ہے اور عرف میں بھی قریۂ صغیرہ کہا جاتا ہے اور موضع مذکور کے لیے جانب شمال موضع پتوڑہ بفاصلہ سوا میل واقع ہے، جو قریۂ کبیر ہے، وہاں پر نماز جمعہ وعیدین پڑھی جاتی ہے اور جنوبی اور شرقی وشہ میں موضع ڈھانسری فاصلہ ایک میل پر آباد ہے، جو قریۂ مستقلہ ہے اور مردم شماری چودہ سو آدمیوں کی ہے، چوتھائی مسلمان، باقی ہندو اور ہر ایک موضع میں کمہڑہ وڈھانسری کی اذان کی دوسرے میں پہونچ جاتی ہے تو اس صورت میں ہر دو موضع واحد کے حکم میں ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟ پہلے جمعہ ہوا کرتا تھا، مولوی محمد فاروق صاحب سلہڑی نے بالجبر نماز جمعہ بند کرادی ہے؛ لیکن پھر دو ماہ ہوئے کہ مولوی صاحب موصوف نے پھر نماز پڑھی ہے موضع مذکور میں اور کہتے ہیں کہ جمعہ کی وجہ سے نمازی زائد ہو جاتے ہیں اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے کچھ روپیہ بطور رشوت لے لیا ہے۔امید ہے کہ جواب سے مطلع کریں گے، آیا ان دونوں موضعوں میں جب کہ بزاز اور پنساری کوئی موجود نہیں، نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ عندالحنفیہ ایسے موضع میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب پر نماز جمعہ شہروں اور قصبات ہی میں ادا ہو سکتی ہے اور ایسے بڑے گاؤں جو مثل قصبات کے ہوں، ان میں بھی جائز ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے۔اس کے علاوہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہرگز جائز نہیں اور کسی کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ لوگ اس بہانہ سے نماز پڑھ لیتے ہیں، مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور میں حدود مذہب کے اندر لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرنا چاہیے اور اگر وہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں، جو شرعاً جائز نہ ہو تو ایسے اجتماع ہی سے کیا فائدہ ہے؟ جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی تو پھر ایسی نماز کے لیے اگر جمع بھی ہو گئے اور پڑھ بھی لی تو کیا فائدہ؟ اس لیے مسلمانوں کو تو فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خدا کا خوف ہے، وہ پھر بھی پڑھے گا اور جو بدقسمت نہ پڑھے تو اس کا فکر کسی کے ذمہ نہیں وہ اپنی قبر کا خود مان کرے گا۔دوسری بات یہ ہے کہ موضع کمہڑہ اور ڈھانسری دونوں علاحدہ علاحدہ گاؤں ہیں، ایک بستی کے حکم میں نہیں ہو سکتے، لہٰذا دونوں میں جمعہ جائز نہیں۔اگرچہ موضع کمہڑہ کسی وقت میں بڑا شہر تھا؛ لیکن اب تو حالت موجودہ کا اعتبار ہوگا۔ان میں دونوں گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور جو لوگ پڑھتے ہیں، ان کے ذمہ فریضہ ظہر باقی رہتا ہے، اگر ظہر ادا نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور جمعہ ادا کرنا بھی ایسے گاؤں میں خود گناہ ہے؛ کیوں کہ جب ظہر کی نیت نہیں اور جمعہ واجب نہیں تو یہ نماز نفل ہوگی اور نفلوں کا جماعت سے ادا کرنا اور دن میں جہری قرأت کرنا ناجائز ہے اور اگر کوئی بعد جمعہ پڑھ کر احتیاط الظہر پڑھے تو یہ بھی ایسے گاؤں میں بالکل ناجائز ہے؛ کیوں کہ جمعہ تو ادا نہ ہوا اور احتیاط الظہر میں ظہر کی نیت مشکوک ہوتی ہے؛ اس لیے ظہر بھی ادا نہ ہوگی، البتہ اگر کوئی یقینی طور پر یہی نیت کرے کہ فرض ظہر میرے ذمہ ہیں اور میں اس کو ادا کرتا ہوں تو نماز ظہر درست ہو جائے گی؛ لیکن ظہر سے پہلے جو جمعہ پڑھا ہے، اس کا گناہ اس کے ذمہ باقی رہے گا اور جب کہ جمعہ وہاں جائز نہیں تو تبلیغ عدم جواز کرتے رہنا ضروری ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

(امداد المفتین: ۳۳۸/۲-۳۳۹)

سے بعض عوام کو حنفیہ کے متفق علیہ مذہب کے خلاف اس کا شبہ ہوگیا کہ ہر چھوٹے اور بڑے گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے؛اس لیےاس کی توضیح کی ضرورت ہوئی ہے؛ تاکہ حنفی مسلمان اس سے شک میں نہ پڑ جائیں۔واللہ الموفق

پہلے یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ ادائے جمعہ کے لیے مصر کی شرط حنفیہ کے تمام ائمہ اور فقہا کے نزدیک متفق علیہ ہے،کسی حنفی امام وفقیہ کواس میں کلام نہیں۔امام اعظم ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ اورامام محمدؒ اور تمام فقہائے حنفیہ کی تصریحات ہیں کہ ادائے جمعہ کے لیے مصر شرط ہے،صحابہ وتابعین میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حذیفہؓ،عطاءؒ اور حسن بن الحسن،ابراہیم نخعی،مجاہد،محمد بن سیرین اور سفیان ثوری کا بھی یہی مذہب ہے۔(كذافي الشرح الكبير للمنية: ٤٦٥)

اورشمس الائمہ نے مبسوط میں فرمایاہے کہ حضرات صحابہؓ نے جب بلادعرب وعجم کو فتح کیا ہےتو کہیں منقول نہیں کہ کسی گاؤں میں کوئی جامع مسجد بنائی ہو،یا منبر قائم کیا ہو؛ بلکہ یہ کام صرف شہروں کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات بھی اس پر متفق تھے کہ ادائے جمعہ کے لیے مصر شرط ہے۔(كذا في المبسوط: ٢٣/١)

ہدایہ اوراس کی شروح فتح القدیر،عنایہ،کفایہ،عینی وغیرہ اور کنز اوراس کی شروح بحر،نہر،عینی،مستخلص وغیرہ،قدوری اوراس کی شروح جوہر،منیرہ وغیرہ،منیہ اوراس کی شروح صغیری وکبیری وغیرہ،شرح وقایہ اوراس کی حواشی سعایہ،عمدہ،چلپی وغیرہ،نورالایضاح اوراس کی شروح وحواشی،مراقی الفلاح،طحطاوی وغیرہ،درمختار اوراس کی شروح شامی،طحطاوی وغیرہ،خلاصۃ الفتاوی،قاضی خان،عالمگیری،دررالاحکام،بدائع الصنائع وغیرہ جو حنفیہ کے مذہب کی صحیح اور نہایت معتمد ومعتبر ترجمان ہیں،سب کی سب اس شرط پر متفق ہیں اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں اوران اساطین امت اورائمہ حنفیہ کی تصریحات کے بعد اگر بالفرض کسی حنفی المذہب عالم محقق کی تحقیق ان سب حضرات کے خلاف بھی واقع ہو کہ یہ شرط ضروری نہیں،تب بھی از روئے عقل ونقل حنفی المذہب مسلمانوں کا فرض یہی ہوگا کہ ان عالم محقق کی تحقیق کا احترام باقی رکھتے ہوئے ان کی طرف سے تاویل کریں اور عمل میں جمہور فقہا کا اتباع کریں؛ کیوں کہ یہی دستورامت کے سنجیدہ حضرات اہل سنت والجماعۃ کا ہے کہ اتباع ہمیشہ جمہور کا کیا جاتا ہے اوراگر کسی بزرگ سے کوئی کلمہ ان کے خلاف ثابت بھی ہو،اس کی تاویل کی جاتی ہے اورتاویل بھی نہ ہوسکے تو سکوت کیا جاتا ہے۔تمام علماء امت کا سلفاً وخلفاً یہی معمول رہا ہے۔علامہ محقق شیخ ابن ہمامؒ صاحب فتح القدیر شرح ہدایہ حنفیہ کے ایک نہایت محقق امام ہیں،جن کی جلالت قدر سے کوئی حنفی،یا غیر حنفی انکار نہیں کرسکتا اور جن کے احسانات علمیہ سے تمام حنفیہ متاخرین کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں،لیکن باین ہمہ جب ان کی کوئی تحقیق جمہور حنفیہ کے خلاف واقع ہوئی ہے تو کوئی حنفی ان کی اقتدا اس مسئلہ میں نہیں کرتا اوراسی لیے مسلمہ امر ہے کہ تفردات ابن ہمام مقبول نہیں۔صاحب ہدایہ کو اگر چہ اصحاب ترجیح میں سے مانا گیا ہے اورفقہائے حنفیہ میں نہایت اونچا مرتبہ رکھتے ہیں؛ لیکن بہت سے موضع میں ان کے قول کو تمام حنفیہ نے بوجہ مخالفت جمہور ترک کردیا ہے۔شامی اور درمختار جس پر آج کل حنفی فتاوی کا دارومدار ہے؛ لیکن جن بعض مسائل میں

جمہور حنفیہ سے ان کی تحقیق علاحدہ واقع ہوئی ہے، باتفاق حنفیہ وہ تحقیقات متروک ہیں اور عمل اسی قول پر ہے، جو جمہور نے اختیار کیا ہے؛ **إلا مامست إليه الضرروة الشديدة لحوادث الفتاوى.**

اس گزارش کے بعد اہل علم وفہم کے لیے احکام جمعہ کے بارے میں مکتوب مذکور کی توضیح مطلب کی زیادہ ضرورت باقی نہ رہی؛ کیوں کہ ان کے عمل کے لیے بہر حال راستہ متعین ہے کہ باتباع جمہور مصر کی شرط کو لازم سمجھیں، چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہ کریں؛ کیوں کہ بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ جس جگہ جمعہ کے صحیح ہونے میں شک ہو، وہاں ظہر پڑھی جائے؛ تا کہ فرض باتفاق ذمہ سے ساقط ہو جائے، البتہ صرف اس غرض سے کہ حضرت مولانا موصوف کی صحیح غرض اور اصلی مقصد لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ اس مکتوب کی توضیح کے لیے کچھ عرض کرنا مناسب ہے۔ **وهو هٰذا والله المصوب عليه التكلان:**

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت امام العارفین، حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا نانوتویؒ اپنے زمانہ میں مجدد تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اصلاح امت کے لیے ہی پیدا فرمایا تھا اور مصلح اعظم اور طبیب حاذق کا کام ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اگر مریض کے بدن میں مختلف قسم کے امراض وتکالیف ہوں تو وہ سب سے پہلے ایسے امراض کی طرف متوجہ ہوتا ہے، جو زیادہ مہلک اور خطرناک ہیں، معمولی تکلیفوں کی طرف التفات نہیں کرتا ہے، مثلاً ایک شخص درد گردہ میں بھی مبتلا ہے اور اس کی انگلی میں خفیف سا زخم بھی ہے تو طبیب حاذق ظاہر ہے کہ تمام تر توجہ درد گردہ پر خرچ کرے گا، خفیف زخم کے لیے مرہم سازی کی فکر میں نہ پڑے گا اور تیمار دار توجہ بھی دلائیں گے تو وہ التفات نہ کرے گا۔ اسی طرح اس وقت امت مرحومہ کو سمجھانا چاہیے کہ وہ مختلف امراض روحانی میں مبتلا ہے، کہیں نمبر (۱) صریح اور قطعی معاصی کا ارتکاب اور کہیں نمبر (۲) مواقع اختلاف میں بے احتیاطی سے خواہش نفسانی کا اتباع اور کہیں نمبر (۳) آپس میں فتنہ وفساد او رجدال وقتال؛ لیکن ان سب امراض پر جب مصلح امت نظر ڈالتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اور سب امراض کا علاج سہل ہے اور کوئی ان میں سے مہلک نہیں، بجز امر سوم کے؛ یعنی آپس کا جدال وقتال اور جھگڑا فساد کے؛ اس لیے وہ ہمہ تن اس کے انسداد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور دوسرے امراض کی طرف بالکل التفات نہیں کرتا۔ موجودہ زمانہ میں بعض فتنہ پرداز غیر مقلد اور تکفیر باز مبتدعین نے یہ فتنہ اٹھایا کہ بالکل معمولی اور جزوی اختلافات کو رنگ آمیزی کر کے ایک مہیب صورت بنادی اور اولی اور غیر اولی کے فرق پر ایک اختلاف وجدال وقتال کا بازار گرم کر دیا۔ کہیں آمین کے بالجہر اور بالاخفاء کا اختلاف، کہیں رفع یدین اور ترک رفع کا، حالاں کہ یہ اختلاف محض اولویت کا اختلاف ہے، نہ بالجہر کہنے سے نماز میں خلل کسی کے نزدیک آتا ہے اور نہ اخفا سے، اسی طرح رفع یدین اور ترک رفع کا قضیہ سمجھئے۔

انہی اختلاف فرعیہ وجزئیہ میں سے جمعہ فی القری کا مسئلہ بھی ہے کہ تین امام: مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبل گاؤں میں جمعہ جائز فرماتے ہیں اور امام اعظمؒ اور امام ابو یوسف اور امام محمدؒ اور سفیان ثوری، ابراہیم نخعی وغیرہم ناجائز فرماتے

ہیں۔ بہر حال چوں کہ جانبین میں ائمہ ہدیٰ اور اساطین امت ہیں؛ اس لیے اس کی تو ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے امام کی تقلید واتباع کرے؛ لیکن اس کی گنجائش نہیں کہ اس جزوی مسئلہ کے لیے جدال وقتال کا بازار گرم کر دیا جائے اور جو جہاد کفار کے مقابلہ میں ہونا چاہیے، وہ مسلمانوں ہی پر صرف کر دے، چوں کہ موجودہ زمانہ میں غیر مقلدین کے فتنہ انگیزی اور عوام کی جہالت سے یہ بحثیں طول پکڑ گئی تھیں اور اختلافات شدیدہ مسلمانوں کی جماعت میں رونما ہو گئے تھے؛ اس لیے مولانا موصوفؒ ان کا انسداد سب سے زیادہ اہم سمجھا اور اس مکتوب محبوب میں اس مسئلہ جزئیہ کے اتنے اہتمام سے منع فرمایا کہ جس سے آپس کے اختلافات ونفاق وشقاق کی صورتیں پیدا ہوں، حضرت موصوف کا مقصد اصلی اس مکتوب میں زیادہ تر یہی ہے اور بس، ورنہ حضرت مولانا جب کہ خود اپنے کو ہمیشہ حنفی المذہب کہتے اور اس کی تقلید پر عمل کرتے تھے، وہ کیسے جمہور حنفیہ سے اس مسئلہ میں تفرد کرتے، وہ تو عنایت تواضع سے ہر عالم وفقیہ کا بھی اتباع کرنے کے لیے تیار تھے، ان پر جمہور سے شذوذ وتفرد کا گمان وہی کر سکتا ہے، جس نے مولانا موصوف کو نہ دیکھا اور نہ آپ کے حالات کو سنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت موصوف کے تمام شاگرد اور مرید ومعتقد جو اطراف عالم میں ہزار ہا کی تعداد سے موجود ہیں، کسی نے بھی شرطیت مصر میں کوئی شبہ نہیں کیا، آپ کے مخصوص تلامذہ میں حضرت شیخ الہند محدث دیوبند نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہہ وحضرت مولانا عبد العلی صاحب صدر مدرس مدرسہ عبد الرب دہلی وغیرہم سب نے کبھی اس شرط مصر میں کوئی شبہ بھی نہیں کیا؛ بلکہ حضرت شیخ الہند نے تو احسن القری فی توضیح اوثق العریٰ میں اسی بحث پر ایسی مکمل تحقیق فرمائی ہے کہ باید شاید کئی سو صفحہ کا مجموعہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا موصوف کے اقوال واحوال اور آپ کے مکاتیب ومضامین کو یہ حضرات جتنا سمجھ سکتے تھے، آج ہم نہیں سمجھ سکتے ہیں: کیوں کہ خصوصیات متکلم ومخاطب اور زمان ومکان پر جو کلام کیا جاتا ہے، متکلم کے کبھی قریبی دوست واحباب ہی اس کی حقیقت ومقصد کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں، دوسرا آدمی بغیر ان کی ہدایت کے کبھی صحیح مقصد پر نہیں پہنچ سکتے۔

حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے　　بھلا اس کو صبا کیا جانے کیا ہے

اس لیے یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مولانا موصوف ادائے جمعہ کے لیے وہ شرطیت مصر سے ہر گز منکر نہ تھے اور کیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت موصوف شرط مصر سے منکر تھے، حالاں کہ اسی مکتوب میں حضرت موصوف نے تمام شرائط جمعہ کو خود الفاظ آیت سے باسلوب بدیع ثابت فرمایا ہے، جن میں شرط مصر کو بھی الفاظ قرآن سے اسی طرح استنباط فرمایا ہے کہ اہل علم ہی اس کی قدر جانتے ہیں، ملاحظہ ہو مکتوب مذکور کی عبارت ذیل:

''الغرض ضروریات امیر، یا مامور وہم ضرورت جماعت مسافر را ہم از آیت وحدیث یک طرف افگند وجہ اشتراط امیر، یا نائب امیر بوجہ ضرورت خطبہ کہ از لفظ ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ ہویدا است بانضمام حدیث لایقص موجہ شد، باقیماند فقط شروط مصر اگر غور کنند ہمیں ضرورت امیر و مامور دست و در کمر آن دارو چہ مصرے نباشد کہ حاکے دران

نبود خود بادشاہ وقت اگر نباشد نائب او بالضرور خواہد بود (الی قولہ) نظر بدیں صحرا او دیرا یک سوگذاشتند وکارگذاری سرکاری بذمہ اہل نہر نہاوند وازیں تقریر ہم ہویدا شد کہ جواز جمعہ بس کس مخل اشتراط مصر نیست ضرورت مصر بوجہ دیگر است بغرض فراہمی مجمع کثیر نیست، آہ"۔ (حکام الجمعہ، ص:٦)

عبارت مذکورہ میں کس قدر صاف اور واضح طور پر ادائے جمعہ کے لیے مصر کا شرط ہونا حضرت مولانا نے ظاہر فرمایا اور پھر اس کا خود الفاظ قرآنی سے ثبوت بہم پہنچایا ہے، کیا اس کے بعد بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مولانا موصوف اس مسئلہ میں جمہور حنفیہ کے خلاف کوئی رائے رکھتے ہیں اور اشتراط مصر کے قائل نہیں، حاشا کلا؛ بلکہ صرف رفع خلاف اور انسداد فتنہ کے لیے لوگوں کی توجہ اس کے اتنا زیادہ اہتمام سے ہٹانا مقصود تھی، جس سے فتن کا بازار گرم ہوتا تھا اور جو احقر نے عرض کیا ہے، محض تخمینی کلام، یا محض تاویل نہیں؛ بلکہ خود اس مکتوب گرامی میں اس کے کافی مویدات موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں عبارت ذیل:

"ایں اشارات کلام ربانی چوں ہمہ مردم را میسر نیست واحادیث مصرحہ، یا بمعنی بحد تواتر نرسیدہ اند، افہام علماء مختلف شدند وعوام گنجائش امید مغفرت بہر تہاون درصورت وجوب نزدیکی وعدم وجوب نزدیکی بہم رسید ورفتہ رفتہ کاہلی نوبت تا بآں رسانید کہ متعصّبان حنفیہ عمداً ترک وتہاون نماز جمعہ کردند"۔

عبارت مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں حضرت مولانا مرحوم کا روئے سخن ان حنفیہ کی طرف ہے، جو باوجود شرط مصر موجود ہونے اور جمعہ واجب ہونے کے ادائے جمعہ میں سستی کرتے ہیں اور بوجہ تعصب کے دوسرے لوگوں سے جھگڑتے ہیں، سو ظاہر ہے کہ ایسے حضرات ہر شخص کے نزدیک قابل ملامت ہیں؛ لیکن اس سے یہ کہاں سمجھ میں آیا کہ ہر گاؤں میں جمعہ پڑھنا چاہیے۔ اسی کے بعد ارشاد ہے:

"چوں نفس جمعہ قطع نظر از شرائط ست از شعائر اسلام اگر از ادائے نماز تہاون درا دایش او دہد مردمان کم فہم را بوجہ کم فہمی مسعونت کاہلی مفقود شدن شرائط موجب ترک جمعہ شود نہ افزائش نماز ظہر، آہ"۔

یہ عبارت بھی اس کی تصریح کرتی ہے کہ تغافل وتکاسل کی وجہ سے ترک جمعہ کرنے والوں کو نصیحت فرمائی گئی ہے۔

سارے مکتوب گرامی میں جس لفظ سے شبہ پڑ سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ تقریر لطیف کے بعد ارشاد فرمایا ہے:

"وچوں موافق ایں تقریر ایں شرط از میان برخاست شرط مصر ہم بیک طرف رفت چہ اشتراطش لزوم اشتراط شرط امیر بود آرنے ظاہر الفاظ روایات مشعرہ ضرورت مصر عام اند لہذا احتیاط ہمیں است کہ تا مقدور رعایت شہر پیش نظر ماند واگر کسے در دیہے جمعہ قائم کنند دست وگریبانش نہ زنند کہ اول ایں شرط ظنی بود وباز حسب تقریر مذکور ضعفے گرد آن بہم رسید"۔

اس عبارت میں اول تو خود حضرت موصوف کا منشا ظاہر ہے، جدال وقتال کی ممانعت مقصود ہے۔ اس کو ظاہر فرما دیا ہے کہ احتیاط یہی ہے کہ شروط مصر کا لحاظ رہے، ثانیا یہ کلام ایک لطیف تقریر پر مبنی ہے، جو اس سے پہلے فرمائی ہے۔

حاصل اس کا یہ کہ امیر کی شرط جو جمعہ میں شرعاً ضروری ہے، یہ ہر جگہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے؛ کیوں کہ نصف امام کا تعلق عوام مسلمین ہی سے ہے، لہذا جس شخص کو وہ امام بنادیں گے (دارالحرب)، میں وہ ہی امام متصور ہوگا اور یہ شرط اس طرح پوری ہو جائے گی، اسی طرح جب امیر کا تقرر مسلمانوں اور اہل بستی کے قبضہ میں ہو اور مصر کی تعریف یہی ہے کہ وہاں امیر، یا نائب امیر موجود ہو، اس طرح مصر کی شرط ہر جگہ متحقق ہوسکتی ہے؛ لیکن اس کے بعد ہی متصلاً خود حضرت موصوف نے اپنی اس تقریر پر اعتراض کر کے مخدوش فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو عبارت ذیل:

''مگر خلجانے ہنوز باقی ست عرض آں نیز ضروری است، چناں کہ ادای ظہر کم فہمان راموجب تہاون در جمعہ میشود ہم چناں ایں اجازت نصب امام خاص واستماع مواعظ وخطب آں موجب تہاون در نصب امام عام است''۔

الغرض اول تو اس عبارت سے مقصود اشتراط مصر کی نفی ہر گز نہیں؛ بلکہ رفع فتنہ وفساد مقصود ہے، جیسا کہ خود عبارت مذکورہ میں مصرح ہے۔ دوسرے خود حضرت موصوف نے باوجود تقریر مذکور کے بھی اشتراط مصر کو احوط قرار دیا ہے۔ تیسرے جس تقریر کی بنا پر اشتراط مصر میں کچھ ضعف پیدا ہوتا تھا، اس کو خود حضرت موصوف نے مجروح ومخدوش فرما کر اس سے رجوع کر لیا ہے، پھر کسی منصف انسان کے لیے کیسے جائز ہے کہ حضرت موصوف کی طرف اس کی نسبت کرے کہ وہ اداء جمعہ کے لیے مصر کو شرط نہیں سمجھتے اور ان سب امور کے بعد عمل کے لیے پھر وہی عرض ہے، جو ابتدا میں کی گئی ہے کہ اگر فرض ہی کر لیا جائے کہ حضرت مولانا موصوف کی تحقیق بنظر دقیق اس مسئلہ اشتراط مصر میں جمہور حنفیہ سے علاحدہ ہے، تب بھی عمل تمام حنفیہ کو اسی پر کرنا لازمی ہے، جو جمہور حنفیہ کا مذہب وفتوی ہے، البتہ اس غرض اور مقصد کا سمجھنا اور باقی رکھنا نہایت اہم وضروری ہے، جس کے لیے حضرت مولانا موصوف نے یہ عبارت تحریر فرمائی ہے؛ یعنی آپس میں جھگڑے اور فتنہ وفساد سے بچنا تمام مقاصد سے زیادہ اہم ہے، اگر کسی گاؤں میں کچھ مسلمان جمعہ قائم کرتے ہوں تو حنفی المذہب مسلمانوں کا انتہائی فرض یہ ہے کہ نرمی سے مسئلہ سمجھا دیں؛ لیکن اگر پھر بھی لوگ نہ مانیں تو جھگڑے وفتنہ میں ہر گز نہ پڑیں؛ کیوں کہ اس سے زائد کوئی مسلمانوں کے لیے مضر نہیں، خصوصاً بحالت موجودہ۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

(اضافہ) دیوبند دارالعلوم ۱۳۶۰ھ (امداد المفتین: ۲/۳۴۴)

جمعہ فی القری کا حکم:

سوال: ایک بستی جس کی مردم شماری بائس سو ہے، جس میں ۵۹ فیصدی مسلم ہیں اور ۵ فیصدی ہندو ہیں اور لوگوں کی عام طور پر ضرورتوں کے پورے ہونے کے لیے تقریباً بیس دوکان ہیں اور اس بستی میں نماز جمعہ اور عیدین پہلے سے پڑھتے چلے آئے ہیں، اگر ترک کیا جائے تو اختلاف کا اندیشہ ہے، س بستی میں نماز جمعہ اور عیدین کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــ وباللہ التوفیق

حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہونے کے لیے شہر، یا قصبہ، یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے۔ چھوٹے گاؤں میں جمعہ

درست نہیں ہے؛ بلکہ ظہر کی نماز فرض ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہو روزمرہ کی ضروریات مثلا غلہ کپڑا جوتا، آٹا دال ترکاری گوشت وغیرہ ہمیشہ ملتی ہوں ایسا نہ ہو کہ ہفتہ میں ایک دن یا دو دن بازار لگتا ہو اس سے ضروریات پوری کی جاتی ہوں یا کسی دوسری جگہ سے پوری کی جاتی ہوں ضروری پیشہ ور بڑھی دھوبی لوہار موچی نائی وغیرہ سب وہاں رہتے ہیں ڈاکخانہ ہو ڈاکٹر یا طبیب ہو دوائیں ملتی ہوں غرض ضروریات اور آبادی کے لحاظ سے وہ قصبہ کے مثل ہو جس گاؤں کے متعلق شبہ ہو بہتر یہ ہے کہ تجربہ کار مسائل فقہیہ کے کسی ماہر عالم کو بلا کر معائنہ ومشاہدہ کرادیا جائے پھر اس کی رائے پر عمل کیا جائے۔(۱)

کتبہ: محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳۳۶/۱-۳۳۷)

دیہات میں جمعہ:

سوال: ایک دیہات میں ایک مسجد ہے، وہاں پانچ وقتہ نماز نہیں ہوتی، کیا اس مسجد میں نمازِ جمعہ درست ہوگی؟

(ایم، اے حسین، عنبر پیٹ)

الجواب

فقہاءِ احناف کے نزدیک دیہات میں جمعہ وعیدین نہیں پڑھی جائے گی؛ بلکہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی؛ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ!

عن علی رضی اللّٰہ عنه قال: لاجمعة ولا تشریق ولاصلاة فطر ولا أضحی إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة. (۱)

(جمعہ وعیدین شہر ہی میں پڑھی جائیں۔)

لیکن شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہا نے اپنے ذوق ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خاصا اختلاف ہے۔ فقہا کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہوجائیں تو مسجد ناکافی ہوجائے۔(۳)

---

(۱) (المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دارالفكر بيروت، انيس)

وفی الرد عن أبی حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر علىٰ انصاف المظلوم من الظالم". (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دارالفكر بيروت، انيس) (نیز دیکھئے: فتاویٰ عالمگیریہ ۱۴۵/۱)

(۲) مصنف ابن أبی شيبة، من قال: لاجمعة ولا تشريق إلا فی مصر جامع، رقم الحديث: ۵۰۵۹، انيس

(۳) المصر وهو مالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دارالفكر، بيروت، انيس)

یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہوجاتا ہے اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نمازِ جمعہ کی گنجائش نکل آئے؛ کیوں کہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے؛ بلکہ یہ تذکیر وموعظت کا بھی بہترین موقعہ ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں۔

اب آپ غور کرلیں کہ اس تشریح کے مطابق وہ جگہ دیہات ہے، یا قصبہ وشہر ہے، اگر دیہات ہے اور پہلے سے نمازِ جمعہ کا سلسلہ نہیں ہے تو ظہر ہی پر اکتفا کرنا چاہیے، البتہ پنج وقتہ نماز کے لیے آبادی کے کسی خاص معیار کی شرط نہیں؛ اس لیے اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ پنج وقتہ جماعت کا اہتمام ہو، ورنہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سخت پکڑ کا اندیشہ ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۶-۳۷)

جس گاؤں میں تھانہ، یا تحصیل ہو، وہاں جمعہ کا حکم:

سوال: ایک بستی موضع نیسنگ کرنال سے ۱۵/میل مغرب کی طرف لب سڑک واقع ہے، جو آبادی کے لحاظ سے تخمیناً چوبیس سو کی مردم شماری ہے، گاؤں مسلمانوں کا ہے، پانچ مسجدیں ہیں، سب مسجدوں میں پنج گانہ نماز بھی التزام سے ہوتی ہے، تھانہ ڈاکخانہ اور سرکاری مدرسہ بھی ہے، عیدگاہ بھی موجود ہے، باقی ضروریات بھی قریب قریب پوری ہوجاتی ہیں۔ بعض صاحب نماز روزے کے مسائل جاننے والے بھی موجود ہیں، اگرچہ علم عربی کے ماہر نہیں، اس بستی میں ہمیشہ سے جمعہ ہوتا ہے۔ اب کچھ عرصہ سے بعض لوگوں نے جمعہ پڑھنا ترک کردیا ہے اور کہتے ہیں گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا۔ اب گزارش ہے کہ کیا ہمارے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس گاؤں میں تھانہ یا تحصیل ہو وہ عموماً بڑا ہی ہوتا ہے۔ پس جب مذکور گاؤں میں تھانہ موجود ہے تو یہ قصبے کے حکم میں ہے اور اس میں جمعہ جائز ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۲۲۵)

نماز جمعہ سے متعلق شرط مصر کی وضاحت وتحقیق:

سوال (۱) عندالاحناف جو جمعہ کے واسطے مصر کی قید ہے، اس سے یہی عرفی مصر مراد ہے، یا اور کچھ؟ اگر عرفی ہے تو قصبات اور بڑے گاؤں میں جمعہ درست نہ ہوگا؛ کیوں کہ ان کو عرف میں شہر نہیں کہا جاتا، حالاں کہ فقہا ان ہر دو میں

---

(۱) وعبارة القهستاني: "تقع فرضا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، ط: سعيد)

لأن الغالب أن الأمير والقاضي الذي شأنه القدرة علىٰ تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلا في بلد كذلك. (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، ط: سعيد)

جمعہ درست کہتے ہیں۔تعریف مصر میں فقہا کے کس قدر اقوال ہیں؟اور مختار متاخرین مثل صاحب شرح وقایہ ودرمختار وطحطاوی وبحرالعلوم وغیرہ کیا ہے؟

(۲) قصبہ وقریۂ کبیرہ اورقریۂ کبیرہ صغیرہ میں ما بہ الفرق کیا ہے؟اس کو بسط کے ساتھ تحریر فرمائیں،جس سے شہر قصبہ قریۂ کبیرہ قریۂ صغیرہ میں بین فرق معلوم ہوجائے۔

(۳) مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی اور بحرالعلوم مولانا عبدالعلی حنفی تھے،یا غیر مقلد؟اول الذکر مصفٰی شرح موطأ میں شہراور قریہ دونوں میں جمعہ واجب کہتے ہیں اور مؤخر الذکر ارکان اربعہ میں کہتے ہیں:''**فالقابل للفتوىٰ في مذهبنا الرواية المختار للبلخي**''.

(۴) یا شرطیت سلطان ومصر میں اختلاف فاحش اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ دونوں قطعی نہیں؛ بلکہ ظنی ہیں،جیسا کہ بحرالعلومؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں۔فیوض قاسمیہ میں ہے:''اگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست وگریبانش نزنند کہ شرط مصر ظنی است بل ہم ضعیف''۔ایسی صورت میں تمام مشروط جمعہ موجود ہوں اورصرف مصریت مروجہ نہ ہوتو جمعہ بہتر ہے ظہر پڑھنے سے،یا اس کا عکس؟

(۵) **الجمعة واجبة علىٰ كل قرية.** (۱)اس حدیث کو علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں اور مولانا شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ البالغہ میں نقل کیا ہے۔یہ حدیث صحیح ہے،یا ضعیف،یا موضوع؟نیز اس سے مولانا شاہ ولی اللہ کا استدلال علی وجوب الجمعۃ فی القریٰ صحیح ہے،یا نہیں؟

(۶) ایسے گاؤں میں جس پر حنفی فقہا کی بیان کی ہوئی تعریفوں میں سے کوئی نہ کوئی تعریف صادق آتی ہو،جمعہ پڑھنے والے غیر مقلد ہوجاتے ہیں،یا نہیں؟جو شخص حنفی المذہب عالم کو صرف ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے غیر مقلد کہہ کر لوگوں کو اس کی طرف سے بدگمان کرے،وہ کیسا ہے؟جب کہ مولانا محمد قاسم،مولانا محمد یعقوب وحاجی امداداللہ مہاجر مکی ومولانا عبدالخالق دیوبندی وغیرہم دیہات میں جمعہ پڑھتے رہے ہیں۔کیا یہ سب حضرات دیہات میں جمعہ پڑھ کر گنہگار ہوگئے؟

(۷) جس مقام میں تین مسجدیں ہوں اور وہاں کی بڑی مسجد میں مکلّف بالجمعہ مسلمان نہیں سما سکتے؛ بلکہ تینوں مسجدوں میں بھی نہیں سما سکتے اور چار پانچ دکانیں بھی ہوں،جن سے ضروری اشیائے خوردنی وپوشیدنی دستیاب ہوسکیں،جمعہ درست ہے،یا نہیں؟مختار شرح وقایہ ودرمختار وطحطاوی وبحرالعلوم کے موافق اگر مذکورہ بالا گاؤں والے جمعہ پڑھ رہے ہوں اور وہاں دوسری مسجد میں چند آدمی از راہ نفسانیت وتعصب اسی وقت بالمقابل اپنی علاحدہ اذان واقامت کہہ کر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں،جس سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے،ان دو چار آدمیوں کا یہ فعل کیسا ہے؟

(۱) حجة البالغة،باب الجمعة: ۱۱۵/۲،مكتبة حجاز،ديوبند،انيس

حالاں کہ مجالس الابرار میں ہے: ''لو صليت الجمعة فى القرية و كنت فيها يلزمك أن تحضرها، الخ''
سب سوالات کے جوابات مشرح اور مدلل بحوالہ کتب تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں؟ (خاکسار حافظ امام الدین)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول میں لفظ مصر موجود تھا اور اشتراط مصر میں یہی قول حنفیہ کا ماخذ ہے۔ مصر اگر چہ عرف میں معروف اور معلوم المراد لفظ تھا؛ مگر فقہائے حنفیہ نے اس کی تعریف بیان کی اور تعریفیں مختلف عبارتوں میں ہوئیں؛ اس لیے تعیین مراد میں اختلاف ہوگیا، چوں کہ بعض تعریفیں ایسی بھی تھیں، جو قصبہ اور قریۂ کبیرہ پر صادق آتی تھیں؛ اس لیے فقہا نے قصبات وقریات کبیرہ کو مصر میں داخل کردیا؛ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مصر اور قصبہ اور قریۂ کبیرہ کو شرعاً تین چیزیں قرار دے کر تینوں میں جمعہ جائز قرار دیا؛ بلکہ مطلب یہ تھا کہ چوں کہ مصر کی تعریف قصبات وقریات کبیرہ پر صادق آگئی؛ اس لیے یہ تینوں شرعاً مصر قرار پائے اور جمعہ کے جواز کا حکم دیا گیا۔

اب یہ بات کہ حنفیہ کا اصل مذہب کیا ہے؟ تو یہ بات صاف ہے کہ اصل مذہب جو متون میں منقول ہے، وہ یہی ہے کہ جمعہ کے لیے مصر شرط ہے۔ پس جو مقام کہ مصر قرار پائے گا، وہاں جمعہ جائز ہوگا۔ (خواہ وہ عرف میں شہر کہلاتا ہو، یا قصبہ، یا بڑا گاؤں) مصر کی کون سی تعریف معتبر ہے؟ تو معتبر تعریف تو وہی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے باختلاف عبارات منقول ہے، اگر چہ بہت سے متاخرین نے ''المصر وهو ما لايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها'' (۱) کو اختیار کیا ہے۔ مصر کی شرط بے شک ظنی ہے؛ لیکن حنفیہ کے اصل مذہب میں مصر کا شرط ہونا ظنی نہیں ہے اور ایک حنفی بحیثیت حنفی ہونے کے اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فروع میں مذہب حنفیہ کے متبع تھے؛ لیکن چوں کہ وہ ایک متبحر اور محقق عالم تھے؛ اس لیے انہوں نے چند مسائل میں حنفی مذہب کے خلاف بھی اظہار رائے کیا ہے۔ اسی طرح مولانا بحر العلوم سے چند مسائل میں حنفیہ کا خلاف کرنا منقول ہے۔ ان بزرگوں کے قول کا یہ مطلب ہے کہ شرط مصر ہمارے نزدیک ضروری نہیں، اگر چہ حنفی مذہب اس کے اشتراط کی تصریح کرتا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ حنفیہ کے مذہب میں مصر شرط نہیں ہے۔ (۲)

پس اگر کوئی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے اس قول کے موافق عمل کرے، یا فتویٰ دے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اس مسئلے میں اپنے امام کی تقلید چھوڑ کر شاہ ولی اللہ صاحب، یا مولانا بحر العلوم رحمہما اللہ کی تقلید کی۔ ان دونوں بزرگوں نے اس میں اگر حنفیہ کے اصل مذہب سے عدول کیا تو حنفی ہونے سے نہ نکلیں گے؛ کیوں کہ ان کا تبحر اور درجۂ تحقیق بہت اعلیٰ ہے۔

---

(۱) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعيد

(۲) ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعيد)

حدیث "الجمعة واجبة علٰی كل قرية" مجھے اس کی سند اور مرفوع، یا موقوف ہونے کا علم نہیں۔(۱)

گاؤں میں (جس پر مصر کی کوئی تعریف صادق آتی ہو) جمعہ پڑھنے والوں کو غیر مقلد نہیں کہا جا سکتا، زیادہ سے زیادہ ان کے فعل کو مرجوح کہا جا سکتا ہے، چوں کہ ایسے گاؤں کے مصر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے؛ اس لیے جمعہ پڑھنے والے اور ظہر پڑھنے والے دونوں مأوّل ہیں، کوئی دوسرے کی تضلیل، یا تفسیق نہیں کرسکتا۔ ہاں ہر ایک اپنے فعل کو راجح اور دوسرے کے فعل کو مرجوح ثابت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، نفسانیت امر مخفی ہے، اس کا الزام کوئی دوسرے پر نہیں لگا سکتا۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۲۶-۲۲۹)

"مجموعۃ الفتاویٰ کا فتویٰ" کیا نماز جمعہ مثل پنج گانہ کے ہے:

سوال: ابوالحسنات مولانا عبدالحئی صاحبؒ کے فتاویٰ (۲/۷۸) اور استفتا نمبر: ۳۲۰ میں ہے:

"کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ اور عیدین؛ یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ دیہات میں پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جمعہ مثل پنج گانہ کے فرض ہے، جو شرطیں ان میں ہیں، وہ شرطیں اس میں بھی، فقط دو خطبوں کی زیادتی ہے، شہر ہو دیہات ہو، ہر جگہ بلا شرط و بادشاہ، یا نائب اس کے بغیر کراہت صحیح ہے"۔

بہت زور سے لکھا ہوا ہے۔ یہ مسئلہ مذہب حنفی کی معتبر کتابوں کے خلاف ہے، یا نہیں؟ اور بعد اس کے ایک فتویٰ مولوی حاجی شاہ محمد رکن الدین صاحب کا اس کتاب کے آخر میں لکھا ہوا ہے، اس میں بھی غیر مذہب کی بو آتی ہے۔

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــــــ وبالله التوفيق

آپ نے حوالہ بے سوچے غلط لکھا، جلد دوم میں "کتاب الجمعہ" نہیں، یہ سوال وجواب :۱/۱۹۹، نمبر:۲۸۶ میں ہے، تلاش کرنے میں بڑی تکلیف ہوئی۔(۲)

یہ جواب ایک غیر مقلد کا لکھا ہوا ہے آپ نے اس پر دستخط کرنے والے کا نام نہیں دیکھا، ایسے ہی رکن الدین ہمیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہ ہر دو مسئلے مسلک حنفی کے خلاف ہیں۔ حنفی مذہب میں جن میں بڑے گاؤں میں جہاں انسانی

(۱) حضرت حدیث: "الجمعة واجبة علٰی كل قرية" کے بارے میں توقف کیا ہے؛ لیکن محدث دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے: "الحديث مع ضعف رواته منقطع أيضاً فلا ينتهض لاحتجاج به. (سنن الدار قطني، باب الجمعة علٰى أهل القرية، ص: ۷، ط: دار النشر للكتب الاسلامية لاهور) اسی طرح سنن کبریٰ بیہقی میں ہے: "الحكم بن عبد الله متروك ومعاوية بن يحي ضعيف ولا يصح هٰذا أن الزهري، قد روى في هٰذا الباب حديث في الخمسين لايصح إسناده. (سنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الجمعة، باب العدد الذين إذا كانوا في قرية وجبت عليهم، الخ: ۳/۱۷۹، انیس)

(۲) موجودہ جدید نسخہ میں ص:۳۱۹/ج:۱ پر ہے، میر محمد کتب خانہ کراچی

ضرورت کی ضروری چیزیں دستیاب ہو جاتی ہوں، اکثر ضروری پیشہ والے اپنا پیشہ وہاں کرتے ہوں، ایسی بستی میں جمعہ جائز ہے۔ بالکل چھوٹے گاؤں میں نمازِ جمعہ صحیح نہیں ہے؛ بلکہ ظہر جماعت سے پڑھی جاوے۔ **واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم وأحکم** (مرغوب الفتاویٰ:۳/۷۰-۷۱)

چھوٹی بستی والوں کا ایک مرکزی گاؤں کو نماز جمعہ وعیدین کے لیے مقرر کرنا:

سوال: دیہاتی آبادی کے چھوٹے چھوٹے گاؤوں میں جہاں مسلمان کم تعداد میں ایک، یا دو چار گھر آباد ہیں، وہاں عیدین، یا جمعہ کی نماز جائز ہے، یا نہیں؟ اگر انہیں دیہاتوں میں کوئی گاؤں مرکزی حیثیت رکھتا ہو اور وہاں تعداد بھی زیادہ ہے، ہمیشہ جمعہ وعیدین کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے تو کیا چھوٹے چھوٹے گاؤں والوں کا وہیں شرکت کرنا اولیٰ نہیں ہے؟

(المستفتی :۲۰۲۸، ایچ ایم رفیق صاحب (بلیا) ۱۱/رمضان ۱۳۵۶ھ، ۱۶/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

ایسے چھوٹے گاؤوں میں کہ ان میں صرف ایک یا دو چار گھر مسلمانوں کے ہیں جمعہ کی نماز پڑھنا درست نہیں، ہاں ان میں سے کوئی بڑا گاؤں جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو اور اس میں آس پاس کے مسلمان مرکزی حیثیت سے جمع ہو سکیں اس کو جمعہ یا عیدین کی نماز کے لئے مقرر کر لینا بہتر ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۴۸-۲۴۹)

قیام جمعہ کے متعلق شافعی مسلک پر عمل کی گنجائش:

سوال (۱) بلحاظ شرع شہر کسے کہتے ہیں؟

(۲) جس موضع کی مسجد میں صرف بیس، یا تیس تقریباً، یا اس سے اور کم مجتمع ہوں، کیا ایسے دیہات میں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے، یا نہیں؟ اگر دیہاتوں میں ایسی حالت پر نماز جمعہ پڑھ لیں تو حکم شرعی کیا ہے؟

(المستفتی:۲۴۰۴، نبی یار خاں صاحب (فیض آباد) ۳/رجب ۱۳۵۷ھ، ۳۰/اگست ۱۹۳۸ء)

الجواب

(۱) جمعہ کے مسئلے میں شہر سے مراد ایسی بستی ہے، جہاں ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہوں، تھانہ، یا تحصیل اور ڈاکخانہ ہو، کوئی عالم یعنی مسائل ضروریہ بتانے والا اور کوئی معالج موجود ہو۔(۲)

---

(۱) **فی ما ذکرنا إشارۃ إلٰی أنه لاتجوز فی الصغیرۃ التی لیس فیھا قاضٍ ومنبر وخطیب، کما فی المضمرات.(رد الحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعید)**

(۲) **وعن أبی حنیفة: أنه بلدۃ کبیرۃ فیھا سکک وأسواق ولھا رساتیق وفیھا والٍ، الخ.(رد المحتار، باب الجمعة : ۱۳۸/۲، ط: سعید)**

(۲) حنفی مذہب کے موافق ایسی چھوٹی بستی میں جمعہ نہیں ہوتا؛ مگر آج کل حنفی اس مسئلے میں شافعی مذہب کے اوپر عمل کر سکتے ہیں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۴۹-۲۵۰)

چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز نہ پڑھی جائے؛ مگر یہ کہ کوئی دینی مصلحت ہو

سوال: اعظم پور میں قریب ۲۰-۲۵ر گھر مسلم آباد ہیں، قربانی ہر سال ہوتی ہے، چھوٹی سی مسجد ہے، پنج وقتہ نماز میں دو تین افراد اور نماز جمعہ میں دس بارہ افراد شرکت کرتے ہیں، عیدین بھی وہیں ادا کرتے ہیں۔

(المستفتی: محمد ادریس اعظمی، ۱۱راپریل ۱۹۵۱ء)

الجواب

اعظم پور چھوٹا سا موضع ہے، اس میں جمعہ کی نماز نہ پڑھنی چاہیے اور اگر کوئی دینی مصلحت ہو کہ وہاں جمعہ پڑھنا مناسب ہے تو پھر حنفیہ کے نزدیک تو جمعہ جائز نہیں۔ دیگر ائمہ کے قول کے موافق پڑھ لیں تو گنجائش ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۵۳)

اقامت جمعہ کے متعلق ایک خط کا جواب:

سوال: متعلقہ اقامت جمعہ بجواب مکتوب حضرت مولینا میرک شاہ صاحب کشمیری؟

الجواب

مکرمی محترمی دام فضلہم بعد سلام مسنون

فتویٰ مرسلہ پہنچا، مولانا اس مسئلے میں میرے پیش نظر یہ بات ہے کہ ہمارے فقہاء حنفیہ نے اقامت جمعہ کو اس قدر اہم سمجھا ہے کہ ظاہر روایت کی تمام شرائط کا گلا گھونٹ کے ان کو کالعدم بنا دیا، شرطیت مصر یقیناً متفق علیہ ہے؛ یعنی متون اس پر متفق ہیں؛ لیکن مصر کی تعریف ظاہر الروایۃ میں یہ تھی کہ وہاں امیر و قاضی ہو، جو تنفیذ احکام و اقامت حدود کرتا ہو؛ لیکن اسلامی زمانے میں ہی تنفیذ احکام و اقامت حدود میں سستی واقع ہوئی تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ جمعہ بند ہو جائے گا فوراً۔

"**ینفذ ویقیم**"(**الهداية**) کی جگہ "**يقدر**"(**على التنفيذ والاقامة**).(**الدر المختار، باب الجمعة**)کر دیا ہے اور جب بلاد اسلامیہ پر کفار کی حکومت ہوگئی تو انہوں نے "**فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين**". (۳) کہہ دیا؛ یعنی ظاہر روایت کی تعریف کے بموجب وہاں مصریت

(۱-۲) في ما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما في المضمرات.(رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط:سعيد)

(۳) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱٤٤/۲، دار الفكر بيروت، انيس

باطل ہوجانے کے بعد بھی جمعہ قائم رکھا، اسی طرح سلطان کی قید وشرط کا گلا گھونٹ دیا اور سب سے آخر میں ''المصر وهو ما لايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها'' (۱) کہہ کر اور بلا دمحکومۂ کفار میں اجازت دے کر دونوں شرطوں کو عملاً باطل کر دیا۔ اس کے علاوہ شرطیت مصر وجوب جمعہ کے لیے تو صحیح؛ لیکن جواز کے لیے بھی ہو، یہ میں نہیں سمجھ سکا اور اس زمانے کی ضروریات اس کی مقتضا ہیں کہ اگر حنفی مذہب کی رو سے کسی طرح بھی اجازت نہ نکلے تو دوسرے ائمہ کے مذہب پر ہی عمل کر کے دیہات میں اقامت جمعہ سے نہ روکا جائے اور قائم شدہ جمعہ کو بند کرنا تو بہت خطرناک چیز ہے، کم ازکم میں اس کی جرأت نہیں کرسکتا اور ایک مجتہد فیہ مسئلہ میں ترک ظہر کی بنا پر مسلمانوں کو فاسق، یا گنہ گار کہنا امر عظیم ہے۔ امید ہے کہ مزاج مقدس بخیر ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، ۵/ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ، شنبہ۔ (کفایت المفتی: ۲۵۳/۳-۲۵)

جمعہ کی جماعت کے لئے تین مقتدیوں کا ہونا کافی ہو:

سوال: متعلقہ تعداد مقتدیان نماز جمعہ؟

الجواب

نماز جمعہ میں علاوہ امام کے اگر تین مقتدی ہوں تو نماز جمعہ جائز ہے، جماعت کے لیے تین مقتدیوں کا ہونا کافی ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۳/۳-۲۵۴)

جہاں اکثر چیزیں مہیا ہوں، وہاں جمعہ جائز ہے:

سوال: ایک قریہ میں ایک جامع مسجد زیر تعمیر ہے، مسلم آبادی کا مرکز ہے، یک صد سے زائد دکانات کا بازار ہے، مڈل اسکول، تھانہ، ڈاکخانہ وغیرہ واقع ہونے کی وجہ سے صدہا نمازی موجود رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے شرعی حکم کیا ہے، جو عدم جواز کے شبہ، یا بہانہ سے جمعہ کے دن تارک الجماعۃ رہتے ہیں؟

الجواب

ایسے مقام میں جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے، نماز جمعہ جائز ہے، (۳) جو لوگ کہ وہاں جمعہ کو ناجائز سمجھ کر نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے، ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں برتنی چاہیے کہ ان کا خیال بھی مذہبی وجوہ پر مبنی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۵/۳)

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) (والسادس: الجماعة) وأقلها ثلاثة رجال (ولو غير الثلاثة الذين حضروا) الخطبه سوى الامام بالنص؛ لأنه لا بد من الذاكر، وهو الخطيب وثلاثة سواه. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) تقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعيد)

وعن أبي حنيفة: أنه بلدةٌ كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ على انصاف المظلوم من الظالم، الخ (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

بڑی آبادی میں اقامت جمعہ جائز ہے:

سوال(۱) زید ایک ایسے موضع میں جمعہ پڑھتا ہے، جس میں نومسجد ہیں اور تعداد کثیر مسلم عاقلان بالغان پر مشتمل ہے، جو بوجہ اتم لایسع اکبر مساجدہ کا مصداق ہے، زید پکا حنفی اور اسلامی درس گاہ سے سند یافتہ اور لوگوں میں معتمد علیہ ہے، کیا زید کو حق ہے کہ جمعہ قائم کرے؟

(۲) بصورت نہ ہونے بادشاہ اسلام کے جو ایک شخص پر اتفاق کیا جاتا ہے، اس میں شہر کے کل افراد کی رائے دہی ضروری ہے، یا بعض کی، یا کثیر کی؟

(۳) بوجہ نہ ہونے بادشاہ اسلام کے اور تعریف اول مصر کی ''**كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود**'' (۱) زید پر مبتدع ہونے کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ بصورت اول ہندوستان کا اہل سنت والجماعۃ اسی روایت وقایہ کو اعتبار دے کر ہر مصر میں نماز جمعہ کیوں پڑھاتے ہیں؟

(۴) نیز صاحب عمدۃ الرعایہ نے **بلاد تحت الكفرة** میں شرط سلطان کو ضروری جاننے والے کو **فضل وأضل** سے منسوب کیا ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟ حالاں کہ سب کتب فقہ حنفیہ میں سلطان کا شرط بلا کسی قید کے موجود ہے؟

الجواب

(۱) ایسے موضع میں اقامت جمعہ جائز ہے، اس موضع میں اقامت جمعہ کرنے والا قابل اعتراض اور مستحق ملامت نہیں۔ (۲)

(۲) موجودہ زمانے میں شرط سلطان کی جگہ مسلمانوں کا اتفاق کر لینا کافی سمجھا گیا ہے اور اتفاق کے لیے مسجد کے نمازیوں کا اپنے امام پر اتفاق کافی نہیں ہے؛ کیوں کہ بڑے شہروں میں متعدد جگہ مساجد میں جمعہ قائم ہوتا ہے اور تمام شہر، یا اکثر شہر کے مسلمانوں کا اتفاق تمام ائمہ مساجد کے لیے نہ آسان ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے۔ (۳)

(۳) وقایہ کی روایت اکثر علماء کے نزدیک معمول اور مفتی بہا ہے اور اس پر شبہ کرنے کی کوئی مضبوط اور مستحکم وجہ نہیں ہے۔ (۴)

(۴) یہ تحقیق مولانا بحر العلومؒ کی طرف منسوب کرنی چاہیے کہ انہوں نے رسائل الارکان میں تحریر فرمائی ہے، مولانا عبدالحی صاحب نے عمدۃ الرعایہ میں رسائل الارکان سے ہی نقل کی ہے اور ان کی یہ ذاتی رائے ہے، جو اکثر

---

(۱) الهداية، باب الجمعة: ۱۴۸/۱، ثاقب بک دبو، انیس

(۲) (المصر وهو ما لايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء ... وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض يقدر علىٰ إقامة الحدود. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲-۱۳۸، ط: سعيد)

(۳-۴) فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، ط: سعيد)

علمائے حنفیہ اور فقہا کے خلاف ہے۔شرطیت سلطان کے لیے مولانا عبدالحیؒ نے جوآثار اسی حاشیے میں نقل فرمائی ہے، وہ کافی ہے۔فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۵۵-۲۵۶)

موضع پیر جی میں جمعہ کا حکم:

(الجمعیۃ،مورخہ ۹/ستمبر ۱۹۳۵ء)

سوال: ہمارا گاؤں موضع پیرغنی ایک مسلمان رئیس اعظم کی واحد ملکیت ہے،جس کی تمام آبادی ایک سوستر گھروں پر مشتمل ہے اور تمام آبادی سوائے چند ہنود دکانداروں کے اہل اسلام کی ہے اور تین بستیاں اہل اسلام کی اس کے جوار میں ایک میل کے حدود کے اندر آباد ہیں،خاص پیرغنی میں دو پختہ مسجدیں ہیں اور تمام آبادی حنفی المذہب مسلمانوں کی ہے،اس گاؤں میں ہندو اور مسلمانوں کی سات دکانیں ہیں،جن میں کافی خرید وفروخت ہوتی ہے اور گاؤں کی ضرورت کی تقریباً تمام اشیاء ان میں مہیا رہتی ہیں۔ان حالات میں ہم کو جمعہ پڑھنا جائز ہے،یا نہیں؟

الجواب

اس بستی میں جمعہ پڑھنا جائز ہے،حنفیہ کے مذہب میں بھی اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ حد مصر میں ''لایسع اکبر مساجدہ،الخ'' پر بہت سے فقہائے حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۵۶-۲۵۷)

جس ریاست میں جمعہ کی ادائیگی ممنوع نہ ہو، وہاں جمعہ پڑھنا راجح ہے:

(الجمعیۃ،مورخہ ۹/جون ۱۹۳۶ء)

سوال: حیدرآباد دکن،بھوپال،رامپور اور دیگر مسلمان ریاستیں جو ہندوستان میں ہیں،انہیں کے جیسے اختیارات مثلاً:جیل،پھانسی،جرمانہ وغیرہ ہندو ریاستوں کو بھی ہیں اور بڑی سے بڑی بڑودہ،کشمیر،گوالیار،اندور،اورچھا اور چھوٹی ریاستیں جو کمشنری شملہ میں ہیں،مثلاً کوٹھار جس کی کل آبادی ۱۵۰/ ہے اور انھار،دھامی،کیونٹھل جس کی کل آبادی ۵۰۰ ہے،ٹھیور،ٹیڑھی اور جیل وغیرہ بھی ایسے اختیارات رکھتے ہیں۔اب ان شہروں میں جو مسلمان آبادی ہیں،ان کے لیے نماز جمعہ ظہر سے راجح ہے،یا نہیں؟ان پہاڑی ریاستوں کی راجدھانی شہر،یا قصبہ،یا گاؤں کس چیز میں شمار ہیں؟

الجواب

ہندوستان تمام کا تمام غیر مسلم؛ یعنی انگریزوں کے زیر حکم ہے،اسی طرح ہندو ریاستیں بھی اسی حکم میں ہیں،جس

(۱) (المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء ... وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض يقدر علىٰ اقامة الحدود.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة:۲/۱۳۷-۱۳۸،ط:سعيد)

تقع فرضاً فى القصبات والقرىٰ الكبيرة التى فيها أسواق.(ردالمحتار،باب الجمعة:۲/۱۳۸،ط:سعيد)

ریاست میں مسلمانوں کونماز جمعہ ادا کرنے سے ممانعت نہ کی جائے، وہاں جمعہ پڑھنا راجح ہے۔رہی یہ بات کہ کس مقام کوشہر کہاجائے تو یہ مصر کی مختلف تعریفوں کے لحاظ سے قدرے مختلف ہوسکتا ہے؛ تاہم جس جگہ کم ازکم دو مسجدیں ہوں اوران میں سے بڑی مسجد میں وہاں کے مسلمان مکلّف بالجمعہ نہ سماسکیں، وہ شہر کاحکم رکھتی ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۵۷)

جمعہ کے لیے شہر ہونا ضروری ہے(یعنی رسالہ اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القری):

(الجمعیۃ مورخہ ۹/جون ۱۹۳۶ء)

سوال: چھوٹا گاؤں جس میں جمعہ درست نہیں،اس کی کیا تعریف ہے؟اور بڑا گاؤں جس میں جمعہ درست ہے، وہ کتنے آدمیوں کا ہوتا ہے؟ اوراگر چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھیں تو پھر ظہر پڑھنا ضروری ہے، یانہیں؟اور بڑے گاؤں میں بعد جمعہ ظہر پڑھیں، یانہیں؟

(جواب ازغیر مقلدین)

الجواب

واضح ہو کہ جمعہ پڑھنے کے لیے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بات شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہوئی؛ بلکہ شرعی دلیل سے ثابت ہے کہ جمعہ کا پڑھنا ہر جگہ فرض ہے،خواہ شہر ہو یا گاؤں،خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں، چناں چہ:﴿**یٰأَیُّھا الذین آمنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰہ وذروا البیع**﴾(۲)(یعنی اے ایمان والو!جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکار ہوتو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔)

اب ظاہر ہے کہ اس آیت میں جناب باری نے عام طور پر ہر مسلمان کوفرمایا کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان ہوتو لوگ فوراً حاضر ہوں، لہذا اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جمعہ کے لیے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ہاں البتہ حدیث سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لیے اس قدر آدمی ہونے چاہئیں کہ جن سے جماعت ہوجاوے، چناں نچہ بیہقی اورابوداؤد میں ہے:

عن طارق بن شہاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:الجمعۃ حق واجب علیٰ کل مسلم فی جماعۃ إلا أربعۃ عبد مملوک أو امرأۃ أو صبی أو مریض.(رواہ أبو داؤد انتہی مختصرًا)(۳)

(۱) فلو الولاۃ کفاراً یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین،ویجب علیھم أن یلتمسوا والیاً مسلماً. (ردالمحتار،باب الجمعۃ:۲/۱۴۴،ط:سعید)

(المصر وھو ما لا یسع أکبر مساجدہ أھلہ المکلفین بھا)، وعلیہ فتویٰ أکثر الفقہاء.(الدرالمختار علیٰ ھامش رد المحتار،باب الجمعۃ:۲/۱۳۷-۱۳۸،ط:سعید)

نوٹ: یہ۱۹۴۷ء سے قبل کے ہندوستان کے بارے میں ہے۔انیس

(۲) سورۃ الجمعۃ:۹،انیس

(۳) سنن أبی داؤد،باب الجمعۃ للمملوک و المرأۃ:۱/۱۶۰،مکتبۃ حقانیۃ،انیس

یعنی ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے بجز چار کے مملوک، غلام، یا عورت، یا بچہ، یا بیمار۔ خلاصہ یہ کہ جمعہ کے لیے اتنے آدمی ہونے چاہئیں کہ جن سے جماعت ہوجاوے اور جماعت کے لیے سب سے کم درجہ دوعدد ہے اور دو شخصوں سے جماعت ہوجاتی ہے، چناں چہ نیل الاوطار میں ہے:

”أما الاثنان فبانضمام أحدهما إلى الآخريحصل الاجتماع وقد اطلق الشارع اسم الجماعة عليهما، فقال: الاثنان فما فوقهما جماعة، كما تقدم في أبواب الجماعة“. (۱)

خلاصہ یہ کہ دو شخصوں سے جماعت ہوجاتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آیت اور دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لیے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ قدر جماعت آدمی ہونے چاہئیں، جن کا کم سے کم درجہ دوعدد ہے، لہٰذا ان دلیلوں کے بموجب اگر کوئی ایسی بستی ہو کہ اس میں صرف دو ہی مسلمان ہوں تو اس پر بھی جمعہ فرض ہے۔ ہاں حنفیہ کے نزدیک البتہ جمعہ کے لیے مصر؛ یعنی شہر کا ہونا شرط ہے اور اس کے لیے دلیل یہ قول بیان کیا گیا ہے: **”لاجمعة ولا تشريق ولا فطر ولا اضحى إلا في مصرجامع“** (۲) اور اس قول کو صاحب ہدایہ نے یہ حضرت کا قول قرار دیا ہے؛ مگر صحیح یہ بات ہے کہ یہ حضرت کا قول نہیں ہے؛ بلکہ حضرت علی کا قول ہے، چناں چہ فتح القدیر میں ہے:

”قوله: لقوله عليه السلام: ”لاجمعة ولاتشريق، الخ“ رفعه المصنف وإنما رواه ابن أبي شيبة موقوفاً على علي رضي الله تعالىٰ عنه: ”لاجمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحىٰ إلا في مصر جامع أومدينة عظيمة“ وصححه ابن حزم“. (۳)

یعنی مصنف نے اس قول کو مرفوع قرار دیا ہے؛ یعنی حضرت کا قول کہا ہے، حالاں کہ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے؛ یعنی ان ہی کا قول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مصر؛ یعنی شہر کا ہونا شرط ہے۔ اس کے بعد خود حنفیہ میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ مصر کس کو کہتے ہیں اور اس بارہ میں علماء حنفیہ کے مختلف اقوال موجود ہیں، چناں چہ یہ اقوال ہدایہ اور اس کی

---

(۱) **نيل الأوطار، باب انعقاد الجمعة بأربعين انعقاد بأربعين واقامتها في القرىٰ: ۲۸۳/۳، انيس**

اگر دو ہوں تو ایک کا دوسرے سے مل جانا اجتماع کا حصول ہے اور شارع نے ان دونوں پر جماعت کا لفظ کہا ہے، چناں چہ ارشاد ہے: ”دو اور ان سے زیادہ جماعت ہیں“ جیسا کہ یہ حدیث پہلے ابواب الجماعۃ میں گزر چکی ہے۔

(۲) جمعہ و تشریق و عید الفطر و عید الاضحیٰ بجز شہر جامع کے اور کہیں نہیں ہوتے۔

(۳) **فتح القدير، باب الجمعة: ۴۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس**

اس کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جمعہ اور تشریق نہیں ہے، الخ تو مصنف نے اس کو مرفوع کہا ہے، حالاں کہ ابن ابی شیبہؒ نے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف روایت کیا ہے کہ نہ جمعہ ہے، نہ تشریق، نہ عید الفطر، نہ عید الاضحیٰ؛ مگر جامع شہر میں، یا بڑے شہر میں اور اس کو ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔

شرحوں میں موجود ہیں؛لیکن واضح ہو کہ جمعہ کے لیے مصر کا ہونا خود حنفیہ کے اصول اور قاعدہ کی رو سے حجت نہیں ہے، اس واسطے کہ اس کے خلاف حدیث مرفوع؛ یعنی حضرت کا قول موجود ہے،جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کے لیے مصر ہونا شرط نہیں ہے، چناں چہ یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے اور حنفیہ کا قاعدہ ہے کہ جو قول صحابی ایسا ہو کہ اس کے خلاف حدیث مرفوع موجود ہوتو وہ حجت نہیں ہے، چناں چہ فتح القدیر میں ہے:

''قول الصحابی حجة فیجب تقلیده عند نا إذا لم ینفه شيء آخر من السنة''. (۱)

یعنی قول صحابی حجت ہے، لہذا اس کی تقلید ہمارے اوپر واجب ہے؛مگر اس وقت کہ کوئی حدیث اس کی نفی نہ کرے۔اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ قول صحابی حجت نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس کے خلاف حدیث مرفوع موجود ہے، لہٰذا جمعہ کے لیے شہر کا شرط ٹھہرانا باطل ہو گیا اور قابل تسلیم نہیں رہا اور جمعہ کے بعد احتیاطی ظہر پڑھنا ضروری نہیں دو وجہ سے،ایک یہ کہ اس کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ جو لوگ آج کل جمعہ کے بعد ظہر پڑھنی بتاتے ہیں، وہ یہ وجہ کہتے ہیں کہ دیہاتوں میں جمعہ کے فرض ہونے میں شک ہے،اس واسطے احتیاطاً ظہر پڑھ لینی چاہیے؛لیکن اوپر معلوم ہو چکا کہ قرآن اور حدیث کی رو سے دیہاتوں میں جمعہ فرض ہے، لہذا اب جمعہ کی فرضیت میں شک نہیں رہا اور جب شک جاتا رہا تو احتیاطی ظہر بھی جاتی رہی اور اس کے پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں باقی رہی۔واللہ اعلم بالصواب

حررہ:ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ

عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال:إن أول جمعة جمعت فی الإسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم بالمدینة لجمعة جمعت بجواثٰی قریة من قرٰی البحرین. قال عثمان:قریة من قرٰی عبد القیس. (۲)

اور امور معلومہ ظاہرہ سے ہے کہ عبدالقیس میں بغیر امر حضرت صلی اللہ علیہ سلم کی اقامت جمعہ نہیں ہوا،حالاں کہ عادت صحابہ کرام سے یہ ہے کہ کوئی فعل بغیر امر شارع کے نہیں کیا کرتے ،خصوصاً زمانہ نزول وحی میں اور خصوصاً ابتداء اسلام میں،مع ہذا اگر یہ امر اقامت جمعہ من جملہ ممنوعات شرعیہ سے ہوتا تو البتہ اس کی نہی میں نزول وحی ہوتا اور عدم نزول وحی اقوی ادلہ جواز سے ہے، چناں چہ حضرت جابر اور ابو سعید نے جواز عزل پر اسی طرح استدلال کیا ہے اور کہا: ''**کنا نعزل والقرآن ینزل هکذا.** (۳)اور شواہد اس کے بہت ہیں وایضاً نماز جمعہ مانند سائر صلوٰۃ کے ہے،إلا

(۱) فتح القدیر،باب الجمعة: ٦٤/٢،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

صحابی کا قول حجت ہے،اس کی تقلید واجب ہے، ہمارے پاس جب کہ سنت سے کوئی اور چیز اس کے منافی نہ ہو۔

(۲) سنن أبی داؤد،باب الجمعة فی القرٰی: ١٦٠/١،مکتبة حقانیة ملتان،انیس

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اول جمعہ جو اسلام میں اس جمعہ کے بعد جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں ہوا تھا، جواثی میں ہوا، جو بحرین کے دیہات میں سے ایک قریہ ہے۔حدیث کے راوی عثمان کا کہنا ہے کہ وہ عبدالقیس کا ایک قریہ تھا۔

(۳) ہم عزل کیا کرتے تھے، جب کہ قرآن اترتا تھا(عزل کہتے ہیں عورت سے صحبت کرنے کے بعد انزال باہر کرنا؛ تا کہ نطفہ نہ ٹھہرنے۔)

ما ورد به النص بالتخصيص كالخطبة وغيره، (۱)اور بالاتفاق جمیع صلوات سب جگہ بلافرق قریٰ ومدن کے لازم ہے، یہ بھی ویسا ہی ہے اور ایضاً حدیث "**الجمعة واجب على كل محتلم**" (۲)عام ہے جمیع امکنہ کو بلاتخصیص بلاو عظمیہ وغیرہ کے اور حسب قاعدہ اصولیہ عام جب تک کوئی مخصوص صحیح موازن اس کی توقیت وغیرہ میں نہ ہو عموم پر محمول ہوتا ہے، باقی وہ حدیث جس پر فرقہ متعصبہ نازاں وفرحان ہے: "**عن علي قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطرٍ ولا أضحى إلا في مصر جامع أومدينة عظيمة**". (۳)امام احمد نے اس حدیث کے رفع میں بہت کلام کیا اور اخیر فیصلہ کیا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے اور ابن حزم نے فرمایا: "**الصحيح وقفه**". (۴)نیل الاوطار میں ہے: "**وللاجتهاد فيه مسرح فلا ينتهض للاحتجاج**". (۵)

پس یہ حدیث موقوف کیوں کر معارضہ اس حدیث مذکورہ بالا کا کرسکتی ہے؛ بلکہ یہ حدیث متکلم فیہ ہے، امام نووی فرماتے ہیں: "**حديث على متفق على ضعفه**". (۶)علاوہ اس کے اور احادیث اس کی مؤیدات ہیں۔ بخاری شریف میں ہے: "**قال يونس: كتب رزيق بن حكيم إلىٰ ابن شهاب وأنا معه يومئذٍ بوادی القرىٰ هل ترىٰ أن أجمع ورزيق عامل على أرض يعملها وفيها جماعة من السودان و غيرهم ورزيق يومئذٍ علىٰ أيلة فكتب ابن شهاب وأنا أسمع يأمره أن يجمع**". (۷)**ابن أبي شيبة من طريق أبي رافع عن أبي هريرة عن عمر** سے لائے ہیں: "**أن عمر كتب إلىٰ أهل البحرين أن اجمعوا حيث ما كنتم، قال: هٰذا يشتمل القرىٰ والمدن**"، **وصححه ابن خزيمة**. (۸)

---

(۱) مگر یہ کہ جس کے متعلق نص خصوصیت کی وارد ہو، جیسے کہ خطبہ وغیرہ۔

(۲) عن حفصة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: رواح الجمعة واجب علىٰ كل محتلم. (سنن الكبرىٰ للنسائى، باب التشديد فى التخلف عن الجمعة: ۱/۵۱۷، انيس)
ونیز حدیث جمعہ ہر بالغ پر واجب ہے۔

(۳) مصنف ابن أبي شيبة، من قال: لاجمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع، رقم الحديث: ۵۰۵۹، انيس

(۴) صحیح یہ ہے کہ وہ موقوف ہے۔

(۵) نيل الأوطار، تابع كتاب الصلاة، باب انعقاد الجمعة بأربعين، الخ: ۳/۲۸۶، انيس
اوراس میں اجتہاد کے لیے راہ کھلی ہے تو اس کو بطور دلیل نہیں کھڑا کیا جاسکتا۔

(۶) علی کی حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

(۷) صحيح البخارى، باب الجمعة فى القرىٰ والمدن: ۱/۱۲۲، قديمى، انيس
یونس نے کہا ہے کہ زریق بن حکیم ابن شہاب کو لکھا (اور میں اس وقت ان کے ساتھ وادی القریٰ میں تھا) کہ کیا تم مناسب سمجھتے ہو کہ میں جمعہ شروع کروں اور زریق زمین پر عامل ہے کہ اس پر حکومت کر رہا ہے اور اس میں ایک جماعت سوڈانیوں وغیرہ کی ہے اور زریق اس ایلہ میں تھا، ابن شہاب نے لکھا ہے کہ میں سن رہا تھا کہ انہوں نے اس کو حکم دیا کہ پوری حدیث جمع کردے۔

(۸) ابن ابی شیبہؒ ابی رافع کی روایت سے ابی ہریرہ عن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں عمرؓ اہل بحرین کو لکھا تم جہاں کہیں ہو جمعہ پڑھو، ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ یہ حکم دیہات اور شہروں پر شامل ہے اور اس کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

امام بیہقی طریق ولید بن مسلم سے لائے ہیں: ''عن ولید بن مسلم قال: سألت الليث بن سعد؟فقال: كل مدينة أوقرية فيها جماعة وعليهم أمير أمروا بالجمعة فليجمع بهم فإن أهل الأسكندرية ومدائن مصرومدائن سواحلها كانوا يجمعون الجمعة علىٰ عهد عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضى الله عنهما بأمرهما وفيها رجال من الصحابة''.(۱)

القصة: أحاديث كثيرة ما بين ضعافِ وحسان اس بارے میں اسفار معتبرہ میں موجود ہیں تو معلوم ہوا کہ جہاں جمعہ پڑھنا ضروری ہے، از آنکہ وعید تارک جمعہ سب پر عائد ہے۔ باقی جمعہ کے لیے جماعت کا ہونا ضروری ہے اور تعین جماعت متیقن، اقوال مختلفہ وارد ہوئے، چناں چہ صاحب فتح الباری نے ۱۵/اقوال نقل کئے۔ اما وہ تعیین جو خود شارع شریف سے ثابت ہے، تیقن وواجب التسلیم ہے۔فرمایا:''إثنان فما فوقهما جماعة''.(۲)

قال فى النيل:لم يثبت دليل علىٰ اشترا ط عدد مخصوص وقد صحت الجماعة فى سائر الصلوات باثنين ولافرق بينها وبين الجماعة ولم يأت نص من رسول الله صلى الله عليه وسلم بأن الجمعة لا تنعقد إلا بكذا .(۳)

پس حاصل یہ کہ جب دوشخص کسی مکان میں مل کر جماعت سے جمعہ پڑھ لیں تو وہ ادائے ماوجب علیہما سے بری ہوگئے۔ ہذا ہوالحق

سید محمد نذیر احمد، سید محمد عبدالسلام غفرلہ، سید محمد ابوالحسن

آیت سے فرض ہونا جمعہ کا عام طور پر ہر جگہ ثابت ہوا، شہر ہو یا قریہ۔پس تخصیص شہر کی نص کے مقابلہ میں موافق قاعدہ اصول حنفیہ کے احناف کو کرنا چاہیے، وإذ ليس فليس. (۴)اورخلاف قواعد اپنے مذہب کے فتویٰ دینا کالحباری فی الصحاری(۵) باطل ہے؛ بل هوهوس من هوسات الشيطان. (۶)اورابوداؤد میں ہے:''باب

(۱) سنن الكبرىٰ للبيهقى،باب العدد الذين إذا كانوا فى قرية وجبت عليهم الجمعة:۱۷۸/۳،انیس

کہا میں نے لیث بن سعد سے ان کی رائے دیہات میں جمعہ کے متعلق دریافت کی تو فرمایا: ہرجگہ شہر ہو کہ دیہات، جہاں لوگ ہوں، وہاں جمعہ کا حکم دیا جائے؛ کیوں کہ اہل مصر اوراس کے کناروں پر رہنے والے عمرؓ وعثمانؓ کے زمانے میں ان کے حکم سے جمعہ پڑھتے تھے اوران میں بہت سے صحابہ تھے۔

(۲) فتح البارى، كتاب الصلاة،باب إثنان فما فوقهما جماعة: ۱۸۵/۲،دار السلام الرياض،انیس

(۳) نيل الأوطار ،باب انعقاد الجمعة بأربعين،الخ: ۲۸۳/۳،انیس

دواوردو سے زیادہ جماعت ہیں۔نیل میں ہے کہ کوئی بات اس بات پر ثابت نہیں کہ عدد مخصوص مشروط ہے اور جماعت ہرنماز میں دو سے صحیح ہوجاتی ہے اوراس میں اور جمعہ میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص ثابت ہے کہ جمعہ اتنے اوراتنے سے ہوگا۔

(۴) اور یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔

(۵) جیسے جنگل میں سرخاب۔

(۶) بلکہ یہ شیطان کی ہوسنا کیوں میں سے ایک ہوس ہے۔

الجمعة فی القریٰ حد ثنا عثمان بن أبی شیبة و محمد ابن عبد اللّٰہ المخزمی لفظه قالا نا وکیع عن ابراهیم بن طهما ن عن أبی جمرة عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنه قال: إن أول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بالمدینة لجمعة جمعت بجواثیٰ قریة من قری البحرین،قال عثمان:من قری عبد القیس" (۱) اورصلوۃ جمعہ ادا کرکے پھرظہر پڑھنا ایک محدث امر ہے اوروسوسہ شیطانی۔حدیث میں آیا ہے:"کل محدث بدعة".(۲)

تلطف حسین

(جواب ازحضرت گنگوہیؒ)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم حامداً للّٰہ علیٰ جزائل نعمائه وشاکراً له علیٰ جلا ئل آلائه و مصلیاً علیٰ رسولهٖ محمد أفضل أنبیاء ہ ومبلغ انباء ہ وعلیٰ سائر الصحب والآل ومن سلک مسالک اقتفاء ہ أقول وبا للّٰہ التو فیق!

یہ جواب فتویٰ کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ فرض ہے،اگر چہ وہاں دو ہی مسلمان ہوں۔ہرگز صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ روایات معتبرہ صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ فرضیت نماز جمعہ مکہ معظّمہ میں قبل ہجرت ہوچکی تھی ؛مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظّمہ میں اقامت جمعہ کی بسبب غلبۂ کفار کے قدرت نہ تھی،لہذا اقامت جمعہ سے عاجز رہے؛ لیکن اہل مدینہ کو آپ نے واسطے اقامت جمعہ کے امر فرمایا تھا اور حسب حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ میں جمعہ ہوا اور تا مقدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں جمعہ جاری رہا،چناں چہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:

"وذلک أن الجمعة فرضت علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وهوبمکة قبل الهجرة،کما أخرجه الطبرانی عن ابن عباس فلم یتمکن من إقامتها هنالک من أجل الکفار فلما هاجرمن هاجر من أصحابه إلی المدینة کتب إلیهم یأمرهم أن یجمعوا فجمعوا"،انتهٰی عبارته.(۳)

اورنواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی عون الباری میں اورعلامہ قسطلانی اورعلامہ ابن حجر عسقلانی اپنی اپنی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

"تحت(قوله:فهدانا اللّٰہ له بأن نص لناعلیه ولم یکلنا إلیٰ اجتهادنا لاحتمال) ... أن یکون النبی

(۱) سنن أبی داؤد،باب الجمعة فی القریٰ:۱/۱٦۰،مکتبة حقانیة ملتان،انیس

(۲) ہرنئی چیز بدعت ہے۔

(۳) نیل الأوطار تابع کتاب الصلاة،باب انعقاد الجمعة واقامتها:۳/۲۸۳،شاملة،انیس

اوراس لیے کہ جمعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں ہجرت کے پہلے فرض ہوا تھا،جیسا کہ طبرانی نے اس کی روایت ابن عباسؓ سے اس طرح بیان کی ہے کہ آپ وہاں کفار کی وجہ سے جمعہ قائم نہ فرما سکے؛لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جن کو ہجرت کرنی تھی، ہجرت کرکے مدینہ آگئے تو آپ نے ان کولکھا اورحکم دیا کہ وہ جمعہ ادا کریں،چناں چہ انہوں نے جمعہ ادا کیا۔

صلی اللّٰہ علیه وسلم علمه بالوحی وهو بمکة فلم یتمکن من إقامتها، ثم فقد ورد فیه حدیث عن ابن عباس عند الدارقطنی ولذلک جمع بهم أول ما قدم المدینة، کما ذکره ابن اسحاق وغیره". (۱)

اور نیز سنن ابوداؤد میں ہے:

"عن عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک وکان قائد أبیه بعد ما ذهب بصره عن أبیه کعب بن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما کان إذا سمع النداء یوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارفقلت له اذا سمعت النداء ترحمت لأسعد بن زرارة قال؛لأنه أول من جمع بنا فی هزم النسیت من حرة بنی بیاضة فی قیع یقال له نقیع الخصمات، قلت: کم کنتم یومئذٍ؟ قال: أربعون". (۲)

ورواه ابن ماجة وقال فیه: کان أول من صلی بنا صلاة الجمعة قبل مقدم البنی صلی اللّٰہ علیه وسلم من مکة، انتهی. (۳)

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو اول جمعہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہاں ہوا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جمعہ ادا فرمائی اور اس وقت تک آیت جمعہ ہرگز نہ نازل ہوئی تھی؛ بلکہ ایک مدت کے بعد نازل ہوئی ہے، چناں چہ اتقان میں ہے:

"سورة الجمعة الصحیح أنها مدنیة لماروی البخاری عن أبی هریرة رضی اللّٰہ عنه قال: کنا جلوساً عند النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فأنزلت علیه سورة الجمعة: ﴿وآخرین منهم لما یلحقوا بهم﴾ قلت: من هم یا رسول اللّٰہ. (الحدیث) ومعلوم أن إسلام أبی هریرة بعد الهجرة بمدة وقوله: ﴿قل یأیها الذین هادوا﴾ خطاب للیهود وکانوا بالمدینة وآخرالسورة نزل فی انفضاضهم حال الخطبة لما قدمت العیر، کما فی الأحادیث الصحیحة فثبت أنهامدینة کلها"، انتهٰی عبارة الإتقان. (۴)

---

(۱) فتح الباری، باب فرض الجمعة: ۴۵۸/۲، دار السلام ریاض، انیس

"اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کی ہدایت کی" کے تحت بیان کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا اور ہم کو اجتہاد کی طرف نہ متوجہ کیا، اس احتمال سے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی سے بتادیا ہو، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے اور وہاں اس کو قائم نہ کر سکے اور اس بارے میں دار قطنی کے پاس ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے اور اسی بنا پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول اول مدینہ آئے تو ان کو جمعہ پڑھایا، جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

(۲) سنن أبی داؤد، باب الجمعة فی القریٰ: ۱۶۰/۱، مکتبة حقانیة، انیس

(۳) عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے روایت ہے اور وہ اپنے والد کی بصارت جانے کے بعد ان کو لے جایا کرتے تھے، اپنے والد کعب سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ جمعہ کے دن اذان کی آواز سنتے تو اسعد بن زرارہ کے لیے دعا فرماتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہی شخص ہے، جس نے پہلی مرتبہ ہم کو اپنے گھر کے نچلے حصے میں بنی بیاضہ کے پتھریلے میدان میں ایک جگہ جس کو نقیع الخصمات کہا جاتا تھا، جمع کیا تھا، میں نے پوچھا کہ اس وقت تم کتنے آدمی تھے تو فرمایا چالیس آدمی۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ان کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکہ سے آنے سے پہلے انہوں نے ہی ہم کو جمعہ کی نماز پڑھائی تھی۔

(۴) الإتقان فی علوم القرآن، فصل فی تحریر السور المختلف فیها: ۴۴/۱، انیس　　==

پس ان روایات سے ثابت ہو چکا کہ نزول آیت جمعہ کا بعد فرضیت جمعہ کے ہے۔اس آیت کے نزول سے ابتداء فرضیت جمعہ امت پر نہیں ہوئی؛ بلکہ نزول آیت کا بعد فرضیت جمعہ کے ہوا ہے، بہت سے احکام اس قبیل سے ہیں کہ اول حکم نازل ہوگیا اور آیت اس باب میں بعد میں نازل ہوئی، یہ آیت بھی اسی قسم میں داخل ہے۔سیوطی اتقان میں کہتے ہیں:

''النوع الثانی عشر ما تأخر حکمه عن نزوله و ما تأخر نزوله عن حکمه إلیٰ أن قال ومن أمثلته أیضا آیة الجمعة فإنها مدینة والجمعة فرضت بمکة إلیٰ أخر ما قال''.(۱)

پس جو علما فرماتے ہیں کہ فرضیت جمعہ بعد ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوئی اس آیت سے،سواگر ان کی یہ مراد ہے کہ وہ آیت جس سے فرض ہونا جمعہ کا ہم کو معلوم ہوتا ہے، مدینہ میں نازل ہوئی تو یہ قول ان کا درست اور بجا ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ جمعہ مدینہ طیبہ میں بعد ہجرت اس آیت سے ہی فرض ہوا تو ہر اہل بصیرت پر واضح ہے کہ یہ رائے خلاف واقعہ کے ہے، چناں چہ اوپر کی احادیث سے ظاہر ہوگیا اور یہ روایت ابوداؤد وغیرہ کی ہے کہ!

''عن ابن سیرین جمع أهل المدینة قبل أن یقدم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وقبل أن تنزل الجمعة وهم الذین سمرها الجمعة فقالت الأنصار للیهود:یوم یجتمعون فیه کل سبعة أیا م وللنصاریٰ أیضاً مثل ذلک فهلم فلنجعل یوماً نجتمع ونذکر اللّٰه تعالیٰ ونصلی ونشکره فیه أو کما قالوا:یوم السبت للیهود ویوم الأحد للنصاریٰ فاجعلوه یوم العروبة وکانوا یسمون یوم الجمعة یوم العروبة فاجتمعوا إلیٰ أسعد بن زرارة فصلی بهم یومئذٍ ... فأنزل اللّٰه فی ذلک بعد ذلک إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلیٰ ذکر اللّٰه''.(۲)

== سورۂ جمعہ کے متعلق صحیح تو یہی ہے کہ وہ مدنی ہے، جیسا کہ بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ جمعہ نازل ہوئی،جس میں یہ آیت بھی تھی﴿واٰخرین منهم لما یلحقوا بهم﴾ تو میں عرض کیا :یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں؟ (آخر حدیث تک) اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ ہجرت کے ایک مدت بعد اسلام لائے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نبی کو کہ﴿قل یا أیها الذین هادوا﴾ یہود سے خطاب ہے، جو مدینہ میں آئے تھے اور یہ آخری سورہ ہے، جو بوقت خطبہ ان کے پراگندہ ہوجانے کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب کہ قافلہ آیا تھا،جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آتا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ سورہ پوری مدنی ہے۔

(۱) الاتقان فی علوم القرآن فی بحث ما تأخر حکمه عن نزوله،الخ:۱/۱۰۶-۱۰۸،انیس

بارہویں قسم وہ ہے،جس کا حکم نزول سے متاخر ہے اور جس کا نزول حکم سے متاخر ہے، یہاں تک کہ فرمایا:اور ان کی مثالوں سے جمعہ کی آیت بھی ہے؛ کیوں کہ وہ مدنی ہے اور جمعہ مکہ میں فرض ہوا۔

(۲) مصنف عبد الرزاق، کتاب الجمعة، باب أول جمع:۳/۱۵۹،انیس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں آنے اور سورۂ جمعہ کے نازل ہونے کے پہلے اہل مدینہ جمع ہوئے اور انصار نے کہا کہ یہود کا ایک دن ہے کہ وہ اس میں ہر ہفتہ جمع ہوتے ہیں اور نصاریٰ کا بھی اسی طرح تو آؤ ہم بھی ایک دن ایسا مقرر کرلیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور نماز پڑھیں اور شکر ادا کریں، چناں چہ جمعہ کے دن کو''یوم العروبہ'' (عربوں کا دن) قرار دیا اور اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے،انہوں نے ان کو نماز پڑھائی،اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:﴿إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة﴾الخ کہ جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے...۔

سو یہ روایت معارض اس پہلی روایت کے کہ جس میں امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا با قامت جمعہ ثابت ہوتا ہے، ہرگزنہیں ہے، چوں کہ یہ اجتماع انصار کا از رائے خود قبل امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا تھا اور وہ صلوٰۃ تنفلاً تھی، اس کے سبب سے انہوں نے فرض ظہر تک نہ کیا، کیوں کہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اپنی رائے سے ایک امر ایجاد کر کے فریضہ حق سبحانہ تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتے اور بعد امر رسول اللہ علیہ وسلم فریضہ جمعہ دو رکعت پڑھی گئی اور اس کو مسقط ظہر ٹھہرایا گیا، پس ان دونوں واقعوں میں کچھ مخالفت اور تعارض نہیں ہے۔

الحاصل محقق ہوگیا کہ فرضیت جمعہ مکہ معظّمہ میں ہوچکی تھی اور مکہ میں اقامت جمعہ سے تعذر رہا اور مدینہ طیبہ میں کہ مصر تھا اور مسلمانوں کو تمکن اقامت جمعہ کا تھا۔ جمعہ بامر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جاری رہا اور جو مواقع محل اقامت جمعہ نہ تھے، مثل عوالی قبا وغیرہ وہاں جمعہ جاری نہیں ہوا، حالاں کہ وہاں بہت مسلمان مقیم تھے اور کبھی نہ بعد میں وہاں جمعہ پڑھا گیا، چناں چہ ابوداؤد میں روایت ہے:

”عن ابن عباس: أن أوّل جمعة جمعت في الإسلام بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة لجمعة جمعت بجواثى قرية من قرىٰ البحرين، قال عثمان: قرية من قرى عبد القيس، انتهٰى“. (۱)

پس اگر ہر قریہ میں اگر چہ صغیرہ ہو، جمعہ فرض تھا تو کیا وجہ تھی کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو امر نہ فرمایا، جیسا کہ اہل مدینہ کو امر فرمایا تھا، حالاں کہ تبلیغ احکام آپ کی ذات پاک پر ہر بشر کی طرف فرض تھی اور جب بعد اس کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو اول نزول آپ کا قبا میں ہوا اور وہاں چودہ روز آپ نے اقامت فرمائی، اگر چہ عدد ایام اقامۃ میں اختلاف ہے، مگر کتاب بخاری اصح الکتب میں جو چودہ روز مذکور ہیں، وہ سب سے راجح ہے اور ان ایام اقامت قبا میں آپ کو دو جمعہ پیش آئے؛ کیوں کہ آپ پیر کے روز قبا میں فروکش ہوئے اور پیر ہی کے روز پندرہویں دن مدینہ کو تشریف لے گئے؛ مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبا میں اقامت جمعہ نہ فرمائی اور نہ اہل قبا کو حکم فرمایا کہ تم پر نماز جمعہ فرض ہے، تم اقامت جمعہ کرو اور نہ اس پر سرزنش فرمائی کہ مدینہ میں جمعہ ہوتا ہے، تم نے اب تک جمعہ کیوں نہیں پڑھا تو اہل قریہ پر اگر جمعہ فرض تھا تو اس ترک نماز جمعہ کی اہل قبا سے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا وجہ تھی، جو صاحب مدعی وجوب جمعہ بر اہل قری ہیں، ان پر اس کا جواب واجب ہے۔ بخاری میں ہے:

حدثنا أنس بن مالک قال: لما قدم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة نزل في علو المدينه في حي يقال لهم بنو عمرو بن عوف، قال: فأقام فيهم أربع عشرة ليلة. (الحديث)(۲)

(۱) سنن أبي داؤد، باب الجمعة في القرىٰ: ۱/ ۱۶۰، مكتبة حقانية ملتان، انيس

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا جمعہ جو اسلام میں پڑھا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مدینہ میں جمعہ ادا کرنے کے بعد، وہ جمعہ ہے جو بحرین کے دیہات میں سے ایک گاؤں جواثی میں ہوا، جو عبدالقیس کے دیہات میں تھا۔

(۲) صحيح البخاري، باب مقدم النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه المدينة: ۱/ ۵۵۹-۵۶۰، قديمي، انيس==

اورجن علما کواس روایت جمعہ جواثی سے شبہ وجوب جمعہ براہل قری ہوا ہے، وہ کئی وجہ سے درست نہیں ہے اوراول تو یہ کہ جواثی گاؤں نہ تھا؛ بلکہ شہر تھا اور جب اس میں احتمال ان معنی کا ہوا تو استدلال درست نہ رہا کہ ''إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال. في العيني شرح البخاري وحكى ابن التين عن الشيخ أبي الحسن أنها مدينة وفي (الصحاح) للجوهري و (البلدان) للزمخشري جواثٰى حصن بالبحرين وقال أبوعبد البكري: وهي مدينة بالبحرين لعبد القيس. قال أمرأ القيس:

ورحنا كأنا من جواثٰى عشية نعالى النعاج بين عدل ومحقب

يريد كانا من تجار جواثٰى لكثرة ما معهم من الصيد أراد كثرة أمتعة تجار جواثٰى، قلت: كثرة الأمتعة تدل غالباً علٰى كثرة التجار و كثرة التجار تدل علٰى أن جواثٰى مدينة قطعاً؛ لأن القرية لا يكون فيها تجار كثيرون غالباً، انتهٰى. (۱)

اور باآنکہ بعض اوقات اطلاق قریہ کا باعتبار اس کے معنی لغوی اجتماع کے مدینہ پر بھی ہوجاتا ہے۔ قال اللّٰه تعالى: ﴿ وقالوا لولا أُنزل هٰذا القران على رجل من القريتين عظيم﴾ (۲) یعنی مکہ وطائف اور اگر تسلیم ہی کرلیا جاوے کہ جواثی قریہ تھا تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اہل جواثی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت واذن سے وہاں جمعہ ادا کیا تھا اور آپ کو اس کی اطلاع ہوئی اور آپ نے اس کی تقریر بھی فرمائی، آج تک یہ کسی سے ثابت نہیں ہوا ہے کہ یہ فعل ان کا باذن واجازت آپ کے تھا۔ اگر کسی کو دعویٰ ہو تو اب صراحۃً اجازت آپ کی کسی حدیث صحیح سے ثابت کرے اور یہ خیال کہ صحابہ جو کچھ کرتے تھے، آپ کی اجازت سے کرتے تھے، چناں چہ بعض علماء مثل علامہ شوکانیؒ وغیرہ نے عذر کیا ہے، درست نہیں ہے؛ کیوں کہ بہت افعال صحابہ کرام سے بلا اذن صریح واجازت آپ کے ہوا کرتے تھے، چناں چہ خود اسی امر جمعہ میں اسعد بن زرارہ نے قبل امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمعہ قائم کیا تھا،

== حضرت انس بن مالکؓ نے ہم سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے اوپر ایک حصہ میں ایک قبیلہ اترے، جس کو بنوعمر بن عوف کہا جاتا ہے کہ وہاں (۱۴) رات ٹھہرے۔

(۱) عمدة القاري، كتاب الجمعة في القرى والمدن: ۳۹/۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

جب احتمال آ گیا تو استدلال باطل ہوگیا، عینی شرح بخاری میں ہے اور ابن قیس نے شیخ ابوالحسن سے روایت کی ہے کہ وہ (جواثی) شہر ہے اور جوہری کی صحاح میں اور زمخشری کی بلدان میں ہے کہ جواثی بحرین میں ایک قلعہ ہے اور ابوالبکری فرماتے ہیں کہ وہ بحرین میں ایک شہر ہے، جو عبدالقیس کا ہے۔ امراء القیس کہتا ہے: (شعر) اور ہم روانہ ہوئے اس طرح کہ گویا وہ جواثی سے شام کے وقت بھیڑیں بلند تھیں گھڑیوں اور رسیوں کے درمیان) یعنی گویا وہ جواثی کے تجار سے تھے کہ ان کے ساتھ شکار زیادہ تھے اور مال کی زیادتی سے مراد جواثی کے تجار سے تھے، میں کہتا ہوں کہ سامان کی زیادتی اس بات کی دلیل ہے کہ تجار کی کثرت تھی اور تجار کی کثرت اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جواثی شہر تھا؛ کیوں کہ گاؤں میں غالباً زیادہ تجار نہیں ہوتے۔

(۲) سورة الزخرف: ۳۱، انيس

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اس شخص پر کیوں نہ اترا جو ان دونوں گاؤں میں سے بڑا ہو''۔

جیسا کہ حدیث ابوداؤد سے اوپر ثابت ہوا اور چوں کہ جواز اقامت جمعہ کا جواثی میں درصورت قریہ صغیرہ ہونے جواثی کے موقوف تھا اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، یا بعد خبر ہونے کے تقریر اور سکوت پر اور یہ دونوں امر ہرگز ہرگز ثابت نہیں تو علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواز کے لیے یہ تجویز فرمائی کہ جس کو مجیب صاحب نقل فرماتے ہیں:

”عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال: إن أول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بالمدینة لجمعة بجواثٰی قریة من قریٰ البحرین، قال عثمان: قریة من قریٰ عبد القیس. (۱)

اور حاصل اس کا یہ ہے کہ اگر چہ یہاں اذن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے نہ ہو، یا کسی نے خبر اس اقامت کی آپ کو نہ دی ہوتا کہ آپ کی تقریر اور سکوت موجب جواز ٹھہرائی جاوے؛ مگر چوں کہ آپ کی حیات میں اہل جواثی نے یہ اقامت جمعہ کی تھی تو اگر یہ اقامۃ ناجائز ہوتی تو بالضرور بذریعہ وحی کے آپ کو اطلاع دی جاتی اور آپ اس کو منع فرماتے، پس جب کہ آپ کو اس کی ممانعت کا حکم نہ آیا تو یہ اقامت درست اور جائز ہوگئی اور اس کی نظیر میں واقع عزل کو پیش فرماتے ہیں۔

اب بندہ عرض کرتا ہے کہ جو امر صحابہ نے اپنی رائے سے بدون علم و اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملدرآمد فرمایا اور اس کی ممانعت میں نزول وحی نہ ہوا تو اس امر کے جواز کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ اس میں کوئی نص ممانعت کی موجود نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ عامہ صحابہ اس پر تعامل فرمادیں، نہ چند نفر اصحاب اگر کوئی نص ممانعت موجود ہو تو ہرگز صحابہ کا تعامل معتبر نہ ہوگا بمقابلہ نص صریح صحیح کے اور نہ یہاں ضرورت نزول وحی کی ہوگی کہ وہ نص ممانعت خود بمنزلۂ وحی کے موجود ہے، چناں چہ سب پر واضح ہے اور اگر بدون اطلاع نص کے اکثر صحابہ نے بھی کوئی عمل کیا اور اس پر انکار کیا گیا تو وہ بھی قابل اعتماد کے نہ ہوگا اور ضرورت نزول وحی کی نہ ہوگی؛ کیوں کہ قول اور فعل رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل وحی کے ہے؛ بلکہ ایسے مواقع میں اس کے مقابل دوسری نص کی حاجت ہوتی ہے، جو مؤید رائے صحابہ کے ہو، چناں چہ باب متعہ میں بعد اوطاس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو ابدالآباد تک حرام من کل الوجوہ فرمادیا تھا اور بعد اس کے بسبب ہجری اس تحریم کے بعض صحابہ نے اس کو ناجائز جانا اور اکثر نے اس پر عمل بھی کیا، اس میں نزول وحی کا نہیں ہوا، پھر بھی کوئی اس کو جائز نہیں کہہ سکتا اور اس کے اور نظائر بھی موجود ہیں اور باب عزل میں خود جواز کی نص موجود ہے کہ خود جابر رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں:

قال: قلنا یارسول اللّٰہ إنا کنا نعزل فزعمت الیهود أنه المؤودة الصغریٰ، فقال: کذبت الیهود إن اللّٰہ إذا أراد أن یخلق شیئاً لم یمنعه“. (۲)

(۱) سنن أبی داؤد، باب الجمعة فی القریٰ: ۱/ ۱۶۰، مکتبة حقانیة ملتان، انیس

(۲) سنن الترمذی، أبواب النکاح، باب العزل: ۱/ ۲۱۵-۲۱۶، انیس

کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم عزل کیا کرتے ہیں (یعنی صحبت کر کے انزال باہر کرتے ہیں) تو یہود کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ بچوں کا گاڑنا ہے چھوٹے قسم کا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود جھوٹ کہتے ہیں، اگر اللہ کسی مخلوق کو پیدا کرنا چاہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

پس جب کہ جابر رضی اللہ عنہ کو جواز اس کا معلوم ہو چکا تھا اور اکثر صحابہ اس پر تعامل رکھتے تھے اور کوئی نص اس کی حرمت کی نہ تھی اس پر بھی جب بعض نے اس فعل کا انکار کیا تو حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ فعل باجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے اور کوئی وحی اس کے ترک کی نہیں آئی تو کس وجہ سے یہ فعل ناجائز ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر یہ فعل خلاف اولیٰ ہو تو یہ دوسرا امر ہے، بخلاف مسئلہ اقامت جمعہ کے اس میں کوئی دلیل جواز جمعہ کی موجود نہیں ہے؛ بلکہ نص صریح فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعامل صحابہ اہل عوالی وغیرہ سے اس کی ممانعت بدیہی وصریح ہے اور اہل جواثی کہ بزعم علامہ رحمہ اللہ علیہ وہ قریہ صغیرہ تھا، چند نفر صحابہ تھے کہ چند روز صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے تھے اور بیشتر قری صغیرہ میں بھی چالیس پچاس آدمی ہوتے ہیں، پھر یہاں نزول وحی کے باوجود ایسی نص مخالف موجود ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ پس اس کو باب عزل پر قیاس کرنا ایسے علامہ محقق سے بہت بعید ہے۔ مع ہذا اگر کوئی اس رائے کو باوجود عدم صحت قبول بھی کرلے تو اس سے جواز اقامت فی القری نکلتا ہے نہ فرضیت، پھر یہ روایت مجیب صاحب کو کیا مفید ہوگی کہ وہ دوآدمی قریہ پر بھی جمعہ فرض فرماتے ہیں، نہ معلوم نقل اس عبارت سے مجیب صاحب کو کیا تائید ملی اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ جواثی مدینہ تھا، چناں چہ محققین لغت حدیث نے تصریح فرمائی ہے، کما ذکرنا اور عادت ہے کہ مدینہ پر قریہ کا لفظ بولا جاتا ہے اور قریہ کو مدینہ کوئی نہیں کہتا، لہٰذا اگر کسی نے جواثی کو قریہ کہا تو وہ حجت اس پر نہیں ہے کہ جواثی قریہ تھا؛ بلکہ وہ مدینہ ہی تھا۔ پس دریں صورت اقامت جمعہ اہل جواثی کی بنص صریح وباجازت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کہ اس میں کچھ اشکال نہیں۔

بعد اس کے مجیب صاحب نے فتح الباری سے آثار حضرت عمر وحضرت عثمان وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین نقل فرمائے ہیں اور یہ ان کو مفید نہیں؛ کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامہ میں جو لفظ "حیثما کنتم" واقع ہے، اس سے یہ صاحب عموم امکنہ ثابت کرتے ہیں کہ مدن اور قری کو شامل ہے۔ سواولاً ہم کہتے ہیں کہ اگر حسب الحکم مجیب صاحب عموم امکنہ ہی مراد ہو تو یہ عموم صحاری اور بحار کو بھی مشتمل ہے اور صحاری میں کسی کے نزدیک بھی جمعہ ادا نہیں ہوتا تو جس طرح صحاری وبحار کو وہ تخصیص کریں گے، اسی طرح سے ہم قری صغیرہ کو تخصیص کریں گے اعنی بالنص المرفوع۔ ثانیاً اگر مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی تعمیم ہے تو کیوں کر مظنون ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ دس سال تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کو مشاہدہ فرمادیں، پھر آپ کے تعامل کے خلاف پر جرأت فرمادیں، حاشا وکلا یہ ہرگز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوسکتا۔ ثالثاً بفرض محال اگر مراد ان کی عموم ہی ہے تو خلاف نص قطعی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کس طرح معتبر ہوگی، لہٰذا مراد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عموم مدن ہے، نہ اشتمال قری۔ علیٰ ہذا اثر حضرت عثمان وغیرہ کا یہی جواب ہے اور اسی وجہ سے صاحب فتح الباری نے یہاں اشتمال قری خیال فرمایا ہے۔ وہ اول آثار کو خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ ان کے نزدیک موقوف ہے اور بسبب موقوفیت ان ہرسہ آثار کے ان کو مثبت مدعا نہ جان کر فرماتے ہیں کہ رجوع طرف مرفوع کے واجب ہے۔

پس حنفیہ عامل اس پر ہوئے کہ نص مرفوع؛ یعنی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر کیا اور اقوال اور افعال صحابہ کو ہر گز وہ مختلف نہیں جانتے اور نہ وہ فی الواقع مختلف ہیں؛ بلکہ سب کے نزدیک وہی معتبر ہے کہ جس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہمیشہ دیکھتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عمرؓ وہی حکم دیتے تھے کہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حذیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم فرماتے تھے، پس کوئی ادنیٰ صحابہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ اکابر صحابہ۔ پس جملہ اصحاب کرام کے کام کو بالاتفاق موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل کرنا چاہیے اور اگر خلاف متبادر ہو تو تاویل کرنا واجب ہے اور اگر تاویل بھی نہ ہو سکے تو ترک کر دینا چاہیے اور مذہب اپنا موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرنا چاہیے اور اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ جتنی احادیث موقوفہ، یا مرفوعہ بلفظ عموم آئی ہیں، وہ سب مخصوص ہیں، اس میں عموم مدن ہے، نہ قری اور جہاں قریہ کا لفظ وارد ہوا ہے، وہاں مراد مدینہ ہے، حسب لغت قرآن نہ کہ قریہ صغیرہ، ورنہ دس سال کے فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سخت مخالفت ہوگی، چناں چہ اوپر ذکر ہو چکا۔

الحاصل نہ اقوال صحابہ میں اختلاف ہے اور نہ رجوع الی المرفوع سے جواز اقامت قری ثابت ہے۔ پس مذہب حنفیہ پر کسی طرح کا اشکال نہیں ہے، البتہ نظر غائر درکار ہے اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ میں کسی قدر تاکید فرماتے تھے اور ترک جمعہ پر تغلیظ فرماتے اور اس کو تمام اہل عوالی سنتے، مع ہذا کسی نے اپنے قریہ میں یہ جمعہ قائم نہ کیا اور نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس سال حیات خود میں ان کو اقامت جمعہ کا حکم فرمایا، نہ ترک جمعہ پر تغلیظ فرمائی، جس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام صحابہ اہل عوالی یہ سمجھتے تھے کہ یہ تاکید اور تغلیظ انہی لوگوں پر ہے، جن پر جمعہ فرض ہے۔ اہل قریٰ اہل صحاری اس سے خارج اور مستثنیٰ ہیں، علی ہذا آیت کے عموم اور عموم الفاظ جملہ احادیث واردہ فی الجمعہ سے بھی یہ لوگ خارج ہیں۔

لہٰذا کسی قریہ میں کبھی کسی نے جمعہ قائم نہ کیا اور اگر کسی شخص کو اس کا دعویٰ ہے کہ وہاں جمعہ ہوتا تھا تو اس کو ثابت کرے، ورنہ معاذ اللہ یہ لازم آئے گا کہ تمام اہل عوالی بترک جمعہ فرض قطعی فاسق ہوں۔ (استغفر اللہ، استغفر اللہ) اور احادیث سے صریح ثابت ہے کہ عوالی سے لوگ مدینہ طیبہ میں نوبت نوبت آتے تھے کہ ایک جمعہ کو چند آدمی آئے اور باقی اپنے گھر پر رہے اور دوسرے جمعہ کو دوسری جماعت جو پہلے جمعہ کو نہ آئی تھی، جمعہ کے واسطے مدینہ آتے اور وہ جماعت جو پہلے جمعہ کو مدینہ آئی تھی، اپنے گھر پر رہتی اور جو لوگ اپنے گھر پر رہتے تھے، وہ ظہر پڑھتے تھے۔ وہاں کبھی انہوں نے جمعہ ادا نہیں کیا اور یہ امر بعلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؛ بلکہ بامر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھا تو اگر اہل قری پر جمعہ فرض تھا تو معاذ اللہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقامت جمعہ کا حکم ان لوگوں کو نہ فرمانے میں کیا مخالف حکم ﴿بلغ ما أنزل إليك من ربك﴾ (۱) کرتے، ہر گز نہیں؛ بلکہ اہل قری پر جمعہ فرض ہی

(۱) آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل ہوا، وہ سب پہنچا دیجئے۔

نہ تھا اور نوبت بنوبت ان کا آنا واسطے تحصیل برکات زیارت کے تھا اور بغرض تعلیم مسائل دینیہ کہ ہر ہر جماعت اپنی اپنی نوبت میں شرف زیارت سے مشرف ہو جاوے اور مسائل دینیہ سیکھ کر پسماندگان کو تعلیم کرے۔ بخاری میں ہے:

''عن عروة بن الزبير عن عائشة رضي الله عنها زوج البني صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي''. (الحديث)(۱)

قال العلامة ابن حجر في شرحه: قال القرطبي: فيه رد على الكوفيين حيث لم يوجبوا الجمعة علىٰ ما كان خارج المصر، كذا فيه نظر؛ لأنه لو كان واجباً علىٰ أهل العوالي ما يتنابون ولكانوا يحجرون جميعاً، انتهىٰ. (۲)

سبحان اللہ، ابن حجر مرحوم نے کیا انصاف اور دیانت کا کام فرمایا کہ باوجود تصلب اپنے مذہب شافعی کے حق کو ظاہر کر گئے کہ اہل قری پر فرضیت جمعہ کی ہرگز اس حدیث سے نہیں ثابت ہوتی، جیسا کہ قرطبی کو غلطی ہوئی؛ بلکہ وہ مان گئے کہ اس حدیث سے اہل قری پر جمعہ فرض نہ ہونا ثابت ہوتا ہے؛ مگر ہاں اتنی کمی رہی کہ ابن حجر بنظر انصاف یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قریہ میں جمعہ کا ادا نہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، ورنہ باقی ماندگان عوالی اپنی قری میں جمعہ ادا کیا کرتے، اس واسطے کہ جمعہ کے فضائل اور کثرت ثواب جو ان کے دلوں میں رچا ہوا تھا تو تمام عمر اس سے محرومی کیوں کر گوارا کرتے؛ بلکہ صحابہ کرام بنظر ان کی کثرت حرص حسنات مسابقت الی الخیرات ایک جمعہ کا ترک بھی گوارا نہ فرماتے اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو ارحم الناس اپنے صحابہ پر تھے اور نوافل وسنن وفضائل ومستحبات کے لیے ان کو امر ندب فرماتے تھے، اس کا بھی ضرور امر فرماتے، حالاں کہ کہیں اس کا پتہ نہیں ہے، اس سے خود ہویدا ہے کہ قریہ محل اقامت جمعہ بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ ان پر فرض ہوتا۔

پس مجیب اور ان کے معاونین کا یہ لکھنا کہ وجوب جمعہ کے لیے خاص کسی بستی کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ ہر چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔ احادیث صحیحہ کے صریح خلاف اور محض دعویٰ بلا دلیل ہے اور مجیب صاحب جو عموم آیت سے یہ نکالتے ہیں کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے تو اول تو وہ خود حدیث طارق بن شہاب مروی ابوداؤد سے تخصیص آیات کی کرتے ہیں کہ مریض اور مملوک اور مرأة اور صبی کو خارج کرتے ہیں، جس سے عموم آیت بحال خود نہ رہا۔ دوسرے مسافر اس آیت سے خارج ہے اور اہل صحرا بھی۔ اسی واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عرفات پر نماز جمعہ نہیں پڑھی؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے اور نیز اس وجہ سے عرفات صحرا ہے، نہ بستی۔ ایک روایت رجا

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من أين تؤتى الجمعة وعلىٰ من تجب: ۱۲۳/۱، قديمي، انيس

(۲) عروہ بن زبیر، حضرت عائشہؓ (ام المؤمنین زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ جمعہ کے لیے اپنے مکانوں سے اور اطراف مدینہ سے نائب بنایا کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ قرطبی نے فرمایا کہ اس میں اہل کوفہ کی تردید ہے کہ ان کے نزدیک اس پر واجب نہیں ہے، جو شہر کے باہر ہو، یہ مسئلہ محل غور ہے کہ اگر اطراف والوں پر واجب ہوتا تو وہ نائب نہ بناتے؛ بلکہ خود حاضر ہوتے۔

ءابن المرجاء نے تمیم داری سے نقل کی ہے، جس میں پانچ شخصوں کو استثنا کیا ہے۔ چار یہ اور ایک مسافر اور ایسے ہی صحرا میں جمعہ درست نہ ہونا اور صحرا والوں پر فرض نہ ہونا علماء مجتہدین کا متفق علیہ ہے۔ تیسرے یہ سابق مثل آفتاب کے روشن ہو گیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی قریہ عوالی، یا غیر عوالی میں اقامت جمعہ نہیں ہوئی، لہذا اہل قریہ اس آیت سے مستثنیٰ ہیں۔ پس استدلال مجیب کا عموم آیت سے فرضیت جمعہ اہل قری پر درست نہیں ہے اور اصل یہ ہے کہ فرضیت جمعہ پہلے محقق ہو چکی تھی۔ اب جس پر اور جس جگہ جمعہ فرض تھا اور جہاں ادا ہوتا تھا، وہ سب پہلے معلوم اور مقرر ہو چکی تھی اور قبل نزول آیت سب قواعد ممہد ہو لیے تھے۔ پس اس آیت کے اندر جو مومن مخاطب ہیں، یہ وہی مومنین ہیں کہ جن پر فرضیت جمعہ مقرر ہو چکی تھی، پاس اس کے عموم سے کسی کے استثنا کی حاجت نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ سر ے سے داخل ہی نہیں تھے۔ علی ہذا القیاس جن احادیث میں عام لفظوں سے وجوب جمعہ بیان کیا گیا ہے، ان سب سے وہ لوگ مذکورہ بالا سب مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ آیت شریف: ﴿**ان الذین کفروا سواء علیهم أ أنذرتهم أم لم تنذرهم لا یؤمنون**﴾ (۱) میں اگرچہ لفظ موصول عام ہے؛ مگر مراد اس سے وہی معدودے چند کافر ہیں کہ جو سابقہ روز ازل میں کافر مقدر ہو چکے تھے، جیسے: ابوجہل ابولہب وغیرہ، نہ کل کفار؛ کیوں کہ بعد نزول اس آیت کے لاکھوں کافر مسلمان ہوئے۔ اگر اس آیت سے عموم جنس مراد ہوتا تو کسی طرح درست نہیں ہو سکتا علی ہذا۔

جملہ احادیث وارد ہ باب جمعہ وآیت جمعہ میں لفظ موصول میں اہل قری وغیرہ داخل ہی نہیں ہیں کہ تخصیص کی ضرورت پڑے؛ مگر چونکہ مجیب صاحب نے غور اور فکر کو کام نہیں فرمایا، جو چاہا لکھ دیا اور اوپر اشارہ ہو چکا ہے آپ کے قبا کے قیام میں اختلاف ہے کہ کتنے روز ہوا؛ مگر جب ہم نے بخاری اصح الکتب پر اعتماد کیا تو ان روایات کی مخالفت کچھ مضر نہیں، ہر چند کہ وہ روایات صحیح ہوں؛ مگر صحت روایت منافی اس کے خلاف واقعہ ہونے کے نہیں ہوتی، مثلاً صحیح بخاری میں عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تین روایتیں ہیں: ساٹھ برس، تریسٹھ برس، پینسٹھ برس۔ سو یہ ہر سہ روایت بروئے سند صحیح ہیں؛ مگر موافق ومطابق واقعہ کے ان میں سے ایک ہی روایت تریسٹھ برس کی ہے اور دو روایتیں خلاف واقعہ کے ہیں، سو ان دو روایات کو یا غلط کہا جاوے، یا کوئی معنی مجازی لے کر ان کی تاویل کی جائے گی۔ بہر حال معنی ظاہری کو خود دو صحیح روایات خلاف واقعہ کے ہیں۔ ایسے ہی باب قیام قبا میں چند روایتیں ہیں کہ خلاف صحیح بخاری کے ہیں، ازاں جملہ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروز جمعہ مدینہ تشریف لے گئے اور آپ نے بنی سالم میں نماز جمعہ ادا کی۔ اس روایت سے بھی بعض علما نے جواز جمعہ قری تجویز کرلیا، اگر چہ ہم کو بعد اعتماد روایت بخاری اس پر وثوق کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ یہ خلاف واقع ہے؛ کیوں کہ جب آپ پیر کو قبا میں تشریف لائے اور پندرہویں روز پیر کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو پھر راہ میں بنی سالم میں جمعہ پڑھنے کے کیا معنی ہوئے، یہ

---

(۱) سورۃ البقرۃ:٦،انیس

بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں، خواہ آپ ان کو ڈرائیں، یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لائیں گے۔

روایت صحیح نہیں ہے؛ بلکہ غلطی راوی کی ہے؛ لیکن اگر کسی طرح نماز جمعہ بنی سالم میں تسلیم بھی کی جائے تو بنو سالم محلّہ مدینہ طیبہ کا ہے اور فناء مدینہ میں واقع ہے کہ وہ آباد نہیں ہے اور اس وقت آباد تھا اور مدینہ طیبہ کا محلّہ شمار کیا جاتا تھا؛ کیوں کہ فناء مدینہ میں واقع تھا، جیسا کہ حرۃ البیت بھی فناء مدینہ میں خارج مدینہ واقع ہے۔

سو یہ حجت مجوزین جمعہ قری کو مفید نہیں ہے، حنفیہ کو مضر نہیں اور بمقابلہ روایات کے جو اوپر مذکور ہوئیں، کچھ معتبر بھی نہیں اور یہ سب تقریر بر تقدیر وجوب جمعہ بحالت قیام مکہ ہے اور یہی صحیح ہے اور اگر بپاس خاطر بعض علماء یہ تسلیم کرلیا جاوے کہ جمعہ مدینہ طیبہ میں فرض ہوا، تب بھی اعتراض جوانب مدینہ میں جمعہ نہ ہونے کا اور اہل عوالی کے تناوب کا باقی ہے اور حنفیہ کے لیے عدم وجوب جمعہ بر اہل قری وعدم صحت جمعہ قری کے لیے دلیل کافی ہے، چناں چہ ابن حجر نے اس کا اقرار کرلیا، پھر یہ کہ مجیب صاحب نے اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کلام کیا ہے، جس سے ان کی ناواقفیت اصول حدیث وفقہ سے معلوم ہوگئی۔

پس سنو کہ جو حدیث موقوف کہ اس میں قیاس کو دخل ہو، قول صحابی کا ہوتا ہے اور ایسے ہی موقوف کو صاحب فتح القدیر حسب قاعدہ اصول فقہ فرماتے ہیں کہ بمقابلہ حدیث مرفوع معتبر نہیں ہوتے اور جو حدیث موقوف کہ قیاس کو اس میں دخل نہ ہو، یا وہ مؤید ومشید بحدیث مرفوع ہو، وہ خود بحکم مرفوع ہوتی ہے اور یہ اثر علی رضی اللہ عنہ قسم ثانی ہے، نہ اول سے؛ کیوں کہ شرطیت عبادات کی رائے اور قیاس سے ثابت نہیں ہوسکتی؛ بلکہ اس کے لیے نص صریح ہونا درکار ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحت جمعہ کے واسطے مصر کا شرط فرمانا بدون نص شارع علیہ السلام نہیں ہوسکتا، ورنہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حسب زعم مجیب اور اس کے شیوخ اور اتباع کی آیت: ﴿**یا ایها الذین آمنوا اذا نودی للصلاة من یوم الجمعة**. (الآیة)

عام ہو اور دیگر احادیث بھی باب جمعہ میں سے عام ہوں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کو جانتے ہوں اور پھر نصوص قطعیہ کو وہ اپنی رائے سے مخصوص بناویں اور تخصیص نسخ ہوتا ہے، قدر مخصوص میں۔ معاذ اللہ علی کرم اللہ وجہہ سے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آیت قرآنی وحدیث رسول کو اپنی رائے سے نسخ کردیں، یہ تو کسی عامی کا بھی کام نہیں ہے تو بالضرور علی کرم اللہ وجہہ کے پاس وہ علم تھا کہ جس سے تخصیص ان نصوص کی ہوتی ہو اور اس سے انہوں نے تخصیص فرمائی اور خود ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین روز بعد ہجرت فرما کر قبا میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے تھے اور باوجود فرضیت جمعہ کے مکہ میں پھر آپ کا قبا میں جمعہ نہ پڑھنا انہوں نے دیکھا اور یہ نص قطعی عدم فرضیت جمعہ اہل قری کے ان کو معلوم ہوئی اور پھر مدینہ طیبہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر دس سال تک دیکھتے رہے کہ کبھی کسی قریہ اور گاؤں میں نہ جمعہ ہوا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود علم کے کسی اہل قریہ کو حکم اقامت جمعہ کا دیا اور نہ کسی کے عدم اقامت جمعہ پر اس کو سرزنش فرمائی اور نہ استحباباً ارشاد فرمایا: پس یہ نص

قطعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم تھی، جس سے آپ نے یہ شرط مصر ارشاد فرمائی، یہ موقوف اور اثر علی نہیں ہے؛ بلکہ مرفوع ہے اعلیٰ درجہ کا اور یہ بات اہل علم پر تو ظاہر ہے؛ مگر بعد اس تقریر کے میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی نافہم بلید بھی اس کا انکار نہ کرے گا۔

باقی رہا یہ کہ رفع اس کا ضعیف ہے بحسب سند، سو یہ ضعف منجبر ہوگیا، دوسری حدیث مرفوع سے اور جب دوسری احادیث صحاح سے یہ ضعف منجبر ہوگیا تو اثر مذکور ضعیف نہیں رہا؛ بلکہ حسن ہوگیا۔ پس ایسی حدیث حکماً مرفوع کو ضعیف کہنا جس کی تائید دوسری حدیث صحاح کر رہی ہیں، خلاف قاعدہ مقررہ اہل اصول ہے۔ اب اس اثر کو ضعیف کہنا اہل علم کی شان نہیں ہے اور ثبوت شرطیت مصر واسطے اقامت جمعہ کے اسی اثر سے کافی ہے، چہ جائیکہ اور بھی بہت سی احادیث اس کی مئوید موجود ہیں۔ (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۲۹-۳۴۵)

قریہ میں جمعہ پڑھے، یا ظہر:

سوال: اگر قریہ میں جمعہ پڑھ لیوے بایں وجہ کہ احادیث میں وارد ہے اور محدثین اور شافعی صاحب رحمہم اللہ کا وہ مذہب ہے تو ہو جائے گا، یا گناہ گار ہوگا؟ اور ظہر اس کے ذمہ باقی رہے گی؟

الجواب

قریہ میں جمعہ حنفیہ کے نزدیک ادا نہیں ہوتا تو ان کے نزدیک قریہ میں جمعہ نہ پڑھے کہ ان کا جمعہ درست نہیں ہوتا اور نہ ظہر ذمہ سے ساقط ہوتی ہے اور جماعت نماز جمعہ کی نفل نماز کی جماعت ہو کر کراہت تحریمہ ہوتی ہے کہ جماعت نوافل کی ابتدا مکروہ تحریمہ ہے فقط، البتہ حسب مذہب شوافع وبعض محدثین کے جمعہ ادا ہوگیا اور ظہر ساقط ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۴۵)

قریہ میں جمعہ پڑھنے سے ظہر ذمہ سے ساقط ہوگا، یا نہیں:

سوال: قریہ میں عندالحنفیہ جمعہ جائز ہے، یا نہ؟ اور گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے ظہر ذمہ سے ساقط ہو جاوے گا، یا نہ؟

الجواب

قال فی رد المحتار: وفیما ذکرنا إشارة إلٰی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر ... والظاهر أنه أرید به الکراهة لکراهة النفل بالجماعة ألا ترٰی أن فی الجواهر لو صلوا فی القری لزمهم أداء الظهر، الخ.(۱)

وفی باب العیدین من الدر المختار: وفی القنیة: صلاة العید فی القری تکره تحریماً أی لأنه اشتغال بما لایصح؛ لأن المصر شرط الصحة.

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(قوله: صلاة العيد) ومثله الجمعة، الخ. (شامی)(۱)

ان عبارت سے واضح ہے کہ قریۂ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہے اور ادا نہیں ہوتا اور اگر پڑھیں تو ظہر ساقط نہ ہوگی۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۳/۵)

گاؤں جس کے لوگ مسجد میں نہ سما سکیں، جمعہ کا حکم:

سوال: گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے گناہ لازم تو نہیں آتا اور ظہر اس کے ذمہ سے ساقط ہوتی ہے، یا نہیں؟ اور وہ جو مصر کی تعریف شرح وقایہ میں لکھی ہے معتبر ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۹۴، عبد العزیز حسین پور ڈاکخانہ کلیانہ پور ضلع جالندھر، ۱۵/شوال ۱۳۵۲ھ، ۳۱/جنوری ۱۹۳۴ء)

الجواب

اگر آپ کے موضع میں عرصے سے جمعہ جاری ہے اور متعدد مساجد؛ یعنی دو یا دو سے زائد مسجد میں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں موضع کے مکلّف بالجمعہ اشخاص نہ سما سکیں تو وہاں جمعہ پڑھتے رہنے میں مضائقہ نہیں اور فرض ظہر ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ شرح وقایہ کی یہ تعریف قابل عمل ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۳۲/۳) ☆

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، باب العيدين: ۱٦٧/٢، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) وعند البعض هو موضع اذا اجتمع أهله فى أكبر مساجدهم لم يسعهم فاختار المصنف، هٰذا القول وما لا يسع أكبر مساجده أهله مصر أو انما اختار هٰذا القول دون التفسير الأول، لظهور التوانى فى أحكام الشرع. (شرح الوقاية، باب الجمعة: ١٩٨/١، ط: سعيد)

☆ جواثی شہر تھا، یا قریہ:

سوال (۱) پہلا جمعہ بحرین کے مقام جواثی میں ادا کیا گیا۔ یہ مقام شہر تھا، یا گاؤں؟ اگر شہر تھا تو اس کا شہر ہونا اور کس سال میں جمعہ پڑھا گیا؟ بیان فرمائیں۔

(۲) خطبہ قوم کو سنانا فرض ہے، یا مستحب؟

الجواب

متعدد اہل لغت اور تاریخ سے منقول ہے کہ ''جواثی'' شہر تھا۔ علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ اس میں چار ہزار سے زیادہ آدمی رہتے تھے: كان يسكنها فوق أربعة آلاف نفس، آه. علامہ ابن اثیرؒ نہایہ میں لکھتے ہیں: ''جواثىٰ هو إسم حصن بالبحرين'' (اور قلعے شہروں میں ہوتے ہیں) علامہ جوہریؒ کی صحاح، علامہ زمخشریؒ کی بلدان اور سیوطی سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔ ابو عبید بکری سے منقول ہے: ''إنها مدينة بالبحرين''. (إعلاء السنن، ص: ١٤)

لفظ قریہ سے شبہ نہ کیا جائے؛ کیوں کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی قرآن وحدیث اور لغت سے ثابت ہے: ﴿لو لا أنزل هٰذا القرآن علىٰ رجل من القريتين عظيم﴾ (الآية) ''وجواثىٰ'' میں جمعہ وفد عبد القیس کے آنے کے بعد پڑھا گیا۔ اس پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وفد عبد القیس فرضیت حج کے بعد آیا ہے، البتہ سن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ واقدی نے ۸ھ قبل فتح نقل کیا ہے اور ابن اسحاق نے ۹ھ کہا ہے۔ (إعلاء السنن، ص: ١٤، انيس) ==

عدم جواز جمعہ فی القریٰ کے بارے میں مجوزین کے شبہات اور ان کے مسکت جواب:

سوال (۱) بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت ﴿فاسعوا إلٰی ذکر اللّٰہ﴾ (الآیة) سے ثابت ہو رہی ہے اور اس آیت کے حکم سے جب نماز جمعہ ہر جگہ فرض ہے تو اب چھوٹے گاؤں والے فقہا کے قول سے اپنی بستی میں اگر جمعہ نہ پڑھیں گے تو گنہگار رہوں گے اور بموجب حکم احادیث ان کے قلوب پر مہر لگائی جائے گی۔ اب عرض یہ ہے کہ واقعی اس آیت سے ہر جگہ جمعہ پڑھنے کا جواز نکلتا ہے، یا نہ؟ اور آیت کریمہ کے حکم کے موجب چھوٹے گاؤں والے جمعہ کے چھوڑنے پر حنفی مذہب کے مطابق گنہگار اور آیت کے مخالف ہوں گے، یا نہ؟ یا اس آیت کا مصداق ہر قروی شہری اور گاؤں والے ہیں۔ حنفی مذہب کی اس بارے میں کیا تحقیق ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

آیت مذکورہ بالا جماع عام مخصوص منہ البعض ہے؛ کیوں کہ جنگلات اور ایسی آبادیوں میں جن کے باشندے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں، اتفاقاً جمعہ جائز نہیں تو آیت شریفہ میں عموم امکنہ کا مراد ہونا منتفی ہوگیا۔ پس وجوب جمعہ مخصوص مقامات پر ہوگا، جس کی تعیین حنفیہ نے ''حدیث علی رضی اللہ عنہ'' سے کی ہے، جو کہ مرفوع حکمی ہے۔ پس آیت مذکورہ سے ہر مقام پر فرضیت جمعہ ثابت نہ ہوگی، لہذا احناف ترک جمعہ فی القریٰ کی وجہ سے گنہگار نہیں۔ آیت کا خطاب صرف اہل مصر کو ہے۔ نیز آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر اذان جمعہ ہو، اذان سنتے ہی ذکر اللہ کی طرف سعی کرو؛ لیکن محل اذان جمعہ کی تعیین سے آیت ساکت ہے کہ کس مقام پر دی جاتی ہے اور کس مقام پر نہیں۔ پس آیت مذکورہ سے جمیع امکنہ میں وجوب جمعہ پر استدلال کرنا غلط ہے۔

(۲) بخاری شریف (۱/۵۵۹-۵۶۰) کی اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از ہجرت قبا میں جملہ چودہ دن مع رات سکونت فرمائی تھی، پھر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ چناں چہ:

عن أنس بن مالک قال: لما قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینة نزل فی علو المدینة فی حی یقال لهم بنو عمرو بن عوف فأقام فیهم أربع عشرة لیلة. (الحدیث)(۲)

اور اہل سیر لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام وہاں صرف چار دن (دوشنبہ سے پنج شنبہ تک) رہا اور بروز جمعہ وہاں سے آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور قبیلہ بنو سالم میں پہنچے نماز جمعہ کا وقت ہوا اور وہاں چار

== (۲) نفس خطبہ شرائط جمعہ سے ہے، بایں معنی کہ خطبہ کا ہونا ضروری ہے، کسی کو سنے، یا نہ سنے۔ ''ویشترط لصحتها سبعة أشیاء (إلٰی قوله) والرابع الخطبة فیه فلو خطب قبله وصلٰی فیه لم تصح، آہ''. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷-۱۳۸، دار الفکر بیروت، انیس) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۲/۶/۱۳۹۹ھ۔ الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۴۳)

(۱) صحیح البخاری، باب مقدم النبی صلی اللّٰہ علیہ سلم و أصحابة إلٰی المدینة: ۱/۵۵۹، قدیمی

آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی اور أشعة للمعات ترجمہ مشکوٰۃ (۱/۵۶۶) میں جناب مولانا عبدالحق راقم ہیں:

''چہ اول جمعہ کہ گزادہ بعداز قدوم بمدینہ بود''۔

ہٰکذا کتاب مبسوط (۱۱/۱۷) پر یوں ہے:

''ولہٰذا جہر فی الجمعة والعیدین (إلٰی قولہ) بھا قوۃ الأذٰی. (۱)

اب عرض یہ ہے کہ مبسوط واشعۃ اللمعات دونوں معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جمعہ اول بعداز ہجرت مدینہ میں پڑھا اوراس سے پہلے کہیں جمعہ نہیں پڑھا اوراہل سیر کی روایت اس کے خلاف ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جمعہ قبا میں پڑھا۔ اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایات وعبارات میں سے کون سی مستند اور قابل وفائق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کہاں جمعہ پڑھا، قبا میں، یا بنوسالم میں، یا مدینہ میں جاکر جمعہ پڑھا اور مذکورہ عبارات سے کون سی عبارت حق ہے؟ اور حضرات علماء کرام دیوبندی مذکورہ بالا روایت بخاری میں سے ثابت کرکے اپنی تصنیفات میں یوں راقم ہیں، چناں چہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب ''أوثق العریٰ'' اور حضرت شیخ الہندؒ ''احسن القریٰ'' میں لکھ گئے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں دو ہفتہ سکونت فرمائی اور وہاں آپ کو دو جمعہ پیش آئے تھے؛ مگر آپ نے وہاں دونوں جمعہ نہیں پڑھے۔ ان کا یہ لکھنا اور فرمانا مذکورہ بالا حدیث بخاری سے استدلال لینا صحیح ہے، یا نہ؟ اگر ان کا یہ فرمانا صحیح ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ انہوں نے مذکورہ حدیث سے یہ مضمون کیسے لیا ہے؟ اور مذکورہ بالا روایت کے کون سے الفاظ اس مضمون پر دال ہیں؛ کیوں کہ اس روایت میں تو صرف عدد ایام کا ذکر ہے؟ باقی مضمون زیادہ روایت سے معلوم نہیں ہوتا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ بنوسالم میں ادا فرمایا ہے، بنوسالم مدینہ منورہ کا ایک محلّہ ہے (بستی نہیں)۔ اس پر محدثین اوراہل سیر کا اتفاق ہے، جب بنوسالم مدینہ منورہ کا ایک محلّہ ہے تو أشعة اللمعات، مبسوط، اہل سیر کی عبارتوں میں کوئی اختلاف نہ رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا میں جمعہ پڑھنا ثابت نہیں (۲) اکابر دیوبند نے بخاری شریف کی حدیث ''فأقام فیھم أربع عشرۃ لیلة'' (۳) سے بھی استدلال کی ہے کہ جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہوچکی تھی اور بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں چودہ روز قیام کیا، جس میں ایک

(۱) المبسوط للسرخسی: ۲۹/۱، دار المعرفة بیروت، انیس

(۲) ومن ادعٰی فعلیه البیان

(۳) عن أنس بن مالک قال: لما قدم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم المدینة نزل فی علو المدینة فی حی یقال له بنو عمرو بن عوف، قال: فأقام فیه أربع عشرة لیلة، الخ. (صحیح البخاری، باب مقدم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وأصحابه الی المدینة: ۵۵۹/۱-۵۶۰، قدیمی، انیس)

جمعہ یقیناً آیا ہوگا؛ لیکن قبا میں جمعہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں؛ بلکہ اس کے برخلاف اہل سیر کا اتفاق اس امر پر موجود ہے کہ پہلا جمعہ مدینہ منورہ (محلّہ بنی سالم) میں پڑھا گیا ہے۔ پس اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ قبا جیسی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں؛ بلکہ اس کی صحت کے لیے شہر کا ہونا ضروری ہے، ورنہ قبا میں ترک جمعہ کی نوبت نا آتی۔

(۳) غیر مقلدین نے اس حدیث "لا جمعة و لا تشريق" (الحديث) پر تبصرہ کیا ہے اوراس کے انہوں نے پندرہ جواب دیئے ہیں۔ اول جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ سے عند المتقدمین ثابت نہیں اوراس کی سند ضعیف اورنا قابل احتجاج ہے، البتہ موقوفاً اس کو بعض لوگ صحیح کہتے ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ ان کا یہ جواب صحیح ہے، یا نہ؟ اگران کا یہ جواب صحیح ہے تو پھران کے جواب کا کون سا جواب ہے؟

الجواب

روایت بالا موقوفاً قطعاً صحیح ہے اوغیر مدرک بالراء ہے، لہذا حکماً مرفوع ہوئی، پس بلاشبہ قابل احتجاج ہوگی۔

وفي عمدة القاري: ٢٦٤/٣ :فإن قلت قال النووي حديث علي رضي الله عنه ضعيف متفق على ضعفه وهو موقوف عليه بسند ضعيف منقطع؟ قلت: كأنه لم يطلع إلا على الأثر الذي فيه الحجاج بن أرطاة ولم يطلع على طريق جرير عن منصور فإنه سند صحيح ولو اطلع لم يقل بما قاله وأما قوله متفق على ضعفه فزيادة من عنده ولا يدري من سلفه من ذلك. (۱)

علاوہ ازیں امام ابوزید دبوسی نے "اسرار" میں نقل کیا ہے کہ!

"إن محمد بن الحسن قال: رواه مر فوعاً معاذ وسراقة بن مالك رضي الله عنهما".

تو امام محمد مجتہد ہیں، ان کا قول رفع حدیث کے بارے میں حجت بن سکتا ہے۔ نیز امام خواہر زادہ نے مبسوط میں فرمایا کہ امام ابو یوسف نے امالی میں حدیث ہذا کو مرفوعاً مسنداً بیان کیا ہے، پس بہر تقدیر حدیث علیؓ قابل احتجاج ہے اور غیر مقلدین اسے ضعیف قرار دینا جہالت ہے۔

(۴) غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا ثانی جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث طبقہ ثالثہ سے ہے، جو قرآن اور دیگر احادیث کے معارض نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ وہ طبقہ اولیٰ وثانیہ کی حدیثیں ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے "عجالۂ نافعہ" میں لکھا ہے کہ!

"وکتب آنہا درشہرت وقبول درطبقہ اولی ثانیہ نرسیدہ"۔

(یعنی طبقہ ثالثہ کی کتب مشہور اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ وثانیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔)

نیز یہ لکھا ہے کہ!

"اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نہ شدہ اند؛ بلکہ اجماع بخلاف آں منعقد گشتہ"۔

(۱) عمدة القاري، باب الجمعة في القرى والمدن: ٤١/٥، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(یہ قول ہمارے دلائل قطعیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اس کا جواب فرمایئے۔)

الجواب

روایت بالا (حدیث علیؓ) قرآن، یا دیگر احادیث کے خلاف ہی نہیں کہ معارضہ کا سوال پیدا ہو۔ شاہ صاحبؒ کی عبارت کا مطلب اور صاف ترجمہ یہ ہے کہ طبقۂ ثالثہ کی کتب شہرت اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کونہیں پہنچتیں تو اس سے اور اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ کی دوسری عبارت سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کتب کی تمام احادیث مردود ہیں اور ان کی کتب کی کسی حدیث سے احتجاج کرنا جائز نہیں ہے، خواہ اس کی سند صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ خوب سمجھئے کہ احتجاج کا مدار صحت سند اور دیگر شرائط معتبرہ عندالمحدثین پر ہے، خواہ کسی کتاب میں ہو، لہذا حدیث علی کو صحت سند کے باوجود صرف اس وجہ سے ناقابل اعتبار اور ساقط قرار دینا محض جہل اور ناانصافی ہے۔

(۵)　غیر مقلدین کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک جریر راوی وارد ہے، جس کو اخیر وقت میں وہم ہوگیا تھا۔ اب یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ روایت انہوں نے کس حالت میں بیان کی ہے۔ احتمال ہے کہ بعد از وہم بیان کی ہو تو پھر یہ درست نہیں۔ نیز اس سند میں طلحہ روای ہے، جس کی تصریح نہیں کہ کون ہے؛ کیوں کہ بعض ثقہ اور صدوق ہیں اور بعض وہمی اور مجہول ہیں جواب فرمایئے؟

الجواب

حدیث علی موقوفاً بلاشبہ صحیح اور قابل استناد ہے، جیسا کہ محققین واہل فن نے اس کی تصریح کی ہے، چناں چہ علامہ عینی کی تصحیح عمدۃ القاری سے ہم جواب نمبر:۳ میں نقل کرچکے ہیں کہ طریق جریر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "**فإنه سند صحيح**" اور حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانی نے "درایۃ" میں فرمایا ہے کہ "**إسناده صحيح**"، یہ حدیث مذکور کی دوسری سند کے بارے میں ہے، جس کی سند یہ ہے:

رواه عبد الرزاق فی مصنفه عن الثوری عن زبيد الأيالی عن سعيد بن عبيدة أبی عبد الرحمن السلمی عن علی قال: "لاجمعة، إلخ".

لیجئے اس سند میں جریر اور طلحہ بھی نہیں، جن کے بارے میں معترض کو تشویش ہے اور حافظ الدنیا اس کی تصحیح فرماتے ہیں، نیز علامہ ابن حزمؒ نے بھی "محلی (۵۳/۵)" میں حدیث ہذا کو صحیح تسلیم کیا۔ **هذا نصه:**

فقد صح عن علی: "لاجمعة ولاتشريق، الخ". (۱)

پس محققین کا حدیث مذکور کو صحیح تسلیم کرنا ہمارے لیے حجت ہے۔ اب اگر معترض کو طلحہ کی تعیین کے بارے میں خلجان ہورہا ہے تو محض تعصب کی بنا پر ہے۔ ان اعلام نے رواۃ کی معرفت اور پوری تحقیق وتفتیش کے بعد تصحیح فرمائی ہے۔

(۱)　المحلی بالآثار، مسئلة المسافر والمقيم والعبد والحر سواء: ۲۵۶/۳، دارالفکر بیروت، انیس

(۶) حدیث بالا کا چوتھا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ قول آیت اوراحادیث مرفوعہ کے خلاف ہے، جب قول صحابی حدیث کے خلاف ہوتو متروک ہوتا ہے۔''فتح القدير :قول الصحابی حجة فيجب تقليده عندنا إذا لم ينفه شئ آخرين السنة''(۱) میں ہے کہ قول صحابی اس وقت لیا جاتا ہے کہ جب خلاف حدیث نہ ہو۔

الجواب

یہ حدیث علی آیت اوراحادیث مرفوعہ کے ہرگز خلاف نہیں ہے، كما بينا و من ادعى فعليه البيان ۔خط کشیدہ احادیث مرفوعہ کا مطالبہ غیر مقلدین سے ہونا چاہیے، نہ کہ ہم سے۔

(۷) حدیث مذکورہ کا پانچواں جواب یہ ہے کہ قول متروک الظاہر ہے؛ کیوں کہ بظاہر نفی جمعہ کی ہے، حالاں کہ مراد نماز ہے؟

الجواب

جب حدیث علی میں بالا جماع قطعی طور پر نماز جمعہ ہی مراد ہے اور یوم جمعہ کی نفی کا تصور ممکن نہیں تو اس حدیث کے متروک الظاہر ہونے سے مسئلے پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔

(۸) غیر مقلدین اس مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر:۶ یہ دیتے ہیں کہ جمعہ فرض عین ہے، جس کا ثبوت قطعی ہے اور شہر کی شرط اس قول سے ثابت نہیں ہوتی ؛ کیوں کہ یہ ظنی ہے اور دلیل ظنی سے فرض کی شرط ثابت نہیں ہوتی ؛ کیوں کہ ''شرط الفرض لايكون إلا فرضاً''اصول مسلمہ ہے، آہ۔ براہ کرم اس کا مسکت جواب لکھیں؟

الجواب

آیت شریفہ ﴿إذا نودی للصلاة من يو م الجمعة فاسعوا﴾ بالاجماع مخصوص عنہ البعض ہے۔پس اس اعتبار سے اس میں ظنیت آ گئی۔اب خبرواحد حدیث علی رضی اللہ عنہ:''لا جمعة...'' سے اس کی تخصیص درست ہوئی، جیسا کہ پہلے استفتا کے جواب میں قدرے تفصیل سے لکھا جاچکا ہے۔

(۹) غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر:۷ یہ دیتے ہیں کہ قول علی:''لا جمعة'' جو وارد ہے، اس کی تائید میں نبی علیہ السلام کی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ کی فرضیت تمام مسلمانوں کے لیے احادیث نبویہ میں بکثرت وارد ہے، آہ۔جواب محقق لکھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی مؤیدات میں جو روایات ہوں، وہ بھی لکھیں؟

الجواب

حدیث ''لا جمعة''الخ خودمرفوع حکمی ہے۔گویا کہ خودفرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے پس تائید کی کیا حاجت ہے؟ کیا ایک حدیث کا قابل عمل ہونا اس امر پرموقوف ہے کہ کوئی دوسری حدیث بھی اس کی مؤید ہو۔اگرنہیں

(۱) فتح القدير، باب الجمعة: ۲/ ٤٦، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

تواس حدیث ''لا جمعة''، میں خصوصیت کیا ہے؟ علاوہ ازیں چند احادیث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جن سے حدیث مذکور کی تائید بھی ہوتی ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں جمعہ ادانہیں فرمایا، حالاں کہ آپ نے وہاں چودہ روز قیام فرمایا، (۱) اورمدینہ منورہ میں تشریف لاکر جمعہ ادا فرمایا۔

(۲) باوجود یکہ مدینہ منورہ کے اردگرد دور دور تک اسلام پھیل چکا تھا؛ لیکن کسی جگہ مدینہ کے علاوہ جمعہ ادانہیں کیا جاتا تھا۔ ایک کے مدت بعد'' جواثی'' میں جمعہ قائم کیا گیا۔

(۳) جب صحابہ کرامؓ نے ممالک فتح کیا تو صرف شہروں ہی میں جمعہ کی ادائیگی کا انتظام کیا گیا، **کما صرح به غير واحد.**

(۱۰) غیر مقلدین مذکورہ حدیث کا جواب نمبر: ۸ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا یہ حکم سیاسی تھا شرعی نہ تھا ؛ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بغاوت اورفسادات شروع تھے، انہوں نے جمعہ اورعید کا حکم شہریوں میں کردیا؛ تاکہ خطبوں میں کوئی باغیانہ تقریر نہ کرسکے، آہ۔

اس کا جواب مفصل لکھنے کے علاوہ یہ بھی بتایا جائے کہ کیا حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں یہ حکم شہریوں کے لیے کیا تھا، یا اپنی خلافت سے پہلے فرمایا تھا۔ عبارات سے مدلل کریں؟

الجواب

بقول غیر مقلدین اگر دیہات میں جمعہ فرض تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خلیفہ راشد سیاسی مصالح کی بنا پر ایک فرض قطعی کی ادائیگی کوممنوع قرار دے دے، حاشا وکلا یہ تو ایک فاسق وفاجر حاکم اور بادشاہ بھی نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

اورکیا خیر القرون میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اس کثرت کے باوجود اس امر شنیع کے وقوع کا امکان بھی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان کے اس کمزور درجے تک پہنچ چکے تھے کہ نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرائض میں قطع وبرید کریں اورکوئی نکیر نہ کرے۔ الحاصل یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمان سیاسی مصلحت پر مبنی تھا۔

(۱۱) غیر مقلدین اس حدیث کے متعلق جواب نمبر: ۹ یہ دیتے ہیں کہ پھر یہ قول حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے۔ بایں طور کہ ردالمحتار (۲/۵۲۷) میں ہے کہ جب امام کے حکم سے گاؤں میں مسجد بنائی جائے تو تمام فقہا کے نزدیک

(۱) عن أنس بن مالك قال لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة نزل في علو المدينة في حيٍ يقال لهم بنو عمرو بن عوف قال فأقام فيهم أربع عشرة ليلة الخ. (صحيح البخاري، كتاب فضائل الصحابة، باب مقدم النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه المدينة: ۵۵۹/۱ـ ۵۶۰، قديمي، انيس)

وہاں جمعہ درست ہے،اب یہ دلیل بے کار ہوئی اور شہر کی شرط نہ رہی،آہ۔اس کا محقق جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب

جزئیہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ امام اگر کسی بستی کو مصر قرار دے دے تو یہ بستی حکماً مصر بن جائے گی اور اس میں ادائیگی جمعہ درست ہوگی تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ مصر کی شرط باطل ہے۔عجیب فہم ہے،خدا ہدایت فرمائے۔نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اختلافی مسائل میں حاکم کا فیصلہ قطع اختلاف کا موجب ہے تو حاکم نے جب بستی میں جمعہ پڑھنے کا حکم کیا تو یہ واجب العمل ہوگا۔(کما فی الشامیة: ۷۲۸/۲)(۱)

(۱۲) غیر مقلدین جواب نمبر:۱۰ یہ دیتے ہیں کہ عینی شرح بخاری،ص:۴۶ میں ہے کہ اگر خلیفہ اسلام کسی گاؤں میں اپنا نائب بھیج دے کہ وہ حدود وقصاص جاری کرے تو وہ گاؤں شہر ہو جائے گا،جس میں جمعہ جائز ہوگا،جب نائب کو معزول کردے گا تو وہ گاؤں بن جائے گا۔پس دراصل امام اور اس کے نائب ہونے کے سبب سے جمعہ ہوتا ہے،شہر کی شرط لغو ہے،آہ۔ان کے اس جواب کا جواب بالجواب بالتحقیق اور مسکت عنایت فرمائیں؟

الجواب

بشرط صحت نقل جزئیہ ہذا کا بھی وہی جواب ہے،جو اس سے پہلے میں مذکور ہو چکا ہے کہ خلیفہ کا کسی گاؤں میں حدود وقصاص کے اجرا کے لیے اپنے نائب کو بھیجنا حکماً اسے مصر قرار دے دینا ہے۔پس اس گاؤں میں جمعہ بلا شبہ جائز ہوگا؛ کیوں کہ صحت جمعہ کی شرط (یعنی محل اقامت کا مصر ہونا) یہاں متحقق ہے،اگر چہ حکماً ہے۔

(۱۳) غیر مقلدین حدیث مذکور کے متعلق جواب نمبر:۱۱ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں مصر جامع کی شرط ہے۔مصر جامع کی تعریف مشتبہ ہے،اس میں اس قدر اختلاف ہے کہ شاید ہی کسی مسئلہ میں ہوگا۔قریب تیس اقوال درج ہیں،جو سب متضاد ہیں۔بعض تعریف ایسی ہیں کہ ان کی رو سے کلکتہ،بمبئی،دیو بند،سہارنپور،کراچی،لاہور،حیدآباد،ملتان وغیرہ میں بھی جمعہ جائز نہیں رہے گا،چناں چہ ہدایہ میں ہے کہ مصر وہ ہے،جہاں امام اور والیٔ ملک ہو،جو احکام شرعیہ نافذ کرے اور حدود قائم کرے۔کیا خوب شرط ہے۔گویا اس دن جامع مسجد میں مجرم لوگ جمع ہوں گے،جن پر مقدمات چلائے جائیں گے اور خطبہ میں فیصلے سنائے جائیں گے۔بہر حال یہ شرط مفقود ہے تو ہدایہ والے کے نزدیک جمعہ ہندو پاک میں ناجائز ہے اور کم درجہ کی یہ تعریف ہے کہ جہاں تیس گھر آباد ہوں۔(دیکھو ہدایہ مع الکفایہ،فتح القدیر،عمدة الرعایة،کبیری شرح منیة المصلی)ان میں سب تعریفیں درج ہیں۔اس آخری تعریف کی رو سے ہر بستی میں جمعہ جائز ہوجائے گا؛ کیوں کہ اکثر دیہات کی آبادی تیس گھر،یا اس سے زائد ہے،"**لا قليل والقليل كالعدوم**"۔اس

(۱) تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق فيها قال أبو القاسم: هذا بلاخلاف إذا أذن الولي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة؛لأن هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه.رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲،دارالفکر بیروت،انیس)

تعریف کو حنفی تو حقیر تصور کرتے ہیں اوراس پر تمام ائمہ مذاہب متفق ہو سکتے ہیں، ورنہ اختلاف رفع نہ ہوگا۔ ہمیشہ اس فرض الٰہی پرلوگ لڑتے جھگڑتے رہیں گے، جن کا فیصلہ کوئی نہ کرسکے گا تو پھر یہ پیشن گوئی بھی سچی ہوجائے گی، جو حدیث میں ہے کہ ''**تظهر الفتن حتىٰ يختلف الاثنان في الفريضة لا يجدان من يقضي بها**''(۱) تو یہ اختلاف ایسا ہے کہ جمعہ فرض عین بالا جماع ہے؛ مگر یہ کہاں ادا کیا جائے گا۔ اس کا فیصلہ کرنے والا کوئی ثالث نہیں، خواہ عرب ہو یا عجم ،منصف نایاب؛ کیوں کہ اختلاف ہر ملک میں قائم ہے۔ اگر شارع کا مقصد شہر میں جمعہ کا حصر کرنا ہوتا تو شرعی طور پر اس کی تعریف کی جاتی؛ مگر کسی حدیث یا قول میں اس کی تعریف وراد نہیں، لہٰذا یہ شرط بے کار ہے۔ میرے جناب عالی مہربانی فرما کر غیر مقلدین کی اس مذکورہ بالا بکواس کا مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب

مصر کے معنی لغت اور عرف عام میں شہر کے ہیں اور شہر، گاؤں کا فرق اور ان کے مصداق کا باہمی تفاوت ایک ایسی بدیہی چیز ہے، جسے عوام وخواص عالم، جاہل، بچے، بوڑھے، سب جانتے ہیں، چناں چہ سفیان بن ثوریؒ فرماتے ہیں:

''**المصر الجامع مايعده الناس المصر عند ذكر الأمصار المطلقة كبخارى أوسمرقند،إلخ**''. (۲)

تو ایسی بدیہی چیز کے بارے میں معترض مذکور کا یہ کہنا کہ اس کی تعیین اور اس کا فیصلہ کرنے والا نہ عرب میں مل سکتا ہے، نہ عجم میں، محض بے ہودہ اور لغو ہے۔ رہ گیا مصر کی تعریفات کا تعدد اور اختلافات، سو ہمیں یہ کچھ مضر نہیں۔ اولاً اس وجہ سے کہ صاحب مذہب ابوحنیفہؒ سے صرف ایک ہی تعریف منقول ہے، اگر چہ بعض الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ وہ تعریف یہ ہے:

''**أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدر علىٰ انصاف المظلوم من الظالم بحشمة وعلمه أوعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح**''. (نقله الشامي عن التحفة: ۱/۷٤۸) (۳)

یہی ظاہر مذہب ہے۔

''**وبه أخذ أبويوسف وهو ظاهر المذهب، كما في الهداية واختاره الكرخي والقدوري وفي العناية هو ظاهر الرواية وعليه أكثر الفقهاء،إلخ**''. (۴)

صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی تعریف کو مختصراً نقل کیا ہے، باقی تعریفات مصر اقوال مشائخ ہیں۔ اگر تعریف مذکور کی طرف راجع نہ ہوسکیں تو بمقابلہ قول صاحب مذہب مرجوع قرار پائیں گی، پس تعدد واختلاف مضر نہیں۔

(۱) المستدرك على الصحيحين، كتاب الفرائض: ٣٦٩/٤،انيس
(۲) حاشية عمدة الرعاية علىٰ شرح الوقاية: ٢٤٠/١،قديمي،انيس
(۳) رد المحتار،باب الجمعة: ١٣٧/٢،دار الفكر بيروت،انيس
(۴) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،باب صلاة الجمعة،ص: ٥١٢،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

ثانیاً: اس وجہ سے کہ اکثر تعریفات کے اختلاف کی حیثیت محض عنوان اور تعبیر کے اختلاف کی سی ہے۔ درجہ معنوں میں کوئی اختلاف نہیں، پس تعدد مضر نہیں۔ صاحب ہدایہ کی تعریف پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کا منشا جہالت اور تعصب ہے؛ کیوں کہ تنفیذ احکام سے مراد بالفعل تنفیذ نہیں؛ بلکہ قدرت علی التنفیذ ہے، **کما فی الطحطاوی والشامی وغیر ذالک**. پس یہ اعتراض ساقط ہے اور جو تعریف ہم نے نقل کی ہے، اس میں ''**یقدر**'' کی تصریح ہے، پس تعریف مصر میں کوئی اشکال نہیں۔ معترض کا اعتراض محض تعصب اور جہالت پر مبنی ہے۔

(۱۴)　غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر:۱۲ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں نماز عید پڑھنے کی بھی نفی ہے، حالاں کہ وہ شعار اسلام ہے، جو دیہات کے مسلمانوں کے لئے بھی قائم ہونا ضروری ہے، چناں چہ بخاری شریف (۱/۱۳۴) میں ہے:

''**ومن كان في البيوت والقرىٰ لقول النبي صلى الله عليه وسلم هٰذا عندنا يا أهل الإسلام**''.(۱)

اور ایک باب یوں منعقد کیا ہے: ''**بـاب العيد لأهل الاسلام**''، اسی کے ماتحت یہ حدیث مذکور ہے: ''**يا أبابكر إن لكل قوم عيداً وهٰذا عيدنا**'' پھر لکھا ہے: ''**باب إذا فاتت العيد**'' میں کہ انس بن مالکؓ نے اپنے غلام ابن ابی عتبہ کو حکم دیا کہ زاویہ میں کہ سب گھر والوں کو اور ان کی اولاد کو جمع کرو۔ اس نے جمع کیا تو حضرت انسؓ نے شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھی اور اسی طرح تکبیریں کہیں۔ حضرت عکرمہؒ نے کہا دیہات والے عید کے دن جمع ہوں اور شہر والوں کی طرح نماز عید پڑھیں، جیسے امام پڑھائے۔ حضرت عطاء نے کہا کہ اگر عید فوت ہو جائے تو دو رکعت پڑھ لیں۔ یہ فتویٰ حنفیہ کا کہ جو شرط اور حکم جمعہ کا ہے، وہی عید کا ہے، یہ غلط ہے۔ جمعہ کی قضا نہیں اور وہ بغیر جماعت کے جائز نہیں؛ لیکن عید کی نماز صحرا میں جائز ہے اور اس کی قضا ہے اور وہ اکیلے بھی پڑھی جاسکتی ہے، فتدبر۔

جناب عالی:

مہربانی فرما کر اس جواب نمبر:۱۲ پر بھی غور فرما کر اس کے ہر ایک فقرہ کا بھی محقق اور مسکت جواب دیں؟

الجواب

احناف عید اور جمعہ کے تماثل کلی اور تمام شرائط کے اتحاد کے قائل نہیں، مثلاً عید اور جمعہ ہر دو کا وقت الگ الگ ہے، خطبہ جمعہ کے لیے شرط ہے، نہ کہ عید کے لیے۔ ہاں مصر جامع کا ہونا عید و جمعہ ہر دو کے لیے شرط ہے۔ دلیل اس کی وہی حدیث حضرت علیؓ ہے، جس کی قبل ازیں تحقیق ہو چکی اور مطلوب اس میں مصرح ہے۔ سابقہ جوابات میں یہ بتایا گیا کہ حدیث ''**لا جمعة**'' مرفوع حکمی ہے تو اس کے منطوق اور عبارت النص کے مقابلہ میں ''**هٰذا عيدنا يا أهل الاسلام**'' یا نیز ''**يا أبابكر إن لكل قوم عيداً، إلخ**'' سے وجوب عید فی القریٰ کا استنباط اور اجتہاد قابل قبول نہیں؛ کیوں کہ یہ اجتہاد نہایت کمزور ہے۔ عید کی اضافت قوم کی طرف سے اس سے عید کا وجوب قوم پر مجموعی حیثیت سے تو کسی درجہ میں

(۱)　صحيح البخاری، كتاب العيدين، باب اذا اقامة العيد يصلى ركعتين، انيس

مفہوم ہوسکتا ہے؛ لیکن ہر ہر فرد پر وجوب عید یہ اس سے ہر گز نہیں نکلتا۔ نیز حضرت عکرمہؒ کے قول کو بھی حدیث صریح مرفوع حکمی کے مقابلہ میں قابل اسناد نہیں گردانا جائے گا، **لظهور ترجيح المرفوع على الأثر المقطوع** اور حضرت عطاء کا فرمانا: **مانحن فيه** سے خارج ہے، **كما هو الظاهر** ۔ رہا حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کا زاویہ میں عید پڑھنا، سواولاً تو یہ مفید وجود نہیں، ممکن ہے بطور نفل عید کے طریقہ پر ویسے دو رکعت ادا کی ہوں، جیسا کہ بعض سلف فائت العید، یا عاجز کے لیے دو رکعت، یا چار رکعت کے استحباب کے قائل ہیں، جیسا کہ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جو ابھی ابھی گزرا ہے۔

ثانیاً: یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فعل موافق قیاس اور مدرک بالراء سے تو یہ موقوف ہے اور حدیث علی رضی اللہ عنہ مدرک بالراء نہیں، وہ حکماً مرفوع ہے۔ پس بوقت تعارض ترجیح مرفوع حکمی ہی کو ہوگی، پس اس پوری تفصیل سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ عید کے لیے بھی مصر جامع کا ہونا ضروری ہے۔

(۱۵) غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر: ۱۳ یہ دیتے ہیں کہ اس قول "**لا جمعة**" میں جیسے جمعہ کی نفی ہے، ایسے ہی قربانی کی بھی نفی ہے، حالاں کہ قربانی سب دیہاتی حنفی کر رہے ہیں۔ قربانی کی نفی دو طرح سے ہے: ایک یہ کہ تشریق کا معنی دھوپ میں گوشت سکھانا، چوں کہ مسلمان چند دنوں میں قربانی کے جانوروں کا گوشت دھوپ میں خشک کرتے ہیں؛ اس لیے عید کو بھی تشریق کہتے ہیں اور قربانی کو بھی تشریق کہتے ہیں اور تشریق میں دونوں کی نفی ہے۔ اگر تشریق سے مراد نماز عید ہے، تب بھی قربانی کی نفی ہے؛ کیوں کہ قربانی نماز عید کے تابع ہے، نماز پڑھے بغیر قربانی کرنا جائز نہیں، چناں چہ حدیث میں ہے:

"**عن البراء قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يخطب، فقال: إن أول ما نبدأ من يومنا هذا أن نصلي ثم نرجع فننحر فمن فعل فقد أصاب سنتنا ومن نحر قبل الصلاة فإنما هو لحم يقدمه لأهله**". (۱)

دوسری حدیث بخاری کتاب العید میں ہے:

"**عن أنس رضي الله عنه قال النبي صلى الله عليه وسلم من ذبح قبل الصلاة فليعد**". (۲)

اس سے ظاہر ہے کہ قربانی نماز کے تابع ہے؛ بلکہ نماز عید پڑھے بغیر کھانا بھی نہ کھائے۔ حدیث میں ہے:

"**ولا يأكل يوم النحر حتى يصلي**".

(جب نماز ہی نہ پڑھی گئی تو قربانی کاہے کی کرنی ہے۔)

اور قرآن سے بھی ثابت ہے، چناں چہ سورۂ کوثر میں ہے:

﴿**فصل لربك وانحر**﴾

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الأضاحي، باب الذبح بعد الصلاة: ۸۳٤/۲، قديمي، انيس

(۲) صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الأكل يوم النحر: ۱۳۰/۱، قديمي، انيس

پس جو لوگ بغیر عید کی نماز کے قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانیاں قبول نہیں ہوتیں۔ یہ تیرہ جوابات حنفیہ کی اس بڑی دلیل کے ہیں، لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں اور مسلمانوں کو چاہیے کہ شخصیت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کریں اور جمعہ وعیدین جیسے شعار اسلام کو ضائع کر کے اپنے اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں۔

جناب عالی:

حضرات غیر مقلدین، جناب حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے قول "**لا جمعة و لا تشريق و لا فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة**"(۱) کے یہ تیرہ جوابات گویا تیرہ سوالات کر کے اکڑ رہے ہیں۔ ہمارے پاس چوں کہ اتنی کتابیں نہ تھیں کہ ان سے ان کے جوابات دیکھ کر لکھ دیتے؛ اس لیے آپ کی طرف سے روانہ کرتے ہیں۔ ریزہ ریزہ کر کے صحیح جواب تحریر فرمائیں، نہایت مہربانی ہوگی۔

الجواب

حدیث "**لا جمعة**" میں نفی تشریق سے مراد تکبیر تشریق کی نفی ہے، نہ کہ قربانی یا نماز عید کی نفی؛ کیوں کہ عید الاضحیٰ کی نفی بعد میں مصرح ہے: "**و لا اضحى**"۔ پس اس حدیث سے نفی قربانی کا الزام محض جہالت اور تعصب ہے۔ حدیث: "**عن البراء قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يخطب، فقال: إن أول ما نبدأ من يومنا هذا أن نصلي ثم نرجع فننحر فمن فعل فقد أصاب سنتنا**"(۲) اور حدیث "**عن أنس رضي الله عنه قال النبي صلى الله عليه وسلم: من ذبح قبل الصلاة فليعد**"(۳) وغیرہ احادیث سے یہ استدلال کرنا جن پر نماز عید واجب ہے، ان کے ذمہ قربانی بھی واجب ہے، بالکل بے محل اور غلط ہے۔ احادیث کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں پر عید قربانی ہر دو واجب ہیں، ان پر لازم ہے کہ ان کو مرتباً ادا کریں؛ یعنی پہلے نماز عید بعد میں قربانی کریں۔ اس ترتیب کے خلاف کرنے پر ان لوگوں کی قربانی ادا نہ ہوگی۔ بس معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور کا تائید میں احادیث بالا سے تشبث کرنا بھی درست نہیں، پس معتصب معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور دینا مردود ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ خواہش پرستی سے نکال کر تقلید شریعت کی توفیق بخشیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳۸۰/۴/۱۷ھ۔ الأجوبۃ صحیحۃ: عبد اللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳۸۰/۴/۱۸ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۶۲-۵۰/۳)

قائلین جمعہ فی القریٰ کے دو مغالطوں کا جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں آپ کے قائلین جمعہ فی القریٰ کے اعتراض ہذا کے جواب میں کہ صحت جمعہ کے لیے چند شرائط ہیں، جو کہ فقہائے کرامؒ نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں تو وہاں جمعہ ادا کرنا افضل اور اولیٰ

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، من قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع، رقم الحديث: ۵۰۵۹، انيس

(۲-۳) صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الأكل يوم النحر: ۱۳۰/۱، قديمي، انيس

ہے اوران میں سے اگر ایک، یا دوشرطیں نہیں پائی جاتی ہیں تو بھی بلا چوں وچرا جمعہ جائز ہے؛ کیوں کہ ایک، یا دوشرائط کے فقدان سے جمعہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے، اس کی امثلہ بہت مل سکتی ہیں، مثلاً قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا شرط ہے، اگر کسی نے تحری کر کے نماز ادا کر لی تو نماز ہو جائے گی، حالاں کہ فقدان شرط ہے اور حکم یہ ہے کہ نماز ادا کرے، قضا نہ کرے اوراس بات کی تائیداس سے بھی ہوتی ہے، مثلاً جمعہ کی صحت کے لیے تنفیذ حدود شرط ہے اور دور حاضرہ میں کہیں ایسا نظر نہیں آ رہا ہے کہ حدود شرعیہ جاری ہوں، باوجود اس کے عدم قائلین جمعہ فی القریٰ بھی فتوے دیتے ہیں کہ مصر میں جمعہ پڑھو اوراس پر عمل ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرط کے فقدان سے فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ''**إذا فات الشرط فات المشروط**'' کا قانون عام نہیں ہے۔

(۲) بیہقی شریف میں ایک حدیث آتی ہے: ''**عن طارق بن شهاب الجمعة حق واجب على كل مسلم**'' (۱) مرفوع ہے اور ''**عن علي رضي الله عنه قال: لاجمعة ولا تشريق ولاصلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أومدينة عظيمة**'' (۲) یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حدیث مرفوع اور قول صحابی کا اگر تعارض ہو تو حدیث مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے، چناں چہ فتح القدیر میں ہے:

''**قول الصحابي حجة فيجب تقليده عندنا إذا لم ينفه شيء آخر من السنة**''. (۳)

الجواب

افسوس اس بات پر ہے کہ ہر صاحب مدعی اجتہاد ہو کر اپنے قیاس کے ساتھ محکم احکام شریعت کو رد کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ جمعہ کے شرائط دو قسم ہیں: بعض شرائط وجوب ہیں اور بعض شرائط صحت۔ شرائط وجوب فوت ہو جائیں تو جمعہ واجب نہ ہوگا؛ مگر ادا کرنے سے جمعہ ادا ہو کر اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، مثلاً اعمی، اعرج، مسافر پر جمعہ واجب نہیں؛ لیکن اگر یہ حضرات جمعہ ادا کرلیں تو جائز ہو جائے گا۔ دوسرے شرائط صحت ہیں، ان کے فوت ہونے پر یہ حکم ہے: ''**إذافات الشرط فات المشروط**''. اسی طرح یہ حکم ''**فات الشرط**'' عام ہے۔ پہلی قسم میں بھی کہہ سکتے ہیں: ''**إذا فات شرط الجواب فات الوجوب دون الصحة**''. بہر حال مصر ہونا شرائط صحت میں سے ہے، اگر مصریت نہ ہوگی تو جمعہ صحیح نہ ہوگا اور جو آپ نے فرمایا کہ جمعہ کی صحت کے لیے تنفیذ حدود بھی شرط ہے، یہ کہاں لکھا ہے کہ تنفیذ حدود بالفعل ہونا ضروری ہے۔ فقہاء نے تو یہ لکھا ہے کہ!

''**المصر عند أبي حنيفة كل موضع له مفت وأمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود**''. (**نور الإيضاح**) (۴) یہ مصر کی تعریف ہے۔

---

(۱) سنن أبو داؤد، باب الجمعة للمملوك والمرأة: ۱/ ۱۶۰، مكتبة حقانية، انيس

(۲) مصنف ابن أبي شيبة، من قال: لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع، رقم الحديث: ۵۰۵۹، انيس

(۳) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۶۴، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۴) باب الجمعة: ۱/ ۱۱۶، مكتبة رحمانية، انيس

وفی الشروح: المراد به القدرة علیٰ ذلک، کما صرح به فی التحفة.
''إقامة الحدود'' سے مراد إقامة بالقوة ہے، نہ بالفعل۔ پس مصر کو قیاس کرنا اقامت حدود پر صحیح نہیں۔

(۲) یہ روایت ''عن طارق بن شهاب الجمعة حق واجب علیٰ کل مسلم''. (رواه أبو داؤد)(۱) مخالف روایت ''عن علی رضی الله عنه قال: لا جمعة ولا تشریق ولا صلاة فطرٍ ولا أضحیٰ إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة'' (۲) والی کے نہیں ہے کہ ہم اس کو مرفوع اور موقوف سمجھ کر ترجیح دیں۔ اول آپ دونوں حدیثوں میں تعارض ثابت کریں، تب ترجیح کا سوال پیدا ہوگا۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ عن طارق بن شهاب الجمعة حق واجب علیٰ کل مسلم. (أبو داؤد)(۳) میں مسلمانوں پر جمعہ کا فرض ہونا بتلایا گیا ہے۔ حدیث ''لا جمعة ولا تشریق'' میں ایک شرط صحت جامعہ بیان کی گئی ہے۔ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ بلکہ ہر ایک حدیث کا مفہوم جدا ہے۔ کیا ''الجمعة حق علی کل مسلم'' سے کوئی یہ نکال سکتا ہے کہ جمعہ کے لیے جماعت بھی ضروری نہیں؛ کیوں کہ ''علی کل مسلم'' میں کہیں جماعت اور خطبہ کا بھی ذکر نہیں ہے تو کیا اس حدیث کی بنا پر کوئی صاحب یہ کہنے لگیں کہ ہر مسلمان سفر وحضر میں تنہا جمعہ قائم کرسکتا ہے، خطبہ وجماعت کی بھی ضرورت نہیں ہے تو کیا اس کا دعویٰ صحیح ہوگا؟

تعجب یہ ہے کہ آپ نے دونوں روایتوں میں تعارض بھی قائم کرلیا اور پھر اپنی رائے سے ترجیح بھی دے دی، حالاں کہ یہاں تعارض کا سوال ہی نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان، ۲۴/۱/۱۳۷۷ھ۔

جواب صحیح ہے:

استفتاء میں جواز جمعہ فی القریٰ کی تائید میں چند امثلہ ذکر کرنا سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ دیکھئے نماز میں علم قبلہ کی صورت میں توجہ الی القبلہ شرط ہے اور عدم قبلہ کی صورت میں اس کے نائب یعنی جہت تحری پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جواز جمعہ کے لیے مصر شرط ہے اور اس کے فقدان کی صورت میں ظہر کی طرف رجوع فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو فہم سلیم عطا فرمائے اور وہ موقوف ہے فناء دعویٰ پر۔ فقط

خیر محمد عفا اللہ عنہ، مہتمم خیر المدارس ملتان، ۲۴/۱/۱۳۷۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۷۷)

دیہات کے ایسے بازاروں میں جہاں مستقل سکونتی آبادی نہ ہو، وہاں جمعہ جائز نہیں:

سوال: بعض دیہاتی علاقوں میں باقاعدہ بازار ہیں؛ مگر یہاں سکونت کسی کی نہیں، چند دیہاتوں کے درمیان

(۱) سنن أبو داؤد، باب الجمعة للمملوک والمرأة: ۱/۱۶۰، مکتبة حقانیة، انیس
(۲) مصنف ابن أبی شیبة، من قال: لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع، رقم الحدیث: ۵۰۵۹، انیس
(۳) سنن أبو داؤد، کتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوک والمرأة: ۱/۱۶۰، مکتبة حقانیة، انیس

بازار ہے، دن کو کھلا رہتا ہے اور رات کو سب لوگ دیہات میں چلے جاتے ہیں، اس مقام پر جمعہ صحیح ہے، یا نہیں؟ اگر بازار والی جگہ میں لوگوں کی سکونت ضروری ہوتو کتنے افراد کی؟ (حضرت مفتی رشید احمد صاحب، دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی)

الجواب

صورت مسئولہ میں اس مقام پر جمعہ صحیح نہیں، البتہ اگر یہاں پر بازار کے علاوہ اتنے لوگ مستقل طور پر رہائش پذیر ہوں، جن کی آبادی ومکانات کو عرفاً بستی وقریہ کہا جاسکے اوران کی تعداد اتنی ہو کہ جتنی اہل منی کی تھی تو جمعہ جائز ہوگا۔ مصر کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شرنبلالیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''وبلغت أبنيته أبنية منىٰ، آه. (۱) معلوم ہوا کہ دیگر شرائط کے باوجود اتنی آبادی کا ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے حضرات شیخین منیٰ میں ایام حج کے اندر جمعہ کو صحیح کہا ہے، اسی طرح اس مقام میں بھی بوجہ بازار و مستقل آبادی جائز کہا جائے گا، جب کہ اتنی آبادی پائی جائے، مستقل آبادی نہ ہونے کی صورت میں اس مقام کی حیثیت ایسی ہی ہے، جیسا کہ بعض سرحدی علاقوں میں کئی دیہاتوں کے درمیان چشمہ ہوتا ہے۔ اردگرد کے لوگ پانی بھرنے آتے ہیں اور دن بھر خوب بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ رات کو سب چلے جاتے ہیں اور چشموں پر جمعہ بالاجماع جائز نہیں۔ احکام القرآن میں ہے:

''أنهم مجمعون علىٰ أن الجمعة لاتجوزفی البواری ومناهل الأعراب''آه. (۲)

نیز صحت جمعہ کے لیے استیطان اقامت باتفاق ائمہ اربعہ شرط ہے، (کما فی الأوجز) اوراس مقام پر ایسی اقامت مفقود ہے؛ کیوں کہ اقامت شب باشی سے متحقق ہوتی ہے، کمافی حاشیۃ المراقی:

''أن موضع إقامة المرء حيث يبيت فيه ألاترىٰ إنک إذاقلت لشخص: أين تسكن؟ فيقول: فی محلة كذا وهوبالنهار يكون بالسوق، نقله السيد عن العلا مة مسكين، آه''. (۳)

مسئلہ زیر بحث میں شاید جزئیہ ذیل سے بھی تمسک ہوسکے۔

''عسكر المسلمين إذا قصدواموضعًا ومعهم أخبيتهم وخيامهم وفسطاطيطهم فنزلوامفازة فی الطريق و نصبواالأخبية والفساطيط وعزموا فيها علىٰ إقامة خمسة عشريوماً لم يصيروا مقيمين لأنهاحمولة وليست بمساكن، كذافی المحيط. (عالمكيری: ۱/۷۲) (۴)

کیوں کہ محل اقامت جمعہ خاص ہے اور محل توطن عام ہے۔ ایسے مقامات کے بارے میں جب عام منتفی ہے تو خاص بھی منتفی ہوگا اور لیست بمساکن کی علت مقام زیر بحث کو بھی شامل ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳۹۹/۲/۲ھ بروز منگل۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۷۹)

---

(۱) نور الايضاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۱۱٦، مكتبة رحمانية، انيس

(۲) أحكام القرآن للجصاص، سورة الجمعة: ۵/۳۳۷، مكتبة بيروت، لبنان، انيس

(۳) حاشية الطحطاوی علی المراقی، باب صلاة المسافر، ٤٢٦، انيس

(۴) الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، انيس

حجۃ الوداع میں عرفات میں جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل سوالات میں:

(۱) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا، وہ کون سا دن تھا؟ جمعہ کا دن تھا، یا کوئی دوسرا دن؟ اگر جمعہ تھا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن جمعہ کی نماز پڑھی تھی، یا ظہر کی نماز با جماعت ادا فرمائی تھی؟

الجواب

یہ دن جمعہ کا تھا؛ لیکن جمعہ نہیں پڑھا گیا؛ بلکہ نماز ظہر ادا کی گئی تھی۔ امر اول کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جو بخاری شریف (۱/۱۱) میں مذکور ہے اور امر دوم کی دلیل مشکوٰۃ شریف (۱/۲۲۵) میں موجود ہے۔

(۲) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع والے موقعہ میں جمعہ کے دن جمعہ نہ پڑھا تھا اور فرض ظہر با جماعت پڑھی تھی تو اس کا کیا باعث تھا؟ اور کس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جمعہ چھوڑ کر ظہر فرض پڑھے؟ مہربانی کر جواب مدلل لکھیں؛ یعنی یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی وجہ سے جمعہ چھوڑا تھا، یا اس وجہ سے اس کو چھوڑا تھا کہ عرفات محل اقامت جمعہ کے لیے نہ تھا؟ نیز حجۃ الوداع والے واقعہ میں حجاج کی کتنی مردم شماری تھی؟ بینوا توا جروا۔

الجواب

حنفیہ اسی کے قائل ہیں کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں؛ اسی لیے جمعہ نہیں پڑھا گیا، ترک جمعہ کا سبب مسافر ہونا نہ تھا؛ کیوں کہ حجاج میں سے بہت سے مکی بھی ہوں گے تو ان پر جمعہ کا وجوب یقینی ہوگا؛ لیکن کسی سے بھی یہ پڑھنا ثابت نہیں، نہ مسافرین سے اور نہ مقیمین سے، **ومن ادعی فعلیه البیان**. نیز اہل ظاہر تو مسافر پر بھی وجوب جمعہ کے قائل ہیں۔ (کبیری) تو ان کے نزدیک ترک جمعہ بوجہ سفر کا قول کرنا بھی ممکن نہیں، لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ یہی تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں، نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے۔ حجاج کی تعداد چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک مروی ہے، روایت مختلف ہے۔

(۳) بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حجۃ الوداع میں جمعہ چھوڑا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسافر تھے، نہ اس وجہ سے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہ تھا۔ یہ وجہ ہرگز نہ تھی؛ بلکہ وہ محل اقامت جمعہ نہ تھا۔ اب مطلوب امر یہ ہے کہ ان علماء کا مذکورہ بالا کہنا بالکل صحیح ہے، یا وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں؟

الجواب

اس کا جواب سوال نمبر:۲ کے جواب میں گزر چکا ہے۔

(۴) اوپر والے بعض علما میں سے بعض جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جمعہ مسافر آدمی پر

فرض نہیں ہے؛ لیکن اگر مسافر آدمی جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ سب کے نزدیک صحیح ہو جاتا ہے، پھر جب ایسا بھی ہے کہ مسافر اگر جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ ادا ہو جاتا ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جمعہ پڑھنے میں ثواب بھی بہت ہے، ملتا ہے اور یہ بھی سب کے ہاں مسلم ہے کہ جیسے سفر کی وجہ سے ظہر کو دو رکعت کر کے پڑھنا واجب ہے تو جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو صرف سفر کی وجہ سے جمعہ کو کیوں چھوڑا۔ وجہ بیان کیجئے تو اس سے صاف صاف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن جمعہ کو سفر کی وجہ سے ہرگز نہ چھوڑا تھا؛ بلکہ اس کے چھوڑنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ اول بعض علماء احناف کا یہ اعتراض غیر مقلدین پر کرنا صحیح ہے، یا نہ؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک ترک جمعہ کی وجہ یہ ہے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں اور یہی صحیح ہے۔

(۵) اگر کسی مسئلہ میں اہل سیر اور بخاری شریف کا اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں عمل کس پر کرنا واجب ہے؟ اگر کوئی آدمی بخاری شریف پر عمل نہیں کرتا اور بخاری شریف کی روایت کو عملاً چھوڑ کر اہل سیر کی روایت پر عمل کرتا ہے تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے؟ اور بخاری شریف کی روایت چھوڑنے پر گنہگار ہوگا، یا نہ؟

الجواب

جب تک روایت مسئولہ اور ان کے اختلاف کی نوعیت سامنے نہ آجائے، حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا؛ لیکن عام حالات میں قابل اعتماد بخاری کی روایات ہوں گی، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے بارے میں کہ آپ نے کتنے دن قبا میں قیام فرمایا؟ بخاری شریف اور سیر کی بعض روایات کا اختلاف ہے۔ بخاری شریف کی روایت سے مدت قیام کا دس دن سے زیادہ ہونا ثابت ہے اور محمد بن اسحاق کی روایت سے تین روز قیام فرمانا ظاہر ہوتا ہے تو اس میں یقیناً بخاری کی روایت زیادہ صحیح متصور ہوگی اور سیر کی روایت نا قابل اعتبار۔

(۶) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے تو آپ کو مدینہ عالیہ پہنچنے تک کتنے جمعہ پیش آئے اور آپ وہ جمعہ پڑھتے گئے، یا جمعہ کو چھوڑ کر ظہر پڑھتے گئے۔ اگر راستہ میں جمعہ قائم کیا ہے تو وہ کون کون سی جگہ ہیں، جہاں جمعہ قائم کیا؟ اور وہ محل اقامت تھے، یا نہ؟ بینوا توا جروا۔

الجواب

سفر ہجرت میں کسی مقام پر جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔ بلا شبہ کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم ایک جمعہ راستہ میں ضرور آیا ہوگا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت بنی سالم قریہ مستقل تھا، یا وہ محلّہ مدینہ عالیہ کا تھا، یا میدان جنگل تھا؟ اگر قریہ مستقل تھا تو وہ قریۂ صغیرہ تھا، یا کبیرہ؟ اور اس وقت اس کی مردم شماری کتنی تھی؟

الجواب

بنی سالم مدینہ منورہ کا محلّہ تھا۔ (کذافی إعلاء السنن ناقلاً من خلاصة الفتاویٰ)

(۸) بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ بنی سالم قریۂ صغیرہ تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ پڑھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا جمعہ چھوٹے قریوں میں بھی صحیح ہو جاتا ہے، ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جو کہ قریۂ صغیرہ تھا جمعہ کیوں پڑھا؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریۂ صغیرہ میں جمعہ قائم کیا تو یہ دلیل ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ غیر مقلدین کا دعویٰ بالکل صحیح ہے، یا وہ اس دعوے میں جھوٹے ہیں؟

الجواب

بنی سالم مدینہ منورہ کا محلّہ تھا، لہٰذا اس میں ادائیگی جمعہ سے غیر مقلدین کا استدلال کرنا درست نہیں، غلط ہے۔

(۹) اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ قائم کیا ہے، پھر میری عرض ہے کہ آپ نے وہ جمعہ مبارک جمعہ کی فرضیت ہونے سے قبل پڑھا تھا، یا جمعہ فرض ہو چکا تھا؟ اگر جمعہ کی فرضیت آ جانے کے بعد پڑھا تھا تو پھر یہ عرض ہے کہ وہ مدینہ عالیہ پہنچ کر اور بنی سالم آ کر جمعہ پڑھا تھا، یا مدینہ پہنچنے سے پہلے پڑھا تھا؟ اگر مدینہ منورہ پہنچ کر بعدہ بنی سالم میں جمعہ پڑھا تو پھر عرض یہ ہے کہ آپ نے جو مدینہ عالیہ کو چھوڑ کر بنی سالم میں جمعہ قائم کیا تو اس کی کیا وجہ تھی اور کس وجہ سے بنی سالم میں آئے تھے؟

الجواب

جب بنی سالم مدینہ منورہ کا محلّہ تھا تو جب بھی وہاں پر جمعہ ادا کیا گیا ہو، مخالفین کے لیے مفید نہیں، جمعہ کی فرضیت بناء قول محقق ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی، لہٰذا یہ جمعہ فرضیت کے بعد پڑھا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، معین مفتی خیر المدارس ملتان۔ الجواب صحیح: عبداللہ غفر اللہ لہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳/۱۱/۹۷ھ۔

(خیر الفتاویٰ: ۳/۶۵-۶۶)

جو شہر قریۂ صغیرہ بن جائے، وہاں جمعہ کا حکم:

سوال: ایک شہر بہت بڑا دریا کے کنارے موجود تھا؛ مگر دریا کی کٹائی کی وجہ سے اب چند صد گھر باقی بچ گئے۔ کیا اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

صحت جمعہ کے لیے اقامت جمعہ کے وقت اس جگہ کا مصر، یا قریۂ کبیرہ ہونا شرط ہے۔ ماضی میں شہر رہنے کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا اب مذکورہ جگہ ظہر با جماعت ادا کریں۔

"وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرہ التی فیھا أسواق". (ردالمحتار: ۱۳۸/۱) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۰/۷/۱۳۹۴ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۱۳/۳)

بڑے گاؤں میں جمعہ فرض ہے، پولیس تھانہ ہو، یا نہ ہو:

سوال: ہمارا ایک قریہ ہے، جس کا نام کربلا ہے، جس کی آبادی تقریباً دس ہزار پر مشتمل ہے، جس میں نومسجدیں بھی ہیں، چار مسجدیں تو اتنی بڑی ہیں کہ ایک وقت پر تقریباً ڈیڑھ سو افراد ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور اس قریہ میں ضروریاتِ زندگی کا سامان ہر وقت مل سکتا ہے۔ ہائی اسکول، پرائمری اسکول، ڈاک خانہ، اسپتال، ٹیلیفون، بجلی غرض یہ سب چیزیں موجود ہیں، مدرسہ بھی ہے، جس میں تقریباً بڑے چھوٹے تقریبا ۳۰۰ طلبہ پڑھ رہے ہیں؛ لیکن یہاں پر جمعہ کی نماز نہیں ہوتی۔ ہمارے یہاں سے تقریبا آٹھ میل کی مسافت پر ضلع پشین میں جمعہ کی نماز باقاعدہ ہوتی ہے اور علمائے دین نے فتوی جاری کیا ہے کہ یہاں پر جمعہ پڑھنا واجب ہے، فتویٰ جن علما نے دیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:
مفتی عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک، مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کورنگی، مفتی زین العابدین فیصل آباد، مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کراچی

مقامی علمائے دین فتویٰ کو نہیں مانتے، ہمارے علما کا کہنا یہ ہے کہ یہاں پر پولیس تھانہ نہیں ہے اور اس طرح جمعہ آس پاس گاؤں والوں پر واجب ہو جائے گا اور اگر آپ لوگ کوئی بھی یہاں جمعہ پڑھو گے تو آس پاس کے گاؤں والے جھگڑا کریں گے۔ اب بتائیں کہ کیا اس قریہ میں جمعہ پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب

اگر آپ کے مقامی علما اتنے بڑے بڑے علما کے فتویٰ کو نہیں مانتے تو مجھ طالب علم کی بات کب مانیں گے؟ تاہم ان سے گزارش ہے کہ اس قصبے میں جمعہ فرض ہے، (۱) اور وہ ایک اہم فرض کے تارک ہو رہے ہیں، اگر تھانہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کو جھگڑے کا شبہ ہے تو اس کا حل تو بہت آسان ہے، اس سلسلے میں گورنمنٹ سے استدعا کی جاسکتی ہے کہ یہاں ایک پولیس چوکی بٹھادی جائے، بہرحال تھانے کا وہاں موجود ہونا صحتِ جمعہ کے لیے شرط لازم نہیں۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۱۲/۴)

---

(۱) وعبارة القهستاني: تقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق،قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة؛لأن هٰذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه.(رد المحتار،باب الجمع: ۱۳۸/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

وحاصله:إدارة الأمر علىٰ رأى أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصرف في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه إلا أن يكون فناء المصر.(الكوكب الدرى،أبواب الجمعة: ۱۹۹/۱،طبع مكتبة يحيوية سهارنفور)

جہاں جمعہ درست نہیں وہاں ظہر باجماعت پڑھیں:

سوال: جہاں جمعہ کی ادائیگی کی شرائط بالاتفاق نہیں پائی جاتیں اور وہاں لوگ جمعہ پڑھ رہے ہیں، وہ جمعہ ترک کردیں، یا پڑھتے رہیں؟ اگر جمعہ ترک کریں تو سابقہ ظہر کی نمازوں کی قضا کریں، یا نہ کریں؟

الجواب

جمعہ ترک کردیں اور ظہر باجماعت کا اہتمام کریں اور سابقہ ظہر کی نمازوں کا حساب کرکے ان کی بھی قضا کریں۔

''**فی الجواھر: لو صلوا فی القریٰ لزمھم أداء الظھر**''. آہ.(۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۳/۱۱۳)

شہر سے دور جانے والے پر جمعہ کی نماز ہے:

سوال: کوئی مسلمان نمازی جمعۃ المبارک کی نماز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہیں چلا جائے، جہاں نمازِ جمعہ نہ ہوتی ہو؛ یعنی شکار کھیلنے اور اسے معلوم بھی ہو کہ آج یومِ جمعہ ہے اور نمازِ جمعہ پڑھنا ہے، پھر بھی وہ جمعہ کی نماز کے لیے نہ ٹھہرے؛ یعنی قصداً قضا کرے؟

الجواب

جمعہ چھوڑ کر جانا تو بُری بات ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص صبح کو شہر سے دور باہر چلا گیا تو اس پر جمعہ فرض نہیں۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۱۵۱-۱۵۲)

دیہاتی جمعہ کے دن شہر آجائے تو اس کے لیے جمعہ کا حکم:

سوال: دیہاتی آدمی شہر میں آیا اشیاءِ ضرورت خریدنے کے لیے اور جمعہ کا وقت ہوگیا، کیا اس پر بھی جمعہ فرض ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر پورا دن شہر ٹھہرنے کی نیت تھی تو وہ شہری کے حکم میں ہوگیا اور اس پر جمعہ فرض ہوگیا؛ لیکن اگر ذہن میں ہو کہ کام ہوتے ہی شہر سے چلا جاؤں گا۔ جمعہ سے پہلے ہوگیا، یا بعد میں تو جمعہ واجب تو نہیں ہوا؛ مگر پھر بھی پڑھ لے تو بہت ثواب ملے گا۔

''**القروی إذا دخل المصر ونویٰ أن یمکث یوم الجمعة لزمته الجمعة؛ لأنه صار کواحد من**

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۸، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: أنه کان یقرأ فی الفجر یوم الجمعة: ﴿الم تنزیل﴾ و﴿هل أتیٰ﴾. (صحیح لمسلم، باب مایقرأ فی یوم الجمعة، رقم الحدیث: ۸۸۰، انیس)

أهل المصرفی حق هٰذا الیوم وإن نویٰ أن یخرج فی یومه ذلک قبل دخول الوقت أوبعد الدخول لاجمعة علیه ولوصلیٰ مع ذلک کان ماجوراً''، آه. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاوی:۳/۸۷)

شہر سے ڈیڑھ میل دور رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں:

سوال: ہماری جماعت کے مکمل ساتھی گیارہ ہیں، ایک امیر صاحب اور دس مامور ہیں، بستی سے شہر جہاں جمعہ ہوتا ہے ڈیڑھ میل ہے؛ لیکن امیر صاحب نے اجازت نہیں فرمائی۔ ایسی صورت میں کیا کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں آپ حضرات مذکورہ بستی کے رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

ومن کان مقیماً بموضع بینه وبین المصرفرجة من المزارع والمراعی نحو القلع ببخارا لاجمعة علیٰ أهل ذالک الموضع وإن کان النداء یبلغهم. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۴۰۸/۴/۱۹ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

(خیر الفتاویٰ:۳/۷۵)

جس مسجد میں امام مقرر نہ ہو، وہاں بھی نماز جمعہ جائز ہے:

سوال: کیا ایسی مسجد میں جمعۃ المبارک جائز ہے، جہاں کوئی مستقل امام مقرر نہ ہو؟ البتہ مختلف نمازی نماز پنج گانہ میں امامت کے فرائض رضا کارانہ طور پر سرانجام دیتے ہوں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ایسی مسجد میں بھی جمعہ جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۲۳)

جس قصبہ کی مردم شماری پچیس سو ہو، اس میں جمعہ جائز ہے:

سوال: ایک جگہ جس کی آبادی زمانہ غدر سے پہلے آٹھ نو ہزار تھی اور ایک صوبہ دار بھی رہتا تھا، تحصیل بھی تھی، بعد غدر تحصیل بھی موقوف ہوگئی اور صوبہ دار کا رہنا بھی موقوف ہوگیا اور رفتہ رفتہ حوادثات زمانہ سے پچیس سو آدمی رہ گئے ہیں اور اشیاء ضروری معمولی اب بھی بہم پہنچتی ہیں اور گیارہ مسجدیں وہاں پر موجود ہیں اور ہفتہ میں ایک روز بازار بھی لگتا ہے اور جامع مسجد تیار ہورہی ہے۔ اس صورت میں وہاں پر جمعہ ہوجائے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس بستی میں جس کا ذکر سوال میں ہے، جمعہ واجب الاداء ہوتا ہے، وہاں جمعہ ادا کرنا چاہیے؛ کیوں کہ درحقیقت وہ

(۱-۲) الفتاویٰ الهندیة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة فی بحث ولأدائها شرائط، الخ: ۱/۱۴۵، انیس

آبادی قصبہ ہے، اگر چہ حوادثات زمانہ سے آبادی اب کم ہوگئی ہے اور قریۂ کبیرہ کی برابر اب بھی ہے، وہاں آبادی موجود ہے۔شامی میں ہے کہ قصبات اور قریۂ کبیرہ میں عندالحنفیہ جمعہ ادا ہوتا ہے، بناء علیہ اس آبادی میں جمعہ پڑھنا چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۰/۵)

کیا جواز جمعہ کے لیے آبادی کی تعداد میں مسلم، غیر مسلم، عورتیں اور بچے سب شامل ہیں:

سوال:　جواز جمعہ کے لیے آبادی کی تعداد کیا ہے؟ کیا آبادی کی تعریف میں عورتیں، بچے اور غیر مسلم بھی شامل ہیں، یا نہیں؟ کیا سول اور فوج کو ملا کر مطلوبہ آبادی پوری کی جاسکتی ہے؟

اگر سول اور فوج کو ملا کر مطلوبہ آبادی پوری کی جائے تو اس صورت میں کیا فوج اپنے لیے الگ جمعہ کا اہتمام کرے گا، یا وہ سول میں جا کر جمعہ ادا کریں گے؟

کچھ فوجی کیمپ سول آبادی سے دور اور کچھ قریب ہیں، اس لحاظ سے متصل اور مفصل شرعی حیثیت کیا ہے؟

کچھ فوجی مقام ایسے ہیں، جہاں فوجی ۱۰۰ سے لے کر ۳۰۰ تک کی تعداد میں بغیر بیوی بچوں کے سال بھر رہتے ہیں، کیا وہاں جمعہ جائز ہے، جب کہ وہاں دُشمن کا فوری خطرہ بھی نہیں ہے؟

الجواب

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ صرف شہر، یا قصبات میں جائز ہے، چھوٹی بستیوں میں جائز نہیں ہے۔عموماً جس بستی کی آبادی دو اڑھائی ہزار پر مشتمل ہوں اور وہاں روز مرہ کی ضروریات دستیاب ہوں اور اگر درپیش کے لوگ ضروریات زندگی کی خرید وفروخت کے لیے وہاں آتے ہوں، ایسی آبادی میں جمعہ جائز ہے۔

وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق.(۲)

أیضا عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح.(۳)

(۲)　فوج کی اگر وہاں مستقل چھاؤنی رہتی ہو تو اس کو بھی اس آبادی میں شمار کیا جائے گا، اگر فوج کا وہاں مستقل قیام نہیں تو ان کو شمار نہیں کریں گے۔مستقل باشندے خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، مرد ہوں یا عورتیں، بڑے ہوں یا بچے ان سب کو شمار کیا جائے گا۔

---

(۱)　تقع الجمعة فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق.(ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۱، دارالفکر بیروت، انیس)

(۲)　رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دارالفکر بیروت، انیس

(۳)　رد المحتار: ۱۳۷/۲، باب الجمعة، دار الفکر بیروت، انیس

(۳)　جس بستی میں جمعہ جائز ہے، وہاں فوج اپنے جمعہ کا الگ انتظام کرسکتی ہے۔

وتقع فرضاً في القصبات والقریٰ الکبیرۃ التي فیها أسواق. (۱)

أیضا عن أبي حنیفة رحمه اللّٰه تعالی أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح. (۲)

(۴)　جس بستی کو ہم ''بڑی بستی''، یا قصبہ شمار کریں گے، اس کے لیے ضروری ہوگا کہ اس کی آبادی (مکانات) متصل ہوں، پھر اسی بستی سے ملحقہ آبادی میں فوج کا جمعہ پڑھنا بھی جائز ہے اور اگر اصل آبادی کے لحاظ سے وہ جگہ چھوٹی بستی شمار ہوتی ہے تو کچھ فاصلے پر اگر فوجی کیمپ ہو تو اس بستی میں شمار نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ یہ مستقل آبادی شمار ہوگی۔

(۵)　صرف چند فوجیوں کی رہائش گاہ میں جمعہ صحیح نہیں، خواہ ان کا قیام سال بھر رہا کرتا ہو، دیکھنا یہ ہے کہ جس جگہ ان کا قیام ہے، وہ جگہ ایسی ہے کہ وہاں جمعہ جائز ہو؟ اس نکتے کی وضاحت اُوپر کرچکا ہوں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۱۴/۴۔۱۱۵)

آبادی کے بڑے ہونے میں جملہ اقوام کا اعتبار:

سوال:　قریہ سرسولی شہر سے سترہ میل کے فاصلہ پر ہے اور مسلمانان کی مردم شماری مع مردوزن ۳۰۰ کی ہے، اس قریہ میں مسجد بھی ہے، نماز جمعہ وعیدین ہمیشہ سے ہوتی ہے، مدرسہ سرکاری وڈاک خانہ بھی ہے، ہفتہ میں دو بازار ہوتے ہیں، دس بیس دوکانیں بھی ہیں اور بارہ قریہ اس قریہ کے متعلق ہیں، جن کی مردم شماری ۳۰۰۰ ہے اور خاص قریہ کی مردم شماری ہر قوم ۱۵۰۰ کی ہے۔ جمعہ وہاں درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

قریہ کے بڑے چھوٹے ہونے میں جملہ اقوام کی مردم شماری کا اعتبار ہوتا ہے جس قریہ کی مردم شماری باعتبار جملہ اقوام کے کثیر ہے وہ قریہ کبیرہ ہے جمعہ واجب الادا ہوتا ہے جیسا کہ شامی میں اس کی تصریح ہے، پس اگر وہ قریہ بڑا شمار ہوتا ہے تو حسب تصریح فقہا اس میں جمعہ وعیدین کی نماز درست ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۵۲/۵)

دو ہزار سے زیادہ آبادی میں جمعہ درست ہے:

سوال:　قصبہ سلیم پور بستی متصل قصبہ سہنسپور قریب ایک میل جس میں جمعہ واجب ہے اور اس کی متصل گڑھی ہے

(۱)　رد المحتار، باب الجمعة: ۲ / ۱۳۸، دار الفکر بیروت، انیس

(۲)　رد المحتار: ۱۳۷/۲، باب الجمعة، دار الفکر بیروت، انیس

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع للکاساني: ۲۵۸/۱۔۲۶۹، وأما بیان شرائط الجمعة، طبع ایچ ایم سعید

(۳)　تقع فرضا في القصبات والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۱، دار الفکر، ظفیر)

کہ ہر دو بستیاں کے درمیان ایک باغ ہے اور پانچ وقت اذان کی آواز آتی ہے اور دونوں جگہ کی مردم شماری چار ہزار پانچ سو کی ہے، سلیم پور کی مردم شماری دو ہزار تین سو ہے اور گڑھی کی دو ہزار دو سو ہے۔ سلیم پور میں غدر سے پہلے تحصیل تھی اور مردم شماری بھی قریب سات ہزار کی تھی؛ لیکن حوادث وانقلاب کی وجہ سے آبادی کم ہوگئی ہے؛ تاہم ہر قسم کی ضروریات دستیاب ہوتی ہیں، لہذا جمعہ وعیدین واجب ہیں، یا نہیں؟

الجواب

سلیم پور اب بھی قریۂ کبیرہ ہے اور قریۂ کبیرہ میں جمعہ واجب الاداء ہوتا ہے۔ (کما صرح بہ الشامی) پس سلیم پور میں جمعہ پڑھنا چاہیے اور اسی طرح گڑھی میں جمعہ ہوسکتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۲/۵-۱۵۳)

پہلے شہر تھا، اب دو ڈیڑھ ہزار آبادی ہے، کیا جمعہ جائز ہے:

سوال: جو جگہ پہلے شہر ہو اور اب آبادی کم ہوکر دو ڈیڑھ ہزار آدمی رہ گئے ہوں۔ اس میں جمعہ جائز ہے، یا نہ؟ اگر جائز ہے تو موجودہ حالت کے لحاظ سے، یا قدیمہ حالت کے؟

الجواب

قریۂ کبیرہ جس میں بازار ہوں، وہ مثل قصبہ کے ہوتا ہے اور مصریت کی شان اس میں پائی جاتی ہے۔ پس جو بستی پہلے بڑا شہر ہو اور اب اس میں دو ڈیڑھ ہزار آدمی رہ گئے ہوں اور بازار ودوکانیں وغیرہ اس میں ہوں، اس میں جمعہ واجب ہے، وہ درحقیقت مصر ہے، اس میں جمعہ ہونے میں کچھ تردد معلوم نہیں ہوتا اور قریۂ کبیرہ کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ مثل قصبہ کے معلوم ہوتا ہو۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۴/۵)

ڈھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: موضع راکھیڑہ میں مسلمانوں کی آبادی ڈھائی ہزار کی ہے، چار مسجدیں ہیں اور بزازوں وعطاروں کی بہت دوکانیں ہیں اور ہمیشہ سے جمعہ ہوتا ہے، اس گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا کیا؟

الجواب

ظاہراً وہ بڑا گاؤں ہے اور بڑے قریہ میں جمعہ عندالحنفیہ واجب واداہوتا ہے، **کما فی الشامی: "وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة" الخ.** (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۳/۵)

چار ہزار کی آبادی میں جمعہ جائز ہے:

سوال: جس کی آبادی چار ہزار آدمیوں کی ہو اور ایک میل کے فاصلہ پر اسٹیشن ہے اور اس کی وجہ سے بازار بھی

(۱-۲) تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دارالفکر، ظفیر)

قائم ہوگیا ہے، تھانہ اور مدرسہ بھی ہے اور بازار کی آبادی تین ہزار کی ہوگئی ہے، مجموعہ آبادی موضع اور اسٹیشن و بازار کی سات ہزار ہے۔اس صورت میں اس موضع میں جمعہ وعیدین پڑھ سکتے ہیں، یا نہ؟

الجواب

ایسی بستی میں نماز جمعہ وعیدین واجب ہے اور ادا ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ شامی نے تصریح کی ہے کہ قصبہ اور بڑے قریہ میں جمعہ فرض ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بستی مذکور بڑا قریہ ہے۔(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۱/۵)

بارہ سو جس قریہ کی آبادی ہے اس میں جمعہ جائز ہے یا نہیں:

سوال: یہاں ایک موضع سمریا ہے، جس کی آبادی قریب بارہ سو کے ہے، اس میں سے مسلمان قریب بارہ سو کے نہیں ہیں؛ بلکہ کل مسلمان آٹھ سو نو سو ہوں گے اور یہاں نہ کوئی بازار ہے، نہ ڈاکخانہ، نہ کچہری؛ بلکہ ہر وقت ہر قسم کی ضرورتیں بھی یہاں پوری نہیں ہوسکتیں۔ہاں چھ سات معمولی معمولی دوکانیں ہیں، ایک دوکان کپڑے کی ہے، اس میں محض معمولی کچھ کپڑا مارکین وململ وغیر ملتا ہے، اس دوکان میں مال قریب پچاس روپے کے ملتا ہے اور ایک دوکان حلوائی کی ہے اور یہاں صرف ایک ہی مسجد ہے، جس میں جمعہ کے روز ساٹھ ستر نمازی جمع ہوجاتے ہیں اور اس موضع میں مدرسہ بھی ہے، جس میں اسی پچاسی طالب علم رہتے ہیں تو اس وقت موضع سمریا میں جمعہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں: زید کہتا ہے کہ یہاں برابر پہلے سے جمعہ کی نماز ہوتی رہی ہے، اب کس طرح ترک کردیں؟

الجواب

یہ ظاہر ہے کہ موضع مذکور جس کی آبادی قریب بارہ سو کے ہے، قریۂ کبیرہ نہیں ہے؛ بلکہ قریۂ صغیرہ ہے، جس کو فقہا نے بحکم قصبہ لکھا ہے، لہذا حسب قواعد فقہیہ وتصریح فقہاء موضع سمریا میں ظہر با جماعت ہونا چاہیے، جمعہ پڑھنا اس میں صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ردالمحتار شامی ہے:

”وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الكبيرة التی فيها أسواق (إلیٰ أن قال) **وفيما ذكرنا إشارة إلیٰ أنها لاتجوز فی الصغيرة“، الخ.** (۲)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۷/۵-۱۶۸)

دو ہزار آٹھ سو کی آبادی میں جمعہ جائز ہے:

سوال: موضع رابدھنہ میں دو ہزار آٹھ سو آبادی ہے اور یہاں پر پیٹھ لگتی ہے؛ یعنی کل چیزیں تو فروخت نہیں ہوتیں، ہاں نمک مرچ ترکاری بکتی ہے۔سولہ دکانیں نمک، مرچ، گڑ، چاول دالوں کی کہیں آباد ہیں، ایک جگہ پر بازار کی شکل میں نہیں، چار مسجدیں اس جگہ ہیں اور دو مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے۔اب فرمایئے کہ یہ قصبہ کا حکم رکھتا ہے، یا گاؤں کا ؟اور حنفیوں کی نماز غیر مقلدین کے پیچھے ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

(۱-۲) تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الكبيرة التی فيهاأسواق.(ردالمحتار،باب الجمعة: ۱۳۸/۲،دارالفكر،ظفير)

الجواب

آپ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ موضع رابدھنہ میں قریب تین ہزار آدمیوں کے آباد ہیں، بندہ کے خیال میں وہ بڑا قریہ ہے اور شامی میں لکھا ہے کہ بڑے قریہ میں جمعہ واجب وادا ہوتا ہے۔عبارت اس کی یہ ہے:

''وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق''،الخ.(۱)

اگرچہ موضع مذکور میں بازار نہیں ہے؛مگر باعتبار آبادی کے اس کو ملحق بالقصبہ کر سکتے ہیں اور حنفیوں کی نماز غیر مقلدوں کے پیچھے ہوجاتی ہے؛مگر احتیاط بہتر ہے،في الواقع جہاں تک ہو سکے،ان لوگوں کو امام نہ بنایا جاوے۔(۲)فقط واللہ اعلم

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۸/۵)

ڈیڑھ ہزار آبادی میں جمعہ کا کیا حکم ہے:

سوال: جس کسی بستی میں تقریباً مسلمان وہندو کل ڈیڑھ ہزار ہوں اور تین مسجدیں اور پختہ عمارتیں بھی ہوں اور ہفتہ میں بازار بھی لگتا ہو اور دس پانچ معمولی دوکانیں ہوں اور اکثر اشیاء مثل غلہ اور کپڑا اور دوا وغیرہ مل سکتی ہوں تو ایسے قریہ میں نماز جمعہ ادا ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

مدار جمعہ کے وجوب وعدم وجوب کا قریہ کا بڑا چھوٹا ہونا فقہا نے لکھا ہے اور قریۂ کبیرہ وہ ہے، جو مثل قصبہ کے ہو کہ آبادی اس کی تین چار ہزار ہو اور بازار ہو۔پس قریہ مذکورہ باعتبار آبادی قریہ کبیرہ معلوم نہیں ہوتا،لہٰذا ضرور ہے کہ وہاں ظہر باجماعت پڑھیں۔(۳)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۹/۵)

قریۂ کبیرہ کے لیے آبادی سے کیا مراد ہے:

سوال: قریۂ کبیرہ چار ہزار آدمی کی آبادی کو لکھا ہے،مراد خانہ شماری ہے، یا مردم شماری ہے؟

الجواب

مراد مردم شماری ہے؛یعنی سب آدمی رہنے والے اس گاؤں کے چھوٹے بڑے،مرد وعورت،ہندو مسلمان تین چار ہزار ہوں۔پس جو ایسا گاؤں ہوگا،وہ بڑا گاؤں ہے اور بڑے گاؤں میں فقہا نے جمعہ فرض لکھا ہے، كما في الشامي:وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة،الخ.(۴)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۹/۵)

(۱) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت،ظفير

(۲) ومخالف كشافعي لكن في وتر البحر:إن تيقن المراعاة لم يكره أوعدمها لم يصح وإن شك كره.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،باب الامامة: ۵۶۳/۱،دار الفكر بيروت،ظفير)

(۳-۴) وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق(إلىٰ أن قال) وفيما ذكرنا إشارة الىٰ أنها لا تجوز في الصغيرة.(ردالمحتار،باب الجمعة: ۱۳۸/۲،دار الفكربيروت،انيس)

جہاں ساٹھ گھر مسلمان ہوں، وہاں جمعہ جائز ہے، یانہیں:

سوال: ایک بستی جس میں تخمیناً مسلمانوں کے ساٹھ مکان ہیں،ایک بڑی مسجد ہے، چار دوکان ہے،اسپتال ہے، پرائمری پاٹھ شالہ ہے، یہاں جمعہ جائز ہے، جو پہلے سے ہوتا آیا ہے،کیا یہاں صرف جمعہ پڑھنا چاہیے، یاصرف ظہر، یادونوں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

متأخرین حنفیہ نے بڑی بستی میں جمعہ کی اجازت دی ہے؛اس لیےاس بستی میں جمعہ جائز ہےاور جمعہ کی نماز کے بعدظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمدعثمان غنی،۲/۸/۱۳۵۲ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۵۲)

آبادی تین ہزار سے زائد ہواور ضروریات زندگی بھی دستیاب ہوں،اس جگہ میں جمعہ کاحکم:

سوال: میرے موضع چائل کی مردم شماری ۲۶۹۷/آدمیوں کی ہے، ہفتہ میں دومرتبہ بازارلگتا ہے، پندرہ سولہ دوکانیں مستقل طور سے بازار میں روز مرہ رہتی ہیں اور یہ سب ایک ہی لائن میں ہیں،دس بارہ ایک طرف جوایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور پانچ چھ دوسری طرف جوایک دوسری سے ملی ہوئی ہیں، بیچ میں دس بارہ قدم کافرق اس وجہ سے ہوگیاہے کہ ایک مکان کا پچھواڑا پڑتاہےاورآگےسڑک ہے،ورنہ یہ سب مل جاتیں، یہ سب دوکانیں بازار کے نام سے موسوم ہیں،ضروریات کی ساری چیزیں مثل غلہ، کپڑا، جوتہ،لکڑی،تیل،تمباکو،چینی، گوشت وغیرہ بلاتکلف ملتی ہیں،حتی کہ دواوغیرہ بھی مل جاتی ہیں،دوطبیب مستقل طورسے گاؤں میں رہتے ہیں،ڈاک خانہ،سرکاری بڑااسکول ہے، جس میں انگریزی وغیرہ بھی پڑھائی جاتی ہے، ہمیشہ سے جمعہ ہوتا چلاآیاہے،حتی کہ شاہی زمانہ میں قلعہ بھی تھا،جس کے نشانات اب تک موجود ہیں اوروہ زمین مع ایک تالاب کےشاہی نام سے مشہور ہے، جمعہ کے متعلق شاہی اسناد بھی ایک شخص کے پاس ہیں،انگریزوں کے شروع زمانہ میں تحصیل تھی،جب وہ الہ آباد چلی گئی تواسی عمارت میں تھانہ ہوگیا،بعد میں تھانہ اٹھ کر دوسری جگہ چلا گیاتواس میں اسکول ہوگیا،گاؤں کےاندرسات مسجدیں ایک دوسرے سے فاصلہ پرمختلف محلات میں واقع ہیں اورسبھوں میں نماز ہوتی ہے،گاؤں کے باہر بہت بڑی پختہ عیدگاہ ہے اس کے علاوہ چار پورہ جات،جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،اسی موضع کی زمین میں واقع ہیں،ان سب کا نقشہ خسرہ ایک ہی ہے،مجموعی مردم شماری موضع کی مع پورہ جات متعلقہ کے۳۱۰۳/آدمیوں کی ہے،لہذااس میں جمعہ جائز ہے،یانہیں؟

تفصیل پورہ جات:

نام پورہ:پورہ محمدنعیم،مردم شماری:۲۱۹،اصلی موضع سےان کا فاصلہ:تخمیناً۳/فرلانگ،نوٹ:۸فرلانگ کا۔

---

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی ایسی بستی میں جمعہ کے جواز کے قائل ہیں۔(مجاہد)والأصح عنده أنه يكفي أقل مايقال فيه قرية ... (أقول)الخمسون يتقرى بهم قرية.(حجة اللّٰه البالغة،باب الجمعة:۲/۱۱۵،مكتبة حجازديوبند،انيس)

دریاپور، مردم شماری ۳۴۴، اصلی موضع سے ان کا فاصلہ: تخمیناً ۳ر فرلانگ، نوٹ: یک میل ہوتا ہے۔
ڈیہا، مردم شماری: ۸۲، اصلی موضع سے ان کا فاصلہ: ۶ر فرلانگ۔
سرائے امام قلی، مردم شماری: ۱۷، اصلی موضع سے ان کا فاصلہ: ۱ر میل۔

الجواب

صورت مسئولہ میں چائل قریۂ صغیرہ نہیں؛ بلکہ قریۂ کبیرہ ہے، جس میں جمعہ بالاتفاق جائز؛ بلکہ واجب ہے۔ واللہ اعلم
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ، ۲۰ر رمضان ۱۳۵۵ھ
میری رائے میں بھی یہ موضع اقامت جمعہ کا محل ہے۔ اشرف علی، ۲۱ر رمضان ۱۳۵۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۴۱۷)

قصبہ کے مثل بستی میں جمعہ:

سوال: بستی پام ریج (جنوبی افریقہ)

(۱) مقام وتعریف آبادی: پام ریج ایک نئی بستی جو صوبۂ ٹرانسوال (جنوبی افریقہ) میں واقع ہے، یہاں کے باشندے تقریباً دوڈھائی سال سے آباد ہیں، کل آبادی تخمیناً ۳۱۷۵ کی ہے۔

جنس:	مسلم	غیر مسلم
آبادی:	۸۴۰	۲۳۳۵
مکانات:	۱۶۵	۴۶۷
کل تعداد:	۳۱۷۵	۶۳۵

(۲) سرکاری نظام ودفتر: کل انتظامات بستی کے متعلق دو دفتروں سے ہوتا ہے، مثلاً: زمین، یا مکان کی خرید وفروخت، بجلی و پانی وٹیکس کی ادائیگی، فریاد (متعلق بستی) وغیرہ۔

(۳) حفاظت وامن: ایک پولیس اسٹیشن ہے؛ نیز بستی والوں کی حفاظت وامن کے لیے فوجی گاڑی مع پولیس ۲۴ر گھنٹہ بستی میں گشت کرتے ہیں۔

(۴) ڈاکخانہ: فی الحال کوئی خاص مکان نہیں ہے ڈاک خانہ کے لیے؛ لیکن حکومت کی طرف سے ایک گاڑی (Mobile Vehicle) روزانہ آتی ہے اور باقاعدہ سب کچھ دستیاب ہوتا ہے، جو اور ڈاک خانوں سے ملتا ہے، ڈاکیہ (postman) ہر مکان تک ڈاک پہونچاتا ہے، تقریباً ہر گھر میں ٹیلیفون (Telephone) موجود ہے۔

(۵) صحت وعلاج: ایک سرکاری دواخانہ موجود ہے، جہاں سے دوا انجکشن وغیرہ مفت میں حاصل ہوسکتا ہے، خود سرکاری متعینہ ڈاکٹر حاضر ہے اور نرس (Nurse) بھی دو انفرادی (Privete) ڈاکٹر اپنے اپنے دواخانوں میں مریضوں کا علاج کرتے ہیں بعوض فیس (Fee)۔

(۶) صلوٰۃ: ایک جماعت خانہ میں پنج وقت کی نماز ہوتی ہے باجماعت، عنقریب مسجد کی تعمیر ہوجائے گی۔

(۷) سرکاری اسکول، دینی مدرسہ، سرکاری کتب خانہ عام لوگوں کے واسطے۔

(۸) متفرقات: باقاعدہ دوکان جہاں پر سب ضروری اشیا بکتی ہیں، مثلاً: دودھ، تیل، آٹا، مرچ واناج، بسکٹ، روئی، مٹھائیاں وچاکلیٹ وغیرہ وغیرہ، پانچ مکان بصورت دوکان جہاں ضروریات دستیاب ہوتی ہیں، مرغیاں وگوشت مل سکتا ہے، پھل وسبزیاں ملتی ہیں، دودھ، دہی، ہرگھر تک سواری کے ذریعہ سے (Delivered) پہنچتا ہے، دو درزی جو مردوں کے کرتے، پائجامہ، ٹوپی اور زنانہ لباس وکپڑے بناتے ہیں، گویا اسلامی لباس حاصل ہوسکتا ہے، کاریگر وہنرداں وفن دار، وکیل وغیرہ موجود ہیں۔

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر، یا قصبہ، یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، بڑا گاؤں وہ ہے، جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، (۱) جو بستی ایسی نہ ہو؛ بلکہ چھوٹی ہو، وہ چھوٹا گاؤں ہے، وہاں جمعہ درست نہیں۔ (۲) آپ نے سوال میں جو تفصیل تحریر فرمائی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بستی اپنے پھیلاؤ اور ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہے؛ اس لیے اس میں جمعہ پڑھا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ کسی عالم فقیہ کو بلا کر اس کا معائنہ کرادیا جائے، وہاں کے حالات کا مشاہدہ فرما کر جو کچھ وہ تجویز کریں، اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ (محمود الفتاویٰ: ۱/۵۰۸-۵۱۰)

تیس آدمی مصلی ہوں تو قائم نماز جمعہ کا حکم:

سوال: ایک موضع میں قریباً ۳۰/آدمی مصلی ہیں اور ایک مسجد ہے، ہفتہ میں دوبار بڑی بازار لگتی ہے، سامان ضروری مثلاً کفن وغیرہ ملتا ہے، لہٰذا مصلیان نماز جمعہ بھی اسی موضع میں ادا کرتے ہیں اور بچوں کی تعلیم کے لیے ایک قاری صاحب بھی مقرر ہیں۔ اب اس موضع میں شرعاً نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟　　(المستفتی: ۲۰۱۲، مرزا عبدالستار (بارہ بنکی))

الجواب ــــــــــــ

اگر نماز جمعہ وہاں عرصہ سے قائم ہے تو اب اس کو بند کرنے میں مذہبی ودینی فتنہ ہے؛ اس لیے اس کو موقوف کرنا درست نہیں؛ بلکہ اس مسئلے میں امام شافعی کے قول، یا امام مالک کے قول کے موافق عمل کرلینا جائز ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۲۴۸)

---

(۱) (ویشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول المصر عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدر علىٰ انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهٰذا هو الأصح. (الدر المختار مع رد المحتار، باب الجمعة: ۱/۱۳۷، دار الفكر بيروت، انيس)

وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار باب الجمعة: ۲/۱۳۸، دار الفكر، انيس)

(۲) وفيما ذكرنا إشارة إلىٰ أنه لا تجوز في الصغيرة. (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني أن كسالىٰ العوام اذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا يمنعون؛ أنهم اذا منعوا تركوها أصلاً واداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولىٰ من تركها أصلاً. (رد المحتار، مطلب يطلق المستحب على السنة: ۲/۱۷۱، ط: سعيد)

جس بستی کے کارخانوں میں پانچ سو مسلمان کام کرتے ہوں، وہاں جمعہ کا حکم:

سوال: توائی سے پچاس میل اور چالیس میل اور پچیس میل فاصلہ پر بستیوں میں شیشہ کے کارخانے ہیں اور تقریباً پانچ سو مسلمانوں کی آبادی ہے، اگر کارخانے بند ہو جائیں تو کوئی بھی نہیں رہے گا، ایسی بستیوں میں جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

حامدًا ومصليًا الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

جن بستیوں کے کارخانوں میں پانچ پانچ سو بالغ مسلمان مقیم رہتے ہو، کام کرتے ہوں ایسی آبادی میں جمعہ وعیدین بے تکلف پڑھی جائیں اور جمعہ وعیدین ترک نہ کی جائیں اور جب کارخانے بند ہو جائیں اور پھر آبادی ہی نہ رہے تو پھر وہاں ویرانے میں جمعہ وعیدین کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۳/۶۵)

سات ہزار والی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: بصیر پور کی موجودہ حالت ایک شہر سے کم نہیں، لوازمات ملاحظہ فرمائیں، ریلوے اسٹیشن قیام ملازمین، ضلع دار، قانون گویان، اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تحصیل ہذا۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے دو ہسپتال انسان اور حیوانات کا اور آبادی تقریباً چھ یا سات ہزار تک ہے اور تینوں بازاروں میں دکانات کا شمار ایک سو بیس ہے، بازار میں آمدورفت بوجہ بیع وشرا بآسانی نہیں ہوسکتی۔ منڈی کی دکانات اور آبادی اس کے علاوہ ہے، چودہ پندرہ مساجد ہیں، جملہ آثار دلالت کرتے ہیں کہ بصیر پور ایک شہر ہے اور اس میں نماز جمعہ ادا کرنا فقہ حنفیہ کے لحاظ سے فرض ہے۔ عرصہ پانچ سال سے مولانا مولوی نور نبی صاحب جو کہ مدرسہ امینیہ اور جناب کے فیض تدریس سے ۱۹۴۹ء میں تعلیم ''دورہ'' حاصل کر کے آئے ہیں، فریضہ جمعہ ادا کرتے رہے ہیں؛ مگر اس جگہ کے علماء اور عوام الناس کا یہ خیال ہے کہ جمعہ ملک ہندوستان میں نصاریٰ کے تسلط کی وجہ سے فرض نہیں رہا، لہٰذا بالکل نہ پڑھنا چاہیے۔ ہمارا جمعہ پڑھنا اور ان کا اس پر تنازعہ کرنا ایک نمایاں جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ کافی تنازعات کے بعد حضرت مولانا مولوی خیر محمد صاحب جالندھری سے بطور فیصلہ فتویٰ حاصل کیا گیا۔ مولانا موصوف کے فتوے پر ان کے تنازعات بند ہوئے اور پر امن نماز جمعہ ہوتی رہی؛ مگر شومیٔ قسمت سے ہمارے مقامی زمیندار رئیس عالم کی ایک مولوی صاحب کے ساتھ جمعہ کے متعلق گفتگو ہوئی، جس کی وجہ سے انہوں نے یہ فرمادیا کہ قصبہ ہذا میں جمعہ کے متعلق میں مولانا موصوف کے فتوے سے رجوع کرتا ہوا اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بصیر پور میں تعریف مصر صادق نہیں آتی؛ کیوں کہ اکبر مساجد والی تعریف ضعیف اور مرجوح ہے اور تنفیذ احکام واقامت حدود والی تعریف قوی اور مفتی بہ ہے اور لاہور وغیرہ کے متعلق ان کا یہ خیال ہے کہ وہاں مجسٹریٹ وجج وغیرہ ظالم ومظلوم کے تنازعات کا تصفیہ کرتے رہتے ہیں اور بصیر پور میں تحصیل دار بھی نہیں رہتا، لہٰذا لاہور میں نماز جمعہ فرض ادا ہوسکتی ہے اور بصیر پور میں نہیں، وائے ناکامی واحسرتا کہ ان ارشادات عالیہ سے سوئے ہوئے فتنے پھر جاگ اٹھے اور عنقریب حالات مایوس

کن پیدا ہونے والے ہیں،عوام کی باہمی چہ می گوئیاں ان فسادات کا پیش خیمہ ہیں؛مگر ہمارے رئیس عالم موصوف کا آپ پر اورمولانا خیرمحمد صاحب جالندھری پر اعتماد واعتقاد ہے کہ قصبہ ہذا کی حالت کو دونوں حضرات بچشم خود ملاحظہ فرما کر جوفتویٰ صادر فرمائیں، بالیقین تسلیم کروں گا؟لہٰذا التجا آنکہ جناب اپنے قیمتی لمحات میں چند لمحے امیدواروں کے لیے موقوف فرما کرشکر گزاری کا موقع بخشیں اورتشریف آوری کی تاریخ معین فرما کرمنتظران کومطمئن فرمائیں اورعنداللہ ماجور ہوں۔ گرقبول افتدزہےعزوشرف، نیز مفصل حالات مسمی محمد شریف متعلم جماعت دورہ مسجد فتحپوری جوکہ قصبہ ہٰذا کا باشندہ ہے، جناب کی خدمت میں حاضر ہوکرعرض گزاری کا ان کوبذریعہ مراسلہ مطلع کیا گیا ہے۔

(المستفتی:۱۲۹۳،اللہ دیا صاحب، مدرس مڈل اسکول قصبہ بصیر پورضلع منٹگمری،۲۶/شوال ۱۳۵۵ھ،۱۰/جنوری ۱۹۳۷ء)

الجواب

قصبہ بصیر پور جس کی حیثیت آپ نے اس کاغذ کی پشت پرتحریر فرمائی ہے،اس لائق ہے کہ اس میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے ،**مالا یسع أکبر مساجدہ**،الخ پر بہت سے مشائخ حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے،تنفیذ احکام واقامت حدود والی تعریف آج کل کسی شہر پر صادق نہیں ہے اورقدرت علی التنفیذ کی تاویل بھی اقامت حدود میں صحیح نہیں؛ کیوں کہ حدود شرعیہ قانون مروجہ کے ماتحت ممتنع الاقامت ہیں،کوئی حاکم حتی کہ وائسرائے بھی رجم پر قدرت نہیں رکھتا،قطع ید پر قدرت نہیں رکھتا؛اس لیےاس کوجواز جمعہ کے لیے مدارحکم ٹھہرانا کسی طرح بھی درست نہیں۔بہرحال بصیر پور میں جس کی حیثیت ایک قصبہ اورشہرس کی ہوگئی ہے،اس میں بغیر تردد جمعہ جائز ہے، پہلے اس کی حیثیت کمتر ہوگی کہ گزشتہ زمانے میں علمانے وہاں جمعہ نہیں پڑھا؛مگراب جمعہ ترک کرنا درست نہیں۔(۱)

مولانا خیرمحمد صاحب ایک اچھے معتبر عالم ہیں ان کو بلا کراطمینان کرلیں، خاکسار آنے سے معذور ہے۔فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۴۴-۲۴۵)

تین گھروں والے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں:

سوال: موضع اموکونہ جس کی آبادی میں چونتیس گھر اورا کاون مرد مکلّف بستے ہیں،ایضا موضع بتاپور کہ موضع اموکونہ سے تخمیناً پانچ سو ہاتھ فاصلے پر ہے،اس میں تیس گھر ہیں اورستاون مرد مکلّف بستے ہیں۔ان سب آدمیوں کا پیشہ کاشتکاری ہے اورموسم برسات میں ہرموضع کے چاروں طرف پانی سے سیلاب ہوجاتا ہے، جوبدون کشتی کے آمد ورفت دشوار ہے۔ ہرموضع کے چاروں طرف زراعت اورتین طرف ندی بھی ہے اوردونوں موضعوں کے درمیان جوفاصلہ ہے، چراگاہ ہے۔موسم برسات میں وہ بھی دوڈھائی ہاتھ پانی کے نیچے پڑتا ہے،اس آبادی میں کوئی بازار وغیرہ نہیں ہے۔اب علی الانفراد دونوں

(۱) (المصر وھو مالا یسع أکبر مساجدہ أھلہ المکلفین بھا) وعلیہ الفتویٰ أکثر الفقھاء ... وظاھرہ المذھب أنہ کل موضع لہ أمیر وقاض یقدرعلیٰ اقامة الحدود.(الدرالمختار علیٰ ھامش رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۷/۲-۱۳۸،ط:سعید)
تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیھا أسواق.(رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۸/۲،ط:سعید)

موضعوں میں جمعہ قائم کرنا اور درمیان کی چراگاہ میں علی الاجتماع عیدگاہ بنا کے نماز عید پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی :۶۰۹، چودھری محمد صفدر (ضلع سلہٹ) ۱۳؍ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ، مطابق ۱۲؍ ستمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب کے موافق قائم نہ کرنا چاہیے؛ لیکن اگر قدیم الایام سے ان میں جمعہ قائم ہو تو اسے بند بھی نہ کرنا چاہیے کہ دوسرے ائمہ کے مذہب کے موافق جمعہ ہو جاتا ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۲۳۸/۳)

سوال وجواب بالا کی وضاحت:

سوال: اس جواب حضرت والا کی جس عبارت کا مطلب پوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا، اس کے متعلق عرض ہے:

(۱) ''ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب کے موافق قائم نہ کرنا چاہیے'' عبارت مذکورہ افہام ناقصہ کے نزدیک دو معنی کے محتمل ہے۔ اول یہ کہ ان مواضع میں اگر پہلے سے جمعہ قائم نہ ہوا ہو تو حنفی مذہب کے موافق اب جدید طور پر قائم نہ کرنا چاہیے، (پھر لفظ نہ کرنا چاہیے کا مطلب مکروہ تنزیہی ہے، یا تحریمی ہے، یا حرام و نادرست؟) دوسرے یہ کہ ان دو موضعوں میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب کے موافق پڑھنا ہی نہ چاہیے؛ لیکن اگر پہلے سے وہاں قائم کیا ہوا ہو تو بھی اب بوجہ عدم صحت جمعہ فی القریٰ کے ترک کرنا چاہیے، اس کا مطلب ترک افضل ہے، یا واجب، یا فرض؟

اگر پہلے احتمال کو مواضع مذکورہ میں نیا طور پر قائم نہ کرنا اور قدیم الایام سے چلے آنے والی نماز کو قائم رہنے دینا یہ حکم حنفی مذہب کے موافق ہے، یا حنفی مذہب میں قدیم وجدید کا فرق نہیں رکھا گیا۔ دوسرا احتمال مراد ہو تو اس حالت میں عبارت کے الفاظ سے وہ معنی صاف طور پر سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) ''لیکن اگر قدیم الایام سے'' ''تو اسے بند نہ کرنا چاہیے کہ دوسرے ائمہ کے مذہب کے موافق ہو جاتا ہے'' اس حالت میں اگر جمعہ کو قائم رکھا جائے تو ایک حنفی کے لیے اپنے مذہب کے موافق فرض ظہر ادا کرنا چاہیے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۶۱۰، محمد زاہد الرحمٰن (ضلع سلہٹ) ۱۵؍ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ)

الجواب

حنفی مذہب کے موافق قریٰ؛ یعنی دیہات میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا؛ اس لیے اگر کسی گاؤں میں پہلے سے جمعہ قائم نہیں ہے تو وہاں جمعہ قائم نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ حنفی مذہب کے موافق اس میں جمعہ صحیح نہ ہوگا،(۱) اور فرض ظہر جمعہ پڑھنے سے ساقط نہ ہوگا؛ لیکن اگر وہاں قدیم الایام سے جمعہ قائم ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں: یا یہ کہ اسلامی حکومت میں بادشاہ اسلام کے حکم سے قائم ہوا تھا تو حنفی مذہب کی رو سے بھی وہاں جمعہ صحیح ہوتا ہے؛ اس لیے بند کرنا درست نہیں۔ یا یہ کہ

(۱) فی ما ذکرنا إشارة إلٰی أنه لاتجوز فی الصغيرة التی ليس فيها قاضٍ وخطيب، كما فی المضمرات. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط:سعید)

بادشاہِ اسلام کے حکم سے قائم ہونا ثابت نہیں، یا یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں نے خود قائم کیا تھا؛ مگر ایک زمانۂ دراز سے پڑھا جاتا ہے۔ اس صورت میں حنفی مذہب کے اصول کے موافق تو اسے بند کرنا چاہیے؛ یعنی بند کرنا ضروری ہے؛ لیکن چوں کہ عرصۂ دراز کے قائم شدہ جمعہ کو بند کرنے میں جو فتنے اور مفاسد پیدا ہوتے ہیں، ان کے لحاظ سے اس مسئلے میں حنفیہ کو شوافع کے مذہب پر عمل کر لینا جائز ہے اور جب کہ وہ شوافع کے مذہب پر عمل کر کے جمعہ پڑھیں گے تو پھر ظہر ساقط نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد لازمہ عمل بمذہب الغیر کے لیے وجہ جواز ہیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۲۳۸/۳-۲۳۹)

جہاں دو مسجدیں ہوں نمازی دونوں میں بیس پچیس ہوں، وہاں جمعہ کی نماز پڑھیں، یا ظہر بہتر ہو:

سوال: اس جگہ ہمارے قریب تحصیل گوہد جو کہ ایک معقول قصبہ ہے، دو مسجدیں ہیں اور دونوں میں نماز جمعہ ہوتی ہے، ہر دو امام صاحب یہاں ایک مصنوعی مزار کے پجاری ہیں اور اس کی آمدنی سے گزر اوقات کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں طوائفوں کا کھانا بھی بڑی خوشی ودلچسپی سے نوش فرماتے ہیں اور ناچ رنگ آتش بازی سے بھی قطعی پرہیز نہیں اور خود اپنی تقریبوں میں بھی طوائفوں کو بلاتے ہیں اور آتش بازی بھی استعمال کرتے ہیں۔ تعداد نمازیاں ایک مسجد میں تقریباً آٹھ دس نمازی دوسری میں پندرہ بیس نمازی نماز جمعہ میں شرکت کرتے ہیں۔ نمازی سب کے سب بے علم ہیں اور امام صاحب بھی تقریباً ایسے ہی ہیں ، کیا ان صورتوں کے ہوتے ہوئے نماز جمعہ ادا کریں، یا ظہر؟ نیز بندہ اپنے پورہ فاضل پور میں رہتا ہے، جہاں ہم صرف پانچ مسلم آباد ہیں، صرف دو گھروں کے؛ مگر جمعہ کے دن اور عید کے دن اردگرد کے مسلم صاحبان بوجہ ہونے مسجد کے جمع ہو جاتے ہیں، کیا ہم نماز جمعہ اور عید ادا کریں، یا نہیں؟ اور ہماری مسجد میں پانچوں وقت نماز کے لیے اذان ہوتی ہے؟

(المستفتی: ۲۱۰، محمد عبدالحمید زمیندار فاضل پورہ ریلوے اسٹیشن گوہد روڈ، ریاست گوالیار، ۳۰ رشوال ۱۳۵۲ھ، م ۱۵ر فروری ۱۹۳۴ء)

الجواب

ایسی صورت میں اگر ان اماموں کی جگہ کوئی اور بہتر اور متدین اور مسائل سے واقف شخص کو امام مقرر نہیں کیا جا سکتا تو آپ کے لیے بہتر ہے کہ اپنے گاؤں میں نماز ظہر با جماعت ادا کر لیا کریں؛ کیوں کہ آپ کا گاؤں بہت چھوٹا ہے اور جمعہ پڑھنے کے قابل نہیں ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۳۳/۳)

---

(۱) فی ما ذکرنا إشارة الٰی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاضٍ وخطیب، کما فی المضمرات. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعید)

وعن أبی حنیفة رحمه اللّٰه: أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ، الخ. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(والثانی السلطان) ... (أومأموره باقامتها)، الخ. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۹/۲)

(والسابع الاذن العام) من الامام. (الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۱/۲، ط: سعید)

ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ جہاں کئی مسجدیں اور مدرسہ ہو اور آبادی ہزار سے اوپر ہو:

سوال: ایک بڑا گاؤں جس کو اہل علاقہ؛ یعنی اس کے گردونواح والے بڑا گاؤں جانتے ہیں اور آبادی اس کی اس وقت (۱۲۵۴) آدمی شمار میں آئی ہے۔ایک مدرسہ اور کئی مسجدیں بھی اس گاؤں میں ہیں، آیا ایسے گاؤں میں عندالفقہاء جمعہ وعیدین جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

دیہات میں جمعہ پڑھنا فقہاء حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں؛ کیوں کہ من جملہ شرائط صحت جمعہ کے مصر جامع، یا فناء مصر ہے اور مصر جامع وہ جگہ ہے، جس میں بازار سڑکیں اور ایسا حاکم ہو، جو اپنی قوت اور غلبہ کے اعتبار سے ظالم سے مظلوم کا انصاف لے سکے۔

أما المصر الجامع ... فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أداء ها عند أصحابنا حتٰى لاتجب الجمعة الاعلى أهل المصر ومن كان ساكنا فى توابعه وكذا لايصح أداء الجمعة الا فى المصر وتوابعه فلا تجب علٰى أهل القرىٰ التى ليست من توابع المصر ولايصح أداء الجمعة فيها. (۲)

وروى عن أبى حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدرعلٰى انصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أوعلم غيره والناس يرجعون اليه فى الحوادث وهوالأصح. (۳)

وقال فى الهندية:(ولأدائها(أى الجمعة)شرائط فى غير المصلى) منها المصرهٰكذا فى الكافى والمصر فى ظاهر الرواية الموضع الذى يكون فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الأحكام وبلغت ابنيته ابنية منى هٰكذا فى الظهيرية وفتاوىٰ قاضى خان وفى الخلاصة وعليه الاعتماد كذا فى التتارخانيه و معنٰى اقامة الحدود القدرة عليها هٰكذا فى الغياثية وكما يجوزأداء الجمعة فى المصر يجوز أداؤها فى فناء المصر وهوالموضع المعد لمصالح المصرمتصلاً بالمصر،انتهٰى. (۴)

پس جو مقام کہ خود مصر ہو، یا توابع مصر سے ہو، اس میں جمعہ جائز ہے اور جو مقام ایسا نہیں ہے، اس میں جمعہ جائز اور صحیح نہیں ہے، توابع مصر وہی جگہ ہو سکتی ہے جس سے مصر کے تعلقات وابستہ ہوں اور ضروریات مصر وہاں سے بہم پہنچائی جاتی ہوں، ان دو جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ کے باشندوں پر جمعہ فرض بھی نہیں اور نہ ان کے ادا کرنے سے ادا ہوگا، ہندوستان میں جمعہ صرف ان جگہوں میں جائز ہے، جہاں کوئی حاکم مجاز رہتا ہو، کسی ایسی بستی میں جہاں کوئی حاکم مجاز نہ ہو، جمع صحیح نہیں اور نہ وہاں کے باشندوں پر جمعہ فرض ہے؛ لیکن اگر کسی جگہ پہلے سے ہوتا چلا آتا ہے اور اب موقوف کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا

(۱) فى ما ذكرنا إشارة إلٰى أنه لا تجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاضٍ وخطيب، كما فى المضمرات.(رد المحتار، باب الجمعة:۱۳۸/۲،ط:سعيد)

(۲) بدائع الصنائع،باب الجمعة،فصل فى بيان شرائط الجمعة: ۲۵۹/۱،ط:سعيد

(۳) بدائع الصنائع،باب الجمعة،فصل فى بيان شرائط الجمعة: ۲۶۰/۱،ط:سعيد

(۴) الفتاوىٰ الهندية، الباب السادس عشرفى صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱،ط:ماجدية

ہے، جیسا کہ میوات وپنجاب کے بعض دیہات کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہاں جمعہ موقوف کیا گیا تو لوگوں نے پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دی تو ایسی صورت میں اس کا بند کرنا بھی مناسب نہیں؛ کیوں کہ نماز چھوڑ دینے سے تو یہی بہتر ہے کہ جمعہ پڑھ لیں؛ اس لیے کہ جمعہ حسب اختلاف روایات، یا اختلاف مجتہدین ایسی جگہ پڑھنا جائز تو ہے اور ترک صلوٰۃ سخت کبیرہ ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۲۵/۳-۲۲۶)

تین ہزار کی آبادی اور فوجی چھاؤنی والی جگہ جمعہ:

سوال: کسولی ایک پہاڑی مقام ہے، فوجی چھاؤنی ہے۔ مجموعی آبادی قریبا تین ہزار ہے، مسلمانوں کی آبادی قریبا ایک ہزار ہے، یہاں ایک ہی مسجد ہے، کیا اس مسجد میں نماز جمعہ کامل اجر وثواب کے ساتھ ہوسکتی ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایک بستی میں ایک سے زائد مساجد ہوں تب نماز جمعہ جامع مسجد میں ہوسکتی ہے، ورنہ نہیں، اگر یہ خیال صحیح ہے تو کیا جمعہ کے دن نماز ظہر کی ادائیگی پر اکتفا کر لینا چاہیے؟

الجواب

جمعہ کے جواز کے لیے یہ ضروری نہیں کہ متعدد مساجد ہوں، جب نماز جمعہ جامع مسجد میں ہوسکے، بستی پر مصر کی تعریف صادق آنی چاہیے، کسولی اپنی تعداد آبادی اور فوجی چھاؤنی ہونے کے لحاظ سے اس کی قابلیت رکھتی ہے کہ اس میں نماز جمعہ پورے ثواب کے استحقاق کے ساتھ ادا ہو، لہذا اس میں جمعہ کی نماز جائز ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۲۹/۳)

جس گاؤں میں ضروریات زندگی میسر نہ ہوں وہاں تیس سال سے پڑھے گئے جمعہ کا حکم:

سوال: جس گاؤں میں ضروریات زندگی کی چیزیں میسر نہیں، وہاں جمعہ ہوتا ہو تو ان کا جمعہ ہو جائے گا؟ اگر نہیں تو پچھلے تیس سال سے ایسا چلا آ رہا ہے تو ان پچھلی نمازوں کا کیا ہوگا؟

الجواب

ایسے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، جتنے سالوں کے جمعے پڑھے گئے، ان کی ظہر کی نمازیں قضا کرنا لازم ہے۔

وفی الجواهر لو صلوا فی القریٰ لزهم أداء الظهر .(۳) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۱۷/۴)

---

(۱) واستشهد له بما فی التجنيس عن الحلوانی أن كسالى العوام اذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لايمنعون لأنهم اذا منعوها تركوها أصلاً وأداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولىٰ من تركها أصلاً.(ردالمحتار، باب العيدين، مطلب يطلق المستحب على السنة: ۱۷۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) وعبارة القهستانی: تقع فرضًا فی القصبات والقرىٰ الكبيرة التی فيها أسواق.(رد المحتار: ۱۳۸/۲، ط: سعيد)
بلاد كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق، الخ.(رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعيد)

(۳) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

ایسے مقام پر جمعہ جہاں کوئی عالم، یا بڑاامیر نہ ہواورضروریات زندگی میسر بھی نہ ہوں:

سوال: ہمارے شہر میں مسجد بڑی عالیشان تیار ہوگئی ہے،ایسی مسجد اس علاقہ کے اندر کوئی نہیں ہے،جس کے تین گنبد ہیں اورابھی ہم لوگ اس جگہ جمعہ پڑھ رہے ہیں اورشہر بڑا نہیں ہے۔قریب ۳۵۰ رگھر آباد ہوں گے،یا کچھ کم یا کچھ زیادہ اورسوائے اس مسجد کے اور کوئی مسجد نہیں ہے،شہر سے باہر دوسو گز کے قریب تھوڑے گھر ہیں،اس جگہ ایک مسجد ہے اورکوئی مسجد نہیں ہےاورآگے اس جگہ جمعہ جاری نہیں تھا،ابھی تھوڑے عرصہ سے جمعہ پڑھاتے ہیں اورعالم بھی کوئی نہیں ہے،علم فقہ وعلم حدیث کوئی نہیں جانتا صرف حافظ قرآن وناظرۂ قرآن ہیں،مسائل سے ناواقف ہیں اوراس جگہ ڈھائی میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے۔اس جگہ جمعہ جاری ہےاوراس جگہ بڑاامیر آدمی بھی کوئی نہیں ہے،جس کی بات کالوگوں پراثر ہو،یااس کے تابع ہوں اور قاضی خود نہیں ہے،بازار بھی نہیں ہے کہ ہر چیز مل جائے۔اب مہربانی فرما کرفتویٰ دیویں کہ جمعہ جاری کردیویں تو ہوگا،یانہ ہوگا؟

(المستفتی:۱۲۲۰، پنشنرمہدی خاں صاحب (ضلع کامل پور) ۲۰؍رجب ۱۳۵۵ھ،۷؍اکتوبر۱۹۳۶ء)

الجواب

تشریح سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھوٹا گاؤں ہے؛اس لیے سب لوگ اتفاق کر کے اس جگہ ظہر کی نماز باجماعت ادا کرلیا کریں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔(کفایت المفتی:۳؍۲۴۳-۲۴۴)

جہاں پرکسی کوآنے کی اِجازت نہ ہووہاں نماز جمعہ ادا کرنا:

سوال: میرا یہ سوال ہے کہ میں منشیات کے اسپتال میں نماز جمعہ پڑھاتا ہوں،یہ عمل تقریباً چارسال سے کررہا ہوں؛ لیکن یہاں پر باقاعدہ طور پر مسجد نہیں بنائی گئی ہے؛لیکن نماز پڑھنے کے لیے ایک بہت بڑا ہال ہے،جس میں جمعہ کی بھی نماز ادا کی جاتی ہے؛ کیوں کہ وہاں پر منشیات کے عادی افراد کا علاج ومعالجہ ہوتا ہے؛ تاکہ نشے کی عادت ختم ہوسکے؛اس لیے ان کو اسپتال سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہےاوراگران کو باہر نماز کے لیے جانے دیاجائےتوخطرہ ہوتا ہے کہ وہ باہر جا کرنشہ حاصل کرکے دوبارہ استعمال نہ شروع کریں؛اس لیے احتیاطی طور پران کو باہر نہیں جانے دیا جاتا۔نمازِ جمعہ میں تقریبا ۳۰ سے ۴۰ رلوگ شریک ہوتے ہیں۔آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے سے آگاہ کریں کہ میں جو عمل کررہا ہوں یہ صحیح ہے کہ نہیں؟

الجواب

جہاں جمعہ پڑھایا جاتا ہے،اگروہاں ہرایک کوآنے کی اجازت نہیں تو جمعہ نہیں ہوگا۔(۲)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴؍۱۱۵-۱۱۶)

---

(۱) في ما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض وخطيب.(رد المحتار:۲؍۱۳۸،ط:سعيد)

(۲) والشرط السادس الإذن العام ... لا تجوز جمعته ... والإذن العام والاداء على سبيل الشهرة من جملة تلك الخصوصيات فلا تجوز بدونه.(الحلبي الكبير:٥٥٨،فصل في صلاة الجمعة)(الشرط السادس،ص:٤٨٠،دارالكتاب ديوبند،انيس)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، ومالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد/مولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبھٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر واشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش ودیگر مفتیان	شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا

(۲۱) نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲) خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبدالحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشر ز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبدالقادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اوران کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیتہ، مولانا عبدالحئی نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دارالعلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبدالحئی نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

مصادرومراجع

قرآن (مع تفاسیر وعلوم قرآن)

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک بن سلمۃ الازدی الحجری المصری الطحاوی	۳۲۱ھ
(۴)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۵)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبوعبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۶)	انوارالتنزیل واسرارالتأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصرالدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۷)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۸)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد المحلی رجلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۸۶۴ھ/۹۱۱ھ
(۹)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۱۰)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۱)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۲)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۱۳)	کیف یجب علینا ان نفسر القرآن الکریم	محمد ناصرالدین الألبانی	۱۴۲۰ھ

عقائد (مع شروحات)

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۴)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۵)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶)	الشریعہ	ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۷)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۸)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	مبدأ ومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ

متون واطراف واجزاء حدیث

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۰)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۱)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمرو راشد الأزدی	۱۵۳ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۲)	موطأ امام مالک	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۳)	کتاب الآثار بروایۃ أبي یوسف	ابو یوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۴)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۵)	کتاب الآثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۶)	موطأ امام مالک/موطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۲۸)	مسند الشافعی بترتیب السندی السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۹)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۰)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۱)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۲)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۳)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۴)	مصنف ابن ابی شیبہ/مسند ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۳۵)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راھویہ	۲۳۸ھ
(۳۶)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۳۷)	فضائل الصحابۃ	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۳۸)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۳۹)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۰)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۱)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین النیشافوری	۲۶۱ھ
(۴۲)	أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۴۳)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۴۴)	سنن ابوداؤد/مراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمروالازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۵)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۶)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۷)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۴۸)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۴۹)	الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۰)	السنۃ	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۵۱)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۲)	تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۳)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۴)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۵-۵۶)	سنن النسائی/عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۷)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۵۸)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۵۹)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۶۰)	الکنی والأسماء	ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(۶۱)	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۲)	التوحید	محمد بن اسحق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۳)	السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۶۴)	مسند السراج/حدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۵)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۶۶-۶۷)	شرح معانی الآثار/شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۶۸)	مکارم الأخلاق/مساوی ءالاخلاق	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(۶۹)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۷۰)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۱)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۲)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۳-۷۴)	الدعاء/مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۵)	عمل الیوم واللیلۃ	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۷۶)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۷۷)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۸)	شرح مذاہب أھل السنۃ	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۹)	الإبانۃ الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطۃ	۳۸۷ھ
(۸۰)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۱)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسافوری	۴۰۵ھ
(۸۲)	الإیمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ

سن وفات	مصنف، مؤلف	اسمائے کتب	نمبر شمار
۴۱۸ھ	ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی اللالکائی	شرح أصول اعتقاد أھل السنۃ والجماعۃ	(۸۳)
۴۳۰ھ	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	(۸۴)
۴۳۰ھ	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	(۸۵)
۴۳۰ھ	ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مھران البغدادی	امالی	(۸۶)
۴۵۴ھ	ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	مسند الشھاب	(۸۷)
۴۵۸ھ	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	السنن الکبریٰ/السنن الصغیر	(۸۸)
۴۵۸ھ	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	شعب الإیمان/الدعوات الکبیر	(۸۹-۹۰)
۴۵۸ھ	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	معرفۃ السنن والآثار	(۹۱)
۴۵۸ھ	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	المدخل إلی السنن الکبریٰ	(۹۲)
۴۶۳ھ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	جامع بیان العلم وفضلہ	(۹۳)
۴۸۸	محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	تفسیر غریب ما فی الصحیحین	(۹۴)
۵۰۹ھ	ابوشجاع، شیرویہ بن شھردار بن شیرویہ بن فناخسرو الدیلمی الہمدانی	الفردوس بمأثور الخطاب	(۹۵)
۵۱۶ھ	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	شرح السنۃ	(۹۶)
۵۵۲ھ	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التمیمی السمرقندی الدارمی	سنن الدارمی	(۹۷)
۵۷۱ھ	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	المعجم	(۹۸)
۵۷۹ھ	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	(۹۹)
۶۰۶ھ	مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	(۱۰۰)
۷۲۰ھ	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	مشکوٰۃ المصابیح	(۱۰۱)
۷۲۸ھ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	منہاج السنۃ	(۱۰۲)
۷۵۰	علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ المارديني ابن الترکمانی	الجوھر النقی	(۱۰۳)
۷۷۴ھ	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	جامع المسانید والسنن الھادی لأقوم السنن	(۱۰۴)
۷۶۲ھ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الھدایۃ	(۱۰۵)
۸۰۴ھ	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	البدر المنیر/مختصر تلخیص الذھبی	(۱۰۶)
۸۰۶ھ	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	(۱۰۷)
۷۷۱ھ	تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی		
۱۲۰۵ھ	السید محمد مرتضی الزبیدی		
۸۰۷ھ	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	(۱۰۸)
۸۰۷ھ	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	(۱۰۹)
۸۵۲ھ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	(۱۱۰)
۸۵۲ھ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	التلخیص الحبیر	(۱۱۱)

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۱۲)	المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۳)	الجامع الصغیر/الفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۴)	تنویر الحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۵)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۱۶)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۱۷)	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ

شروح وعلل حدیث

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۱۸)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک	۴۴۹ھ
(۱۱۹)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۱۲۰)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ
(۱۲۱)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہر الدین الزیدانی الکوفی الضریر الشیرازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۲)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبد اللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۲۳)	فتح الباری	زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۴)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبد اللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	
(۱۲۵)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۶)	تقریب التہذیب/تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۷)	شرح المصابیح	محمد بن عز الدین عبد اللطیف بن عبد العزیز بن امین الدین بن فرشتا الرومی الکرمانی الحنفی المشہور بابن ملک	۸۵۴ھ
(۱۲۸)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۲۹)	شرح سنن أبی داؤد	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۰)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۱)	الآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۲)	مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۳)	ارشاد الساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبد الملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۴)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۵)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۶)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۷)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبد الحق محدث دہلوی (عبد الحق بن سیف الدین بن سعد اللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۳۸)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نور الدین السندی محمد بن عبد الہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۳۹)	شرح مسند الشافعی	ابوالحسن نور الدین السندی محمد بن عبد الہادی التتوی	۱۱۳۸ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۴۰)	كشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبد الهادی بن عبد الغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۱)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۲)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۳)	مظاہر حق	نواب قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹ھ
(۱۴۴)	بذل المجهود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۴۵)	التعليق الممجد على موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۶)	حاشية السنن لأبی داؤد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۷)	حاشیہ حصن حصین	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۸)	عون الباری لحل أدلة البخاری	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۴۹)	التعليق الحسن على آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۵۰)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۱)	الکوکب الدری علی جامع الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۲)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۳)	المنهل العذب المورود شرح أبی داؤد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۵۴)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۵)	فیض الباری شرح البخاری	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۶)	تحفة الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۵۷)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۵۸)	التعليق الصبيح علىٰ مشكوٰة المصابيح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۵۹)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۶۰)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۶۱)	مرعاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح	ابوالحسن عبیداللہ بن بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۲)	سلسلة الأحاديث الضعيفة	محمد ناصر الدین الالبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۶۳)	منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری	حمزہ بن محمد قاسم	۱۴۳۱ھ
(۱۶۴)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ

سیرت وشمائل

(۱۶۵)	زاد المعاد فی ہدیة خیر الانام	ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامة المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۶۶)	سبل الہدی والرشاد فی سیرة خیر الانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ
(۱۶۷)	لمواهب اللدنية بالمنح المحمدية	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۶۸)	شرح المواهب اللدنية	العلامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
		کتب فقہ احناف	
(۱۶۹)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۰)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۱)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۲)	مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۷۳)	شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۷۴)	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمر قندی	۳۷۳ھ
(۱۷۵)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۷۶)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۷۷)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۷۸)	شرح السیر الکبیر	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۷۹)	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمر قندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۸۰)	خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۸۱)	المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۸۲)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۸۳)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۸۴)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۸۵)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۸۶)	المجتبی شرح مختصر القدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۸۷)	تحفۃ الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۸۸)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ہاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ
(۱۸۹)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۹۰)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۹۱)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۹۲)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۹۳)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۱۹۴)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۱۹۵)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۱۹۶)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۹۷)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۹۸)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۱۹۹)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۰۰)	جامع المضمرات شرح مختصر القدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۲۰۱)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۰۲)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۰۳)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۴)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۵)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۰۶)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۰۷)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۰۸)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۰۹)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۰)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۱۱)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۱۲)	دررالحکام شرح غررالأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۱۳)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۱۴)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیرخان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۱۵)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۱۶)	الصغیری/الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۱۷)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۱۸)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۱۹)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ
(۲۲۰)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۲۱)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۲۲)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۲۳)	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۲۴)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۲۵)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصر الدین الحنفی	۱۰۳۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۲۶)	نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۷)	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۸)	مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۹)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۳۰)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیر الدین بن احمد بن نور الدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۳۱)	الدر المختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۳۲)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۳۳)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۳۴)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۳۵)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدوسی مصری	۱۲۲۱ھ کے بعد
(۲۳۶)	مالابدمنہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۳۷)	رد المحتار حاشیۃ الدر المختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۸)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۹)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۰)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۱)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۴۲)	رسالہ الاربعین	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۴۳)	غایۃ الاوطار ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہور یمترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	۱۲۷۱ھ، --
(۲۴۴)	التحریر المختار حاشیۃ رد المحتار	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۴۵)	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابوابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جار اللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۴۶)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۴۷)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۸)	السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۹)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۰)	حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۱)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۲)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۳)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۵-۴)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء، تحفۃ الاخیار	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۵۶)	علم الفقہ	عبدالشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۵۷)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۵۸)	رسالہ تراویح	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۵۹)	رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۶۰)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--
(۲۶۱)	الآثار الحمیدیۃ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبداللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲-۲۶۳)	بہشتی گوہر/بہشتی زیور/تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۶۴)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۶۵)	رکعات تراویح	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	۱۴۱۳ھ
(۲۶۶)	نماز مسنون کلاں	مولانا عبدالحمید سواتی	۱۴۲۹ھ
(۲۶۷)	کتاب المسائل	مفتی سید سلمان منصورپوری	مدظلہ
		﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾	
(۲۶۸)	المدونہ	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۶۹)	کتاب الام	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۷۰)	المحلی بالآثار	ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری	۴۵۶ھ
(۲۷۱)	نھایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۷۲)	بحر المذہب	ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ
(۲۷۳)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۷۴)	المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۷۵)	فتاویٰ النووی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۷۶)	المقنع/الشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ
(۲۷۷)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۷۸)	المدخل	ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج	۷۳۷ھ
(۲۷۹)	شرح العباب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۰)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۱)	کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ	عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابوالشیخ موسی الشعرانی الحنفی	۹۷۳ھ
(۲۸۲)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۲۸۳)	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۲۸۴)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۸۵)	فتح المعین بشرح قرۃ العین	زین الدین احمد بن عبدالعزیز بن زین الدین بن علی بن احمد الملیباری الہندی	۹۸۷ھ
(۲۸۶)	ہدایۃ السائل/الانتقادالرجیع/بدورالاہلہ	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
		فقہ مقارن	
(۲۸۷)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۸)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی	۲۰۱۵ء
(۲۸۹)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--
		اصول فقہ	
(۲۹۰)	اصول البز دوی	فخر الاسلام علی بن محمد البز دوی	۴۲۲ھ
(۲۹۱)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۹۲)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۹۳)	المنار	حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۲۹۴)	الکافی شرح البز دوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۹۵)	کشف الاسرار شرح اصول البز دوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۲۹۶)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۲۹۷)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۲۹۸)	نورالانوار فی شرح المنار	ملاجیون حنفی، احمد بن ابوسعید	۱۱۳۰ھ
(۲۹۹)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۳۰۰)	تنویر المنار (فارسی)	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۳۰۱)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
(۳۰۲)	فقہ السنۃ	مولانا محمد عاصم صاحب	--
		تزکیہ واحسان	
(۳۰۳)	ادب الدنیا والدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۳۰۴)	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطّوسی	۵۰۵ھ
(۳۰۵)	غنیۃ لطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۰۶)	الفتح الربانی	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۰۷)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۰۸)	الأذکار للنووی	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۳۰۹)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۱۰)	الزواجرعن اِقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ
(۳۱۱)	دلیل الواعظ اِلیٰ اَدلۃ المواعظ	شحاتۃ محمد صقر	--
		﴿لغات، معاجم، ادب وتاریخ، طبقات وتراجم﴾	
(۳۱۲)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۱۳)	المتفق والمفترق	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
(۳۱۴)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۱۵)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۱۶)	التعریفات الفقھیة	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۱۷)	قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مدظلہ
(۳۱۸)	معجم لغۃ الفقہاء	محمد رواس قلعہ جی رحامد صادق قنیبی	مدظلہ
(۳۱۹)	فیروزاللغات	الحاج مولوی فیروزالدینؒ	--
		﴿متفرفات﴾	
(۳۲۰)	ماثبت من السنۃ	عبدالحق مسکین بن سیف الدین بن سعداللہ دہلوی	۱۰۵۲ھ
(۳۲۱)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۲)	ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۳)	عجالۂ نافعہ	شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
(۳۲۴)	فیوض قاسمی	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	۱۲۹۷ھ
(۳۲۵)	رسالہ ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۳۲۶)	رسالہ اوثق العریٰ	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۳۲۷)	رسالہ احسن القریٰ	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب	۱۳۳۹ھ
(۳۲۸)	ایضاح الادلۃ	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب	۱۳۳۹ھ
(۳۲۹)	دین کی باتیں	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۳۰)	رسالہ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات	مفتی کفایت اللہ دہلوی	۱۳۷۲ھ
(۳۳۱)	اوزان شرعیہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۳۳۲)	آئینۂ نماز	مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری	۱۹۹۹ء
(۳۳۳)	آسان فقہ	محمد یوسف صاحب اصلاحی	--
(۳۳۴)	مسائل سجدۂ سہو	مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی	مدظلہ
(۳۳۵)	رسالہ رکن دین اردو	مولوی رکن الدین الوری	--

نوٹ: ’’فتاویٰ علماء ہند، جلد-۱۴‘‘ کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔ (انیس الرحمٰن قاسمی/محمد اسامہ ندوی)